بار برزخ
حِنا کامران

ناول

حنا کامران

بار برزخ

آسمان صبح کی سرخی سے ڈھکا ہوا تھا۔ پرندے وحشت میں پَر مارتے یہاں سے وہاں اڑ رہے تھے۔ درخت خوف کے باعث جھکے ہوئے تھے اور زمین کسی بے رحم کے ڈر سے لرز رہی تھی۔ وہ بے رحم اپنی پستول ایک نوعمر لڑکے کی گردن پر تانے فرعون سے کم نہ دکھتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں واضح سفاکیت دیکھی جاسکتی تھی۔ لب فتح کا نعرہ لگاتے آپس میں مسکراہٹ کو بھینچے ہوئے تھے اور ہاتھ بالکل سیدھ میں اس نوعمر لڑکے کی گردن پر پستول کی نال رکھے ہوئے تھا۔ پس منظر میں اس چھوٹی سی کالونی کے لوگوں کی گردنیں کھڑکیوں سے جھانک رہی تھیں۔ آنکھوں میں خوف وہراس لیے وہ اس متوقع ظلم کے ختم ہونے کی دعائیں لبوں پر پڑھ رہے تھے۔ مگر یہ ظلم ہونا تھا کیونکہ اس ظلم کی ڈور خلیفہ تبریز کے ہاتھ میں تھی جو اس دور کا سب سے بڑا جابر و وحشی تھا۔

"خدا کیلئے ہم پر رحم کرو۔ چھوڑ دو میرے بیٹے کو۔ میں وعدہ کرتا ہوں یہ آئندہ تمہارے راستے میں نہیں آئے گا۔" بوڑھا ضعیف آدمی اس کے مضبوط پاؤں کو پکڑے ہوئے گڑگڑا رہا تھا۔ ظالم نے نگاہ نیچی کی پھر پاؤں کو جھٹکا دیا۔ بوڑھا آدمی لڑھکتا ہوا سائیڈ پر گرا تھا۔

" کون سا خدا۔ کیا تم میری بات کررہے ہو؟ اگر ہاں تو سچ سچ میں ظالم خدا ہوں۔ رحم نہیں کرتا۔"

یہ کہتے ہی اس نے ٹریگر دبا دیا، اس نوعمر لڑکے کی گردن کے پرخچے اڑ گئے تھے۔لوگوں نے خوف سے کھڑکیاں بند کرلیں کیونکہ وہ لڑکے کی خون کی بوندیں اس بوڑھے باپ کے چہرے پر برداشت نہیں کر پا رہے تھے۔وہ بوڑھا حلق میں دل لیے کپکپاتے، چیختے، چلاتے، واویلا کرتے ہوئے اپنے بیٹے کی لاش کی طرف زمین پر گھسٹتا ہوا پہنچا کہ اب اس میں کھڑے ہونے کی طاقت نہیں تھی۔

"ظلم۔۔۔ظلم۔۔۔ظلم اے خدا واحد دیکھ زمینی خدا کیا قہر مچا رہے ہیں۔دیکھ میرا واحد سہارا مجھ سے چھن گیا۔ دیکھ ان ظالموں نے حق کا ساتھ دینے پر کیا سزا دی۔دیکھ میں تنہا ہو گیا۔میں تنہا ہو گیا۔" وہ بوڑھا روتے ہوئے بین کرنے لگا۔سینہ پیٹنے لگا۔خلیفہ نے تمسخر سے لب کے ایک کنارے کو پھیلایا اور ایک گھٹنے پر خون سے بھرا پستول والا ہاتھ ٹکا کر اس بوڑھے کو تکنے لگا۔

"واؤ واٹ آ اموشنل سین۔"

ہنکارہ بھرتے ہوئے اس نے سر کو جھٹکا۔

"یا یوں کہنا چاہیے واٹ آ بکواس سین۔۔۔تم لوگ کتنے ڈرامے ہو نا یار، کہتے ہو خدائے یکتا ہی ہمارا سہارا ہے۔وہ اللہ۔" اس نے پستول کی نال کو آسمان کی جانب کیا۔ "وہی ہمارا سب کچھ ہے تو پھر " تنہا رہ گیا میں، سہارا چھن گیا میرا" یہ سب کیا ہے۔؟تم لوگوں کے ایمان کی کمزوری؟ یا پھر دنیاوی دکھاوے اگر وہ اللہ ہی تمہارا سب کچھ ہے لعل اولاد میں تو تم تنہا کیسے ہو۔؟ جھوٹے سالے۔"

کھڑے ہوتے ہوئے وہ مڑا۔فخر سے آس پاس سناٹے میں گھری اس کالونی پر نگاہ ڈالی جو شہر کے مضافاتی علاقے میں ان کے پیسوں سے معرض وجود میں آئی تھی جہاں صرف ان کی حکمرانی چلتی تھی کیونکہ یہ جگہ ان کی سیو پلیس تھی۔بوڑھے کی روتی ہوئی آواز میں اس کے دل کو جیسے سکون سا مل رہا تھا۔اس نے ہلکے سے سر کو جنبش دی پھر اس کی اگلی بات پر بوڑھا سر سے پیر تک کانپ گیا۔

"بیٹی لاؤ اپنی جلدی۔"

بوڑھا جلدی سے اٹھا۔سسکیاں بھرتے ہوئے پھر اس کے گھٹنوں کو پکڑ لیا۔

"اس سب میں میری بیٹی کا کوئی قصور نہیں۔اس نے کچھ نہیں کیا۔وہ بے قصور ہے اسے بخش دو۔"

اس کی ٹانگوں کو زور سے پکڑتے ہوئے وہ پاگلوں کی طرح کہہ رہا تھا۔ خلیفہ نے اکتاتے ہوئے اس بوڑھے کو خود سے جدا کرنا چاہا مگر وہ کسی جونک کی طرح اس سے چپک گیا تھا۔

"تو نہیں باز آئے گا نا۔ چل ٹھیک ہے۔"

اس نے ایک اشارہ کیا۔ ہٹے کٹے سیاہ مشرقی آدمی اس بوڑھے کے گھر میں گھسے۔ دو منٹ بعد ان میں سے ایک کے کندھے پر گیارہ، بارہ سالہ لڑکی تھی۔ جو روتے ہوئے، چلاتے ہوئے اپنے باپ سے اور ارد گرد کے بند دروازوں کے پیچھے چھپے بے حس ڈرپوک لوگوں سے مدد کی بھیک مانگ رہی تھی۔ مگر سب بے سود تھا۔

"آج تو میری عزت چھین رہا ہے۔ خدا کے قہر سے ڈر کیونکہ کل کو تیری عزت چھینی جانی ہے۔ تیری آنکھوں کے سامنے تیری عزت تار تار ہوگی اور تو کچھ نہیں کر پائے گا۔ میری طرح بلبلائے گا تڑپے گا مگر کوئی تیری مدد کو نہیں آئے گا حتیٰ کہ تو خود بھی کچھ نہیں کر سکے گا۔"

وہ اس بوڑھے کو زور سے جھٹک کر مڑنے لگا تھا۔ جب اس کے یہ الفاظ کانوں میں گونجے۔ خلیفہ نے متبسم نگاہوں سے گردن کو موڑ کر اسے دیکھا۔

"ہنہ، وہ بات منہ سے نکالا کر غریب آدمی جو تجھے زیب دے۔ اور ہاں جس طرف تیرا اشارہ ہے میرا ایسا کوئی سین ہی نہیں اور جس کے ساتھ سین ہے، اس کے پہلے ہی بہت سے سین ہیں۔"

اس کی بات پر اس کے ساتھیوں نے قہقہہ لگایا تھا۔ وہ جمپ مار کر جیپ میں بیٹھا۔ اسے سٹارٹ کر کے ریورس کی پھر اس نوعمر لڑکے کی لاش پر سے گزار کر لے گیا۔

"میرا کوئی قصور نہیں لعل اولڈ مین تمہارا بیٹا ہی نو پارکنگ زون میں پڑا تھا۔"

انگوٹھیوں سے بھری انگلیوں والا ہاتھ ہوا میں لہراتا وہ اونچی آواز میں بولا تھا۔ اس کی جیپ دھول اڑاتی وہاں سے گزری تھی۔ دن کے طلوع ہونے پر ظلم کی شروعات ہوئی تھی۔ نجانے اس کا اختتام کب ہوگا۔

☆......☆......☆

"ہا میرا شیر خوش کر دیا۔" وہ کپڑے چینج کرتا اپنی گھری داڑھی میں ہاتھ پھیرتا ہوا آیا اور یہ داد و تھپکی وصول کر کے جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتا کھڑا ہو گیا۔

"یہ تو کوئی کام ہی نہیں تھا خان۔ تم جان بھی مانگو تو ہاتھ پر رکھ کر پیش کر دونگا۔"

اس نے اپنی سرخ وسپید ہتھیلی آگے کی۔ خون کی سرخی سے بھرے ہاتھ کو اس ادھیڑ عمر آدمی نے پکڑ کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

"تمہاری جان میں تو ہماری جان ہے، یہ بتاؤ ایف آئی آر کا کیا بنا۔"

وہ دونوں چلتے ہوئے کین کی کرسیوں پر آمنے سامنے آ بیٹھے۔ ان کے سامنے چھوٹی سی میز پر سرخ وائن رکھی تھی جسے سمندر خان گلاسوں میں انڈیل رہا تھا۔

"کوئی مائی کا لال ایسا پیدا نہیں ہوا جو سمندر خان یا پھر خلیفہ کے خلاف ایف آئی آر کاٹے۔ آئی جی کو ایک میسج ہی کافی تھا۔"

سمندر خان اس کی بات پر قہقہہ لگا کر ہنسا۔ سرخ مشروب سے بھرا گلاس اس نے خلیفہ کی اور بڑھایا جسے وہ ایک گھونٹ میں ہی خالی کر گیا۔

"ہم کو خوشی ہوئی یہ سن کر، اب تم کو ایک خوشی دے دیتے ہیں مینا سفر سے لوٹ آئی ہے۔"

وہ حقیقتاً اس بات سے خوش ہوا تھا۔ جھٹ اپنی کرسی سے کھڑا ہوا مگر خان کے اشارے پر بیٹھ گیا۔

"مگر تم ابھی اس سے نہیں ملو گے۔ میں نہیں چاہتا تمہاری یہ دل لگی خطرناک جذبے کا روپ دھارے۔"

وہ احتجاج کیلئے منہ کھولنے ہی لگا تھا کہ خان کی سخت نگاہ پر لب بھینچتا تھم گیا۔

"جو حکم۔ کیا مینا اس کام میں کامیاب ہوگئی جس کیلئے وہ گئی تھی۔"

اس کی خشک کھردری آواز سن کر سمندر خان کے ماتھے پر بل پڑے۔

"مجھ سے غرا کر بات نہ کر شیر، تو جانتا ہے جو تیری اکڑ ہے وہ میری بدولت ہے میرے بغیر تو کچھ نہیں۔"

خلیفہ نے اثبات میں سر ہلا کر خان کی بات کو ہضم کیا۔

"میں اپنی اوقات نہیں بھولا خان مگر یہ بات واضح ہے میرے بغیر بھی کوئی کچھ نہیں۔"

اس کی ان ڈائریکٹ چوٹ پر سمندر خان کے لب فاتح ہوئے۔ خلیفہ کے گلاس کو پورا بھر کر وہ اس خوبصورت ظالم کو دیکھ کر بولا۔

"تیری یہی ادا تو تجھے سب سے منفرد بناتی ہے میرے شیر، اسی لیے تو، تُو میری جان ہے کہ تُو کسی سے نہیں ڈرتا۔ اپنا یہی ایٹی ٹیوڈ برقرار رکھنا مگر ایک بات دماغ میں رکھو کہ تو صرف سمندر خان کا ہے اور سمندر خان تیرا۔ کوئی تیسرا ہم دونوں کے بیچ نہیں آئے گا۔ اب جا مینا کے پاس اور مبارک کر اپنا دن اور اپنی شب۔"

اس کے لبوں کا ایک کنارہ پھیلا پھر وہ اپنی چادر جھاڑ کر کھڑا ہوا۔

"نہیں خان اب خلیفہ کا موڈ نہیں۔" اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتا وہ سبزے کو اپنے قدموں میں روندتا دور جا رہا تھا۔ سمندر خان نے آنکھیں چندھیا کر اس کی چال دیکھی اور سر جھٹک کر بوتل خالی کرنے لگا۔

☆......☆......☆

آسمان پر پرندے گول دائروں میں گھوم کر جیسے کسی کی موت پر سوگ منا رہے تھے۔ ایک منٹ ٹھہرو، وہ آسمان پر دائرے نہیں بنا رہے تھے بلکہ وہ تو کسی مردہ وجود پر گھوم کر اسے اپنا شکار بنانے کی سعی میں تھے۔ ان پرندوں کے غول میں سے ایک چیل نکلتی اور نشانہ تاک کر اس ٹھنڈے وجود کا لذیذ گوشت اپنی چونچ میں لے جاتی۔ یہ گوشت اتنا لذیذ تھا کہ اس نے خوشی سے چہکنا شروع کر دیا۔ وہ اتنی زور زور سے چیخی کہ اس کی برادری والے دور گھنے درختوں سے نکل کر اس سمت آنے لگے۔ آسمان پر ڈھیر سارے پرندوں کا مجمع لگ گیا تھا۔ آج ان کی دعوت جو تھی۔

"مجھے کچھ نہیں پتا کہیں سے بھی...... کہیں سے بھی اس لڑکی کو ڈھونڈ و پتا لگاؤ وہ کہاں گئی ہے۔ کس نے اسے اٹھایا ہے۔ اس کی لوکیشن ٹریس کرو، سیل فون تک رسائی حاصل کرو۔ مجھے ہر صورت وہ لڑکی چاہیے حفیظ۔"

سٹولر میں سجے چہرے کے ساتھ وہ بند شوز میں تیز تیز چلتی اپنے ماتحت کو آرڈر دے رہی تھی۔ اس لڑکی کی چال پیاری تھی۔ وہ خود بھی تو بہت پیاری تھی۔ سفید رنگت، سیاہ آنکھیں، لانبی پلکیں، معصوم چہرہ، اچھا قد۔ وہ کسی بھی دیکھنے والے کو لمحے کے ہزارویں حصے میں مبہوت کر سکتی تھی۔ جیسے اس وقت اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے وہ نو عمر لڑکا ہوا تھا۔ جس نے اس آفیسر کو دیکھ کر چیونگم کا بلبلہ بنا کر پھوڑا۔ اس لڑکے کے ساتھ وہ پھٹا ہوا بلبلہ بھی حیران ہوا تھا۔ یعنی کوئی ایف آئی اے آفیسر، وہ بھی پاکستانی آفیسر اتنی دلکش ہو سکتی ہے۔ اس کی نظریں اپنے پھٹے ہوئے بلبلے کی جانب گئیں جو کہہ رہا تھا۔

"اوہ کم آن ڈیوڈ! مان جاؤ حسن سب سے زیادہ ایشیاء میں ہے۔"

اپنے بلبلے کی بات کو سراہتے ہوئے اس نے اس آفیسر کی جانب دیکھا۔ جو سیٹ سنبھالتے ہی لیپ ٹاپ کو اپنی جانب کھینچ چکی تھی۔

"تمہارا بہت سنا ہے ڈیوڈ، تم کمپیوٹر میں ماسٹر ہو، ہیکنگ تمہارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے اور......"

ایک سانس میں لیپ ٹاپ کی سکرین پر نگاہ جماتے ہوئے اس نے ڈیوڈ کو اپنی سحر انگیز نگاہوں سے دیکھا۔ وہ سیٹی والے انداز میں ہونٹوں کو گول کر گیا۔ اس لڑکی کا دیکھنے کا انداز بھی اچھا تھا۔ وہ اور متاثر ہوا۔

"تم جعلی آئی ڈی کارڈز بنانے میں ایکسپرٹ ہو۔" اس نے گہرا سانس لیا۔ لیپ ٹاپ کی سکرین کو زور سے بند کر کے اپنا وزن اس نے کرسی کی پشت پر گرایا اور ڈیوڈ کو سکین کرتی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"ہاں میں یہ سب کر سکتا ہوں، لیکن مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہا واشنگٹن کی پولیس سے مجھے بچا کر یہاں پاکستان کیوں لایا گیا ہے؟"

وہ اس کے سوال سے محظوظ ہوئی۔ آگے کو جھک کر دونوں ہاتھوں کو آپس میں قید کر کے وہ گردن کو دائیں جانب گرا کر بولی۔

"ویل، اگر تم واشنگٹن کی پولیس کے ہتھے چڑھ جاتے تو یقیناً اس وقت ان کی سخت جیل میں سڑ رہے ہوتے۔ وہ لوگ تم سے لوہا کٹواتے، تمہیں کتے کی طرح دن رات پیٹتے، ایک وقت کا گلا سڑا کھانا دیتے۔ تمہارے بہت سارے دشمن بنتے وہاں پر جو تمہارے اس خوبصورت چہرے کو بگاڑ سکتے تھے۔ اور سب سے بڑی بات تم کبھی وہاں سے نکل نہ پاتے۔"

ڈیوڈ نے یکدم جھرجھری بھری۔ وہ جتنی پیاری تھی اتنی پیاری باتیں نہیں کرتی تھی۔ ڈیوڈ کو اپنے خوبصورت چہرے سے پیار تھا۔ تبھی بولا۔

"میں جانتا ہوں یہاں پر مجھے کسی کام کے تحت ہی لایا گیا ہے۔ اور وہ کام یقیناً آسان نہیں ہو گا۔"

ٹھنڈے سے کمرے میں وہ مسکرائی۔

"تم ذہین ہو۔" اس نے اپنے گھٹنے کے پاس بنی دراز میں ہاتھ ڈال کر ایک فائل نکالی اور میز پر اچھال

دی۔آنکھوں سے اس نے ڈیوڈ کو اسے کھولنے کا اشارہ کیا۔وہ اس اورنج فائل کو کھولتے ہوئے الٹنے پلٹنے لگا۔ جیسے جیسے وہ پڑھ رہا تھا اس کا چہرہ زردی کی طرح پیلا ہوا جا رہا تھا۔اس نے کسی سانپ کی طرح اس فائل کو اپنے سے دور کیا۔

"یہ۔ایک۔۔مذاق ہے کیا؟ کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں ایک عام لڑکا موت کے منہ میں جا کر خود کو ختم کر دوں۔تم۔۔تم پاگل ہو آفیسر،تم نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا۔"

وہ اس جذباتی لڑکے کا پیلا اور سرخ چہرہ دیکھے گئی۔بولی تو آواز پانیوں کی مانند پرسکون تھی۔

"کام ڈاون ڈیوڈ! مجھے دیکھو۔پرسکون ہو جاؤ۔تم کر سکتے ہو۔تم سب کچھ کر سکتے ہو۔تم بھلے عام ہو لیکن تمہیں یہ خاص کام کرنا ہے۔تمہیں اپنی مام کیلئے یہ کام کرنا ہے۔مجھے یقین ہے کہ تم چاہو گے کہ تمہاری مام اس گند سے باہر نکل آئے۔ہاں ڈیوڈ انہوں نے ہی تمہاری مام کو اٹھایا ہے۔وہ ان کے قبضے میں ہے۔"

وہ چھوٹا سا لڑکا اپنا سر پکڑے کرسی پر گرا تھا۔اس کا سانس دھونکنی کی مانند چلنے لگا۔گردن کی رگیں ضبط سے ابھر آئی تھیں۔وہ اٹھ کر اس کے پاس آئی۔پنجوں کے بل بیٹھی اور کرسی کا ہتھا پکڑ کر بولی۔

"میں یہ کام کسی سے بھی کروا سکتی تھی۔تم جانتے ہو ہماری طاقت پوری دنیا میں مشہور ہے۔ہمیں دوسروں کے سہارے کی ضرورت نہیں۔لیکن مجھے لگتا ہے تمہیں خود اپنی مام کو ان کے چنگل سے نکلوانا چاہیے۔ایک بیٹے کیلئے اس سے بڑے اعزاز کی بات کیا ہو گی کہ وہ اپنی مام کا محافظ بنے۔"

اس کے لفظوں کے جال نے ڈیوڈ کو چاروں اور سے جکڑ لیا تھا۔ان کی جکڑن اتنی زیادہ تھی کہ اسے سانس لینا دشوار لگنے لگا۔

"مجھے لگا تھا وہ اپنے بوائے فرینڈ کے پاس ہیں۔وہ پاکستان ہیں،وہ یہاں ہیں۔وہ وہ۔۔"

وہ بولتے بولتے رکا۔پھر اس آفیسر کے چہرے کی جانب دیکھا۔نظریں آپس میں ملا کر وہ زوردار انداز میں ہنسا۔وہ بھی مسکرا اٹھی۔

"تم اچھے ایکٹر ہو۔ڈیوڈ او پس دانیال۔" وہ کھڑی ہو کر پھر سے اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔

"تمہیں اپنی مام کا بدلہ لینا ہے۔" دانیال نے اس کی بات درمیان میں کاٹی۔

"ڈیوڈ نے لینا ہے دانیال نے نہیں۔" اس کے لب پھر سے بلبلہ بنانے میں مصروف ہو چکے تھے۔

"جو بھی ہے تم اس پلان کے ساتھ خلیفہ کے نیٹ ورک میں شامل ہو اور وہاں سے جتنی جلدی ہو سکے تمام رپورٹس مجھے دو۔ میں اس کے کالے کارناموں کو دنیا کے سامنے لانا چاہتی ہوں۔ میں سب کو بتانا چاہتی ہوں کہ اس سپر کول بزنس مین کے پیچھے کتنا سیاہ چہرہ چھپا ہے۔"

خلیفہ کے نام اور اس کے انتہائی شفاف ریکارڈ کو دیکھتے ہوئے اس کا چہرہ حقارت میں ڈھلنے لگا، دانیال نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں آپ کو مایوس نہیں کرونگا۔ آفیسر۔۔۔؟"

"آفیسر نہیں، ہیڈ انچارج آف کرائم برانچ ایف آئی اے معروش حبیب۔"

وہ کھڑی ہوئی۔ دانیال نے اس کے قد پر اپنی نظروں کو ڈالا۔ وہ کیپ اٹھا کر سر پر رکھے جا رہی تھی۔ اس نے ایک نگاہ اس کے کمرے پر ڈالی اور پھر ہاتھ پھیلاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆......☆......☆

"بتاؤ کون ہو تم؟ کس کے مخبر ہو؟ کس نے بھیجا ہے تمہیں یہاں؟ بک دو ابھی ورنہ خلیفہ آ گیا نا تو نجات کی بھیک مت مانگنا۔ چمڑی ادھیڑے گا تمہاری اور رونے بھی نہیں دے گا۔"

لوہے کی دیواروں سے بنے کمرے میں اس کی کرخت آواز گونج رہی تھی۔ سیاہ رنگ کی میز اور کرسی پر آمنے سامنے بیٹھے دونوں ہی ضدی معلوم ہوتے تھے۔ سر پر لگا تیز روشنی کا بڑا سا راتارچ بلب چہرہ جھکائے شخص کے اعصابوں کو شل کرنے کی جی توڑ کوششوں میں تھا۔ وہ حیران تھا کہ سورج جیسی پگھلا دینے والی روشنی میں وہ شخص کیسے اتنا پر سکون بیٹھ سکتا ہے یا پھر وہ پر سکون نہیں تھا، پر سکون ہونے کا ڈرامہ کر رہا تھا لیکن درحقیقت وہ اپنے ضبط اور برداشت کو آزما رہا تھا۔

اس نے قہر جتایا اور مزید جھلسا دینے والی گرمائش نکالنے لگا۔

"میں ان فرسودہ دھمکیوں سے نہیں ڈرنے والا۔ تم میری ایک ایک نس بھی کاٹ دو تب بھی میں یہ کہوں گا کہ میں۔۔۔ بے قصور ہوں۔"

ڈپلی کیٹ سورج کی تپتی روشنی کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ ڈھٹائی سے کہہ کر سامنے والے کو دانت کچکچانے پر مجبور کر گیا۔ وہ شخص کرسی کی بیک کو چھوڑ کر آگے کو جھکا۔ دونوں ہاتھوں کو باہم پھنسائے اس پسینے سے شرابور ضدی شخص کو دیکھنے لگا جو اس کے صبر کا کڑا امتحان لے رہا تھا۔

"تو گویا ثابت ہوا تمہیں اپنی موت عزیز ہے لڑکے، میں نہیں چاہتا کہ تم تڑپو اور یہ کمرہ تمہاری تڑپ پر ہنسے۔ ایک آخری بار پوچھ رہا ہوں کس کے کہنے پر تم نے ہمارا ٹرک پکڑوایا ہے؟"

ٹھنڈی ضبط سے بھری جھنجھلائی آواز پر اندر سے بے چین باہر سے ندی کی طرح شانت پوچھ رہا تھا لیکن شاید اس آدمی کی روح کو آج قضا کی چاہ تھی تبھی اس کا سر نفی میں ہلتا دیکھ کر رمیز نے زوردار پنچ اس کی ناک پر رسید کیا۔ اس کا وار اتنا شدید تھا کہ سامنے بیٹھے شخص کی ناک سے سرخ سیال بہنے لگا۔ چمکیلا سرخ سیال ہونٹوں پر سے جھرنے کی طرح گرتا اسکی ہلکے نیلے رنگ کی پینٹ کو بھگو رہا تھا۔ آہ کی آواز تک لبوں سے نہ نکلی بلکہ وہ ہولے سے مسکرایا اور بولا۔

"بس اتنا ہی زور ہے تم میں، میں نے تو سنا تھا گناہ کا ہاتھ بہت بھاری ہوتا ہے۔"

"گناہ کا ہاتھ بہت بھاری بھی ہوتا ہے اور ظالم بھی، اس کا ظلم اتنا بھیانک ہوتا ہے کہ موت تک کپکپا جاتی ہے۔"

مار کھانے والے کا بولنے کے سبب منہ میں خون چلا گیا تھا جسے وہ اسٹیل کی زمین پر خود کو بائیں جانب گرائے تھوک رہا تھا جب یہ جملے اس کی سماعتوں سے ٹکرائے۔ ٹھنڈی پرسکون آواز پر دونوں نے مڑ کر دیکھا تھا۔ دروازے کا ہک چڑھائے سفید شلوار قمیض پر بھورا کوٹ پہنے وہ سنہری آنکھوں والا شیر شکار کو دیکھ کر مسکرایا تھا۔ اسکی آنکھوں کی چمک ببر شیر جیسی تھی اور مسکراہٹ تباہی مچا دینے والی۔ شیر کی چال چلتا اپنے بوٹوں کی دھمک کے ساتھ وہ اس مخبر کے پاس آ کر رکا۔ ایک ہاتھ سے اسکی کرسی کو اپنی جانب موڑا اور اس کے گھٹنے پر اپنا بوٹ جما کر جھک کر اسکی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ سنہری سونے کے ذروں جیسی آنکھوں نے بھوری آنکھوں کو سکیڑ کر بھسم کرنا چاہا۔ وہ مسکرایا اور بولا۔

"ہیلو ایجنٹ! تم سے مل کر خوشی ہوئی۔" رمیز نے آرام سے کرسی کی پشت پر خود کو گرا دیا۔ وہ خلیفہ اور ایجنٹ

جس کا فرضی نام عقیل تھا کو دیکھنے لگا، سننے لگا۔ اسکی سماعت و بصارت کو کمرے کی دیواروں نے اپنی سماعت و بصارت بنایا تھا۔ وہ سن رہے تھے۔ جو خلیفہ کہہ رہا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے جو خلیفہ کر رہا تھا لیکن وہ سہنا نہیں چاہتے تھے جو آگے ہونے والا تھا۔

"لیکن مجھے نہیں ہوئی، موت کے فرشتے۔" وہ اس خطاب سے دل کھول کر ہنسا۔ اس کا قہقہہ شیر کی دھاڑ سے کم نہ تھا۔

"تم نے مجھے پہچان لیا کتنے ذہین ہو تم، تو بولو مرنے سے پہلے تمہاری کیا خواہش ہے۔"

رمیز کی آنکھیں اس سوال سے سکڑیں۔ اسے تو اس سے انفارمیشنز نکلوانی تھیں تو پھر وہ ڈائرکٹ مرنے مرانے پر کیوں آ گیا تھا۔

"یہی کہ تمہیں بھی اذیت ناک موت ملے۔"

خلیفہ ایک بار پھر دل کھول کر ہنسا، ہنس کر تھما، تھم کر پھر سے اس پر جھکا۔ لبوں کو اس کے کانوں تک لایا اور کہا۔ "برمنگھم، سٹریٹ دس، تھامسن بیکری اور اس کی بیک ڈور پر کھلتا ایک پیارا سا گھر۔"

لبوں پر مسکراہٹ دبائے وہ فتح یاب نظروں سے اس عقیل کو دیکھ رہا تھا جس پر اس ٹارچ بلب کا اثر ہونا شروع ہو گیا تھا تبھی اس کا چہرہ اس روشنی کی طرح زرد اور تمتماتا ہوا تھا۔ مردے جیسی زردی اور آنکھوں میں ابھرتی بے یقینی نے خلیفہ کو لبوں کو سیٹی کی انداز میں گول کرنے پر مجبور کر دیا۔

"اوہ کم آن، تم خلیفہ کو کوئی معمولی شے سمجھتے ہو۔ تمہیں لگا اپنی فیملی کو پاکستان سے غائب کرو گا۔ سیف ہاؤس میں رکھوں گا۔ اور پھر خلیفہ کے گریبان پر ہاتھ ڈال کر خود کے سینے پر میڈل سجاؤ نگا تو یہ نری بیوقوفی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ تم جیسی بیکار پولیس پاکستان کا نظام چلا رہی ہے۔"

اس نے جیسے اس پر افسوس کیا تھا۔ تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

"تمہارا پلان اتنا گھٹیا تھا کہ مجھے ہنسی آ گئی۔ اب کہو پہلے کس کو ختم کروں، مسز واصف کو یا پھر چھوٹے واصف کو۔" وہ اس کا اصل نام لے کر اسکی بیوی اور بچے کا حوالہ دے رہا تھا۔ واصف نے تھوک نگلا۔ اسکے گردن کے بال کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ بال اسکی اپنی فیملی سے محبت کے غمازی تھے۔ خلیفہ نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر کے

نفی میں سر ہلایا۔

"ایک فیملی شدہ کو کبھی بھی ان جھمیلوں میں نہیں پڑنا چاہیے۔اب دیکھو تم نے خود کا نقصان کروالیا۔کیا اچھا لگے گا اگر تمہاری بیوی کی ویڈیوز پیسوں سے بک کر لوگوں کے جذبات ابھارے۔"

واصف نے مٹھیاں بھینچ کر خود پر کنٹرول کیا۔اس کے وجود میں لرزش طاری ہونے لگ گئی تھی۔لیکن لب اب بھی آپس میں پیوست تھے۔

"رمیز!امیت کو کال ملاؤ اور کہو کہ مسز واصف کو انتہائی عزت واحترام کے ساتھ بلیو روم میں لے جائے۔"

"اللہ کے قہر سے ڈرو خلیفہ! آج تم میری عزت پر ہاتھ ڈال رہے ہو کل تمہاری عزت پر ہاتھ پڑے گا۔یہ دنیا مکافاتِ عمل ہے۔مت بھولو تم بھی سوائے مٹی کے کچھ نہیں۔"

خلیفہ نے بھنویں کھجا کر اسے دیکھا۔

"واؤ!اچھا بولتے ہو۔تمہیں تو سیاست میں ہونا چاہیے پولیس میں کیا کر رہے ہو۔"خلیفہ کے اشارہ کرنے پر رمیز نے نمبر ملایا۔اپنی عزت اپنی بیوی کو نیلام ہوتا دیکھ اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ہزار معصوم جانوں پر اس نے اپنی محبت قربان کی تھی۔وہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا لیکن خلیفہ نے اسے بالوں سے پکڑ کر اس کے پپوٹوں کو ماتھے سے چپکا دیا تھا۔سیل فون کی سکرین اس کی ناک کے پاس تھی۔کانوں میں گویا صور پھونکا جا رہا تھا۔

تماشا ختم ہوا،زندگی تباہ،دل پھٹا،روح قضا۔

خلیفہ نے پستول اس کے سر پر رکھی اور گولی چلادی۔

"شاید وہ کچھ بک دیتا۔"

خون کے چھینٹے اپنے کپڑوں پر سے جھاڑتے ہوئے خلیفہ نے تحمل سے بیٹھے رمیز کو دیکھا اور پھر نفی میں سر ہلا دیا۔"اگر اب میں اس کی کھال بھی جلا دیتا وہ تب بھی نہ بتاتا۔اس کی بیوی کا غم روح کھینچنے سے زیادہ تھا۔وہ اس وقت نہیں بولا تو اب کیا بولتا۔"

پستول کو کوٹ میں رکھ کر وہ باہر جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

پرندے غول در غول اس وجود پر منڈلا رہے تھے، نوچ رہے تھے، کھا رہے تھے۔ اس کا گلا سڑا وجود آڑھا ترچھا پڑا ادھ کھایا ہوا تھا۔ کچھ جنگلی کتے بھی اس پر ہاتھ صاف کر رہے تھے۔ اس کے وجود کی بدبو اتنی زیادہ تھی کہ کئی میل سے بھی سونگھی جا سکتی تھی۔ اس بدبو کو سونگھ کر ہی پولیس اس سمت بھاگی تھی۔ وہ دور سے ہی پرندوں کے ہجوم کو دیکھ کر اندازہ لگا چکے تھے کہ ان کا ساتھی واصف یقیناً اسی جگہ پر ہے۔ معروش نے تیز تیز قدم اٹھائے۔ ماسک کے باوجود بدبو برداشت سے باہر تھی۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھتی جھاڑیوں کو چیرتی اس تک پہنچی۔ اس کے کئی ساتھیوں نے واصف کی حالت دیکھ کر نظریں پھیر لی تھیں۔ کچھ کو تو ابکائیاں آنے لگیں۔ وہ اس کے نزدیک پنجوں کے بل بیٹھی۔ پستول والا ہاتھ گھٹنے پر رکھ کر اس کی آنکھیں نم ہوئیں جسے اس نے فوراً سے چھپا لیا۔

"میں یہ کام کرونگا میم، ان سب لوگوں کیلیے جو اس گند میں پھنس کر اپنی جان گنوا چکے ہیں۔ ان خاندانوں کیلیے جنہوں نے وقت سے پہلے قیامت دیکھ لی۔ ان بچوں کیلیے جو درندگی کی بھینٹ چڑھ کر ناکارہ ہو چکی ہیں۔ میں اپنے وطن کی پاکی کیلیے یہ کرونگا۔ میں سمندر خان اور خلیفہ خان کے گریبان پر ہاتھ ڈالوں گا۔ اس سوچ سے بالاتر ہو کر کہ مجھے کیسی موت آنی ہے۔ بس میں چاہتا ہوں میری بیوی اور بچہ محفوظ رہیں۔"

معروش نے اپنے لبوں کو سختی سے بھینچا۔ اس کا دل اس نیلے آسمان کے نیچے بیٹھا جا رہا تھا۔ سر پر اڑتے پرندے اس کے اندر گھٹن پیدا کر رہے تھے۔ اس نے گردن موڑ کر دانیال کی جانب دیکھا جو خوف زدہ سا لیکن پرعزم کھڑا تھا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کون کیسے مرے گا۔ فرق اس سے پڑتا ہے کہ ہماری موت کسی کے کام آئے، بیکار مرنے سے بہتر ہے کہ انسان جیے ہی نا اور یوں بھی جس زندگی میں چیلنج نہیں وہ زندگی نہیں۔"

معروش کھڑی ہوئی۔ ریسکیو والوں کو ان کا کام کرنے دیا۔ دانیال کے لفظوں سے اسے حوصلہ ملا تھا لیکن اندر سے وہ ٹوٹ سی گئی تھی۔ گاڑی میں آ کر بیٹھی، شیشے چڑھائے اور گیلی آنکھوں سے باہر کے مناظر دیکھنے لگی۔ یہ خوبصورت سے جنگل اپنے اندر کتنی بدصورتی لیے ہوئے تھے۔ کتنوں کے عزیز اور کتنے ہی بے قصور اس کی مٹی میں مل چکے تھے۔ اس کا ایک جانفشان آفیسر اس جنگل میں دو دنوں سے سڑ رہا تھا۔ دل کو بھانے والے پرندے اپنی چونچوں کو خون آلود کر کے اس کے گوشت کو کھائے جا رہے تھے۔ خوبصورتی میں کتنی بدصورتی ہے۔ اس نے

آسمان کی جانب دیکھا۔ پرندے چھٹنے لگے تھے۔ بکھرنے لگے تھے۔ شاید ان کا کام پورا ہوا۔ پیٹ بھر جو گیا تھا ہاں سارا کھیل ہی تو پیٹ کا تھا۔ اس کا سیل فون بجنے لگا۔

آواز کو صاف کر کے پلکوں کی باڑ پر رکا آنسو پونچھتی وہ فون کان سے لگا گئی۔

"کہاں ہو تم؟ جانتی بھی ہو میں کتنا پریشان ہو رہی ہوں تمہارے لیے۔" نحیف آواز میں گھلی پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے اس کے لب ہولے سے ہلے۔ وہ مسکرائی تھی اس کے ساتھ دوڑتی زمین بھی مسکا اٹھی۔

"راستے میں ہوں۔" آواز سرسراتی ہوئی چھلانگ لگا کر لینڈ لائن میں گئی اور سننے والی کے کان کھڑے کر دیئے۔

"تم پریشان ہو؟ ہاں تم پریشان لگ رہی ہو۔ کیا ہوا ہے معروش، اپنی نانو کو بتاؤ۔ دل ہلکا ہو جائے گا بیٹا۔"

اس نے آنکھیں میچ کر کھولیں۔ پل بھر میں پورا عالم اندھیرے میں ڈوب کر پھر سے روشن ہوا تھا۔

"واصف نہیں رہا نانو، بہت بھیانک موت ملی ہے اسے، اس کی بیوی۔" وہ پل بھر کو رکی پھر سے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ "اس کی بیوی کے ساتھ بہت برا ہوا ہے۔ اتنا برا کہ اس نے خودکشی کر لی جبکہ عابد کو ان لوگوں نے اپنی تحویل میں لے کر ایک قسم کا غلام بنا لیا ہے لیکن آپ فکر مت کریں میں بہت جلد اس کو ان کے چنگل سے چھڑوا لوں گی۔"

وہ واصف کے بیٹے کا نام لیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ دوسری پار نانو کا بچہ دل دھک کر کے اپنا ضبط کھو چکا تھا وہ باقاعدہ رو پڑیں۔

"مجھے یقین ہے ایک دن ظلم ضرور ختم ہو گا۔ تم بس اپنا خیال رکھنا اور جلدی سے گھر آ جاؤ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔"

اپنی نانو کی بات پر وہ ہنسی تھی۔ اس کی ہنسی اتنی پیاری تھی کہ کار چلاتا ڈرائیور بھی اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"آپ کا دل تو پل پل میں بیٹھ جاتا ہے۔ مت بھولیں کہ میں معروش حبیب ہوں کوئی میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔"

سامنے سے آتی گاڑیوں کے ہجوم کو دیکھ کر اس نے نانو کی بات سننے سے پہلے ہی اللہ حافظ کہہ کر فون کو شرٹ

کی پاکٹ میں رکھا اور فرصت سے ان لوگوں کو دیکھنے لگی جو گاڑیاں روک کر پجارو کا دروازہ کھول رہے تھے۔اس دروازے سے کس نے نکلنا ہے وہ جانتی تھی تبھی اپنے کارڈلیس پر آتے پیغامات کو اگنور کر کے وہ شیشے کے پار دیکھنے لگی جہاں سے وہ نکل رہا تھا۔

چمکتے ہوئے دن میں نیلے آسمان کے نیچے سیاہ پجارو میں سے گناہوں کا بادشاہ خلیفہ تبریز نکلا تھا۔اس کا انداز شاہانہ تھا۔چال کسی بادشاہ جیسی۔وہ اس وقت ٹکسیڈو میں ملبوس مکمل طور پر ایک بزنس مین کا روپ دھارے ہوئے تھا۔بالوں کو سلیقے سے سر پر جمائے ایش گرے سوٹ کے ساتھ پہنی سیاہ ٹائی کی ناٹ کو گھماتا وہ پولیس کا سائرن بجاتی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔اس کا رنگ خون ملا سفید تھا۔تیز سورج کی چمک کو مات دیتی سنہری آنکھوں کے اوپر گھنی بھنویں اور ان کے نیچے ستواں کھڑی ناک اس کے غرور کو بیان کرتی تھی۔گہری بھوری داڑھی و مونچھیں اور ان میں چھپے اس کے خون جیسے سرخ ہونٹ اس سے مخصوص مسکان میں ڈھلے تھے۔شانوں تک آتے بھورے بالوں کا جوڑا باندھے وہ گردن اٹھائے چل رہا تھا۔اس کے پیچھے بہت سارے سوٹ میں ملبوس آنکھوں پر گاگلز لگائے لوگ گاڑیوں میں سے نکلے تھے۔دور جنگلوں سے اٹھتی مسحور کن ہوا نے آ کر ان لوگوں کے وجود کو چھوا۔ہوا کی نرماہٹ کو محسوس کر کے خلیفہ مسکرایا تھا۔اس کا کوٹ ایک جانب پھڑ پھڑایا۔وہ دونوں ہاتھوں سے اسے سیٹ کرتے ہوئے اس کی موبائل تک پہنچا۔دونوں ہاتھ کھڑکی سے اوپر کو جمائے وہ جھکا تھا۔سنہری آنکھیں معروش کے چہرے پر جمائے اس کے لب پراسراریت سے پھیلے تھے۔معروش نے شیشے کو نیچے گرایا۔تیز ہوا نے اس کے چہرے کو بھی چھوا تھا۔خلیفہ نے گردن موڑ کر اس ہوا کی گستاخی کو سہا۔نظروں سے باز آجانے کو کہہ کر پھر سے اپنی نگاہیں اس کی جانب کر لیں۔

"جتنا میں نے سنا تھا تم تو اس سے بھی زیادہ خوبصورت نکلی ہو۔کیا ایک پولیس والی کو اتنا خوبصورت ہونا چاہیے؟بالکل نہیں ورنہ اوپر بیٹھے بندوں کا دل آجایا کرتا ہے۔"

اس کی بھاری گھمبیر آواز پر معروش نے جھٹکے سے دروازہ کھولا جو خلیفہ کے پیٹ پر لگا تھا۔وہ بھنویں اچکاتا محظوظ سا اسے دیکھ کر تھوڑا پیچھے ہوا تھا۔معروش کا نفیڈنس سی باہر نکلی اور جھٹکے سے دروازے کو بند کیا۔خلیفہ کا اشارہ کہاں ہے وہ سمجھ چکی تھی۔

"اور جتنا میں نے تمہارے بارے میں سنا تھا تم تو اس سے کہیں زیادہ بدصورت نکلے،تمہارے چہرے کے پیچھے درندہ کہہ رہا ہے کہ تم پر ترس کھایا جائے۔شاید تم ہو ہی اس قابل۔"

"شٹ۔"

خلیفہ نے ہاتھ کو زور سے نیچے کی جانب جھٹکا دیا۔آسمان کی جانب سر کر کے وہ ایک چکر گھوم کر واپس اس کی جانب رکا اور پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر جھکتے ہوئے اس سے کہنے لگا۔

"کیا آفیسر تم نے تو میرے معصوم دل کو ہی ٹھیس پہنچادی۔ڈیمانڈڈ چہرے کو تم بدصورت کہہ رہی ہو۔جانتی ہو ٹائم میگزین میں اس چہرے کے ساتھ کتنی پذیرائی ہوئی ہے میری۔لوگوں نے میرے چہرے کو میرے لفظوں کو کتنا سراہا ہے لیکن مجھے لگ رہا ہے وہ لوگ اندھے تھے تبھی صحیح سے دیکھ نہیں پائے۔وہ تم ہو جس نے مجھے جان لیا،پہچان لیا۔مجھے ضرور اپنے چہرے کے بارے میں کچھ نا کچھ کرنا پڑے گا۔"بہت افسوس سے کہتے ہوئے وہ جیسے واقعی اس بارے میں سنجیدہ ہوا تھا۔جیسے وہ واقعی ابھی کے ابھی جا کر سرجری کروالے گا۔تاکہ اس کے چہرے کی جو بدصورتی سامنے کھڑی خوبصورت لڑکی کو نظر آئی ہے وہ ختم ہو جائے۔

"واقعی تمہیں کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔کچھ توبہ، کچھ سرنڈر، کچھ تلافیاں اور کچھ بھرپائیاں۔اگر تم واقعی اپنے اس چہرے کے بارے میں کانشس ہو تو تمہیں یہ سب کرنا پڑے گا۔نہیں تو تمہارے چہرے کی یہ کالک کبھی ختم نہیں ہو پائے گی۔"

خلیفہ کی آنکھوں میں دیکھ کر وہ کہہ رہی تھی جب اس کا قہقہہ اس چمکتے دن میں سڑک کو کراس کرتا ہوا بن تک جا پہنچا۔یقیناً اس دھاڑ کو شکار کو چیر پھاڑتا شیر بھی سن کر حیران ہوا تھا کہ یہ کون ہے جو اب اسے بھی مات دینے کو ہے۔جس کی آواز میں وہ گرج ہے جو سامنے والے کا دل دھڑکا دے۔اس قہقہے میں چھپا تضحیک سامنے والے کو جتا دے کہ سیریسلی تم اتنے بیوقوف ہو سکتے ہو جو اس طرح کی بات کر رہے ہو؟

"ہو تو پولیس والی نا اپنے مطلب کی بات ہی کرو گی خیر مجھے اچھا لگا تم سے مل کر، اینڈ آفکورس دیکھ کر۔تم میں وہ سپارک ہے جو چیلنج کر سکے۔میں امید کرونگا کہ تمہارا ٹرانسفر نہ ہو۔ویلکم ٹو دی ایڈونچر لائف ڈیئر معروش۔"

وہ اپنا ہاتھ بڑھاتا اس سے کہہ رہا تھا۔پس منظر میں اس کے بہت سے بندے شریفوں کا لبادہ اوڑھے

کھڑے تھے۔ معروش کی گاڑی میں بیٹھا ڈرائیور سائیڈ مرر سے نظر آرہا تھا۔ اس نے خلیفہ کے ہاتھ کو دیکھا پھر سر پر پہنی کیپ کو درست کرتی وہ دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ خلیفہ نے آنکھیں سکیڑیں اور ہاتھ کو پیچھے کر کے مسکراتے ہوئے اسے بند کیا۔ اس کے ایک اشارہ پر گاڑیاں سائیڈ پر ہوئیں اور اس کی موبائل سائرن بجاتی اس طویل سڑک پر دوڑنے لگی۔ خلیفہ نے گردن کو مسلا اور پھر کچھ سوچ کر لبوں کو دانتوں میں جکڑتا اپنی گاڑی کی سمت بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

وہاں بہت اندھیرا تھا۔ اتنا اندھیرا جیسے کوئی قبر ہو، کسی بھی ہوا سے عاری، روشنی سے محروم۔ عجیب سی بدبو تھی ادھر ایسے جیسے کچا گوشت پڑا ہوا اس کے آس پاس۔ وہ خود بھی تو عجیب سے چپچپی سی چیز سے لت پت تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں میں بیڑیاں تھیں اور سر کے بال کانوں تک کٹے تھے۔ اس کی گردن، اس کا چہرہ، اس کا پورا وجود اس بدبودار چیز کی قید میں تھا جس کے سبب پتا نہیں کون کون سے جانور اس کے وجود پر رینگ رہے تھے۔ وہ رونا چاہتی تھی، ڈر سے چلانا چاہتی تھی لیکن منہ پر بندھی پٹی اسے ایسا کرنے سے روک رہی تھی۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔ ان کھلی آنکھوں سے اس نے دیکھا کہ کوئی سایہ سا اس کی سمت چلتا آرہا ہے۔ وہ بہت بڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں موٹی سلاخ تھی جو اس اندھیری جگہ پر دہکتی ہوئی دکھتی تھی۔ وہ سلاخ یکدم اسے گھٹنے پر پڑی اور وہ۔

معروش جھٹکے سے اٹھی۔ اس کا پورا وجود پسینے سے تر تھا۔ اس نے سہم کر آس پاس دیکھا۔ ہلکی زرد لیمپ کی روشنی میں وہ اپنے آرام دہ بستر میں تھی۔ دونوں ہاتھ منہ پر پھیر کر اس نے سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر پیا اور آہستہ سے اپنی سلک کی چادر خود پر سے ہٹائی۔ سفید سلک کا ٹراؤزر اس کی پنڈلیوں سے اوپر تھا۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے اسے کھینچ کر گھٹنے سے اوپر کیا۔ اس کی سفید ٹانگ کا گوشت ایک بدصورت سا ہول خود میں بنائے ہوئے تھا۔ اس کی سیدھی آنکھ سے ایک آنسو ٹپک کر نیچے گرا۔ جسے اس نے فوراً ہی صاف کر لیا۔ ٹراؤزر کو نیچے کرتی وہ بیڈ سے اتری تھی۔ پردے کھینچ کر مرر وال سے وہ اندھیرے میں دیکھنے لگی۔

"یار! یہ اکیسویں صدی ہے کوئی سن ترسیٹھ نہیں جہاں لڑکیاں ڈر ڈر کر، سہم سہم کر جیتی تھیں۔ جب ان کے حقوق سلب کیے جاتے تھے تو وہ چپ کر کے صبر کر کے برداشت کر لیتی تھیں۔ خاموشی سے ظلم سہہ کر پوری زندگی

گزار دیتیں۔ نہیں ہمیں اس سسٹم کو ختم کرنا ہوگا۔ آج کی لڑکی اس طرح کی ڈرپوک اور دبو تھوڑی نا ہے۔ اس میں پاور ہے، ہمت وحوصلہ ہے وہ مردوں کے شانہ بشانہ چلنا جانتی ہے۔ آج کل کی تقریباً ہر لڑکی جوڈو ماسٹر ہے جنہیں مردوں کو پچھاڑنا اچھے سے آتا ہے۔ بس کچھ آبادیاں ہیں جہاں آج بھی "مرد اور عورت" کا کانسپٹ جہالت کے دنوں جیسا ہے۔ جہاں عورت سوائے بوجھ کے کچھ نہیں۔ جہاں عورتوں کو گدھوں کی طرح کام پر لگا کر انہیں مارا جاتا ہے۔ پتا نہیں وہ لڑکیاں اپنا دفاع کیوں نہیں کرتیں۔ کیوں مردوں کے ہاتھوں ذلیل ہوتی ہیں۔ مجھے دیکھو کوئی مرد ہاتھ تو لگا کر دکھائے اس کے ہاتھ نہ کاٹ دوں۔"

اندھیری رات میں ماضی سے اڑ کر آتے لفظ اس کی کھڑکی کے شیشے پر چپک چپک کر تحریریں بنا رہے تھے جنہیں پڑھتے ہوئے اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ وہ ماضی کو سوچنے والی لڑکی نہیں تھی۔ وہ دکھ میں جینے والی بھی نہیں تھی۔ وہ تو سب کچھ بھلا کر موو آن کرنے والوں میں سے تھی۔ پر کچھ ہوتے ہیں ایسے تلخ واقعات، کچھ جان لیوا جملے جو تاحیات آپ کے دل سے چپکے دماغ کو جکڑے رہتے ہیں جو چاہ کر بھی چھوٹ نہیں رہے ہوتے۔ یہی وہ تلخ واقعات تھے جو خواب کی صورت الفاظ کی صورت معروش کو کمزور کر دیتے تھے۔ اس نے جلدی سے شیشے پر ہاتھ پھیر کر ان لفظوں کو مٹایا۔ مگر اس سے پہلے وہ ان تمام سطروں کو مٹاتی۔ جان لیوا الفاظ اڑ کر آئے اور سرخ رنگ میں اس کے شیشے سے چپک گئے۔ وہ تھر تھر کانپتی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ پڑھ رہی تھی۔

"یہ لوگ بہت ظالم ہیں معروش! مجھے بچالو پلیز مجھے بچالو۔"

اس نے ہیجانی انداز میں ان لفظوں کو مٹایا اور سر پکڑ کر نیچے کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

"یہ لوگ میری بہت توہین کرتے ہیں۔ مجھے بہت مارتے ہیں۔ میں پل پل مر رہی ہوں۔ معروش۔۔ مع۔۔روش۔۔آہ۔"

گولی کی آواز سن کر اس نے کانپتے وجود کے ساتھ ہاتھوں کی مٹھیاں بنائیں۔ اس کے بال دائیں بائیں جانب گرے تھے اور چہرے پر ڈر کسی آسیب کے ساتھ ڈیرہ جمائے اس کے وجود کو لرزا رہا تھا۔

"تم دیکھنا ایک دن میں بہت بڑی رائٹر بنوں گی۔ پھر میں ایک کتاب لکھوں گی جس میں، میں لڑکیوں کو مضبوط بننے کے سبق دونگی۔ تم بھی خود کو مضبوط بناؤ ہر وقت ڈرتی نہ رہا کرو۔ ہمیشہ میں نے تمہارے ساتھ نہیں

رہنا۔اپنی بڑی بہن کی طرح مضبوط بننا سیکھو۔جس سے لڑکے ایسے ڈرتے ہیں جیسے وہ محمد علی ہو۔"

اپنی تعریف پر کالر جھاڑتی وہ اس دبو سی لڑکی کو مضبوط رہنے کے درس دے رہی تھی۔معروش نے دونوں ہاتھوں سے منہ صاف کیا اور اٹھ کر بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

"تم بھاگ جاؤ معروش! جا کر بابا کو اس جگہ کا بتاؤ۔میں جانتی ہوں میری پیاری بہن یہ کر سکتی ہے۔تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔مجھے کچھ نہیں ہوگا۔جاؤ میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔"

اس نے بیڈ پر لیٹ کر آنکھیں موندلیں۔

"میں آپ کو تو نہیں بچا سکی آپی،لیکن میں یقین دلاتی ہوں۔آپ کی موت کا بدلہ میں ضرور لونگی۔"

وہ جانتی تھی کہ اب نیند نے نہیں آنا لیکن پھر بھی اس نے سونے کی ایک ناکام سی کوشش کی۔کیا پتا رات کے کسی پہر اس کی آنکھ لگ جائے۔یوں بھی اس کی آپی کہتی تھیں کوششیں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں۔

☆......☆......☆

"میں تم سے محبت کرتا ہوں۔تمہارے بغیر جی نہیں سکتا۔دیکھو خدارا میری محبت کو مت ٹھکراؤ۔یقین کرو میں تمہیں بہت خوش رکھوں گا۔اپنی آخری سانس تک چاہوں گا۔"

وہ غریب سی لڑکی اس امیر سے لڑکے کی دہائیاں سن رہی تھی۔دونوں ہاتھوں میں ہاتھ دیئے بیٹھے تھے۔ان کے آگے میز پر نت نئے لوازمات سجے تھے۔موم بتیاں جل رہی تھیں۔دھیما سا میوزک چل رہا تھا۔وہ اس لڑکے کی دی گئی سرخ پوشاک میں ملبوس تھی۔ناخن بھی سرخ رنگے تھے۔ہاتھ میں سنہری بریسلٹ تھا،کانوں میں سرخ آویزے۔وہ اپنے گلابی لب کچلتی ہوئی پریشان سی بیٹھی تھی۔وہ اس کا باس تھا اور وہ اس کی سیکرٹری۔یہ شادی یقیناً برائٹ فیوچر کی چابی تھی لیکن وہ اپنی چھ بہنوں کا کیا کرے۔ان سے پہلے وہ کیسے شادی کر سکتی تھی۔

اس کی سوچ چہرے پر چھائی اور سامنے بیٹھے محبت کے دعویدار نے جھٹ سے اسے پڑھ لیا۔

"میرا یقین کرو میں تمہیں بہت خوش رکھوں گا۔میری نیت میں کوئی کھوٹ نہیں۔اگر ہوتی تو میں تمہیں پرپوز کیوں کرتا۔تم اپنی بہنوں کی وجہ سے پریشان ہونا،مت کرو فکر میں ان کی شادیاں کراؤنگا۔تمہاری بہنیں میری بہنیں ہیں۔میں تمہیں دل وجان سے چاہتا ہوں۔"

وہ اس کا ہاتھ تھامے حتیٰ المقدور اسے منانے کی سعی میں تھا۔ سامنے بیٹھی لڑکی کے لب پریشانی وخوشی کے ملے جلے جذبات میں پھیلے۔ ☆

"میں بہت غریب ہوں سر۔" اس نے جیسے اصل بات کی تھی۔ وائلن کی تاروں کو چھیڑتا میوزیشن مست سا ہو کر مدھر گیت فضا میں بکھیر رہا تھا۔ موم بتیوں کی لو اس کی بات پر جیسے پھڑ پھڑائی تھی۔

"محبت امیری غریبی نہیں دیکھتی۔ ایسا کہہ کر تم میرے جذبات کو ٹھیس پہنچا رہی ہو۔ کتنی ظالم ہو نا تم۔"

وہ روٹھ گیا تھا تبھی اس کے ہاتھ سے ہاتھ ہٹا کر منہ پھیر گیا۔ لڑکی کیلئے یہ لمحہ دل چیر تھا۔ اسے لگا جیسے سارا جہان اس سے روٹھ گیا ہو۔

"مجھ سے منہ تو نہ پھیریں۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو میں کیسے رہ پاؤنگی۔ آپ نہیں جانتے اس راہ میں آپ اکیلے نہیں چلے میں بھی اس کی مسافر ہوں۔"

لڑکے نے فوراً چہرہ اس کی جانب کیا۔ خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔

"ہم کل ہی نکاح کریں گے۔ میں مزید انتظار نہیں کر سکتا۔" وہ بے چین سا بولا تھا۔

"کل۔" لڑکی پریشان ہوئی۔

"ہاں کل۔ محبت جتنی جلدی تکمیل کو پہنچے اتنا اچھا ہے۔ میں کل تمہارے گھر آؤنگا اور پھر تمہیں اپنا بنا کر لے جاؤنگا۔ ہم کچھ عرصہ پیرس میں رہیں گے پھر واپس پاکستان آجائیں گے آخر کو تمہاری بہنوں کی شادیاں بھی تو کرنی ہیں۔"

وہ سرشاری نم آنکھوں کے ساتھ اثبات میں سر ہلا گئی۔ اس کی زندگی اتنی خوبصورت ہوگی اس نے سوچا نہ تھا۔ وہ تو سمجھی تھی اس کی زندگی بھی اس کی ماں جیسی ہونی ہے۔ غربت والی، خواہشوں کو ترستی ہوئی محرومیوں سے بھری ہوئی لیکن نہیں! وہ اپنی قسمت بہت اچھی لکھوا کر آئی تھی۔ اتنی اچھی کہ وقت بھی اس پر فخر کرے گا۔

موم بتیوں کی لو میں ٹمٹماتے ہاتھ میں ہاتھ دیے محبت کے رسیا نئی زندگی کی پلاننگ کرنے میں مصروف تھے۔ ان سے دور بہت دور زرد روشنی کی بجائے سفید روشنی میں بیٹھی موبائل ہاتھ میں تھامے وہ نوعمر لڑکی نچلا لب ہونٹوں میں دبے اس میسج کو پڑھ رہی تھی جو ابھی کے ابھی اس کے سیل پر آیا تھا۔ جو کچھ یوں تھا۔

"تم پہلی لڑکی ہو جس نے میرے دل کے تاروں کا چھیڑ دیا ہے۔تم مختلف ہو سب سے الگ۔اتنی الگ کہ دل چاہتا ہے روز تم سے بات کروں لیکن ایک تم ہو کہ ہفتے ہفتے آن لائن ہی نہیں ہوتی۔میں کتنی راتیں کتنے دن ان باکس کھول بند کرنے میں گزار دیتا ہوں۔تمہارا لاسٹ سین دیکھ دیکھ کر کڑھتا ہوں۔تم اکثر آن لائن ہوتی ہو پر مجھے میسج نہیں کرتیں۔کیا تم مجھے اپنا دوست نہیں مانتیں؟" وہ اپنی سٹڈی ٹیبل پر بیٹھی تھی۔سامنے کتابیں کھلی پڑی تھیں۔صبح ٹیسٹ تھا جس کی وہ تیاری کرنا چاہتی تھی لیکن اس سے پہلے اس نے سوچا کیوں نا ساری ایپس چیک کر لی جائیں۔وہ آخر میں میسنجر آن کرتی تھی کیونکہ یہاں پر اس کیلئے ڈھیر سارے میسجز منتظر ہوتے تھے۔ان ڈھیر سارے میسجز میں جس میسج نے اسے ٹھٹکایا تھا وہ یہ تھا۔

"ہم دوست ہیں یقیناً، لیکن تمہارے ڈائیلاگز اچھے ہیں۔" ہنستے ہوئے اس نے یہ میسج ٹائپ کیا۔سٹڈی ٹیبل کے بالکل پاس کھلی کھڑکی میں سے ہوا چلتی ہوئی آئی اور اس کی کتاب کے ورق الٹا گئی۔وہ کرسی پر جھولتے ہوئے ان تھری ڈاٹس کو لہروں کی طرح غوطہ زنی کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی جو اس لڑکے کے ٹائپ کرنے کا کہہ رہے تھے پھر میسج ان باکس میں ابھرا۔

"تم لڑکیاں کتنی بری ہوتی ہیں نا۔ہمارے سچے جذبوں کو منٹوں میں ڈائیلاگ اور پتا نہیں کیا کیا بنا دیتی ہو۔کبھی جو دل رکھ لیا کرو۔"

ناراضی والا ایموجی کے ساتھ یہ میسج ابھرا تھا۔اس نوعمر لڑکی نے کرسی پر جھولتے ہوئے پاؤں میز پر رکھے اور لکھنے لگی۔

"اوہو بڑی لڑکیوں سے واسطہ ہے۔"

وہ یہ میسج کر کے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی تھی۔جھٹ سے اگلا میسج آیا۔

"ابھی تک تو فی الحال ایک ہی لڑکی سے ہے جو بہت روڈ ہے اور ظالم بھی۔"

ایک بار پھر ہوا چلی، پیجز پھر سے پلٹے۔

"اچھا اور وہ کون؟" شرارت اس کے چہرے سے واضح تھی۔

"ہے ایک سر پھری جو ٹوبہ ٹیک کی رہنے والی ہے۔" اب کے اس کی ہنسی دروازے کے پار گئی تھی۔پانی لے

جاتی امی نے اس کی آواز سنی اور باہر سے ہی بولیں۔

"گڑیا! کیا تم جاگی ہوئی ہو؟"

اس نے جھٹ سے سیل فون اپنے نائٹ ڈریس کی شرٹ کی پاکٹ میں ڈالا اور سیدھی ہو کر بائیولوجی کی کتاب کی غائب دماغی سے ورق دانی کرنے لگی۔

"جی امی، پڑھ رہی ہوں صبح ٹیسٹ ہے نا۔"

آواز کو کنٹرول کر کے اس نے مضبوط لہجے میں کہا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ تیاری اچھے سے کرنا مجھے ایٹی پرسنٹ مارکس چاہئیں۔ کچھ سمجھ نہ آئے تو مجھ سے آ کر پوچھ لینا۔"

"شیور۔"

گہرا سانس بھرتے ہوئے اس نے اس لڑکے کے ڈھیر سارے میسجز دیکھے جو اتنی سی دیر میں وہ متواتر کر چکا تھا۔ آخری میسج میں واٹس ایپ نمبر مانگا گیا تھا۔ اس نے جلدی سے نمبر سینڈ کیا اور سیل فون آف کر کے پڑھنے میں مگن ہو گئی۔ اگر اس کے ایٹی پرسنٹ مارکس نہ آئے تو لازمی اس ہفتے اس کی پاکٹ منی بند ہو جانی ہے جو کہ اسے بہت عزیز تھی۔

☆......☆......☆

"خلیفہ! مینا تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

وہ امن پسند پرندے ہدہد کا شکار کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں تین نالوں والی بندوق تھی اور نظریں ہدف پر گڑی ہوئیں۔ یہ پیغام سن کر اس نے گولی چلائی۔ درخت میں سوراخ کرتا وہ پرندہ لہولہان سا سر کے بل زمین پر گرا جسے زمین نے بہت محبت سے اپنی بانہوں میں بھرا تھا۔ خلیفہ نے رخ موڑ کر اس آدمی کو دیکھا پھر آسمان پر اڑتی چیل کی آواز سن کر بندوق کو اوپر کو کیا اور گولی چلا دی۔ وہ چیل بھی گول گول گھومتی نیچے زمین پر آ گری۔

"مینا کو کہو خلیفہ کسی کے باپ کا غلام نہیں جو ایک پکار پر دوڑا چلا جائے۔ اگر اس نے ملنا ہے تو وہ خود آئے۔"

وہ آدمی "جو حکم" کہہ کر چلا گیا۔ خلیفہ نے بندوق کو سائیڈ پر رکھا اور سفید رنگ کی کرسی پر میز پر پاؤں رکھ کر

نیم دراز ہو گیا۔

"یوں تو مجھے مس کر رہے تھے اور اب جب میں آ گئی ہوں تو دیکھنے تک بھی نہیں آئے۔"

کوئل جیسے پیاری آواز پر اس نے پاؤں کی قینچیوں کو کھول کر دیکھا۔ اس خلاء میں سے اس کو مینا کا چہرہ نظر آیا جو میک اپ سے سجا تھا۔ کھلے وی گلے والی سیاہ ٹی شرٹ کے ساتھ جینز پہنے وہ میک اپ زدہ چہرے سے اس کے سامنے تھی۔

"تمہیں مس کیوں کیا جا رہا تھا یہ بھی تم اچھے سے جانتی ہو۔ مال اچھے سے ڈلیور ہو گیا۔"

وہ ہنسی تھی۔ ہنستے ہوئے گالوں پر ڈمپل پڑے۔

"کام ہو گیا تبھی تو میں تمہارے سامنے زندہ کھڑی ہوں۔ سمندر خان مجھ سے بہت خوش ہے۔ ایک سویٹ ہمارے لیے بک کروایا ہے انہوں نے۔ کیا خیال ہے پھر۔"

پاؤں کو نیچے اتار کر وہ سیدھا ہوا۔ چہرے پر بڑی دلفریب مسکان تھی۔ اس نے غور سے مینا کی آنکھوں میں دیکھا۔ "خیال بھی اچھا ہے اور ارادے بھی نیک۔ جشن مناؤ کہ ایک عظیم ہستی کے ساتھ آج تمہارا وقت اچھا ہونے والا ہے۔"

خلیفہ اسے کمر سے تھام کر اس کے ساتھ چلنے لگا۔ مینا خوش تھی بہت خوش۔ اس کی خوشی سمندر کی گہرائی کو چھونے لگی تھی جب شدید تکلیف کے باعث وہ بلبلا گئی۔ اس کی کمر کی ہڈی میں تیز دھار چاقو اپنی جگہ بنا رہا تھا۔ مینا نے حیرت و بے یقینی سے خلیفہ کی سمت دیکھا جو مسلسل چلتا ہوا چاقو کو اس کے کمر میں گھسا رہا تھا۔

"سمندر خان تم سے واقعی خوش ہے تبھی اتنی آسان موت تمہارے مقدر میں لکھی ہے۔ ہمارا کام کرنے کیلئے شکریہ مینا، مجھے افسوس ہے کہ اب تم جیسی قابل لڑکی ہمارے بیچ میں نہیں۔ یقین کرو مجھے افسوس ہے تمہاری موت پر لیکن کیا کریں تمہارا چہرہ انٹیلی جنس والوں کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ اس سے پہلے وہ اسے مسخ کرتے ہم نے سوچا۔" وہ اسے چھوڑتا چپ ہوا تھا۔ چاقو میں لگا زہر خون کی طرح اس کی نسوں میں جگہ بنانے لگا۔ مینا زمین پر گری تھی۔

"تم تو مجھے پسند کرتے تھے۔" وہ جھٹکے کھاتے ہوئے بامشکل بولی۔ خلیفہ ایک گھٹنا زمین پر ٹکائے دوسرے

کو کھڑا کیے نیچے بیٹھا۔ جھک کر اسے دیکھا پھر لبوں کو کھینچ کر بڑبڑایا۔

"خلیفہ کی کوئی پسند نہیں اگر کوئی ہے تو وہ سب کام سے مشروط ہیں، کام ختم پسند ختم۔"

اس کے الفاظ ادا ہونے سے پہلے ہی مینا ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

"میں جانتا تھا یہ کام صرف خلیفہ ہی کر سکتا ہے۔ اسی میں ہی اتنی ہمت ہے کہ وہ اپنے دل پر پیر رکھ کر موت کو سلام کرے۔"

مینا کے ٹھنڈے جمے ہوئے خون میں سے سمندر خان کا چہرہ ابھرا اور پر تعیش کمرے میں اس کے یہ الفاظ ابھرے۔ اس کے سامنے رمیز ہاتھ باندھے کھڑا تھا اور مینا کی قضا کا پیغام دینے آیا تھا۔

"اس نے آج ثابت کر دیا کہ کوئی بھی عورت، کوئی بھی رشتہ اسے باندھ کر نہیں رکھ سکتا۔ میں خوش ہوں خلیفہ سے۔ اسے پیغام دو کہ سمندر خان نے مالدیپ کا ایک جزیرہ اس کے نام کیا۔"

فانوس کی سفید روشنیوں میں تاج کی شیپ کے بیڈ پر بیٹھا سگار پیتا ہوا سمندر خان واقعی بہت خوش تھا۔ خوشی اس کی آنکھوں سے چھلکتی تھی۔ یہی خوشی اس نے سامنے کھڑے رمیز کی آنکھوں میں بھی دیکھی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں جن میں سمندر خان نے گزشتہ دن کی پرچھائیوں کو دیکھا۔ سیاہ آنکھ کے اندر تیزی سے گزشتہ دن ابھرنے لگا۔ جس میں صبح کا منظر نظر آتا تھا۔ سوئمنگ پول تھا اور اس کے پاس رکھی چار کرسیاں تھیں جن پر سمندر خان، خلیفہ اور رمیز بیٹھے تھے۔ وہ آپس میں کسی سنجیدہ موضوع پر بات کر رہے تھے۔ ذرا غور سے دیکھو تو سنائی بھی دیتا تھا۔ الفاظ ترتیب پانے لگے۔

"مینا نے کام تو کر دیا لیکن غلطی بھی کر دی۔ اس کا چہرہ کیمرے میں قید ہو گیا ہے یقیناً اب انٹیلی جنس والے اسے اپنے ہاتھوں میں لیں گے اور جہاں تک مجھے لگتا ہے وہ ایک عورت ہے جو کچھ بھی نکالنے میں سیکنڈ نہیں لگائے گی۔ اسے ٹھکانے لگانا ہوگا۔"

وائن پیتے خلیفہ کے ہاتھ تھمے تھے۔ اس نے ایک نگاہ سمندر خان کے چہرے پر ڈالی جہاں واقعی مینا کی موت کا سندیسہ تھا۔ اس نے نگاہ نیچے کر کے گلاس کو لبوں سے لگایا۔

"اور یہ کام تم کرو گے خلیفہ۔" پول کے اس پار کچھ لڑکیاں نازیبا لباس میں ملبوس یہاں وہاں ٹہل رہی

تھیں۔ وہاں ان کا فوٹوشوٹ چل رہا تھا۔ ڈائریکٹر کے چیخنے چلانے کی آوازیں وہ یہاں تک سن سکتے تھے۔

"جو حکم! کل دس پندرہ پر مینا اپنی آخری سانس لے گی۔" اس نے اسی سنجیدگی سے کہا تھا۔ رمیز نے جھٹ سے اس گفتگو میں اپنا حصہ ڈالا۔

"خان! اگر آپ اجازت دو تو۔"

خلیفہ کی ایک نگاہ نے اسکی بولتی بند کر دی۔ وہ نگاہ جھکا کر بیٹھ گیا۔

"وہ میرا دل نہیں ہے جسے مارنے میں مجھے تکلیف ہو، وہ صرف وقت گزاری تھی۔ اور جو "تھی یا تھے" ہوتے ہیں ان کی میری زندگی میں کوئی گنجائش نہیں۔ آئندہ خلیفہ کے بارے میں ایسا ویسا سوچنے کی جسارت مت کرنا ورنہ تمہیں بھی ٹھنڈا کرنے میں سیکنڈ نہیں لگاؤں گا۔"

وہ یہ الفاظ کہہ کر ڈائریکٹر کی سمت بڑھنے لگا۔ سمندر خان نے رمیز کی آنکھوں سے گزشتہ دن کی پرچھائیوں کو ماند دیکھا تو واپس اپنی نگاہیں کھینچ لیں۔

"تم مینا کی لاش کو باعزت طریقے سے قبر میں اتروا دو۔ آخر کو وہ ہمارے خلیفہ کی فیورٹ تھی۔"

رمیز وہاں سے سر ہلاتا باہر جا رہا تھا۔ ابھی وہ دروازے سے باہر ہی نکلا تھا کہ اس نے ساشا کو اندر جاتے ہوئے دیکھا۔

"خان! وہ درزی کی بیٹی تو ہمارے بڑے کام کی نکلی۔ ایک ہفتے میں اس نے ایک کروڑ کمایا ہے لیکن باغی ہے مجھے لگتا ہے وہ بھاگنے کے راستے تلاش رہی ہے۔"

خان اپنے بیڈ سے نیچے اترا۔ اس کا شاہانہ انداز اسے کبھی بوڑھا نہیں ہونے دیتا تھا۔ سگار کو ڈسٹ بن میں پھینکتا وہ کانوں تک کٹے بالوں والی ساشا کی سمت بڑھا اور اس کے بال کی ایک لٹ کو کھینچ کر اس کے کان میں غرایا۔

"اگر اس نے نکلنے کی کوشش بھی کی تو سمجھ لینا اپنے ساتھ ساتھ اس نے تمہارے لئے بھی جہنم کا دروازہ کھول دیا۔"

ساشا دم سادھے اس کے پتھریلے الفاظ سن رہی تھی۔ گردن کی رگوں کو اکڑاتے ہوئے اس نے سمندر خان کی ٹھوڑی پر نگاہ جمائی اس سے اوپر دیکھنے کی اس میں تاب نہ تھی۔

خلیفہ کے بعد ایک سا شاہی تھی جس نے اس کام کو سنبھالا ہوا تھا۔ وہ جتنی سمندر خان کیلئے اہم تھی اتنی ہی بے مول بھی۔ وہ جانتی تھی سمندر خان کبھی بھی اسے ختم کرنے کی ٹھان سکتا ہے۔ اس کیلئے کوئی مشکل کام نہ تھا کسی کو بھی موت کے گھاٹ اتروانا۔

"اس میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ یہاں سے باہر بھی جاسکے، اس کے سارے راستے بند ہیں۔"

یقین بھرے جملے اس کمرے کی فضا میں منتشر ہوئے تھے۔

☆......☆......☆

"تم نے میری زندگی اجیرن کردی، آتے ہی میرے گھر میں منحوسیت پھیلا دی۔ پتا نہیں کونسی کالی گھڑی تھی جب میں نے تم سے شادی کی۔ دفعان ہو جاؤ میری نظروں سے۔"

دوسرے کمرے سے چیخنے چلانے، ایک دوسرے کو مارنے پیٹنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ بیس سالہ رخسانہ ٹوٹی ہوئی چونا اکھڑی دیوار پر نگاہ جمائے بیٹھی تھی۔ باہر بارش زوروشور سے جاری تھی۔ چھت پر جمے پانی کی وجہ سے برآمدے کی دیوار پر پانی ایک لکیر کی طرح زمین تک آرہا تھا۔ دھوپ کی تمازت موسم کی سختی کی وجہ سے بہت بہت پرانا پیلا چونا جو اپنی آغوش میں پہلے ہی بارشوں کے نشانوں کو لیے بیٹھا تھا مزید تین چار آڑھی ترچھی لائنیں بنانے لگا۔ سر پر دوپٹہ اوڑھے دیوار جیسی ہی ٹیڑھی میڑھی لائنیں اپنے چہرے پر بنائے وہ دونوں گھٹنوں کو سختی سے پکڑے بیٹھی تھی۔

"تمہاری زندگی عذاب نہیں ہوئی بلکہ وہ میں ہوں جو تمہارے ساتھ رہ کر پل پل مر رہی ہوں۔ ارے میں کہتی ہوں ایسی زندگی جائے چولہے میں جہاں ہفتہ ہفتہ نوالا منہ میں نہیں جاتا۔ اللہ کے قہر سے ڈرو فاضل، میرا نہیں اپنی جوان بیٹی کا سوچو، کیوں اسے اپنے جیسا مرد دے رہے ہو۔"

بارش نے زور پکڑ لیا تھا۔ فاطمہ نے مزید اپنے گرد گھیرا تنگ کیا۔ اس کا دائیاں حصہ بارش کے سبب گیلا ہو چکا تھا۔ اس نے سختی سے سر کو تھاما کیونکہ اس کا باپ اب اسکی ماں کو تھپڑوں سے مار رہا تھا۔

"بکواس بند کر اپنے جیسا باغی بنوائے گی میری بیٹی کو۔ تیری ہمت بھی کیسے ہوئی اس طرح کی بات کرنے کی۔ یاد رکھ، رخسانہ کی شادی رشید سے ہی ہوگی۔"

وہ یکدم گھبرا کر کھڑی ہوئی تھی کیونکہ چھت کا ایک حصہ ٹوٹ کر اس سے ایک فٹ کے فاصلے پر گرا تھا۔اس کے گرنے کے ساتھ ہی سارا پانی جھرنے کی طرح گر کر برآمدے میں جمع ہونے لگا۔رخسانہ نے جلدی جلدی چیزوں کو سمیٹنے کی کوشش کی مگر تب تک کافی چیزیں بھیگ چکی تھیں۔سارا سامان سمیٹتے سمیٹتے اس نے واپس چارپائی پر پھینکا اور دونوں ہاتھوں میں سر دے کر بیٹھ گئی۔

ہمارا وجود بھی ایسے ہی تھک جاتا ہے۔زندگی کو سمیٹتے سمیٹتے جیسے اس وقت رخسانہ کا تھک گیا تھا۔وہ گھٹی گھٹی آواز میں روتی ہوئی اپنے اندر کی آواز کو سن رہی تھی جو اس سے کہہ رہی تھی۔

"کیا میں بھی اماں جیسی ہی زندگی گزاروں گی،کیا ان کی طرح روز پٹنے اور استعمال ہونے کیلئے خود کو تیار کرلوں۔کیا میں اپنی جان پر یہ ظلم کرسکتی ہوں؟نہیں!میں ایسا نہیں کرونگی۔"

اس نے بند دروازے کے پیچھے سے آتے شور کو سنا۔چھت ٹوٹنے کی آواز تو لازمی اندر گئی ہوگی مگر وہاں لڑنے کے علاوہ پرواہ ہی کسے تھی۔رخسانہ نے ایک پوری نگاہ اپنے گھر پر ڈالی۔ٹوٹی ہوئی سامنے کی دیوار،زنگ آلود بوسیدہ دروازہ،کچا اکھڑا ہوا صحن،بغیر چھت کے واش روم،چھوٹا سا برآمدہ جسے کچن بنانے کے ساتھ ساتھ سٹور روم بھی بنایا گیا تھا۔ایک چارپائی پر سوتے اس کے تین چھوٹے بھائی۔

"رشید کا گھر تو اس سے بھی گیا گذرا ہے۔وہ خود بھی تو بالکل ابا جیسا ہے۔اماں ٹھیک کہتی ہیں مجھے اپنی زندگی برباد کرنے کا کوئی حق نہیں۔میں دوسری مختار نہیں بن سکتی۔میں خود کو بننے بھی نہیں دونگی۔"

بارش کی بوندوں پر نگاہ جماتے ہوئے وہ عزم سے سوچ رہی تھی۔ایک بوند نے رک کر تاسف سے اس کی سوچ پڑھی اور واپس ہوا کے دوش پر اڑ کر کسی کی کھڑکی پاس گرنے لگی جہاں سے پیلی روشنی میں وہ کچھ بہت غلط دیکھ رہی تھی۔اس نے فوراً خود کو زمین میں سمایا کہ زمین والوں کی سیاہ کاریاں وہ برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔

"میں تو کہتا ہوں تم اپنے شوہر سے طلاق لے لو۔کیا فائدہ ایسی زندگی کا جس میں وہ تمہیں میسر ہی نہیں۔اب دیکھو نا اگر اس خطرناک موسم میں،میں تمہارے پاس نہ آتا تو تم تو یوں ہی ڈر ڈر کر مر جاتی۔"

وہ اس کے بازو پر سر رکھے لیٹی تھی۔ساتھ لیٹا آدمی اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتا ہوا کہہ رہا تھا۔سامنے ٹی وی پر چائینیز ڈرامہ لگا ہوا تھا جس پر دونوں کی نگاہیں تھیں۔

"کبھی کبھی میں بھی یہی سوچتی ہوں، ایسے شوہر کا فائدہ جو اپنے گھر میں ہی نہ ہو۔ ہفتے میں ایک چکر لگا لیا اور بہت ہو گیا۔ مجھے ایک آرمی آفیسر کی بیوی ہونے کے ٹیگ میں کوئی دلچسپی نہیں۔ جلد ہی میں اس سے طلاق لے لونگی لیکن تم مجھے شیورٹی دو کہ جب میں اس سے الگ ہونگی تو تم مجھے اپناؤ گے۔"

وہ سر اوپر کو اٹھائے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔ وہ آدمی مسکرا دیا۔

"ارے جان، میں تو کب سے اس موقع کی تلاش میں ہوں۔ تم بس ایک بار اس سے علیحدہ تو ہو سب سے پہلے میں ہی تمہارا ہاتھ تھاموں گا۔" جذب سے کہتے وہ اسے اپنی محبت کا یقین دلا رہا تھا۔ وہ لڑکی پلس عورت مسکرا دی۔ واپس سر اس کے بازو پر رکھا۔

"سب سے پہلے اور ہمیشہ کیلئے، تم نہیں جانتے کہ اب تم کتنے ضروری ہو گئے ہو۔ خالد تو مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتے ہیں۔ پتا نہیں کیوں ان کی شکل سے ایک قسم کی بیزاریت ہوتی جا رہی ہے مجھے۔ بس جلد از جلد میں ان سے بات کر کے تمہیں گرین سگنل دیتی ہوں۔"

وہ اس کے کفس کے بٹنوں کو چھیڑتی ہوئی کہہ رہی تھی جب دروازہ پر دستک ہونے کے ساتھ آواز بھی ابھری۔

"ماما! کیا میں اندر آ جاؤں مجھے اکیلے ڈر لگ رہا ہے۔" تین سالہ اس کی بیٹی چمکتی بجلیوں کے خوف سے اس کے دروازے کے باہر کھڑی پوچھ رہی تھی جو کہ لاک تھا۔ اس آدمی کے چہرے پر بے انتہا بیزاریت پھیلی۔ وہ اس آواز پر سر جھٹک کر رہ گیا۔

"ہنی، ماما سو رہی ہیں آپ اپنے کمرے کا ڈور لاک کر لو پھر ڈر نہیں لگے گا۔" اس نے اونچی آواز میں کہا۔ وہ آدمی اب سیل فون نکال کر میسج پڑھنے لگا تھا۔

"ماما! مجھے پھر بھی ڈر لگ رہا ہے۔" روتی گیلی آواز پر بھی اس کا دل نہیں بیٹھا تھا۔ دانت پیسے اپنے پہلو میں لیٹے ہر دل عزیز کو دیکھنے لگی۔ اس کے ساتھ مصروف ہونے لگی۔ باہر وہ ننھی جان دروازہ پیٹ پیٹ کر رو رو کر واپس جا چکی تھی۔ وہ اس گناہ کو سمجھنے سے عاری تھی جس نے اس کی ماں کا دل اس کی طرف سے سخت کر ڈالا تھا۔

لاؤنج کے صوفے پر بیٹھی وہ اپنی ڈول کو تکیے کی طرح خود میں بھینچ کر آنکھیں میچے آنسو بہاتے لیٹ گئی۔

☆......☆......☆

"مس ناظمہ! مجھے صرف سچ سننا ہے۔" وہ میز پر زوردار ہاتھ مار کر چیخی تھی۔ اس کا انداز جارحانہ تھا۔ اور آنکھیں غصے سے سرخ، وہ اس وقت لاہور کے سب سے بڑے کالج کے گرلز ہاسٹل کی وارڈن سے باز پرس کر رہی تھی۔ جہاں سے کل بقول ان کے چار لڑکیاں بھاگی تھیں۔

"آفیسر! میں تو کب سے سچ ہی کہہ رہی ہوں۔ مجھے کیا پڑی بھلا جھوٹ بولنے کی۔ وہ چاروں لڑکیاں آپس میں دوست تھیں۔ لڑکوں کے ساتھ دوستیاں تھیں ان کی بھاگ گئیں۔ آپ تو ایسے شکی انداز میں مجھ سے تفتیش کر رہی ہیں جیسے میں نے ہی انہیں بھگایا ہو۔"

معروش نے غصے کو کنٹرول کر کے خود سے کچھ فاصلے پر ان کے روتے والدین کو دیکھا جن کی تو حیات ہی ان سے چھن گئی تھی۔

"اصل بات تو اب کی نا تم نے۔ میں تم پر شک نہیں بلکہ یقین رکھتی ہوں کہ وہ تم ہی ہو جس نے ان لڑکیوں کو اٹھوایا ہے۔ وہ بھاگی نہیں ہیں ناظمہ بی بی بلکہ تم نے اپنے بندوں کے ہاتھ انہیں اٹھوایا ہے۔ ایم آئی رائٹ؟"

وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتی وثوق سے کہہ رہی تھی۔ ناظمہ پکی تھی۔ ایک لمحہ کو بھی نہیں گڑبڑائی بلکہ اور ڈھٹائی سے بولنے لگی۔

"آپ مجھ پر بنا ثبوت کے اس طرح کے الزامات نہیں لگا سکتیں۔ آپ سی سی ٹی وی فوٹیج نکالیں اور دیکھیں کہ کس طرح دھڑلے سے وہ چاروں اپنے اپنے بوائے فرینڈز کے ساتھ ہاتھوں میں ہاتھ دیے جا رہی ہیں۔"

وہ حقارت سے کہتی ہوئی ان کے والدین کو دیکھنے لگی جو سوں سوں کرتے پریشان حال چہرہ جھکائے کھڑے تھے۔

"ماں باپ اگر اولاد کی اچھی تربیت کریں تو وہ کیوں اس طرح کی حرکت کریں۔"

"بکواس بند کرو اپنی ورنہ یہیں چھ کی چھ گولیاں تمہاری گردن میں اتار دوں گی۔" ناظمہ کی بکواس پر اس نے پسٹل لوڈ کر کے اس کی گردن پر رکھ کر جھٹکا دیا۔ وہ تھوک نگل کر لب کو بند کر کے بیٹھ گئی۔ اس سر پھری کا کیا بھروسہ واقعی چلا دے۔

معروش گہرا سانس بھر کر خود پر کنٹرول پا کر اس کے سامنے کرسی پر بیٹھی اور تحمل سے پوچھنے لگی۔

"دیکھو ناظمہ، یہ بات میں بھی جانتی ہوں اور تم بھی جانتی ہو کہ ان لڑکیوں کو غائب کرنے میں کس کا ہاتھ

ہے اس لئے چپ چاپ بتا دو ورنہ ابھی کچھ دیر بعد تم شک کی بنا پر سلاخوں کے پیچھے ہوگی اور وہاں میں جو تمہارے ساتھ کروں گی، روح کانپ جائے گی تمہاری۔"

لوڈڈ پستول کو اس کے سامنے میز پر گھماتے ہوئے وہ انتہائی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ اس کے لفظوں میں سچ گھلا تھا۔ ناظمہ نے احتجاج کیا۔

"آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتیں، میں کالج کے پرنسپل کے سامنے پیش ہونگی۔ میرے چھوٹے بچے۔" اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی معروش نے ایک زوردار تھپڑ اس کے گال پر جڑا۔

"اپنے بچوں کی بہت پرواہ ہے تمہیں اور دوسری کی اولاد جانور ہے جن کو تم لوگ روز ہزاروں کی تعداد میں اپنا نشانہ بناتے ہو۔ زہران کے گلے میں انڈیلتے ہو۔ اس ہاسٹل سے جتنا بھی اسلحہ اور ڈرگز برآمد ہوئی ہیں نا اس میں تو تمہارے ساتھ ساتھ تمہارا پرنسپل بھی جیل میں جائے گا۔ گرفتار کرلو اسے۔"

وہ آرڈر دیتی سر پر کیپ رکھتی ہوئی مڑی تھی۔

"کونسا اسلحہ؟ کونسی ڈرگز؟ تم ہمیں نہیں پھنسا سکتی انسپکٹر۔ یہ۔۔۔ یہ جھوٹ ہے۔ میں بے قصور ہوں۔"

معروش اس کی بھدی آواز کو اگنور کرتے ہوئے ان بوڑھے ماں باپ کی جانب بڑھی جن کے کندھے اور نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

"میری بچی بہت معصوم ہے۔ وہ ایسا کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ اس کی تو خواہش تھی کہ وہ ڈاکٹر بن کر ہم جیسے لوگوں کی خدمت کرے۔ وہ لڑکوں کے چکروں میں نہیں پڑ سکتی۔ ابھی دو دن پہلے ہی تو میری اس سے بات ہوئی تھی۔ اس کا ٹیسٹ بہت اچھا ہوا تھا وہ بہت خوش تھی۔"

وہ بوڑھا باپ کہتے کہتے رو پڑا۔ معروش نے تسلی دیتے ہوئے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھا تھا۔ کسی قسم کا بھی دلاسا دیے بغیر وہ اس ہاسٹل سے واپس آ گئی۔ اتنا تو وہ جانتی تھی جس برزخ میں وہ لڑکیاں گئی ہیں وہاں سے واپسی ناممکن ہے۔ ہاسٹل سے باہر نکل کر اس نے اپنی باقی کی فورس کو پورے کالج کی تلاشی لینے کا کہا تھا حتیٰ کہ اس نے پرنسپل کا آفس تک نہیں چھوڑا جو اس وقت ابروڈ گئے ہوئے تھے۔ گاڑی کی بونٹ سے ٹیک لگائے وہ کھڑی تھی جب اس کا سیل فون بجنے لگا۔ اس نے گرین کی طرف سکرول کیا اور فون کان سے لگایا۔

"میں نے سنا تھا خوبصورت لڑکیاں بڑی تیز دماغ کی ہوتی ہیں آج دیکھ بھی لیا۔" گالف کی بال کو ہٹ کرنے کی آواز بخوبی معروش نے سنی تھی۔ کال کو ریکارڈنگ پر لگا کر وہ کتوں کی آواز کو اگنور کر کے اس بھیڑیے کی آواز سنتے ہوئے کہنے لگی۔

"کون ہو تم؟" جان کر انجان بنی۔

"اوہ تو یعنی معروش حبیب مجھے نہیں جانتی۔ انٹرسٹنگ۔" خلیفہ کی مسکراتی ہوئی آواز پر اس نے ضبط سے سانس بھرا۔

"کام کی بات کرو۔" وہ مطلب پر آئی تھی۔ بونٹ پر چڑھ کر بیٹھی۔ بیدردی سے ہوا میں اچھالی گئی بال ہول میں جا کر گری تھی، اس کے گرنے کے ساتھ ہی معروش نے اس کی آواز سنی تھی۔

"ناظمہ کی رہائی۔" دوٹوک انداز میں کہی گئی اس کی آواز ایسی سرد ہوئی مانو اس میں گلیشیر ٹوٹ کر آ گرا ہو۔ معروش اس سرد سی آواز سے بے نیاز ہو کر بولی۔

"بس مسٹر خلیفہ! یہیں تک تمہاری پہنچ ہے کہ ایک معمولی سی عورت کی رہائی کیلئے مجھے فون کھڑکا دیا۔ مجھے تو لگا تھا تمہارے اتنے بڑے پھیلے یونٹ میں سے ہی کوئی ہاتھ پیر مارنے آئے گا مگر مجھے افسوس ہوا تمہاری حیثیت جان کر سوچو جب میں اس چین کی سب سے مضبوط کڑی پر وار کروں گی تو کیا ہوگا۔ کون ہوگا جو مجھ سے اس کی رہائی کی درخواست کرے گا۔ وہ تم تو نہیں ہو گے کیونکہ تم تو بس یہیں تک ہو۔"

آنکھوں میں چمک لیے وہ اپنے کچھ جوانوں کو پر جوشیت سے ایک ساتھ کسی جگہ بھاگتے ہوئے دیکھ رہی تھی یقیناً ان کے ہاتھ کچھ لگا تھا جو بہت کارآمد ثابت ہونے والا تھا۔ وہ دوسری طرف کے قہقہے کو اگنور کر کے فون کان سے فاصلے پر رکھے دھڑکتے دل کے ساتھ انہیں دیکھ رہی تھی جو اب آواز لگاتے اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی بلا رہے تھے۔ اس نے تحمل سے کام لیا اور خلیفہ کی بات سننے کیلئے خود کو وہیں روکے رکھا۔

"تم جو نکلوانا چاہ رہی ہو کبھی نہیں نکلوا پاؤ گی آفیسر! مجھے داد دینی پڑے گی تمہارے ذہن کی، یہ واقعی بہت تیز چلتا ہے۔ بہرحال میں تمہیں چار گھنٹوں کا وقت دیتا ہوں۔ ناظمہ کو چھوڑ دو نہیں تو مجھے افسوس ہوگا تمہارا اس دنیا کو چھوڑ جانے پر۔"

ان لفظوں کو اس کی سماعتوں کی نذر کرتے ہی اس نے فون بند کر دیا تھا۔معروش نے ابلتے خون کے ساتھ موبائل کو دیکھا اور سر جھٹکتی بونٹ سے نیچے اتری۔اس کا اسسٹنٹ بھاگا دوڑا اسی کے پاس آ رہا تھا۔اس سے دو فٹ کے فاصلے پر سبزے پر اپنے بوٹوں کو جمائے وہ فرط جوش سے کہہ رہا تھا۔

"اچھی خبر ہے۔کالج کی ایک لیب جو کئی سالوں سے بند ہے اور خستہ حالی کا منظر پیش کرتی ہے اس میں سے کافی تعداد میں ڈرگز برآمد ہوئی ہیں۔یہ کہنا بہت آسان ہے کہ یہ لیب ہی ان لوگوں کا اڈا ہے جہاں وہ کالج کے دوسری طرف بنے گھر میں سے داخل ہوتے ہیں کیونکہ اس لیب تک کی رسائی انہوں نے انڈر گراؤنڈ طریقے سے رکھی ہوئی ہے اور یہاں سے یہ زہر وہ مستقبل کے ستاروں میں تقسیم کر کے انہیں پتھر بنا دیتے ہیں۔"

وہ پر جوش تھا۔پرجوشیت اس کی آنکھوں میں دکھتی تھی۔وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی لیب تک آئی۔ونٹر وکیشن کے سبب خاموش پڑا کالج پرندوں کی چہچہاہٹ خود میں سموئے ویران نہ تھا۔ہوا کے دوش پر لہراتی گھاس اور جھینگروں کی آوازوں کے ساتھ وہ اس لوہے کے دروازے کے سامنے رکی جو آزادی سے پہلے اس قفل میں جکڑا جا چکا تھا جو اس وقت زنگ کی ابھرتی ہوئی رگوں کے ساتھ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا۔دروازے سے نیچے چھوٹی سی بیل دیوار پر لپٹے ہوئے اس تالے کو بھی اپنی قید میں لے رہی تھی۔معروش نے ہاتھ آگے بڑھایا مگر۔

"یہاں سے نہیں ادھر سے آئیں۔"اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کیا اور ڈھیر ساری فوج کے ساتھ چلتی ہوئی لیب کی پچھلی سائیڈ پر گئی جہاں ایک چھوٹا سا ٹیلہ تھا۔حفیظ نے آگے بڑھ کر ٹیلے پر سے گھاس کا موٹا لحاف اتارا۔خفیہ راستہ ان کی نگاہوں کے سامنے تھا۔معروش حفیظ کی معیت میں چلتی ہوئی اندر آئی اور اندر آتے ہی اس کی آنکھوں میں سرخی بڑھ گئی۔سفید زہر،انجیکشنز اور پتا نہیں کیا کیا اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔اس نے کچی شراب کی ایک بوتل اٹھائی۔اسے اپنی آنکھوں کے سامنے کیا جس پر برانڈڈ شراب کا لیبل لگا ہوا تھا۔

"حفیظ!تمہیں پتا ہے نا تمہیں کیا کرنا ہے۔"اس بظاہر دکھتے خستہ حال کمرے میں اس کی آواز ابھری تھی۔

حفیظ نے اس کی آواز کے پیغام کو پہچانا اور زور سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆......☆......☆

یخ بستہ رات کی سیاہی میں ایک سیاہ ہیولہ دیوار پر ابھرا تھا۔اس ہیولے کو غور سے دیکھنے پر معلوم ہوتا تھا جیسے

وہ کوئی لڑکی کا سایہ ہو جس نے سیاہ چادر میں خود کو ڈھانپ رکھا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا رابیگ ہے۔ پاؤں میں کھسہ اور آنکھوں میں رات کی سیاہی میں چھپتا کاجل۔

وہ نقاب میں منہ چھپائے دبے پاؤں بڑے سے گیٹ کے پاس آ کر رکی۔ مڑ کر اس حویلی کو دیکھا پھر گہرے سانس بھرتی اپنے قدم موڑ گئی۔ اسے ہدایت نہیں آئی تھی نہ ہی وہ اپنی مزدور ماں کا خیال کر رہی تھی جو دن رات اس حویلی کے کاموں میں جت کر اسے پڑھانے کے لئے پیسے جوڑ رہی تھی اور نہ ہی اس نے اپنی مالکن کا خیال کیا تھا جسے وہ سیدھی سادھی نوراں اپنے بیٹے کی آنکھ کی نور بنتے دیکھ بہت پیاری لگنے لگی تھی۔ اس نے تو اپنا رخ اس لئے موڑا تھا کیونکہ یہاں پر چاچا رشید پہرہ دیے چوکنا سا سو رہا تھا اور یوں بھی وہ اتنے بڑے گیٹ کو کیسے پھلانگتی تبھی اس نے بیک یارڈ کا رخ کیا۔

وہاں موجود موٹے لوہے کے دروازے کا تالا کھولنے لگی جس کی چابی صبح ہی اس نے اپنی مالکن کے کمرے سے چرائی تھی۔ خاموش رات میں کلک کی آواز کے ساتھ تالا کھلا۔ اس نے احتیاط سے تالا پکڑ کر نیچے کچی زمین پر رکھا اور دروازے کی جامد ہوئی کنڈی کو کھولنے لگی۔ جس نے ارتعاش برپا کر کے آم کے درخت پر موجود پرندوں کی استراحت میں خلل پیدا کیا تھا۔ انہوں نے اپنے پر ہلائے اور ہلکا سا احتجاج کیا۔ ان کے اس احتجاج پر چاچا رشید کی آنکھ کھلی تھی۔ چنی چنی نیند سے بوجھل آنکھوں سے انہوں نے سر کو اوپر کر کے آم کے درخت کو دیکھا۔ جہاں پر پرندے اب باقاعدہ طور پر شور مچانے لگ گئے تھے۔

وہ دیکھ چکے تھے کہ کیسا کہرام مچنے جا رہا ہے۔ کسی کی تباہی منتظر بیٹھی ہے تبھی ان کا واویلا آسمان چھونے لگ گیا تھا۔ نوراں نے چوں کی آواز کے ساتھ دروازہ کھولا اور باہر قدم رکھ دیا۔ چار کوے اڑ کر چاچا رشید کے سر پر منڈلانے لگے تھے۔ کائیں کائیں کرتے وہ ان کی فیورٹ نوراں کو روکنے کا کہتے بے چین تھے۔

"سارا سامان لائی ہو۔" سرگوشی ابھری۔ "بولنا نہیں صرف ہاں یا ناں میں سر ہلانا۔"

نوراں نے جھٹ سے ہاں میں سر ہلا دیا۔

"ارے کیا مصیبت ہے آرام سے سونے بھی نہیں دیتے۔ میں کہتا ہوں چلے جاؤ یہاں سے نہیں تو گولیوں سے بھون دونگا، رشیدے کے غصے سے تم ابھی واقف نہیں ہو۔ مت بھولو کہ میری طاقت تم سے زیادہ ہے۔" وہ

غصے میں بڑبڑاتا ان کوؤں کو اپنے سر سے ہٹا رہا تھا جو مسلسل اس کا طواف کرتے کائیں کائیں کر رہے تھے۔

اس لڑکے نے نوراں کا ہاتھ پکڑا۔ دور کہیں بجلی کی چمک کے ساتھ تیز آواز ابھری تھی۔

"جائیں گے کہاں۔" نوراں نے خود کو اس کے ساتھ جاتے ہوئے ایک جگہ پر روکا تھا۔ رک کر یہ الفاظ اس کے منہ سے برآمد ہوئے۔ لڑکے نے غور سے اس کی کاجل سے سجی آنکھیں دیکھیں۔

"جنت کا پتا ہے؟ وہاں کی باسی بننے والی ہو تم۔" بیگ کو کندھے پر ڈال کر اس کا ہاتھ کھینچ کر وہ اسے لے جانے لگا۔ نوراں نے آخری بار حویلی کو دیکھا۔ اور اس کے ساتھ کھینچی چلی گئی۔

آسمان پر سیاہ بادل بڑھتے جا رہے تھے۔ ان کی سیاہی اتنی گہری تھی کہ اس میں کسی کی آنکھوں کا گمان ہوتا تھا۔ وہ آنکھیں جو اپنا آپ منوانے کیلئے پر عزم تھیں۔ جن کی چمک ہر پتھر کو مات دینے کیلئے کافی تھی جو اس وقت کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی کسی کے آفس کے کیمروں کو ہیک کیے ایک ایک چیز کو دیکھ رہی تھی اور دیکھتے دیکھتے دہل جاتی تھی۔ اس نے جلدی سے ایک نمبر ملایا اور فون اٹھانے کا انتظار کرنے لگی۔

"سمیر! تم ٹھیک تھے۔ وہاں کپڑے نہیں بنائے جاتے بلکہ وہاں تو اغوا کیے ہوئے بچوں کو رکھا جاتا ہے۔"

اس لرزتی آواز پر وہ لڑکا سہم کر اٹھا۔

"کیا واقعی؟ پر تم نے اس راز کو کیسے پایا؟ او گاڈ میں کہتا تھا نا وہاں ضرور کچھ نا کچھ گڑبڑ ہے۔"

اپنی گردن سے ڈوری سے ملحق کارڈ کو اتار کر وہ سیدھا ہو بیٹھا۔

"آخر کو میری نیوز فیک کیسے ہو سکتی تھی بھلا میں ہمیشہ سچ بولتا ہوں۔"

لڑکی نے ایک نگاہ کمپیوٹر سکرین پر ڈالی۔ "ہاں تم ٹھیک تھے۔ لوگ واقعی سچے لوگوں کی قدر نہیں کرتے۔ تمہاری سچائی کی وجہ سے اب بہت سے بچے آزاد ہو جائیں گے۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟ کیا میں یہ ویڈیوز پولیس میں دے دوں یا پھر سوشل میڈیا پر ڈال دوں؟"

وہ حد درجہ پریشان تھی۔ پریشانی سے انگلیاں چٹخاتے ہوئے یہاں وہاں ٹہل کر پوچھ رہی تھی۔ لڑکے نے جلدی سے اسے منع کیا۔

"نہیں نہیں، ابھی کچھ بھی نہیں کرنا تم ایک کام کرو۔ وہ ویڈیوز لے کر میرے پاس آ جاؤ پھر بیٹھ کر سوچتے ہیں

کہ کیا کرنا ہے۔"

لڑکی نے نچلا لب دانتوں میں کچلا۔وہ مضطرب انداز میں بولی۔

"ٹھیک ہے میں تمہیں واٹس ایپ کر دیتی ہوں۔" وہ اس خراب موسم میں اپنے سینئر کولیگ کے پاس نہیں جاسکتی تھی اس لیئے یہ آپشن جھٹ سے اس کے سامنے پیش کیا جسے اس نے مزید سختی سے رد کر دیا۔

"ندا! میں کہہ رہا ہوں نا کہ میرے پاس آؤ تمہیں ایک بات سمجھ کیوں نہیں آتی۔تحمل سے سنو ہم دونوں صحافی ہیں اور ہم صحافیوں کے پاس جو کچھ بھی موجود ہوتا ہے اسے تہوں میں رکھنے سے ہی ہم بچا سکتے ہیں ورنہ کوئی بھی آسانی سے اسے چرا سکتا ہے۔میں نہیں چاہتا تمہاری اتنے دنوں کی محنت چوری کی نذر ہو۔" وہ اسے بچوں کی طرح پچکارتے ہوئے سمجھا رہا تھا۔ندا نے پھر سے ہونٹوں کو دانتوں کے ظلم کی نذر کیا۔

"پر سمیر، ایک رات میں کیا ہوگا موسم کتنا......"

سمیر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ایک رات میں قتل ہو جایا کرتے ہیں۔" اس نے اتنے بھیانک انداز میں یہ بات کہی کہ ندا پورے وجود سے کانپ گئی۔

"موسم کی خرابی کا کہہ رہی ہو نا، رکو میرا انتظار کرو میں تمہارے پاس آتا ہوں۔" لیپ ٹاپ کو بند کیئے کسی تصویر پر کراس کا نشان لگائے وہ فون پر آنے کا کہہ رہا تھا۔ندا نے اثبات میں سر ہلایا جیسے وہ اسے دیکھ رہا ہو اور وہ یقیناً اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

"فلاح" کے ساتھ میں پچھلے پندرہ سالوں سے منسلک ہوں۔یہ تقریباً دو ہزار پانچ کی بات ہے جب مظفر آباد میں آئے زلزلے میں میرا تمام خاندان تباہ ہو گیا۔سب مر گئے میں بچ گئی۔میری عمر اس وقت بیس سال تھی جب ایک چوڑی ہتھیلی نے میری جانب مدد کا ہاتھ بڑھایا۔اپنے والدین اور بہن بھائیوں کی موت پر روتے ہوئے میں نے اس ہمدرد ہتھیلی کو مسیحا سمجھ کر تھام تو لیا لیکن شاید میں بچی تھی تبھی جان نہیں پائی کہ یہ ہتھیلی مسیحا کی نہیں بلکہ ایک ظالم درندے کی ہے۔ایک شیطان کی ہے۔

مجھے لگا تھا سمندر خان مجھے اپنی بیٹی بنا کر لے جائے گا۔ ہاں اس نے کہا بھی تو ایسا ہی تھا کہ میں اس کی اولاد کی طرح ہوں۔ اس کی بات پر ایمان لا کر میں میلے چہرے کے ساتھ اس کے عالیشان ہیلی کاپٹر میں بیٹھ گئی۔ یہ سوچ بنا کہ ایک امیر کبیر انسان کیونکر مجھے اپنی بیٹی رکھے گا۔ نہیں، میں اس کی بیٹی نہیں تھی اور نہ ہی اس نے مجھے اپنی بیٹی رکھا تھا۔ میں تو ایک مہرہ تھی، اس کے کاروبار کو چلانے کا مہرہ۔ وہاں میرے جیسی ہزاروں لڑکیاں تھیں۔ کچھ کو دوسرے ممالک بھیجا جا رہا تھا تو کوئی یہاں ہی کسی کی تسکین کا باعث بن رہی تھی۔

میں وہاں کا ظالمانہ سلوک دیکھ کر ڈر گئی تھی۔ ان کے کام کو دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ میری ویڈیوز، میری برہنہ تصاویر دنیا کی غلیظ نگاہیں دیکھیں لیکن میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ چھوٹی تھی مزاحمت بیکار تھی۔ ان کی دسترس میں آ کر ان جیسی بن گئی۔ رفتہ رفتہ میری صلاحیتیں نکھرنے لگیں اور میں ان لوگوں کی خاص بن گئی۔ پھر میری زندگی میں بھی جمود آیا۔ ایک امیر زادہ میری محبت میں گرفتار ہو کر میرا چہرا داغ دار کر گیا۔ یہ اس کی محبت نہیں تھی شاید ضد تھی کہ میں اسے میسر نہیں ہو رہی تھی۔ تبھی اس نے میرا چہرا بگاڑ کر مجھے اس کالج تک کی رسائی دے دی۔"

وہ لمحہ بھر کو رکی اور پھر سے بولنے لگی۔

"ہاں اس کالج میں، میں لڑکیوں کو ڈرگز سپلائی کرتی ہوں۔ میرا ٹارگٹ وہ لڑکیاں ہوتی تھیں جو ذرا سی بھی ذہنی الجھن کا شکار ہوں یا پھر وہ جو غریب تھیں اور امیروں جیسا رہن سہن پسند کرتی تھیں۔ میں انہیں ہیمپر کر کے انہیں یہ یقین دہانی کروا کر کہ وہ ایلیٹ دکھنے لگی ہیں اس راہ پر لے آتی تھی۔ کچھ جو ضدی اور سر پھری ہوتی تھیں یا یوں کہا جائے خود سے محبت کرنے والیں، اپنوں کی پرواہ کرنے والی ہوتیں تو میں ان کی شام کی چائے میں تھوڑا سا سفوف ملا کر ان کو پیش کروا دیتی۔ پھر وہ ہی چائے مہنگے داموں بیچتی۔ جب ان کے پاس اس چائے یا ڈرگ لینے کے پیسے نہیں ہوتے تو میں انہیں وہ راہ دکھاتی تھی جو مجھے دکھانے کو کہا جاتا ہے۔ ہاں میں ان کو تھوڑی سی تصاویر اتروانے کو کہتی۔ اپنے گاہک کو ان کا بوائے فرینڈ بنواتی اور پھر ان کو اپنی مٹھی میں قید کر کے سپلائے کر دیتی تھی اور یہ سب میں سمندر خان اور خلیفہ تبریز کے کہنے پر کرتی تھی۔ میں ان کی خاص بندی ہوں اور انہیں مجھ پر پورا بھروسہ ہے اس لیے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتی۔ چاہے پھر آپ مجھے جان سے ہی کیوں نہ مار

دیں۔" رمیز نے سخت کبیدہ خاطر ہو کر ایل سی ڈی آف کی اور دانت پیستے ہوئے خلیفہ کو دیکھا جو گہری سوچ میں بیٹھا تھا۔ رمیز اس عالیشان سے لاؤنج میں بیٹھا پھٹ پڑا۔

"اس ناظمہ کو تو ختم کرواؤ ساتھ میں اس لڑکی (معروش) کا بھی کچھ کرو۔ یہ تو حد سے زیادہ ہی بڑھتی جا رہی ہے۔ آج اس نے ناظمہ سے سب اگلوا لیا کل کو کسی اور کو پکڑ لے گی۔ خلیفہ مت آن کروٹی وی۔ میرا خون کھولتا جا رہا ہے۔ سیدھے سیدھے نام آرہا ہے ہمارا یار۔"

خلیفہ نے ہاتھ بڑھا کر ریموٹ اٹھایا اور مختلف چینلز لگانے لگا جہاں ہر جگہ ایک ہی خبر بریکنگ نیوز بن کر چل رہی تھی۔ اس نے ایک جگہ پاؤس کر کے پھر سے ریوائن کیا۔

"میں وہاں کا ظالمانہ سلوک دیکھ کر ڈر گئی تھی۔ ان کا کام دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔"

اس نے پھر سے پاؤس کیا اور پھر ریوائن تیسری بار کرتے ہوئے اس کے لبوں پر مدھم سی مسکان آکر ٹھہری۔ جذبات سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھوں کی چمک بڑھی اور وہ سیدھا ہو بیٹھا۔

"رمیز! یہ عورت بہت کمال ہے۔ بہت ہی کمال طریقے سے اس نے جال پھینکا ہے مجھے اس کی ایفرٹ کو داد دینی پڑے گی۔"

وہ محظوظ ہوا تھا۔ خوشی اس کی آواز سے چھلک کر سُر سے بکھیر رہی تھی۔ رمیز کو اس کا توازن ٹھکانے پر نہیں لگا آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا اور ایک ابرو اچکائی۔

"تم شاید بھول رہے ہو، ناظمہ نے تمہارے ساتھ ساتھ باس کا نام بھی لیا ہے۔ اس نے گواہی دی ہے جو پوری دنیا سن رہی ہے اور اس کا انجام جانتے ہو کتنے مسائل سے گھرنا پڑ سکتا ہے ہمیں۔ ناظمہ کمال کی عورت نہیں بلکہ غدار ہے اور غداروں کو سزا......"

اس کے الفاظ منہ میں ہی دم توڑ گئے جب ایک نیوز اینکر یہ چیخ چیخ کر بتا رہی تھی کہ ناظمہ کا جیل میں قتل ہو گیا۔ کسی نے آکر اسے بڑی صفائی سے قتل کر دیا۔ خلیفہ یہ خبر سن کر اور گہرا مسکرایا۔

"گڈ پلانر۔" پھر اس نے رمیز کی جانب دیکھا جو الجھا سا نیوز سننے میں مگن تھا۔ خلیفہ کی آواز پر چونکا۔

"رمیز! مجھے آفیسر سے ابھی ملنا ہے۔ میری اس سے میٹنگ فکس کرواؤ۔"

کہتے ہی وہ لاؤنج سے نکل کر راہداری کو کراس کرتا سیڑھیاں پھلانگ کر اپنے کمرے میں آیا۔ جینز شرٹ پر پی کیپ پہنی، آدھے سے زیادہ چہرا اس میں چھپایا اور والٹ اور گاڑی کی چابی اٹھا کر نیچے آ گیا جہاں رمیز اکتایا سا یہاں وہاں ٹہل کر فون پر چیخ رہا تھا۔

"پرسکون ہو جاؤ رمیز! ایسی اب ہزاروں فون کالز آنی ہیں۔ پولیس بھی آئے گی مگر سب انڈر کنٹرول ہے بس پریس والوں کے ساتھ ایک مطمئن سی کانفرنس کرنی ہے۔ تم بس اپنے حواسوں کو برقرار رکھو اور یہ بتاؤ کہ بات ہوئی تمہاری اس آفیسر سے۔" وہ سیڑھیاں اترتے ہوئے گھڑی کا ہک بند کرتا کہہ رہا تھا۔ پھر دفعتاً اس نے پوچھا۔ رمیز نے ہاں میں سر ہلا کر کہنا شروع کیا۔

"وہ تم سے نہیں مل سکتی، وہ بزی ہے۔" اس نے معروش کے اسسٹنٹ کے الفاظ ورڈ ٹو ورڈ اسے بتا دیے۔

"گریٹ! خان آئے تو بولنا دس منٹ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔"

رمیز کو اگنور کر کے وہ اپنی جیپ لئے ایک راہ کو پکڑ گیا۔ ہواؤں سے بات کرتی اس کی جیپ اڑ رہی تھی اور وہ ایک ہاتھ سے سٹیرنگ تھامے پرسوچ نگاہوں سے چیونگم چبائے جا رہا تھا۔

"اور یہ سب میں سمندر خان اور خلیفہ تبریز کے کہنے پر کرتی۔"

اس نے مسکرا کر سر کو جھٹکا اور نچلے لب کو دانتوں میں لے گیا۔ اسپیشل پولیس اسٹیشن کے باہر اس کی جیپ رکی تھی۔ اندر بڑھ کر اس نے چلتے چلتے راہ میں آنے والے ایک پولیس آفیسر کو اپنا کارڈ دکھایا اور دروازہ دھکیل کر اندر آ گیا۔ وہاں چند اور پولیس والے بیٹھے تھے۔ وہ سب اس کے اندر داخل ہونے پر مڑ کر دیکھنے لگے۔ معروش نے انہیں جانے کا اشارہ کیا۔ دو سیکنڈ بعد اس کے کمرے کا دروازہ بند تھا اور خلیفہ کرسی کو پاؤں سے آگے گھسیٹ کر اس پر بیٹھ رہا تھا۔

"میں نے چار گھنٹے تمہیں تمہاری زندگی کے دیے تھے مگر تم نے تو ان چار گھنٹوں میں ہماری زندگی لینے کی پلاننگ کر لی۔ ماننا پڑے گا تمہارا دماغ بہت چلتا ہے۔ اچھا وکل ریکارڈ تھا ناظمہ کا بیٹھی ہوئی تو وہ بالکل ناظمہ ہی لگ رہی تھی مگر کہتے ہیں نا، اچھے سے اچھا پلانر بھی کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور کر دیتا ہے۔ تم نے بھی کر دی۔"

کرسی کی پشت پر پورا گرا ایک پاؤں سے زور دیکر اسے جھلاتے ہوئے وہ معروش کی نگاہوں میں دیکھتا کہہ

رہا تھا جو شل بیٹھی اسے سن رہی تھی۔ پھر وہ رکا، سیدھا ہوا اور تھوڑا جھک کر اس کے آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"تم نے وہاں پر سمندر خان کا نام لیا۔ تم چونک گئی یہ جاننے میں کہ۔۔۔ کوئی بھی۔۔۔ سمندر خان کو اس کے حقیقی نام سے نہیں جانتا فقط میرے یا پھر میرے دشمنوں کے۔"

معروش نے ایک پل کو بھی اس کی آنکھوں سے اپنی آنکھیں نہیں ہٹائی تھیں۔ وہ اس کی تیکھی ناک پر جڑی دونوں سنہری آنکھوں میں دیکھے گئی جن کی پرسکون تہہ کے پیچھے وبال مچا ہوا تھا۔

"چلو، آج میں نے دنیا کو اس کا اصل نام بھی بتا دیا۔ اب تم بتاؤ یہاں کیوں آئے ہو، قتل کرنے یا پھر ہونے۔"

اس کا بیساختہ قہقہہ اس کمرے میں گونجنے لگا تھا۔ وہ گردن کو پیچھے کو گرائے پرزور طریقے سے ہنس رہا تھا کہ یکدم آگے کو اٹھ کر اس نے معروش کی گردن اپنے ہاتھ میں قید کر لی۔ وہ اس کے حملے کیلئے تیار تھی تبھی لوڈ گن اس کے اسی ہاتھ پر رکھی۔

"میرے ساتھ دشمنی کرو فقط میرے ساتھ، سمندر خان کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی دیکھا تو سمندر میں غرق کر دونگا۔" فل فورس لگا کر کہتے ہوئے اس نے ہولے ہولے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی کی۔ معروش کے ضبط سے بھینچے لب اور اکھڑتی سانسیں اس کی کلائی کو چھو رہی تھیں۔ ان سانسوں پر رحم کھاتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ کو ڈھیلا کر کے اسے پیچھے دھکیلا۔ معروش نے یکدم اس پر بندوق تان لی۔ خلیفہ نے پرسکون انداز میں کرسی پر ٹیک لگا کر سینے پر ہاتھ باندھے۔

"ابھی تو فی الحال سمندر خان کو غرق کرنے کی تیاری پکڑو۔ سمجھو وہ ختم۔"

اس نے گردن کی طرف ذبح والا اشارہ کیا۔ خلیفہ نے ضبط سے سر کو دوسری سائیڈ پر گرا کر اس کی جانب دیکھا اور پھر کھڑا ہو کر اس تک آیا۔ وہ ہنوز اس پر پستول تانے کھڑی رہی۔

"تمہیں نہیں لگتا کہ ایک عورت کو مردوں کے کاموں میں نہیں پڑنا چاہیے ورنہ وہ اپنی نسوانیت کھو دیتی ہے۔"

وہ اس کے ڈھکے چھپے لفظوں کی دھمکی سمجھ گئی تھی۔ خلیفہ نے ہاتھ اس کے چہرے کی طرف لے جانے کیلئے

بڑھایا ہی تھا کہ معروش نے پستول کی نال سے اسے جھٹک دیا۔

"تم جیسی خوبصورت اور کچھ کچھ معصوم نظر آتی لڑکی کو صرف گھر میں رہنا چاہیے ورنہ زمانہ بڑا خراب ہے۔"

"یہ زمانہ اور کتنا خراب ہوتا ہے خلیفہ! اس کا تم انتظار کرو اور اپنی خرابی اپنی آنکھوں سے دیکھو۔ دروازہ اس طرف ہے۔"

وہ دو قدم مزید قریب آیا اور پھر پیچھے ہٹتے ہوئے دو انگلیوں کو بھنویں پر لے جا کر اسے سلام پیش کر کے دروازے کی طرف مڑ گیا۔

"تمہاری زندگی سلامت رہے۔" جاتے جاتے وہ مسکراہٹ اچھال کر اسے جلا گیا تھا۔ معروش نے اس کے جاتے ہی اپنی گردن کو پکڑا اور پھر زور سے غصے پر قابو پاتے ہوئے میز پر ہاتھ مارا۔ اس کی چھوٹی انگلی پر میز کا کونہ بہت زور سے لگا تھا۔ جسے وہ سہہ گئی کہ یہ درد اس توہین کے سامنے کچھ نہیں تھا جو ابھی خلیفہ کے ہاتھوں اس کی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

"تم نے اسے زندہ کیوں چھوڑ دیا وہیں اس کے سینے میں گولیاں اتار آتے۔ اس کی جرأت بھی کیسے ہوئی میرا نام دنیا میں لانے کی۔" سمندر خان منہ سے کف نکالتے ہوئے دھاڑ رہا تھا۔ اس کی دھاڑ اور غیظ سے سب ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑے تھے سوائے خلیفہ کے۔

"تحمل خان، تحمل۔۔ اگر میں اسے وہیں مار آتا تو سیدھا سیدھا شک ہم پر ہی جاتا۔ میں وہاں اس سے ملنے گیا تھا۔ سب نے میرا چہرا دیکھا تھا۔ اس کے کمرے میں موجود سی ٹی وی میں، میں صاف دیکھا جا سکتا تھا۔ میں نے اسکی گردن پکڑی، میری پکڑ اتنی مضبوط تھی کہ اسکی آنکھوں میں نمی واضح ہو گئی تھی۔ کنٹرول روم میں بیٹھے اس کے ساتھی بھاگے آ رہے تھے جب میں باہر نکلا۔ اگر اس وقت میں اسے موت کے گھاٹ اتار آتا تو میرے ساتھ ساتھ آپ بھی پھنستے اسلئے میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ بے فکر رہو یہ چھوڑنا پکڑنے کے برابر ہی ہے۔ خلیفہ کے شکنجے سے بہت مشکل سے ہی کوئی نکلا ہے۔"

وہ جہاں تک ممکن تھا انہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسکی بات وہاں موجود باقی سب کے ذہن میں آ گئی

تھی بس ایک خان ہی تھا جو اسے سمجھ نہیں رہا تھا۔ نا سمجھی سے ہی زور زور سے نفی میں سر ہلایا۔

"اس کے باپ کی بھی جرأت نہیں تھی مجھے اس کیس میں پھنسانے کی اور تم خلیفہ، تم کب سے ان باتوں کو درمیان میں لانے لگے بغیر سوچے سب پر بندوق تان کر انہیں لقمہ اجل بنانے والا آج پلان ترتیب دے رہا ہے۔ اسے پھنسنے کا ڈر ستانے لگا ہے یہ خدشات فقط مٹی کا ڈھیر ہیں وہ چاہے تو تمہارے تھریٹ کو بھی استعمال کر سکتی ہے۔"

گردن پکڑنے کا حوالہ دیتے ہوئے وہ دھاڑتے ہوئے اس کے نزدیک آئے۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کے دل میں جھانکا۔ اندھیرا پاتے ہی بول اٹھے۔

"بتاؤ خلیفہ، کیا اس لڑکی پر دل آ گیا ہے اگر ہاں تو میں بصد شوق اسے تمہارے پہلو میں دیکھ کر اسے ختم کرنا چاہوں گا اگر نہیں تو بھیانک موت اس کی منتظر ہے۔"

خلیفہ نے سمندر خان کی بات پر آنکھوں کو بند کر کے خود کو پرسکون کیا۔ ان کی بات سے وہ خود بھی ٹھٹکا تھا۔ اسے خود پر اور خان پر تضحیکی ہنسی آئی۔

"اگر اس پر دل آتا تو آج وہ قبر میں پڑی ہوتی۔ آپ جانتے ہو خان میں اپنی کمزوری کو زندہ نہیں چھوڑتا۔ یہ بات کر کے آپ نے مجھے خود میں ہی مشکوک بنا دیا ہے۔ مجھے دکھ ہے کہ آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔"

اس کے چہرے پر عجیب سا تاثر دیکھنے کے بعد خان پیچھے ہٹے۔ وہ اس کے لہجے کی سچائی سے واقف تھے تبھی دو قدم پیچھے ہٹے۔

"میں اسے ختم کرنا چاہوں گا لیکن تب جب تم چاہو گے۔" وہ دھیمے پڑتے کہہ رہے تھے۔ خلیفہ نے اثبات میں سر ہلا کر ایک طائرانہ نگاہ سب پر ڈالی اور باہر کی اور قدم اٹھا لئے۔ اس کے ساتھ رمیز اور ساشا بھی تھے۔

"جن لڑکیوں کو چائنہ اسمگل کرنا ہے ان پر تم ایک نظر ڈال لو کیونکہ کل سے ہان نے میرا سر کھایا ہوا ہے کہ اب تک لڑکیاں کیوں نہیں پہنچیں۔"

ساشا پنسل ہیل کی آواز پیدا کرتی ہوئی تیز تیز اس کے ساتھ چلتی کہہ رہی تھی۔ اس کے سرخ بوائے کٹ بال باہر سے آتی ہوا کے زیر اثر ماتھے پر بکھرنے شروع ہو گئے تھے۔ وہ خلیفہ سے کہتی رمیز کو بھی دیکھ رہی تھی جو جیبوں

میں ہاتھ ڈالے ان کے ساتھ ہی چل رہا تھا۔

"ہان کو کھوا پنی ہوس کے ساتھ اپنے کام پر بھی ذرا گام لگائے۔لڑکیاں اتنی آسانی سے نہیں بھیجی جاتیں اور یوں بھی آج کل بہت سختی ہو رہی ہے۔یہ نہ ہو اس سختی کی وجہ سے میں اس پر سختی کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔"

وہ خان کے ساتھ ہوئی تلخ کلامی کے زیر اثر چڑا سا بول رہا تھا۔اس کے قدموں میں بھی جارحیت تھی اسی جارحانہ پن سے اس نے کمرے کا دروازہ کھولا جہاں بے تحاشہ لڑکیاں خود میں سمٹیں ڈری سہمی سی بیٹھی تھیں۔ خلیفہ کو دیکھ کر ڈر اور ان کے اوپر آ کر بیٹھا۔وہ ایک دوسرے میں چھپتیں اس وجیہہ نوجوان کو دیکھ رہی تھیں جو فرشتہ صفت چہرے کے پیچھے شیطان چھپائے ہوئے تھا۔خلیفہ آگے بڑھا اپنے قدموں کے بالکل پاس بیٹھی لڑکی کو اس نے بالوں سے پکڑ کر اٹھایا۔وہ چیخی تھی۔ڈر سے کانپی تھی۔یہ اسی بوڑھے آدمی کی بیٹی تھی جس کے بیٹے کو اس نے بیچ چوک میں جان سے مار دیا تھا۔خلیفہ نے اس کے میلے اور ڈر سے کپکپاتے چہرے کو غور سے دیکھا۔

"رمیز، کیا جیمز اس لڑکی کے ساتھ کھیلا ہے۔" رمیز اس کھیل کا مطلب اچھے سے سمجھتا تھا۔آگے بڑھ کر ہاں میں گردن کو جنبش دی۔

"ہاں یہ چار دن سے اس کے پاس تھی۔ویڈیوز اچھی بنی ہیں اس کی، میں جلد ہی انہیں اپنی ویب سائیٹ پر پوسٹ کر دونگا۔"

وہ ان لڑکیوں میں کسی کو ڈھونڈتے ہوئے کہہ رہا تھا۔اچانک اسے وہ مطلوبہ چہرہ نظر آیا۔خلیفہ نے جیسے ہی اس بوڑھے آدمی کی بیٹی کو پھینکا رمیز ایک اور لڑکی کو بالوں سے پکڑتے ہوئے اس کے قریب لے آیا۔

"اس نے مرنے کی کوشش کی ہے۔کیسٹ بھی ریکارڈ نہیں کروائیں اور تو اور یہ پولیس کو بتانے کی دھمکیاں بھی دے رہی ہے۔" درد سے بلبلاتی وہ رمیز کے چنگل سے چھڑوانے کی سعی کر رہی تھی جب خلیفہ نے اس کا چہرہ گالوں سے پکڑ کر اپنی جانب کیا۔

"مرنا ہے تمہیں۔"

لڑکی کی آنکھیں بہنے لگیں۔اس نے کانپتی تھوڑی کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔

"چلو پھر مر جاؤ۔" خلیفہ اسے گھسیٹتے ہوئے باہر کی طرف لے جانے لگا۔ساشا بھی اس کے پیچھے بھاگی تھی۔

وہ لڑکی خوبصورت تھی اس کی ڈیمانڈ زیادہ ہو سکتی تھی مگر اس کی ہٹ دھرمی اور عزت سے پیار اسے موت کے منہ میں لے جا رہی تھی۔ وہ کیسے خلیفہ کو روکے۔ اسی شش و پنج میں گھری وہ ایک جگہ آ کر رکی۔ خلیفہ نے شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کو منہ میں رکھ کر سیٹی بجائی۔ دور جھاڑیوں میں ہلچل ہونے کے بعد سفید شیر بھاگتا دوڑتا ہوا ان کے قریب آنے لگا تھا۔ خلیفہ کے بازوؤں میں جھولتی لڑکی اس شیر کو دیکھ کر ڈر سے مزاحمت کرنے لگی۔ اس سے خود کو چھڑوانے کی سعی کرنے لگی۔ شیر تیز رفتاری سے بھاگ کر اس کے قریب پہنچا۔ خلیفہ نے لڑکی کو جھٹکے سے دور پھینک کر اپنے بازو وا کیے تھے۔ وہ سفید شیر چھلانگ لگا کر اپنے پیچھے ہلتے سبزے کو چھوڑتا محبت کا پیکر بنا خلیفہ کے سینے سے آ لگا۔ خلیفہ اس کے وزن سے دو چار قدم پیچھے ہو کر زمین پر گرا تھا۔

"ہے ڈوگ میری جان۔" وہ اس کے بال سہلا کر کہہ رہا تھا جب ڈوگ محبت کا بھوکا بنا اس کے گالوں پر اپنی زبان پھیرے جا رہا تھا۔ خلیفہ اس کے والہانہ پن پر ہنسا۔ رمیز اور ساشا اس مختص کیے گئے قطعے سے بہت دور کھڑے ان دونوں کی محبت کو دیکھ رہے تھے۔ ساشا نے تو باقاعدہ جھرجھری بھری تھی۔

شیر اسے پیار کرنے کے بعد اب ہلکے سبز رنگ کی گھاس پر سیدھا لیٹ گیا تھا۔ اس کے دونوں بازو کھلے تھے اور زبان باہر نکل گئی تھی۔ خلیفہ اس کے پاس پنجوں کے بل بیٹھا اور اس کا پیٹ سہلانے لگا۔

"لگتا ہے اس تھوڑے سے عرصے میں تم نے مجھے بہت مس کیا۔ خیر دیکھو میں تمہارے لیے کیا انعام لے کر آیا ہوں۔ یقین کرو یہ سیکسی ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ٹیسٹی بھی ہے۔"

ایک آنکھ مار کر وہ اس کی توجہ اس لڑکی کی جانب کروا رہا تھا۔ ڈوگ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ لڑکی زمین پر بیٹھی خوف وہراس میں لپٹی پیچھے کو چل رہی تھی۔ اس کا روم روم کانپ رہا تھا۔ اس شیر کی آنکھوں میں اس نے خود کیلئے پسندیدگی جو دیکھ لی تھی۔ وہ جھٹکے سے اٹھی اس سے پہلے وہ پیچھے کی جانب ایک قدم بھی اٹھاتی ڈوگ نے چھلانگ لگا کر اسے اپنے پنجوں میں قید کر لیا تھا۔ وہ اس کے اوپر چڑھا بیٹھا تھا۔ لڑکی کے ہاتھ اس کے سفید پنجوں میں قید تھے۔ شیر کے منہ سے نکلتی رال اس لڑکی کی گردن پر گرنے لگی۔

خلیفہ نے ہونٹوں میں پکڑی سگرٹ کو لائیٹر کی مدد سے جلایا اور ساتھ ہی رکھی کین کی سفید کرسی پر بیٹھ گیا۔

"بچاؤ بچاؤ خدا کیلئے میری مدد کرو۔" وہ لڑکی اونچا اونچا چیخ کر ادھر ادھر سر مار رہی تھی۔ آسمان پر چھایا گہرا

بادل کسی بھی سمے ہونے والی بارش کا عندیہ دینے آیا مگر یہ ہولناک منظر دیکھ کر سہم کر دوسری سمت کو تیزی سے اڑ گیا۔بادل کے گزرتے ہی صرف وہی حصہ ہلکے پیلے رنگ کی دھوپ میں رنگ گیا جہاں شیر لڑکی کو خود میں دبوچے ہوئے کھڑا تھا۔اس نے ایک اجازت طلب نظر خلیفہ کی جانب اٹھائی۔فضا میں آلودگی بکھیرتے خلیفہ نے اسے آنکھوں سے کوئی اشارہ کیا۔شیر نے جھٹ اپنے دانت اس کے بازو میں گاڑ کر گوشت کی بوٹی نکال لی۔لڑکی کی چیخیں فلک کو ہلائے دے رہی تھیں۔ساشا نے جھٹ سے اپنا رخ موڑا۔وہ یہ ہولناک منظر دیکھنے کی تاب نہیں رکھتی تھی۔

شیر نے اسی جگہ سے تھوڑی نیچے ایک اور موٹی بوٹی نکال کر خلیفہ کو دیکھا۔

"نہیں ڈوگ،تم جانتے ہو نا تمہیں انسانی گوشت کھانا منع ہے۔"وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے پاس سے اس لڑکی کا گوشت اٹھا لیا جو درد اور خوف کی زیادتی کی وجہ سے بے ہوش ہو چکی تھی۔

"چھوڑ دو اسے ضدی مت بنو،شاباش آؤ میرے ساتھ۔"وہ اسکا سنہری پٹا جس پر سونے سے ڈوگ لکھا ہوا تھا کو پکڑ کر اسے اپنے ساتھ لے آیا۔میز پر رکھے جگ میں سے پانی اس نے ڈوگ کے منہ پر ڈالا اور اس کے بال سہلانے لگا۔

"تم نے اسے اچھا سبق سکھایا اس کا انعام ضرور تمہیں ملے گا۔"اس نے دوبارہ سیٹی بجائی تھی۔وہاں کے کام کرنے والے بڑا سا راجالی کا گیٹ کھول کر بالٹیوں میں گوشت بھرتے ادھر آئے۔خلیفہ نے انہیں بالٹیاں رکھ کر اس لڑکی کو لے جانے کو کہا۔ان کے جاتے ہی ڈوگ بالٹی میں منہ دیے اپنا پیٹ بھرنے لگا۔اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔دور کھڑا رمیزا سے آنے کا کہہ رہا تھا۔وہ ڈوگ کے بالوں کو ایک بار پھر سے سہلا کر کرسی کے بیک سے ٹیک لگا گیا کہ فی الحال اسے ڈوگ کے ساتھ اپنا وقت گزارنا تھا۔

☆......☆......☆

"تم نے کہا تھا کہ شادی کے بعد ہم پیرس جائیں گے پھر یہ تم مجھے مری کیوں لے آئے۔"وہ اس عجیب و غریب گھٹن سے بھرے کمرے کو دیکھ کر ڈری سی گئی تھی۔نیچے بھی اس نے بہت سارے عجیب سے آدمی دیکھے تھے جن کی نگاہوں میں غلاظت تھی۔وہ اپنے شوہر کے بازو کو مضبوطی سے تھام کر اوپر آئی اور آتے ہی اس سے یہ

سوال داغ دیا۔ یہ دیکھے بنا کہ یہاں بھی دو اور مرد کھڑے ہیں۔

"بے بی، میں تمہیں وہیں لے کر آیا ہوں جہاں مجھے تمہیں لانا تھا اور یقین کرو تمہاری باقی چھ بہنوں کو بھی میں یہیں لے کر آؤں گا۔ وعدہ ہے تم سے۔" آخری لائن کو اس کے کان میں سرگوشی کے سے انداز میں بولتے ہوئے وہ خباثت سے قہقہہ لگا گیا۔ وہ غریب لڑکی اپنے امیر باس کو دیکھے گئی جس سے چند گھنٹے پہلے اس کا نکاح ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ حیرت سے اس نے روبوٹ کے سے انداز میں گردن موڑ کر ان دو آدمیوں کو دیکھا جو اس کی جانب بڑھ رہے تھے۔

"آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔ میں آپ کی بیوی ہوں۔" وہ اس کے پیچھے چھپتے ہوئے ان آدمیوں سے بچنے کی سعی کر رہی تھی جن کے حوالے اس کا فقط نام کا شوہر اسے کرنے آیا تھا۔

"ہاہاہا۔۔ بیوی، ڈارلنگ تم میرے بیوی نہیں بلکہ۔۔۔۔ ہو۔" نہایت گندہ لفظ بول کر وہ اس کے کان سرخ کر گیا تھا۔ اپنے کان سرخ ہوتے دیکھ اس نے اپنے نام نہاد شوہر کا کان بھی سرخ کر دیا۔ زور کا تھپڑ اسے مارتے ہوئے وہ وہاں سے بھاگنے کی ناکام سعی کر رہی تھی۔ جلد ہی وہ ان دو آدمیوں کی گرفت میں تھی۔ ''بچاؤ، بچاؤ'' کی صدائیں فضا میں بکھیر کر دل کو دہلانے کا سامان پیدا کرنے لگیں لیکن یہاں کون تھا جو اس کی سنتا۔ وہ ان درندوں کی مکمل قید میں آ چکی تھی۔ اس کے لفظ اب بھی ہوا میں بکھر رہے تھے۔

"بچاؤ بچاؤ۔"

ان لفظوں نے ڈھیر سارا فاصلہ طے کیا۔ تھوڑی سی آواز میں تبدیلی آئی اور یہی لفظ کسی اور کے منہ سے برآمد ہونے لگے۔

"بچاؤ۔۔ پلیز میری کوئی مدد کرے۔" اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے رات کے اندھیرے میں سفید گاگلز کو آنکھوں پر سجا کر نیلی شلوار قمیض پر سفید کوٹ پہنے خلیفہ نے بھی یہ الفاظ سنے تھے۔ سن کر اس نے موبائل کی چمکتی سکرین سے نگاہ ہٹا کر دیکھا۔ سفید فراک میں ملبوس وہ لڑکی جس کے سیدھے سیاہ ریشم سے بال ہوا کے دوش پر یہاں وہاں اڑ رہے تھے اور چہرے پر ہوائیاں تھیں۔ اپنا پرس مضبوطی سے سینے سے لگائے ڈری ہوئی ہرنی کی طرح بھاگتی اسی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ یکدم اس کے پاس آئی اور اس کے کوٹ کا کنارہ پکڑ کر اس کے پیچھے

چھپ گئی۔

"میری مدد کریں وہ لوگ میرے پیچھے پڑے ہیں۔" اس کے کوٹ کو کھینچتے ہوئے وہ شدید ڈری ہوئی آواز کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ خلیفہ اپنے کوٹ پر پڑی گرفت سے اس کی کپکپاہٹ اور ڈر کو بخوبی پہچان سکتا تھا۔ اس نے سڑک کے اس طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا جہاں سے بھاگتی ہوئی وہ آئی تھی۔ چند لڑکے جو اس سمت ہی آ رہے تھے لڑکی کو خلیفہ کے پیچھے چھپے دیکھ فوراً بھاگ کھڑے ہوئے۔

"وہ بہت خطرناک ہیں۔ ان کے چہرے بہت ڈراؤنے ہیں آپ پلیز انہیں یہاں سے بھگا دیں۔" اس نے مزید اس کے کوٹ پر اپنی گرفت مضبوط کی۔ خلیفہ نے گردن موڑ کر اس لڑکی کو دیکھا۔ سفید فراک میں ڈری رات کی سیاہی جیسی سیاہ آنکھوں کے ساتھ وہ اس کے پیچھے تھوڑا سا جھک کر دور ہٹ کر کھڑی تھی۔ اس نے خلیفہ کے مڑنے پر اپنی مسکارہ زدہ پلکوں کو اوپر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"وہ چلے گئے ہیں۔" خلیفہ کی مدھم آواز ابھر کر پورے عالم میں بکھر گئی۔ لڑکی نے فوراً سے اس کے کوٹ کو چھوڑا جو کہ خلیفہ کو اچھا نہیں لگا۔

"تھینک یو۔" شکریہ ادا کرتے ہی لڑکی واپس اسی رفتار سے بھاگی جس سے اس کی جانب آئی تھی۔ اس سے پہلے وہ اسے روکتا، کچھ کہتا رمیز لوگ بڑے سارے نیلے رنگ کے بیگ کے ساتھ وہاں آئے تھے۔

"کام ہو گیا؟" اس جگہ پر جہاں ابھی ابھی لڑکی بھاگ کر گئی تھی کو دیکھتے ہوئے خلیفہ نے پوچھا تھا۔ رات کی سیاہی میں اس کی دمکتی ہوئی سنہری آنکھیں جانے کیوں ماند پڑنے لگی تھیں۔

"آسان تھا جب وہ مانا نہیں تو اس کی بیٹی کو اٹھا لیا۔" رمیز نے بیگ کو اوپر کر کے بتایا جس میں ایک معصوم تین سالہ بچی قید تھی۔

"گڈ اب لائن پر آئے گا۔ اچھا سنو۔" گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اسے جیسے کچھ یاد آیا تھا۔ نگاہ اب اس راستے سے ہٹ گئی تھی جس پر وہ لڑکی گئی تھی۔ کچھ راستے ویسے بھی انجان ہونے چاہئیں جن پر چلنے جنہیں تکنے کے بارے میں دل ہزار بار سوچے اور وہ تو تھا بھی تولنے ماپنے والا بندہ کیونکر نہ نفع نقصان کا سوچتا۔

"جن آدمیوں کو کل یورپ بھیج رہے ہو ان کے بیگ میں سامان منتقل کر دینا اور اچھے سے انہیں سب سمجھا

دینا۔ یہ یاد دہانی ضرور کروانا کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی پکڑا گیا تو ان کی موت ہر طریقے سے متوقع ہے۔ رمیز میں تم سے مخاطب ہوں۔ غائب دماغی سے کیوں دیکھ رہے ہو مجھے۔"

ویران سڑک پر گاڑی دوڑاتے ہوئے وہ رمیز کی جانب دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلی سوچ کی لکیروں کو پکڑ کر وہ پوچھنے لگا۔ رمیز چونکا۔ جھٹ سے سر کو جھٹکا دیا۔

"تمہارا چہرا لفظوں کا ساتھ نہیں دے رہا۔ میرے جانے کے بعد کچھ ہوا تھا کیا؟" خلیفہ کے دماغ میں وہ کوٹ کو پکڑتی لڑکی آئی۔ اس نے سر کو نہیں والے انداز میں ہلایا۔

"نہیں تو۔ تمہیں ایسا کیوں لگا؟" وہ خود بھی رمیز کے اس سوال پر الجھ گیا تھا۔ ویو مرر میں جھانک کر خود کو دیکھا۔ بالکل پرفیکٹ تو تھا وہ۔

"بس ایسے ہی چھوڑو اس بات کو اور یہ بتاؤ اس بچی کا کیا کرنا ہے۔" ڈگی میں رکھے بیگ کے اندر بند بچی اس وقت گہری نیند میں سوئی ہوئی تھی یا پھر یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اسے سلایا گیا تھا۔ خلیفہ نے یوٹرن لیا۔

"بچی کو اپنے پاس ہی رکھیں گے تب تک جب تک اس کے باپ کا دماغ ٹھکانے نہیں آتا۔ اگر اس دوران اس نے اپنے رویے میں لچک پیدا کی تو ٹھیک ہے نہیں تو دس سال بعد اس بچی نے بھی ہمارے بڑے کام آنا ہے۔ اسے ساشا کو دے دو وہ صحیح طریقے سے ٹرین کر دے گی اسے۔"

اس بچی کا باپ پہلے سمندر خان کیلئے کام کرتا تھا لیکن جیسے ہی اللہ نے اسے ایک بیٹی سے نوازا اس کو تو جیسے گناہ ثواب یاد آ گیا۔ اپنی بیوی بچی کو لے کر وہ غائب ہو گیا تھا مگر جلد ہی پکڑا گیا۔ یوں اس کی جگہ انہوں نے نیا لڑکا کمپیوٹر ورک کیلئے رکھ لیا تھا مگر جو کام اختر کرتا تھا وہ کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے اسے کام کرنے کیلئے فورس کرتے ہوئے وہ اس کی بیٹی کو اٹھا لائے تھے۔

"ٹھیک ہے جیسا تم کہو گے ویسا ہی ہوگا۔ میں اس بچی کو ساشا کو دے دوں گا لیکن اگر اختر کام کرنے کیلئے مان گیا تو تب بھی یہ بچی ہمارے ساتھ رہے گی یا پھر اسے واپس کر دیں گے؟"

خلیفہ نے گاڑی کی بریک کو مطلوبہ جگہ پر لگایا۔ چمکتی ہوئی روشن عمارت ان دونوں کی نگاہوں کے سامنے تھی۔ اس عمارت میں سے پھوٹتی روشنیاں اس اندھیری سڑک کو بھی منور کیے دے رہی تھیں۔ ان روشنیوں میں

نہاتے ہوئے خلیفہ نے تحیر سے رمیز کی بات سنی۔

"تم اپنا کام بھولتے جا رہے ہو اور یہ خاصی قابل غور بات ہے۔ مت بھولو کہ خلیفہ کی دسترس میں آئی ہوئی چیز کبھی لوٹائی نہیں جاتی۔" گاڑی کا دروازہ کھول کر وہ نیچے اترا اور آنے والی کال کو اٹینڈ کرتے ہوئے وہ ایک سائیڈ پر جانے لگا۔

رمیز خفیف سا گاڑی سے نیچے اتر آیا اور بیگ میں قید بچی کو نکال کر کندھے پر ڈالنے لگا۔

☆......☆......☆

معروش نے بیلٹ اتار کر میز پر رکھا اور وہیں کیپ بھی سر سے اتار کر رکھ دی۔ سٹول کھول کر اس نے خود کو بیڈ پر گرایا۔ گہرے سانس بھرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں مرچیں لگنے لگی تھیں۔ دروازہ پر ہوتی دستک پر وہ سیدھی ہو بیٹھی۔ نانو ہاتھ میں چائے کی چھوٹی سی ٹرے لیے اس کے پاس آ کر بیٹھیں۔ اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم بہت زیادہ ٹینس رہنے لگی ہو۔ میں تمہیں یہ تو نہیں کہوں گی کہ اپنے مقصد سے پیچھے ہٹ جاؤ لیکن یہ ضرور کہوں گی کہ اس کے پیچھے خود کو غرق مت کرو۔ تم ایک بہادر لڑکی ہو، ہر چیز کو فیس کرنے والی۔ مجھے یقین ہے اس چیز کو خود پر سوار نہیں کرو گی۔"

اسے چائے کی شدید طلب تھی۔ نانو کے ہاتھ کی چائے تو ویسے بھی اس کے شل ہوتے وجود میں جان پھونک دیتی تھی۔ سپ لے کر وہ ان کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"آپ کے ہاتھ سلامت رہیں" وہ ہولے سے بولی۔ چہرے کے ساتھ ساتھ اسکی آواز بھی تھکان کا شکار تھی

"میری بات کو نظر انداز مت کرو۔ میں جو کہتی ہوں تمہاری بہتری کیلئے ہی کہتی ہوں۔ بولو کیا مسئلہ ہے؟ اوہ کم آن ایسے مت دیکھو، میں تمہاری نانی ہوں۔ تمہاری سانسوں سے جان جاتی ہوں کہ تم کو کیا پریشانی ہے۔"

چائے ختم کر کے اس نے کپ کو پرچ میں واپس رکھا۔ ڈل گولڈن رنگ کی بالکل سادہ پرچ اس کی پسندیدہ تھی۔

"تو پھر بتا دیں مجھے کیا پریشانی ہے۔" وہ جیسے انہیں آزما رہی تھی۔ آزما کر غلط کر رہی تھی۔ بھلا کبھی بڑوں کو بھی آزمایا گیا ہے۔ ان سے بھی جیتا گیا ہے۔ نہیں ایسا ممکن نہیں، معروش کیلئے تو بالکل بھی نہیں۔ اب بھی وہ

حیران نہیں ہوئی تھی۔ نانو کے تکلے کا تیر عین نشانے پر جا کر لگا تھا۔ جو کہ یہ تھا۔

"ضرور کسی نئی لڑکی کی داستان سن کر تم آبدیدہ ہو۔ اس کے دکھ میں اپنا دکھ تلاش کر کے تم نے خود کو ہلکان کر لیا ہے۔ اٹس اوکے اگر برا ہوا۔ بٹ! اٹس ناٹ اوکے اگر برے کو مزید خود پر سوار کر کے خود کو برائی کی یاد میں دھکیلا جائے۔ موو آن اس دنیا کی سب سے طاقت ور چیز ہے اور یہ پاور ہر ایک کے ہاتھ میں ہے بس اسے استعمال کرنے کا طریقہ آنا چاہیے۔"

معروش نے ان کی گود میں جگہ بنائی۔

"ہیومن ٹریفکنگ (انسانی اسمگلنگ) اتنی زیادہ ہو گئی ہے نانو کہ اب نئے کیس دیکھ دیکھ کر انہیں سن سن کر دل بیٹھا جاتا ہے۔ وہ چھوٹی سی بچی تھی جسے اغوا کر کے ہوس کا نشانہ بنا کر آگے بیچ دیا گیا۔ وہ چھوٹی سی بچی جو میرے چھونے سے خود میں دبکی جا رہی تھی۔ جس کی آنکھوں میں زندگی نہیں تھی بس سانسیں چل رہی تھیں۔ آپ جانتی ہیں اس نے مجھ سے کیا کہا؟" اس کی بھرائی آواز پر نانو نے نم آنکھوں سے نفی میں سر ہلایا۔ کمرے کی کھڑکی کھلی تھی۔ پردے کسی دوشیزہ کے بالوں کی طرح اس کے دائیں بائیں گرے ہوئے تھے۔ واپٹوں میں سے ختم ہوتا آدھا چاند دکھ رہا تھا۔ وہ اس حسن کے پیکر مٹی کے گولے کو دیکھتے ہوئے بولی۔ جس کا حسن بھی اس کا نہ تھا بلکہ کسی اور کی عنایت تھی۔

"اس نے مجھے کہا، کیا میں اسے جنت میں لے جانے کیلئے آئی ہوں؟ کیا میں اسے اللہ کے پاس لے جاؤنگی؟ ہاں مجھے اس دنیا میں نہیں رہنا یہاں کے لوگ بہت گندے ہیں۔ مجھے اللہ کے پاس جانا ہے۔ مجھے یہاں نہیں رہنا۔" وہ بول تو خود رہی تھی لیکن سماعتوں میں اس بچی کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ دھندلی آنکھوں کے اس پار چمکتا چاند پانیوں میں تیرتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔ اس نے ہاتھ سے آنسو صاف کر کے اسے اس کی جگہ پر ساکت کیا۔

"اللہ سب بہتر کرے گا معروش، مایوس مت ہو بس یہ سوچو کہ برائی اب اپنے اختتام کو پہنچنے ہی والی ہے۔ اس بچی کی عمر کیا تھی؟"

معروش کی نگاہیں تو جیسے کھڑکی کے اس پار سیاہ آسمان میں چمکتے نور پر ٹھہر گئی تھیں۔ اسے ہی دیکھ کر بولی۔

"وہ دس سال کی تھی مگر اب وہ دس کی نہیں رہی۔اس نے اپنی معصومیت کھودی ہے نانو بالکل ایسے جیسے۔"

نانو نے سختی سے اس کے لبوں پر اپنے ہاتھ رکھے۔

"بس چپ ایک لفظ اور نہیں، چلو اٹھو یونیفارم چینج کرو اور گاڑی نکالو مجھے گروسری کیلئے جانا ہے۔چلو جلدی کرو۔" ان کے لفظوں کے ساتھ ساتھ منہ پر جے ہاتھ میں بھی سختی تھی۔وہ جانتی تھی۔نانو کو اچانک گروسری کیوں یاد آئی ہے مگر اگنور کر گئی۔اپنی کھڑکی پر ایک نگاہ ڈال کر وہ واش روم میں گھسی تھی۔

جہاں وہ اپنے واش روم میں گئی تھی وہیں تھوڑا فاصلہ پاٹ کر یمن واش روم سے باہر نکلی۔تولیے سے منہ تھپتھپاتے ہوئے وہ ثوبیہ کے پاس آ کر بیٹھی جو برہمی سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں می کو کیا جواب دیتی۔بندہ بتا کر ہی ادھر ادھر ہوتا ہے۔جانتی ہو سانس سولی پر اٹکی ہوئی تھی میری۔"

یمن نے تولیہ صوفے پر رکھا اور اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

"مجھ سے پوچھو میں کتنی پریشان ہو گئی تھی۔تم نہیں جانتی وہ ایک تلخ ایکسپیرئنس تھا میری زندگی کا۔ایک نہ دو پورے چار لڑکے میرے پیچھے پڑے تھے۔وہ تو کریم والے بھائی کھڑے تھے جو میں بچ گئی نہیں تو......" اس نے سوچتے ہوئے جھر جھری بھری۔ثوبیہ اس کی حرکت پر دل کھول کر مسکرا گئی۔

"ایک بار پھر سے خود کو جھر جھری لینے کیلئے تیار کر لو کیونکہ جس کے ساتھ تم آئی ہو وہ کوئی کریم والا بھائی نہیں تھا بلکہ کوئی اور اجنبی تھا۔"

وہ واقعی اس کی بات پر اچھل گئی تھی۔ہوائیاں اڑے چہرے سے اپنی بہن کو دیکھا۔پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہنے لگی۔

"نہیں ایسا کیسے ممکن ہے۔کیا واقعی ایسا ہے؟ وہ کوئی اور تھا کوئی اجنبی۔اف اللہ یار، یہ میرے ساتھ کیا ہو گیا اگر وہ مجھے اغوا کر لیتا تو۔"

وہ حقیقتاً پریشان ہو گئی تھی۔پریشانی سے بولی۔

"جی اور آئندہ جب یہاں وہاں ہونے کا موڈ ہو تو پلیز بتا دیا کرو۔ایسے مت غائب ہوا کرو۔یہ پاکستان

ہے یہاں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

یمن نے اچھے سے منہ کو صاف کر کے بالوں کو جوڑے میں جکڑا۔ثوبیہ کی بات کو اگنور کر کے وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

"بات تو ٹھیک ہے تمہاری۔اب مزید مجھے ڈرانا بند کرو اور جلدی سے نوڈلز بنا کر کھلا دو۔واللہ بہت بھوک لگ رہی ہے۔" آرڈر جاری کرنے کے بعد اس نے سیل فون اٹھا کر چیک کیا۔بہت سے دوستوں کے "مسنگ یو" کے میسجز دیکھ کر اس کے گلابی پھولے گال مزید گلابی ہو گئے۔

یہ وہ دوست تھے جو وہ گرمیوں کی چھٹیوں میں ٹورنٹو میں بنا کر آئی تھی۔ان لوگوں کی فیملی فقط چار افراد پر مشتمل تھی۔ممی، پاپا، ثوبیہ اور وہ،اس کے پاپا دبئی میں موجود ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جنرل مینیجر کی حیثیت سے کام کرتے تھے اس لئے وہ ادھر ہی قیام پذیر تھے جبکہ وہ لوگ ممی کی دقیانوسی سوچ کے تحت کبھی دبئی رہائش کیلئے نہیں جا سکے تھے کیونکہ ان کی سوچ کے مطابق جیسا دیس ہوتا ہے ویسا ہی بھیس بھی ہوتا ہے۔انہیں لگتا تھا اگر وہ لوگ دبئی چلے گئے تو اپنی روایات بھول جائیں گے اور یوں بھی ممی ایک محب الوطن تھیں تبھی انہوں نے سختی سے پاکستان چھوڑنے سے منع کر دیا تھا۔

"ہاں میں تو تمہاری نوکر ہوں نا،یاد رکھو آج میں نوڈلز بنا کر دے رہی ہوں تو کل تم نے میری اسائنمنٹ بنانی ہے۔ڈن کرو گی تو میرے لذیذ ہاتھوں کے نوڈلز سے فیض یاب ہو گی۔نہیں تو کچن اس طرف ہے بولو کیا کہتی ہو۔" اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر کھڑی وہ پوچھ رہی تھی۔یمن نے اپنا نازک سا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"اوکے بابا ڈن۔"

ثوبیہ اچھل کر خوشی خوشی دروازے کی طرف بڑھی تھی کہ پڑھائی خاص کر اسائنمنٹ بنانے سے اس کی جان جاتی تھی۔یمن نے مسکرا کر کتابوں کی ریک کی طرف قدم اٹھائے اور بچوں کی فیری ٹیل والی کہانی کو منتخب کر کے پڑھنے لگی۔

☆......☆......☆

"خدارا، رحم کرو پلیز یہ ظلم مت کرو۔تم جتنے پیسے کہو گے میں تمہیں دے دوں گی لیکن پلیز میری تصاویر کو اپلوڈ

مت کرنا۔" وہ روتے ہوئے گڑگڑاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے بہتا ہوا گرم سیال تیزاب کی مانند لگ رہا تھا جو اس کے فیوچر اس کی زندگی کو تباہ و برباد کرنے کا عندیہ تھا۔

" کہا تو ہے صرف ایک ملاقات کرلو پھر تم بھی محفوظ اور تمہاری تصاویر بھی۔"

لڑکے کی آواز سنتے ہی وہ ہچکی لے کر رہ گئی۔ وہ کیسے جا سکتی تھی اس سے ملنے۔ نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ دل میں اٹھتے خیالات کو اس نے زبان دی۔

" میں تم سے نہیں مل سکتی میری پوزیشن کو تو سمجھو۔" آخر کار جھنجھلاتے ہوئے وہ چیخ پڑی تھی۔

" تو ٹھیک ہے رسوا ہونے کیلئے تیار رہو پھر۔" وہ بے رحمی سے بولا۔ آج بھی بیالوجی کی کتاب ہوا کے دوش پر ورقوں کو پلٹتی مضمحل دکھتی تھی۔ ممی نے آج بھی باہر سے آواز لگائی۔

" گڑیا! کیا تم جاگی ہوئی ہو؟" روز کا سوال مگر آج وہ اگنور کر گئی۔ منہ پر جما کر ہاتھ رکھا۔ کمرے کی لائٹ تو یوں بھی بند تھی۔ ممی اسے سوتا ہوا سمجھ کر واپس چلی گئیں۔

" نہیں پلیز ایسا مت کرنا۔" ممی کے جانے کی تصدیق کرنے کے بعد وہ بولی تھی۔ تھوڑا توقف لیا اور پھر کہا

"ٹھیک ہے میں آتی ہوں لیکن صرف دس منٹ کیلئے آؤں گی" اسے اس لڑکے کی مسکراہٹ کی آواز سنائی دی

" ڈارلنگ، تم بیشک پانچ منٹ کیلئے آجاؤ لیکن آجاؤ۔"

فون کھڑاک سے بند ہو گیا تھا۔ گڑیا نے جھٹ سے اسے کسی سانپ کی طرح خود سے دور پھینکا اور اپنی بیالوجی کی کتاب اٹھا کر اسے روتے ہوئے دیکھنے لگی۔ اس کتاب کے سفید ورق نیلے ورقوں میں بدلے انگلش حروف نے اردو میں خود کو ڈھالا۔ پکڑنے والے ہاتھ بدلے، جگہ بدلی اور انسان بدلے۔

کتابوں کی رسیا اس وقت بکس ایگزیبیشن میں کھڑی کوکنگ ریسپیز پڑھ رہی تھی۔ اسے پاکستانی کھانے بہت پسند تھے اسلئے اس نے مسالہ میگزین اٹھایا اور قلاقند کی ریسپی پڑھنے لگی۔ نچلے ہونٹ کو باہر نکالے نہایت انہماک سے اس صفحے میں کھوئی وہ اثبات میں سر ہلائے جا رہی تھی جیسے اسے سب اچھے سے سمجھ میں آرہا ہو۔ آس پاس سے بے نیاز اس نے کھوئے ہوئے انداز میں صفحے کو پلٹا۔ آخری لائن پڑھتے ہوئے اس کے اوپر نیچے کے پورے دانت نظر آنے لگے۔ آنکھوں میں خوشی بھری نمی لئے ہوئے اس نے میگزین سے نگاہ اٹھا کر یہاں وہاں

دیکھا اور دھک سے رہ گئی۔

ثوبیہ ایک بار پھر سے اس کی آنکھوں سے اوجھل تھی۔اس نے جلدی سے میگزین کو واپس اس کی جگہ پر رکھا اور ثوبیہ کا نمبر ملانے لگی مگر یہ کیا،اس کا سیل فون تو ٹوں ٹوں کر کے بند ہو گیا تھا۔یمن کو اپنا دل کانوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہوا۔اتنی ساری عوام جو کہ اس ایگزیبیشن میں آئی تھی کو ہونقوں کی طرح دیکھتے ہوئے اس نے تھوک نگلا تھا۔ڈھیر ساری ہمت جمع کر کے وہ لوگوں کو چیرتی ثوبیہ کو ڈھونڈنے نکلی تھی۔ چلتے چلتے وہ ایک دو سے ٹکرائی بھی تھی۔جنہیں معذرت کرتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ابھی وہ اوپر کو جاتی سیڑھیوں پر پاؤں رکھ ہی رہی تھی کہ کوئی بہت زور سے اس کے کندھے سے لگا۔

"اوہ سوسوری۔" اس ڈوڈ ٹائپ لڑکے نے چیونگم چبا کر شرارت سے کہا۔صاف دکھتا تھا وہ یمن کو تنگ کر رہا ہے۔یمن نے ایک گھوری اس لڑکے کو دکھائی جیسے وہ اس سے ڈر جائے گا اور واقعی وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر اس سے ڈرا تھا۔مصنوعی۔اس لڑکے کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے اپنا گلابی دوپٹہ سنبھالا اور سیڑھیوں کے ذریعے اوپر جانے لگی۔

"آج تم مل جاؤ ثوبیہ،تم سے نہ لڑی تو میرا نام بھی یمن حیات نہیں۔" وہ دل ہی دل میں سوچتی ہوئی جلتی بھنتی ان سیڑھیوں سے نیچے اتری جب ایک بار پھر اس لڑکے نے اسے تنگ کرنے کا سوچا تھا۔

"ایکسکیوز مس،آپ کا دوپٹہ نیچے لگ رہا ہے۔پاؤں میں آ کر میلا ہو جائے گا۔میں اٹھا دوں۔" وہ جان بوجھ کر اس کے دوپٹے کو ہاتھوں میں تھامے کہہ رہا تھا۔یمن نے غصے سے مٹھیاں بھینچ کر اس کے ہاتھ سے اپنا دوپٹہ چھڑوایا۔

"کیا پرابلم ہے آپ کو،کیوں تنگ کر رہے ہیں مجھے۔" روہانسی ہوتے ہوئے اس نے مضبوط آواز میں کہا تھا۔اس کے آس پاس سے لوگ آگے پیچھے بڑھ رہے تھے تو کوئی دائیں بائیں جا رہے تھے۔ان ہی جاتے ہوئے لوگوں میں سے ایک اس کے پاس رکا۔آنکھوں پر سے سرخ چشمہ اتارا اور فرصت سے اس لڑکی کو دیکھنے لگا

"ایوری تھنگ از اوکے؟" عینک اتار کر سوال داغا گیا۔اس آواز کو سنتے ہی یمن نے اس لڑکے کی جانب اشارہ کیا اور اپنی گیلی آواز کو مضبوط بناتے ہوئے کہنے لگی۔

"یہ کب سے مجھے تنگ کر رہا ہے۔ میں جہاں جا رہی ہوں میرے پیچھے آ رہا ہے۔ اتنے زور سے اس نے مجھے اپنا کندھا بھی مارا۔"

نا چاہتے ہوئے بھی آنسو اس کی آنکھوں سے گر پڑے تھے۔ وہ کندھے کو سہلاتے ہوئے کہہ رہی تھی جس میں ابھی بھی درد محسوس ہو رہا تھا۔

"تو آپ نے اسے ایک تھپڑ کیوں نہیں مارا۔"

یمن نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ خلیفہ تھا جو گرے شرٹ کے گلے میں چشمے کو لگاتے ہوئے سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"کیا میں؟" اس کی آواز لڑکھڑائی۔ "میں کیسے مار سکتی ہوں۔"

وہ لڑکا ان دونوں کی گفتگو سن کر سائیڈ سے نکل جانا چاہتا تھا مگر خلیفہ کی گرفت نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔ اس کا گریبان پکڑے وہ اسے لڑکی کے سامنے لایا تھا۔

"برو، یہ جھوٹ بول رہی ہے خود میرے پیچھے پڑی ہے اور الزام مجھ پر لگا رہی ہے۔ او بہن جی ہوش میں تو ہو کیوں مجھ جیسے شریف انسان کو پھنسا رہی ہو۔"

یمن نے خوف سے نفی میں سر ہلا کر خلیفہ کو دیکھا۔ اسے لگا سامنے کھڑا یہ انسان ابھی اسے جھوٹا قرار دے کر اس لڑکے کو چھوڑ دے گا۔

"میں نے کہا تم بکواس کرو۔ یمن منہ توڑ دو اس کا۔" خلیفہ کی سخت آواز پر وہ لڑکا دبک گیا تھا۔ آس پاس بہت سے لوگ بھی متوجہ ہو گئے تھے۔ اگر آج اسے اس لڑکی کے ہاتھ تھپڑ پڑ گیا تو اس کی بہت سبکی ہو جانی ہے۔ وہ سُن کھڑی رہی۔ اس کے ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے۔

"میں نے کہا مارو اسے تاکہ آج کے بعد اس جیسے لڑکوں کی جرأت نہ ہو کسی کو چھیڑنے کی بھی۔"

یمن آگے بڑھی اور ڈھیر ساری ہمت مجتمع کر کے اس لڑکے کے کندھے پر تھپڑ جڑ دیا۔ اس کا تھپڑ اتنا ہلکا تھا کہ بمشکل اس کی آواز سنی جا سکتی تھی۔ آنکھیں میچے کھڑے لڑکے نے فوراً سے انہیں کھول کر اس بیوقوف لڑکی کو دیکھا جس سے وہ منہ پر تھپڑ کی توقع کر رہا تھا۔

"تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی میرے دوپٹے کو ہاتھ لگانے کی، مجھے کندھا مارنے کی، تم جاہل الو کے پٹھے، گنوار اور......اور۔" وہ مہذب گالیاں سوچتے ہوئے رکی۔ خلیفہ کا پہلے ہی اس کے تھپڑ سے منہ کھل گیا تھا اب لوگوں کو اس پر ہنستے اور یہاں وہاں بکھرتے دیکھ کر تو اس پر خفت طاری ہونے لگی تھی۔ وہ لڑکا بھی تو کتنا پرسکون کھڑا تھا۔

"اور بگڑے ہوئے لڑکے، اگر آئندہ تم نے مجھے تنگ کرنے کی کوشش بھی کی تو میں تمہاری آنکھیں نکال دونگی۔ بس۔" اس پر چیخ چلا کر (یاد رہے یمن کا چیخنا چلانا بھی فقط ان دونوں کو ہی سنائی دے رہا تھا) اس نے خلیفہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ جو ٹرانس سا اس لڑکی کو دیکھ کر اس لڑکے کو چھوڑ چکا تھا۔ خلیفہ کی گرفت سے نکلتے ہی وہ لڑکا بھاگ نکلا۔

"تھینک یو میری مدد کیلئے۔ یہ تھپڑ اب اس لڑکے کو پوری زندگی یاد رہے گا۔" وہ ہاتھ جھاڑتی ہوئی مسکرا کر اس کے پاس سے نکلی۔ خلیفہ نے آنکھوں کو بند کر کے سر کو جھٹکا دیا اور مڑ کر اس عجیب و غریب مخلوق کو دیکھنے لگا جو اپنا گلابی آنچل بچاتی ہوئی اب کسی لڑکی سے کھڑی ہوئی لڑ رہی تھی۔ آخر میں اس نے منہ پھلاتے ہوئے سینے پر ہاتھ باندھ کر اس سے رخ پھیرا اور بہت برا منہ بنا کر لوگوں کو دیکھنے لگی۔

"کسے دیکھ رہے ہو؟" ساشا کی آواز پر وہ چونکا۔ گردن کو نفی میں ہلایا۔

"کسی کو بھی نہیں۔ یہ بتاؤ سی ای او کی بیٹی اب تک آئی یا نہیں۔"

ساشا نے کندھے اچکا دیے۔

"ابھی تک تو نہیں، شاید یہ خبر ہی غلط ہو۔ ویسے رمیز نے اس سے ہٹ کر ایک کام کیا ہے۔ کتابوں کے صفحات پر ڈرگ کی ان دیکھی سی تہہ ہے ضرور اسے انگلیوں کو منہ تک لے جانے والے یہاں بہت ہیں۔"

ساشا کی بات پر وہ بل کھا کر مڑا۔ دور وہ گلابی سوٹ والی ابھی بھی ناراض دکھتی کتاب کے صفحات کو پلٹ رہی تھی۔ اس نے ضبط سے گہرا سانس بھرتے ہوئے ساشا کی طرف اپنا رخ کیا۔

"کس کی اجازت سے تم لوگوں نے ایسا کیا۔ پوچھا تھا مجھ سے۔" وہ دبی آواز میں غرایا۔ ساشا اس کے غرانے سے خائف ہوگئی۔

"خلیفہ! ہمیں اپنا مال بیچنے کیلئے پلانز کی ضرورت ہوتی ہے۔" اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ساشا کی کلائی خلیفہ کی گرفت میں تھی۔ اس گرفت میں اتنی جان تھی کہ حیرت کے زیر اثر ساشا کی پلکوں پر نمی آن ٹھہری۔

"پلان نہیں عقل کی مائی ڈیئر، جو تم لوگوں میں ختم ہوتی جا رہی ہے۔ آج کا تمہارا پلان سو فیصد گھٹیا تھا۔" اس کا ہاتھ چھوڑ کر وہ دوسری سمت مڑا۔ بیس منٹ بعد اس پوری بک شاپ میں اندھیرا تھا۔ اندھیرے ہوتے ہی تمام لوگوں کی اوکی آواز ہر سمت گونجی۔ اس سے پہلے کوئی ایک بھی مصنوئی کہکشاں بنانے کا پہلا قدم اٹھاتا خوف سے تھر تھر کانپتی یمن کا ہاتھ کسی کے ہاتھ میں تھا۔ چیخنے سے پہلے ہی اس کے منہ کو بند کر دیا گیا۔

☆......☆......☆

"تمہارا نام کیا ہے؟" ایک ادھیڑ عمر کی سٹائلش سی عورت نے اس غریب دکھتی لڑکی سے پوچھا جس کے ہاتھ میں پھٹا ہوا کپڑوں کا بیگ تھا۔ جسے جگہ جگہ دھاگوں سے سیا گیا تھا اور کہیں تو ٹیپ بھی لگا دی گئی تھی مگر پھر بھی کسی ایک بوسیدہ سی جگہ سے اس کے کپڑے نظر میں آتے تھے۔ ان نظر آتے کپڑوں کو دیکھتے ہوئے وہ عورت بالوں میں سیاہ چشمہ ٹکائے اس سے پوچھ رہی تھی۔

"رخسانہ۔" یک لفظی جواب تھا اور پھر سے نظریں نیچے تھیں۔ پس منظر میں ٹرین کے منتظر لوگ بیٹھے دکھائی دے رہے تھے کچھ پھیری والے بھی آوازیں لگاتے یہاں سے وہاں تو وہاں سے یہاں جاتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ان آوازوں کو نظر انداز کر کے وہ عورت پھر سے بولی۔

"اچھا نام ہے! تو تم کہاں جا رہی ہو؟ کوئی اور ہے تمہارے ساتھ یا نہیں؟"

اس سوال پر لڑکی نے نہ میں سر ہلایا تھا۔

"میں اکیلی ہوں، میرے آگے پیچھے کوئی نہیں۔" اس کے الفاظ جھوٹے تھے۔ آنکھوں کے سامنے پھر سے اپنے جنگلیوں کی طرح لڑتے ماں باپ کی تصویر ابھری۔ شکر تھا وہ اس قید سے نکل آئی تھی نہیں تو اس نے بھی اپنی ماں جیسی ہی زندگی لکھوا لینی تھی۔

"اوہ، مجھے افسوس ہے۔ ایسا کرو تم میرے ساتھ چلو، میں ایک بہت بڑے دارالامان کی اونر ہوں۔ وہاں

کیلئے مجھے ورکر کی ضرورت ہے کیوں نا تم میرے انڈر میں آجاؤ، یقین کرو میں تمہیں اس کا اچھا معاوضہ دونگی۔"
یہ آفر تھی کہ نئی زندگی کی نوید، رخسانہ نے خوشی و جوش کے ملے جلے تاثر سے اس ہیلدی، گوری چٹی عورت کو دیکھا جس کے چہرے پر شفقت ہی شفقت تھی۔
"ضرور، اس سے بڑی میرے لیے خوشی کی کیا بات ہوگی۔ یوں بھی میں ایک جاب کی تلاش میں تھی۔" اس نے جھٹ سے ہامی بھر دی تھی مبادا وہ انکار ہی نا کردیں مگر رخسانہ کی بات سن کر جیسے اس عورت کے اردگرد شگوفے سے کھل گئے تھے۔ بہت گہرا سا مسکرائی۔
"تم نے اچھا فیصلہ کیا، یقیناً تم اسے ساری زندگی یاد رکھوگی۔" وہ دبی مسکان کے ساتھ کہہ رہی تھیں۔ رخسانہ نے اپنے بیگ کو جوش سے تھاما۔
"ہماری منزل کہاں ہے، میرا مطلب ہے کہ میرے پاس تو ڈی جی خان کی ٹکٹ ہے۔" اس نے کاغذ کا ٹکڑا اس عورت کی جانب بڑھایا جسے پکڑ کر دیکھتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔
"کوئی بات نہیں، میں تمہاری ٹکٹ کروا دونگی۔ ہمیں کراچی جانا ہے۔ لاؤ دو اپنا آئی ڈی کارڈ۔ چلو بھی پریشان مت ہو میں تمہاری ٹکٹ کے پیسے دے رہی ہوں جب پہلی تنخواہ آئے گی تو تم مجھے لوٹا دینا۔" وہ اس لڑکی کے چہرے پر پھیلی پریشانی کا مطلب جانتے ہوئے پچکار کر کہہ رہی تھی۔ رخسانہ ان کی دریا دلی پر اپنی پلکیں نم کر بیٹھی۔ اسے آج اپنا باپ غلط لگ رہا تھا جو کہتا تھا کہ اس دنیا میں انسان نہیں بلکہ درندے بستے ہیں۔ ارے کوئی جا کر انہیں بتائے کہ ہر ایک کو ایک ہی ترازو میں تولنا کہاں کا انصاف ہے۔
وہ اس عورت کو خود سے دور جاتے ہوئے دیکھ کر سوچ رہی تھی۔ اسے آج اپنے فیصلے پر ناز ہوا تھا۔ بیگ کے کچے سیاہ دھاگے پر نگاہیں جمائے وہ مسکراتی ہوئی بیٹھی تھی اسی سیاہ دھاگے میں کوئی سر پکڑے بیٹھا نظر آرہا تھا۔ وہ کوئی، کوئی اور نہیں بلکہ معروش تھی۔
"ہزار دفع کہا ہے زکام ہونے پر فوراً سے دوا لے لیا کرو مگر مجال ہے جو ستون لیڈی میری کسی بات پر سر دھن لے۔" نانو کچن میں مصروف اس سے ناراض مسلسل بولے جا رہی تھیں۔ معروش کے سر میں ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ اس نے بے بسی سے کچن کے دروازے کی سمت دیکھا اور گاڑی کی چابی اٹھا کر چپکے سے باہر آگئی۔ اس نے اپنی

گاڑی کو شاپنگ مال کے راستے پر ڈالا تھا جہاں اسے آج کسی سے ملنا تھا۔

سرخ ناک کے ساتھ سیاہ سٹولر میں اس کا چہرا سفید پری کی طرح دمک رہا تھا۔ کھلے ٹراؤزر پر شرٹ کے ساتھ اس نے پاؤں تک آتا جرسی کوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ تیزی سے آٹومیٹک کھلتے دروازے سے اندر آئی اور فون نکالنے لگی۔

"میں پہنچ گئی ہوں، گروسری سیکشن میں جا رہی ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ کچھ سبزیاں خرید لینی چاہئیں۔" وہ چلتے چلتے کہہ رہی تھی۔ اس کا چہرا اب بھی بیماری کی چغلی کھا رہا تھا۔ ٹرالی گھسیٹ کر وہ ٹماٹروں والے ریک کی طرف آئی۔ اس سے پہلے وہ ٹماٹر اٹھاتی بھوری گھڑی والے ہاتھ نے بھی اس کے ساتھ ہی اس ٹماٹر پر ہاتھ رکھا تھا۔ معروش نے گردن کو موڑ کر دیکھا۔ وہ سیاہ آنکھوں والا لڑکا اسے دیکھ کر ٹھٹکا تھا۔

"ایم سوری۔" ہینڈز اپ کے سے انداز میں ہاتھوں کو اوپر اٹھا کر اس نے کہا۔ معروش نے اٹس اوکے کہہ کر اس ٹماٹر کو اٹھا کر ٹرالی میں ڈال لیا۔

"آں ایکچوئلی میں یہاں کچھ ویجیٹیبلز خریدنے آیا ہوں لیکن مجھے اچھی سبزیوں کی پہچان نہیں ہے۔ اگر آپ میری تھوڑی مدد کر دیں تو۔" وہ ہچکچاتے ہوئے اس سے مخاطب تھا۔ معروش نے سیل پر نگاہ ڈالی اور کچھ سوچ کر اس کے ساتھ ہو لی۔

"شیور، آپ کو کیا کیا خریدنا ہے پلیز جلدی سے بتائیں۔"

لڑکے نے سر کو کھجایا پھر جیسے یاد آ جانے پر لسٹ اس کے ہاتھ میں تھمائی تھی۔ معروش اس کی مطلوبہ سبزیاں اسے دینے لگی۔ ساتھ ساتھ چلتا وہ لڑکا اس کے پیارے سے چہرے کو اپنی نظروں میں جذب کرتا گیا۔

"آپ کا کام ہو گیا مسٹر نوفل، ویسے آپ کے پزے کی ریسپی خاصی اچھی تھی۔" معروش نے اس کے سر پر بم پھوڑا تھا۔ وہ ہلکی سی داڑھی والا لڑکا ٹھٹکا پھر جیسے خفت مٹانے کو کہنے لگا۔

"آ۔ آپ کو میرا نام کیسے پتا اور یہ کہ میں شیف ہوں۔" وہ الجھن آمیز نگاہوں سے اسے دیکھتا پوچھ رہا تھا۔ معروش نے شانے اچکا دیے۔

"کیونکہ مجھے کوکنگ میں تھوڑا بہت انٹرسٹ ہے اور حال ہی میں، میں نے ماسٹر شیف دیکھا ہے جس میں

آپ وزرہ چکھے ہیں۔ ویسے آپ کے پزے کی ڈو واقعی کمال ہوتی ہے۔ راز جان سکتی ہوں اس کا۔"

نوفل نے خجالت سے گردن کی پچھلی سائیڈ کو کھجایا پھر معروش کو دیکھ کر وہ یکدم ہنسا تھا۔

"یہ میری انسلٹ نہیں ہوگئی کچھ۔"

معروش نے ایک بار پھر سے شانے اچکا دیے۔

"اگر سمجھنا چاہو تو ہاں، نہ چاہو تو نا۔ ویسے میں نے اسلام آباد میں ایک بار آپ کے ہاتھ کا پزا کھایا ہوا ہے تب سے میں اس پزے کی اسیر ہوگئی ہوں۔"

"میں آپ کو ڈلیور۔" اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی۔ گروسری سیکشن میں چلتی گولیوں نے اس کی بولتی بند کر دی تھی۔ وہ یکدم دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر نیچے کو بیٹھا تھا۔ معروش نے اپنے کوٹ کی سائیڈ کی پاکٹ سے پستول نکالا اور اسے لوڈ کرتے ہوئے اس سمت بھاگنے لگی جہاں سے گولیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ نوفل تحیر کے سمندر میں ڈبکیاں کھاتا اسے اس طرف جاتا دیکھ کر اس کے پیچھے بھاگا تھا۔

وہ سیدھا بھاگ کر دائیں مڑی تھی جب لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر ایک سمت میں رک گئی۔ کچھ لوگ گول دائروں میں کھڑے چیخ، چلا رہے تھے۔ وہ انہیں پیچھے دھکیل کر آگے آئی اور گہرا سانس لے کر بے بسی سے عابد کو دیکھنے لگی جس نے آج کی تاریخ میں اسمگل ہونے والی لڑکیوں کے بارے میں انفارمیشن دینی تھی۔ وہ پنجوں کے بل اس کے پاس بیٹھی۔ نوفل بھی اس کے پاس آ کر رکا تھا۔ اس سے پہلے مال کا مینجر اسے ہٹنے کیلئے کہتا معروش نے اپنا کارڈ دکھا کر اسے خاموش کروا دیا۔ اس نے عابد کے گلے میں پہنی چین کو کھینچا جس پر سلنڈر نما دھاتی سا پینڈنٹ تھا اور اس کا نام کھدا تھا۔ وہ چین اپنے کوٹ میں رکھ کر اس نے فون کیا تھا۔

"ہیلو حفیظ، اختر قتل ہوگیا ہے ہاں وہ بھاگ نکلے لیکن ان کے چہرے میں دیکھ چکی ہوں۔ ایک کو پاؤں میں گولی لگی تھی اس وجہ سے سٹاف اسے پکڑنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ تم ایک کام کرو جلدی سے ایمبولینس اور موبائل کو بھیجو مجھے وہ آدمی زندہ چاہیے۔" فون کو بند کر کے اس نے سہمے ہوئے لوگوں کو دیکھا تھا پھر اس کی اونچی آواز اس پورے ایریے میں گونجنے لگی۔

"آپ سب لوگ جائیں یہاں سے۔"

اس کے کہتے ہی سب لوگ منتشر ہونے لگے۔ پستول کو واپس کوٹ میں رکھتے ہوئے وہ مڑی تو نوفل کو حیرت سے خود کو تکتے پایا۔ وہ لب کچلتا متوحش سا اسے دیکھ رہا تھا۔ ایسی ہی ڈری ہوئی اس کی آواز بھی تھی۔

"مجھے لگا تھا ہزاروں لڑکیوں کی طرح آپ بھی ایک نارمل سی لڑکی ہیں۔ جب گولیاں چلیں اور میں نیچے بیٹھا تو یکدم سے دل نے مجھے ملامت کیا کہ نوفل شرم کرو ایک لڑکی کو پروٹیکٹ کرنے کی بجائے تم خود چھپ رہے ہو۔ میں کھڑا ہوا تھا آپ کو بچانے کیلئے لیکن میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ آپ ہم سب کو بچانے کیلئے دوڑ رہی ہیں۔ واللہ آپ کا شعبہ آپ سے میچ نہیں کرتا۔"

وہ اچھی سی پرسنیلٹی والا غیر ملکی دکھتا لڑکا واقعی معروش کو اس روپ میں دیکھ کر حیران تھا۔ معروش اس کی حیرانی پر مسکرائی نہیں بلکہ سنجیدگی سے رخ پھیر گئی۔ اس کا رخ پھیرنا ایسا تھا گویا زندگی نے رخ پھیر لیا ہو۔ نوفل کو بہت برا لگا کیونکہ وہ مینیجر سے کہہ رہی تھی۔

"میں نے کہا یہاں سے ہر ایک کو چلے جانا چاہئے آپ کو میری بات سمجھ آ رہی ہے یا نہیں۔" وہ ٹھنڈی آواز میں بولی تو سٹاف پر تھی مگر نوفل کو لگا جیسے وہ اس پر چیخ رہی ہو۔ ایک نظر اس بری لڑکی پر ڈال کر وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالتا برے موڈ کے ساتھ وہاں سے چلا گیا تھا۔ معروش نے آنکھیں بند کیں۔ ان بند آنکھوں میں عابد کا چہرا ابھرا تھا جو ہنستا کھلکھلاتا ہوا تھا۔

"تم تو گئے خلیفہ۔" اس نے دل میں سوچا اور کوٹ میں موجود پینڈنٹ کی تصدیق کرتے ہوئے وہ آنے والے اپنے باقی ساتھیوں کی طرف بڑھی۔

☆......☆......☆

اندھیرے میں اسے کسی نے کھینچا تھا۔ منہ پر ہاتھ رکھے اسے کھینچ کر وہ کہیں لے کر جا رہا تھا۔ نازک سی یمن اس سے خود کو چھڑوانے کی ناکام سعی کر رہی تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا اسے کھینچتا ہوا پتا نہیں کہاں لایا۔ بس اس نے پانی کے چلنے کی آواز سنی تھی۔ اس آواز کے ساتھ ایک اور آواز بھی ابھری۔

"ششش۔ کوئی آواز نہیں، میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا بس تم اپنے ہاتھ دھو لو۔"

یمن نے اندھیرے میں آنکھیں پٹپٹا کر دیکھا مگر اسے کچھ نظر نہیں آیا۔

" کون ہوتم؟" روئی روئی سی آواز۔ خلیفہ نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر نل کے نیچے کئے۔ بیسن کے پاس سے اس نے لیکوئیڈ کو نکال کر اس کے ہاتھوں پر گرایا اور اسے اچھے سے رگڑنے کا حکم صادر کیا۔

"اس سے فرق نہیں پڑتا بس تم ایک بات یاد رکھنا، دو آنکھیں ہر وقت تمہیں دیکھ رہی ہیں۔" اس کے ہاتھوں پر سے اپنے ہاتھ ہٹا تا وہ اسے وارننگ دے رہا تھا۔ یمن کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ اتنی گہرائی میں ڈوب رہا تھا کہ اس کے ڈبکیاں لگانے کی آواز باہر تک آنے لگی۔ خلیفہ اس کی دھڑکنوں کے ارتعاش کو سن کر دیوار سے ٹیک لگا گیا۔

"لڑکی! تمہیں نہیں لگتا اس معصومیت میں تم خود سے بہت ظلم کر رہی ہو، تم پھنسا رہی ہو خود کو بھی اور مجھے بھی" اندھیرے میں سرگوشی نما آواز پر یمن نے ہاتھ مارنا چاہا مگر اسے کچھ نہ ملا۔

"دیکھو تم جو بھی ہو فوراً یہاں سے چلے جاؤ، ورنہ میں نے تمہیں بہت مارنا ہے تم نہیں جانتے میرا وار کتنا خطرناک ہے۔" وہ اسے ڈرانے کی غرض سے کہہ رہی تھی۔ اس بات سے انجان کہ دوسرا بندہ اس کی اس بات سے کس طرح اپنے حلق میں قہقہے کو روکے کھڑا ہے۔

"واقعی تمہارا وار بہت خطرناک ہے۔" وہ یہ الفاظ ادا کر کے باہر آ گیا تھا۔ اس کے وہاں سے نکلتے ہی روشنیاں ہر سو پھیل گئیں۔ یوں بھی باہر ملکی وے نے بسیرا کر لیا تھا وہ اپنے لوگوں کو آنکھ سے اشارہ کر کے باہر آنے کا کہہ رہا تھا۔ سی ای او کی بیٹی نہیں آئی تھی۔ چلو کوئی نہیں وہ اسے پھر کبھی اٹھا لیں گے۔

"اختر کو ٹھکانے لگا دیا۔" وہ اپنے ایک بندے سے پوچھ رہا تھا۔ اس کے پوچھنے کی دیر تھی کہ اس نے تمام روداد اس کے گوش گزار دی۔

"سائیں، اسے تو ختم کر ڈالا لیکن پولیس نے ہمارے ایک ساتھی کو ضبط کر لیا ہے۔" وہ ڈرتے ڈرتے کہہ رہا تھا۔ خلیفہ کا چہرا کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہو گیا۔

"وہ ہمارے ہر کام میں دخل اندازی کرنے لگی ہے۔ آپ کہیں تو شائیر سے کام نکلوائیں۔"

زمین پر دھمک پیدا کرتے ہوئے وہ شیر کی چال چلتا رکا۔ گردن کو خفیف سا موڑ کر اس موچھڑ کو دیکھا جو دکھنے میں ہی کمینہ لگتا تھا۔

"وہ صرف میرے ہاتھ سے مرے گی، باقی تم لوگ اس کا خیال دماغ سے نکال دو۔ دیکھتے ہیں اس کی حد اور طاقت۔ ایک بار تھکنے دو اسے۔"

عینک کو آنکھوں پر رکھتے ہوئے وہ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ جہاں وہ گاڑی میں بیٹھا تھا وہیں معروش اپنی گاڑی سے اتری تھی۔ اس کے چہرے پر پریشانی کی لکیریں تھیں اور ہاتھ میں دبا ہوا پینڈنٹ۔ اپنے کمرے میں آتے ہی اس نے سٹولر اتار کر پھینکا۔ سٹڈی ٹیبل پر بیٹھ کر باریک سلائی سے اس سلنڈر کا نچلا حصہ کھول کر اس میں سے لمبی سوئی کی طرح راڈ سی نکالی۔ اسے اس سلنڈر سے اٹیچ کر کے اس نے کمپیوٹر سے اٹیچ کیا اور وہ سب اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔

"رات گیارہ بجے کے قریب ان کو موٹر وے کے راستے بندرگاہ تک پہنچاؤ۔ وہاں سے شبیر کے حوالے کر دینا وہ انہیں باقی ٹھکانوں تک پہنچا دے گا اور ہاں اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو یاد رکھنا تمہاری تین سالہ بیٹی اب بھی ہمارے قبضے میں ہے۔"

معروش نے جھٹکے سے لیپ ٹاپ کی سکرین کو گرایا۔ کھولتے وجود کے ساتھ اس نے خود کو کنٹرول کیا۔ غصے پر قابو پاتے ہی وہ فون کر رہی تھی۔

"سہیل! موٹر وے پر سے جتنے بھی ٹرک گزرنے ہیں۔ ان کی سرسری سی چیکنگ کر کے جانے دینا اور بندرگاہ کے قریب تمام فورس کو الرٹ کرواؤ۔ وہاں پر جب ٹرک پہنچیں تو انہیں گھیر لینا۔ یاد رہے جب تک وہ ٹرک شپ میں چڑھنے کیلئے تیار نہ ہو جائیں ان پر حملہ نہیں کرنا۔ میں ان کے باہر جانے کے ذریعے کو بھی پکڑنا چاہتی ہوں۔"

فون بند کر کے اس نے واپس سٹولر باندھا، یونیفارم پہن کر سر پر کیپ رکھی اور پچیس منٹ بعد وہ اس مقام پر تھی جہاں پر انہیں ریڈ مارنا تھا۔ چار ٹرک آئے۔ ہلکی پھلکی چیکنگ کروانے کے بعد وہ شپ میں چڑھنے کیلئے ابھی حرکت دینے کو تیار ہی تھے کہ تمام پولیس ان کو چاروں جانب سے گھیر گئی۔ اندر بیٹھے ڈرائیور حیران ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان بھی ہوئے کہ اب ان کا کیا ہوگا۔ ایک نے تو بھاگنے کی سعی بھی کی مگر ناکام رہا۔

"چیک کرو سارے ٹرک اندر سے باہر اچھے سے۔" وہ حکم دیتی پستول کو پینٹ کی جیب میں اڑساتی اس

آئل ٹرک کے قریب آئی تھی جس کا نمبر اختر نے اسے دیا تھا۔

"وہ سرخ رنگ کا ٹرک ہے، بظاہر وہ آئل سے بھرا ٹرک دکھتا ہے لیکن کون جانے اس میں کتنے لوگوں کی عزتیں نیلام ہوئی پڑی ہیں۔" وہ اس ٹرک کے قریب آئی۔ اس سے پہلے وہ اسے کھولنے کا اشارہ کرتی ڈھیر ساری گاڑیوں نے وہاں بریک لگائی تھی۔ وہ جانتی تھی یہ گاڑیاں کس کی ہیں۔ آنکھوں پر سے عینک اتارتا سنہری آنکھوں والا خلیفہ چال میں تنبیہہ لئے چلتا اس کے پاس آ کر رکا۔ سرد جماد دینے والی آواز سے اسے دیکھ کر بولا۔

"یہ روز روز کی کیا حرکتیں ہیں، کیوں روکا ہے ہمارے ٹرک کو۔ کیا آپ نہیں جانتیں کہ ہم اپنا مال باہر ملک بھیجتے ہیں اور وہ بھی پراپر اجازت لے کر قانونی طریقے سے۔"

معروش نے سینے پر بازو باندھ کر اوپر سے نیچے تک اسے دیکھا۔

"کاش کہ واقعی یہ قانونی طریقہ ہوتا، چلو مسٹر خلیفہ آج میں تمہارا قانونی مال دیکھنے میں دلچسپی رکھتی ہوں کیوں نا تم خود اپنے ہاتھوں سے مجھے اسے دکھاؤ۔" وہ اسی ٹینک کی جانب اشارہ کرتی کہہ رہی تھی۔ خلیفہ نے دانت کچکچائے۔ اس کی کنپٹی کی سبز رگ صاف نظر آ رہی تھی۔

"اگر تمہیں لگتا ہے کہ تمہیں اختر نے صحیح انفارمیشن دی ہے تو اس وقت تم شدید غلطی پر ہو جس چیز کی تم تلاش میں ہو وہ تو کب کی جا چکی۔" اس نے ہاتھوں سے ہوائی جہاز کا اشارہ کیا تھا۔ معروش نے طیش میں آ کر سب کو حکم دیا۔ سارے ٹرک چھان لئے گئے مگر وہاں سے کچھ برآمد نہیں ہوا تھا۔ معروش نے ایک تلخ نگاہ اس گناہ گار پر ڈالی اور اس کا کالر پکڑ کر کہنے لگی۔

"مجھے بتاؤ اختر کی بیٹی کہاں ہے۔ اسے میرے حوالے کر دو نہیں تو آج کی رات تمہیں سلاخوں کے پیچھے گزارنی ہوگی۔" وہ اس کا کالر پکڑ کر غراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ خلیفہ نے اس کی ہمت کو داد دی۔

"دھمکی دے رہی ہو۔" معروش نے نہ میں سر ہلایا۔

"بتا رہی ہوں۔ جلدی سے منہ کھولو نہیں تو قانون پر ہاتھ اٹھانے کے جرم میں آج کی رات تم جیل میں گزارو گے۔"

وہ اس کی طفل دھمکی پر ہنسا۔ پھر چہرہ تھوڑا اس کے نزدیک لا کر بولا۔

"ڈیئر معروش، خلیفہ کو پھنسانا اتنا آسان نہیں تم جانتی ہو اگر میں جیل کے پیچھے گیا تو تمہاری رات بھی حرام ہو جانی ہے۔"

معروش نے ضبط کر کے اپنے بیلٹ سے ہتھکڑی کو نکالا اور خلیفہ کے ہاتھ میں ڈال دی۔ وہ سرخ آنکھوں سے اس کی یہ غلطی سہہ رہا تھا۔

"مت ظلم کرواپنی چھوٹی سی جان پر تمہیں لگی چوٹ تمہارے ساتھ ساتھ مجھے بھی درد دے گی۔" وہ آنکھوں سے اسے روکتا وارن کر رہا تھا۔ معروش نے ہتھکڑی کے ساتھ اسے جھٹکا دے کر کھینچا۔

"آفیسر! آپ اس طرح ہمارے باس کو نہیں لے کر جاسکتیں۔" اس کا ایک ساتھی آگے بڑھ کر کہہ رہا تھا۔

معروش نے کھا جانے والی نگاہ سے اسے دیکھا اور اپنی آواز سے سب کو سناٹے میں لے گئی۔

"اپنے اس باس کو کہو اختر کی بیٹی کو مجھے دے دے۔ جب یہ اختر کی بیٹی کو لوٹائے گا تو میں اسے تم لوگوں کو لوٹا دونگی۔" دوسری گاڑی میں اسے بٹھا کر وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

"مجھے افسوس ہے کہ آج کی تمہاری رات ضائع گئی۔" خلیفہ کا لہجہ واقعی افسوس کرتا ہوا تھا۔ اس نے آخری نظر معروش کو دیکھا اور پھر پولیس کی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

☆......☆......☆

"یہ لوگ کون ہیں؟ تم مجھے کہاں لے آئے، نہیں تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔ تم مجھے نہیں بیچ سکتے" وہ چیختے چلاتے ہوئے ان آدموں کی گرفت میں سے چھوٹنے کی ناکام سعی کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی چھوٹی سی بیٹی آئی جسے لاؤنج میں اکیلے سوتے ہوئے ڈر لگتا تھا اور وہ دھوکے باز کے عشق میں پاگل ہو کر اس پر ظلم کرتی تھی۔ آج قسمت نے کتنا بڑا ظلم کیا تھا کیسے بھیانک طریقے سے اس پر ظلم ہو رہا تھا اور وہ بے بس تھی۔

"یہ تو تمہیں اپنا گھر چھوڑنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ اب واویلا بند کرو۔ تم اتنی بھی شریف نہیں اگر ہوتی تو یوں اپنے شوہر کو دھوکا نہیں دے رہی ہوتی۔ مان جاؤ تم میں بھی ہوس کی روح پائی جاتی ہے۔" وہ جسے اس نے اپنا دل دیا تھا۔ جس پر اس نے اپنی اولاد اور اپنے شوہر کو مائنس کر دیا وہی آج اسے بتا رہا تھا کہ وہ کتنی گری ہوئی ہے۔ اس میں کتنی غلاظت بھری روح بستی ہے۔

"تم نے کہا تھا مجھے اپنی عزت بنا کر رکھو گے، عزت بنانے کی بجائے تم تو میری عزت نیلام کر رہے ہو۔" وہ روئی تھی اپنی تقدیر پر، چلا رہی تھی اپنی نااہلی پر، تڑپ رہی تھی نفس کی خودغرضی پر اور وہ ہنس رہا تھا۔ زور زور سے، اس کی بے بسی پر، اس کے دکھ پر، اس کے مچلنے پر۔

"ڈیئر لوور، کیا تمہاری عزت پہلی بار نیلام ہو رہی ہے۔ اگر ہاں تو میں تمہارے دکھ کا برابر شریک دار ہوں اور اگر نہیں تو بس بھی کرو اپنی یہ ڈرامے بازیاں۔ ابھی تو تم نے بہت سی ایسی راتیں دیکھنی ہیں۔ کب تک روؤ گی۔ صبر کر لو کہ اب یہی تمہارا مقدر ہے۔" وہ اس کے ہاتھ باندھتے ہوئے کہہ رہا تھا اس نے گڑگڑاتے ہوئے سر کو پٹخا۔

"خدارا مجھے جانے دو۔ تمہیں تمہاری عزیز ہستیوں کا واسطہ۔" اس کی آواز پورے کمرے میں گونج رہی تھی اس آواز کی گونج نے ان دیواروں کو پاٹا اور آسمان میں آ کر منتشر ہو گئی۔ وہ آسمان جس کے نیچے یہ ڈھیر ساری گاڑیاں زمین کو روندتی آگے بڑھ رہی تھیں۔ سائرن بجاتی ان گاڑیوں میں سے ایک میں فون کال آئی جسے تھوڑے توقف کے بعد اٹھا لیا گیا۔

"تم بہت خودسر ہوتی جا رہی ہو معروش! جب میں نے تمہیں کہا تھا کہ صرف تم نے ریڈ مارنا ہے تو کس بنیاد پر تم نے خلیفہ کو اریسٹ کیا۔ تم جانتی ہو، مجھے کتنی کالز اوپر سے آ چکی ہیں ان سات منٹس میں، فوراً سے پہلے رہا کرو اسے۔"

معروش نے آنکھیں بند کر کے فون کو کان سے الگ کیا ہوا تھا۔ وہ اس سمے آئی جی کا کوئی بھی آرڈر ماننے کی پوزیشن میں نہیں تھی لیکن چونکہ یہ اس کی نوکری کا اصول تھا تبھی وہ بولی۔

"سر، میں نے بھی آپ کو کہا ہے کہ میں تھانے جا کر اسے رہا کر دونگی۔ ویسے بھی باہر بارش ہونا شروع ہو گئی ہے۔ کیا یہ زیب دے گا کہ میں آپ کے اس خاص مہمان کو بارش میں بھیگنے کیلئے چھوڑ دوں۔" وہ اس کے عیاں طنز کو بخوبی سمجھتے تھے۔ یہ لڑکی واقعی ان کی سوچ سے باہر ہوتی جا رہی تھی۔

"پتا نہیں کیوں میرا دل کر رہا ہے کہ میں تمہارا ٹرانسفر کروا دوں، تم ضرورت سے زیادہ ہاتھ سے نکلتی جا رہی ہو۔ مت بھولو میں تمہارا باس ہوں۔"

معروش نے لب کاٹے۔ باہر بارش تڑتڑ برسنے لگی تھی۔ اس نے اپنی گاڑی رکوائی اور اس گاڑی کو بھی رکوانے کو کہا جس میں خلیفہ بیٹھا تھا۔

"میں نہیں بھولی ہوں، آپ مجھے بھولنے بھی نہیں دیتے لیکن مجھے یہ کہتے ہوئے انتہائی برا لگ رہا ہے کہ جس شخص سے میں اتنا امپریس تھی جس کی ایمانداری اور حوصلہ کی داد دیتے ہوئے دل خوش ہوتا تھا آج وہی انسان آرڈرز کی چکی میں پستا اپنے مقام سے گر رہا ہے۔" یہ کہتے ہی اس نے فون بند کر کے جیب میں رکھا اور اپنی گاڑی سے نیچے اتر آئی۔ حوالدار سجاد نے اس کے اترنے سے پہلے ہی چھتری کھول لی تھی۔ وہ اس کے سائے میں چلتی ہوئی اس گاڑی کے قریب آئی جس میں خلیفہ بیٹھا تھا۔ اس سے پہلے وہ دروازہ کھولتی خلیفہ نے خود اس کیلئے دروازہ کھول دیا۔ وہ اندر آ کر بیٹھی۔ حوالدار نے جلدی سے چھاتا بند کیا اور دوسری گاڑی کی اور دوڑ لگا دی کہ معروش نے اسے یہاں سے چلے جانے کو کہا تھا۔ اس کے بیٹھتے ہی پہیوں میں پھر سے جان آئی اور وہ اس گیلی زمین پر آس پاس چھینٹے اڑاتے دوڑنے لگی۔

" کچھ زیادہ جلدی نہیں آ گئی آپ، مجھے تو لگا تھا دس منٹ تو ضرور لگائیں گی۔" وہ اس کی بے بسی پر چوٹ کرتا مسرور سا دکھتا تھا۔ معروش نے غصے کو پس پشت ڈال کر ہاتھ اس کی ہتھکڑی کی طرف بڑھایا۔

"میں تمہیں ابھی کے ابھی چھوڑ دونگی لیکن تمہیں مجھے۔۔۔ اختر کی بیٹی کو دینا ہوگا۔" ہتھکڑی پر چابی لگاتے لگاتے وہ رکی تھی۔ خلیفہ نے انہی ہاتھوں سے اس کے ہاتھوں کو اپنی قید میں لیا۔ معروش نے جھٹکا دے کر چھڑوانا چاہا مگر ناکام رہی۔

" کون اختر؟ کیا میں کسی اختر کو جانتا ہوں؟" اس کی معصومیت دیکھنے کے لائق تھی۔ معروش کے ہاتھوں کو طاقت سے جکڑے ہوئے وہ حیرانگی سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاتھ چھوڑو میرے خلیفہ۔" وہ غصہ کی زیادتی سے آنکھیں نکال کر دھاڑی تھی۔ خلیفہ نے اس کی حالت سے حظ اٹھایا۔ اور اپنے بند ہاتھوں میں سے فوراً اس کے ہاتھ آزاد کر دیئے۔

"میں تمہیں یہی سمجھانا چاہتا ہوں آفیسر کہ جو خود کو معمولی سے شکنجے سے آزاد نہیں کروا سکتی وہ کسی کو کیا قید کرے گی۔" اس نے معروش کا مذاق بنایا۔ کم از کم اسے تو یہی لگا تھا۔

"تم جانتی ہو اگر تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو اس وقت اس کی گردن سڑک کے بیچوں بیچ لٹک رہی ہوتی، مگر یہ چھوٹ صرف تمہارے لئے ہے کیوں، کیونکہ میں دیکھنا چاہتا ہوں ایک عورت کہاں تک مجھے ٹکر دیتی ہے۔"

وہ اپنے ہاتھ آگے کر رہا تھا۔ معروش نے چابی لگا کر کلک کی آواز کے ساتھ اس کے ہاتھوں کو لوہے سے آزاد کیا۔ خلیفہ نے انگوٹھیوں سے سجی انگلیوں کو کھول بند کر کے اس کے سرخ چہرے کو دیکھا۔

"تمہارا ذرا سا بھی دل نہیں کانپتا، دوسروں کی عزتوں کو نیلام کرتے ہوئے، بچوں کو زہر پلاتے ہوئے یا وہ گھٹیا ویڈیوز نیٹ پر ڈال کر ذہنوں کو آلودہ کرتے ہوئے۔ تم ایسے پیسوں کا کیا کرو گے جو تمہاری قبر کو ہی کالا کر رہے ہیں۔"

وہ اس کی تقریر پر محظوظ سا مسکایا۔

"میرا رائی کے دانے کے برابر بھی دل نہیں کانپتا یہ سب کرتے ہوئے، لیکن ہاں یہ میں وثوق سے کہتا ہوں کہ اب میرا دل کانپے گا اگر تمہارے ساتھ کچھ ایسا ہوا تو۔ اپنا ہاتھ نیچے ہی رکھو آفیسر تمہاری یہ چھوٹی سی کلائی ایک سیکنڈ میں ٹوٹ جائے گی۔"

معروش نے اس کے چہرے کو گالوں سے پکڑا تھا۔

"تمہارا زوال قریب ہے خلیفہ، یہ بات یاد رکھنا، میں آخری بار کہہ رہی ہوں۔ اختر کی بیٹی مجھے دے دو نہیں تو میں یہ ثابت کر دوں گی کہ تم ہمیں چکمہ دے کر بھاگ نکلے پھر تمہارا باپ بھی سمندر خان نہیں ڈھونڈ پائے گا۔"

خلیفہ نے اس کے تپتے ہاتھوں کو اپنے چہرے سے ہٹایا۔ اس کے گال اس کے ہاتھوں کی گرمائش سے دہکنے لگے تھے۔

"اچھا ہے تمہارے لمس کا احساس بہت اچھا ہے، غالباً تمہیں بخار ہے اور کچھ زیادہ ہی ہے تبھی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو۔ گاڑی کو رکوا دو۔ تمہارا باس تمہیں کال کر کر کے تھک گیا اور تمہاری نانو کی نماز بس ختم ہی ہونے والی ہے۔"

وہ اس آخری لائن کا مطلب بخوبی جانتی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا پستول میں موجود ساری گولیاں سامنے بیٹھے انسان کے سینے میں اتار دے۔

"تمہیں لگتا ہے میں اس دھمکی سے ڈر جاؤں گی۔" وہ گاڑی رکوا چکی تھی۔

"تم ڈر چکی ہو مائی ڈیئر۔" وہ گاڑی سے اترنے لگا لیکن پھر کچھ یاد آ جانے پر واپس بیٹھا اور اس کی ضبط بھری آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔

"پیار سے کہو خلیفہ! پلیز مجھے اختر کی بیٹی دے دو۔قسم خدا کی چند گھنٹوں میں بچی تمہاری گود میں ہوگی۔" وہ سنجیدگی کا پیراہن اوڑھے کہہ رہا تھا۔معروش کو وہ جھوٹا لگا۔

"کیا گارنٹی ہے اس بات کی۔" وہ کبھی اس بات پر آمادہ نہ ہوتی اگر بات اختر کی بیٹی کی نہ ہوتی۔خلیفہ اس کی بات پر کمینگی سے مسکرایا۔

"خدا کی قسم کھائی ہے۔عام تھوڑی ہے۔"

معروش نے گہرا سانس لیا۔برستی بارش میں باہر موجود رکی گاڑیوں کو دیکھا اور پھر اسے اپنی آواز سنائی دی۔

"پلیز خلیفہ مجھے اختر کی بیٹی دے دو۔" بہت نرم اور شائستہ آواز میں اس نے کہا کیونکہ وہ جانتی تھی تھوڑی سی بھی سختی پر وہ اسے بار بار بلواتا مگر اس کا اندازہ غلط تھا۔وہ خلیفہ تھا اتنی آسانی سے کیسے مان جاتا۔

"ایسے پیار سے کہتے ہیں۔چچ چچ چچ تمہیں تو رومانس کے بارے میں کچھ بھی نہیں پتا۔" وہ اس کی کم علمی پر جیسے افسوس کر رہا تھا۔"میرے دونوں ہاتھ تھامو،آنکھوں میں آنکھیں ڈالو اور پھر کہو جو ابھی کہا ہے۔"

معروش نے دانت کچکچاتے ہوئے اپنے نتھنوں سے سرد ہوا نکالی پھر گہرا سانس بھرتے ہوئے اپنے تپتے ہاتھوں سے اس کے ہاتھ تھامے اور تھوڑا قریب ہو کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہنے لگی۔

"پلیز۔۔مجھے اختر کی بیٹی لوٹا دو۔"

وہ پلکیں جھپکتے ہوئے چند ثانیے اسے دیکھتا رہا۔بارش کی بوندوں کی آواز کسی مدھر گیت کی طرح آس پاس گونج رہی تھی۔اس سنگیت میں اس نے اپنی آواز کا رس گھولا اور کہنے لگا۔

"ایسے مانگو گی تو جان بھی دے دوں گا، واللہ تم عورتیں کتنی خطرناک ہوتی ہو۔" اس کے ہاتھوں میں سے اپنے ہاتھ نکلوا کر وہ دروازہ کھول کر باہر آیا۔معروش نے اس کے باہر نکلتے ہی دروازہ بند کیا تھا۔وہ جانے لگا جب ایک بار پھر سے کچھ یاد آ جانے پر رکا، رک کر پھر سے دونوں ہاتھ کھڑکیوں کے اوپر رکھ کر جھکا۔معروش نے ہلکا سا

شیشہ نیچے گرایا۔ شیشے کے گرتے ہی ہوا کے ساتھ پانی بھی اس کے منہ پر گرنے لگا۔ خلیفہ نے وجود کو مکمل پھیلا کر اس پانی کو اس کے چہرے پر پڑنے سے روکا اور کہنے لگا۔

"مجھے یاد آیا میں تو کسی خدا کو مانتا ہی نہیں، تو پھر کیسے اس بچی کو تمہیں لوٹا دوں۔ آئندہ مجھ سے میری قسم لینا۔" آنکھ مار کر وہ ایکدم سے ہٹا تھا۔ بارش کا رخ معروش کی جانب ہی تھا تبھی وہ اسے بھگو گئی۔ خلیفہ کی جھوٹی زبان پر اس نے زور سے ہاتھ سامنے کی سیٹ پر مارا۔ بے بسی سے اس کی آنکھیں جھلملا گئیں۔

☆......☆......☆

"اس کے آس پاس سے بہت مہنگے پرفیوم کی خوشبو آ رہی تھی اور آواز بھی بہت جاندار تھی۔ وہ ایک اچھا انسان تھا مگر نجانے کیوں خود کو اندھیرے میں چھپائے ہوئے تھا۔ اور مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ اس نے میرے ہاتھ کیوں دھلوائے۔" وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے ثوبیہ کا سر کھا رہی تھی۔ یہ کوئی پچاسویں بار تھا جو وہ اس سے کہہ رہی تھی۔

"یمن! تم اس ان دیکھے انسان کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتی، ہو سکتا ہے تمہارے ہاتھ گندے ہو گئے ہوں جو اس نے اندھیرا ہونے سے پہلے دیکھ لیے ہوں اس لئے دھلوانے لے گیا ہو یا پھر تم اس کے دل میں بیٹھ گئی ہو تبھی تم سے بات کرنے کے چکر میں اس نے ایسا کیا ہو، پلیز اپنی یہ قیاس آرائیاں یہیں پر ختم کر دو اور مجھے سکون سے بریک فاسٹ کرنے دو۔" وہ دوہائیاں دیتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی۔ یمن نے منہ بنا کر اپنی بدتمیز بہن کو دیکھا۔

"تمہارے ساتھ ایسا نہیں ہوا نا اس لئے اتنی پرسکون ہو۔ مجھ سے پوچھو کل سے دل میں کیسے انجانے سے خیال ابھر رہے ہیں۔ اسے تو میرا نام تک معلوم تھا۔" وہ پھر سے ان دیکھے سے ڈر میں ملوث ہو گئی تھی۔ دودھ میں ڈوبے کرنچی چوکوز کو منہ میں لے جاتی ثوبیہ رکی اور ہاتھ بڑھا کر اس کے گلے کے پینڈنٹ کی جانب اشارہ کرنے لگی۔

"جب یہ تم گلے میں پہنے پھرو گی تو مائی ڈیئر ہر کسی کو تمہارا نام پتا ہو گا۔ اس میں کوئی سوچنے والی بڑی بات نہیں ہے۔" عاجز ہو کر کہتے ہوئے وہ پھر سے چاکلیٹی کرنچ کو اپنے دانتوں سے پیسنے لگی۔ یمن نے برا سا منہ بنایا

وہ تو سمجھی تھی اس کی زندگی میں "کوئی" آن نکلا ہے۔ مگر اس کے اس خوش فہمی کے غبارے سے بڑی سہولت سے ثوبیہ نے ہوا نکالی اور چاکلیٹی ذائقے کا مزا لینے لگی۔

"ہاں تو، میرے بابا نے اتنے پیار سے مجھے لا کر دیا تھا کیونکر اتارتی اسے بھلا اور تم بھی نا ہر وقت جلی بھنی مت رہا کرو۔ اگر تم نے میرے ساتھ ایسا ہی سلوک رکھا تو میں بتا رہی ہوں تمہارے کسی کام نہیں آنا میں نے۔"

وہ اسے تڑی دیکر اپنا باؤل اٹھا کر کچن میں آئی جہاں اس کی ممی گرما گرم پراٹھے بنانے میں مصروف تھیں۔

"ارے تم کیوں لے آئی ثوبیہ کو کہہ دیا ہوتا۔" وہ اسے باؤل کو سنک میں رکھتا دیکھ کر کہہ رہی تھیں کہ صبح کے ناشتے کے علاوہ برتن اکٹھے کرنا اور انہیں دھونا ثوبیہ کا کام تھا۔ باقی رات کے برتن اور انہیں ڈائننگ ٹیبل سے اٹھانا یمن کی ڈیوٹی تھی۔ وہ ممی کی بات پر مسکرائی۔

" کچھ نہیں ہوتا ممی، وہ ابھی بریک فاسٹ کر رہی ہے اچھا مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی یا یہ کہنا بہتر ہوگا مجھے آپ سے اجازت چاہئے تھی۔"

اس کے اس طرح ہچکچا کر کہنے پر ممی نے چمٹے کو سائیڈ پر رکھا اور روز دیدہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

" کس چیز کی اجازت بیٹا؟"

یمن ان کے قریب آئی۔ باہر جھانکتے ہوئے اس بات کی تصدیق کی کہ ثوبیہ ان سے دور ہے اور کھانے کے ساتھ ساتھ سیل فون میں بھی بزی ہے۔ اس نے رازدارانہ انداز میں کہنا شروع کیا۔

" دراصل، میں ثوبیہ کی برتھ ڈے کیلئے ایک سرپرائز پلان کرنا چاہتی ہوں اور اس کیلئے مجھے آپ کی مدد درکار ہے۔"

ممی کو بھی اس کی بات میں دلچسپی محسوس ہوئی۔ نزدیک آ کر پوچھا۔ " کیسی مدد؟"

یمن نے نچلے ہونٹ کو دانتوں میں جکڑ کر مسکرا کر چھوڑا۔

" میں چاہتی ہوں کسی طرح ثوبیہ کو گھر میں ٹھہرا کر ہم دونوں اس کیلئے گفٹ لینے جائیں۔ وہیں سے کیک بھی بنوالیں گے۔ میں نے اس کی تصویر اپنے سیل فون میں رکھ لی ہے جو ہم کیک پر پرنٹ کروائیں گے۔ اب آپ بتائیں اسے گھر میں کیسے ٹھہرائیں اور کیسے باہر جائیں کہ اسے شک بھی نہ ہو اور ہمارا کام بھی ہو جائے۔"

ممی نے اس کی بات سن کر اس کی کہنی کو تھاما۔

"اس میں کوئی بڑی بات نہیں ہے یہ تم مجھ پر چھوڑ دو اور چلنے کی تیاری کرو۔"

اور وہی ہوا تھا جیسا کہ ممی نے کہا تھا۔ وہ جیسے تیسے کر کے ثوبیہ کو گھر پر رکنے پر مجبور کر گئی تھیں۔ اس کے لاکھ چیخنے، واویلا کرنے اور یمن پر بہتان باندھنے کہ یہ وقفے وقفے سے غائب ہو جاتی ہے پر بھی ممی نے اس کی ایک نہ سنی۔ بیچاری کو ان کی بات مانتے ہی بنی تھی۔ ثوبیہ نے یمن کی کمینی مسکان کا بدلہ لینے کیلئے اس کا سیل فون چھپا لیا اور اسے خبر تک نہیں ہونے دی۔

"اب تمہیں پتا چلے گا بچو، میرے بغیر مزے کرو گی، کر کے دکھاؤ۔" ایسا کر کے دل کو آسودہ سی ٹھنڈک پہنچا کر اس نے سکھ چین کا سانس لیا اور ان دونوں کو جاتا ہوا دیکھنے لگی جو کچھ فاصلہ پاٹنے کے بعد بیکری شاپ میں کھڑے تھے اور کیک آرڈر کرنے کا کہہ رہے تھے۔

" کیک مجھے سرکل شیپ میں نہیں بلکہ تکون میں چاہیے۔ ان تینوں سائیڈز پر آپ کینڈیز کھڑی کرنے کے بعد اس میں چھوٹے سے جھنڈے کھڑے کر دینا اور یہ الفاظ لکھنا۔" اس نے پیلے رنگ کی ایک چٹ ان کی طرف بڑھائی جس پر درج تھا۔

"فیٹی گرل نیور لوز ہر ویٹ۔"

"اور ہاں درمیان میں آپ نے یہ تصویر لگانی ہے جو میں آپ کو دکھاتی ہوں۔ ایک منٹ ویٹ کریں۔" اس نے اپنے پاؤچ میں ہاتھ مارا تو سیل غائب تھا۔ ہاتھ کو روک کر ایک بار پھر سے تصدیق کرنے کی خاطر اس نے پھر سے اپنا پرس کنگھالا تھا مگر بے سود۔ اس کا سیل وہاں نہیں تھا۔ بے بسی سے اس نے ممی کی جانب دیکھا۔

"ثوبیہ نے اپنا کام کر دکھایا۔" شانے اچکا کر وہ ٹھنڈی آہ بھر گئی۔ ممی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی۔

"تم ٹینشن نہ لو میرے سیل میں اس کی کچھ ڈھنگ کی تصویریں ہیں ان میں سے ایک سلیکٹ کر لو۔"

ممی کے سیل فون میں سے اس نے ایک "ڈھنگ" کی تصویر چوز کی جس میں اس کی پیاری ثوبیہ بھینگی دکھتی تھی۔ اب وہ ممی کو کیا بتاتی کہ اسے ثوبیہ کی فنکی سی پک چاہیے تھی اس لئے خود کے انتظار میں کھڑے اس سیاہ وردی

والے لڑکے کی جانب اس نے سیل فون بڑھایا۔ تصویر کو اپنے اپنے سیل میں لینے کے بعد وہ اس سے کہہ رہا تھا۔
"ٹھیک ہے، آپ کو دو گھنٹے انتظار کرنا ہوگا اس کے بعد آپ کا کیک ریڈی ہو جائے گا۔" وہ مسکرا کر اس فیروزی رنگ کے سوٹ میں ملبوس لڑکی کو کہہ رہا تھا۔ یمن نے بھی اسے مسکراہٹ پاس کی اور پے منٹ کرنے کے بعد ممی کے ساتھ نزدیکی شاپنگ مال میں آ گئی۔ چلچلاتی دھوپ کو نظر انداز کر کے مال کے ٹھنڈے فلور پر قدم جمائے وہ گفٹ سلیکٹ کرنے میں تھوڑی کنفیوز ہو رہی تھی۔
"کیا میں اس کیلئے سوٹ لوں یا پھر ایک گھڑی، نہیں مجھے لگتا ہے ایک بڑا سارا چاکلیٹ باکس ٹھیک رہے گا۔ امم۔ ہمم۔ یہ تھری ڈی لائٹس بہت اٹریکٹ کر رہی ہیں یہ لے لیتی ہوں۔ اوفوہ ممی آپ بھی تو کچھ مدد کروائیں۔"
وہ جھنجلاتے ہوئے آخر ان کی بھی صلاح چاہ رہی تھی۔ ممی نے ایک بیگ خریدنے کے بعد اسے بہت اچھا مشورہ دیا۔
"میرے خیال سے تم اس کیلئے اولاف لے لو، یقین کرو پاگلوں کی طرح خوشی سے اچھل پڑے گی۔" ان کی اس صلاح پر وہ فرط جوش سے سٹف ٹوائز کی شاپ میں گئی۔ ایک اولاف پیک کروا کر ڈیکوریشن کا سامان لینے کے بعد وہ لوگ مال سے باہر آئے۔
"تم یہاں کھڑی ہو میں گاڑی نکال کر آتی ہوں۔" ممی یہ کہہ کر ابھی مڑی ہی تھیں کہ یمن کو اچانک یاد آیا۔ وہ اپنا پاؤچ تو اس شاپ میں ہی رکھ آئی ہے جہاں سے اس نے کینڈلز لی تھیں۔ اس نے واپس اپنے قدم شاپنگ مال میں ڈالے۔ بھاگ کر وہ مال کے اندر آئی مگر اب اس کیلئے شاپ ڈھونڈنا سب سے دشوار کام تھا۔ اسے راستے یاد نہیں رہتے تھے اور یہ اس کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ گہرا سانس لے کر خود کو یہ یقین دلا کر کہ وہ تئیس سال کی ہے تین کی نہیں، لفٹ کی جانب بڑھ گئی۔ سیکنڈ فلور پر آ کر رک کر اس نے وہ شاپ تلاشی مگر نہ ملی۔ خفت کے سبب اور کچھ اپنا مذاق نہ بنوانے کیلئے اس نے لوگوں سے بھی نہیں پوچھا۔ آدھا گھنٹہ وہاں رلنے اور یہ یقین ہو جانے کہ وہ گم چکی ہے کے بعد اس نے ایک عورت کو فالو کیا اور ان کے ساتھ چلتی ہوئی اینٹرینس پر آ گئی۔ مگر یہ کیا وہاں تو ممی تھیں ہی نہیں۔ یمن کی کھڑے کھڑے ٹانگیں کانپنے لگیں۔ سردی میں بھی چہرہ پسینے سے تر ہو

گیا۔اسے شدید رونا آیا مگر خود پر ضبط کے بندھن باندھ کر وہ ہچکیوں کو گلے میں دباتی سڑک سے گزرتی ہر گاڑی کو دیکھ رہی تھی کہ کیا پتا اس گاڑی میں اس کی ممی ہوں مگر اس کا انتظار، کھڑے رہنا بیکار گیا۔

دوپہر کا سورج اسی کی طرح الوداعی نگاہوں سے اسے دیکھ کر اپنی آنکھوں میں بھی سرخی لے آیا اور عصر کا شور ہر سو گونجنے لگا۔یمن وہیں کھڑی رہی، بت بنی کسی کھمبے کی طرح۔اس کا فیروزی آنچل ہولے ہولے تیز ہوتی ہوا کے زیر اثر اڑتا ہوا ایک سمت جانے کی کوشش میں تھا۔وہ اسے مضبوطی سے پکڑے، آسمان سے گرتی بوندوں کے انتظار میں تھی جن میں وہ اپنے آنسو چھپا سکے۔وہ چاہتی تو ٹیکسی یا رکشہ کروا کر جا سکتی تھی مگر اس کے پرس میں پیسے کہاں تھے جو وہ رینٹ دیتی، شاپ میں پرس بھولنے کے سبب وہ خالی ہو چکا تھا یہ اس نے باہر آ کر ہی دیکھا تھا لیکن اس نے ایسی زحمت نہیں کی تھی کہ جا کر اس شاپ کے مالک سے باز پرس کر سکے کہ پیسے کے معاملے میں وہ لیٹ اٹ گو کر دیا کرتی تھی اور رہی بات کسی کا سیل فون لے کر کال کرنے کی تو آج کے ڈیجیٹل دور نے ان لوگوں کو کتنا ناکارہ بنا دیا ہے اس کا اندازہ اسے اب ہو رہا تھا۔

اس کے پاس سے گزرتے بہت سے لوگ اسے عجیب نظروں سے گھور رہے تھے ایک دو نے تو باقاعدہ اس سے آ کر پوچھ بھی لیا تھا۔

"میں پچھلے دو گھنٹے سے دیکھ رہی ہوں آپ اسی طرح سڑک پر نظریں جمائے کھڑی ہیں۔کیا آپ کو کسی کا انتظار ہے یا پھر کوئی اور معاملہ ہے۔" اسے وہ سرخ رنگ سے سجے ہونٹوں والی عورت ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔ تبھی اسے اگنور کر کے وہ سائیڈ پر ہوئی اور اپنے گرد بازو لپیٹ کر ممی کو دل سے یاد کرنے لگی۔اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اتنے گھنٹے گزرنے کے بعد بھی وہ اسے لینے کیلئے کیوں نہیں آئی تھیں۔اس کا دل کیا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ان بہت سارے لوگوں کی عجیب نگاہوں سے بچنے کیلئے اس نے چلنا شروع کیا تھا۔تھوڑا دور جا کر وہ مغرب کی اذانوں کے ساتھ افق پر چمکتے آدھے سرخ آسمان کو دیکھنے لگی۔جس کی سرخی اب اسکی آنکھوں میں بھی آن سمائی تھی۔وہ اللہ سے شدت سے بارش کے ہو جانے کی دعا کر رہی تھی مگر وہ تھی کہ ہو کے ہی نہیں دے رہی تھی۔ہوا تیز ہوئی اور اس تیز ہوتی ہوا میں اس کی تھوڑی کانپنے لگی۔

"سر جی، ایک لڑکی ہے، صبح سے پہلے مال کے آگے کھڑی تھی اور اب ایک سوپ کی دکان کے باہر کھڑی

ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی اسے دھوکا دے کر بھاگا ہو، کہو تو اٹھا لوں اسے۔" رمیز نے چلتے چلتے اس کی بات سنی اور دروازہ دھکیل کی خلیفہ کی طرف آ گیا۔ وہ اسے کچھ ضروری دکھانے آیا تھا جب اسے اپنے ایک کارندے کی کال آ گئی۔

"تم پر یقین ہو کہ کوئی گڑبڑ نہیں۔" خلیفہ منہ میں سگار لیے منہمک سا لیپ ٹاپ کے آگے بیٹھا تھا۔ رمیز نے اس کے ساتھ ہی صوفے پر جگہ بنائی۔

"سر، سو فیصد یقین ہے، لڑکی ہے بھی ڈرپوک سی، خوبصورت تو کمال کی ہے۔ سر جی کام ہو جانے پر مطلب کا معاوضہ لونگا میں۔" رمیز نے اکتاہٹ سے اس کی بک بک سنی۔ کام کیلئے کیسوں کیسوں کی نہیں سننی پڑتی تھی۔

"ہاں ہاں ٹھیک ہے پہلے تم اسے لے کر تو پہنچو پھر دیکھیں گے کتنا پیسہ ملتا ہے تمہیں۔" زچ ہوتے ہوئے کہہ کر وہ خلیفہ کے لیپ ٹاپ پر نگاہیں جمانے لگا جہاں اس ماہ کا کھاتا کھلا ہوا تھا۔ ہر لڑکی کی تصویر کے ساتھ اس کی کمائی گئی رقم درج تھی۔

"سر جی، میں آپ کو اس کی تصویر دے دیتا ہوں، پہلے آپ اسے دیکھ کر تسلی کر لیں۔" اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی رمیز نے فون کاٹا۔ وہ آدمی منہ کڑوا کیے فون کو تکنے لگا پھر ہوا کے ظلم سہتی ہوئی اس ڈری سہمی لڑکی کی تصویر اتاری اور رمیز کو سینڈ کر دی۔

"خلیفہ! ایک گڑبڑ ہو گئی ہے۔ ایک لڑکی نے خودکشی کر لی ہے۔ وجہ وہی تھی جو آتے ہوئے ہر لڑکی کی ہوتی ہے۔" رمیز نے پیج کو سکرول کر کے مصروف سے انداز میں کہا۔

"ابھی تمہارا بندہ کسی لڑکی کا کہہ تو رہا تھا اسے اس کی جگہ پر رکھ لو اور جو مر چکی ہے اس کے آرگن ڈیڈ ہونے سے پہلے سپلائے کر دو، یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں۔" بزی سے انداز میں کہتے ہوئے وہ اب نوٹ پیڈ پر کچھ درج کر رہا تھا۔

"بات وہ نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ اس لڑکی کو ہم نے صوبائی وزیر کے ساتھ......" اس کی بات درمیان میں رہ گئی۔ وجہ واٹس ایپ میسج تھا جو ابھی ابھی اس کے بندے کی طرف سے آیا تھا۔ خلیفہ نے اس کی بات کو سمجھتے ہوئے گردن کو اٹھایا۔

"تم تمنا کی بات کر رہے ہو۔" رمیز نے میسج کھولتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ خلیفہ کے ماتھے پر جال بننے لگا۔ نچلے جبڑے کو ہلاتے ہوئے اس نے غصے کو کنٹرول کیا۔ رمیز اس لڑکی کی تصویر کھول چکا تھا۔ سیل فون خلیفہ کے آگے کیا۔

"یہ لڑکی اٹھانے کا کہہ رہا ہے میرا بندہ۔"

سنہری آنکھوں کو اس نے ہلکے سے جنبش دی اور سیل فون کی چمکتی ہوئی سکرین پر روشن چہرے کو دیکھ کر اسے جھٹکا لگا تھا۔

☆......☆......☆

"مجھے لگتا تھا وہ مجھ سے محبت کرتا ہے، مجھے چاہتا ہے، اپنی عزت سمجھتا ہے لیکن میں یہ نہ سمجھ سکی۔ جو شخص رات کے اندھیرے میں آپ کو آپ کے پیاروں سے دور لے جائے وہ کہاں آپ کی عزت کرے گا کیوں آپ کو اپنی عزت بنائے گا۔ رات کے اندھیرے میں سب سے چھپ چھپاتے بھگانے والوں نے بھی کبھی عہد وفا کیا۔ نہیں!"

بدبودار سے نیم اندھیرے کمرے میں نوراں کی آواز سماعتوں کو جلا رہی تھی۔ اس آواز کی جلن اتنی تھی کہ دل لاوے کی طرح پگھلتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ پگھلتے چار دلوں کا دھواں اس کمرے کی ہوا میں منتشر ہونے لگا۔ وہ اتنی مقدار میں پھیلا کہ دم گھٹنے لگا تھا۔

"ایسے لوگ آپ کو اپنی عزت نہیں بناتے بلکہ آپ کی عزت تار تار کر دیتے ہیں۔" اس نے تھوڑا توقف کیا۔ جلے ہوئے دل کے گھٹن زدہ دھوئیں میں سانس لینا بھی تو محال تھا۔

"میری مالکن کا بیٹا مجھے چاہتا تھا، وہ بہت اچھا تھا، بی اے کیا تھا۔ زرعی تعلیم حاصل کی تھی انہوں نے، مجھے پڑھانا چاہتے تھے۔ ایڈمیشن فارم بھی بھر دیا تھا۔ میری مالکن بھی ان کی وجہ سے مجھ سے محبت کرنے لگی تھیں۔ وہ میرے اٹھارہ سال کا ہونے کا انتظار کر رہی تھیں تا کہ مجھے اپنے بیٹے سے بیاہ دیں۔" اس کی آنکھیں ایک نقطے پر جمی ہوئی تھیں۔ پلکوں سے آنسو موتیوں کی طرح ٹوٹ رہے تھے۔ ایک ہی جگہ گرتے آنسوؤں نے چھوٹا سا دریا بنا دیا تھا۔ پچھتاوے کا دریا۔

"اور میں نے کیا، کیا ان کی محبتوں کو لات مار کر دھوکے باز کی باتوں میں آ کر خود کو اس جہنم کی راہ پر ڈال دیا۔ وہ جو کہتا تھا میری عزت پر آنچ بھی نہیں آنے دیگا وہی مجھے چیختا ہوا ان درندوں کے حوالے کر گیا جن کے نزدیک کسی کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ جو عورتوں کو عورتیں نہیں بلکہ جانور سمجھتے ہیں۔ خریدا ہوا جانور۔"

ارم نے اپنے گرد سختی سے بازو لپیٹے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اپنی معصوم چھ بہنیں آ گئی تھیں۔ جو رئیس جیسے جانے کتنوں کے چنگل میں پھنس سکتی تھیں۔ اس نے صدق دل سے اپنی بہنوں کی سلامتی کی دعا کی۔ ان دعا کرتے تھرتھراتے لبوں میں جنبش ہوئی اور وہ گڑگڑاتے ہوئے کہنے لگی۔

"میں تو لالچی نہیں تھی، محبت بھی نہیں چاہیے تھی مجھے، میں نے اپنے گھر والوں کا اچھا مستقبل سوچ کر یہ قدم اٹھایا تھا۔ مجھے لگا تھا رئیس شادی کرے گا تو میں جھٹ سے اپنی باقی بہنوں کی شادیاں کروا دونگی لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ میں اپنے ساتھ ساتھ انہیں بھی غلاظتوں کی نگاہ میں لا رہی ہوں۔ پتا نہیں وہ میری بہنوں کے ساتھ کیا کریں گے۔"

ارم پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اس کی باقی ساتھی لڑکیوں نے اپنے چہرے اس کی جانب کیئے۔ وہ اس وقت بیسمنٹ میں بنے ایک کمرے میں قید تھے۔ وہ کمرہ گھٹن زدہ نیم اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا، دیواریں پھٹی ہوئی اینٹیں دکھاتی تھی۔ زمین پر چھوٹے چھوٹے سخت میٹ تھے اور ساتھ میں گندے پھٹے ہوئے بستر۔ ایک ٹوٹی ہوئی میز تھی جس پر کارڈ، سگریٹ، شراب اور طرح طرح کے نشے رکھے ہوئے تھے۔ یہاں موجود ہر لڑکی نشے کی عادی تھی۔ اسے عادی بنا دیا جاتا تھا۔ تبھی ہر لڑکی فارغ وقت میں کارڈ کھیلتی ہوئی نشے میں ٹن نظر آتی تھی۔ اس کمرے میں موجود وہ چاروں ہی نئی تھیں تبھی جتنا ہو سکتا تھا وہ خود کو اس بری لت سے بچانے کی سعی کرتیں جو کہ ناممکن تھا۔

نیم اندھیرے کمرے کا دروازہ جھٹکے سے کھلا۔ وہ چاروں ہی چونک گئیں۔ ایک ہٹا کٹا نوجوان آگے بڑھا اور سب پر طائرانہ نگاہ دوڑا کر رخسانہ کی طرف آیا اور اسے بازو سے تھام کر کھڑا کیا۔ وہ احتجاج کرنے لگی تھی مگر بے سود۔ اسے جانوروں کی طرح کھینچتے ہوئے وہ سٹوڈیو میں لایا جہاں دو لڑکے بنیان پینٹ میں ملبوس چیونگم چباتے ہوئے بیڈ پر بیٹھے تھے۔ آدمی نے ایک لفافہ اس کے منہ پر اچھالا اور حکم دیا۔

"جلدی سے یہ کپڑے پہن کر آؤ۔اور اپنا یہ رونا دھونا بند کرو نہیں تو تیزاب سے تمہیں جلا دونگا۔" وہ اس کے لبوں سے شراب کی بوتل لگاتا ہوا کہہ رہا تھا۔رخسانہ کی آنکھوں سے گرم سیال بہنے لگا۔ابا کے الفاظ آس پاس گونجنے لگے تھے۔

"بھلے رشید امیر نہیں، لیکن تو دیکھ تو سہی اس کی خود کی کریانہ کی دکان ہے۔دیہاڑی دار مزدور تھا وہ۔دن رات ایک ایک روپیہ جمع کر کے اس نے یہ دکان بنائی ہے یعنی اس میں کچھ کرنے کی آگے سے آگے بڑھنے کی چاہ ہے اور مکان کا کیا ہے بیٹا! کچا ہے کل کو پکا کر لے گا۔یہ سوچ اپنا ہے کرایہ کا نہیں۔ماں کی باتوں میں نہ آ رخسانے، جس طرح کے ہمارے حالات ہیں یہ رشتہ آنا بھی غنیمت ہے اور کچھ نہیں دو وقت کی روٹی تو دے گا، عزت تو کرے گا نا تیری۔بس آنسو پونچھ اور بسم اللہ کر دے اس رشتے پر۔"

اچھے مستقبل کی پٹی، دولت کی تھوڑی سی لالچ جب عورت کی آنکھوں پر چڑھتی ہے تو اسے نیلام کر کے رکھ دیتی ہے۔وہ، وہ سب حاصل کرنے کے چکر میں صحیح غلط کی راہ کو بھول جاتی ہے جو فقط قسمتوں کے کھیلوں پر منحصر ہوتا ہے پھر فراموش ہوئی راہیں کب بھلا ملتی ہیں۔

☆......☆......☆

"تم ٹھیک ہو، یہاں کیوں کھڑی ہو؟" خلیفہ اڑ کر اس کے پاس آیا تھا۔آنے میں ایک سیکنڈ بھی نہ لگاتے ہوئے اس نے اپنے حلیہ کی بھی پرواہ نہیں کی تھی۔سفید ٹراؤزر کے ساتھ سفید ہی ٹی شرٹ پہنے بکھرے بالوں کے ساتھ وہ ہراساں کھڑی یمن سے پوچھ رہا تھا جس کی ہچکیاں اندر ہی اندر گھٹتے ہوئے وہ با آسانی دیکھ سکتا تھا۔

اسے نہ پہچانتے ہوئے یمن نے بازو اپنے گرد لپیٹے اور فاصلہ برقرار کر کے کھڑی ہو گئی۔

"یمن! تمہیں شاید میں یاد نہیں لیکن میں تم کو اچھے سے جانتا ہوں۔تم آؤ گاڑی میں بیٹھو بارش شروع ہو چکی ہے تمہارا یہاں ایسے کھڑا ہونا صحیح نہیں ہے۔"

اپنی ناک پر گرتی بوند کو ہتھیلی کی پشت سے صاف کرتے ہوئے وہ گاڑی کا دروازہ کھول چکا تھا۔یمن چار قدم اور دور ہٹی۔

"میں آپ کے ساتھ نہیں آ سکتی، آپ نے مجھے اغوا کر لیا تو۔" اصل خوف اب اس کے لبوں سے پھسلا تھا۔

صبح سے وہ اسی خوف کے حصار میں ہی تو گھس کھڑی تھی۔ ڈر اس کی ٹانگیں بے جان کیئے دے رہا تھا۔ خلیفہ اس کے کہنے پر زوردار انداز میں چونکا۔ غور سے اس کا چہرہ دیکھا جو رونے کی تیاری کر رہا تھا پھر وہ اپنے لبوں کو تر کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"میں تمہیں کڈنیپ کر کے کیا کروں گا؟" اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی یمن چیخ اٹھی۔ وہ اس کے چیخنے سے بوکھلایا تھا۔ آس پاس دیکھا کوئی نہیں تھا سوائے اکا دکا لوگوں کے۔ مغرب سے اٹھتے بادلوں نے زمین پر پانی برسانا شروع کر دیا تھا جس کی وجہ سے سب اپنے سروں پر ہاتھ رکھے یہاں وہاں بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ زور پکڑتی بارش میں وہ اسے سن رہا تھا جو کہہ رہی تھی۔

"آپ مجھے بیچ دیں گے پھر وہ لوگ مجھے آگے بیچیں گے، پھر آگے اور پھر آگے، یہ سلسلہ چلتا رہے گا، اور میں ہر روز مرتی رہوں گی۔ میں ایسے نہیں مرنا چاہتی۔" اپنے منہ پر ہاتھ رکھے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ خلیفہ لب بستہ سا اسے خاموش نگاہوں سے دیکھے گیا۔ وہ اسے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن الفاظ جیسے کہیں گم سے ہو گئے تھے پھر آخر اس نے ہمت باندھی اور کہا۔

"میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا، چاہے تم چاہو یا نہیں لیکن بیچنے کیلئے نہیں بلکہ تمہیں تمہارے گھر والوں کے حوالے کرنے کیلئے۔ اب یہ تم پر ڈیپینڈ کرتا ہے خود سے گاڑی میں بیٹھ رہی ہو یا میں بٹھاؤں۔"

یمن نے منہ پر سے ہاتھ ہٹا کر اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں خوف طاری کیا اور ایک سیکنڈ کا توقف کیئے بنا ہی دوسری سمت قدم موڑ لئے مگر اس سے پہلے وہ بھاگتی اس کا ہاتھ خلیفہ کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اس کی مزاحمت کو نظر انداز کر کے اسے گاڑی میں بٹھا چکا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے اس نے یمن کی طرف دیکھا جو سہمی ہوئی کھڑکی سے لگی بیٹھی تھی۔ بیساختہ امڈ آنے والی مسکان کو اس نے روکا۔

"احتیاط اچھی ہے، بٹ تھوڑا سا ٹرسٹ بھی ہونا چاہیئے۔ لاؤ دو اپنے گھر کا ایڈریس" وہ اپنی چوڑی ہتھیلی کو آگے بڑھاتے ہوئے اس سے کہہ رہا تھا۔ یمن کا نچڑا ہوا چہرا مزید نچڑا۔ تھوک نگلتے ہوئے اس نے سڑک کی طرف دیکھا کہ صدمے کے زیر اثر سلب ہوتے حواسوں نے اس کے دماغ کو کورے کاغذ کی طرح صاف کر دیا تھا

"آپ۔۔چلیں۔۔۔میں بتاتی ہوں۔" اپنے وجود کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے اس نے سامنے کی طرف

دیکھ کر کہا۔ خلیفہ نے او کے کے انداز میں شانے اچکائے اور گاڑی کو مین روڈ پر ڈال دیا۔

"یہاں سے رائٹ۔" اس بات کی تصدیق کر کے کہ واقعی اس کی ممی نے اب نہیں آنا وہ خلیفہ کے ہمراہ اپنے گھر کی اور گامزن تھی۔

☆......☆......☆

معروش تیزی سے سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ بالوں کو اچھے سے ڈھکتا اس کا سٹولر گردن سے چپکا ہوا تھا۔ آنکھوں میں ایکسائٹمنٹ لئے وہ ہوا کے دوش پر اڑتی انویسٹی گیشن روم میں آئی جہاں ایک لڑکی دونوں ہاتھ گود میں رکھے نگاہیں جھکائے بت بنی بیٹھی تھی۔ اس کے کھلے بال چہرے کے دائیں بائیں گرے تھے اور جڑی پلکیں باڑ کے گزر جانے کا عندیہ دے رہی تھیں۔ اس پر نگاہیں گاڑے معروش نے کرسی کھینچی اور اس کے عین سامنے آ کر بیٹھ گئی۔

"تمہیں بھاگنے میں ڈی نے مدد کی ہے نا غالباً تم درزی کی بیٹی ہو۔ سنو میری طرف دیکھو ایسے مت بیٹھو۔ مجھے اپنا ہمدرد سمجھو میں جہاں تک ممکن ہو سکا تمہاری مدد کروں گی۔ یقین کرو۔"

اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے وہ اس کا اعتماد چاہ رہی تھی جو اَب بھی ایسے بیٹھی تھی جیسے کوئی انسان نہیں بلکہ مردہ ہو۔ اس کی فیروزی جرسی کے کپڑے کی بنی فراک ٹخنوں سے اونچی تھی۔ اور نیچے سے ایسے پھٹی تھی جیسے خار دار جھاڑیوں میں اڑ گئی ہو۔ بال بالکل سیدھے سامنے گرتے ہوئے گالوں کو ڈھانپے ہوئے تھے۔ معروش کو اس پر ترس آیا۔ لڑکی کے ٹھنڈے ہاتھ پر اعتماد کی گرمائش ڈالتی وہ اس کے بولنے کی منتظر تھی مگر جو لب بستہ ہو جائیں وہ لب بستہ ہی رہتے ہیں وہ بھی رہی۔

"فاطمہ! پلیز کچھ تو بولو۔ دیکھو صرف تمہارے بولنے پر باقی لڑکیوں کی زندگی منحصر ہے۔ اگر تم نے آواز اٹھائی، تم نے ہمت کی تو باقی لڑکیاں بھی بچ سکتی ہیں۔ مجھے بتاؤ کہ سمندر خان اور خلیفہ نے کہاں معصوموں کو چھپا کر رکھا ہے۔ وہ کونسی جگہ ہے جہاں پر وہ ظلم کرواتا ہے۔ بولو۔ پلیز۔"

اس کا ہاتھ اب بھی سرگرائے لڑکی کے ہاتھ پر تھا جس نے آج نہ بولنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ وہ لڑکی انہیں بس اسٹیشن کے قریب ملی تھی اور جب سے ملی تھی اسی حالت میں تھی۔ معروش نے ضبط بھرا سانس چھوڑا جو ہوا میں بکھرتا

درودیوار سے ٹکرا گیا۔

"فاطمہ! میں تم سے مخاطب ہوں۔ اللہ کیلئے اپنی زبان کھولو پلیز۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ تم بھی اس طرح کی بے حسی کا مظاہرہ کرو گی۔" اس کے ان لفظوں پر لڑکی نے جنبش کی۔ اس کی نگاہیں اوپر کو اٹھیں۔ کمرے کے باہر مانیٹر میں ان دونوں کو دیکھتے ہوئے اس کے اسسٹنٹ کو وہ ڈرا رہی تھی۔

"میں نے اگر منہ کھولا تو سب تباہ ہو جائے گا" وہ اس کے بیجان لفظوں پر الجھ گئی۔ آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔

"کیا مطلب، تمہارے بولنے سے کیا ہوگا۔" کہتے کہتے جیسے اس کے دماغ نے کام کیا۔ وہ آنکھوں کو پھیلائے اس کی بیجان آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ نظروں نے نظروں کا ساتھ دیا اور سب بیان کر دیا۔ معروش نے لب کچلتے ہوئے خود کو سیٹ کی پشت پر گرایا اور بات بدلتے ہوئے بولی۔

"تم بڑے چالاک ہو خلیفہ، لیکن شاید تم بھول رہے ہو کہ میں بھی تمہاری ماں ہوں۔ تمہیں لگا میں اس لڑکی کے اندر چپ لگا کر بھیجوں گا پھر میرے پلانز ن کران پر پانی پھیروں گا تو تم گھاٹے کی سوچ رکھتے ہو۔ اس لڑکی کے اندر جہاں کہیں بھی تم نے چپ لگائی ہے اسے تو میں نکلوا لوں گی لیکن اب جو چپ میں تمہارے اندر لگاؤں گی اسے تم زندگی بھر یاد رکھو گے۔" کہتے کہتے جیسے اسے کچھ یاد آیا تھا۔

"بائی دا وے تمہارے لیے ایک گڈ نیوز ہے۔ چلو چھوڑو نہیں بتاتی وقت کے ساتھ تمہیں خود ہی پتا چل جائے گا"

وہ اپنی آواز فاطمہ کے اندر لگی چپ کے ذریعے اس تک پہنچاتی باہر آئی تھی باہر آ کر اس نے اپنے اسسٹنٹ کو بلوایا جو سلوٹ مارتا اس کے سامنے تھا۔

"اس لڑکی کے اندر لگی چپ کو نکلواؤ، اس کے ایکسس کو ختم کراؤ اور ہاں ڈیوڈ سے کسی طرح رابطہ کرو۔ وہ میری کال پک نہیں کر رہا۔"

حفیظ اسے سلوٹ مارتا واپس گیا تھا۔ معروش نے اس کے جاتے ہی لیپ ٹاپ کو آن کیا اور ڈیوڈ کی آخری بھیجی گئی انفارمیشن کو دیکھنے لگی جو کہ غلط تھی۔ معروش کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اس نے کارڈلیس اٹھایا اور سلام میڈم سنتے ہی کہنے لگی۔

"واجد! کل جس لڑکی کے گم ہونے کی ایف آئی آر کاٹی ہے تم نے وہ میرے پاس لے کر آؤ اور ہاں اس کے

گھر والوں کو بھی طلب کر و یا ایک کام کرو تم وہاں موبائل لے کر چلے جاؤ۔ پوچھ تاچھ کرو۔ اگر کچھ نہیں پتا چلتا تو اس شاپنگ مال میں لگے تمام کیمروں سے فوٹیج نکال کر ادھر لے کر آؤ۔ ہو سکتا ہے وہاں سے کوئی کلیو مل جائے۔"

اس کی طرف سے اوکے سن کر اس نے کارڈلیس رکھا اور اپنے سر کو ایک ہاتھ سے دبانے لگی۔ وہ از حد پریشان تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ کل صوبائی وزیر کے بیٹے کو قتل کر دیا گیا تھا۔ کس بری طرح سے مارا تھا ظالموں نے اسے کہ اس کی شناخت کرنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ اور اب ایک غیر ملکی لڑکی ان کے ملک سے اغوا ہو گئی تھی۔ وہ بھی اسی کے ضلع سے۔ ہر طرف سے پریشر معروش کے کندھوں پر تھا۔ وہ کل رات سے یہاں پر تھی اور کل رات سے ہی ہر طرف سے ناکامی اس کے حصے میں آ رہی تھی۔

"مجھے پورا یقین ہے میری یہ بیکاری بہن نے ڈیزائنر ہی بننا ہے اور تو اسے کچھ آتا نہیں، خوف تو ایسے چہرے پر طاری کیئے رکھتی ہے جیسے کسی نے سانپ کو اس کی آنکھوں کے سامنے لٹکا دیا ہو۔ کم آن معروش، خود کو بوسٹ کرو اور یاد رکھو جس لڑکی نے جوڈو کراٹے سیکھے لئے کوئی اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔"

اس نے اکتاہٹ سے آنکھیں کھولیں۔ وہ چاہتی تو خلیفہ کے سینے میں آسانی سے گولیاں اتار سکتی تھی مگر نہیں وہ ایسا کر کے ان لڑکیوں تک نہیں پہنچ سکتی تھی جو ان کے قبضے میں تھیں اور جنہیں ہر حال میں اسے نکالنا تھا۔ اپنی سٹک اٹھاتی وہ کرسی کو جھولتا چھوڑ کھڑی ہوئی۔ اس کے قدم کسی راہ پر ڈل چکے تھے۔

☆.......☆.......☆

"ہم یہاں سے نکل سکتے ہیں۔" وہ لوگ نام کے پہنے کپڑوں کے اوپر لمبے کوٹ پہن رہے تھے۔ جب صدیقہ نے رخسانہ کے کان میں کہا۔ وہ ہراساں سی آنکھوں سے ہی اشارہ کر رہی تھی۔

"لیکن وہ کیسے؟"

صدیقہ اس کے مزید نزدیک ہوئی اور کوٹ کے بٹن بند کرتی سرگوشانہ لہجے میں بولی۔ خوف سے بھری سرگوشی کے الفاظ یہ تھے۔

"ہم باقی لڑکیوں کو بھی خود کے ساتھ ملا لیتے ہیں۔ ابھی جب ہم پارٹی کیلئے نکل رہے ہیں تو راستے میں ہم

شیون پر حملہ کر دیں گے۔اس کے ہاتھ سے بندوق چھینیں گے۔اسے اور ڈرائیور کو نشانہ بنا کر ہم تالے کی چابی لیں گے اور پھر ہم ان کی قید سے آزاد ہو جائیں گے۔"

رخسانہ نے نچڑے چہرے کے ساتھ اس کا پلان سنا جو وہ کہہ رہی تھی وہ اتنا آسان بھی نہ تھا۔اس نے ہمت کر کے باقی لڑکیوں کے کانوں میں صدیقہ کی سرگوشی انڈیلی۔کچھ متفق نظر آئیں اور کچھ نہیں۔زیادہ ڈری ہوئی وہ چار کالج گرلز تھیں جو ہفتہ بھر پہلے یہاں آئی تھیں۔

"یہ سب اتنا آسان نہیں،پکڑے جانے پر وہ ہمیں جیمز کے حوالے کر دیں گے اور میں اس کے پاس نہیں جانا چاہتی۔" ظالم و جابر جیمز کی ہوس اس کے رونگٹے کھڑے کر گئی تھی۔ہر آنے والی نئی لڑکی کو اس کے حوالے کر دیا جاتا تھا تاکہ وہ اچھے سے ان کی شرم کو مٹا کر انہیں یہ یاد دلائے کہ وہ یہاں کس کام کیلئے لائی گئی ہیں۔وہ سفاک و بے رحم تھا تبھی ہر لڑکی اس سے پناہ مانگتی تھی۔سیاہ فام،غلیظ،میلا کچیلا جیمز صرف حقارت کے قابل تھا مگر ہر لڑکی کو اس کے ظلم سہنے پڑتے تھے کیونکہ یہی اس جگہ کا رول تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا،ہم سات ہیں اور وہ دو۔ہم ان دو پر بھاری ہونگی۔حوصلہ رکھو اور دماغ میں بٹھا لو کہ ہمیں اس جہنم سے آزادی چاہئے آخر کب تک ہم یہ ظلم سہیں گے۔کیا ہوا ہے تم سب کو ایسے کیوں دیکھ رہی ہو مجھے۔" وہ مڑی تھی اور مڑتے ہی ایک زوردار گھونسا اس کا گال پھاڑ گیا۔

"پلاننگ اچھی کرتی ہو تم،مگر ایک بات یاد رکھنا یہاں سے تمہاری روح بھی نہیں نکل سکتی کجا کہ تم۔جیمز کے حوالے کرو اسے۔آزادی چاہئے،وہ دلائے گا اچھے سے اسے آزادی۔" شیون کے اس روح فرسا آرڈر پر وہ سب دل و جان سے کانپ گئی تھیں۔صدیقہ کے ہاتھ پیر مارنے کے باوجود چیخنے چلانے کے بعد بھی اس پر ترس نہیں کھایا گیا تھا کہ یہاں ترس کھانے کا رواج بھی نہیں تھا۔شیون نے ایک نگاہ باقی لڑکیوں پر ڈالی۔

"اگر تم سب نے یہاں سے نکلنے کا سوچا بھی تو تم سب کو جیمز چھوڑ و خلیفہ کے حوالے کر دیا جائے گا پھر جب وہ بوٹی بوٹی الگ کرے گا تب پتا چلے گا آزادی کس چڑیا کا نام ہے۔چلو سب۔"

وہ ان کے آگے چلتا دھاڑتے ہوئے کہہ رہا تھا۔سب لب بستہ آج اپنی اپنی عزتوں کا جنازہ نکالنے کیلئے اس کے پیچھے ہولی تھیں۔جہاں ان کی گاڑیاں رات کی تاریکی میں نکلی تھیں وہیں کچھ ساعتیں گزرنے کے بعد

دن کے اجالوں میں سرخ آسمان کے نیچے تین گاڑیاں دھول اڑاتیں ایک بڑے سارے فارم ہاؤس کے سامنے آ کر رکیں۔ یہ فارم ہاؤس دور سے دیکھنے پر ہی کسی امیر و کبیر بندے کی جاگیر دکھ رہا تھا اور وہ تھا بھی۔ نئے نئے بنے ایم این اے خواجہ ریاض ظفر کے اس فارم ہاؤس کی اینٹوں کو اپنے ٹائروں تلے روندتیں وہ گاڑیاں اور ایک وین گیٹ کے کھلنے پر اندر داخل ہوئی تھیں۔ ڈھیر سارے لوگ آس پاس ہاتھوں میں گلاس لئے ٹہلتے نظر آ رہے تھے تو کہیں میڈیا کے کچھ آدمی بھی کوریج کرنے میں مصروف تھے۔ ان مصروف سے صحافیوں میں سے کسی ایک کے کان میں لگی بلوٹوتھ تھرتھرائی اور وہ اشارہ ملتے ہی چوکنا ہو گیا۔ کیمرہ مین کو نگاہوں سے اشارہ کیا اور اس سمت دوڑ لگا دی جہاں گاڑیاں آ کر رکی تھیں اور اب دروازہ کھلنے پر سب ہی اس جانب متوجہ تھے جہاں سے دو آدمی اور ان کے ساتھ ڈھیر ساری لڑکیاں کوٹ کے ساتھ آنکھوں پر عینک لگائے باہر نکل رہی تھیں۔

خواجہ ریاض ان لوگوں کو دیکھ کر ماتھے پر بل لے آئے۔ ان مہمانوں سے تو واقف نہیں تھے کیا ان کے سیکرٹری نے کسی کو مدعو کیا تھا۔ نگاہیں گھما کر اس خادم کو دیکھا جو نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ خواجہ ریاض کی دور سے ہی نظریں بولیں جنہیں خادم کی نگاہوں نے پڑھ لیا جو کہ یہ تھیں۔

"اگر تم نے انہیں نہیں بلایا تو اینٹرنس پاس ان کے پاس کیسے آ گیا۔"

چندھیائی نظروں نے نظروں سے کہا۔

"مجھے نہیں پتا سائیں، میں کچھ نہیں جانتا۔ ہو سکتا ہے گارڈ کے جاننے والے ہوں۔" خادم حسین کی آنکھوں نے منمناتے ہوئے کہا۔

"مجھ سے بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے خادم حسین! کیا گارڈ کی اتنی اوقات ہے جو وہ اس طرح کے لوگوں سے دوستیاں رکھے اور کیا وہ اتنی حیثیت رکھتا ہے کہ میری طرف سے دی گئی پارٹی میں اپنے لوگوں کو بلائے۔ سوچ سمجھ کر جواب دیا کرو۔" ان کی آنکھیں غرائی تھیں۔ خادم حسین کپکپاتے ہوئے ان آنے والے مہمانوں کی طرف بڑھا جو سب کی نظروں کے مرکز بنے ہوئے تھے۔ خلیفہ اپنی کار سے نکلا اور چادر جھٹک کر اپنی شیرینہ چال چلتا اس کے عین سر کے پاس آ کر رکا۔ بیچارہ خواجہ ریاض قد کا بھی چھوٹا نکلا۔ وہ خلیفہ کی ناک کے پاس آتا تھا۔

"کیسے ہو خواجہ، دیکھو تمہاری جیت کے جشن میں کیا تحفہ تمہارے لئے لایا ہوں۔" اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔لڑکیوں نے کوٹ کے بٹن کھول کر انہیں اپنے قدموں میں گرا دیا۔میڈیا کے لوگ یہ واہیات منظر دیکھ کر اپنے کیمرے ان کی طرف کر چکے تھے۔معزز لوگ اپنے نگاہیں موڑ کر انگشت بدنداں تھے۔خواجہ ریاض کا چہرا شرم سے سرخ ہوا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔کون ہو تم لوگ اور یہاں کیا کر رہے ہو۔" وہ غصے سے دھاڑتے ہوئے کانپ اٹھے تھے۔خلیفہ کے لب مبہم سے مسکائے۔

"خوب کہی خواجہ جی کہ ہم کون ہیں، مت بھولو ہم وہی ہیں جس کی بدولت تم اس سیٹ تک پہنچے۔بھول گئے اتنی جلدی سمندر خان کو۔" وہ اس نام پر غصے کے مارے تھر تھر کانپنے لگے۔

"تم......تم خلیفہ ہو؟" وہ اپنا بھیس بدل کر آیا تھا کہ اس طرح کے کام کرنے کیلئے وہ اکثر خود کو ٹرانسفارم کر لیا کرتا تھا۔اس کے پوچھنے پر خلیفہ نے لب دانتوں تلے دبائے۔

"کیا خواجہ چند عرصے باہر کیا گزار آئے ہماری شکل ہی بھول گئے۔اور میری لک اتنی تو چینج نہیں ہوئی جو تم پہچان نہ پاؤ۔سنا ہے سمندر خان کے خلاف آواز اٹھانی شروع کر دی ہے تم نے۔" وہ اصل بات پر آیا تھا۔میڈیا کے لوگ ٹھکا ٹھک ان نیم برہنہ لڑکیوں کی تصاویر لائیو کوریج کے ذریعے ٹی وی پر دھندلی کرتے ہوئے دکھانے لگے تھے۔معاشرے کے شرفاء نے تو خواجہ ریاض پر لعنت بھیج کر ٹی وی کو آف کر دیا تھا تا کہ ان کی نظریں آلودہ نہ ہو جائیں۔

"خلیفہ! میں کل ہی سیٹ پر بیٹھا ہوں، تم اس طرح کی حرکت کر کے میرا کردار مشکوک نہیں بنا سکتے۔لے جاؤ ان گناہوں کی پوٹلیوں کو یہاں سے۔" وہ آتش فشاں سے پھٹتے اسے کہنے کے بعد گارڈ کو آوازیں لگانے لگے تھے۔خلیفہ کا فلک شگاف قہقہہ ان کے اعصاب پر لاوا بن کر برسنے لگا۔

"نکالنے کی غلطی تو کر، تجھے اس سیٹ سے اکھاڑ کر نہ پھینک دیا تو میرا نام خلیفہ تبریز نہیں۔" اس کے انداز میں جانے کونسا اثر تھا کہ خواجہ وہیں پھس کر کے رہ گیا۔نتھنے پھلاتے ہوئے وہ زمین پر ادھر ادھر دیکھتا کچھ تلاشنے والا لگ رہا تھا۔

"چل شاباش، ہماری بندرگاہ کا راستہ کھولنے کا آرڈر دے اور جہاز کو وہاں سے گزرنے دے۔قسم خدا کی جیسے ہی جہاز وہاں سے گذرا یہ لڑکیاں معذرت کرتی یہاں سے نکلیں گی۔چل جلدی عزت بچانے کے تیرے پاس صرف دو سیکنڈ ہیں۔"

اس کے کہتے ہی خواجہ نے پھرتی سے اپنے سیکرٹری سے سیل فون لے کر اس پر چند جملے کہے، خواجہ ریاض نے اپنے بہت قریبی دوست کی بدولت ان لوگوں کا راستہ بند کروایا تھا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کس سانپ کی بل میں ہاتھ ڈال چکا ہے تبھی ہاتھ ملتا فون پر گڑگڑا رہا تھا۔ابھی اس کی کال بند بھی نہیں ہوئی تھی جب خلیفہ کا سیل تھرتھرا اٹھا۔خبر سن کے اس کے لبوں پر کمینی سی مسکان آئی تھی۔اپنے آدمی کو اشارہ کر کے وہ اپنی کار کی جانب بڑھ رہا تھا۔جاتے ہوئے اسے نیوز رپورٹر کی آواز سنائی دی جو کہہ رہا تھا۔

"خواجہ ریاض کے نورانی چہرے کے پیچھے چھپا گھناؤنا چہرہ دنیا کے سامنے آ گیا۔اپنی جیت کی خوشی میں انہوں نے نازیبا کپڑوں میں ملبوس لڑکیوں کو اس جشن میں شامل کر کے اپنے نام کے آگے کالک لگالی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا اسمبلی اس صورت میں خواجہ ریاض کو برداشت کرے گی یا پھر انہیں اس سیٹ سے دستبردار کر دیا جائے گا یہ سب جاننے کیلئے دیکھتے رہیں۔"

اور بس وہ یہیں تک سن پایا کہ وہ نیوز رپورٹر ان کا کارندہ تھا جو ان کے کہے کے مطابق چل رہا تھا۔اپنی کار کو آگے بھگاتے ہوئے وہ آسودہ تھا۔

☆......☆......☆

"مجھے نوفل کہتے ہیں۔ایک مصور ہونے کے ساتھ ساتھ میں ایک شیف بھی ہوں۔اندلس میں چار سال میں نے پزا بنانے میں بتائے ہیں۔میرے ہاتھ کا پزا اچھے سے اچھوں کو پسند آیا ہے لیکن کسی کے منہ سے مجھے آج تک اپنی تعریف اچھی نہیں لگی جتنی مس معروش کی لگی ہے۔اس لئے میں اسپیشلی یہ پزا ان کیلئے بنا کر لایا ہوں۔کیا میں ان سے مل سکتا ہوں۔"

جدید طرز کے لکڑی اور شیشے کے دروازے کی چوکھٹ میں کھڑی گرے بالوں والی سٹائلش سی بزرگ عورت نے اپنا گولڈن چین میں لٹکا چشمہ آنکھوں پر ٹکایا اور پیلے رین کوٹ میں ہاتھ میں جائنٹ پزے کا باکس تھامے

کھڑے لڑکے کو دیکھا جس کے پیچھے بوند بوند بارش زمین پر گر رہی تھی۔اس لڑکے کی سپورٹس بائیک معروش کی گاڑی کے ساتھ پارک تھی۔اس نیلے رنگ کی ہیوی بائیک سے نگاہ ہٹا کر نانو نے مڑ کر اندر کی طرف جھانکا۔

"تمہارا شکریہ نوفل!یقیناً یہ پزا مزیدار ہوگا۔" وہ اس کے ہاتھ سے اس پزے کا باکس پکڑنے لگی تھیں لیکن نوفل نے اسے اوپر کی جانب اٹھا دیا۔

"پیاری گرینڈ مدر، بھلے اس پزے کا وزن زیادہ نہیں لیکن مجھے بالکل اچھا نہیں لگے گا اگر آپ اپنے نازک ہاتھوں کو زحمت دیکر اسے اٹھائیں گی۔میری ماں کہتی ہیں بڑوں سے کام کروانا اچھی بات نہیں۔" آخری جملہ آگے کو جھک کر نانو کے کان میں کہا گیا۔وہ اس شرارتی بچے کی حرکت پر مسکرا دیں۔

"سیدھے طریقے سے کہو تم اندر آنا چاہتے ہو۔" وہ سائیڈ پر ہوئی تھیں۔نوفل آگے بڑھا اور ستائشی نگاہوں سے اس چھوٹے سے گھر کو دیکھنے لگا جو ثقافتی طرز کا بنا ہوا تھا۔نوفل نے لکڑی کی میز پر پزے کو رکھا اور اپنا رین کوٹ اتارتے ہوئے اس گھر پر طائرانہ نگاہ دوڑانے لگا۔لکڑی سے بنا یہ گھر دل کو چھو رہا تھا۔ہلکے بھورے رنگ سے سجے لاؤنج کی ہر شے میں بھورا رنگ چھلکتا تھا۔صوفہ سیٹ اور وازبھی بھورے تھے۔دیواروں پر لگی قدیم زمانے کی پینٹنگز اور گاؤں کی طرز کے تنکوں کے بنے پنکھے اس کے دل میں چٹکلا رہے تھے۔ماربل کی سیڑھیوں پر لکڑی کے سٹیپس جڑے تھے اور سیڑھیوں کے عین نیچے کچن کا دروازہ دکھتا تھا۔لاؤنج میں قدِ آدم کھڑکی تھی جہاں سے چھوٹا سا بیک یارڈ نظر آ رہا تھا۔جہاں ڈھیر سارے گملے رکھ کر اسے منی گارڈن کی شکل دی گئی تھی۔

بالوں کو جھٹکتے ہوئے وہ مغلوب سا صوفے پر بیٹھ گیا۔نانو اس کے عین سامنے براجمان تھیں۔

"آپ کا گھر پیارا ہے۔یہ ایک امن ہاؤس کا منظر پیش کر رہا ہے جس میں سکون ہی سکون ہو۔"

نانو اس کی بات پر چونکیں۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ اس میں سکون ہی ہے۔" وہ گردن کو اکڑا کر اپنے گھر کی خوشیوں پر رشک کر رہی تھیں۔نوفل کے لبوں کا کنارہ پھیلا۔

"ایسا ہی ہے۔" اس کی نگاہیں کسی کو تلاش رہی تھیں۔نانو نے اس کی تلاش کو تھام لیا۔

"جس کے تم منتظر ہو وہ اوپر استراحت فرما رہی ہے۔کہو تو اٹھا دوں۔" نانو کا تکا نشانے پر لگا۔(ہمیشہ کی

طرح) اور نوفل کو کھسیاہٹ میں مبتلا کر گیا۔

"نہیں، ایسی بات نہیں ہے میں تو بس ایک کپ چائے کا منتظر ہوں۔ ماننا پڑے گا پاکستان میں جنوری کی بارشیں اندلس کی بارشوں جیسی ہیں۔ اس نے واقعی میرے وجود کو کپکپا دیا ہے۔" وہ اپنے گالوں میں ہوا بھرتا دونوں بازوؤں کو رگڑ رہا تھا حالانکہ سینٹرل ہیٹنگ تھی پھر بھی اسے سردی محسوس ہو رہی تھی۔ نانو نے جگہ چھوڑی اور کچن کا رخ کیا۔ حقیقتاً انہیں بھی اپنی غیر اخلاقی حرکت پر برا محسوس ہوا تھا۔ ان کے جاتے ہی نوفل اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور صوفے کے ساتھ رکھے اسٹینڈ پر سے فریم اٹھا کر دیکھنے لگا۔ جس میں معروش نانو کو جپھی ڈالتی ہنستی تھی۔ وہ اس کی ہنسی دیکھ خود بھی ہنس گیا۔ ابھی وہ مزید ہنستا کہ اپنی گردن پر کچھ چبھتے ہوئے محسوس کر کے دم سادھ گیا۔

"کون ہو تم اور یہاں کیا کر رہے ہو۔ کیا چھپایا ہے اپنے ہاتھوں میں تم نے؟"

معروش کی آواز پر اس کی سانس میں سانس آئی اور وہ ہاتھ اوپر کر کے مڑا۔ نوفل کو یہاں دیکھ کر وہ ٹھٹکی تھی۔

"تم! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" پستول کو نیچے کر کے وہ ماتھے پر بل ڈال کر پوچھ رہی تھی۔ اصل میں اسے نوفل کا یہاں آنا بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔

"میں یہاں آپ کیلئے پزا لے کر آیا تھا۔ امید ہے آپ کو پسند آئے گا۔" وہ پزا باکس کی جانب اشارہ کر کے کہہ رہا تھا۔ معروش نے گردن موڑ کر اس باکس کو دیکھا اور واپس نوفل کی سمت مڑ گئی۔

"صحیح، تو کیا تمہیں پے منٹ کر دی گئی ہے؟" وہ سینٹرل ٹیبل پر پستول کو رکھ کر صوفے پر بیٹھی۔ کھلے ٹراؤزر پر لمبی قمیض کے ساتھ اس کے سر پر سلک کا سبز سٹولر تھا۔ معروش کے اس سوال پر نوفل کا نیک سا دل دکھا۔ اسے برا لگا تبھی برا مناتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ تحفہ ہے اور تحفے کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ میں نے چار گھنٹے ڈیوٹی سے آف لے کر خاص طور پر آپ کیلئے یہ بنایا ہے اور آپ پیسوں کی بات کر رہی ہیں۔ کیا یہ ظلم نہیں۔" وہ اس کے سامنے بیٹھ چکا تھا۔ اسی دوران نانو کچن سے ٹرے تھامتی باہر آئیں۔ نوفل ان کے آنے پر کھڑا ہوا اور ان کے ہاتھ سے ٹرے لے کر میز پر رکھ دی۔

"سنو معروش! ابھی یہی انسان مجھے پزے کا باکس اندر لانے نہیں دے رہا تھا کیونکہ اس کی ماں کہتی ہیں کہ

بڑوں سے کام نہیں کروانا چاہئے۔" نانو کے بتانے پر اس نے اپنی گردن کی پچھلی سائیڈ کھجائی۔ شرمندگی سے اس نے لبوں کو دانتوں میں جکڑا تھا۔

نانو کو بٹھا کر وہ خود چائے بنانے لگی تھی۔ نوفل کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔" کہ بتاؤ تم کتنے چمچ چینی لیتے ہو۔" وہ نفی میں سر ہلا گیا۔

"ڈاکٹرز کہتے ہیں میرا شوگر لیول برابر ہو چکا ہے اس لیے مجھے چینی نہیں لینی چاہئے۔ یوں بھی سفید نمک، سفید آٹا اور سفید چینی تینوں ہی صحت کیلئے نقصان دہ ہیں۔ اس لئے میں ان تینوں کا استعمال نہیں کرتا۔" بولنے کے عادی نوفل کی زبان جب چلی تو اپنی بات ختم کر کے ہی رکی۔ نانو نے اسے سراہا۔

"بہت اچھا کرتے ہو، جان ہے تو جہان ہے۔"

معروش نے بھنویں اچکا کر نانو کو دیکھا۔ ان بھنوؤں کا پیغام تھا۔

" لک ہو از سینگ، جو سب سے زیادہ بد پرہیزی کرتی ہیں۔"

نانو نے اس کی سوچ کو ہاتھ سے جھٹک کر پرے کیا اور اس پیارے سے لڑکے کو دیکھنے لگیں جس کی باتیں بھی اس کی طرح ہی پیاری تھیں۔

"بالکل ٹھیک کہتی ہیں آپ گرینڈ مدر۔" اور پھر وہ ان کے ساتھ شروع ہو چکا تھا۔ اگلے پندرہ منٹ میں وہ نانو کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ایسے باتیں کر رہا تھا جیسے وہ معروش کی نہیں بلکہ اس کی نانو ہوں۔ نمبروں کا تبادلہ کرنے اور دوبارہ آنے کا وعدہ لینے کے بعد نانو نے اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا اچار کا ڈبہ تھمایا تھا جو ان کی سپیشل ریسپی تھی اور وہ ان لوگوں کو ہی ملتا تھا جو ان کی سپیشل لسٹ میں شامل ہو جاتے تھے۔ چھوٹے سے پولکا ڈوٹس والے پلاسٹک بیگ میں اچار کا ڈبہ تھامے وہ ایک بار پھر سے دروازے پر تھا اندر آنے کیلئے نہیں بلکہ باہر جانے کیلئے۔

"چلتا ہوں۔" رین کوٹ کا ہڈ سر پر ڈالنے کے بعد وہ معروش کو دیکھتا کہہ رہا تھا جو اس کا بنایا پزا کھاتی نانو کے پیچھے سے نظر آ رہی تھی۔

"اللہ تمہارا محافظ ہو۔ خیر سے جانا بیٹا اور دوبارہ ضرور آنا۔" اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ کہہ رہی تھیں۔ نوفل نے آخری مایوس نگاہ انجان بنی بیٹھی بدتمیز لڑکی کو دیکھا پھر اپنے دل کو پچکارتے ہوئے کہا۔

"ضرور۔" جہاں وہ نانو کے دل میں اترنے کا جشن منا رہا تھا وہیں اسے معروش عرف عام بدتمیز لڑکی کی بیرخی پر غصہ آیا۔کم ازکم ایک گڈ بائے تو کہہ سکتی تھی۔اپنا غصہ ہیوی بائیک پر نکال کر اس نے لمبی ریس دی اور ایک آخری نظر نانو پر ڈال کر بائیک کو آگے بڑھا گیا۔نانو کے ہلتے ہاتھ وہ بیک مرر سے دیکھ سکتا تھا۔

☆......☆......☆

"نام کیا ہے تمہارا۔" وہ لڑکا اس کا منہ دبوچتے پوچھ رہا تھا۔آس پاس ڈھیر ساری لڑکیاں خستہ حال میں بیٹھی نگاہیں اوپر کیے اس لڑکی کی قسمت پر افسوس کر رہی تھیں۔جینز شرٹ میں ملبوس اس لڑکی نے نہ میں سر ہلایا۔

"یہ سوال مجھے تم سے پوچھنا چاہیے کون ہو تم اور مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟" وہ شاید ڈرتی نہیں تھی تبھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بے خوفی سے بولی۔لڑکے نے اس کی جرأت پر ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر رسید کیا۔خون کی باریک سی لکیر اس لڑکی کے چہرے پر دیکھی جا سکتی تھی۔نوراں نے سختی سے رخسانہ کا ہاتھ تھاما تھا۔وہ اس کا ہاتھ تھپک کر جیسے خود کو بھی تسلی دے رہی تھی۔

"یو۔۔۔تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی۔" حلق کے بل چیختی شیون کے نزدیک وہ باقی لڑکیوں کو ہمت کرنے کی شہ دے رہی تھی۔اس سے برداشت نہیں ہوا۔بال پکڑ کر اس کا منہ اس نے دیوار پر لگا کر رگڑا۔

"ہاتھ۔۔تمہارے ساتھ تو اب دیکھو کیا ہوتا ہے۔تم نے مجھے چیلنج کیا۔میں بتاتا ہوں تمہیں ہاتھ کیسے لگایا جاتا ہے۔" وہ درندہ بنا اس کے کان میں دبی آواز سے غرا رہا تھا۔اس کے بولنے کا انداز اور آنکھوں کا جنون ایسا تھا کہ باقی لڑکیاں بھی خود میں سما گئیں۔

وہ اس کے چھلے ہوئے گال کے ساتھ اسے گھسیٹتا ہوا ایک کمرے میں لے کر گیا۔تھوڑی دیر بعد اس لڑکی کے چیخنے کی آوازیں باہر تک آ رہی تھیں۔گڑیا نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

"بیٹا! لڑکوں سے دوستی اچھی نہیں ہوتی خاص کر ان لڑکیوں کے لیے جن کی زندگی کا کچھ مقصد ہوتا ہے۔تم نے تو ڈاکٹر بننا ہے۔لوگوں کی خدمت کرنی ہے۔اس لیے اپنے دماغ سے اس لڑکا لڑکی دوستی کو نکال دو اور اپنی پڑھائی پر فوکس کرو۔"

"آج کے والدین بھی پتا نہیں کیسے آ رہے ہیں بیجا بچوں پر قدغنیں لگا دیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں ان کی اولاد بگڑ گئی۔ بھئی ان کے ہاتھ آپ اعتماد اور یقین کا دامن تھماؤ گے تو وہ آگے زندگی میں مضبوط ہو گی۔ اب یہ کیا بات ہوئی کہ لڑکوں سے دوستی نہ کرو۔ فیس بک پر باتیں نہ کرو۔ ہم بچے تھوڑی ہیں۔"

اس کی ایک دوست کی باتیں آس پاس بکھر کر اسے اور پچھتاوؤں کے کنویں میں دھکیل رہی تھیں۔ وہ اور خود میں سمٹ گئی۔

"ایک تصویر تو مانگی ہے میں نے جان، کونسا ویڈیو کال کی درخواست کی ہے۔ اب میں جس سے بات کر رہا ہوں جس کی محبت میں بری طرح گرفتار ہو گیا ہوں اسے دیکھنا تو بنتا ہے نا اور کتنے افسوس کی بات ہے تم نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا کہ میں تمہاری تصویروں کو لیک کروں گا۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور جو محبت کرتے ہیں نا وہ عزت کرنا بخوبی جانتے ہیں۔"

چیخیں اب بھی پورے ہال میں گونجتی کانوں کے زخم ادھیڑ رہی تھیں۔ شیون نے جان بوجھ کر کمرے کا دروازہ کھلا چھوڑا ہوا تھا۔ جو دیکھ سکتی تھیں وہ یک ٹک بت بنی اس ظلم کو دیکھ رہی تھیں۔ مگر لب بستہ تھیں کہ وہ خود بے بس تھیں کچھ بھی کرنے سے قاصر۔

"اسے پکڑو جیمز، آج سے ایک ہفتے کیلئے یہ تمہاری ہوئی۔ اسے بتاؤ کہ شریف لڑکیوں کا اپنی تصویریں یوں کسی غیر مردوں کو دینا ان سے ملنے جانا کس قدر ظلم آمیز ہوتا ہے۔" شیطانی ہنسی، بے رحم نظریں، چیختا وجود، وحشت کی انتہا اس نے سختی سے اپنے کانوں کو ڈھک لیا تھا۔ رخسانہ اس کی کیفیت سے آگاہ تھی۔ اسے اپنی بانہوں میں لیا۔

"شش۔۔ جھٹک دو ان تلخ یادوں کو چھوٹی لڑکی۔۔ نکل آؤ ان کے حصار سے۔۔ بس یہ امید رکھو کہ ایک دن ہم آزاد ضرور ہونگے۔"

اس نے اپنا آنسوؤں سے تر چہرہ اوپر اٹھایا۔ اس کی آنکھیں درد کی شدت کی وجہ سے سرخ تھیں اور وجود کانپتا ہوا۔

"کچھ ٹھیک نہیں ہوگا۔ ہم یہاں سے نہیں نکل پائیں گے۔ یہ ہماری برزخ ہے جسے ہم نے خود کمایا ہے۔ ہم

یہاں سے نہیں نکلیں گے کوئی حساب کا دن نہیں آئے گا۔ ہم یہاں اٹک گئے ہیں۔ مان جاؤ ہم مر چکے ہیں۔ اس موت کے آگے کچھ نہیں کچھ بھی نہیں۔" ساتھ بیٹھی نوراں ان کے گفتگو سنتے ہوئے کھوئے کھوئے لہجے میں بولی تھی۔ اسے قلق تھا اس بات کا کہ کیوں اس نے اپنی اتنی اچھی زندگی چھوڑ اس جہنم کا انتخاب کیا۔

"ایسا نہیں ہے۔ ناامیدی مت کرو۔ خدا پر توکل رکھو، مت بھولو کہ ہمارا رب بھی وہی ہے جس نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلنے سے بچایا تھا۔ وہ بھلے پیغمبر تھے مگر تھے تو انسان ہی نا۔ اللہ کی انسان سے محبت تاریخ کے پنوں میں درج ہے۔ وہ ہمیں بھی ضرور اس عذاب سے بچائے گا۔"

کوئی کہہ سکتا تھا کہ اپنے شوہر کو دھوکا دینے والی۔ غیر مرد کے سینے پر سر رکھ کر سونے والی آج اس طرح کی باتیں کرے گی۔ اس کی آواز کی لرزش پر گڑیا کا دل بیٹھا تھا۔ آنسو رگڑتی وہ ان لوگوں کی سماعت پر بم پھوڑ چکی تھی۔

"موت کے بعد کی موت بہت تکلیف دہ ہے اور مجھے لگتا ہے اس سے زیادہ تکلیف کو مجھے اپنے گلے لگانا چاہئے۔"

رخسانہ نے اسے کہنی سے موڑ کر دل خراش چیخوں کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

"تمہارا اس سے کیا مطلب ہے، کیا کرو گی تم؟" اس سے پہلے گڑیا کوئی جواب دیتی ہال کا دروازہ کھلا اور مردوں کے ہجوم کے ساتھ بھورے رنگ سوٹ میں گیلے بالوں کے ساتھ وہ انسان اندر آیا تھا جس سے سب کی روح کانپتی تھی۔

خلیفہ نے ایک نگاہ ان سب لڑکیوں پر ڈالی اور اس کمرے کی طرف بڑھا جہاں شیون ظلم کے سارے ریکارڈ توڑتا ہوا بھیڑیا بنا ہوا تھا۔ خلیفہ اندر کمرے میں آیا اور گردن سے پکڑ کر اسے لڑکی سے دور کیا۔

"میں نے تمہیں کہا تھا نا حدیں پار مت کرنا۔ کیا جان سے مار دینے کا ارادہ ہے اسے۔" مردہ ہوتی لڑکی پر ایک نگاہ ڈال کر وہ شیون کو دس سیکنڈ میں باہر آنے کا کہہ رہا تھا۔ خلیفہ کے ہال میں قدم رکھتے ہی جلدی سے اسے کرسی پیش کی گئی۔ ٹانگ پر ٹانگ رکھے وہ شیون کو باہر آتا دیکھ رہا تھا۔

"جو بھی مسئلہ ہو میں نے کہا تھا اسے جیمز کے حوالے کرنا۔" سرد آواز میں وہ اسے دیکھتا باور کروا رہا تھا۔ پس منظر میں دل حلق میں لئے بیٹھی لڑکیاں تھیں جن میں سے چار ان چار مردوں کے ساتھ جانے والی تھیں جو کہ خلیفہ

کے پیچھے کھڑے غلیظ نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔
"یہ لڑکی حد سے تجاویز کر رہی تھی۔ان سب کو ہمت دے رہی تھی کہ وہ ہمارے خلاف آواز اٹھا سکیں۔"
شیون کو سب کے سامنے اس طرح کی بازپرس بری طرح کھلی نظریں نیچے کیے وہ برداشت کرتا کہہ رہا تھا۔
"شیون! لگتا ہے تمہارے اس چھوٹے سے دماغ میں میری بات نہیں بیٹھی۔میں نے کہا ہر مسئلے کا حل جیمز سے لینا پھر بغیر پوچھے تم نے اس لڑکی کو ہاتھ بھی کیسے لگایا۔" آنکھوں میں آگ لئے وہ سامنے کھڑے لڑکے کو آگ لگا رہا تھا۔شیون نے نظریں اٹھائیں۔اٹھاتے ساتھ ہی خلیفہ کا وار اس کی ایک آنکھ کو ضائع کر گیا۔اس کی چیخیں بالکل اسی طرح پورے ہال میں گونجنے لگیں جیسے ابھی کچھ دیر پہلے اس لڑکی کی گونج رہی تھیں۔
"تمہارے اندر اتنا حوصلہ آگیا کہ خلیفہ کو آنکھ اٹھا کر دیکھو، ایسی آنکھ جس میں آگ جلتی دکھ رہی تھی۔ بہت شوق ہے نا سرخ رنگ کا تمہیں اب جی بھر کر اس سے مستفید ہو۔" اسے بالوں سے پکڑ کر آنکھ سے نکلتے خون کی جانب اشارہ کر کے وہ کہہ رہا تھا۔گڑیا ہچکیوں سے رونے لگی۔خلیفہ نے شیون کو ایک جانب پھینکا اور ان تمام لڑکیوں پر نظر ڈالی۔اس کی نگاہ رخسانہ پر آکر رکی تھی۔آنکھ کا اشارہ کرنے پر ان لڑکوں نے اسے کہنی سے تھاما۔ کچھ لڑکیاں اس کے اٹھنے پر رو پڑی تھیں۔
"پچھلی بار جو ویڈیو تم نے بنائی وہ خاصی غلاظت والی تھی۔لوگوں کا ہاٹ چاہیے لیکن اس کے ساتھ سویٹ بھی، سو اس بار جو بھی بناؤ وہ حقیقی لگنا چاہیے۔ایکٹرز کو کپل کی طرح شوٹ کرنا۔"
وہ حکم صادر کرتا پلٹ رہا تھا جب گڑیا اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کی ٹانگوں سے چمٹ گئی۔
"پلیز ایسا ظلم نہ کریں، ہمیں جانے دیں۔آپ کو اللہ کا واسطہ۔" وہ روتے ہوئے اس کے پاؤں سے چمٹی ہوئی تھی۔رخسانہ کو وہ لوگ کب کے لے جا چکے تھے۔باقی سب اس کی آہ کو خوف کھاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ خلیفہ نے اسے بالوں سے پکڑ کر کھڑا کیا۔اچھے سے اسے نظروں میں رکھا اور پھر لبوں پر مسکان لے آیا۔
"کیا تم کسی اللہ کو جانتی ہو؟"
گڑیا اس کے سوال پر دنگ رہ گئی۔خشک لبوں کو تر کیا۔
"تم نے میرا وقت برباد کیا۔مت بھولو ظالم لوگ خود کے ہی خدا ہوتے ہیں اور میں اس وقت تم لوگوں کا خدا

ہوں۔واسطہ دینا ہے تو مجھے میرا دو یقین کرو اسی وقت بخش دونگا۔"

گڑیا کی آنکھیں سیلاب کا منظر پیش کرنے لگیں۔خلیفہ نے اسے جھٹکے سے زمین پر پھینکا تھا۔لازمی اس کا سر پھٹ گیا ہوگا اور اس میں سے خون بھی نکلا ہوگا۔لیکن خلیفہ نے نہیں دیکھا۔دھن کو چھیڑتے ہوئے وہ باہر جارہا تھا۔سب کچھ اپنی چھین کے کیمرے میں قید کرتے ہوئے ڈیوڈ نے ایک ترحم بھری نگاہ اس چھوٹی لڑکی پر ڈالی اور خلیفہ کو فالو کرنے لگا۔

☆......☆......☆

"مجھے افسوس ہے کہ ہمارے ملک میں ہیومن ٹریفکنگ کے کیس دن بہ دن بڑھتے جارہے ہیں۔اس میں چاہے لڑکیاں ہوں یا بچے۔ان دونوں کیٹیگری کو اغوا کر کے ان کی سمگلنگ کر کے جو اُن سے غلیظ کام لئے جارہے ہیں ان کو سوچ کر ہی روح کانپ اٹھتی ہے۔جانے کتنی ہی بچیاں کتنے ہی لوگوں کے ہوس کا شکار ہو کر زندگی کی بازی ہار چکی ہیں۔آئے روز جو ہم ٹیلی وژن پر خبریں سنتے ہیں کہ فلاں لڑکی زیادتی کا شکار ہو کر فلاں جگہ مردہ پائی گئی۔کیا کبھی ہم نے اس کی بیک سٹوری جاننے کی کوشش کی ہے۔نہیں!ہم صرف خبریں سنتے ہیں،اس پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں اور چینل بدل کر کچھ دیر دل برا کرنے کے بعد اپنا من پسند شو لگا لیتے ہیں۔کیا آپ کو لگتا ہے۔آپ جیسے سینس ایبل،سوفیسٹی کیٹڈ لوگوں کو اس طرح کی حرکت سوٹ کرتی ہے۔پلیز اسٹیٹس لگا کر اظہار افسوس کرنے کی بجائے کچھ کر کے دکھائیں اور اس ظلم کو روکنے میں ہماری مدد کریں۔"

معروش مٹھیاں بھینچے ضبط کی آخری سیڑھی پر کھڑی اس کی جھوٹی باتیں سن رہی تھی۔لوگ کتنے منافق ہوتے ہیں۔جھوٹے بے شرم ہوتے ہیں کہ اندر کچھ اور باہر کچھ ظاہر کرتے ہیں۔وہ بھی خلیفہ کی باتوں کو تحمل سے برداشت کرتی نیوز چینل لگائے ہوئے تھی کہ آج تو ہر جگہ ہی اس کی نیوز تھی۔ملک کا امیر کبیر بندہ جو تھا۔بیچاری معصوم،بے گھر لڑکیوں کو شیلٹر دینے کا کام کرتا تھا۔بہت بڑی این جی او اور سکول بھی تو اس کے نام پر چل رہے تھے۔وہ ٹانگیں ہلاتی اس کی بکواس سن رہی تھی جو کہ یہ تھی۔

"اپنی بچیوں کی خود حفاظت کریں،گھر کا ماحول ایسا بنائیں کہ انہیں باہر کسی غیر میں محبت تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑے،معاشرے کو صاف کریں،دل کو صاف کریں۔جب تک آپ رحم دل نہیں ہونگے کوئی

آپ کے ساتھ یا آپ کے گھر والوں کے ساتھ رحم دلی کا مظاہرہ نہیں کرے گا۔آپ لوگ اپنی نظر صاف رکھیں اور ہر ایک بچی کو اپنی بیٹی یا بہن مانیں تو کیوں ہمیں اس طرح کی بھیانک خبریں سننے کو ملیں۔اگر میں یہ کہوں گا کہ مجھے موٹروے پر ہونے والے واقعہ کا بہت افسوس ہے تو میرا افسوس بہت ہی کھوکھلا لگے گا کیونکہ افسوس ہونے سے کچھ نہیں ہوتا، کچھ بھی نہیں نہ ہی آپ کی عزت واپس آتی ہے اور نہ ہی جو نقصان ہوا اس کی تلافی ہوتی ہے۔ اگر کچھ کرنا ہے تو قدم اٹھائیں۔ہیش ٹیگ کر اس ریپ کے نام سے مہم چلائیں۔عورتوں کو اپنی حفاظت کرنے کی آگاہی کیلئے سیمینار منعقد کروائیں جب تک حکومت کچھ نہیں کرے گی تو کیا کچھ نہیں ہوگا؟ حکومت تو ایسے ہی چپ بیٹھی رہے گی جیسے وہ کافی عرصے سے بیٹھی ہے۔آپ کو خود اپنی حکومت بننا ہوگا۔خود کوئی قدم اٹھانا ہوگا۔ مجھے افسوس ہے کہ اس معاملے پر اب تک کوئی خاطر خواہ عمل نظر نہیں آیا حالانکہ میں اس حکومت کا سب سے بڑا حمایتی تھا اور مجھے بیحد دکھ کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ میں اس سے بہت مایوس ہوا ہوں۔"

وہ پُر اعتماد انداز میں اپنی پر سکون ٹھہری ہوئی آواز کے ساتھ کہتا ہوا معروش کے دل کو پتنگے لگا رہا تھا۔اسے اپنے حواس خمسہ جاتے ہوئے محسوس ہوئے، اضطراب بڑھا اور اس کی ہلتی ٹانگ میں مزید تیزی آ گئی۔

"مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا جب میڈیا مجھے لائیو کوریج دے کر میری نیکی کو اچھالتی ہے۔اس لئے میں تمام محترم صحافیوں سے گزارش کرونگا کہ میری نیکی کو پوشیدہ ہی رہنے دیں اور آئندہ اس طرح کی کوریج سے گریز کریں۔یہ لاسٹ ٹائم میں عوام سے مخاطب ہوں کہ خدارا رحم کریں۔اپنے اوپر بھی اور اپنے مسلمان بھائیوں پر بھی اور اس ظلم کو ختم کرنے میں ہماری مدد کریں۔آواز اٹھائیں کہ آواز کبھی دبتی نہیں۔شکریہ۔"

روسٹروم کو چھوڑ کر وہ ٹائی کی ناٹ درست کرتا میڈیا کی بھیڑ کو چیرتا ہوا اس جگہ سے نکل رہا تھا۔معروش نے غصے سے ٹی وی بند کیا۔سیل فون اٹھایا اور ڈیوڈ کو کال کرنے لگی۔

"مجھے بتاؤ کیا تم چھٹیاں منانے گئے ہو۔" بہت بڑے بار میں اس وقت میوزک کا شور سماعتوں کو پھاڑے دے رہا تھا۔پول ڈانس کرتی لڑکی ہر ایک کی نگاہ میں تھی۔وہ بلوٹوتھ پر انگلی رکھے میز چھوڑتا ایک گلی نما جگہ میں آیا۔جہاں بہت سے لڑکے لڑکیاں ایک دوسرے میں مصروف تھے۔وہ اس نیلی اور سبز لائٹ سے دوران مدہوشوں کو چھوڑتا ہوا سائیڈ پر ہوا اور کہنے لگا۔

"اگر اسے چھٹیاں کہتے ہیں تو اللہ کسی دشمن کو بھی ایسی چھٹیوں سے بچا کر رکھے۔ خیر دشمن تو شاید اس سے خوش ہوں۔" اس کی آواز جلی ہوئی تھی۔ معروش نے اس کی آواز میں سے آتے دھوئیں کو نظر انداز کیا اور صوفے پر سے کھڑی ہوگئی۔

"انسان کے کتنے روپ ہوتے ہیں، یہ دیکھ کر میں حیران ہوں۔ تم سوچ نہیں سکتے اس وقت میں کس کڑے امتحان سے گزر رہی ہوں۔ کاش کہ میں اسے ختم کر سکتی۔"

ڈیوڈ کے پاس سے ان کی ٹیم کا ایک بندہ گذرا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ سے اپنے ہاتھ کا پنچ ٹکرا کر گیا۔

"ڈونٹ وری، مجھے میرا دل کہتا ہے یہ نیک کام تمہارے ہی ہاتھوں سے ہوگا۔ بس صبر کرو۔" صبر لفظ اس نے سرگوشی میں کہا۔ معروش بھی میوزک کی آتی آواز میں اس لفظ کو بامشکل سن پائی تھی۔

"تم اپنا کام کب کرو گے۔ ایک مہینہ ہونے کو ہے۔ ایک بھی خبر جو تم نے پہنچائی ہو۔" معروش بے چین تھی۔ وہ اس کی بے چینی سمجھ سکتا تھا۔

"میں کوشش......" وہی لڑکا اس کے پاس سے واپس گذرا۔ ڈیوڈ نے اس کی پیٹھ تھپکائی تھی۔ اس کے جاتے ہی بولا۔ "میں کوشش کر رہا ہوں۔ ان فیکٹ میری کوشش رنگ لے آئی۔ میں جو تمہیں بھیجنے والا ہوں وہ تمہارے ہوش اڑا دے گا۔" وہ جان کر محتاط لفظوں میں بول رہا تھا۔ اس کا انداز کسی بھی کول بندے سے کم نہ تھا۔ ہنستے ہوئے ٹھٹھا لگاتے وہ سب سے آرام وہ انسان دکھتا تھا۔ ڈیوڈ نے اپنے ٹیم کے آدمی کو دور اسے مسکراتے دیکھ کر سبز مشروب کو حلق میں انڈیلا۔ کیا وہ بچہ تھا جو سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ لوگ مسلسل اس پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ وہ نیا ہے اور نئے لوگوں پر اتنی جلدی بھروسہ کیسے کیا جا سکتا تھا۔

"میرا لیپ ٹاپ کافی دنوں سے بے چین ہے۔ ضرور آج اس کی بے چینی ختم ہوگی۔" یہ کہہ کر معروش نے کال بند کی۔ ڈیوڈ ہاتھ کو نیچے گراتا اپنے ساتھی جس کا نام غیاث تھا کے پاس آیا اور اس کی بوتل کو منہ سے لگا کر خالی کرنے لگا۔

"تم فون پر بات کرتے اچھے لگتے ہو۔" ڈی جے نے ساؤنڈ بدلا تھا۔ دھاڑ دھاڑ کا شور اور تھری ڈی لائیٹس بارش کی صورت یہاں وہاں بکھرتی انہیں بھی منور کر رہی تھیں۔ بوتل کو منہ سے ہٹا کر قدرے آگے کھسک

کر وہ رازدارانہ انداز میں گویا ہوا۔ اس کی سرگوشی میں انٹرسٹ پیلی لائٹ نے بھی لیا تھا تبھی وہ ان دونوں کے سروں پر آ کر رک گئی اور سننے لگی۔

"جب دوسری جانب بات کرنے والی حسین ہو تو آدمی خود بخود مدہوش ہو کر اچھائیوں کے رنگ اوڑھ لیتا ہے، بٹ کم آن ہمارے اور اچھائی کے درمیان دور دور تک کوئی تعلق نہیں۔"

ایک آنکھ مار کر چہرے پر خباثت چڑھائے وہ غیاث کو بہلانے کی کوشش میں تھا۔

"ارے ایسا کیوں کہا، اچھائی اور ہمارا بڑا گہرا تعلق ہے۔ بلکہ ہم تو ہیں ہی اچھائی کے پیکر، دوسروں کو خوش رکھتے ہیں خود خوش رہتے ہیں۔ اب تم نے خود ہی تو دیکھا تھا اس کو رئین کو۔ کتنی خوشی سے اس لڑکی کو لے جا رہا تھا۔ کیا یہ اچھا کام نہیں۔ آفٹر آل ہم نے اس کی ایک رات حسین کی ہے۔ کتنی دعائیں دیتا ہوگا وہ ہمیں۔"

ڈیوڈ نے دل میں کوئی بڑی ہی گندی گالی سے اسے نوازا تھا۔ چہرے پر ویسا ہی بلا کا تحمل درج تھا۔ اس تحمل کو دیکھ کر یہاں کی رازداں زرد روشنی اس پر سے ہٹی اور واپس رین بوان کے سروں پر سج گئی۔

"ہمارے حصے میں جنت ہے یار۔" وہ ایک بار پھر سے ہنستا ہوا گلاس خالی کر گیا۔ ڈیوڈ نے مسکان کو چہرے سے ہٹنے نہیں دیا ورنہ تو اس کا دل چاہ رہا تھا سامنے بیٹھے بندے کو ابھی کے ابھی گولیوں سے بھون دے۔ خود کو سمجھا کر اس نے واپس بوتل منہ سے لگائی۔ غیر ارادی طور پر سر کو دائیں سائیڈ پر گرایا اور دھک سے رہ گیا۔ ایک انیس بیس کے قریب کی لڑکی روتی ہوئی شیون کے ساتھ گھسٹتی جا رہی تھی۔ اس کی قمیض کا بازو پھٹا ہوا تھا اور بال کھلے ہوئے۔ شیون کے کھینچنے کا انداز اور اس لڑکی کی مزاحمت بتا رہی تھی کہ وہ یہاں نئی ہے۔ بلکہ آج ہی لائی گئی ہے۔ غیاث کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور بارٹینڈر کے پاس جا کر ایک پیگ بنانے کو کہا۔ یہاں سے وہسکی کی بوتلوں کے ریک کی شیشے کی جھری میں سے وہ دائیں جانب گلی کا منظر دیکھ سکتا تھا۔ جو گلی کم کمرہ نما زیادہ تھا۔ اس نے دیکھا شیون اس لڑکی کے منہ پر تھپڑ رسید کر رہا ہے۔ وہ رو رہی ہے، چیخ رہی ہے۔ اس کا رونا چیخنا چونکہ وہ فقط دیکھ سکتا تھا پھر بھی اس کے دل میں بھونچال مچ گیا تھا۔ شیون نے آخری حرکت کی۔ اس کے بالوں کو کاٹ کر زمین پر پھینکنے کے بعد وہ وہاں سے نکل رہا تھا۔ شیون کے نکلتے ہی ڈیوڈ نے غیاث کی جانب مڑ کر دیکھا۔ اسے کوئی لڑکی مل گئی تھی تبھی وہ ڈیوڈ کی طرف سے بے خبر ہو گیا۔ آخری پیگ حلق میں انڈیلنے کے بعد

وہ آرام سے چلتا ہوا اس گلی نما کمرے میں آیا۔ جہاں دروازہ مفقود تھا۔ لڑکی کے پاؤں زنجیر میں جکڑے تھے۔ وہ نشے میں دھت اس اچھے دکھتے لڑکے سے خوف کھاتے ہوئے کانپنے لگ گئی تھی۔ وہ اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا اور اس کے گال پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"ڈرو نہیں، ڈر انسان کو مار دیتا ہے۔"

وہ لڑکی چیخنا چاہتی تھی لیکن منہ پر ٹیپ چپکی تھی۔ ڈیوڈ کے ہاتھ کو جھٹکنا چاہتی تھی لیکن ہاتھوں میں ہتھکڑی تھی۔

"اور مجھے نہیں لگتا تم جیسی اچھی لڑکی اتنی جلدی مرنا چاہے گی۔ کیا تم نے ہار مان لی؟ اگر ہاں تو افسوس کے ساتھ میں تمہیں درندگی کی دنیا میں ویلکم کرتا ہوں اور اگر نہیں تو خوش ہو جاؤ آزادی تمہاری منتظر ہے۔" وہ اس مدہوش لڑکے کی بات پر ٹھٹکی تھی۔ آنکھوں کی سرخی میں بے بس سی الجھن پھیلی اور وہ واویلا کرنا بھول گئی۔

"اُم ہم، شور مچاؤ ہاتھ پیر ہلاؤ۔ مزاحمت کرو نہیں تو جو کیمرے سے ہمیں دیکھ رہا ہے وہ ہم دونوں کی حرکت بند کر دیگا۔" اس لڑکی کے بالوں میں منہ چھپا کر وہ اس کے کان میں سرگوشی کر رہا تھا۔ ڈیوڈ کے کہتے ہی اس نے رونا شروع کیا۔

"گڈ گرل! اب مجھے غور سے سنو!"

وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس کے جاتے ہی اس بار تین آدمی آئے لیکن ان میں وہ نہیں تھا جو اسے لے کر آیا تھا۔ ان تینوں میں سے ایک نے اس کے پاؤں کھولے اور بالوں سے پکڑ کر اسے کھڑا کیا۔ وہ مزاحمت کر رہی تھی مگر اتنی زیادہ نہیں کہ اسے تھپڑ پڑتے۔

"جو تمہیں لینے آئیں گے ان کے ساتھ جاتے ہوئے زیادہ رونا مت ورنہ تمہارا گال ان کے تھپڑ سہار نہیں پائے گا۔"

دھکے کھاتے ہوئے وہ ان کے ساتھ چل رہی تھی۔ دو اس کے دائیں بائیں تھے اور ایک پیچھے۔ جو پیچھے والا تھا وہ اس کی کمر پر پستول کی نال گھسا کر آگے کو دھکے دے رہا تھا۔

"دوسرا وہ تمہیں یہاں سے لیفٹ سائیڈ سے لے کر جائیں گے۔ وہ جگہ بہت تنگ ہے۔"

وہ لوگ لیفٹ سائیڈ پر مڑے تھے۔ بڑے سے حال میں سے گزرنے کے بعد ان کے سامنے ایک تنگ و

ہلکی روشنی والی گلی تھی جو کہ واقعی بہت تنگ تھی۔ اب ایک اس کے آگے چل رہا تھا اور دو پیچھے کہ اس گلی میں سے صرف ایک انسان ہی بیک وقت گزر سکتا ہے۔

"اس گلی کی دیوار پر ایک اینٹیک چاقو لٹک رہا ہوگا۔ گھبراؤ نہیں وہ اب اینٹیک نہیں رہا کیونکہ میں نے اسے اچھے سے پالش کروالیا ہے۔ اس کا وار یقیناً بہت گہرا ہو سکتا ہے۔"

منہ پر سیاہ ٹیپ چپکائے آگے کو بندھے ہاتھوں کے ساتھ وہ سسکیاں بھرتی روتے ہوئے اس بلاک اینٹوں سے بنی گلی کی دیوار کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی گیلی آنکھیں اس چاقو کی منتظر تھیں جو کہ اسے نظر آ گیا۔ ہاں دیکھو وہ رہا اس سے چار قدموں کے فاصلے پر اس کے چھٹنے کا ضامن، اس کی زندگی کی نوید۔ ہلکی روشنی میں ڈوبی اس سیاہ اینٹوں سے بنی گلی کی بلاکس دیوار پر وہ سونے جیسا چمکیلا چاقو آسمان سے اترتی مدد لگتا تھا۔ وہ اتنا گولڈن تھا کہ اس کی روشنی دیوار پر آس پاس بکھر رہی تھی۔ لڑکی کی آنکھوں میں آنسوؤں کی مقدار بڑھی اور دل حلق میں آ کر دھڑکنے لگا۔

"تم نے کسی بھی طرح اس دوران ان سے چھٹنے کے بہانے اس چاقو کو نکال کر ان پر وار کرنے سے پہلے اس پر لگا سرخ بٹن دبانا ہے۔ اس گولڈن چاقو پر تین بٹن ہیں۔ تم ان تینوں میں سے کوئی بھی بٹن پش کر سکتی ہو۔"

اس کا دل تیزی سے حرکت میں آنے لگا۔ وہ بس دو قدموں کے فاصلے پر تھی اسے جو کچھ کرنا تھا ابھی کرنا تھا۔ کیا وہ کر لے؟ ہاں اسے کرنا ہی ہوگا اگر زندگی اور عزت بچانی ہے تو اسے یہ کرنا ہی ہوگا۔ اس نے ہمت کی اور اپنے آگے چلتے آدمی کی ٹانگ پر اپنی ٹانگ ماری اور ہاتھ اونچا کر کے اس چاقو کو دیوار سے اتار لیا جو کہ صرف دو بڑی کیلوں کی مدد سے اس پر لٹکایا گیا تھا۔

"ہے۔۔ یو بچ۔" پیچھے چلتے دونوں آدمیوں نے اس کے بازوؤں کو پکڑ کر اسے تھپڑ مارے۔ اس کے منہ سے خون نکلنے لگا۔ لڑکی نے اپنے پیچھے کھڑے آدمی میں سے ایک پر وار کیا۔ خون کی بوندیں اس کے کاندھے سے نکلنے لگیں۔ اس سے پہلے کہ اس کے آگے چلتا آدمی اٹھتا اور پیچھے والا اس پر اور وار کرتا یا گولی چلاتا وہ گولڈن کیلوں کے سامنے والے بلاک پر آ کر کھڑی ہو گئی۔ کانپتے ہاتھوں سے اس نے عجلت میں چاقو پر لگے موتیوں میں سے ایک کو پش کر دیا۔ یکدم اندھیرا چھا گیا اور اس لڑکی کو لگا وہ آسمان سے زمین پر گر رہی ہو۔ اس کے پاؤں کے

نیچے سے زمین کھسکی تھی۔

"بٹن کے پش ہوتے ہی لائٹ جائے گی اور تمہارے قدموں کے نیچے سے زمین کھل جائے گی۔"

منہ کے بل وہ میزوں کے درمیان زمین پر آ کر گری تھی۔اس کے سر سے خون نکلنے لگا۔

"تم نیچے گرو گی۔چوٹ بھی آئے گی لیکن ان کی قید سے آزاد ہو گی کیونکہ وہ زمین عین بڑا پوائنٹ کے اوپر بنی ہے اور تم نے وہیں لوگوں کے ہجوم میں جا کر گرنا ہے۔لیکن رکو! تمہارے بچنے کے چانسز تب زیادہ ہیں جب تم اس بلاک پر کھڑی ہو گی جس نے کھلنا ہے اور جو چاقو کے بالکل پاس والا ہے۔ایک قدم آگے یا پیچھے تمہیں واپس اس عذاب میں دھکیل سکتا ہے جہاں سے تم نے نکلنے کی کوشش کی۔امید کرتا ہوں تم میرے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤ گی۔"

اس کے آنکھوں میں دھندلا پن چھا گیا تھا۔سر گھومنے لگا۔وہ آہستہ آہستہ اپنے حواس کھونے لگی تھی۔آخری بار جو اس کی آنکھوں نے دیکھا وہ یہ تھا کہ لوگ اس کے ارد گرد جمع ہونے لگے ہیں۔وہ مسکائی تھی۔

"مجھے یقین ہے تم یہ کر لو گی۔"

☆......☆......☆

"بکواس بند کرو اپنی، تم یہ کہہ رہے ہو کہ ایک لڑکی تمہیں چکمہ دیکر وہاں سے نکل گئی۔کیا تم قائم ہو اپنے لفظوں پر۔" وہ آنکھوں میں آگ بھرے شرٹ کے دونوں بازوؤں کو کہنی پر فولڈ کئے چنگھاڑتے ہوئے کہہ رہا تھا۔اس کے سامنے موجود آدمی ہاتھ باندھے نگاہیں نیچے کئے کھڑا تھا۔اس کے چہرے پر خوف کے پسینے تھے جنہیں صاف کرنے کی اس میں تاب نہیں تھی۔

"باس، پتا نہیں کیسے لائٹ گئی اور وہ لڑکی وہاں سے غائب ہو گئی۔"

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے خلیفہ نے پستول لوڈ کر کے اس کے سینے پر وار کر دیا۔ٹھاہ کی آواز سے وہ جھٹکا کھا کر نیچے گرا تھا۔اس کے خون پر پاؤں رکھ کر وہ دوسرے کے سر پر پہنچا۔اس کی سنہری آنکھیں جلتے سورج کا منظر پیش کر رہی تھیں۔وہ آدمی اس کی گرمائش سے گھبرا گیا۔

"مجھے بتاؤ وہ وہاں سے کیسے نکلی؟ کس نے اسکی نکلنے میں مدد کی۔اب یہ مت کہنا کہ وہ زمین کے کھلنے سے

غائب ہوئی ہے کیونکہ وہاں سے بھاگنے کا اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں۔" وہ ہولے ہولے ہلکی آنچ پر پکتی اپنی گرم آواز سے اس آدمی کے چہرے کو جھلسا رہا تھا۔ خلیفہ کے عتاب سے اس کا دل کانپ کانپ جاتا تھا۔

"باس! مجھے لگتا ہے اس نے اسے بھگایا ہے۔" اس آدمی نے ڈیوڈ کی جانب اشارہ کیا جو کمپیوٹر میں لگا مسلسل ایک ہی کلپ کو بار بار ریوائن کر کے دیکھ رہا تھا۔ اپنی طرف ہوتے اشارے اور اس بہتان پر وہ سیدھا کھڑا ہوا۔ ماتھے پر تیوری ڈالی۔

"کیونکہ آخری بار یہ ہی اس لڑکی سے ملا تھا۔"

ڈیوڈ نے تھوک نگلتے ہوئے نفی میں سر ہلایا کیونکہ اب خلیفہ کا رخ اس کی طرف تھا۔

"یہ جھوٹا ہے باس، جھوٹ بولتا ہے۔ میں بھلا کیسے بھگا سکتا ہوں اس لڑکی کو۔ وہ تو ان کے چنگل سے نکلی تھی۔" اس نے جھٹ سے کہا تھا۔ مبادا گولی اسے ٹھنڈی کرتی وہ مسکین سی صورت بناتا کہہ رہا تھا۔

"مجھے شام تک پکی خبر چاہیے نہیں تو میرے ہاتھوں تم سب نے ختم ہو جانا ہے۔" اپنا قہر برساتا وہ اس روم سے باہر آیا۔ چلتے چلتے سگریٹ سلگائی اور گردن کو دائیں بائیں کر کے وہاں سے نکلنے لگا۔ پندرہ منٹ کی مسافت کے بعد اس کی گاڑی سنہری گیٹ کو عبور کر رہی تھی۔ غصہ کو پس پشت ڈال کر سٹیپس چڑھتا ہوا اندر آیا۔ اس دوران اسے سمندر خان کا فون آیا تھا۔

"کام دن بہ دن خراب ہوتا جا رہا ہے اور ہم چوہوں کی طرح اس کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ پہلے ایک لڑکی بھاگی اور اب دوسری۔ تم جانتے ہو یہ بات کس طرف اشارہ دے رہی ہے۔" سفید و سنہری صوفے پر بیٹھتا وہ سمندر خان کے غصے میں ڈوبے الفاظ سن رہا تھا۔ اس کے پیچھے سے ساشا آ کر سامنے بیٹھی اور اسے دیکھنے لگی۔

"میں سمجھ رہا ہوں خان! آپ فکر مت کریں جتنا بھی نقصان ہوا ہے جلد پورا ہو گا اور پہلے والے کی ٹینشن نہ ہی لیں تو بہتر ہے کیونکہ اس میں خلیفہ کی چال شامل ہے۔" اس کی طرف مسکراہٹ اچھالتا وہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے کہہ رہا تھا۔ ساشا اس سے فاصلے پر بیٹھی اپنے ہاتھ میں پہنے بریسلٹ کے ساتھ کھیل رہی تھی جو کہ زرقون کے نگوں سے سجا تھا۔

"مجھے تم پر اعتماد ہے۔ نقصان کی بھرپائی کا شدت سے انتظار رہے گا۔ اچھا سنو کل چار لڑکیوں کو ایمسٹرڈیم

پہنچانا ہے۔ دھیان رکھنا پھر سے کوئی رپھڑ نہ ہو جائے۔" اس نے سیل فون دوسرے ہاتھوں میں پکڑا اور سامنے بیٹھی ساشا کو دیکھ کر بولا۔

"میں دھیان رکھوں گا آپ فکر نہ کریں۔"

سمندر خان نے فون بند کر دیا تھا۔ خلیفہ سیل کو بند کرنے کے بعد اس پر آئے نوٹیفیکیشنز کو اگنور کرتا صوفے پر رکھنے کے بعد ساشا کی جانب متوجہ ہوا جو اسے کچھ کہنے کیلئے بیتاب بیٹھی تھی۔ خلیفہ کے فارغ ہوتے ہی وہ بول بھی اٹھی۔

"باس! جن چار لڑکیوں کی بات کر رہے ہیں ان میں سے ایک ایرانی ہے جسے تین دن پہلے اٹھایا گیا ہے۔ ایرانی حکومت نے اس کیلئے شور مچا دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پاکستان میں ان کی ایک لڑکی اغوا ہوئی ہے جو کہ جان بوجھ کر کی گئی ہے۔ جگہ جگہ ناکہ بندی اور پہرہ داری ہے۔ اس صورت میں ہم ان لڑکیوں کو کس طرح پہنچائیں گے؟"

اس کی آواز میں واضح تشویش گھلی ہوئی تھی۔ خلیفہ کے ماتھے پر جال ابھرا۔

"سمپل، بہت آسانی سے ثابت کروا دو کہ وہ لڑکی غیر قانونی طریقے سے سرحد پار کر کے آئی ہے۔ ویسے رمیز کے بندے دن بہ دن نکھٹو ہوتے جا رہے ہیں۔ ہزار بار کہا ہے کہ جو لڑکیاں غیر قانونی طریقے سے ایجنٹوں کے تھرو پاکستان آتی ہیں ان میں سے ہی کچھ اٹھا لیا کرو لیکن نہیں انہوں نے تو خود کو شیر سمجھ لیا ہے۔"

باس کی بات کا غصہ اور آنے والی نئی مصیبت کے پیش نظر وہ بڑی بدمزگی سے کہہ رہا تھا۔ ان لوگوں کی جعلی ایجنٹوں سے اچھی خاصی ہیلو ہائے تھی یا یوں کہا جائے کہ پارٹنر شپ تھی تو کم نہ ہوگا۔ باہر ملک سے آنے والی غریب لڑکیاں جو سیر و تفریح یا پھر کسی لڑکے کے پیچھے اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر پاکستان پر قدم رکھتی تھیں۔ انہیں ان کا ایونٹ اٹھا لیتا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ انہیں ان کی منزل پر پہنچایا جا رہا ہے وہ منزل جس کے آگے سیاہی ہی سیاہی تھی۔

"خیر تم فکر نہ کرو، خلیفہ کے پاس ہر مسئلے کا حل موجود ہوتا ہے۔"

☆......☆......☆

پڑا پوائنٹ میں اس سمے کھلبلی کا راج تھا۔ میڈیا کے لوگوں کے ساتھ ساتھ ایف آئی اے والے بھی وہاں

پہنچے ہوئے تھے۔اس جگہ کو سیل کیا گیا تھا جہاں لڑکی گری ہوئی تھی۔بس فرق اتنا تھا کہ اب وہاں لڑکی نہیں اس کا خاکہ تھا اور معروش کے ٹیم ممبر آس پاس کی جگہ کو اچھے سے چھان رہے تھے۔وہ بھی بغور اس خاکہ کو دیکھ کر اس کے پاس پنجوں کے بل بیٹھی۔آنکھوں کو سکیڑا اور اسی طرح دیکھتے ہوئے گردن کو اونچا کیا۔پلاسٹر آف پیرس سے ڈھلی چھت اس کی منتظر تھی۔وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی اور میز پر اپنے بوٹ جماتی دونوں ہاتھوں کو کمر پر رکھے چھت کا معائنہ کرنے لگی۔نوفل پریشان سا،پزل سا ان سب کی کارروائی دیکھ رہا تھا۔دیکھ کر بھی خاموش تھا۔معروش نے اپنی پینٹ کی پاکٹ سے پین نما ٹارچ نکالی اور اس کی نیلی لائٹ چھت کے اس حصے پر ڈالنے لگی جو عین خاکہ کے اوپر تھا۔

''یعنی تم کہہ رہے ہو کسی نے بھی اس لڑکی کو نہیں دیکھا کہ کیسے وہ اس جگہ پر آئی'' میز سے اتر کر وہ ایک بار پھر سے نوفل کو کٹہرے میں لے آئی تھی۔اس لڑکے کی آنکھوں میں دکھ ابھرا تھا۔اس نے معروش کو ایسی نظروں سے دیکھا جیسے دونوں کی گہری شناسائی ہو اور اب دکھ اس بات کا ہو کہ اس پہچان کے بعد بھی اس پر شک کیا جا رہا ہے۔

''میں پچھلے بیس منٹ سے آپ کو آپکے ماتحتوں کو ایک بات بتا بتا کر تھک گیا ہوں کہ مجھے اور نہ ہی یہاں موجود کسی انسان کو پتا چلا کہ وہ لڑکی ادھر کیسے آئی اور اس کے سر سے خون کیسے نکلا۔دو سیکنڈ کیلئے لائٹ گئی تھی۔اس کے بعد جب روشنی ہوئی تو ہمارے ایک ویٹر نے اسے زمین پر گرا ہوا پایا۔اگر ہم جھوٹے ہوتے تو پولیس کو تھوڑی بلاتے''

سنجیدہ ہوتے ہوئے نروٹھے لہجے میں بولتا وہ اس دنیا کا سب سے خفا انسان معلوم ہوتا تھا۔معروش نے اس خفا انسان کی ناراضگی کو اور بڑھایا۔اس کے خفا کن الفاظ وہاں موجود ہر انسان نے سنے۔

''مسٹر نوفل!ہم لوگ بھی یہاں جھک مارنے نہیں آئے۔ایک لڑکی ہمیں یہاں مخدوش حالت میں برآمد ہوئی ہے۔وہ چینک ہے۔ٹراما میں چلی گئی ہے اور آپ کو اپنے بیس منٹ ضائع ہونے کا افسوس کھائے جا رہا ہے۔کتنے خود غرض انسان ہیں آپ۔''

نوفل کا منہ دکھ اور صدمے سے کھل گیا۔وہ کم از کم معروش کے منہ سے خود غرض لفظ کی توقع نہیں کر رہا تھا۔

''میں نے آپ سے یہ تو نہیں کہا،میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ ہمیں اس بارے میں کچھ علم نہیں۔''

ٹھیک ہے جب وہ اس سے اجنبی والا رویہ اختیار کر سکتی ہے تو وہ کیوں نہیں۔ایک بڑے کی اس نے لاج

نہیں رکھی، دوستی سے بڑھا ہاتھ اس نے جھٹک دیا۔ٹھیک ہے جھٹکے، میں بھی پھر یہی کرونگا۔ ہیلو مس اسسٹنٹ آف آئی جی صاحبہ، آپ کون ہیں؟ میں تو آپ کو جانتا بھی نہیں۔

معروش نے اس کے نخرے پر سر کو ہلا کر دوسری جانب رخ کیا۔ ابھی وہ دوبارہ اس خاکے کی جانب متوجہ ہونے ہی لگی تھی کہ اس کے ایک بندے نے آکر اطلاع دی کہ فوٹیج تیار ہیں وہ آکر دیکھ لے۔ معروش سر ہلاتی اس کے پیچھے گئی تھی۔

" سنو کیا آپ لوگ ہمارا پزا پوائنٹ سیل کرنے والے ہیں۔" وہ اس اکڑے کپڑوں میں ملبوس سیاہ سے آدمی سے مخاطب ہوا جس کے نین نقوش کافی سخت سے تھے۔

" بالکل! لمبے عرصے کیلئے اسے بند کرنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔"

معروش نے اپنے پیچھے یہ دونوں آوازیں سنیں اور کمرے کا دروازہ دھکیل کر اندر آگئی جہاں ایک لڑکا پی کیپ پہنے کمپیوٹر سنبھالے بیٹھا تھا۔معروش کو آتے دیکھ کر اپنی سیٹ سے اٹھا اور اسے بیٹھنے کی جگہ دی۔

" کچھ معلوم ہوا فہیم؟" بیٹھتے ہوئے ہیڈ فون کانوں سے لگا کر وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔فہیم نے اس نیم اندھیرے کمرے میں اس کے چہرے پر پڑتی روشنی کو دیکھ کر جواب دیا۔

" کچھ بہت ہی دلچسپ معلوم ہوا ہے مادام، آج بہت بڑی کامیابی نصیب ہونے والی ہے۔" کہتے ساتھ ہی اس نے کمپیوٹر کے بٹن پش کرنے شروع کیے۔ پزا پوائنٹ کا اندرونی منظر اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔دو منٹ کی چہل پہل کے بعد یکدم بتی گل ہوئی اور پھر وہ فوراً واپس بھی آگئی۔لائٹ کے آتے ہی لوگوں کا شور اور وہ لڑکی زمین پر اوندھی گری پڑی تھی۔

" کچھ نوٹ کیا آپ نے؟"

معروش نے گہرا سانس بھرا۔لبوں کو کچلتے اس نے دوبارہ ریوائن کرنے کو کہا۔فہیم نے دوبارہ ری پلے کیا۔ اس بار ویڈیو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں پھٹی تھیں۔ اس نے فوراً سے پاؤس کا بٹن پش کیا اور پھر اسے زوم کیا۔ چھت پر سے کوئی ہیولہ زمین پر گرتا ہوا آرہا تھا۔اس نے تھک کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔

" صرف یہیں تک نہیں میم، اس چھت کے اوپر ایک بہت بڑا نائٹ کلب ہے۔ بلکہ جس جگہ سے یہ لڑکی

گری ہے وہ نائٹ کلب کی حدود سے چھ میٹر کے فاصلے پر ہے۔وہاں کے کیمراز کو میں نے ہیک کرنے کی کوشش کی ہے مگر وہ اتنے ہائی سیکورٹی والے ہیں کہ مجھ سے نہیں ہو پائے یعنی جو اوپر بار ہے۔اس کی پہنچ ،اس کی سیکورٹی بہت زیادہ ہے۔اب سوچنے والی بات یہ ہے کہ صرف خواتین کو فری ڈرنکس فراہم کرنے والا یہ نائٹ کلب اپنے سینے میں ایسا کیا چھپائے ہوئے ہے کہ اتنی سیکورٹی اور پری کوشنری میرز۔یقیناً پوری دال کالی ہے یہاں پر۔"

آگے کو جھک کر اس نے ایک اور پیج اوپن کیا۔وہاں اس لڑکی کی تصویر تھی۔اسے پرنٹ کر کے معروش کی جانب بڑھایا۔ساتھ میں دوسری لڑکیوں کی بھی تصاویر اس کے ہاتھ میں تھمائیں۔

"اس لڑکی کی لک بالکل ان باقی لڑکیوں کی طرح ہے جو کڈنیپ ہوئیں، گم ہوئیں اور اٹھالی گئیں۔یہ وہی لڑکیاں ہیں جو سمندر کے راستے یورپ اسمگل کی جارہی تھیں۔ان کی گردن پر۔"اس نے کمپیوٹر میں موجود ایک لڑکی کی گردن کو زوم کیا۔

"جو سیاہ تل ہے یہ دراصل صرف ایک تل یا مسا نہیں بلکہ ایک نشان یا لوگو کہہ لیں وہ ہے اور سب سے انٹرسٹنگ بات ان کے پاؤں کے تلووں کو کاٹ کر اس میں ایک چپ لگائی گئی ہے تاکہ جہاں بھی یہ لڑکیاں بھاگیں وہیں سے انہیں پکڑ کر شوٹ کردیا جائے۔اب غور طلب بات یہ ہے کہ جو لڑکی ابھی ہمیں برآمد ہوئی ہے اس کے بالوں کی کٹنگ اور یہ سیاہ نشان عین ان لڑکیوں سے ملتا ہے یعنی، جو اوپر نائٹ کلب ہے اس کا لنک ضرور ہیومن ٹریفکنگ گینگ سے ہے۔سو ریڈ مارنے کیلئے تیار رہیں۔"

وہ اپنی جگہ ان تصاویر کو ہاتھوں میں پکڑے ایک ایک کر کے دیکھے جارہی تھی۔پھر اس نے چہرا موڑ کر فہیم کو متاثر کن نگاہوں سے دیکھا۔

"تم نے اچھا کام کیا۔اللہ تمہیں اس کا اجر دے گا۔"وہ اپنی جگہ سے اٹھتی، فہیم کو خوش کرتی واپس باہر آئی۔ اس خاکے کو دیکھ کر چھت کو دیکھا۔پھر اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلنے لگے۔سادہ ہونٹوں پر گہری سرخ لپ سٹک آئی۔سٹولر میں بند کندھوں تک آتے بال کھلے۔ان بالوں میں پیاری سی سفید نگوں سے جگمگاتی پن لگی۔ یونیفارم ٹروزر شرٹ کے ساتھ لانگ اپر میں ڈھلی اور موتیوں والی پنسل ہیل پہن کر وہ بارٹینڈر کے پاس کھڑی نظر آئی۔اس کی آنکھوں کا کلر اس وقت نیلا تھا۔جو اس نائٹ کلب کے چاروں اطراف کو اپنے رنگ میں قید

کر کے ایک میل دور کمرے میں بیٹھے لوگوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ رہا تھا۔آئی جی ضیاء وہ سب دیکھ رہے تھے جو معروش دیکھ رہی تھی۔انہوں نے دیکھا معروش کے پاس ایک عجیب طرز کا انسان آ کر کھڑا ہوا ہے۔اس کے کپڑے، سٹائل بہت عجیب سا تھا۔وہ معروش کے دائیں طرف کھڑا کہہ رہا تھا جو اس کے ائیر رنگ کے ذریعے وہ سب ہیڈ فون میں سن رہے تھے۔

"ہے۔۔ئی۔۔تم جیسی حسین لڑکی یہاں تنہا کیوں کھڑی ہے؟" وہ اس کے کچھ زیادہ ہی قریب آ کر مخمور لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"تمہارے انتظار میں۔"

آئی جی اس کی بات پر مسکرائے تھے۔جانتے تھے اب اس آدمی کی شامت آئی ہی آئی۔

"تو پھر آؤ، ڈانس کرتے ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ تھامتا ہوا اسے ڈانس فلور پر لے آیا۔اس گلی نما کمرے سے نکلتے ڈیوڈ نے اس نئے روپ میں معروش کو دیکھا اور آنکھوں میں تحیر لئے بار کے سٹول پر آ کر بیٹھ گیا۔

"آں۔۔میں یہاں پہلی بار آئی ہوں، کیا تم مجھے اس خوبصورت سی جنت کا نظارہ کروا سکتے ہو۔مجھے یہاں کچھ مزیدار دیکھنا ہے۔"

اس آدمی کے چہرے پر کمینی سی مسکان پھیلی۔

"یو مین مزیدار؟" خباثت سے اسے دیکھتے ہوئے وہ آنکھ مار کر کہہ رہا تھا۔ڈیوڈ اپنی جگہ سے اٹھا اور چار قدم چل کر معروش سے ٹکراتا، آنکھوں میں تنبیہہ لئے اسے دیکھتا گیا تھا۔معروش نے لمحہ بھر اس سے نگاہ ملا اسے کر اگنور کیا۔

"بالکل۔"

وہ اس آدمی کے ساتھ کھنچتی چلی گئی۔جاتے سمے اس نے ڈیوڈ پر نگاہ اچھالی اور اس کے ساتھ چلتی اس گلی میں آ گئی جہاں مرد اور عورت گناہ ثواب کو بھولے شیطان کے راستے پر چل رہے تھے۔عجیب سی بو وہاں ہر جگہ تھی۔وہ آدمی اسے کھینچتا ہوا اس سبز گلی سے نکل کر پچھلی سائیڈ پر لے آیا۔جہاں ڈھیر سارے بچے لڑکے، لڑکیاں اپنی معصومیت کھوتے ہوئے سیومنگ پول میں اترے ہوئے تھے۔کچھ بوڑھے مرد اپنی گود میں نازیبا لباس پہنے

بچیوں کو بٹھائے ہوئے تھے۔ وہ اس جگہ کو چھوڑ کر ایک سرخ سی جگہ پر آئی جہاں سرعام گناہ کیا جا رہا تھا۔

"لو آ گئے ہم مزیدار جگہ پر، کیوں ہے نا یہ مزیدار۔" وہ اسے دیوار کے ساتھ لگاتے کہہ رہا تھا۔ اسے سیاہ دیوار کے ساتھ لگاتے ہی وہ اس کی طرف بڑھا۔ اس کی آنکھوں کی خباثت سکرین پر بیٹھے اس کے ٹیم ممبرز نے بھی دیکھی تھی تبھی معروش کے ایکشن کہنے سے پہلے ہی سب اپنی اپنی پوزیشن سنبھال چکے تھے۔ وہ آنکھوں میں ڈھیر سارا اشتعال لئے اس خباثت کے مجسمے کو تک رہی تھی جو مدہوش چال چلتا اس کی ناک کے پاس آ کر رکا۔ معروش نے اس کی سانسوں کی بدبو کو بدقت تمام برداشت کیا۔ اس کے اندر اٹھتا غصہ جواب دے چکا تھا تبھی۔

"دو سیکنڈ بعد تم مرجاؤ گے ذلیل انسان۔" کہتے ساتھ ہی اس نے اپنی جینز کی پاکٹ سے پسٹل نکال کر اس پر وار کر دیا۔ اس سرخ روم میں گولی کی آواز سے شور سا برپا ہو گا تھا۔ دو چار ہٹے کٹے آدمی لڑکیوں کو پیچھے دھکیلتے خفیہ ہتھیار نکال چکے تھے۔ بندوقوں، چاقوؤں کو نکال کر معروش پر تانے وہ اسے فریز ہونے کا کہہ رہے تھے۔

"کون ہو تم، جواب دو۔" ان میں سے ایک دھاڑا۔ ان سے کچھ دور پولیس بندوقوں کو ہاتھوں میں سیدھا کھڑے کیے اس نائٹ کلب کو چاروں اور سے گھیر چکی تھی۔ باہر گول گول سرخ اور نیلی بتی کو گھماتی ان کی موبائل کھڑی تھی اور اس میں بیٹھے کچھ لوگ اس موبائل کو کنٹرول روم بنائے کیمرے کے ذریعے ایک سکرین پر بلاکس کی صورت سارا منظر دیکھ کر فورس کو انفارم کر رہے تھے۔

"میں تمہاری موت ہوں۔" کہتے ساتھ ہی ایک پر کک کا وار کر کے وہ ان کے دائرے سے نکلی تھی۔ باہر بار کے مرکزی ایریا پر پولیس چھاپہ مار چکی تھی۔ لوگوں کی چیخیں اور بند ہوتے میوزک میں پولیس کی فائر کی آواز یہاں تک سنائی دے رہی تھی۔ معروش کا ان کے دائرے میں سے نکلتے ہی ایک آدمی نے اس پر وار کیا مگر اس کا نشانہ کچا تھا یا معروش کی قسمت اچھی تھی تبھی وہ اس سے بچ گئی اور وہ گولی ایک نحیف سی لڑکی کو موت کی آغوش میں سلا گئی۔ پولیس کے دھڑا دھڑ بھاگنے کی آواز اور نزدیک آئی۔ مغلوں کے دور میں ہوتی جنگ میں بھاگتے گھوڑوں کی سمان یہ آواز اس ریڈ ہال میں موجود لوگوں کو ہراساں کر گئی۔ باہر سوئمنگ پول سے بچوں کو نکالا جانے لگا۔ ایک ہڑبڑی سی چاروں اور مچ گئی تھی۔ اس سے پہلے وہاں قید بچوں کو گاڑی میں ڈال کر بھگایا جاتا۔ وہ گولی کی سپیڈ سے ان کے پیچھے بھاگی اور سوئمنگ پول کے دائیں کنارے سے تھوڑا سکسٹی کے اینگل میں بنے

دروازے کو پھلانگ کر وہ باہر آئی جہاں ڈھیر ساری گاڑیاں کھڑی تھیں۔شاید یہ ان کا ایک اور خفیہ راستہ تھا جس سے یرغمال یا اغواشدگان کو ایک مخصوص ٹھکانے پر لے جایا جاتا تھا۔

پولیس نے اس ساری جگہ پر قبضہ کرلیا تھا۔سب انڈر کنٹرول تھا۔معروش ان سب کو نظر انداز کیے اس ریورس ہوتی گاڑی کو آگے بڑھتے دیکھ کر بھاگتے ہوئے اس جگہ پر آئی اور ایک ٹانگ کو زمین پر ٹکا کر گھٹنے پر ہاتھ رکھے ایک آنکھ بند کر کے نشانہ تاننے لگی۔اس کی پہلی گولی صحیح مقام پر لگی اور ٹائر کو پھاڑ گئی۔فائر کے ہونے کے باوجود بھی وہ گاڑی نہیں رکی تھی۔اس نے ایک ساتھ باقی تینوں ٹائر کو نشانہ بنا کر لگاتار ایک ٹائر پر ہدف رکھا۔ جس کی صورت وہ گاڑی زگ زیگ میں گھومتی رک گئی تھی۔وہ پستول کو سامنے رکھ کر بچ بچ کر محتاط سی اس طرف بڑھ رہی تھی۔ابھی اس نے دو قدم ہی اٹھائے تھے کہ بلاسٹ نے اس گاڑی کے پرخچے اڑا دیے۔کانوں پر ہاتھ رکھے وہ زمین پر ہی بیٹھی تھی۔جب فہیم اس کے سر پر آ کر پوچھ رہا تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟"

گاڑی کی آگ اس سے ایک فٹ کے فاصلے پر آ کر رکی تھی۔اس کی گرمائش میں وہ منہ کے سامنے رکھا ہاتھ جلا بیٹھی تھی پھر بھی اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں،مشن سکسیس فل ہوا۔"اس کے کہنے پر فہیم نے اسے زوردار انداز میں سلوٹ مارا تھا۔

☆......☆......☆

رات کی تنہائی میں زمین سے چار فٹ نیچے اس نیم اندھیرے ہال کے ایک کمرے میں موت کی سی خاموشی کا راج تھا۔نہیں ایسا بالکل نہیں تھا کہ وہاں کوئی ذی نفس نہیں تھا۔وہاں وہ چار لڑکیاں موجود تھیں جنہوں نے اپنی ہنستی کھیلتی زندگی کو ترک کر کے موت سے پہلے اس برزخ کا انتخاب کیا تھا جو بہت خوفناک تھی۔جہاں روح کانپتی تھی اور جسم پنپتا تھا۔اس خاموش سے کمرے کے اس بھیانک سکوت کو ایک لڑکھڑاتی کانپتی آواز نے توڑا۔ وہ آواز جو ڈری سہمی سی تھی۔جس میں پکڑے جانے کی دہشت کا عنصر غالب تھا۔جو کہ یہ تھی۔

"کیا تم سب لوگ شیور ہو؟ کیا ہم یہ کر پائیں گی۔" نوراں نے اپنی ڈرتی آواز بڑبڑاہٹ کی صورت کمرے میں بکھیری اور ان سب کے زرد چہروں کو دیکھا جو عزم کی روشنی میں دمک رہے تھے۔

"روز مر رہے ہیں نا آنے والی موت اس موت سے کافی بہتر ہو گی۔" رخسانہ خلاء میں دیکھتی اسی آواز سے منمنائی تھی۔

"وہ لوگ بہت ظالم ہیں۔ موت نہیں دیں گے جیتے جی آگ میں ڈال دیں گے۔" یہ صدیقہ تھی جو جیمز کے ہاتھوں ذلیل ہو کر اب پتھر کی ہو چکی تھی۔ اور یہ پتھر اب کچھ بھی برداشت کرنے کیلئے تیار تھا۔

"کیا ہم سنے جا رہے ہیں یا وہ لوگ ہمیں دیکھ بھی رہے ہیں۔" گڑیا نے شدید ڈرے ہوئے انداز میں پوچھا جیسے اس کے یہ الفاظ اسے بے موت مار دیں گے۔ سب نے اس چھوٹی سی لڑکی کو دیکھا جو خود میں سکڑے سب سے زیادہ خوف زدہ تھی۔

"بے فکر ہو جاؤ کیونکہ ہم دیکھے جا رہے ہیں اور نہ ہی سنے جا رہے ہیں۔ یہاں کے تمام کیمرے اس وقت فریز ہیں۔" یہ ارم تھی جو کہہ رہی تھی۔ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھی اور کیمرے کی طرف منہ کر کے کھڑی ہو گئی۔ اس کی اگلی حرکت سب کو سر سے لے کر پیر تک کانپنے پر مجبور کر گئی۔

"ہم لوگ یہاں سے بھاگنے کی پلاننگ کر رہے ہیں۔ سن رہے ہو تم لوگ، ہم یہاں سے بھاگ رہے ہیں۔" وہ حلق کے بل چلائی تھی۔ صدیقہ نے اٹھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔ وہ اس حرکت پر ارم کا خون پینا چاہتی تھی۔

"کیا کر رہی ہو تم؟ کیا بغاوت کر لی ہے ہم لوگوں سے۔ شرم کرو یہ جگہ یہ کام یہ سب شرمناک ہے۔" وہ دھاڑتی ہوئی اسے بالوں سے پکڑ کر زمین پر گراتے ہوئے بولی۔

"میں باغی نہیں ہوئی صدیقہ! میں تم لوگوں کو عملی دکھا رہی ہوں کہ یہ کیمرے اس وقت بیجان ہیں۔ یقین کرو میں باہر سے سن کر آ رہی ہوں کہ ان لوگوں کے ایک بہت بڑے بار میں پولیس کا چھاپہ پڑا ہے۔ وہاں سے بہت سی لڑکیاں، بچے اور مردوں کے ساتھ ساتھ نشہ بھی برآمد ہوا ہے۔ وہ سب اسی ہڑبڑی میں یہ جگہ خالی کر رہے ہیں تاکہ پولیس ہم تک نہ پہنچے۔" وہ اپنی چھلتی کہنی کو سہلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ایسے مت دیکھو میری طرف، میں سچ کہہ رہی ہوں۔ کل وہ لوگ ہمیں یہاں سے نکال کر کہیں اور منتقل کر دیں گے اس لئے ہمیں آج کے آج ہی یہاں سے نکلنا ہو گا۔" اس کے کہتے ہی گڑیا اپنی جگہ سے اٹھی اور اس

پتھر کی دیوار پر ٹھوکریں مارنے لگی جو خستہ حالی کا شکار تھی۔ ارم نے اٹھ کر اس لوہے کے دروازے کو بند کیا۔ باقی لڑکیاں بھی گڑیا کے ساتھ اس دیوار پر زور لگانے لگیں تا کہ وہ گر جائے اور وہ گر رہی تھی۔

"میں یہ عذاب نہیں جھیلوں گی، میں یہاں سے نکل کر رہوں گی۔ مجھے میری موم سے معافی مانگنی ہے۔" گڑیا روتے ہوئے اپنی فل طاقت اس دیوار پر لگا رہی تھی۔

"ہم آزاد ہونگی، ہم ان درندوں کو لقمہ اجل بنا کر رہیں گی۔ ہم مضبوط ہیں۔"

باہر قدموں کے بھاگنے کی آواز آرہی تھیں۔ وہ آوازیں ان کے دروازے کے قریب آ کر رکیں۔ دیوار رفتہ رفتہ اپنی جگہ سے سرک رہی تھی۔ اندھیرے میں روشنی کی لکیریں کسی نیک فرشتے کی مانند ان گناہ گاروں کو منور کر کے نئی زندگی کی نوید دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"آؤ بچو، دیکھو اس برزخ کے پار ایک پرسکون زندگی ہے۔ تمہارا انتظار مکمل ہوا لو دیکھو، روز محشر آ گیا۔ بس تم لوگوں کے حق میں فیصلہ ہوا ہی چاہتا ہے۔ لو دیکھو فیصلہ ہو گیا۔"

دیوار آواز کے ساتھ زمین پر گری۔ ان چاروں نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ روشنی کے فرشتے نے کھلی بانہوں کے ساتھ انہیں اپنے سینے سے لگایا تھا۔ دروازے کی ایک کنڈی ٹوٹی دوسری بس ایک جھٹکے سے ہی جدا ہونے والی تھی۔

"بھاگو، زندگی بچانے کیلئے بھاگو۔ ایک دوسرے کی پرواہ مت کرنا صرف اپنا سوچنا۔ اب ہم سب کے راستے جدا ہیں۔ دوڑ لگاؤ۔"

وہ چاروں اس گیراج میں بیسمنٹ کی طرف دوڑی تھیں۔ پیچھے سے دروازہ کھلنے کے بعد فائر ہوئے مگر کسی نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ وہ چاروں سرپٹ دوڑے جا رہی تھیں۔ زندگی کیلئے آزادی کیلئے دوڑنا پڑتا ہے۔ جتنا ہو سکے دوڑنا پڑتا ہے۔ اس روشنیوں سے سجے پارکنگ لاٹ میں بس چند قدموں کی دوری پر ایک گولی چلی اور صدیقہ کو منہ کے بل گرا گئی۔

"صدیقہ!" گڑیا چیختی ہوئی واپس اس کے پاس آنے لگی تھی مگر اس نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"بھاگ جاؤ۔ جا کر میری بیٹی کو کہنا ماما اسے بہت یاد کرتی ہیں۔" وہ کراہتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس کی

نگاہوں کے سامنے انسانی درندے وحشیوں کی طرح ان کی طرف لپک رہے تھے۔صدیقہ پر ایک آخری نگاہ ڈال کر وہ پارکنگ میں موجود اس گاڑی میں بیٹھی جو باقی کی لڑکیاں چرا کر سٹارٹ کر چکی تھیں۔اس گاڑی میں بیٹھ کر اس نے روتے ہوئے صدیقہ کو دیکھا جسے وہ درندے چاروں اور سے گھیر چکے تھے۔گاڑی کے بیک شیشے سے چپکی وہ ان کو خود کی طرف فائر کرتے ہوئے سٹل انداز میں دیکھے جا رہی تھی۔اس کے دل میں صدیقہ کیلئے سافٹ کارنر تھا۔وہ سافٹ کارنر اسے ہچکیوں سے رونے پر مجبور کر گیا۔بغیر نمبر پلیٹ کی وہ گاڑی وہاں سے نکل چکی تھی۔

"آزادی مبارک۔"

☆......☆......☆

ٹانگ کو اضطراب کے عالم میں مسلسل جھلاتے ہوئے وہ ٹی وی پر سرخ نگاہیں جمائے بیٹھا تھا۔جہاں پر پولیس کے کامیاب ریڈ کے بارے میں مطلع کیا جا رہا تھا۔ان کا اسلحہ، نشہ اور بیشتار لڑکیاں سب پولیس کے ہاتھ لگ گئے تھے۔یہ کروڑوں کا نقصان تھا جو انہیں ہوا تھا اور اسی وجہ سے خلیفہ شدید اشتعال میں تھا۔پاس ہی میز پر پڑا اس کا موبائل مسلسل وقفے وقفے سے بج رہا تھا۔جلتی بجھتی اسکرین کو مکمل طور پر اگنور کیے وہ اپنے غصے کو شانت کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔اس کی کنپٹی کے پاس سے جاتی سبز رگ واضح طور پر پھڑکتی ہوئی دکھ رہی تھی۔چہرے کا سرخ رنگ اس کے ضبط کا امین تھا۔دانتوں کو زور سے جبڑے میں پیسے وہ اس بکواس سی نیوز اینکر کی چبھتی آواز سن رہا تھا جو اس کی سماعت پر اسے شدید گراں گزر رہی تھی۔اس نے اس اینکر کا چہرہ اپنی آنکھوں کے سنہری لینز میں نقش کیا اور سمندر خان کا لنگ کا پیغام دیتے فون کو آگے بڑھ کر اٹھا لیا۔گہرا سانس بھرتے ہوئے اس نے سبز بٹن کی اور انگوٹھے کو سلائیڈ کیا اور ٹرائی اینگل میں بنے تین کیمروں والا سیل اپنی پھڑکتی رگ کے پاس کان سے لگا لیا۔

"یہ سب کیا ہے خلیفہ، کیسے ہوا یہ سب؟ تم جانتے ہو اس کلب پر حملے کا مطلب کیا ہے؟" وہ بولے نہیں دھاڑے تھے۔ان کی دھاڑ کی وجہ سے اس کی رگ کی پھڑپھڑاہٹ میں مزید اضافہ ہوا۔

"صبر، خان! صبر سب ٹھیک ہو جائے گا۔بس صبر سے کام لیں۔اس وقت ہمارا پینک ہونا مطلب مزید نقصان اٹھانا ہے' وہ خود اس وقت صبر کی آخری سیڑھی پر بیٹھا تھا مگر خود کو کام کرنے، تسلی دینے کے لئے وہ سمندر

خان کو بہلا رہا تھا۔اس کا بہلانا انہیں آگ لگا گیا۔لفظوں سے نکلتے آگ کے شعلے اس کے کان جلانے لگے۔

"ہمارا کروڑوں کا نقصان ہوا ہے کوئی دو روپے کی چیز نہیں ڈوبی جو ہم صبر سے کام لیں۔کیا تم جانتے ہو کتنی لڑکیوں کو اٹھایا ہے انہوں نے۔ان میں کتنی ہی پرانی تھیں اور باغی بھی۔اگر کسی ایک نے سب اگل دیا مطلب ہمارا نام، ہماری ساکھ خراب، ہمارا نام کرائم لسٹ میں آجائے گا خلیفہ اور ایسا ہونا بالکل ٹھیک نہیں۔۔ٹھیک سمجھتے ہونا تم۔"

وہ اپنی کنپٹی کو سہلاتا صوفہ سے کھڑا ہوا۔اس کا روم روم اس وقت بھڑک رہا تھا۔

"آج تک کسی میں اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ سمندر خان کے راستے میں روڑے ڈالے مگر وہ کل کی نئی آئی ہمارے کام کو دن بہ دن خراب کرتی جارہی ہے۔اسے لگ رہا ہے وہ ہم سب کو ہرا دے گی۔نہیں!! ابھی کسی میں اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ سمندر خان کو ختم کرے۔ہمارے راستے میں آنے والا ہر شخص لقمہ اجل بنا ہے۔اسے بھی بنا دو۔" لاؤنج کے دروازے سے باہر قدم رکھتے ہوئے اس نے اپنے خان کے یہ الفاظ سنے تھے۔گھڑی پر وقت دیکھا۔اس کے جٹ کو پہنچنے میں اب فقط پانچ منٹ درکار تھے۔

"ایک عورت ہم پر حاوی ہو کر مات نہیں دے سکتی۔ضرور اس کے پیچھے کسی انسان کا ہاتھ ہے۔کوئی غدار ہے جو ہم میں گھسا ہے۔اس سے پہلے اس کے ہاتھوں ہم اور مات کھائیں میں اسے ڈھونڈ نکال کر ختم کر دوں گا۔"

"بس خلیفہ بہت ہو گیا۔اس معمولی سی لڑکی کو پروٹیکٹ کرنا بند کرو۔" وہ فل جان سے دھاڑے تھے۔خلیفہ نے سیل فون کان سے ایک انچ کے فاصلے پر کر کے پھر سے لگایا اور ان کی دھاڑ سننے لگا جو کہ یہ تھی۔

"اگر دل بہک گیا ہے تو اٹھا لو اسے۔اپنے ساتھ اپنے ہجرے میں رکھو اور ایسی خاطر تواضع کرو اس کی کہ سات نسلیں یاد آجائیں اسے۔وہ معمولی سی لڑکی میرے گریبان پر ہاتھ ڈالے گی۔میں اسے بتاؤں گا سمندر خان کے ساتھ پنگا لینے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔" فون کو بیجان کر کے جیسے انہوں نے اپنا غصہ خلیفہ پر نکالا تھا۔اس نے سیل فون زمین پر دے پٹخا۔جٹ میں سوار ہوتے ہوئے اس کے لان میں گھومتی ہوا نے پر مارے اور اڑ کر کسی اور کی کھڑکی میں جا بیٹھی۔وہ اس میں سے دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

"دیکھو فاطمہ! اب تم کچھ بھی کہو گی کوئی سن نہیں پائے گا۔ کوئی بھی دیکھ نہیں پائے گا۔ میرا یقین کرو۔ مجھے تمہارا ساتھ درکار ہے۔ اپنے لئے نہیں بلکہ تم جیسی لڑکیوں کیلئے جو ظلم کی چکی میں پس کر بے مول ہو جاتی ہیں۔ تم جانتی ہو ہم نے کل ایک کامیاب ریڈ کیا۔ بہت ساری لڑکیاں برآمد ہوئی ہیں وہاں سے، وہ سب بھی تمہاری طرح ہی ہیں لب بستہ اور روبوٹ سی۔ خدا کیلئے تم ہی اپنا منہ کھول لو۔ تمہارا ذرا سا ساتھ کتنی بچیوں کی زندگیاں بچا سکتا ہے۔ کیا تم نہیں چاہو گی کہ اللہ تم سے خوش ہو۔ تمہارے نامہ اعمال میں ایک اور نیکی کا اضافہ ہو۔"

فاطمہ کو سیف ہاؤس میں رکھا گیا تھا۔ اسی سیف ہاؤس کے صوفے پر بیٹھی وہ اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں ہاتھوں میں قید کئے مدد کی طلبگار تھی۔ باہر آسمان پر سورج پھوٹ پڑا تھا۔ جس کی چمکیلی نوکیلی شعاعیں روشن دان کو چیرتے ہوئے اندر آ رہی تھیں۔ سونے کے ذرے جیسی شعاعیں ڈائریکٹ ان دونوں کے ہاتھوں پر پڑ رہی تھیں۔ فاطمہ کی نظریں بھی ان ہی شعاعوں پر ٹکی خاموش تھیں۔

"کیا واقعی کوئی نیکی میرے نامہ اعمال میں لکھی جائے گی؟" اس کی آواز کی لہر میں اس کی آنکھوں کی التجا میں کچھ ایسا تھا کہ لمحہ بھر کو معروش گنگ رہ گئی۔ اسے وقت لگا بولنے میں۔

"کیوں نہیں، تم یوں مایوس نہیں ہو سکتی۔ یہ کفر ہے۔"

فاطمہ کی آنکھوں سے ٹوٹتے موتی سورج کی زرد شعاعوں میں سونے کے پانی جیسے دکھنے لگے۔ معروش خواہ مخواہ ہی اس کے رونے پر سینٹی ہو گئی۔

"ہمت کرو، میں یقین دلاتی ہوں تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔" اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈال کر وہ اعتماد کا احساس اور پروٹیکشن کا یقین دلا رہی تھی۔ فاطمہ نے اپنی پلکوں کو اوپر اٹھایا۔ آخری موتی بھی نیچے گر پڑا۔

"ممی مجھے پیار سے گڑیا بلاتی تھیں۔ انہوں نے مجھے یہ نام اس لئے دیا تھا کیونکہ میں اپنے چار بھائیوں کیلئے ایک ڈول تھی جس سے وہ بے پناہ محبت کرتے تھے۔" اس نے کہنا شروع کیا۔ لفظوں کے نکلتے ہی معروش اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی اور پردوں کو برابر کر دیا۔ دیوار پر لگا بٹن پش کر کے اس نے روشن دان کے آگے روشنی کا راستہ بند کیا تھا۔ فاطمہ کے ہاتھوں سے آہستہ آہستہ سرکتی روشنی نے ایک نگاہ معروش کے سیل فون پر ڈالی جہاں وہ سب ریکارڈ ہونے لگا تھا جو وہ چھوٹی سی لڑکی بول رہی تھی۔

"ہم سب بہت خوش رہتے تھے۔ بھائی، بابا، ممی، ہم سب ایک مکمل فیملی تھے۔ خوشیاں تو جیسے ہماری دہلیز سے ہٹنے کا نام ہی نہ لیتی تھیں۔ مجھے ایسٹرناٹ بننے کا بہت شوق تھا۔ میں ہواؤں میں اڑنا چاہتی تھی۔ خلاء میں موجود ان دیکھی دنیا کو تلاشنا چاہتی تھی۔ میرے بہت بڑے بڑے خواب تھے۔ کیا آپ نے بھی کبھی خواب دیکھے ہیں؟" اس نے بیساختہ ہی معروش سے سوال کر ڈالا جس نے اس کے دل میں ٹیس سی اٹھائی تھی۔ وہ بولی کچھ نہیں فقط آنکھیں بند کر کے سر کو ہلایا۔

"ہر لڑکی خوب دیکھتی ہے۔ یہ غلط بات ہے انہیں خواب نہیں دیکھنے چاہئیں۔ خواب بہت برے ہوتے ہیں۔" وہ پینک ہونے لگی تھی۔ اس کے ہاتھ پیر کانپنے شروع ہو چکے تھے۔ ہاتھوں کو کھول بند کر کے جیسے وہ کسی بہت بڑے درد سے نجات چاہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کا رنگ بدلا اور سانس تیز تر ہوا۔ معروش فوراً سے کیمرہ بند کر کے ڈراز کی جانب لپکی۔ وہاں سے ٹیبلٹس اٹھا کر اس نے گلاس میں پانی بھر کر اس کی طرف بڑھایا۔ جسے تھامتے ہی فاطمہ نے منہ سے لگا لیا۔

"اٹس اوکے، تم ریسٹ کرو ہم اس بارے میں پھر بات کریں گے۔ یہ بتاؤ کھانے میں تمہیں کیا پسند ہے؟" اس نے جان بوجھ کر موضوع بدلا۔ فاطمہ کے ہاتھ کی کپکپاہٹ ابھی بھی نہیں رکی تھی۔ وہ سرسراتی آواز میں بولی تو فقط یہ۔

"زہر!"

معروش کی آنکھوں میں پانی آیا جسے پیچھے دھکیلتے ہوئے وہ اس کے کمرے سے نکل آئی۔ اس کا دل بہت عجیب ہو رہا تھا۔ اس عجیب ہوتے دل کے ساتھ وہ دونوں ہاتھوں پر سر گرائے بیٹھ گئی۔

☆......☆......☆

صبح کے اجالوں میں کالا کام جب عروج پر ہو تو قدرت بھی خفا ہو جاتی ہے اور جب وہ خفا ہوتی ہے تو سب کچھ تباہ ہو کر رہ جاتا ہے جیسے اب ہو رہا تھا یا پھر ہونے جا رہا تھا۔ اس دھوپ کی تھال کے نیچے ٹھنڈے کمرے میں مانیٹر کے سامنے بیٹھا خلیفہ کسی جابر بادشاہ سے کم معلوم نہ ہوتا تھا۔ اس کے آس پاس کھڑے سر جھکائے اس کی رعایا کا روپ دھارے لوگ آنے والے عتاب سے سہمے ہوئے تھے۔ ان سہمے ہوؤں میں ڈیوڈ بھی شامل تھا۔

نہیں وہ ڈرا ہوا نہیں تھا بلکہ ڈرنے کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔ اور اپنے کان میں پہنے ٹاپس سے وہ سب کچھ ریکارڈ کر رہا تھا جو اس کمرے میں ہو رہا تھا۔

"چار لڑکیاں دیوار توڑ کر بھاگ گئیں۔ یہ بات کچھ مضحکہ خیز نہیں لگ رہی کہ چار لڑکیاں دیوار توڑ کر بھاگ گئیں۔ ہم لوگوں کی دیوار، وہ دیوار جو اس دنیا کے سب سے بہترین آرکیٹیکچر سے ڈیزائن کروا کر بنوائی گئی تھی۔ رمیز، وہ دیوار صرف چار لڑکیاں توڑ کر بھاگ گئیں۔"

شیر کی دھاڑ جیسا بے ڈھنگا سا ہنستا ہوا وہ خون خوار درندے کا روپ رفتہ رفتہ خود پر چڑھانے لگا۔ اس کی سنہری آنکھیں تپش پیدا کرنے لگیں۔

"ہمارے سب سے بڑے نائٹ کلب میں سے ایک لڑکی بھاگ جاتی ہے۔ نہیں، وہ بھاگتی نہیں بلکہ غائب ہو جاتی ہے۔ اس کلب میں سے جہاں ہزاروں کی تعداد میں کیمرا فکس ہیں جو ہر وقت انڈر آئی ہیں۔ اسی کلب میں اچانک ایف آئی والے چھاپہ مارتے ہیں۔ اتنا اچانک کہ مائنڈ کنٹرول لوگ بھی اپنے حواس کھو کر ان کے گرفت میں آجاتے ہیں اور تو اور ہمارا مال، ہماری بچیاں سب کچھ وہ لوگ ضبط کر کے نیوز میں خبریں چلا دیتے ہیں کہ انہوں نے کتنی بڑی نیکی کا کام کیا ہے۔ واو واٹ ہے تھرل ٹائپ نا۔"

کرسی کو گھما کر وہ کھڑا ہوا۔ رمیز اس کے اشتعال کی انتہا جانتا تھا تبھی خاموش سا متوقع انجام کو تیار تھا۔ سب سے زیادہ اس کی نگاہیں کلب میں سے بھاگے ان کے آدمیوں کی طرف تھیں۔ جو ہولے ہولے خلیفہ کے قہر کو سہتے لرز رہے تھے۔

"کیوں غیاث میں درست ہوں نا۔" اس کے گھنگھریالے بالوں سے اسے پکڑ کر اس کا چہرا اوپر کر کے پوچھا گیا۔ وہ گھگھیا گیا۔

"بب۔۔ باس، حملہ اتنا اچانک تھا کہ کچھ سمجھ نہیں آئی ورنہ آپ کو ضرور مطلع کرتے۔"

خلیفہ کی ساکت تباہی مچاتی آنکھوں میں دیکھنے کی اس میں جرأت نہیں تھی نگاہیں نیچی کیے ہی بولتا گیا۔

سمندر خان ہونٹوں پر ہاتھ رکھے بڑی گہرائی سے ایک ایک کے نقش کو کھوج رہے تھے۔

"ایک سمورائے کی یہی سب سے بڑی بات ہوتی ہے کہ چاہے جتنا بھی بڑا وار ہو وہ اس کو صرف ہاتھوں کے

طاقت سے ہی نہ روکے بلکہ اس میں دماغ سے بھی کام لے۔آدھی دنیا ہاتھ سے زیادہ دماغ سے فتح ہوئی ہے۔

کیا یہ بات بھول گئے تم لوگ؟"

رمیز کو لگتا تھا وہ آج کسی ایک کو تو ضرور موت کے گھاٹ اتار دیگا مگر سمندر خان اس کی رگ رگ سے واقف

تھا۔وہ جانتا تھا خلیفہ اب کیا کریگا۔

"تم لوگ اپنے کام سے وفا بھولتے جا رہے ہو۔عیش و عشرت کے نشے میں ڈوبتے فراموش کر رہے ہو کہ تم

لوگ کون ہو۔کیا تم لوگوں کو تمہاری اوقات یاد دلائی جائے۔" اپنی سلور کلر کی خوبصورت سی پسٹل کو لوڈ کرتا وہ ٹھنڈا

مگر گرمایا ہوا ان سب سے استفسار کر رہا تھا۔موت بس دو فٹ کے فاصلے پر ہے سب کو یہی لگ رہا تھا مگر شاید وہ

بھول گئے تھے کہ زندگی و قضا صرف ایک طاقت کے ہاتھ میں ہے۔کسی معمولی سے بشر کے نہیں۔اگر وہ طاقت

چاہے تو بقا نہ چاہے تو قضاء۔

"چلو! بخش دیتا ہوں آج کیلئے، اتنے بڑے نقصان کو فراموش کر دیتا ہوں لیکن بھرپائی تو کرنی پڑتی ہے نا۔

غلطی کو سدھارنا تو پڑتا ہی ہے اس لئے اس غلطی کو سدھارنے کیلئے خود کو تیار کر لو۔جاؤ اور جا کر اتنا ہی مال لا کر دو

جتنا تم لوگوں کی کوتاہی کی وجہ سے ہاتھ سے نکلا ہے۔اور ہاں لوٹنا تب جب مال ہاتھ میں ہو۔"

سب نے بیک وقت خلیفہ کو متوحش نگاہوں سے تکا۔یہ کیسے ممکن تھا۔ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔بھلا پولیس کے

چنگل سے وہ کیسے ان لڑکیوں کو بازیاب کراتے، اس مال کو نکالتے۔خلیفہ پاگل ہو گیا ہے جو ایسی بہکی باتیں

کر رہا ہے۔یہ سب کی مشترکہ سوچ تھی۔اس سوچ کے تانے بانے ایک دماغ سے دوسرے دماغ میں ملتے دیکھ

کر وہ تحمل سے کرسی پر ٹانگ رکھ کر بیٹھا اور اکڑی گردن کے ساتھ ان تقریباً بیس مشٹنڈوں پر نگاہ دوڑائی۔

"خواجہ ریاض کو تو جانتے ہو نا۔ایم این اے ہے پس پردہ ہمارے جیسا اسمگلر۔اس کے علاقے میں گھسو،

اس کے ٹیم ممبرز بنو اور وہاں سے جتنا بھی مال دستیاب ہوتا ہے لے آؤ۔جان بخشی ہو جائے گی نہیں تو۔" اس نے

گھٹنے پر سے ٹانگ ہٹائی۔دونوں ہتھیلیوں کو وصل بخشا اور آگے کو جھک کر بیٹھ گیا۔

"خلیفہ کوتاہیوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔موت کے گھاٹ اتار دونگا کام نہ کرنے کی صورت میں بھی

اور غداری کرنے کی صورت میں بھی۔" بڑے مزے سے کہتا وہ ان سب کے سروں پر بم پھوڑ رہا تھا۔حواس

باختہ سے وہ اس کے اشارے پر باہر کو گئے۔ان کے جاتے ہی سمندر خان اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہمارے کام کا اصول ہے حریف کو مات دینا نہ کہ اسے لوٹنا۔" وہ خلیفہ کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد کروا رہے تھے۔ بڑا ہی کوئی تلخ لہجہ تھا جس میں کاٹ کوٹ کر بھری تھی۔اس تلخ لہجہ کو ماش میلو کی طرح نگلتے ہوئے وہ مسکراتی نگاہوں سے رخ موڑ کر خان کو دیکھنے لگا۔

"حریف کو مات اس کی کمر پر وار کر کے ہی دی جاتی ہے خان! اور خواجہ کی کمر نشہ ہے۔" ناک میں کچھ ان دیکھا سا کھینچ کر اس کے سواد کو محسوس کر کے وہ مخمور لہجے میں کہہ رہا تھا۔سمندر خان پہلو بدل کر رہ گیا۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہی تم کس ٹریک پر چل رہے ہو، بجائے اس کے کہ تفتیش کرو پولیس کو کیسے ہمارے اڈے کے بارے میں پتا چلا اس میں ہوتے کام کے بارے میں انفارمیشنز کیسے نکلیں اور وہ لڑکی کیسے بھاگی تم خواجہ کے پیچھے پڑ گئے ہو۔اور سب سے مین وہ چار لڑکیاں وہ کیسے دیوار توڑ کر بھاگیں۔کیوں چھپائی تم لوگوں نے مجھ سے یہ بات۔" وہ پھٹ رہے تھے۔ان کا پھٹنا بنتا بھی تھا۔اتنا نقصان یکے بعد دیگرے۔ان کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔

"خان، جب راستے صاف کرنے ہوتے ہیں تو پتھروں کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھنا ہی پڑتا ہے۔ بس آپ بھی یہی سمجھیں کہ میں صفائی کر رہا ہوں۔کیوں ڈیوڈ، صحیح کہا نا۔" اپنی آنکھوں میں کچھ عجیب سا تاثر لے کر وہ اس سے مخاطب ہوا ڈیوڈ کے آس پاس الارم سا بجنا شروع ہوا تھا۔

"درست فرمایا آپ نے۔" لبوں کو کھینچ کر وہ مختصر کہہ رہا تھا۔خلیفہ کے کہنے پر ہی وہ کمپیوٹر پر بیٹھا ساری فوٹیجز نکال کر دکھا رہا تھا۔

"میں ہمیشہ درست ہی بولتا ہوں۔تم جا سکتے ہو۔" اشارہ ملنے پر وہ سر ہلاتا آن سسٹم کھلا ہی چھوڑ دروازہ دھکیل کر باہر نکل رہا تھا۔خلیفہ کی عمیق نگاہیں اس کا آخیر تک پیچھا کرتی رہیں تب تک جب تک وہ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔

"اب آگے کیا کرنا ہے؟" سمندر خان کی آواز پر وہ چونکا پھر شانے اچکا دیے۔

"وہی جو کرتے آ رہے ہیں۔فلپائن میں اپنا مال بھیجیں گے بلا خوف و خطر اور وہاں سے وہ منگوائیں گے جو

یہاں کی ڈیمانڈ ہے۔" گھڑی میں وقت دیکھتا مسکاتا ہوا وہ بہت پرسکون تھا۔کوئی کہہ سکتا تھا کہ ابھی کچھ دیر پہلے اس کی غصے سے رگیں پھٹ رہی تھیں۔

"مجھے خوشی ہے کہ اس بار لاہور سے زیادہ اسلام آباد میں ہمارا مال بکا ہے۔لڑکیوں کی ڈیمانڈ بھی وہاں زیادہ ہے اور پورن بھی اسی جگہ زیادہ دیکھی گئی ہے۔اس وقت انٹرنیٹ پر ہماری ویب سائٹ ہی دھوم مچا رہی ہے۔ذرا سا سرچ کرو تو سب سے اوپر ہماری سائٹ ہی نکلتی ہے۔سب میں لسٹ بھری ہوئی ہے۔"

رمیز نے چیونگم چباتے ہوئے اس کی بات درمیان میں کاٹی۔خلیفہ اس کی بات کے اثر سے بھنویں اچکا گیا۔

"تبھی تو وہاں حالیہ آئے زلزلے میں ایک بلڈنگ گر کر تباہ ہو گئی۔میں نام نہیں بتاؤں گا اس کا آپ دونوں کو معلوم ہی ہو گا لیکن وہاں جس حال میں لوگوں کی ڈیڈ باڈیز نکالی گئی ہیں وہ خاصی شرمناک سچوئیشن تھی۔ایلیٹ کلاس کے سو کالڈ معزز اپنی شرافت مٹاتے ہوئے جب حدیں پار کر رہے تھے تب زمین ہلی اور وہ اس میں دھنس گئے۔معززات تھے نا پیسے والے تبھی ان کی خبریں سرخیوں کی نذر نہیں ہوئیں بلکہ اس کو چھپا دیا گیا اور یہاں دیکھو تھوڑا سا کچھ ہو لے خبروں میں یوں اچھالا جاتا ہے جیسے خدانخواستہ بس ایک ہی خبر ان کے پاس بچ گئی ہے۔"

برا سا منہ بناتے ہوئے چیونگم کے ذائقے کو کڑوا محسوس کر کے کڑوے لہجے میں ہی بولا۔خلیفہ اور سمندر خان کی بھنویں ایک ساتھ اوپر کو اچکیں اور پھر دونوں بھنویں ایک دوسرے کے ساتھ مل گئیں۔

"تمہارے کہنے کا مطلب کیا ہے یعنی کہ ہم معززات میں شامل نہیں ہیں۔لڑکے، تم بھول رہے ہو میں اس ملک کا سب سے موسٹ وانٹڈ شخص ہوں اور سمندر خان معروف امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس کرنے والے بزنس مین۔اپنی آمدنی میں سے پچاس پرسنٹ ہم گورنمنٹ کو دیتے ہیں ایز آ چیریٹی۔پولیس، حکومت اور دیگر ایجنسیاں ہمارے آگے پیچھے پھرتی ہیں پھر بھی ہماری خبریں اچھل رہی ہیں کیونکہ ابھی فی الحال ہم چاہتے ہیں کہ یہ اچھلیں لیکن جس دن ہماری رضا نہ ہوئی ان کی اوقات نہیں ایک پٹی بھی نیچے چلانے کی۔"

رمیز فقط اس کی بات پر سر ہلا کر رہ گیا۔سمندر خان اسے لے کر باہر نکلا تھا۔شاید اسے خلیفہ سے کچھ باتیں کرنی تھیں۔

☆......☆......☆

ان چاروں کو لگتا تھا کہ وہ بچ جائیں گی ہاں ان میں سے ایک بچ بھی گئی تھی اور وہ تھی گڑیا۔ پٹرول پمپ پر جب وہ ڈیزل ڈلوانے کیلیے رکیں تو ان کی گاڑی پر فائرنگ کی گئی اور پھر ان تینوں کو کھینچ کر اس سوزوکی میں ڈال دیا گیا جو سیاہ رنگ کی تھی۔ سیاہ سوزوکی میں ڈلی وہ تینوں جہاں ماتم کی حالت میں تھیں وہیں خوش بھی کہ ان کی ایک ساتھی تو بچ گئی۔ وہ چھوٹی سی لڑکی بچ گئی جو واش روم گئی تھی۔ ان کے جانے تک وہ واپس نہیں آئی تھی مگر جب آئی تو عوام کے منہ سے سنا واقعہ اس کا دل قدموں میں گرا گیا۔ وہ وہاں سے بھاگتی ہوئی نزدیکی بس اسٹیشن پہنچی تھی جہاں وہ پولیس کے ہاتھوں لگ کر معروش تک آئی اور اب اس آرام دہ کمرے میں اپنی زخمی ایڑی کے ساتھ بیٹھی تھی جس میں سے اس کی نشاندہی کرنے والی چپ نکال دی گئی تھی اور ریکارڈنگ ڈیوائس کو بھی نکال پھینکا تھا۔

اب وہ آزاد تھی لیکن جانتی تھی آج یا کل اس نے مر ہی جانا ہے کہ سمندر خان اپنے چنگل سے بھاگی ہوئی لڑکیوں کو اتنی آسانی سے نہیں بخشتا لیکن اس نے سوچ لیا تھا جب تک وہ زندہ تھی پولیس کی رہنمائی ضرور کریگی تا کہ ان درندوں سے اپنی باقی ساتھیوں کو چھڑوا سکے۔ آج پھر معروش اس کے سامنے نیچے کارپٹ پر بیٹھی تھی۔ کرسٹل کی میز پر رکھا اس کا ہینڈی کیم آن تھا۔ ریکارڈنگ جاری تھی جو وہ ننھی لڑکی کہہ رہی تھی۔

"بابا کہتے تھے، غیر لڑکوں سے دوستی معصوم لڑکیوں کو بھٹکا دیتی ہے۔ وہ ان کی معصومیت چھین کر انہیں ایسی آگ کی بھٹی میں جھونک دیتی ہے جس کے جلنے کے نشان بدن کے ساتھ ساتھ دل پر بھی لگتے ہیں۔ بدن کے نشان تو چلو مندمل ہو جائیں گے لیکن دل میں لگے نشانوں کو کیسے مٹایا جائے گا۔ وہ بہت تکلیف دیں گے تمہیں اور وہ صحیح تھے۔" اس نے اپنی لامبی پلکیں اٹھا کر کیمرے کے اس پار دونوں گھٹنوں پر بازو باندھے معروش کو دیکھا جس کی آنکھوں میں ترحم نہیں تھا مگر محسوس کی جانے والی نمی ضرور تھی۔

"بھلے مجھے اس سے محبت نہیں ہوئی تھی مگر پھر بھی اس کے دھوکے نے میرا دل جلا دیا۔ وہ تصویریں مانگتا تھا۔ کہتا تھا کہ ایک وہی تو ہے اس دنیا میں جو مجھ سے بہت پیار کرتا ہے میری بہت عزت کرتا ہے۔"

وہ تضحیکی انداز میں مسکرائی۔

"اس نے نہ ہی مجھ سے پیار کیا اور نہ ہی عزت، یہ کام تو باپ، بھائی یا پھر شوہر کا ہوتا ہے ناں پھر ہم جیسی

لڑکیاں کیسے سمجھ لیتی ہیں کہ کوئی غیر انجانا انسان ہم سے محبت کریگا، ہماری عزت کریگا۔ یہ بات بولنے میں ہی مضحکہ خیز لگتی ہے اور ہوتی بھی بالکل وہی ہے۔ عزت کی دھجیاں بکھیر کر اس پر ہنستی ہوئی۔ میسجز ہزاروں لڑکوں سے شیئر کر کے ان پر کھلکھلاتی ہوئی، آپ کی تصاویر ڈھیروں کے نذر کر کے جسم پر تبصرہ کرتی ہوئی۔ یہ بات واقعی پیٹ میں بل ڈالنے کیلئے کافی ہے کہ کوئی غیر مرد، ایک فیس بک فرینڈ، انسٹا فالوور، واٹس ایپ دوست آپ کی عزت کر سکتا ہے یا پھر آپ سے محبت۔ وہ سب کر سکتا ہے مگر یہ دونوں چیزیں نہیں۔"

وہ کچھ دیر کو تھمی تھی۔ اس کے خاموش ہونے پر گھڑی کی ٹک ٹک کی آواز بھدے میوزک کی طرح کمرے میں گونجتی دل عجیب کر رہی تھی۔ معروش لبوں کو سیئے اسے سن رہی تھی۔ گڑیا کے خاموش ہونے پر، کافی وقت بیتنے پر اسے لگا آج کیلئے بس اتنا ہی کافی ہے لیکن نہیں ہر چیز انسان کی سوچ کے مطابق نہیں ہوتی۔ اس کی سوچ بھی غلط ہوئی اور گڑیا کے لفظ پھر سے اس کمرے میں گونجتے صدا کیلئے کیمرے میں قید ہونے لگے۔

"میں وہاں اس سے صرف پانچ منٹ کیلئے ملنے گئی تھی۔ پی سی کے اس پر نقش روم میں، میں نے جیسے ہی قدم رکھا مجھے اپنے حواس جاتے ہوئے محسوس ہوئے۔ اس کمرے کی ہوا میں ضرور کچھ ایسا ملا تھا جو سیکنڈز میں آپ کو نیند کی وادی میں دھکیل دے۔ میں بھی اس گڑھے میں گرائی گئی۔ اپنے حواسوں کے جاتے ہوئے مجھے صرف ایک بات سمجھ آئی تھی کہ میں اغواء ہو چکی ہوں۔"

اب کہ وہ واقعی رک گئی تھی۔ اس سٹیپ سے آگے کی سٹوری اتنی تکلیف دہ تھی کہ اسے بیان کرنے کیلئے واپس اس تکلیف سے گزرنا پڑتا۔ اس لئے وہ چپ ہو گئی۔ دونوں ہاتھوں کو گود میں گرائے ان پر نگاہیں جمائے وہ پہلے سے کچھ بہتر دکھتی تھی۔ اس کے پاؤں کی پٹی بھی تازہ تھی یعنی اسے آج ہی چینج کیا گیا تھا۔ معروش کو یقین تھا وہ جلدی ری کور کر لے گی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اس کے سامنے میز پر دھرے کیمرے کو بند کیا اور اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"تم نے مجھے بتایا نہیں، تمہارا فیورٹ ٹی وی شو کونسا ہے" وہ اس کا موڈ بحال کرنا چاہتی تھی تبھی بات کو بدل دیا۔

"جو مجھے پسند ہے وہ ممی کو بھی پسند ہے۔ اگر میں نے اسے دیکھا تو گھر والوں کی یاد مجھے پھر سے پینک کر دیگی جو کہ میں ہونا نہیں چاہتی۔ آپ جا سکتی ہیں۔ آپ کو بہت کام ہونگے۔"

معروش سر ہلاتی اس کے دل کی حالت کو سمجھتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کر کمرے کا دروازہ بند کرتی باہر آئی۔ باہر لاؤنج نما چھوٹی سی جگہ پر کمرے کی دیوار کے ساتھ لگے سیاہ صوفے پر آ کر بیٹھتے ہوئے اس نے حفیظ کو کال ملائی۔

"حفیظ! جو اس دن مال میں ہم نے بندہ پکڑا تھا اس نے منہ کھولا یا نہیں؟" جس دن عابد کو مارا گیا اس دن وہ خلیفہ کا ایک آدمی پکڑ لائی تھی۔ جس پر وہ لوگ دنیا زمانے کا تشدد کر چکے تھے۔ پیار سے سمجھا چکے تھے مگر وہ ڈھیٹ تھا کہ منہ کھول کے ہی نہ دے رہا تھا۔

"نہیں مادام جی، بڑی ہی کوئی ڈھیٹ ہڈی ہے جو منہ نہیں کھول رہا اتنے تشدد پر تو مردے بول اٹھتے ہیں جانے اس کے دل میں کونسا ایسا ڈر ڈالا ہوا ہے جو وہ ایک لفظ بولنے کو تیار نہیں۔"

معروش جانتی تھی کہ وہ ڈر کس چیز کا ہے۔ یقیناً فیملی فیئر ہوگا تبھی جسم جلوانے کے باوجود اس کی زبان نہیں کھلی۔

"ٹھیک ہے اپنی کوشش جاری رکھو، لیکن ہاتھ ذرا ہلکا ہی رکھنا۔" فون کو بند کر کے اس نے تھکن سے آنکھیں بند کیں۔ ابھی تو اسے ان لڑکیوں سے بھی ملنے جانا تھا جو ریڈ کے دوران بازیاب ہوئیں۔ وہ کیسے ان لڑکیوں کو سنے گی۔ کیسے ان بچوں کی کہانی کو سہے گی۔ اس کا دل بہت برا ہونے لگا۔ اس برے ہوتے دل کے ساتھ اس نے آنکھوں کو موند لیا۔

☆......☆......☆

ڈیوڈ نے چاروں اور نگاہ دوڑائی۔ راستہ صاف تھا۔ وہ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتا چیونگم کو چباتے ہوئے کونے والی میز پر آ کر بیٹھا۔ کرسی کو اس نے تھوڑا اور موڑ لیا تھا تاکہ اس کی بیک بھی ٹھیک طرح سے نہ دکھے۔ وہ اس وقت ایک کالج بوائے کے روپ میں بیٹھا تھا۔ مینو بک کو ہاتھ میں تھامے وہ پاؤں کے اشارے سے کسی کا منتظر تھا۔ اُس کسی نے آنے میں چند سیکنڈ لگائے تھے۔ آنکھوں پر بڑا سا راچشمہ لگائے منہ کو نقاب سے ڈھکے وہ اس کے سامنے تھی اور اس کا بیگ ساتھ والی کرسی پر دھرا تھا۔ وہ بھی اس وقت کالج گرل کے روپ میں تھی۔

"کیسا لگا کالج بنک کرتے ہوئے؟" ڈیوڈ نے چیونگم کا بلبلہ بنا کر ہوا میں پھوڑا۔

"بکواس بند کرو، اور یہ بتاؤ کیوں بلایا ہے۔" آنکھوں کے سامنے مینو بک کرتے ہوئے اس نے اس کے سوال کا جواب دیا تھا۔ ایک ویٹر ان کے پاس آیا اور آرڈر لکھوا کر چلا گیا۔ ڈیوڈ تھوڑا اور آگے کو ہو کر بیٹھا۔ پس

منظر میں بہت سارے لوگ بیٹھے تھے جن میں اسی طرح کے بنک مارتے سٹوڈنٹس بھی شامل تھے۔

"ٹریٹ کھانے کیلئے۔" وہ مذاق میں بولا پھر یکدم سنجیدہ ہوا۔

"جب میں نے آپ کو کہا تھا کہ کچھ صبر کرلیں تو پھر آپ نے اتنی جلد بازی کیوں کی۔"

وہ جانتی تھی وہ کس بارے میں کہہ رہا ہے۔لوگوں کے شور کی آواز کو اگنور کرتے ہوئے اس نے اپنا چشمہ اتار کر میز پر رکھا اور بولی۔

"کیونکہ میں جانتی تھی، ایک سیکنڈ کی بھی دیر سب خراب کرسکتی ہے۔"

ڈیوڈ نے نفی میں سر ہلایا۔

"غلطی کردی ہے، بہت بڑی غلطی، جتنا کچھ آپ کو ملا ہے اس سے کہیں زیادہ بعد میں ملتا کیونکہ ہفتے کی رات وہاں بہت زیادہ سامان آتا ہے۔سب سے اہم بات قیمتی نگینے ہفتے کی رات کو ہی آتے ہیں اگر آپ ہفتے کو اپنے جوہر دکھاتیں تو ضرور وہ بھی ہاتھ میں آتیں اور وہ بہت کچھ جانتی تھیں۔"

معروش نے گہرا سانس لیا۔ویٹر بڑی ساری ٹرے میں ان کا کھانے سجائے لانے لگا دوسرا تو کب کا پلیٹیں سیٹ کر کے جا چکا تھا۔

"مجھے اب بھی لگتا ہے میں نے جو کیا صحیح کیا۔میں اس سے زیادہ انتظار نہیں کرسکتی تھی۔" ویٹر کھانا لگا تا وہاں سے گیا تھا۔جاتے جاتے اس نے معروش کو بڑی افسوس زدہ نگاہوں سے دیکھا۔ٹرے کو سنک میں پھینکتے ہوئے بھی وہ غصے میں تھا۔

"تمہیں کیا ہوا؟" ڈش واشر نے اس کے انتہائی رویے کی بابت پوچھا۔

"پتا نہیں یہ نسلیں کس سمت رواں ہیں، قیامت آنے والی ہے جان لو یہ بات۔" ڈش واشر نے ٹرے کو دھوتے ہوئے اس ویٹر کی تلخ آواز سنی۔

"جانتا ہوں جانتا ہوں، کوئی نئی بات کرو۔" وہ سر کو مارتے ہوئے اس کے بگڑنے پر بولا۔پانی کی تیز دھار کی آواز پر اس ویٹر نے نگاہ گھما کر اسے دیکھا اور کہا۔

"پتا نہیں ان لڑکیوں کے دل نہیں کانپتے اپنے گھر والوں کی عزت راہ میں اچھالتے ہوئے۔میرا دل کرتا

ہے ایسی لڑکیوں کا گلا گھونٹ دوں۔ شکر ہے میری کوئی بیٹی نہیں۔" وہ جلتا بھنتا کہہ رہا تھا۔ اس کی جلن سے بے خبر وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے کھانے سے لطف اندوز ہونے کی بجائے ایک دوسرے سے خفا کہہ رہے تھے۔

"میں نے آپ کو ایک فائل بھیجی تھی قریباً ایک ہفتہ پہلے آپ نے اب تک اسے دیکھا نہیں۔"

معروش نے اپنا لیپ ٹاپ اٹھا کر اسے کے سامنے کیا اور اس فائل کو اوپن کر دیا۔ وہ بلینک تھی۔

"یہ۔۔ یہ کیسے ممکن ہے میں نے تو خود بھیجنے کے بعد کھول کر دیکھی تھی۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔" اس کے ماتھے پر پریشانی کا جال ابھر آیا تھا۔ کہیں کسی کو اس کے بارے میں پتا تو نہیں چل گیا۔ اوہ گاڈ اگر ایسا ہے تو وہ تو گیا کام سے۔

"کام ڈاؤن، تم نے فائل بھیجی تھی لیکن مجھ سے ڈلیٹ ہو گئی۔ ری اسٹور کی تو سب غائب۔" وہ اسے پرسکون کرنے کیلئے یہ سب کہہ رہی تھی۔ وہ پرسکون نہیں ہوا اس کے لفظوں کا مطلب جان گیا۔

"یعنی، وہ میرا لیپ ٹاپ بھی اپنے قبضے میں کیے ہوئے ہیں مطلب میں پکڑا گیا۔"

معروش نے نفی میں سر ہلایا۔

"ایسا نہیں ہے انہوں نے اب تک تمہارے لیپ ٹاپ تک رسائی حاصل نہیں کی۔ شاید یہ ان کے کچھ اصول ہوں کہ وہاں سے کوئی بھی چیز بغیر اجازت کے کسی بھی دوسرے لیپ ٹاپ میں منتقل نہ ہوتی ہو لیکن ہاں جو فائل تم نے بھیجی وہ تمہارے لیپ ٹاپ سے تو گئی مگر میرے پاس بلینک آئی یعنی میرے لیپ ٹاپ میں کچھ ہے۔"

ڈیوڈ ٹھٹک کر سیدھا ہوا۔ اس کے لیپ ٹاپ کو اپنی اور کر کے اس کی کیز سے چھیڑ خانی کرنے لگا۔ چند منٹ بعد وہ تھک کر اپنی کمر کو کرسی پر گرا رہا تھا۔

"آپ ٹھیک ہو، ونڈو کی پرابلم ہے اس میں۔ ڈونٹ وری یہ ہیک نہیں ہے۔" کہتے ساتھ اس نے بیگ کو کھول کر اس کے سامنے کیا پھر اس میں سے دو گفٹ نکالے۔ ایک کتاب کی شکل میں تھا تو ایک ڈبہ تھا۔

"اس میں آپ کیلئے اس ناچیز کی طرف سے کچھ تحفے ہیں۔ امید ہے آپ کو پسند آئیں گے۔"

ونڈو پرابلم سن کر معروش کی جان میں جان آئی تھی۔ اسے اپنی اتنی پرواہ نہیں تھی۔ ڈیوڈ کی تھی۔ اگر وہ پھنس

جاتا تو وہ اس کے گھر والوں کو کیا جواب دیتی۔ مسکراتے ہوئے اس نے ڈیوڈ کے ہاتھ سے وہ باکسز لئے۔ وہی ویٹر بل جیکٹ لے کر ان کی ٹیبل پر تھا۔

" کھانا اچھا تھا آپ کا شکریہ۔" وہ باکسز اٹھاتی کھڑی ہوئی تھی۔ ڈیوڈ نے مڑ کر اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر اس کے چہرے پر سایہ سا لہرایا تھا۔ ہونٹوں کو تر کرتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کیں اور گہری سانس لیتا ہوا فیصلہ کن انداز میں کھڑا ہو گیا۔

جہاں وہ کھڑا ہوا تھا وہیں کوئی بیٹھا تھا۔ قد، جسامت، کپڑے اور پرسنالٹی بدلی اور ہاں جگہ بھی۔

"تم نے کہا تھا اگلی بار جلدی آؤ گے مگر مجھے افسوس ہے کہ تم اپنی زبان پر قائم نہیں رہ پائے۔" نانو کی نروٹھے انداز پر نوفل کے لبوں پر جاندار مسکان آن ٹھہری تھی۔ وہ آگے کو ہو کر ان کا ہاتھ تھام کر کہنے لگا۔

"میں کیسے آتا، جبکہ آپ کی نواسی نے میری روزی پر لات ماردی تھی۔ چار دنوں سے میں تھانے کچہری کے چکر لگا رہا ہوں، دیکھیں میرے بوٹ بھی اس چکر میں گھس کر رہ گئے ہیں۔" اس نے جورڈن برینڈ کے شوز کی طرف اشارہ کیا جو ذرا برابر بھی گھسے ہوئے نہیں تھے مگر پھر بھی نانو کو اس پر افسوس ہوا۔

"ہاں، کیا ایسا ہے؟ اس نے اب تک تمہارے مالک کی جگہ ضبط کی ہوئی ہے۔" انہیں جیسے شاک سا لگا تھا۔ نوفل کے منہ پر زمانے بھر کی معصومیت اور دکھ آن سمایا۔

"جی اور اسی وجہ سے میں پریشان بھی ہوں۔ آپ پلیز انہیں کہیں ناں اس جگہ کو چھوڑ دیں تاکہ میری نوکری بھی بحال ہو سکے۔ قسم سے ہاتھوں میں کھجلی ہو رہی ہے۔"

نانو نے تعجب سے اس کی بات سنی۔

"ہیں، ہاتھوں میں کھجلی کا کیا مطلب ہے؟"

نوفل ان کے ساتھ ساتھ چلتا کچن میں آیا۔ نانو کو یکدم اپنی اخلاقیات یاد آ گئی تھیں تبھی چائے بنانے کچن میں چلی آئیں۔

"اوہو، مطلب کہ پزا نہیں بنا پا رہا۔" سکربنگ گلوز ہاتھوں میں چڑھاتے ہوئے وہ سنک کے برتنوں کو تیزی سے دھونے لگا تھا۔

"لو اس میں کیا بات ہے، تم ہمارے لئے بنا لو۔ میں روز آرڈر کر لیا کروں گی۔" وہ اس کی بات پر ہنسی تھیں۔ نوفل کو ان کی ہنسی اچھی لگی۔

"یہ کیا بات کر دی آپ نے، آپ سے پیسے لیتا اچھا تھوڑی لگوں گا میں۔" اس کا بولنے کا ایکسنٹ انگریزی ملا سا تھا۔ نانو نے ہیلپر کو پکڑے ہوئے اس کی جانب رخ کیا۔ جواب کپوں کو اچھے سے دھو رہا تھا۔

"موی کہتی تھیں، اپنوں سے پیسے نہیں لیا کرتے۔" وہ اپنی جو بن میں بولتا بولتا یکدم رکا۔ نانو کو دیکھا اور پھر خجل سا مسکرا دیا۔

"تمہاری موی غلط کہتی ہیں، بزنس میں کوئی اپنا نہیں ہوتا لیکن مجھے ایک بات تو بتاؤ تم نے مجھے اپنا کیوں کہا" نوفل نے گلوز ہاتھوں سے اتار کر انہیں سائیڈ پر رکھا۔ سنک کی ٹونٹی میں سے پانی کی وقفے وقفے سے گرتی بوندوں کی آوازیں چاروں جانب گونج رہی تھیں۔ ان بوندوں میں نوفل کی آواز بھی شامل ہوئی۔

"پہلے آپ اس ہیلپر کو نیچے رکھیں، نہیں بلکہ مجھے دے دیں۔" وہ ہاتھ بڑھاتا ان سے زنک رنگ کا ہیلپر لینا چاہتا تھا مگر نانو نے ہاتھ کو پیچھے کر لیا۔

"دے دیں، سیریسلی میرے پاس اپنے ذاتی دو ہیں۔" نانو کے ہاتھ سے اسے تھام کر اس نے دنیا جہان کی ہمت مجتمع کی اور گہرا سانس ہوا میں چھوڑ کر انہیں سمجھانے لگا۔

"وہ ایسا ہے کہ آج سے ایک سال پہلے ایک لڑکی نے میرا پزا کھاتے ہوئے اس کی بہت تعریف کی تھی اور ایسا پہلی ہی بار میرے ساتھ ہو رہا تھا کہ کوئی میرے پزے کی تعریف کر رہا تھا اور مجھے اس تعریف کی بجائے اس کی آواز پسند آ رہی تھی۔" وہ رکا، سوچتے ہوئے اس کے چہرے پر بہت خوبصورت رنگ آن سمائے تھے۔ ہیلپر کو سینے سے لگائے وہ ٹرانس کی کیفیت میں کہہ رہا تھا۔

"وہ بول رہی تھی اور اس کے بولنے کے ساتھ میرا دل ہوا میں اڑا اڑا جا رہا تھا۔ آس پاس اتنے سارے رنگ آ گئے تھے کہ مجھے لگا میرے بیلنے اور ایپرن کے ساتھ ساتھ میں بھی ان رنگوں میں ڈھل چکا ہوں۔ ڈھیر سارے چاکلیٹ ہارسز اڑ کر آتے مجھے بھی اپنے ساتھ آسمانوں پر لے جا رہے ہیں۔ تتلی، جگنو ہر سمت ہیں اور صرف وہ ہے اور میں۔ آپ جانتی ہیں اس نے مجھ سے کیا کہا تھا۔"

نانو بھی منہ کھولے اس کی امیجی نیشنز میں کھوتے ہوئے اسے اپنے قد سے اوپر اڑتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔ ویسے ہی نہ میں سر ہلایا۔

"اس نے مجھے کہا تھا نوفل! تمہارے ہاتھوں میں تو جادو ہے۔ میں نے واقعی آج تک ایسا پزا نہیں کھایا۔ تم نے تو مجھے اصل روما کے پزے کی یاد دلا دی پھر وہ یہ کہہ کر چلی گئی تھی اور اپنے ساتھ ساتھ وہ سارے رنگ اور تتلی، جگنو اور چاکلیٹ ہارس لے گئی تھی۔ میں اس کے جاتے ہی نیچے گرا اور اس کی تلاش میں نکل پڑا۔"

"پھر؟" نانو کو اس کی کہانی میں دلچسپی محسوس ہوئی۔ اسے اپنے برابر واپس آتے دیکھ وہ بھی حقیقت کی دنیا میں لوٹی تھیں۔

"پھر یہ کہ وہ مجھے مل گئی ہے اور۔۔۔اور۔" وہ لمحہ بھر کو رکا۔ کن انکھیوں سے نانو کو دیکھا اس سے پہلے وہ نام زدعام ہوتا معروش کے سلام کی آواز پورے گھر میں گونجنے لگی۔

"ارے میری بچی آ گئی۔" نانو اس کی پریم کہانی کو اگنور کر کے یا پھر یہ کہنا مناسب ہوگا کہ یکسر بھلانے کے بعد معروش کیلئے کچن سے باہر آئیں لیکن اس سے پہلے ہی وہ اوپر اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ وہ تو فقط اس کے دوپٹے کا کونا ہی دیکھ پائی تھیں۔ کمرے میں آتے ہی اس نے بیگ کو کارپٹ پر پھینکا اور دروازہ لاک کر کے زمین پر بیٹھ گئی۔ اس نے سب سے پہلے باکس کو کھولا تھا۔ گفٹ کور کو بیدردی سے چاک کرنے کے بعد گہرا سانس بھرتے ہوئے اس نے اس بند ڈبے کو دیکھا پھر دونوں گھٹنوں پر ہاتھ باندھ کر بیٹھ گئی۔

"ہم سب طاقتور ہوتے ہیں۔ ہمارے اندر اتنی پاور ہوتی ہے کہ ایک پہاڑ کو بھی چاک کر دیں لیکن زندگی میں ایک لمحہ ایسا آتا ہے کہ یہ پاور، یہ سٹیمنا ایک بھر بھرے سے ذرے کو بھی کچلنے سے قاصر ہوتا ہے۔ میں جانتی ہوں یہ شعبہ، یہاں کے لوگ تمہارے لئے نہیں بنے لیکن جو تمہارا مقصد ہے وہ تمہیں اس طرف لے گیا ہے۔ اس کی تکمیل کی خاطر ہمت پکڑو اور کر گزرو۔"

نانو کے الفاظوں کو اپنے آس پاس بٹھا کر وہ ہمت کر کے آگے بڑھی اور کانپتے ہاتھوں سے اس باکس کو کھول دیا۔ اس بڑے سارے باکس میں کاغذ کا کچرا تھا۔ اس کچرے کو زمین پر الٹنے کے بعد اس میں ہاتھ مارنا شروع کیا۔ ایک فلیش اس کے ہاتھ میں لگی تھی۔ اس سلور کلر کی فلیش کو موبائل سے اٹیچ کرنے کے بعد اس نے فائلز

کھولنی شروع کیں۔ تین ویڈیوز اس کے سامنے تھیں۔ اس نے ایک پر کلک کیا۔

"تمہیں کس نے اجازت دی اسے ہاتھ لگانے کی۔ تقریباً مار ہی دیا تھا تم نے اسے۔" وہ آواز یقیناً خلیفہ کی تھی۔ معروش نے آنکھ سے خون رستے اس لڑکے کو دیکھا اور ساتھ ہی ویڈیو میں سے اس کا سکرین شارٹ لے لیا۔ دوسری ویڈیو چل پڑی تھی۔ اس میں کسی جگہ کو دکھایا گیا تھا۔ وہ کوئی بہت بڑا ولا سا تھا جس میں نازیبا کام کیے جا رہے تھے۔ وہاں بہت ساری لڑکیاں تھیں اور ان میں تو فاطمہ بھی تھی۔ معروش نے سیل کو عین اپنی آنکھوں کے سامنے کیا۔

"ٹیم سی کے لوگوں کے ساتھ آج انہیں لے جایا جائے گا۔ راستے صاف ہیں اور موسم اچھا اس لئے تم سب لوگ جلدی سے نکلنے کیلئے ریڈی ہو جاؤ۔"

اس نے جلدی سے دوسری ویڈیو پر کلک کیا۔ وہ کچھ یوں تھی۔

"خلیفہ جانتا ہے اسے کیا کرنا ہے۔ تم سب اس کے کام میں اپنی ٹانگ مت اڑاؤ۔ یاد رکھو شمال سے اٹھنے والی ہوائیں تم سب کو تباہ کر سکتی ہیں۔"

معروش برق رفتاری سے نوٹ بک میں اہم پوائنٹ نوٹ کر رہی تھی۔ اسے اس دوران ڈیوڈ کی آواز سنائی دینے لگی۔

"تمہیں آئس ٹرائے کرنی چاہئے یہ دماغ کو بہت سرور بخشتی ہے۔" کوئی اس سے کہہ رہا تھا اور وہ چلے جا رہا تھا۔ اس کے آس پاس بہت سے لوگ تھے اور عجیب سی روشنی تھی۔

"مشورے کیلئے شکریہ، میں مستقبل میں ضرور اسے ٹرائے کروں گا۔ یہاں آس پاس بہت سکون ہے اتنا کہ کبھی دل کرتا ہے کہ ایم ایم عالم کو جاتی سڑک پر نکل جاؤں تم کیا کہتے ہو۔" اس کے ساتھ ہی وہ ویڈیو رک گئی۔

"ایم ایم عالم۔" معروش نے اسے جلدی سے نوٹ کیا اور کتاب کی صورت پیک گفٹ کو کھولنے لگی۔ پریکٹیکل بک اس کے سامنے تھی۔ اس نے جلدی سے اسے کھولا۔ وہ تصاویر تھیں۔ کچھ بندے تھے تو کچھ عورتیں اور ان کی ڈیٹیلز اور ایک جگہ کا نقشہ بھی تھا ساتھ میں سیل نمبر بھی۔ معروش نے جلدی سے اس سارے سامان کو سمیٹ کر حفیظ کو کال ملائی۔

"حفیظ! میری بات غور سے سنو، میں کچھ چیزیں تمہیں بھیج رہی ہوں۔اسے سرچ ڈپارٹمنٹ کے ہینڈاوور کر کے ابھی اور اسی وقت اس پر کام شروع کرواؤ۔یقین کرو یہ چیزیں ہمارے بہت کام آنے والی ہیں۔"

فون بند کر کے ان تصاویر کو کیمرے میں قید کرنے کے بعد اس نے حفیظ کو سینڈ کیا تھا۔تھوڑی دیر بعد اس کے سیل پر ان نون نمبر سے کال آنے لگی محتاط انداز میں وہ کال اٹھا کر اس نے فون کو کان سے لگایا تھا۔

"گرل فرینڈ! اپنے لیپ ٹاپ کو یوزمت کرنا، وہ خراب ہے۔" اس نے جھٹ سے نمبر کو دوبارہ دیکھا۔ خراب یعنی اوہ مائی گاڈ اس نے فوراً سے سیل کو واپس کان سے لگایا۔

"تم واپس آجاؤ، میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔" اس نے جلدی سے بیقراری میں کہا تھا۔اسے ڈیوڈ کے مسکرانے کی آواز آئی۔

"اس نوازش کا شکریہ لیکن میں اب تب تک نہیں لوٹوں گا جب تک سب کو خوش نہ کردوں۔" اس کے محتاط جملے، مدھم آواز معروش کا دل بٹھانے لگی۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے ایک ماں اپنے بیٹے سے جدا ہو۔ اسے یاد تھے وہ دن جب وہ آئی جی کو اعتماد میں لیتے ہوئے اس کیس پر کام کرنا شروع ہوئی تھی۔اسے کامیابیاں مل رہی تھیں تبھی اسے ایف آئی اے کے ساتھ کنیکٹ کردیا گیا تھا۔اب وہ ان کے ساتھ مل کر ہی یہ کام سرانجام دے رہی تھی۔ڈیوڈ بھی تو ایف آئی اے کا ہی ایک جانباز سپاہی تھا جسے اس نے بذات خود چوز کیا تھا اس کام کیلئے۔وہ ماتھے کو مسلنے لگی۔

"میں تمہاری سلامتی کی دعا کرونگی۔" فون کو بیڈ پر اچھال کر وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامے بیٹھ گئی۔باہر سے نانو اسے آوازیں لگا رہی تھیں کہ وہ نوفل سے آکر مل لے مگر اب کس کافر کا دل کرنا تھا کسی سے بھی ملنے کا۔

☆......☆......☆

"بھاگنے کی کوشش کر رہی تھی تم، ہاں بھاگ گئی کیا یہاں سے؟ جان لو مرنا جینا اب تم لوگوں کا یہیں ہے اور اگر کسی نے اب ہمت بھی کی کہیں جانے کی تو روح کھینچ لونگا میں تم لوگوں کی۔"

شیون صدیقہ اور اس کی باقی پکڑی ہوئی تینوں ساتھیوں پر غرا رہا تھا۔اس کی ایک آنکھ سرخ تھی اور ایک کو ٹانکے لگا کر بند کیا گیا تھا۔اس کی نگاہوں کے عین سامنے نیچے زمین پر تڑمڑ پڑی وہ چاروں زخموں سے چُور

تھیں۔ ظلم کے پہاڑ جو توڑے گئے تھے ان چاروں پر۔ وہ ان پر تھو کتا باہر کو گیا تھا۔

"ماما کہتی تھیں جب ہم بہت بہت مشکل میں ہوں تو اللہ ہماری مدد کو رحمت کا فرشتہ بھیجتا ہے۔ آپ دیکھنا وہ فرشتہ جلد ہم تک آئے گا۔ ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔"

ان چار کالج گرلز میں سے ایک ان کے پاس آکر بولی۔ وہ خود نشے میں تھی۔ نشے کی زیادتی کے سبب اس کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔

"لیکن اب میں گھر جانا نہیں چاہتی، میں کس منہ سے بابا، بھائی کا سامنا کرونگی کتنے لوگوں نے مجھے انٹرنیٹ پر دیکھا ہوگا۔ میں کس کس سے خود کو چھپاتی پھروں گی۔ میں گھر نہیں جاؤنگی۔ میں مر جاؤنگی۔"

دوسری منہ پر ہاتھ رکھے روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ یوں بھی اسے معلوم تھا ان لوگوں نے اب یہاں سے کہیں نہیں جانا۔ اگر گئیں بھی تو اس سے زیادہ تکلیف دہ جگہ پر ہی جائیں گی۔

"کیا اب بھی مرنا باقی ہے ہنی، مجھے تو لگتا تھا ہم کب کی مر گئیں۔" ان ہی میں سے ایک ناک کے ذریعے ہیروئن کو سونگھتے ہوئے ڈولتے وجود کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔ صدیقہ کے ساتھ ساتھ رخسانہ کے آنسو بھی ٹپک پڑے۔

"ہمیں درد محسوس ہوتا ہے، ہتک فیل ہوتی ہے، ہمارا دل دکھتا ہے مطلب ہم زندہ ہیں۔"

رخسانہ کی روتی آواز بہت ساری لڑکیوں کو سنائی دینے لگی۔ سب اس کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔

"کاش یہ سب نہ ہوتا۔" کسی ایک کی درد بھری آواز گونجی۔

"کاش ہم یہاں نہ ہوتے بلکہ اپنے غریب سے گھر میں دو وقت بھوکا رہ کر عزت کی زندگی گزار رہے ہوتے۔" ہال کے کونے سے ایک اور نشے میں لڑکھڑاتی آواز ان کی سماعتوں تک پہنچی۔

"یا پھر ہمیں پیسے کی لالچ نہ ہوتی۔ کسی بھی طرح امیر بننے کے چکر میں ہم خود کو ذلیل نہ کرواتے بلکہ عام لڑکیوں کی طرح خوشگوار زندگی گزارتے۔"

ایک اور کی آواز گونجی ساتھ میں وہ دیوار کی باریک سی لائن کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی جس میں سے سورج کی روشنی چھن کر آ رہی تھی۔ کتنا عرصہ ہوا اس سورج کو محسوس کئے ہوئے۔ اس نے آنکھیں بند کر کے اس کی تمازت کو

اپنے گالوں پر محسوس کیا۔

"فاطمہ خوش نصیب ہے جو بھاگ گئی۔" وہی لڑکی بولی مگر اس کی بات کی نفی دوسری لڑکی نے کی تھی۔

"نہیں، فاطمہ بہت بدنصیب ہے کیونکہ وہ جلد یہیں لوٹنے والی ہے۔ مجھے دکھ ہے کہ آگے اس کی زندگی اس سے بھی زیادہ بدتر ہونے والی ہے۔"

صدیقہ نے اپنے زخمی گال پر بہتے آنسوؤں کی جلن کو محسوس کیا۔ اس کی آواز میں موجود غم سب نے سنا۔

"جب ہم جیسی عورتیں اپنے گھر کو چھوڑ دیتی ہیں تو یوں ہی خوار ہوتی ہیں، کاش ہم جیسی عورتوں کو سمجھ آجائے کہ شوہر اور باپ کا گھر ہی ہمارے لئے سب سے محفوظ ہے۔ بھائی، باپ اور شوہر کا رشتہ ہی ہمیں عزت واحترام دے سکتا ہے۔ کاش ہم سمجھ جائیں گے کہ زمانہ واقعی ظالم ہے اور ہمارا محرم ہمارا مسیحا۔"

سب کے دل اس آواز سے بہنے لگے، سب کی آنکھیں نم تھیں۔ جہاں وہ لوگ اس حال میں اپنی اپنی قسمتوں کو رو رہی تھیں ان سے کچھ فاصلے پر عالیشان روم میں بیٹھا خلیفہ اپنی مدہوش ہوتی آنکھوں سے ساشا کو سن رہا تھا جو کہہ رہی تھی۔

"ایک ہفتے میں پچاس کروڑ ہوئے ہیں ہماری ویب سائٹ نے انٹرنیٹ پر دھوم مچادی ہے۔" وہ اس کے سامنے کاغذات رکھتی کہہ رہی تھی۔ رمیز اس کے ساتھ ہی بیٹھا تھا بس فرق اتنا تھا کہ اسے ہلکا نشہ چڑھا تھا اور خلیفہ کا نشہ بلندیوں پر پہنچا ہوا تھا۔

"گڈ ورک، تھائی لینڈ کا بتاؤ۔" ایک اور پیگ چڑھاتے ہوئے وہ اس سے کہہ رہا تھا۔ ساشا نے جھک کر لیپ ٹاپ اس کے سامنے رکھا۔

"وہاں کے مافیا کو ہماری ڈرگ اور لڑکیاں بہت بھائی ہیں۔ انہوں نے اس بار ڈیمانڈ کو بڑھا دیا ہے لیکن ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔ آئس کو امپورٹ کرنے میں دشواری ہو رہی ہے۔ اس بار سختی کچھ زیادہ ہے۔"

خلیفہ نے گلاس کو لبوں سے لگا کر لیپ ٹاپ کو اپنی جانب کھسکایا۔ پیج سکرول کرتے ہوئے اس کی بہکی ہوئی آواز وہ دونوں سن رہے تھے۔

"خلیفہ کیلئے کوئی سختی نہیں۔ رمیز، تم اسے منگوانے کی تیاری کرو۔ اس میں اپنا فارمولا ایڈ کر کے اسے اور

سٹرونگ بناؤ۔ اور اپنے سائنٹسٹس کو کھاتے پیسے کس لئے لیتے ہو ہم سے۔ ایک پودا نہیں اگا پا رہے وہ لوگ۔"

وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔ اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ رمیز نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دینے کو ہاتھ بڑھایا جسے اس نے جھٹک دیا۔

"خواجہ ریاض کو لگ رہا تھا ہمارے ٹکڑوں پر ایم این اے بننے کے بعد ہم سے بغاوت کریگا۔ سالا، دنیا کو بھی تو پتا چلے کہ اچھائی کا لبادہ اوڑھے یہ کمینہ کتنا لسٹ میں ڈوبا ہوا ہے۔" نشے میں وہ کون سے ٹاپک سے کس ٹاپک پر نکل پڑا تھا۔ ساشا نے آگے بڑھ کر لیپ ٹاپ کو بند کیا۔

"ہم لوگوں کو مات دے رہا تھا، ہمارے لئے پلاننگ کر رہا تھا۔ پولیس کا چھاپہ پڑوایا۔ میڈیا میں میرا دی خلیفہ تبریز کا نام اچھالا ہاہا۔" وہ جھٹکے سے تھوڑا سا ہنسا۔

"نتیجہ، میرے ماتحت، مجھ جیسے سو کالڈ انسانیت کے علمبردار کیلئے جھنڈے اٹھائے سڑک پر نکل آئے، خلیفہ کے حق میں نعرے لگانے لگے۔ میں بچا، میرا کردار بچا اور کام وہ اور اوپر بہت بہت اوپر آسمان کو چھونے لگا۔ سالے ہمیں مات دیں گے۔ کاروبار ٹھپ نہ کروا دیا ان لوگوں کا تو میرا نام بھی خلیفہ نہیں۔"

وہ ہنستا ہوا دوسرے صوفے پر آ کر گرا۔ "خلیفہ تبریز کو ہرائیں گے یہ لوگ، سالی قاتل حسینہ۔" اس کی آنکھوں کے سامنے معروش کا سراپا لہرایا۔ ایک خواہش نے دل میں شدت سے زور پکڑا تھا جسے خلیفہ نے سہولت سے مار دیا۔ یوں بھی وہ مارنے میں ماہر تھا۔

☆......☆......☆

گہرا سانس بھر کر اس نے خود کے اعصابوں کو مضبوط بنایا اور دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔ اس ہاسپٹل کے بڑے سارے وارڈ میں کچھ زخمی تو کچھ مریض کثیر تعداد میں بھرے ہوئے تھے۔ ان میں بچے بھی تھے اور لڑکیاں بھی۔ اس نے اپنے قدم بچوں کی جانب بڑھائے۔ سفید ماربل پر اس کے بوٹوں کی معمولی سی دھمک ایک بچے کے پاس آ کر رکی جو غیر مرئی نقطے پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ معروش آہستہ سے اس کے پاس آ کر بیٹھی اور اپنی آنکھوں کو اس کے چہرے پر روکا۔

"میں نے سنا ہے تمہیں انجینئر بننے کا بہت شوق ہے، اگر ایسا ہے تو کیا تم میرے تھوڑے بہت کام کر دو

گے؟" وہ اس بارہ، تیرہ سالہ بچے کی مرجھائی ہوئی رنگت سے اپنے دل کو مرجھاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔اس کی آنکھوں کے عین سامنے بہت سارے لوگ غم وملال کی تصویر بنے زندگی سے اداس بیٹھے تھے۔

"ڈیڈی نے کہا تھا اپنی بہن کی حفاظت تمہارا فرض ہے، جو بہنوں کی حفاظت کرتا ہے وہ دنیا وآخرت میں سرخرو ہو جاتا ہے۔میں نے اپنی بہن کی حفاظت کی اور ذلیل ہو گیا۔کیا ڈیڈی کی بات غلط تھی؟"

سوال سے ہٹ کر جواب نے معروش کو ایک لمحے کیلئے ٹپٹایا۔اس نے سب پر نگاہ دوڑائی اور پھر اس بچے کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"ڈیڈیز کبھی غلط نہیں ہوتے، یہ وقت ہوتا ہے جو ان کی بات کو غلط ثابت کر دیتا ہے۔وہ حرص کرتا ہے نا نہیں چاہتا کوئی اس سے جیتے اس لیے ان کے لفظوں کو اپنی انا میں کچل کر خود اعلیٰ بن جاتا ہے۔جیسے شیطان انسان کے دل پر حاوی ہو کر ہر غلط کو صحیح بنانے کیلئے دلیلیں دیتا ہے اور ہمیں بہکا دیتا ہے بالکل اسی طرح وقت بھی باتوں کو غلط ثابت کر دیتا ہے۔ڈیڈی غلط نہیں تھے وقت غلط تھا۔" اسے خود بھی نہیں پتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے بس وہ کہے گئی۔لڑکے نے اس کے ہاتھ سے اپنے ہاتھ نکالے۔

"جو بھی تھا ان دونوں کے بیچ تو میں پسا گیا نا، کیا آپ مجھے انجیکشنز دے سکتی ہیں۔آپ سمجھ رہی ہیں نا میں کن انجیکشنز کی بات کر رہا ہوں؟"

معروش کی آنکھیں بھرا گئیں۔اس بچے کے ہونٹ خشک وسفید تھے، آنکھوں میں بے نوری بھی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔اس نے اپنے ہونٹوں کو کچلا۔وہ گہرا سانس بھر کر کھڑی ہوئی۔

"مجھے سمندر خان اور خلیفہ تبریز کو گرفتار کرنا ہے، اس کیلئے مجھے آپ لوگوں کا تعاون درکار ہے۔پلیز آپ سب لوگ ہمت کریں اور آواز اٹھائیں، مجھے بتائیں کہ اس کا یونٹ انسانی سمگلنگ اور ڈرگ سمگلنگ کے علاوہ اور کیا کام کرتا ہے۔آپ سب لوگ ایسے گھبرا کیوں رہے ہیں۔مجھ پر بھروسہ رکھیں میں آپ سب کو کچھ نہیں ہونے دونگی۔"

وہ بیڈز اور کرسیوں کے درمیان کھڑی ان لوگوں سے التجاء کر رہی تھی۔ان کو اس آس سے دیکھ رہی تھی جوان کا دل پگھلا دے۔

"خوش ہو جائیں آپ سب، کہ آزادی اب آپ لوگوں کا مقدر ہے لیکن یاد رکھیں اس آزادی میں گھٹن تب تک برقرار رہے گی جب تک آپ سب ان باقی لوگوں کو چھڑوانے میں ہماری مدد نہیں کریں گے جو آپ کی طرح ہی قید ہیں۔ پلیز میرا ساتھ دیں۔"

اس نے التجاء کرتے ہوئے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں سے گزارا۔ سب کے سر جھکے تھے اور دبی دبی آواز میں آنسو بھی جاری تھے۔ اس نے ہمت نہیں ہاری کہنا شروع کیا۔

"ظلم تب تک طاقتور رہتا ہے جب تک اسے مات دینے کیلئے کوئی آگے نہ بڑھے اور میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ آپ لوگ ظلم کو جڑ سے ختم کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ ہاتھ کھڑا کریں کون ساتھ دے گا میرا۔"

وہ امید بھری نظروں سے سب کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے دل میں ٹھنڈی اترنے لگی۔ گھٹنوں سے جیسے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ان معصوم لوگوں کی خستہ حالی پر دل گرفتہ تھی مگر اس کے افسوس سے کیا ہونا تھا وہ ان کی کھوئی ہوئی عزت تو نہیں لوٹا سکتی تھی۔

"ہاتھ کھڑا کریں، میرا ساتھ دیں۔" ایک آخری بار وہ ان لوگوں سے مخاطب تھی مگر چاروں جانب کی خاموشی نے اس کو مزید روہانسا کر دیا۔ اتنے سارے لوگوں کی وجہ سے اس جگہ پر گھٹن تھی تبھی سردی میں بھی ہلکی سپیڈ میں پنکھا چلایا ہوا تھا جس کی آواز اس خاموشی میں بھدا سا میوزک پیدا کر رہی تھی۔

معروش نے لبوں کو نچلے ہونٹ سے آزاد کرایا۔ وہ مایوسی سے پلٹنے لگی تھی جب ایک ہاتھ فضا میں بلند ہوا۔ وہ یکدم الرٹ ہوئی۔

" کیا آپ کو کسی نے بتایا کہ کل رات یہاں سے چودہ لوگ غائب ہوئے ہیں۔ ان غائب لوگوں کے ساتھ پیغام بھی موصول ہوا تھا کہ اگر کسی نے زبان کھولی تو ان چودہ لوگوں کو جن میں دس بچے اور چار لڑکیاں شامل تھیں وہ عبرتناک موت دیں گے۔ اگر آپ چاہتی ہیں تو ٹھیک ہے میں حاضر ہوں لیکن ایک بات یاد رکھیں ہم سب اس وقت لائیو جا رہے ہیں۔ ہم ان کی نظروں میں ہیں۔" معروش کو اس کی بات سے شدید جھٹکا لگا۔

" کیا کہہ رہی ہو، جھوٹ بول رہی ہو تم ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ فوراً سے وہاں سے گئی تھی۔ اس کے قدم کنٹرول روم کی جانب تھے۔ اس کے پہنچنے سے پہلے ہی ایک آفیسر کل کی تاریخ کی فوٹیج نکالنے لگا۔ فوٹیج نکالنے

کے بعد وہ کرسی پر پریشانی کے عالم میں گرا تھا۔

معروش دروازہ کھول کر اندر آئی اور سکرین پر جھک گئی۔ چند لوگ چن چن کر ان چودہ افراد کو وہاں سے لے کر گئے تھے۔ دو لوگوں نے ڈاکٹرز کی کنپٹیوں پر بندوق تانی ہوئی تھی۔ معروش نے ماتھے پر ہاتھ کو مسلا۔ کچھ اسے واضح سا ہونے لگا تھا۔

"ضرور کوئی یہاں سے ان میں ملا ہوا ہے، کوئی ہمارا ہی بندہ۔ مجھے معلوم کر کے بتاؤ حفیظ وہ کون ہے اور ان چھپے ہوئے کیمراز کو جلد از جلد ختم کرو۔" اسے آرڈر دیتی وہ برے دل کے ساتھ وہاں سے نکلی تھی۔

اس کی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے اور کیا نا۔ اپنی گاڑی کو ان لاک کرتی وہ اس میں آ کر بیٹھی۔ ابھی اس نے گاڑی سٹارٹ ہی کی تھی کہ پیچھے سے ایک کار زور سے اس کی گاڑی سے آ کر ٹکرائی۔ معروش نے سیٹ بیلٹ لگایا ہوا تھا تبھی بچت ہو گئی۔ اس نے بیک مرر سے دیکھا وہ گاڑی واپس ریورس ہو کر سپیڈ سے اس کی طرف آ رہی تھی۔ اس نے پارکنگ سے تیزی سے اپنی کار نکالی مگر جتنی سپیڈ سے وہ کار نکال رہی تھی اتنی ہی تیزی میں اس نے اسے پیچھے کیا اور وہ کار جو اسے ایک اور ٹکر مارنے والی تھی کے ساتھ اس بری طرح ٹکرائی کہ پورے پارکنگ لاٹ میں آواز گونج اٹھی۔ اپنی کار سے اس کار کو پیچھے کرتے ہوئے اس نے دیوار سے اسے لگایا اور پہیوں کو دقت دیتے ہوئے وہ پیچھے مڑتی اس سیاہ کار کو دیوار کے اندر دھسانے کی سعی کر رہی تھی مگر یہ کیا وہ کار تو خالی تھی۔ کوئی بھی اس میں نہیں بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے انجن کو آہستہ آہستہ بے جان کیا۔ اس کی گاڑی کے بند ہوتے ہی وہ کار سٹارٹ ہوئی۔ معروش کی گاڑی کو آگے دھکیل کر وہ وہاں سے جا رہی تھی۔ یعنی وہ آٹو میٹک تھی اور کوئی دو ہاتھ اسے بہت دور سے کنٹرول کر رہے تھے۔ معروش نے اپنی کار کو اس کے پیچھے لگایا تھا مگر شاید آج قسمت اس کے ساتھ نہیں تھی تبھی تھوڑی دور تعاقب کرنے کے بعد ہی اس کی کار بند ہو گئی۔ وہ جلدی سے بیلٹ کو کھولتی اس میں سے اتری۔ اس کار نے سگنل توڑا تھا اور وہ اس کی نگاہوں کے سامنے اس سے دور جا رہی تھی۔ معروش شٹ کے سے انداز میں ہاتھ مارتی وہاں کھڑی رہی کہ وہ کار بغیر نمبر پلیٹ کے تھی اور بہت جلد ہی اس جیسی چند کاروں میں گم ہو چکی تھی۔

"ڈیم اٹ۔"

☆......☆......☆

رات کے آخری پہر ان لوگوں کی دو گاڑیاں اس عالیشان گھر کے پورچ سے سڑک پر آئیں اور پھر سیاہی میں دوڑتی چلی گئیں۔ چار فارن لڑکیاں جو غیر قانونی طریقے سے پاکستان کی حدود میں داخل ہوئی تھیں ان گاڑیوں میں دو دو کر کے بیٹھی تھیں۔ ان چاروں نے عبائے اوڑھ رکھے تھے۔ عبائے کے اندر چھپے منہ پر سیاہ ٹیپ ان چاروں کے ہونٹوں پر جمی ہوئی تھی تا کہ وہ بول نہ سکیں۔ سب ٹھیک تھا۔ راستہ صاف تھا۔ اندھیرے میں ڈوبی اس سردی کی رات دور دور تک کوئی ہیولہ بھی آنکھ پڑتا دکھائی نہ دیتا تھا۔ رات اتنی گہری و تاریک تھی کہ فقط کار کی ہیڈ لائیٹس کی ہی مدد سے سڑک کو دیکھا جا سکتا تھا۔ باقی تو سب کچھ ظالم اندھیرے کی قید میں تھا۔ اس سیاہ اندھیرے کو چاک کرتی پھیکی زرد مصنوعی روشنی میں سے انہوں نے دیکھا کہ ان سے بس کچھ ہی دور کچھ عجیب سی حرکات و سکنات ہو رہی ہیں۔ بس تھوڑی دور ہی اندھیرے کے اثر کو زائل کرتی سفید روشنی ان کا راستہ کاٹنے کی غرض سے راستے میں حائل ہے۔ سپیڈ ہلکی کرتے ہوئے یہ سب دیکھ کر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھے بندے نے فون کو کان سے لگایا۔

"سامنے پولیس کا ناکہ لگا ہے گاڑی موڑ لو۔" کہتے ساتھ ہی اس نے سٹیئرنگ کو گھمایا اور اس سڑک کے ساتھ لگتی دوسری سڑک پر کار کو ڈال دیا۔ پیچھے والی نے بھی اسے فالو کیا تھا مگر ایک میٹر کے فاصلے پر وہاں بھی ناکہ لگا ہوا تھا۔ اس بندے نے گھبرا کر ایک اور نمبر ڈائل کیا۔

"سر جی، دونوں جانب ناکے لگے ہیں۔ کیا کریں؟ ٹھیک ہے۔ سمجھ گیا۔" فون بند کرتے ہی اس نے دوسری کار میں بیٹھے اپنے ساتھی کو کال لگائی۔

"رکنا نہیں ہے، چلتے رہنا ہے۔" فون بند کر کے اس نے اپنی جیب میں رکھا۔ ان کے پیچھے برقعوں میں بیٹھی دونوں لڑکیوں نے اپنے دائیں بائیں جانب بیٹھے بندوں کے ہاتھوں کی گرفت اپنی کہنیوں پر محسوس کرتے ہی خود کو تھر تھرا لیا۔ اس گرفت کا مطلب وہ بخوبی سمجھتی تھیں اگر ان میں سے کسی نے بھی کوئی بھی غلطی کی تو ان کی جان جائے گی اور جان تو ہر صورت پیاری ہوتی ہے اس لیے وہ ٹھس بیٹھی رہیں۔ گاڑی اس ناکے پر آ کر رکی تھی۔ ایک انسپکٹر ایک کانسٹیبل کے ہمراہ ان کی کار کا شیشہ بجانے لگا۔

"گاڑی سے اترو آپ سب، ہمیں تلاشی لینی ہے۔" گھنی مونچھوں والے انسپکٹر نے ڈرائیور، اس کے

ساتھ بیٹھے آدمی اور پچھلی سیٹ پر بیٹھے دو آدمیوں اور عورتوں پر نگاہ ڈال کر کہا تھا۔اس کی آواز میں رعب اور تحقیری کا عنصر غالب تھا۔ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا بندہ بولا۔

"سر جی، ہم سب فیملی ہیں، گاؤں میں فوتگی ہوگئی ہے وہیں کیلئے نکل رہے ہیں۔آپ کو مولا سائیں کا واسطہ جانیں دیں ورنہ ہم سب اپنی اماں کا دیدار کرنے سے محروم رہ جائیں گے۔" آواز میں مسکینیت پیدا کیے وہ آدمی ہاتھ جوڑے اس کرپٹ دکھتے پولیس آفیسر سے مخاطب ہوا۔اس کے پیچھے کھڑا کانسٹیبل ہاتھ سے پیسے دینے کا اشارہ کر رہا تھا۔

"اوئے سر نہ کھا جلدی کار خالی کر۔" بے مروتی کی انتہا کرتے ہوئے اس انسپکٹر نے اس کی سائیڈ کا دروازہ کھولنا چاہا لیکن وہ لاک تھا۔

"سر جی کچھ لے دے کر فارغ کر دیں ہمیں۔" کانسٹیبل کے اشارے کا مفہوم سمجھتے ہوئے اس نے اپنی جینز کی جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ اس انسپکٹر کی چھڑی اپنے سائیڈ کی کھڑکی پر پڑتے ہی وہ بدک گیا۔

"اوئے، حرام خور پولیس کو رشوت دیتا ہے تجھے تو میں نہیں چھوڑتا چل جلدی سے کار سے اتر۔" اس حکم پر وہ آدمی اپنی جگہ سے ہلا اور دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔انسپکٹر اسے کار سے پکڑ کر سائیڈ پر لے جا رہا تھا۔

"وہ کیا ہے نا بابو، اگر تو اماں کا دیدار کرنے جاتا ہے تو ابا میں تگڑا قسم کا لوں گا۔سمجھ گئے نا میری بات۔"

بظاہر یہ شو کرواتے ہوئے کہ وہ اسے جھاڑ پھٹک رہا ہے۔وہ اس آدمی سے مطالبہ کر رہا تھا۔چالیس کے قریب جاتا وہ آدمی اس گھنی مونچھوں والے خبیث انسپکٹر کی خباثت پر گہرا مسکرایا اور سارا والٹ اس پر خالی کر دیا۔لاکھوں کمانے جا رہے تھے وہ، ہزاروں لوٹا دیتے تو کیا جاتا تھا۔اس پولیس والے کی پچاس ہزار پر باچھیں کھلیں۔لاٹری نکلنے پر وہ اس آدمی کو دھکا دیتا ہوا کار کی طرف لایا۔

"چلو نکلو اب، اوئے شبیرے راستہ کھول۔"

راستے کھلتے ہی انجن دوبارہ حرکت میں آئے تھے۔وہ دونوں کاریں ان کی آنکھوں کے سامنے سے دور جا رہی تھیں۔

"اچھا سبق سکھایا ہے، آئندہ رشوت دینے کا سوچے گا بھی نہیں۔" وہ ان گاڑیوں کو دیکھتا کانسٹیبل سے

مخاطب تھا جو بڑی تیکھی نگاہوں سے اپنے "ایماندار" سینئر کو دیکھ رہا تھا۔

گاڑی اس راستے سے نکل کر مضافاتی علاقوں سے گزرنے لگی۔ کچے مٹی کے ٹیلے راہ میں آتے ہوئے معلوم ہوتے تھے تبھی گاڑی کی سپیڈ سلو تھی اور وہ کسی ندی میں ہچکولے کھاتی کشتیوں کی طرح سست روی سے آگے کی جانب گامزن تھیں۔ رات کا آخری پہر ختم ہونے کو تھا۔ پو پھٹنے کو بیتاب تھی۔ آسمان سیاہ چادر خود پر سے ہٹاتا دودھیا وجود دنیا کی نذر کرنے لگا۔ گاڑی کے فرنٹ شیشے سے دور ننگے آسمان کو دیکھا جا سکتا تھا۔ دور افق پر سرخی تیزی سے دوڑتی چلی آ رہی ہے۔ اس سے پہلے سرخی ان کی گاڑیوں کے سروں پر پہنچتی ڈولتی کاروں نے رفتار پکڑی اور اس مضافاتی علاقوں کو پیچھے چھوڑ ایک بنگلے کے سامنے آ کر رکیں۔ ہارن پر گیٹ کھول دیا گیا تھا۔ وہ دونوں سیاہ کاریں اس بڑے سارے حویلی کے طرز پر بنے بنگلے کے پورچ میں آ کر رکیں اور اس میں سوار باہر نکلنے لگے۔

کوئی تیزی سے اندر سے باہر آیا شاید اس نے گاڑیوں کی آمد کی آواز سن لی تھی۔ آنے والا رمیز تھا۔

"ٹھیک طرح سے پہنچ گئے تم، راستے میں کوئی گڑبڑی تو نہیں ہوئی؟" اس کا گڑبڑی سے کیا مراد تھا سب جانتے تھے تبھی وہ آدمی جو اس قافلے کا ہیڈ تھا نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"نہیں، ہم کسی کی نظر میں نہیں آئے، سب ٹھیک ہے۔"

رمیز آگے بڑھ کر ان لڑکیوں کے نقاب ہٹاتا، سیل میں تصاویر بنا کر اسے جیب میں رکھتا انہیں اندر چلنے کا اشارہ دے رہا تھا۔ وہ ان لڑکیوں کو دھکا دیتے اندر کی طرف لے آئے۔ یہ ان کا عالیشان عیاشی کا اڈا تھا۔ جہاں ملک کے بڑے بڑے نامور سیاستدان اور معزز ہستیاں اپنے آپ کو ریلیکس کرنے آتی تھیں۔ ابھی بھی ایک ہجوم تھا جو اس بنگلے کے مختلف کمروں میں موجود تھا۔ رمیز نے ان چاروں لڑکیوں کو سب کی نظروں سے بچاتے ہوئے ایک کمرے میں منتقل کروایا اور اس آدمی کو ہدایت دیتا چل دیا۔

اس کا رخ خلیفہ کے کمرے کی طرف تھا جہاں وہ صوبائی وزیر کے ساتھ بیٹھا گپ شپ کر رہا تھا۔ رمیز نے خلیفہ کے کان میں آ کر کچھ کہا۔ وہ چونکا۔ آنکھوں کی چمک ستاروں کی مانند بڑھی اور اپنی جگہ سے کھڑا ہوتا ہوا وہ اس وزیر کو ایکسکیوز کرتا اس کمرے میں آیا جہاں وہ لڑکیاں تھیں۔

"یہ یونانی ہے، یہ فلسطین کا مال ہے۔" وہ آدمی جواُن لڑکیوں کو سرحد سے پکڑ کر لاہور تک لایا تھا پھر آرڈر ملنے پر لاہور سے انہیں کچا راستہ پکڑ کر پنڈی تک لایا۔ وہ ایک ایک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کا تعارف کروارہا تھا۔

"یہ یوگینڈا کی ہے اور یہ۔" آخری کا اس نے نقاب اٹھایا تھا۔ خلیفہ کی ابرو اس آخری والی کو دیکھ کر ستائشی انداز میں اچکی۔

"یہ دبئی سے ہے۔"

سیاہ برقعوں میں ملبوس وہ سوچی آنکھوں والی لڑکیاں اس لمبے بالوں والے وجیہہ مرد کو دیکھ کر مزید ڈر گئی تھیں کیونکہ بظاہر شریف دکھتے اس انسان کی آنکھ میں وہ خود کا بھیانک فیوچر دیکھ چکی تھیں۔

"تم نے اچھا کام کیا فرخ، اس کا بہترین انعام تمہیں ضرور ملے گا۔" وہ ایک متبسم نگاہ ان لڑکیوں پر ڈال کر کمرے سے باہر آیا۔ اس کا رخ اس روم کی جانب تھا جہاں وہ صوبائی وزیر بیٹھا ہوا تھا۔

"خوش ہو جاؤ ظاہر! تمہارے لیے ایک اعلیٰ پائے کی مہمان ڈھونڈی ہے ہم نے لیکن، اس سے پہلے تمہیں ہمارے کچھ کام کرنے ہونگے۔" وہ صوفے پر سکون سے بیٹھتا سینٹر ٹیبل پر رکھے اپنے گلاس کو اٹھا کر بولا تھا جس میں سفید کڑوا مشروب بھرا ہوا تھا۔

"تم مہمان کو حاضر کرو، تمہارے کام چٹکیوں میں کر دونگا۔" وہ نشے میں ڈولتا خباثت سے بولا تھا۔ "ویسے بھی بہت سے کام کیے ہیں میں نے تمہارے، صرف اس لیے کیونکہ تم پارٹی کمال کی ہو۔"

خلیفہ اس کی بات پر قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"ہماری ایک کلاس ہے۔ ایک رتبہ ہے مائی ڈیئر، ہم پرانی چیزوں کو بھی ایسے پیش کرتے ہیں جیسے وہ ابھی ابھی وجود میں آئی ہوں۔ وہ لڑکی کل تمہارے پاس ہوگی لیکن اس سے پہلے ہمارے معاملات ٹھیک کرواؤ۔"

ٹانگ پر ٹانگ جمائے ڈولتے ہوئے سفید قلموں والے آدمی کو دیکھ کر وہ آرام سے اپنی چال چل رہا تھا۔ اس کے گلے میں پہنا لمبی چین والا لاکٹ جس میں پلیٹینیم کا بنا تکون شیپ کا ٹکڑا لٹک رہا تھا۔ دیکھنے میں تو وہ ایک پینڈنٹ ہی تھا لیکن اس کے اندر نصب چھوٹا کیمرہ کس کو نظر آتا تھا بھلا جو اس وقت سب ریکارڈ کر رہا تھا۔ وہ

مزید کہہ رہا تھا۔

"خواجہ ریاض کے بڑے پر پرزے نکل آئے ہیں، یہ یقین کرنا محال ہے کہ وہ خان کے خلاف ہو گیا ہے۔ کیا تمہیں یاد ہے اس کی اصلیت؟"

وہ نحیف مگر پراثر پرسنالٹی والا صوبائی وزیر جس کا نام ظاہر پرویز تھا خواجہ ریاض کی آواز پر ہنکارہ بھر کر رہ گیا۔ جھک کر ایک اور پیگ بنایا اور اسے چڑھاتے ہوئے بولا۔

"اس موٹے سانڈ کی کیا اوقات کہ وہ خان کے خلاف جائے۔ نالی کا کیڑا تھا وہ، دس روپے کی پڑیا بیچنے والا، بھنگ کا دھندا کرنے والے جب ہیروئن کی بو سونگھتے ہیں تو یوں ہی ہواؤں میں اڑنے لگتے ہیں۔ ایم این اے کیا بنا سر پر ناچنا شروع ہو گیا ہے۔ اسے کیا لگتا ہے اس عہدے کی آڑ میں وہ اپنے کالے کاموں کو چھپا لے گا اور ہم چپ کر کے بیٹھے رہیں گے، غلط فہمی ہے اس کی۔ واپس اسے بھنگ کے کاروبار پر نہ لایا تو میرا نام بھی ظاہر پرویز نہیں۔"

ابھی چند دنوں پہلے کی بات ہے جب خواجہ ریاض نے ظاہر کے فلیٹ میں ہونے والی رنگ رلیوں میں اپنا مال بھیجنے سے انکار کیا تھا۔ وجہ ظاہر کا وہ کم معاوضہ تھا جو خواجہ ریاض کے انتہائی برانڈڈ (بقول خواجہ ریاض کے مال کے آگے صفر تھا تبھی اس نے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ وہ اسے اپنا مال سپلائے نہیں کریگا۔ خلیفہ اور سمندر خان کا گینگ جو ورلڈ وائیڈ پھیلا ہوا تھا اور "کوبرا" کے نام سے مشہور تھا کا مال خریدنے کی اس ظاہر کی اوقات نہیں تھی جو کہ صوبائی وزیر تھا۔ وجہ ان کا مال ہائی کوالٹی کا ہوتا تھا۔ ان کے نشے کا اثر اتنا سٹرونگ ہوتا تھا کہ عام خوراک والا انسان اسے سہار نہ پائے اور ہو سکتا ہے اس کے سبب اپنی جان ہی گنوا بیٹھے تبھی ظاہر نے یہ جرأت نہیں کی تھی کہ وہ کوبرا سے رابطہ کرے کیونکہ ایک تو ان کے ریٹ آسمان کو چھوتے تھے دوسرا اس وقت وہ باڈی بنانے کے چکروں میں ڈائیٹ پر تھا۔ یوں تو ماڈلز کی طرح اگر وہ خود کو چست رکھنا چاہتا تو ڈرگز استعمال کر لیتا لیکن مسئلہ یہی تھا کہ اب وہ بوڑھاپے کی طرف گامزن تھا اس لیے اسے تھوڑی صحت بنانی تھی جس کیلئے اس نے ایک بہترین نیوٹریشن سے اپنا ڈائیٹ چارٹ بنوایا تھا جس کے نمبر ون پوائنٹ پر ڈرگ سے اجتناب کرنا درج تھا تبھی وہ چسکا پورا کرنے کی خاطر تھوڑی بہت پی لیتا تھا۔

خلیفہ کے لبوں پر بڑی پراسراری مسکان نے ڈیرہ جمایا وہ اور ریلیکس انداز میں بیٹھا۔

"بالکل، ایسے ناسوروں کو جلد ختم کرنا ہی عقل مندی کا کام ہے۔ بس مجھے تم سے اور کچھ نہیں چاہیے۔ بس کچھ جو تم نے ابھی کہا ہے کر دو پھر ہم بھی تمہیں خوش کر دیں گے۔"

جال بچھ گیا تھا۔ چال چل دی گئی تھی بس اب کچھ اور ریکارڈ کرنے کی ضرورت نہیں تھی تبھی اس نے لاکٹ کو نامحسوس انداز میں گلے میں ٹی شرٹ کے اندر ڈالا اور لبوں سے مخصوص دھن نکالنے لگا۔

اس کی دھن ہوا کے دوش پر اڑتی دور بہت دور ایک گھر کی بالکونی سے اندر جا کر کسی کی سماعت میں گونجنے لگی۔ نہیں وہ خلیفہ کی آواز نہیں تھی یہ آواز تو لیپ ٹاپ میں سے آ رہی تھی جو کہ یہ تھی۔

"آئی ہیو ڈائیڈ ایوری ڈے ویٹنگ فار یو!"

"ڈارلنگ ڈونٹ بی افریڈ آئی ہیو لوڈ یو فار آ تھاؤزنڈ ییئر!"

"آئی لو یو فار آ تھاؤزنڈ مور!*

"کتنا مزے کا گانا ہے نا یہ۔" اس کے چہرے پر سکرین کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ اس روشنی میں ہیرے کی طرح چمکتے چہرے کے ساتھ ثوبیہ کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی جس کے ہاتھ میں اپنی جنرل تھی اور وہ اس میں کچھ ڈرا کر رہی تھی۔ یمن کی بات پر اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

"ہاں صحیح کہا یہ اچھا ہے بلکہ مجھے تو یہ میل کی آواز میں ہی پسند ہے لڑکی کی آواز میں وہ سوز والے نہیں جو اس بندے کی آواز میں محسوس ہوتی ہے۔ بلاشبہ یہ ایک اچھی آواز کا حامل سنگر ہے۔"

اس کی بات پر تفصیلی تبصرہ کرتے ہوئے اس نے پنسل کو ایک مخصوص انداز میں اپنی انگلیوں میں پکڑ کر جنرل کو تھوڑا ٹیڑھا کیا۔ وہ شاید اسکیچ بنا رہی تھی تبھی اس کی توجہ قابل دید تھی۔

"صحیح کہتی ہو۔ تم بنا کیا رہی ہو؟" اس کی بات سے اکتفا کرتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔ اس کی بنائی گئی لسٹ میں نیا سونگ پلے ہونے لگا۔

"میں تمہیں بنا رہی ہوں۔" ثوبیہ نے اسی انداز میں جواب دیا۔ یمن اس کے جواب پر چونکی تھی۔

"ہیں مجھے؟ دکھاؤ تو ذرا۔" پرجوشیت سے وہ آگے جھکی مگر ثوبیہ نے جھٹ سے اس جنرل کو سینے سے لگایا۔

"ہرگز نہیں جب تک یہ مکمل نہیں ہو جاتی میں نے تمہیں اس کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھنے دینی۔ چلو اٹھو شاباش یہ مینسنی سی صورت کسی اور کو دکھانا۔ باہر جاؤ۔"

یمن بددلی سے سمائلی کے فیس والا سافٹ کشن اس کے اوپر اچھال کر بیڈ سے نیچے اتری مگر اس سے پہلے کہ وہ شیشے کے ونڈو سلائیڈ کر کے بالکونی میں آتی پیچھے سے وہی کشن زور سے اس کے سر پر لگا۔ اس نے مڑ کر غصے سے دیکھا۔ ثوبیہ بھنویں اچکاتی ہوئی واپس اپنے اسکیچ کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"بدتمیز!" وہ بڑبڑاتی ہوئی باہر بالکونی میں آئی۔ آتے ہوئے اس نے ثوبیہ کا "سیم ٹو یو بے بی۔" بغور سنا تھا جسے فرصت سے اگنور کرتے ہوئے اس نے ٹھنڈی ہوا کو خود کو چھونے دیا۔ گرل کو تھامے وہ مصروف سی دنیا کو دیکھ رہی تھی۔

رات کی نرم سی سیاہی چہار جانب پھیلی ہوئی تھی۔ اس سوفٹ سی سیاہی کو چاند اور تاروں کی ملائم دودھیا روشنی کاٹتے ہوئے زمین پر اپنے پر ہر سوں پھیلا کر بیٹھ گئی تھی۔ سفید کالے کے امتزاجی شام میں وہ ٹھنڈی ہوا میں اپنے بال پیچھے کی جانب کو اڑاتی مسکراتی نگاہوں ولبوں کے ساتھ دونوں ہاتھ گرل پر جمائے کھڑی تھی۔ اس خوبصورت موسم میں اس نے وہ خوبصورت آواز سنی تھی جو اس سے کہہ رہی تھی۔

"دو آنکھیں تمہیں مسلسل دیکھ رہی ہیں۔"

حیا کے زیر اثر اس کا چہرہ جھک گیا جیسے کہنے والا واقعی اس کے سامنے ہو اور اپنی جذب سے بھری آواز اس کی سماعتوں میں انڈیل کر اس سے اعتراف کر رہا ہو۔ وہ اس آواز والے آدمی کو پہچان گئی تھی۔ وہ وہی تھا جس نے بہت عزت و احترام کے ساتھ اسے اس کے گھر پہنچایا تھا جب وہ تنہا روڈ پر ڈری سہمی سی کھڑی تھی بیساختہ ہی وہ انسان اس کے دل میں آ کر بیٹھ گیا۔

"اگر ایسا ہے، تو وہ دو آنکھیں اتنے عرصے سے کہاں ہیں؟ انہوں نے اتنے دنوں سے مجھے دیکھا کیوں نہیں۔ کیا بس وہ ہی سفر ہماری زندگی کا ایک دوجے کے ساتھ آخری تھا؟"

چاند کی روشنی اس پر ایسے پڑ رہی تھی جیسے سپاٹ لائٹ کسی ہیروئن پر پڑتی تھی۔ وہ اس وقت فیری ٹیل کی پرنسز ہی تو لگ رہی تھی۔ ڈارک پرپل شلوار قمیض پر لمبا سیاہ دوپٹہ جس کے چاروں جانب سیاہ ہی لیس لگی ہوئی

تھی۔اس کے دائیں کندھے پر سے ہوتا ہوا زمین کو بوسہ دے رہا تھا۔ لمبے سلکی سیاہ بال اس کی پشت پر برابر گرے تھے۔سامنے سے سیدھی مانگ تھی اور کانوں کے پیچھے جے بالوں کی وجہ سے کندن کی وہ جھمکیاں با آسانی دیکھی جاسکتی تھیں جن کی چمک اس کے گالوں پر پڑ رہی تھی۔وہ اس پورے سین میں واقعی کسی ہیروئن کا منظر پیش کررہی تھی۔کوئی سوچ یکدم اس کے نازک سے دل میں ابھری اور وہ "خدانخواستہ۔" بے ساختہ کہہ گئی۔

"ایسا نہیں ہوگا، ہم ضرور دوبارہ ملیں گے۔میرا دل کہتا ہے اور ماما کہتی ہیں جو دل کہتا ہے وہ کبھی جھوٹ نہیں ہوتا۔" اس کی آنکھوں میں خلیفہ کی شبیہہ تھی۔اچانک سے کوئی جھماکا ہوا اور وہ فوراً اندر آئی جہاں ثوبیہ اپنے سابقہ کام میں مصروف تھی۔

"ثوبی، میں تمہیں اگر کسی کا چہرہ بتاؤں تو کیا تم بنا سکتی ہو؟" وہ ایکسائیٹڈ سی اس کے پاس بیٹھتی پوچھ رہی تھی۔ثوبیہ نے جلے دل کے ساتھ چہرا اٹھایا اور اس سے بھی جلی آواز میں کہنی لگی۔

"کیا تم بھول گئی ہو چند دن پہلے جب تم می کو گھسیٹ کر اپنے ساتھ مال لے گئی تھی تو وہاں پارکنگ سے گاڑی نکالتے ہوئے ان کا ایکسیڈینٹ ہو گیا تھا جس کے سبب ان کے ہاتھ پر پلاسٹر چڑھا ہے اور اسی وجہ سے گھر کا تقریباً سارا کام میرے ناتواں کندھوں پر آگرا ہے۔"

وہ مرچوں بھری آواز میں کہتی ہوئی جیسے اس ظلم پر کڑھ رہی تھی۔بھلا اتنے بڑے گھر کا کام ایک اکیلی لڑکی کرسکتی ہے کیا؟

"توبہ کرو میں بھی تو تمہارے ساتھ کام کرواتی ہوں اور ناصرہ بھی تو ہے۔" منمناتے ہوئے اس نے ہولے سے کہا تھا۔اس سے کیا بعید تھا اس بات پر یہ جنرل ہی اٹھا کر اس کے سر پر پٹخ دیتی۔

"میرا منہ نہ ہی کھلاواؤ تو اچھا ہے یمن بی بی۔معاوضہ بولو۔"

یمن اس کی اگلی بات پر سٹپٹائی تھی۔

"کیا؟ معاوضہ؟" اس نے اتنی حیرت سے کہا تھا جیسے ثوبیہ نے اس سے اس کی آدھی جائیداد مانگ لی ہو۔

اس نے اپنی بھنویں اور اونچی اچکائی۔

"مادام! ہولے او کے، اپنے اس تحیر کو ذرا کم ہی رکھیں۔میں آپ سے آپ کا پیلس (جو کہ تم غریب کے

پاس ہے ہی نہیں) نہیں مانگ رہی بس کچھ چار پانچ ہزار لگیں گے اور تمہارا پسندیدہ چہرہ میں بنا دونگی لیکن اپنی مرضی اور وقت پر۔"

وہ تو ایسے بات کر رہی تھی جیسے اس دنیا کے سب سے بڑی اسکیچ آرٹسٹ ہو۔ اس کی بات پر یمن کا منہ بنا۔

"تمہیں اپنی بہن سے پیسے مانگتے ہوئے شرم نہیں آئے گی۔" یمن نے بہن کارڈ کھیلا جو کہ بیکار گیا۔

"بالکل بھی نہیں، کیا تمہیں میرے چہرے پر کہیں نظر آ رہی ہے۔" اس کا شرم دلانا بھی پانی میں گیا۔ ثوبیہ ڈھٹائی سے اپنا چہرہ اس کے آگے کرتی پوچھ رہی تھی۔ یمن برے منہ کے ساتھ کچھ سوچتی گود میں کشن رکھ کر بیٹھ گئی۔

"جلدی کرو ثوبیہ خلیل کی اپائمنٹ اتنی آسانی سے نہیں ملتی۔"

اس کے نیم رضامند چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ اس سے کہہ رہی تھی۔ یمن نے وہ کشن زور سے اس پر اچھالا۔ باہر دور بہت دور اب بھی وہی دھن گونج رہی تھی۔

"آئی ہیو ڈائیڈ ایوری ڈے ویٹنگ فار یو۔"

☆......☆......☆

تیز دن چڑھا تھا۔ سردی کی دوپہر میں دھوپ کی گرمی کھل کر بڑا دلفریب سا منظر پیش کر رہی تھی۔ سورج کی چمکیلی روشنی نے چہار سو ڈیرا جما کر ہر شے کو چمکا دیا تھا۔ اس چمکتے ہوئے دن میں درختوں کے سامنے بنے سیمنٹ کے بینچ پر بیٹھا نوفل ہاتھوں میں چاولوں کا ڈسپوزایبل باکس لیے کھا رہا تھا۔ اس کے سر کے عین اوپر درخت پر بیٹھی چڑیاں شور مچا رہی تھیں۔ سامنے سے ٹریفک زور و شور سے گزر رہی تھی اور دائیں ہاتھ پر تھوڑا فاصلے پر بڑی ساری دیگ میں سے چاول بانٹے جا رہے تھے۔ وہ ان سب سے بے نیاز کھانے میں مگن تھا۔ ان لذیذ چاولوں کا ذائقہ ہی ایسا تھا کہ کسی کی بھی اشتہا کو بڑھا سکتے تھے۔ وہ سر جھکائے کھانے میں مگن تھا جب معروش کی کار اس سڑک پر سے گزری جو وہ ابھی ابھی ٹھیک کروا کر آئی تھی۔ اس نے ایک سرسری نگاہ یوں ہی روڈ کنارے ڈالی تھی جب اس کی نگاہوں کے سامنے مصروف سا نوفل آیا تو نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا پاؤں بریک پر پڑا تھا۔ پارکنگ کے سائن کے سامنے اس نے گاڑی کو روکا اور اتر کر اس کے سر پر جا پہنچی۔

"تم نوفل ہو نا؟" وہ پہچان گئی تھی پھر بھی تصدیق کی خاطر پوچھا۔نوفل جو کھانے میں بے طرح مصروف تھا اچانک اس آواز پر چونکا۔چونک کر چہرے کو اوپر اٹھایا اور جھٹ سے کھڑا ہو گیا ایسے کہ رائس والے ہاتھ اب اس کی کمر کے پیچھے تھے۔

"یقیناً میں ہی نوفل ہوں۔کیسی ہیں آپ۔۔۔مس معروش۔" جھجک کا تھوڑا سا عنصر اس کے چہرے پر غالب تھا۔وہ شرمندہ ہو رہا تھا معروش نے اس کی شرمندگی کو بھانپ لیا۔

"میں اچھی ہوں۔تمہیں نانو نے یاد کیا تھا اب گزرتے ہوئے نظر پڑی تو سوچا بتاتی چلوں۔فارغ ہو تو آجاؤ میرے ساتھ۔" درخت پر موجود چڑیوں کے ساتھ اب بلبل کی آواز نے بھی سماں باندھ دیا تھا۔سکن جینز پر مرون ٹی شرٹ تھی اور اس ٹی شرٹ پر نوفل نے کالر والی چیک دار شرٹ پہن کر سامنے سے بٹن کھول رکھے تھے۔اس کا چمڑے کا بیگ گردن سے ہو کر ایک سائیڈ پر لٹک رہا تھا۔ہاتھ میں ریسٹ واچ تھی اور جوگر پہنے ہوئے تھے۔بکھرے بالوں کے ساتھ وہ اپنے لب کھولتا کہنے لگا۔

"میں ضرور آپ کے ساتھ چلنا چاہوں گا۔نانو کو تو میں بھی یاد کر رہا تھا آنا چاہتا تھا لیکن پھر مناسب نہیں لگا" معروش نے کار کی سمت قدم بڑھائے وہ بھی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

"مناسب کیوں نہیں لگا؟" وہ سرسری سا اس سے پوچھ رہی تھی۔نوفل اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا اور دروازہ بند کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"مجھے لگا کہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں لوفروں کی طرح آپ کے پیچھے پڑ گیا ہوں۔اللہ جانتا ہے مجھے نانو سے ایک الگ ہی انسیت ہے اور میں وہاں آتا بھی ان کیلئے ہی ہوں۔" چالوں والا ہاتھ اب آگے تھا۔اس کی تین انگلیاں میلی تھیں معروش کی گیئر لگاتے ہوئے اس کی انگلیوں پر نگاہ پڑی اس سے پہلے وہ اس کی پہلی بات کا جواب دیتی نوفل بول اٹھا۔

"دراصل میں اتنے برے طریقے سے کھاتا نہیں ہوں۔انسان کو کھانا بھی نہیں چاہیے لیکن یہاں پر چمچ کا انتظام نہیں تھا اس لیے میرے ہاتھ گندے ہو گئے۔اندلس میں تو چمچ بھی دی جاتی تھی۔" تو یعنی اسے سر راہ بیٹھے کھانے کی شرمندگی نہیں تھی بلکہ اسے اپنے اس طرح کھانے میں عار محسوس ہو رہی تھی۔یہ گورے لوگ اور ان

کے ایٹی کیٹس اففف۔

"میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔" شیشوں کو فولڈ کرتے ہوئے اس نے چڑیوں کے ساتھ ساتھ بلبل کے ساز کا بھی راستے روکا اور گاڑی کو سڑک پر ڈال دیا۔

"اچھا پر مجھے ایسا لگا جیسے آپ کہہ رہی ہوں، چچ چچ چچ نوفل خان! تم کتنے بڑے ہو گئے ہو اور اب تک بچوں کی طرح اپنی پوری انگلیاں گندی کر کے کھاتے ہو۔ تمہیں شرم آنی چاہیے اپنی اس حرکت پر۔"

معروش بڑی دلچسپی سے اس روشن آنکھوں والے انگریز نظر آتے لڑکے کی باتیں سن رہی تھی جس کا بولنے کا ایکسنٹ بھی انگلش ملا تھا۔ سر کو جھٹک کر اس نے سگنل پر گاڑی کو روکا۔

"میں ایسا سوچتی ہوں اور نہ ہی ایسا کہتی ہوں ہر کسی کا اپنا طریقہ ہوتا ہے کھانے پینے کا۔ تم مجھے یہ بتاؤ آج کل کر کیا رہے ہو؟"

وہ پورا اس کی طرف منہ کر کے بیٹھا تھا۔ اسے سن رہا تھا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ سامنے منہ کر کے بیٹھی تھی۔ سامنے ہی دیکھ رہی تھی سامنے سے ہی سن رہی تھی۔

"میں فارغ ہوتا ہوں کوٹ کچہری کے چکر لگاتا پھر رہا ہوں اپنے آنز کے ساتھ تاکہ شاپ آزاد ہو جائے۔" یہ الفاظ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں کیسی دکھ کی رمق سی تھی۔ اس نے یہ سب کہتے ہوئے اپنی نگاہیں بھی تو نیچے گرالی تھیں۔ معروش نے اب اس کی سمت دیکھا۔ باہر سگنل کی گنتی شروع ہو چکی تھی۔

دس، نو، آٹھ، سات۔

"اگر تمہیں کام کی ضرورت ہے تو میری نانو کی شاپ میں کام کر لو۔ انہیں ویسے بھی ایک ورکر کی ضرورت ہے۔"

نوفل کی آنکھوں کی چمک بڑھی تھی۔ اس کا چہرہ بھی کھل اٹھا تھا۔ گنتی ختم ہوئی سگنل کھل گیا۔ بالکل ایسے جیسے نوفل کی متوقع خوشحالی کے دروازے کھلے تھے۔

"ضرور، میں کل ہی انٹرویو کیلئے آجاؤں گا۔ آپ کا بہت شکریہ۔ اللہ آپ کے کام میں برکت ڈالے۔" وہ خوش تھا۔ بہت خوش، خوشی اس کے لفظوں سے گرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کتنا تنگ تھا صرف وہی جانتا تھا اور

اب بیٹھے بٹھائے اس کی تنگی کا دور ختم ہونے والا تھا۔ اس سے بڑی انبساط کی بات کیا ہو سکتی تھی بھلا۔
معروش اس کے خوش ہونے پر مسکائی تھی۔ نوفل کے بارے میں وہ ساری انفارمیشنز نکلوا چکی تھی۔ ایسا اس نے اس لیے کیا تھا کیونکہ اپنے کام کے پیش نظر اسے نوفل کی اس میں دلچسپی اور گھر کے چکروں میں شک کا گمان ہوا تھا مگر اس گمان پر مٹی تب ڈلی جب انتہائی اہم سورس نے اسے نوفل کی فائل لا کر دی تھی جس میں اس کے بارے میں سب کچھ درج تھا جس میں لکھا تھا کہ نوفل کی مدر لینڈ اسپین ہے اور وہ رہتا بھی اسپین میں ہی ہے۔ اس کے والدین اس کے بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے۔ وہ اپنے کسان نانا کے ساتھ اسپین کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتا تھا۔ اس کی نانی بھی ایک کسان ہی تھی۔ چھوٹے سے بنے دو کمروں پر مشتمل گھر میں رہنے والا مڈل کلاس نوفل خان اسپین کے اسی گاؤں کے چیرٹی ہائی سکول سے ایف اے کر کے نانا کے بیحد اصرار پر بارسلونا گریجویٹ کیلئے گیا تھا۔
وہیں دوران تعلیم اپنے اخراجات پورے کرنے اور بیمار نانو کے علاج کیلئے پیسے بھیجنے کی خاطر اس نے ایک امدادی ادارے سے شیف کا کورس کیا اور اپنی شامیں بطور شیف ایک ریسٹورنٹ کی نذر کر دیں۔ یوں وہ دن میں پڑھائی کرتا تھا اور شام میں کچن میں سینئرز شیفس کے ساتھ کام کرتے ہوئے پڑھ بھی لیتا تھا۔ مصوری اسے وراثت میں ملی تھی کہ اس کے نانا ایک مشہور لیکن غریب مصور تھے اور اس کے بابا بھی ایک ناکام مصوری کے ساتھ زندگی جیتے آئے تھے۔ یوں نوفل میں بھی مصوری کے جراثیم آئے اور ایک آدھ بار سکول و یونیورسٹی میں اپنی انگلیوں کو رنگ سے رنگین کرتے ہوئے اس نے انعامات جیتے تھے۔ نوفل نے جونہی اپنا گریجویٹ مکمل کیا۔ وہ اپنا بوریا بستر سمیٹ کر واپس اپنے گاؤں آ گیا تھا لیکن نانا کے اصرار پر اسے واپس بارسلونا جانا پڑا۔ وہاں وہ دن رات ایک کر کے محنت سے پیسے کما رہا تھا کہ ایک دن اچانک اسے خبر ملی کہ سمندر میں آئی طغیانی کے سبب اس کا پورا گاؤں ڈوب گیا ہے، گاؤں ڈوبا تھا تو یقیناً نانا نانی بھی ڈوب گئے تھے۔
وہ اپنا دل تھام کر اس تباہ حال گاؤں میں پہنچا اور کچی گیلی زمین پر دونوں گھٹنے ٹکا کر اپنے واحد رشتوں کے بچھڑ جانے پر آنسو بہا رہا تھا جب اس کے دوست نے اس کے شانے پر ہمدردی بھرا ہاتھ رکھا اور اسے اپنے ساتھ پاکستان چلنے کی پیشکش کی۔ گاؤں ڈوبنے اور عزیز و اقارب کے بچھڑنے پر حکومت نے چند پیسے اس کے

اوراس جیسے چند لوگوں کے ہاتھ پر رکھے تھے جنہیں تھام کراس نے اپنے دوست کے ساتھ پاکستان جانے کا فیصلہ کیا کہ یہاں اس کیلئے بچا ہی کیا تھا۔رشتوں کے ساتھ ساتھ وہ اپنا سب کچھ اس پانی میں ڈوبا بیٹھا تھا۔

وہ اپنے دوست کے ساتھ پاکستان آیا تھا لیکن یہاں بھی اسے ڈنکروں نے لوٹ کھایا۔اس کے آدھے ڈاکومنٹس پانی کی نذر ہو گئے تھے اور آدھے وہ بارڈر کے قریب بھاگتے ہوئے گما بیٹھا تھا۔اس کا دوست اور وہ دھوکے کی نذر ہوئے تھے۔انہیں غیر قانونی طریقے سے پاکستان پہنچایا گیا جب نوفل کو اس بات کا علم ہوا تھا تو اس نے اس حرکت کی شدید مذمت کی تھی لیکن اب کیا ہوسکتا تھا۔وہ دھوکے اور فراڈ کی نذر ہو چکا تھا۔ڈیڑھ سال اس نے پاکستان میں چھپتے چھپاتے ڈرتے ہوئے گزارے تھے۔ڈیڑھ سال تک اس کا دوست اس کے ساتھ تھا پھر وہ اسے پزا پوائنٹ میں جاب دلوا کر خود کہیں غائب ہو گیا تھا جسے ڈھونڈتے ہوئے نوفل نے دن رات خاک چھانی تھی۔اس کا سیل فون بھی تو آف تھا اللہ جانے وہ کہاں گیا تھا لیکن جو بھی تھا نوفل کیلئے وہ آسانی بنا گیا تھا۔

اسے جاب کے ساتھ رینٹ پر ایک چھوٹا سا اپارٹمنٹ بھی دلوا گیا تھا جو بس اب اس سے چھیننے ہی والا تھا۔

اس کی جاب کیا گئی۔وہ تو بالکل ہی کنگال ہو گیا تھا۔تھوڑی بہت جو سیونگ تھی اس سے دو ماہ گزار کر وہ سڑک پر آگیا تھا۔کہیں جاب نہیں مل رہی تھی۔لون بھی چکانا تھا اور اس جگہ کا رینٹ بھی دینا تھا جہاں اب اس کے بس چند دن رہ گئے تھے۔اسی سبب وہ سڑکوں پر شدید بولایا بولایا پھر رہا تھا مگر اسے یہاں کوئی بھی کام نہیں مل رہا تھا۔اس ملک میں ڈگری کی بجائے تجربہ کی اہمیت ہے۔ڈگری چاہے نہ ہو آپ کے پاس تجربہ ضرور ہو۔

معروش نے مسکراتی نگاہوں سے سڑک پر خود کو مصروف رکھا اور نوفل کو اس کی ملنے والی نئی نوکری کیلئے خوش ہونے دیا۔

"بہت شکریہ آپ کا۔" ایک بار پھر اس کی پر مسرت آواز گاڑی میں گونجی تھی۔

☆......☆......☆

" کیا تم جانتی ہو جس جگہ پولیس والوں کا ریڈ پڑا تھا وہاں سے برآمد ہوئے لوگوں میں یہاں موجود الوینہ بھی تھی جسے مہارت سے اس جگہ سے نکال کر واپس یہاں لا پٹخا ہے اور اب جیمز اس سے اگلوانے میں لگا ہے کہ اس نے پولیس یا انٹیلی جنس والوں کو تو کچھ نہیں بتایا۔تم لوگ سوچ نہیں سکتے اس کی حالت کتنی خراب ہے۔جیمز

نے تو تقریباً اسے مار ہی دیا ہے۔"
یہاں کی ایک پرانی عورت انہیں رازدارانہ انداز میں بتا رہی تھی۔اس کی آواز اتنی مدھم تھی کہ بہت غور کرنے کے بعد ہی سنی جاسکتی تھی۔باقی لڑکیاں یہ بات سن کر سسکیاں بھرنے لگیں۔
"خدا غارت کرے گا ان ظالموں کو۔کیسے شریف چہروں کے پیچھے وہ اپنے سیاہ کرتوت چھپائے بیٹھے ہیں۔ایک بار بس میں واپس افریقہ چلی جاؤں پھر دیکھنا میں کیسے اس یونٹ کے لوگوں کا راز دنیا پر فاش کرتی ہوں۔انسان نہیں بھیڑیے ہیں یہ۔" آئس کے نشے میں ڈولتی انجلینا جو کہ افریقن تھی اور پاکستان ڈنکروں کے جال میں پھنستی ہوئی آئی تھی۔یہاں پچھلے چار سالوں سے بند تھی۔ان چار سالوں میں ان لڑکیوں نے چار بار بھی مسکراہٹ کو نہیں دیکھا تھا۔ہر وقت ظلم و بربریت کا راج رہتا تھا یہاں۔مسکراہٹ تھی بھی تو خریدی ہوئی۔
"بیچاری وہ تو ابھی چودہ کی بھی نہیں ہوئی تھی جانے جیمز اس کے ساتھ کیا کر رہا ہوگا۔کیا تمہیں اس رپورٹر کا کچھ پتا چلا جسے سمیر یہاں لایا تھا؟" رخسانہ نے بہت مدھم آواز میں پوچھا۔یہاں وہ لڑکیاں مدھم آواز میں ہی بولتی تھیں تاکہ کوئی مخبر لڑکی شکایت کر کے ان کی شامت نہ لگوادے۔
"اس نے تو خودکشی کرلی تھی۔اس کے اعضاء میرے خیال سے پچھلے مہینے ہی چائنہ بھیج دیے گئے ہیں۔"
دور کہیں کان لگاتی لڑکی نے اس بات کا جواب دیا تھا جسے سنتے ہی باقی سب کے بھی رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔انسانی درندوں نے یہاں کہرام مچا رکھا تھا۔ان کی سفاکیت ان کا ظلم فرعون کے ظلموں سے بڑا تھا۔اول تو یہاں کوئی مرتا نہیں تھا، دنیا کے بہترین ڈاکٹرز یہاں ان لڑکیوں کیلئے تعینات کیے گئے تھے۔بالفرض اگر کوئی مر بھی جاتا تو اس کے اعضاء یورپی ممالک میں سمگل کر کے ان سے بھی بہترین معاوضہ کمایا جاتا تھا یا جو لڑکی ان کے کام کی نہیں ہوتی تھی۔ناکارہ ہو چکی ہوتی تھی اسے مار کر اس کے بھی دل، گردے، پھیپھڑے اور جانے کیا کیا سمگل کر دیتے تھے۔ان کا گوشت سیل کر دیا جاتا تھا جسے اس کے رسیا بڑی بھاری قیمت میں خرید کر خود کو اس کے مزے سے سیر کرتے تھے۔یہی تو ان ظالموں کا کام تھا۔عورت کی بوٹی بوٹی نوچ کر پیسہ کمانے والے یہ بھیڑیے معاشرے میں شرفاء کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔کوئی ان کو بتاتا کہ یہ شرفاء کس قدر گھناؤنے کھیل رچائے بیٹھے ہیں۔

رخسانہ کی آنکھیں یہ وحشی بات سن کر لبالب بھر گئی تھیں۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو کر باہر ہال میں آئی۔ اس کا سانس یہاں پر رکنے لگا تھا۔ ہر طرف مختلف نشوں کی گھٹن آمیز بو تھی۔ خصوصاً شراب کی مہک یہاں پر بہت زیادہ تھی۔ وہ خود بھی تو شراب پیتی ہوئی لڑکھڑاتی دکھ رہی تھی۔ اس کے کانوں میں یکدم اپنے ابا کے الفاظ گونجے۔

"جو رشید آج تجھے کھٹک رہا ہے ناں کل کو اسی پر تو ناز کریگی۔ اپنی ماں کی باتوں پر مت جا سانے۔ وہ جو عورتیں گھر لاتی ہے وہ عورتیں غریب لڑکیوں کے رشتے نہیں ان کے سودے کرواتی ہیں امیر گھرانوں کے ہاتھوں۔ فراڈ ہوتا ہے وہ سب، دنیا کے دھوکوں میں مت پڑ میری بیٹی اللہ پر توکل کر کے نکاح پڑھوا لے۔ تُو نے اپنا رزق خود لے کر جانا ہے۔"

اس کی آنکھوں سے آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔ وہ لب کچلتی ان لڑکیوں کو دیکھ رہی تھی جو دکھ کی مورتیاں بنی دیواروں سے ٹیک لگائے تو زمین پر پڑی ہوئی کسی بھی نالی کے کیڑے سے کمتر تھیں۔ ان لوگوں کی زندگیاں کیا تھیں۔ رات کو خود کو لٹاؤ اور دن میں خود پر ماتم کرو۔ پیسے کماؤ اور پھر ان کا حساب بھی دو۔ یہ تھی ان لوگوں کی زندگی، یہ تھی ان لوگوں کی برزخ۔

اس نے سب لڑکیوں پر نگاہ ڈالی اور اونچی آواز میں چیخی۔

"کیا تم لوگوں کے اندر کا انسان مر چکا ہے یا پھر تم بھی ہوس کی رسیا ہو گئی ہو جو آواز نہیں اٹھا رہیں۔ اٹھو اور بتا دو اس شیون کو کہ ہم بھی انسان ہیں۔ ہمارا بھی دل ہے۔ ہمیں بھی جینا ہے۔ ہمیں عزت سے جینا ہے۔ عزت کو سمجھتی ہو تم سب؟ ہاں؟ وہ عزت جو کبھی ہم اپنے کچے گھر میں حاصل کرتے تھے۔ وہ عزت جو ہمارا باپ ہمیں دیتا تھا۔ وہ عزت جو چوتھائی روٹی میں نصیب ہوتی تھی۔ ہمیں وہی عزت چاہیے۔ ہمیں یہاں آزادی چاہیے۔"

ڈر کر رہنے والی، سہمی ہوئی رخسانہ اس وقت نشے کی قید میں بند سب کے درمیان کھڑی چیختے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس کی آواز اتنی لاؤڈ تھی کہ مخروطی گردن کی کھنچی ہوئی سبز رگیں با آسانی دیکھی جا سکتی تھیں۔ صدیقہ اس کی آواز سن کر ہال سے ملحق کمرے سے دوڑتی ہوئی نکلی۔

"بتا دو اس خلیفہ کو کہ ہمارے خون کے پیسے اسے چین کی نیند نہیں سلا سکتے۔ سب تڑپیں گے۔ سب کے سب مارے جائیں گے۔ خلیفہ تبریز کتے کی موت مرے گا۔ شیون آرنلڈ کی لاش سے لوگ عبرت حاصل کریں گے اور

جیمز، اس کی بوٹی بوٹی چیلیں کھائیں گی۔"

صدیقہ دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی اور اس کے منہ پر زور سے ہاتھ رکھ دیا۔ کارڈز کھیلتی، سگریٹیں پھونکتی ان عورتوں میں سے کچھ تو اس کے الفاظ سن کے سکتے کی سی خاموشی کے ساتھ بیٹھی تھیں تو کچھ کی آنکھوں میں خوف کی لائنیں بڑھنے لگی تھیں۔ وہ سب اس معصوم سی لڑکی کی غیر حالت قطعی نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ سب کی نظر دروازے پر تھی۔ کاش یہ نہ کھلے۔

" کیا کہے جا رہی ہو سانے، تم اس وقت حواسوں میں نہیں ہو مت بھولو یہاں پر خلیفہ یا اس کے گینگ کے بارے میں باتیں کرنا منع ہے کیوں خود کو اذیت دینے کا سامان پیدا کر رہی ہو۔"

وہ روتی ہوئی اس کے منہ پر مضبوطی سے ہاتھ جمائے کہہ رہی تھی۔ اب فقط رخسانہ ہی تو اس کی ساتھی تھی۔ گڑیا یہاں سے بھاگ گئی تھی۔ کالج کے ہاسٹل سے لائی گئی لڑکیوں کو وہ پچھلے ہفتے ہی جاپان بھیج چکے تھے۔ ارم کو بھی نا جانے انہوں نے کہاں غائب کیا تھا۔ اس قید خانے کی اب وہ دونوں ہی ایک دوجے کی رازداں تھیں۔ اگر وہ بھی جدا ہوگئیں تو کیسے کٹیں گے یہ اذیت کے ماہ و سال۔

" یہاں تو سانس لینا بھی منع ہے تو کیا سانس بھی نہ لیں۔ بولنے دو اسے صدیقہ کچھ تو اندر کی گھٹن کم ہو گی۔" ایک انہیں کی طرح قسمت کی ماری چرس پیتے ہوئے اسے کہہ رہی تھی۔ کہنے والی کی آواز لڑکھڑاتی ہوئی تھی۔ اس کا وجود بھی تو لڑکھڑا ہی رہا تھا۔

" تم اپنے کام سے کام رکھو اور بولنے دو اس نسلی کو، میں بھی تو دیکھوں باس کے خلاف کتنا زہر بھرا ہے اس میں۔" کارڈز کو میز پر پٹختی ان کی ایک کارندی اٹھ کر ان تک آئی اور رخسانہ کے عین سامنے کھڑے ہو کر صدیقہ کے ہاتھ کو جھٹکا۔

" بول کیا کہہ رہی تھی ابھی، عزت چاہیے تجھے ہاں۔"

صدیقہ اسے دیکھ کر گھبرا گئی۔ اسے نہیں پتا تھا کہ یہ بھی یہاں ہے، وہ تو سمجھی تھی صرف وہ قیدی ہی یہاں ہیں۔ وہ ان لوگوں کی ہی کارندی تھی جو مخبر کی حیثیت سے آل سیٹ ہے کا اشارہ دینے کیلئے دن کا بیشتر حصہ یہاں گزارتی تھی۔ اگر اس نے خبر آگے پہنچا دی تو؟ اگر جیمز رخسانہ کو لے گیا تو؟ اگر اسے مار دیا تو؟ بہت سارے

الجھن آمیز خیالات اس کے دماغ میں طوفان مچا رہے تھے۔ وہ دل تھام کر رہ گئی۔

"اس کا..... اس کا یہ مطلب نہیں تھا میڈی! یہ نشے میں ہے اس لیے اول فول بک رہی ہے۔ یقین کرو اس کی سوچ بالکل بھی ایسی نہیں ہے۔" صدیقہ نے فوراً اس کا دفاع کیا تھا۔ وہ اس کی اس قید خانے کی دوست تھی کیونکر نہ اسے پروٹیکٹ کرتی۔ میڈی کی خونخوار نگاہیں صدیقہ کو آگے سے کچھ بھی بولنے سے روک گئیں۔

"یہ تو اب باس ہی طے کریگا کہ یہ سب اس نے نشے میں بکا ہے یا جان بوجھ کر۔ خوش ہو جاؤ، آج تمہاری قسمت بہت اچھی ہے کیونکہ آج باس آن راؤنڈ ہے۔"

لفظ تھے یا صور سب کی سانسیں حلق میں اٹک گئیں۔ صدیقہ کے تو گویا پیروں تلے سے زمین کھسکی تھی۔ نشے میں دھت رخسانہ بھی یہ جملے سن کر چونک گئی۔ اس کی چونکاہٹ میں اضافہ تب ہوا جب میڈی نے بات ختم کرتے ہی رخسانہ کو کہنی سے تھاما اور کھینچتے ہوئے دروازے کی سمت لے گئی۔

"ایسا مت کرو میڈی، ہم تمہارے بہت سے کام کریں گے۔ اسے بخش دو۔ اپنے حصے میں ایک نیکی لکھوا لو۔ میں وعدہ کرتی ہوں یہ آئندہ ایسی کوئی بات نہیں کرے گی۔"

لیکن صدیقہ کی فریاد فریاد ہی رہی۔ اس کی التجا التجا ہی رہی۔ کچھ لوگوں کو واقعی نیکی کی چاہ نہیں ہوتی۔ انہیں اپنے نامۂ اعمال کو سدھارنے کا شوق نہیں ہوتا۔ خدا کی نظروں میں سرخرو ہونے کی جستجو نہیں ہوتی۔ انہیں انسانی آہ سے ڈر نہیں لگتا۔ کسی کے آنسوؤں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ وہ تو بس وقت کو خدا مان کر، ظلم کا دامن تھامے زمینی درندوں کی طرح سینہ تان کر سب کر گزرتے ہیں۔ وہ سب جس میں موت بھی شامل ہے۔

ساری سہمی ہوئی لڑکیوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے، صدیقہ کو ایک سائیڈ پر دھکا دے کر وہ رخسانہ کو کھینچتی ہوئی باہر لائی اور چند قدموں کے فاصلے پر بنے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا کر اسے اندر پھینکنے کے سے انداز میں دھکیلا۔

خلیفہ جائنٹ کرسی پر بیٹھا آنکھوں پر چشمہ لگائے کوئی فائل پڑھ رہا تھا۔ نگاہ اٹھا کر پنڈلیوں تک آتی سکرٹ اور شرٹ میں ملبوس کرلی بالوں والی رخسانہ پر نظر ڈالی اور میڈی کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔ دراصل راؤنڈ کے دوران جب وہ کنٹرول روم میں آیا تو غصے سے سرخ شیون کو نظر انداز کر کے رخسانہ کی باغی پنے کو دیکھنے لگا۔ لڑکیوں کی ایسی چھوٹی موٹی چیزوں کو ان کی ٹیم خود ہی ہینڈل کرتی تھی۔ باس تک تو بامشکل ہی ایسی باتیں پہنچائی

جاتی تھیں لیکن جب باس آن راؤنڈ ہوتا تو اسے ہر چھوٹی بات بتانا فرض ہوتی تھی تبھی میڈی اسے خلیفہ کے کمرے میں لے آئی تھی جو اس وقت ہاف بالوں کا جوڑا بنائے آنکھوں پر گلاسز لگائے کچھ پڑھنے میں مصروف تھا اور اب مکمل طور پر رخسانہ کی جانب متوجہ تھا۔

"بیٹھو، تمہیں بڑی دلچسپ کہانی سناتا ہوں۔"

اس کا کمرہ مکمل طور پر سیاہ تھا۔ سیاہ درودیوار، سیاہ ہی صوفہ سیٹ، سیاہ میز، سیاہ لیپ ٹاپ، سیاہ ہی پردے غرض ہر چیز سیاہ تھی ماسوائے خلیفہ کے عین پیچھے لگی ڈوگ (پالتو شیر) کی چنگھاڑتی ہوئی گولڈن تصویر اور جائنٹ کرسی پر کروفر سے بیٹھے خلیفہ تبریز کی سفید شرٹ کے۔ وہ اس حکم نامے پر دھندلی آنکھوں کے ساتھ بھاری کرسی کو کھینچ کر اس کے کنارے ٹک گئی۔ خلیفہ اپنی جائنٹ چیئر کو میز سے تھوڑا پرے کیے بیٹھا تھا۔ رخسانہ کے بیٹھتے ہی اس نے یکدم کرسی کے وہیلوں کو حرکت دی اور میز سے چپک گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ آپس میں پیوست میز کی چکنی سطح پر جمے تھے۔ رخسانہ اس کے اچانک شدت سے کرسی آگے کرنے سے ٹپٹا گئی۔ اس کا دل سینے میں دھک دھک کرنے لگا۔

"ایک بہت معصوم لڑکی تھی جو زمانے کے رنگ خود پر چڑھا کر گھر سے بھاگ گئی۔"

رخسانہ کی نگاہیں نیچی تھیں۔ ہاتھ آپس میں بندھے ہوئے اور دماغ سن۔ مگر وہ خلیفہ کی آواز اچھے سے سن رہی تھی۔ وہ آواز جس میں تنبیہہ ملی گرمی تھی جس کے مزید الفاظ یہ تھے۔

"راستے میں اسے ایک عورت ملی جو نوکری کا بہانہ دے کر اسے عیاشی کے اڈے پر لے آئی جہاں اس کی حیثیت کسی بھی جانور سے کم نہ تھی لیکن پھر اس غلیظ گندی جگہ سے اٹھا کر ایک اعلیٰ پایہ کی جگہ پر اس لڑکی کو لایا گیا۔ اس کو لانے والی میڈی تھی۔ میڈی نے ہی اس لڑکی کو گروم کیا۔ عام سی جگہ پر غریبوں کی بستی میں رہنے والی اب ماڈرن سی لڑکی بن چکی تھی جسے دیکھتے ہی اچھے خاندان کا خیال دماغ میں آتا تھا جو آہستہ آہستہ گوروں کی لک میں ڈھلتی جا رہی تھی یعنی وہ حسین ہوتی جا رہی تھی پھر ایک دن ایسا ہوا۔"

اس نے وقفہ لیا۔ رخسانہ کے ہونٹ کپکپانے لگے تھے۔ اس پر لرزہ طاری ہونے لگا تھا۔ یہ اس کی کہانی تھی جو خلیفہ کی زبانی تھی۔ اس کا انجام کیا ہوگا اسی خوف سے وہ مری جا رہی تھی۔ اس نے گہرا سانس لیا اور خود کو خلیفہ کو

سننے دیا۔

"کہ وہ لڑکی ناشکری کے در پر آن کھڑی ہوئی۔ بغاوت کرنے لگی۔ پالنے والے کو، حسین بنانے والے کو برا بھلا کہنے لگی اور یہ باتیں اس پر عنایت کرنے والے نے سن بھی لیں پھر اس کے بعد۔" اس کی آواز آخری جملے میں جوش بھری اونچی تھی۔ ہاتھ کو اس نے میز پر مارا تھا۔ رخسانہ نے خلیفہ کو دیکھا اس کا چہرا پیچھے بنے بڑے سارے شیر سے کہیں زیادہ بھیانک اور تاک والا دکھتا تھا جو اپنے شکاری کو بس چت کرنے ہی والا ہو۔ دھاڑتا ہوا مگر پر سکون۔

"اس لڑکی کے اتنے ٹکڑے ہوئے، اتنے ٹکڑے ہوئے کہ انہیں جنگلی کتوں کے آگے ڈالنا پڑا۔" وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تھا۔ اس کی سفید شرٹ اسے تھوڑی تنگ تھی تبھی اوپر کے دو بٹن کھلے ہوئے تھے جس میں سے اس کا چمکتا ہوا سینہ اور اس پر ڈیرہ جماتی چینز نظر آ رہی تھیں۔ وہ گھوم کر اس کے قریب آیا اور اس کی کرسی پر ہاتھ رکھ کر پیچھے سے جھکتے ہوئے کہنے لگا۔

"لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ وہ لڑکی اس وقت زندہ تھی۔ اسے زندہ رکھا گیا تاکہ درد کے اصل مزے سے وہ آشنا ہو سکے تبھی اس کے ہاتھوں کی ساری انگلیاں کاٹ دی گئیں، کان اور ہاں پاؤں بھی کاٹ دیے گئے تھے۔ سانس لے رہی تھی۔ اس کی دھڑکن چل رہی تھی۔ سماعت و بصارت دونوں بحال رکھے گئے تاکہ وہ ان سے ان کتوں کی بھونکنے کی آوازیں اور اپنے اعضاء کو کھاتے ہوئے دیکھ سکے۔ ایٹ دی اینڈ سب لوگوں نے اس سے عبرت حاصل کی اور وہ مر گئی۔ کیسی لگی سٹوری؟"

وہ اس کے کان میں سرگوشی کے سے انداز میں بولتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ رخسانہ اس خوفناک کھینچے گئے سانچے سے چیخ کر رہ گئی۔ عقل آئی اور گڑگڑاتے ہوئے بولی۔

"مجھے معاف کر دیں باس، میں نشے کے اثر میں بہک کر غلطی کر بیٹھی۔ یہ میں نے نہیں کہا یہ تو شراب کے الفاظ تھے۔" سن دماغ پوری طرح حواسوں میں آ گیا اور وہ روتے ہوئے دونوں ہاتھ آپس میں جوڑ گئی۔ خلیفہ نے منہ بناتے ہوئے اس کے کان کے پاس سے اپنا چہرا ہٹایا تھا۔ بھلے اسے شراب کی بو پسند تھی مگر اتنی بھی نہیں کہ وہ بھبکے سونگھے۔ وہ اس کے ساتھ بالکل سامنے میز کے کونے پر ٹک گیا۔

"مجھے وہ لوگ انتہائی زہر لگتے ہیں جو اپنی غلطی کسی دوسرے پر ڈال دیتے ہیں۔ غلط کام کرو تو سینہ ٹھونک کر کہو کہ ہاں یہ میں نے ہی کیا ہے کیونکہ میں نے ایسا کرنا تھا نہ کہ دلیلیں و وضاحتیں دے کر، آنسو بہا کر، مظلوم بن کر خود کو اس کوتاہی سے بری الذمہ کرنے کی بیکار کوششیں کریں۔ تم اپنا الزام نشے کو دے رہی ہو کیا تم بھول گئی ہو کہ نشے میں ہی انسان سچ اگلتا ہے۔ نشہ انسان کے اندر کو کھینچ کر زبان پر لے آتا ہے۔ نشے میں ڈوبا انسان صرف سچ بولتا ہے اگر وہ خلیفہ نہیں ہے تو۔"

وہ رخسانہ کی مدہوش بڑی بڑی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کا کلر کچھ جانا پہچانا سا تھا۔

"مجھے معاف کر دیں مجھ سے غلطی ہو گئی۔" اس کی سرخ آنکھوں میں پانیوں کا سمندر تھا۔ پھر اس سمندر میں ڈوب ڈوب جا رہا تھا۔ خلیفہ نے اس سمندر کے اندر، بہت اندر قید سیپ میں جڑے سیاہ موتی کو دیکھا جو بار بار کسی کی جھلک دے رہے تھے۔ دو آنسوؤں میں ڈوبی سیاہ آنکھیں۔ کس کی ہو سکتی تھیں بھلا۔

"جاؤ معاف کیا مگر سزا تجویز ہو چکی تمہارے لیے، دو دن تک تمہیں کسی بھی قسم کا نشہ نہیں دیا جائے گا۔" یہ سزا بہت معمولی تھی جو اس نے سنائی تھی۔ وجہ وہ دو آنسوؤں میں ڈوبی آنکھیں تھیں جو فلیش بیک کی طرح بار بار اس کے دماغ کے پردے پر ابھر رہی تھیں۔

"نہیں نہیں مجھے معاف کر دیں۔ میرے ساتھ یہ ظلم نہ کریں۔" وہ اس کے پاؤں میں بیٹھ کر گڑگڑانے لگی تھی۔ یہ لوگ یہی کرتے تھے۔ لڑکیوں کو اپنی تحویل میں لے کر سب سے پہلے انہیں نشے کا عادی بناتے تھے۔ دنیا کے سب سے مہنگے نشوؤں کی لت لگوا کر پھر کسی بھی غلطی کی سزا پر انہیں دینا بند کر دیتے تھے یا پھر اگر کوئی کام کرنے میں چوں چراں کرے تو اسے بھی یہی سزا سنائی جاتی تھی۔ بیچاری نشے کی عادی لڑکیوں کے پاس ان کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں بچتا تھا سوائے اس کے کہ وہ ان کی مرضی کے آگے گھٹنے ٹیک دیں۔

خلیفہ نے بیل دبائی۔ چند سیکنڈ بعد ہی ایک بندہ رخسانہ کو اٹھا کر وہاں سے لے گیا۔ وہ واپس گھوم کر اپنی کرسی پر آ کر بیٹھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ دو آنسوؤں میں ڈوبی آنکھیں اب بھی اس کے دماغ کے آسمان پر پورے آب و تاب سے روشن تھیں۔ وہ دو آنکھیں جو چپکے سے اس کے دل میں جگہ بنا کر مسکرا رہی تھیں۔ ان کی مسکراہٹ پیاری تھی، کرسی پر ہولے ہولے جھولتا خلیفہ ان آنکھوں کو اس مسکراہٹ کو محسوس کرنے لگا۔ وقت بیتنے

لگا اور وقت کے ساتھ خلیفہ نے خود کو بہنے دیا۔

☆......☆......☆

یہ تین دن پہلے کی بات ہے جب آسمان گہرے سیاہ بادلوں کو سینے سے لگائے زمین پر سایہ کیے کھڑا تھا۔ ہوا سے چلتے سیاہ بادل جگہ جگہ ملگجا سا اندھیرا کیے ہوئے تھے۔ اسی ہوا کے دوش پر درخت معمولی سے جھکے اپنے پتے جابجا بکھیر رہے تھے۔ پرندے ٹیڑھے میڑھے ہوتے یہاں وہاں اڑ رہے تھے اور انسان رنگ برنگی چھتریوں کے نیچے یہاں وہاں ٹہلتے اس موسم کو انجوائے کرتے نظر آ رہے تھے۔

مینار پاکستان کے عین سامنے واقع سڑک اس وقت لوگوں کے ہجوم سے بھری ہوئی تھی حتیٰ کہ مینار پاکستان کا احاطہ خود بھی عوام سے بھرا ہوا تھا۔ بہت سے منچلے شور وغل مچاتے یہاں وہاں تصاویر بناتے نظر آتے تھے۔ کوئی ٹک ٹاک پر ویڈیو بنا رہا تھا تو کوئی اپنے یوٹیوب چینل کیلئے کوئی سہانی سی کہانی۔ کسی کے ہاتھ میں ایزل تھا تو کوئی برگر کو دانتوں سے کترتے ہوئے فٹ پاتھ پر اپنے دوستوں کے ساتھ ٹھٹھوں میں بزی تھا۔ ان سب زندگی سے بھرپور لوگوں سے ذرا پرے سڑک کراس کر کے بس اسٹیشن تھے جہاں سے ادھر ادھر شہر کے لوگ آنکھوں پر گلاسز اور ہاتھوں میں چمڑے کے بیگ پکڑے بسوں سے اترتے دکھ رہے تھے۔ ان مختلف بسوں سے اترتے لوگوں میں ایک وہ بھی تھا۔ جس نے سادی نیلی جینز اور سفید ٹی شرٹ پہنی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی کالے چشمے سے ڈھکی تھیں اور کاندھے پر ایک چھوٹا سا کیمل رنگ کا گول بیگ ڈلا ہوا تھا۔ وہ بس سے اترتے ہی اطراف میں نگاہ دوڑانا شروع ہو چکا تھا جیسے اسے کسی کی تلاش ہو اور متلاشی مل نہ رہا ہو۔

"اگر ممی کو پتا چل گیا نا کہ تم زوروں سے برستی بارش میں مجھے یہاں اکیلے لے آئی تو تمہاری خیر نہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی اس فٹ پاتھ پر بیٹھ کر یہ زنگر کھاتے ہوئے تمہیں کونسے مزے آ رہے ہیں۔" پیلے رنگ کی پولکا ڈوٹس والی چھتری کو ہاتھ میں تھامے وہ اس کے سر پر کھڑی بار بار ہوا کے دوش پر اڑتے اپنے بالوں کو کان کے پیچھے اڑساکر اسے ترخی ہوئی کہہ رہی تھی۔ کہنے کا انداز تند تھا اور آنکھوں میں واضح خفگی دیکھی جا سکتی تھی۔ ثوبیہ نے منہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اتنے پیارے موسم میں جھوٹ بولتے ہوئے تمہیں ذرا بھی شرم نہیں آتی، مجھے بتاؤ وہ کونسی آنکھیں ہیں جن

سے تم بارش کو برستے ہوئے دیکھ رہی ہو کیونکہ جہاں تک میرا خیال ہے ابھی ایک بوند بھی نہیں گری۔" ثوبیہ چہرا اٹھائے اس کی آنکھوں میں دہکتی سرخ چہرے کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ انداز شرم دلانا تھا جو کہ بیکار گیا۔

"ہاں تو تم آسمان کا حال نہیں دیکھ رہی ہو۔ ابھی دو منٹ میں بارش نے سب کچھ دھندلا کر دینا ہے پھر چلی جانا گھر۔ دیکھو ثوبیہ، تم جانتی ہو مجھے بارش میں بھیگنا پسند نہیں مجھے زکام ہو جاتا ہے نا، پلیز مان جاؤ گھر چلتے ہیں۔" کہتے کہتے اس کی نگاہ سڑک پار اٹھی اور پھر اٹھ کر وہیں ٹھہر گئی۔ اس کی نظروں میں جو آن سمایا تھا وہ ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ یمن کی نگاہ اس پر سے ہٹے۔

"ہاں جانتی ہوں تم چھوئی موئی کو، ویسے یمن خانم حد ہے تمہاری بھی۔ کوئی اتنا نازک بھی ہوتا ہے کبھی کبھی تو میرا دل کرتا ہے تمہیں بارش میں پورے دن اور پوری رات کیلئے باندھ دوں تاکہ تمہاری ساری نزاکت نکل جائے۔ لڑکیوں کو اتنا نازک بھی نہیں ہونا چاہیے۔"

وہ اور بھی کچھ کہتی جا رہی تھی جو یمن کو سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اسے تو اب کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا۔ نہ ہی تیز ہوا کا شور، نہ ہی لوگوں کی ہونگ، نہ ہی باتیں اور نہ ہی قہقہے۔ اس کی سماعت تو ہر چیز کیلئے مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ آنکھوں نے اپنے کینوس سے سب رنگوں کو مٹا کر بس ایک کو خود پر سجا لیا تھا۔ اسے جو طویل سڑک کے اس پار اپنی چمکتی سیاہ گاڑی میں سے اتر رہا تھا۔ جس نے سفید بٹنوں والی شرٹ کے ساتھ بھورے سسپینڈرس پہنے ہوئے تھے اور بھوری ہی جینز تھی۔ وہ اپنی کار میں سے اتر کر نیلے شیڈز دیتے گاگلز کو سامنے سے دو کھلے بٹنوں میں سے ایک پر لٹکاتے ہوئے فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اس نے گاڑی کی ونڈو سائیڈ پر ٹیک لگائی ہوئی تھی۔ ذرا بھر کو اپنی گردن دائیں جانب موڑی، اس کے بھورے بالوں کا جوڑا دور سے بھی دکھ گیا تھا۔

"میں تم سے مخاطب ہو یمن، کہاں ہو تم؟" ثوبیہ نے کھڑے ہوتے ہوئے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ ہلایا۔ وہ چونک گئی۔ سنبھل کر بولی۔

"یہیں ہوں۔ سن رہی ہوں تمہیں۔" اس کے دل کی دھڑکن بڑھنے لگی تھی۔ دماغ ماؤف سا ہونے لگا۔ وہ زیر و بم ہوتے جذبات پر تھوڑا سا بوکھلائی تھی۔

"اگر ایسا ہے تو بتاؤ مجھے۔ کیا کہا ہے میں نے ابھی تمہیں۔" ثوبیہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے تفتیشی آفیسر کی

طرح آنکھیں سکیڑے اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔ یمن نے نچلے لب کو دانتوں میں جکڑ کر چھوڑا۔

"تم نے میری اچھی خاصی انسلٹ کی ہے۔ اس کیلئے میں تم سے خفا ہوں چلو مجھے مناؤ اور میرے لیے بھی یہی سانگر بنوا کر لاؤ۔" اس نے چور نظروں سے خلیفہ کو فون میں بزی دیکھا اور ثوبیہ کو منظر سے ہٹانے کیلئے ایک اچھا سا پلان سوچا۔

"اچھا اور ابھی جو کچھ دیر پہلے کیلریز کی باتیں ہو رہی تھیں وہ؟" یمن ثوبیہ کی فضول سی باتوں سے جھنجلائی۔ وہ جلد از جلد خلیفہ سے اتفاقیہ طور پر ٹکرانا چاہتی تھی مگر یہ ثوبیہ اور اس کی فضول گوئیاں اففف۔

"بھاڑ میں گئی کیلریز۔ پلیز تم میرے لیے زنگر لے آؤ میرے پیٹ میں موجود چوہے خودکشی کرنے کی تیاریاں پکڑ رہے ہیں۔ کیا تم چاہو گی وہ حرام موت مریں، یہ کتنی غلط بات ہے۔" اس نے مسکین سا چہرا بنا کر کہا اور ثوبیہ کو دھکا دیا۔ وہ برا سا منہ بناتے ہوئے والٹ سنبھالتی دائیں جانب کو چل دی۔ جونہی وہ یمن سے دور ہوئی وہ ہوا کے دوش پر اڑتی اپنی فراک، دوپٹہ اور بالوں کو سنبھالتی ہوئی سڑک کراس کرنے لگی۔ وہ خلیفہ سے بس چند ہی قدم دور تھی۔ جہاں وہ خلیفہ سے بس چند قدم دور تھی وہیں وہ جینز شرٹ والا لڑکا بھی اس سے قدرے ہی دور تھا۔ دونوں ایک ہی رفتار کے ساتھ اس کی جانب بڑھ رہے تھے۔ وہ درمیان میں تھا اور دونوں دائیں بائیں سے آ رہے تھے۔ بس دو قدم دور پھر اچانک تیز ہوا چلی اور یمن کے ہاتھ سے چھتری چھوٹ کر ہوا کے دباؤ سے اڑتی ہوئی اس لڑکے کے منہ پر جا لگی۔

اپنی چھتری کو پکڑنے کی سعی اور اس لڑکے سے معذرت کرنے کے چکر میں وہ غلطی سے اس لڑکے سے ٹکرا گئی۔ اس تصادم کے زیر اثر اس لڑکے کے ہاتھ سے وہ بیگ چھوٹ گیا۔ خلیفہ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اس بیگ کی جانب لپکا تھا۔ اس لڑکے نے بھی فوراً چھتری کو پھینک کر اس بیگ پر جست لگائی اس سے پہلے وہ بیگ زمین کو چھوتا دو ہاتھوں نے اسے تھام لیا تھا۔ تھامنے والے ہاتھ خلیفہ کے تھے جواب قہر برساتی نگاہوں سے مسٹرڈ فراک میں کھڑی حواس باختہ لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے صرف نظروں کا قہر نہیں لفظوں کا قہر بھی اس پر برسایا تھا۔

"نظر نہیں آتا تمہیں، آنکھیں بند کر کے چل رہی تھی کیا۔" گردن کی رگوں کو پھلائے سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ دبی آواز میں اس پر غرایا تھا۔ یمن کا چھوٹا سا دل ٹوٹ گیا، ٹوٹ کر آس پاس بکھر گیا اس کی کرچیاں چبھیں

اور آنکھیں بھگا گئیں۔

"جب چیزیں سنبھالی نہیں جاتیں تو لیا بھی نہ کرو نان سینس۔"

سیاہ آنکھیں تو اس بے عزتی پر بھیگی تھیں ساتھ میں تھوڑی بھی کانپنی شروع ہو گئیں۔ مری مری آواز کے ساتھ وہ بولی بھی تو فقط اتنا ہی۔

"ایم سوری۔" اس نے جینز شرٹ والے کو دیکھتے ہوئے کہا تھا جو خلیفہ کے کاندھے پر اسے کالم ڈاؤن کرنے کیلئے ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ وہ آگے بڑھی اور اپنی چھتری اٹھا کر واپس جانے لگی مگر جاتے جاتے اس نے اپنے ضبط سے سرخ چہرے اور گیلی آنکھوں سے خلیفہ کو ضرور دیکھا تھا۔

"زیادتی کر دی یار اتنا روڈ مت ہوا کر۔" رمیز نے یمن کو سڑک کراس کرتے دیکھ کر کہا۔ خلیفہ جارحیت سے دروازہ کھول کر گاڑی کے اندر بیٹھ گیا۔

"اگر اس میں موجود ایک بھی بم پھٹ جاتا نا تو پوچھتا تجھ سے میں۔" گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے انجن کو زحمت دی۔ رمیز بھی پیسنجر سیٹ سنبھال چکا تھا۔

"پھر پوچھنے کی مہلت ہی نہ ملتی جانی، خواجہ ریاض نے ویسے دھوکا کر دیا یار۔ ایک لڑکی کے بدلے صرف چار بم کیا وہ لڑکی اتنی گئی گزری تھی۔" گاڑی کو سڑک پر ڈالتے ہوئے خلیفہ نے یمن پر نگاہ ڈالی جو بہت دور اسے کسی لڑکی سے جھگڑتی ہوئی نظر آئی پھر سامنے دیکھتے ہوئے اس کی بات کا جواب دیا۔

"خواجہ ریاض کو کیا پتا اس کے ساتھ کیا کیا ہونے والا ہے۔ ظاہر (صوبائی وزیر) کے ساتھ پنگا لے کر اس نے اپنے لیے گڑھا کھود لیا ہے اپنی پاور کو اس سے اعلیٰ جان کر وہ گھاٹے کا سودا کر بیٹھا۔ دشمن پال لیا ہے اس نے میری جان۔ یہ بتا اسے کہیں سے بھی شک تو نہیں گزرا کہ جو لڑکی اسے سپلائے کی گئی ہے وہ ہمارے میں سے ہے یا ہماری ساتھی ہے؟"

رمیز کمینے پن سے مسکرایا۔ چیونگم کو ڈیش بورڈ پر رکھے شاپر میں تھوکا پھر اس کو سیلڈ کر کے چھوٹی سی ڈسٹ بن میں ڈال دیا۔

"اس کا باپ بھی نہیں پہچان سکا کہ خالد میں ہوں اور وہ لڑکی جو اسے سکون دینے والی ہے ہماری ساتھی ہے

بے فکر ہو جاؤ اس کے اگلے مال پر ہم نے ہاتھ ڈالنا ہے۔ خواجہ ریاض کو کروڑوں کا نقصان ہونے والا ہے۔"

وہ دونوں اس بات پر ایک ساتھ ہنسے تھے۔ ان دونوں کے فلک شگاف قہقہے فقط گاڑی کی حدود تک ہی تھے۔ خلیفہ کے دماغ میں دو سیاہ سمندر میں ڈوبی آنکھیں آئیں۔ اس نے یونہی تھوڑا سا سر باہر کر کے ویو مرر سے اسے دیکھا۔ وہ بہت دور ہو چکی تھی اب بس فقط اس کا سایہ سا نظر آتا تھا۔ اس نے اسے خود سے دور جانے دیا مگر وہ اس سے دور تھی ثوبیہ سے نہیں جو بھاگتی ہوئی اس کے پاس آئی اور رزنگر اس کی جانب بڑھایا۔

"لو بچا لو معصوم چوہوں کی جان۔ کیا یاد کرو گی کیسی بہن نصیب ہوئی ہے تمہیں۔" بولتے بولتے وہ یکدم رکی۔ اسے یمن کا سرخ چہرہ اور بار بار پلکیں جھپکانا کچھ غلط ہونے کا اشارہ دے گیا۔ وہ گھبرا گئی۔

"یمن، تم ٹھیک ہو؟ کیا ہوا ہے؟ بتاؤ مجھے کس نے تمہیں کیا کہا ہے۔" تفکر بھرے لہجے میں وہ اچانک تیزی سے گرتی بوندوں کی آواز میں اپنی آواز گھولتی اس سے پوچھ رہی تھی۔

"کک۔۔ کچھ بھی تو نہیں۔ بس ایسے ہی۔" کانپتی ٹھوڑی کو کنٹرول کرتے ہوئے اس نے لبوں کو سختی سے بھینچا اور گہرا سانس بھرتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہنے لگی۔ ثوبیہ کا دل دکھا۔ دکھی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"ہم بہنیں ہیں یمن اور بہنوں میں کچھ پوشیدہ نہیں ہوتا کیا ہوا ہے بتا دو مجھے۔" اس کی تو آواز میں بھی دکھ تھا۔ یہ دکھ یمن کے چھپانے کی بدولت ہی تو آیا تھا۔

"بلاشبہ یہ سچ ہے لیکن مجھے کچھ وقت دو، ٹرسٹ می، میں بتا دوں گی لیکن اگر ابھی پوچھو گی تو میں یہاں رو پڑوں گی کیا تم ایسا چاہتی ہو۔" ثوبیہ نے جھٹ سے نفی میں سر ہلایا۔ کچی گیلی مٹی کی سوندھی خوشبو بھی اس کا دل خوش نہیں کر سکی تھی پس منظر میں لوگوں کے ہجوم کو بھلاتی وہ یمن کا ہاتھ تھامتی بولی۔

"ہرگز نہیں چلو یہاں سے چلتے ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ تھامتی وہاں سے چل دی۔ یمن نے بھی جاتے جاتے مڑ کر اس کی گاڑی کو دیکھا۔ انجانے دکھ کی اٹھتی لہر کو دل میں دباتے وہ رخ موڑ گئی تھی۔ جہاں وہ سہانے موسم میں دکھ کی دیوی بنی افسردہ تھی وہیں دوسری جانب لیپ ٹاپ کی سکرین پر نگاہ جمائے معروش کچھ بہت زبردست پڑھنے میں مصروف تھی۔ وہ ایک فائل تھی جو اس کے ایک اہم سورس کی جانب سے معروش کو سینڈ کی گئی تھی جس

میں خلیفہ کے بارے میں سب کچھ درج تھا۔اس نے اپنا لیپ ٹاپ بدل لیا تھا۔ ہفتہ ہوا تھا اسے دانیال سے بات کیے ہوئے۔اسے اس کی کوئی خبر نہیں تھی لیکن وہ جانتی تھی کہ دانیال بخیریت وعافیت ہے۔ابھی وہ فائل کا مطالعہ کررہی تھی۔اس کے کمرے کے پردے گرے ہوئے تھے۔کھڑکیاں بھی بند تھیں جو وہ موسم کے حالات سے باخبر ہوتی۔کمرے میں نیم اندھیرا تھااور اس نیم اندھیرے میں وہ روح فرسا الفاظ پڑھ کر جھرجھری بھر رہی تھی جو کہ یہ تھے۔

خلیفہ تبریز لبنانی تھا۔اس کی والدہ کی جائے پیدائش ایران کی تھی مگر پھر وہ اپنے والدین کے ساتھ لبنان شفٹ ہوگئی تھی۔وہاں ان کا دل ایک روسی سے لگ گیا تھا جو کہ ایک ڈچ تھا۔مذہب کی پرواہ کیے بغیر خلیفہ کی ماں نے اس سے شادی کرلی۔شادی کے سات سال بعد خلیفہ اس دنیا میں آیا تھا جس کا نام خلیفہ کی ماں نے خود ہی تجویز کیا تھا جبکہ اس کے والد اسے ٹام کہہ کر پکارتے تھے۔خلیفہ کی پیدائش کے دو سال بعد اس کی ماں اس دارِفانی سے کوچ کرگئی تھیں۔اسی بنا پر اس کے والد نے اسے ایک مقامی چائلڈ کیئر سینٹر میں پرورش کیلئے چھوڑ دیا اور خود ورلڈ ٹور کیلئے اپنی نئی بیوی کے ساتھ روانہ ہوگئے تھے۔

جب ان لوگوں نے جنوبی کوریا میں قدم رکھا تو چند چینی نے لوٹ مار کرکے انہیں بھی قتل کردیا۔اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ اس نو بیاہتا جوڑے کی کوئی اولاد بھی ہوسکتی ہے۔خلیفہ نے اپنی زندگی کے اٹھارہ سال اس سینٹر میں گزارے جہاں اس کی دیکھ بھال ایک یہودی عورت ایستھما کرتی تھی۔چونکہ وہ عورت اسلام دشمن تنظیم سے تعلق رکھتی تھی اور ایک شدت پسند طبیعت کی مالک تھی اسے جیسے ہی خلیفہ کے بارے میں پتا چلا اس نے اس بچے کو اپنے تحویل میں لے لیا اور پھر اس کی پرورش وہی کی جو وہ کرنا چاہتی تھی۔اس نے جتنا ممکن ہوسکا اس کے دل میں اسلام کیلئے زہر بھر دیا۔لوگوں کیلئے اس کا دل سخت کردیا۔وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ اس کے سینٹر کا کوئی بھی بچہ ایک مسلمان کی حیثیت سے پروان چڑھے۔تبھی وہ اسے خلیفہ کی بجائے ٹام ہی کہتی تھی۔خلیفہ ایک عرصہ تک اس نام سے جیتا آیا تھا لیکن جب اسے اپنے ڈاکومنٹس ملے اور اس میں درج نام ملا تو اس نے اپنا تعلیمی کریئر اسی نام سے شروع کیا۔انیس سو نناوے میں خلیفہ تبریز نے پہلی بار کھیل کے دوران لڑتے ہوئے ایک بچے کو اپنے پنچ سے قتل کردیا تھا۔غصے میں اس نے اس بچے کی گردن پر اتنا زور کا وار کیا تھا کہ وہ اسی وقت مرگیا۔پھر خلیفہ کا غصہ قہر

مچاتا گیا۔ بغیر فیملی کا وہ انسان لڑائی جھگڑوں اور دنگا فساد میں آگے آگے ہوتا تھا۔ دو ہزار دو کے شروع میں اس نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر ایک لڑکی کو اغوا کیا۔ اس کی نسوانیت کو ملیامیٹ کرنے کے بعد اس کے گھر والوں سے پیسوں کا مطالبہ کیا تھا۔ ایک لڑکی کے بدلے ملی ڈھیر ساری رقم نے خلیفہ کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔ پھر وہ اور اس کے دوستوں نے یہ سلسلہ جاری رکھا۔ ہر ویک اینڈ پر ہارورڈ یونیورسٹی سے گریجویٹ خلیفہ تبریز اپنے چھوٹے سے بنائے گئے گینگ کے ساتھ مل کر لڑکیوں کو اغوا کرتا اور ان کے گھر والوں سے تاوان طلب کرتا۔

اسی دوران وہ مقامی ڈرگ اسمگلرز کے ساتھ مل گیا، بارز، کلبز اور کسینو ہمیشہ سے خلیفہ کی پسندیدہ جگہ رہے تھے۔ وہ وہاں گیمبلنگ کرتے لوگوں کے ساتھ جڑ کر اپنی ذہانت سے انہیں مات دینے لگا۔ اسمگلرز کے ساتھ منسلک ہو کر وہ نشے کے عادی لوگوں کیلئے منتخب کی گئی قیمت سے ڈبل قیمت پر نشہ فروخت کرتا اور کرواتا۔ یوں اسے دنوں میں منافع ہونے لگا اور وہ اس کام میں بھی دلچسپی لینے لگا۔

یہ دو ہزار چار کی بات ہے جب چائنہ کے سب سے بڑے گروہ کا ایک باشندہ خلیفہ کے پاس اپنے باس کا پیغام لے کر آیا۔ جس میں درج تھا۔

"میں تمہاری صلاحیتوں سے بہت متاثر ہوا ہوں، جس طرح تم واشنگٹن میں رہ کر اس کی پولیس سے بچ کر لڑکیاں اغوا کر کے ان سے تاوان لے رہے ہو اور اپنی منشیات بلا خوف و خطر وہاں کے عادیوں کو سپلائے کر رہے ہو اس سب کو دیکھ کر مجھے لگتا ہے کہ ہم دونوں ساتھ مل کر اچھا خاصہ یونٹ قائم کر سکتے ہیں۔ میں لی ٹن تمہیں ہمارے ساتھ کام کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اپنے فیصلے کو معتبر بنا کر ہامی بھرو اور میرے ساتھ مل کر اس گناہوں کی دنیا کے بے تاج بادشاہ بن جاؤ کیونکہ تمہارا مستقبل یہی ہے۔"

یہ خط پڑھتے ہی اچھی سوچ کا حامل خلیفہ مسکرا اٹھا۔ اس نے لی ٹن کی دعوت کو قبول کیا اور دو ہزار چار سے لے کر پانچ تک اس کے ساتھ مل کر جی جان سے کام کیا۔ اس دوران خلیفہ تبریز انڈر ورلڈ میں اپنا اچھا خاصہ نام کما چکا تھا۔ ہر ملک میں اس کے الگ نام تھے اور وہ سارے نام کسی بھی کرائم لسٹ میں شامل نہیں ہوتے تھے لیکن وہ اپنے ناموں کے ساتھ ہی لکس بھی بدلا کرتا تھا تبھی اسے پہچاننا مشکل امر تھا۔ دو ہزار پانچ کے اینڈ میں جب خلیفہ

کو لگا کہ لی ٹن اس پر آہستہ آہستہ حاوی ہو کر اسے دبانے کے چکروں میں ہے اس نے خود ہی اسے زمین میں دبا دیا۔ ایک کالی رات کی روشن صبح میں اچانک ہی لی ٹن کی لاش اس کے بستر پر پڑی ہوئی ملی جس پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے خلیفہ نے عقیدت کے ساتھ اسے تابوت میں ڈال کر زمین میں اتار دیا تھا اور خود اس کی کرسی پر براجمان ہو گیا۔ اب خلیفہ تبریز تھا اور لی ٹن کا جما جمایا کاروبار اس کا تھا جو مختلف قریبی ممالک میں اپنا مال سپلائے کرتا تھا اور ان سے تین گنا منافع وصول کرتا تھا۔ انہیں ممالک میں سے ایک پاکستان بھی تھا جو اس دور میں زلزلے کے زیرِ اثر تباہی کا شکار تھا۔

خلیفہ اور سمندر خان کی ملاقات حادثاتی تھی۔ دو ہزار پانچ میں جب خلیفہ امدادی سامان کی آڑ میں اپنے آدمیوں کے ساتھ بڑے بڑے کارٹن میں ڈھیر سارا اسلحہ اور منشیات پاکستان لایا تھا تو مظفر آباد کے تباہ شدہ علاقے میں اس نے سمندر خان کو اپنے ہیلی کاپٹر کے ساتھ دیکھا تھا۔ جس میں وہ انسان دوست بنا ڈھیروں کے حساب سے لڑکیاں اور بچے بھر کر لے جا رہا تھا جن کی اس نے اپنے قائم کردہ این جی او میں پرورش کرنی تھی اور انہیں ایک کامیاب انسان بنانا تھا۔ وہ ان بچوں اور عورتوں کو کتنا کامیاب بناتا یہ تو سمندر خان جانتا تھا یا پھر دور اپنی ناک پر عینک جمائے چیونگم چباتا ہوا خلیفہ تبریز۔ کہتے ہیں نا کہ نیکوکاروں کو نیکوکار ہی پہچان سکتے ہیں اور گناہ گاروں کو گناہ گار۔ بس یہی بات تھی خلیفہ نے سمندر خان کو پہچان لیا اور اس کی اور دوستی کا ہاتھ بڑھایا جسے سمندر خان نے بڑی گرمجوشی سے تھاما تھا۔

اس ہاتھ کو تھامنے کے بعد ہی سمندر خان کو پتا چلا کہ "ٹام سن" خلیفہ تبریز ہے اور خلیفہ کو پتا چلا تھا کہ انڈر ورلڈ میں دھوم مچاتا "خان" ہی سمندر خان ہے۔ دونوں کی دوستی اور دماغ نے دنوں میں دھوم مچائی اور ان کا نام دنوں میں مافیا گروپ میں شور مچانے لگا۔ جاپان سے لے کر چائنہ تک، اٹلی سے لے کر ایران تک سب جگہ "کوبرا" کی دھوم تھی۔ اسی وجہ سے خلیفہ نے سمندر خان کے کہنے پر چائنہ میں موجود اپنا چارج اپنے انتہائی قابل بھروسہ انسان کو تھمایا اور خود مستقل طور پر پاکستان شفٹ ہو گیا کہ یہاں باقی ممالک کی نسبت زیادہ نشہ استعمال ہوتا تھا اور اس کی ڈیمانڈ بھی زیادہ تھی۔ یوں تو اس میں اتنے گٹس تھے کہ وہ پاکستان کی پولیس کو آسانی سے چکمہ دے کر انہیں کھلا پلا کر اپنا نام کرائم لسٹ سے پاک رکھتا لیکن چونکہ یہاں کی خفیہ ایجنسی باقی ممالک کی ایجنسیوں

سے زیادہ پاورفل تھی تبھی ان کی نگاہ سے بچنے کی خاطر اس نے بھی سمندر خان کی طرح خود کو سوشل ورکر بنالیا۔ ایک دارالامان کھولا جو انسانی دوست کے اصول پر کام کرتا اور بیچاری مظلوم عورتوں کو شیلٹر فراہم کرتا۔ اس کے علاوہ بھی اس نے اور بہت سے رفاہی ادارے کھول لیے تھے۔ حکومت کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے وہ جی کھول کر چیرٹی کرتا اور کروڑوں کما کر چند لاکھ نکال کر خود کو سب کی نگاہوں میں ہیرو بنالیتا۔ سیاسی لوگوں سے اس کے تعلقات سمندر خان کی بدولت ہی پروان چڑھے تھے۔ یوں انہیں نام نہاد شرفاء کی حمایت حاصل ہوئی اور ان کا کام بغیر رکے زور وشور سے چلتا رہا۔

ہاں کبھی کبھی اپنے یونٹ کو ہر نگاہ سے پاک رکھنے کیلئے وہ پولیس کو پیسے دے کر چھوٹے موٹے ریڈ ڈلوا لیتے جس میں اس کام کا سرغنہ کبھی کوئی اور ہوتا تو کبھی کوئی۔ یوں ان کا نام کبھی بھی کسی نیوز پیپر یا ٹی وی پر اس حوالے سے نہیں آیا تھا۔ اگر آتا بھی تو ان کے اچھے کاموں کی لسٹ ہی بتائی جاتی تھی جن میں سر فہرست ان کی عوامی خدمت تھی۔ سیاسی حمایت کے سبب کبھی کوئی بھی ان سو کالڈ وائٹ کالرز پر توجہ نہیں دے پایا تھا جنہوں نے پاکستان کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ لی ٹن نے ٹھیک کہا تھا وہ گناہوں کا بے تاج بادشاہ ہے اور وہ تھا بھی۔ پاکستان اسے راس آیا تھا۔

معروش نے لیپ ٹاپ کی سکرین گرائی اور پرسوچ نگاہ کے ساتھ ناخن دانتوں میں پکڑے بیٹھ گئی۔ یہ بہت ہی مشکل کیس تھا جس میں اس نے خود کو ملوث کرلیا تھا۔ وہ ان منافق سیاست دانوں کو جانتی تھی جن کی وجہ سے آج تک یہ لوگ بچے ہوئے تھے لیکن اب نہیں۔ اب ان کے زوال کا سورج طلوع ہو چکا تھا کیونکہ اب ایف آئی اے نے ان پر نظر رکھ لی تھی۔

☆......☆......☆

"ہیلو مادام! گڈ آفٹر نون، میرا نام نوفل خان ہے اور میں یہاں انٹرویو دینے آیا ہوں۔ یہ میری رسیوم ہے۔"

سیاہ جینز پر سفید ٹی شرٹ کے ساتھ اس نے سیاہ ہی دھاری دار سویٹر پہنا ہوا تھا جس کے کالر اور کف اس سویٹر میں سے نکل رہے تھے۔ ایک سرخ رنگ کی ٹائی بھی لٹکائی گئی تھی۔ بال اچھے سے جمے تھے اور چہرے پر

مدھم سی سہانی سی مسکان تھی۔ نانو جو چین والا گولڈن چشمہ آنکھوں پر لگائے بانو قدسیہ کا مشہور زمانہ ناول "راجہ گدھ" پڑھ رہی تھیں اس آواز پر نگاہ اٹھائی اور ٹھٹک پڑیں۔ وہ ٹرانسپیرنٹ ہلکے نیلے رنگ کی فائل میں اپنے ڈاکومنٹس لیے بڑے ادب کے ساتھ ان کے سامنے کھڑا تھا۔ نانو نے اپنے بک سٹور پلس بیکری پر نگاہ دوڑائی اور پھر سے نوفل کو دیکھا۔

"تم کھڑے کیوں ہو، بیٹھو۔"

حکم ملتے ہی نوفل نے کرسی سنبھالی اور فائل کو لکڑی کی میز پر رکھ کر نانو کی جانب کھسکا دیا۔

"دراصل میں اپنے کاغذات کھو چکا ہوں لیکن اس میں میری سی وی ہے اور جو اس میں درج ہے وہ بالکل سچ ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں سارا کام میں دل سے کرونگا۔ آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دونگا۔ بس آپ مجھے اس جاب پر رکھ لیں۔ مجھے اس کی ضرورت ہے۔"

وہ اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھولے ان میں ڈھیروں آس کے جگنو لیے معصوم چہرے کے ساتھ نانو سے کہہ رہا تھا جو ٹھوڑی پر انگلی رکھے اسے سنجیدگی سے سن رہی تھیں۔ اس کے چپ ہونے پر گلا کھنکار کر بولیں۔

"تم نے تو کل آنا تھا پھر ایک دن بعد کیوں آئے، جانتے ہو جب سے مجھے معروش نے تمہاری آمد کا بتایا ہے میں تب سے تمہاری منتظر ہوں اور یہ کیا کاغذ کا ٹکڑا اٹھا لائے ہو تم۔ پرے کرو اسے۔"

وہ اس نئی نکور کتاب کو بند کرتے ہوئے پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہو چکی تھیں۔ آدھے سر پر جما دوپٹہ گرے اور سیاہ بالوں کی جھلک دکھا رہا تھا۔ نوفل نے ان بالوں سے نگاہ ہٹائی اور انہیں کہنے لگا۔

"تو کیا میری جاب لگ گئی؟" خوشی اور الجھن بھرے لہجے میں وہ شیشوں سے بنے اس بڑے سارے بک سٹور کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا جس کے دائیں جانب بڑی ساری آدھی دیوار بنا کر بیکری بنائی گئی تھی۔ جس کے کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی لڑکی اور سر پر ٹوپی جمائے ایک لڑکا واضح دیکھا جا سکتا تھا۔ البتہ اس بک سٹور میں سوائے نانو کے اور کوئی نہیں تھا۔

"نہیں تم جا سکتے ہو، آنے کا شکریہ۔" نانو نے تڑخ کر کہا۔ نوفل بیچارے کے منہ پر سامنے شیشے کی دیوار کے پار نظر آتی سڑک جیسا سناٹا پھیل گیا جو نانو کو ناگوار گزرا اور پھر وہ جھنجھناتے ہوئے بولیں۔

"افوہ، یہ اپنا سڑا ہوا منہ درست کرو۔ تمہاری نوکری اسی دن لگ گئی تھی جب معروش نے مجھے اس کے بارے بتایا تھا۔ یوں مجھے نانو کہتے ہو اور یوں یہ فارمل انداز۔ تف ہے تم پر۔"

نانو کی ڈانٹ پر اس کا سڑا ہوا چہرہ واقعی کھل گیا۔ خوشی کی شدت سے اس نے لبوں کو دانتوں میں جکڑا۔

"اللہ آپ کو اس کا بہترا جر دیگا نانو، آپ کا بہت بہت شکریہ۔" ان کا ہاتھ تھام کر جھکتے ہوئے اس نے ان پر اپنے لب رکھے اور پھر انہیں آنکھوں سے لگایا۔ نانو اس عقیدت پر نہال ہو گئیں۔

"دل لگا کر کام کرو، ایمانداری دکھاؤ گے تو تمہاری روزی میں برکت ہوگی۔ چلو اٹھو اور ان کتابوں کو اپنا تعارف کرواؤ تا کہ وہ تم سے اپنا دل جوڑ لیں اور انہیں سیل کرتے ہوئے تم ان کی محبت میں گرفتار نظر آؤ۔ تمہاری ان سے محبت دیکھ کر ہی کسٹمر ان کی جانب زیادہ متوجہ ہوگا۔"

اس نے نانو کی بات سن کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔ نانو اپنے سابقہ کام میں مصروف ہو گئیں اور نوفل سرکل میں بنے ریکس میں رکھی کتابوں سے باتوں میں مصروف ہو گیا۔ نانو نے مسکرا کر نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

دور خالی سڑک پر اب چہل قدمی ہونے لگی تھی۔ لوگ یہاں وہاں آ جا رہے تھے۔ گاڑیاں چل رہی تھیں۔ ان بہت سی گاڑیوں میں سے ایک گاڑی رش کی بنا ان کی شاپ کے شیشے سے کچھ فاصلے پر آ کر رکی۔ نوفل جو نئی نئی چھپی کتاب کی خوشبو کو دل میں اتار رہا تھا نے بس یونہی نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ وہ اس وقت شیشے کے پاس رکھے ون ہینڈڈ سنگل صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ جس کی پچھلی پشت بہت اونچی تھی۔ وہ گولڈن رنگ کا تھا اور اس کے بالکل پاس ایکوریم رکھا ہوا تھا جن میں خوبصورت رنگ برنگی مچھلیاں یہاں وہاں تیر رہی تھیں۔ اس ایکوریم کے شیشے سے بھی باہر کی سڑک دیکھی جا سکتی تھی جسے ٹکٹکی باندھ کر نوفل تکنے میں مصروف تھا۔ اس کی نظر سیاہ گاڑی پر ٹکی ہوئی تھی جس میں کچھ عجیب تھا، کچھ بہت زیادہ عجیب۔ ہاتھ میں کتاب پکڑے نوفل نے آنکھیں سکیڑ کر اس گاڑی کو دیکھا۔ جس کے شیشے بلائنڈ تھے مگر آگے بیٹھا گھنی مونچھوں اور داڑھی والا شخص مسلسل اضطراب سے اپنی مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا۔ اس کے سر پر سندھی شیشوں والی سرخ ٹوپی تھی اور آنکھوں پر سیاہ چشمہ۔ وہ کوئی سیاست دان معلوم ہوتا تھا یا کوئی وڈیرہ۔ اس کی گاڑی غیر معمولی طور پر ہل رہی تھی۔ ایسے جیسے اس میں کچھ ہو رہا ہو۔

"ڈانسنگ کار۔" یکدم یہ سوچ نوفل کے دماغ میں ابھری پھر فوراً ہی اس نے اپنی گھٹیا سوچ پر لاحول ولا

پڑھی تھی۔ وہ تھوڑا آگے کو جھک کر بیٹھا۔ تجسس نے پوری شدت سے اس میں انگڑائی لی تھی۔ اس سیاہ گاڑی کی بیک سیٹ اب اسے معمولی سی نظر آنے لگی تھی۔ جام ہوئی گاڑیوں نے تھوڑی حرکت کی اور ان کے توسط سے نوفل نے وہ دیکھا جو اسے دیکھنا نہیں چاہیے تھا۔ اس نے فوراً سے پیشتر اپنا موبائل نکالا اور ویڈیو بنانے لگا۔ دو معصوم بچیوں کے منہ پر ہاتھ رکھ کر وہ لوگ یقیناً انہیں اغوا کر کے لے جا رہے تھے اور وہ ان کے چنگل سے نکلنے کیلئے ہاتھ پیر مار رہی تھیں۔ دونوں بچیاں سکول یونیفارم میں تھیں۔ ان کی مزاحمت پر دائیں بائیں بیٹھے آدمیوں میں سے ایک نے دائیں سائیڈ والی بچی کے منہ پر تھپڑ رسید کیا تھا۔ نوفل گولی کی سپیڈ سے اپنی جگہ سے اٹھا اور بھاگتا ہوا سڑک پر آگیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس گاڑی تک پہنچتا وہ کار ان سے دور جا چکی تھی۔ نیلے آسمان کے نیچے کھڑے حواس باختہ نوفل کے اعصاب اس وقت مضبوط تھے اور دماغ چل رہا تھا تبھی اس نے اس گاڑی کی نمبر پلیٹ کی تصویر بنائی اور کڑوے دل کے ساتھ واپس شاپ میں آگیا۔

"ایسے گھوڑے پر سوار ہو کر کہاں گئے تھے تم۔" نانو نے اس کے اندر آتے ہی تفتیش شروع کر دی۔ دراصل وہ بھی نوفل کے اس طرح بھاگنے پر گھبرا گئی تھیں۔ چڑیا جیسا دل جو تھا ان کا۔ ان کی بات سن کر نوفل نے اپنا منہ کھول کر پھر سے بند کر دیا۔

"میں تم سے بات کر رہی ہوں نوفل، بتاؤ مجھے دل گھبرا رہا ہے میرا۔" نانو اب واقعی پریشان ہو گئی تھیں۔ اپنی جگہ سے اٹھیں اور اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہنے لگیں۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"کوئی خاص بات نہیں تھی بس ایک پپی گاڑی کے نیچے آرہا تھا۔" اس نے بات بنائی۔ نانو سمجھ گئیں وہ اسے ٹال رہا ہے۔ ان کی جہاندیدہ نگاہوں نے اس کے اندر موجود بے چینی کو بھانپ لیا تھا مگر مصلحت کی خاطر وہ چپ رہیں۔ ان کے نزدیک ایک بار پوچھ کر انہوں نے اپنا فرض پورا کر لیا تھا دوبارہ پوچھتیں تو غیر اخلاقی ہوتا۔

"ٹھیک سمجھ گئی۔" وہ ایک گہری نگاہ پریشان نوفل پر ڈال کر اپنی کرسی پر بیٹھیں۔ نوفل نے جھٹ سے سیل فون نکالا اور وہ کیا جو کرنے کا اس کا دل کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وہ سیاہ گاڑی تھی جو اس وقت ایم عالم کو جاتی سڑک پر جا رہی تھی۔ اس میں واقعی دو بچیاں تھیں اور وہ دونوں بچیاں ظاہر کی تھیں۔ گاڑی نے یوٹرن لیا اور خواجہ ریاض کے بنگلے میں جا کر پناہ لے لی۔

"تو یہ ہیں اس صوبائی وزیر کے نمونے، اچھا ہے اب اسے پتا چلے گا کہ کیسے کسی کے کاموں میں ٹانگ اڑائی جاتی ہے۔ اس خلیفہ کے دم پر بڑا پر مار رہا تھا نا، میں بھی بتاتا ہوں کہ خواجہ ریاض کسی سے کم نہیں ہے۔"

موٹے بدن کا حامل، گہری سانولی رنگت والا خواجہ ریاض اپنی سندھی ملی اردو زبان میں بول رہا تھا۔ وہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے اپنے لگژری صوفے پر بیٹھا تھا۔ دونوں بچیاں سہمی ہوئی ان دونوں آدمیوں کے شکنجے میں کھڑی تھیں جو اسے یہاں لائے تھے۔

"وہ بھول گیا تھا سائیں کہ جب اس کی جیب خالی تھی تو ایک عرصے ہم نے اسے افوین دی۔ اس کی حاجت کو پورا کیا اور اب جب اس کی جیب بھر رہی ہے تو وہ مہنگی کی جانب چل دیا۔ خلیفہ تبریز وہ سانپ ہے جو وقت آنے پر اسے بھی ڈس دے گا اور میں چاہتا ہوں وہ وقت جلدی آئے۔"

شاہد جو خواجہ ریاض کے بھائی کا بیٹا تھا اور ان کے کاموں میں پوری طرح ان کے ساتھ تھا اس پر تپا بیٹھا تھا۔ وجہ ظاہر کی، اس کے کام میں ٹانگ اڑانا تھی۔ اس کا کام بھتہ لینا تھا جس پر ظاہر نے پولیس کی مدد سے اس پر پابندی لگائی ہوئی تھی اور عوام کو یہ تحفظ دیا تھا کہ وہ اس سے بغیر ڈرے بھتہ نہ دیں۔

"صحیح کہتے ہو بابا، بالکل صحیح کہتے ہو۔ اس خلیفہ نے جو میرے ساتھ پارٹی پر کیا تھا وہ میں بھول نہیں سکتا بڑا نام اچھالا ہے اس۔۔۔۔۔ نے میرا۔ اسے لگتا ہے سیاسی پناہ لے کر وہ مجھے پیچھے چھوڑ دیگا۔ ہنہ۔ میں نے بھی قسم کھائی تھی اس سے آگے نکل کر دکھاؤں گا اور میں یہ کر بھی رہا ہوں تبھی وہ مجھ سے ڈر کر ایسے ہتھکنڈے استعمال کر رہا ہے۔ اب اسے اور ظاہر کو پتا چلے گا کہ خواجہ ریاض کون ہے شاہد۔"

وہ اپنی مونچھوں کو مسلسل اپنے انگوٹھے اور انگلی کے درمیان مسلتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ خواجہ ریاض جدی پشتی منشیات فروشوں میں سے تھا۔ ان کے بابا پھر ان کے بابا اور پھر ان کے بابا بھی انہیں کاموں میں ملوث تھے لیکن جب بات خواجہ ریاض کی آئی تو جوانی کے جوش میں باہر ملک وہ اپنا سارا پیسہ ڈبا آئے تھے، ہاتھ ملتے ہوئے انہیں واپس پاکستان آنا پڑا۔ یہاں آکر انہوں نے اپنے پرانے رشتے دار کے ساتھ مل کر غلط کام کرنا شروع کیے لیکن پولیس سے بچنے کیلئے انہیں مضبوط سہارا چاہیے تھا اور یہ مضبوط سہارا انہوں نے سیاست کے روپ میں حاصل کیا۔ یوں وہ سیڑھی در سیڑھی اوپر چڑھتے ہوئے اس مقام تک آگئے کہ اپنے ورثہ کی طرح ان کا نام بھی بین

الاقوامی منڈی میں لیا جانے لگا لیکن ان کے خمیر میں حکمرانیت تھی اسی لیے وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح بس وہی پاکستان کی طاقتور ہستی بن جائیں اور ہر کوئی ان کے نام سے تھرتھرائے۔ایسا تب ہی ممکن تھا جب خلیفہ تبریز یا سمندر خان ان کے راستے سے ہٹ جاتے۔تبھی وہ اپنی چونچ بلاوجہ ان سے لڑاتے ہوئے میدان میں اتر آئے تھے۔اس سوچ کے ساتھ کہ جیت ان کی ہی ہوگی۔

"خلیفہ سے کہو کہ تمہاری بھیجی ہوئی جاسوسہ اس وقت چین کی نیند سو رہی ہے۔اس کی لاش کو عقیدت سے اس کے گھر بھجواؤ اور اس پر ایک پیاری سی تحریر لکھ کر بھیجو۔"

وہ دونوں جانتے تھے اس لاش سے خلیفہ کو کوئی فرق نہیں پڑنے والا لیکن پھر بھی اپنی بنتی طاقت اس پر ظاہر کرنی تھی۔اسے دکھانا تھا کہ اب انڈر ورلڈ میں صرف سمندر خان یا خلیفہ تبریز ہی نہیں ہیں اب اس میں خواجہ ریاض بھی آ گیا ہے۔

☆......☆......☆

"ہم لڑکیاں میٹھی میٹھی باتوں میں آ کر اپنی پوری زندگی تباہ کر دیتی ہیں یہ سوچے بنا کہ اس مٹھاس کے بعد ہمیں وہ کڑواہٹ برداشت کرنی ہے جس نے پھر پوری زندگی ہمارے وجود کو اپنے کڑوے پن سے جلائے رکھنا ہے۔"

کیمرہ آن تھا اور اس کے آگے بیٹھی لڑکی اپنے بال شانوں پر دائیں بائیں گرائے مدھم آواز میں بولے جا رہی تھی۔آج بھی اس کے عین سامنے کارپٹ پر معروش دونوں گھٹنوں پر بازوؤں کا گھیرا کیے اسے منہمک انداز میں سن رہی تھی۔

"ہوا میں موجود انجانی گیس کے زیر اثر جب میں نیم بے ہوش تھی تو میں نے محسوس کیا تھا کہ کوئی مجھے بانہوں میں اٹھائے بیڈ پر لٹا رہا ہے۔اس کے بعد میں نے لاتعداد بار اپنے بازو میں سوئیاں چبھتی ہوئی محسوس کیں۔جانے ان انجیکشنز میں کیا تھا لیکن جو بھی تھا وہ میری رگوں کو آہستہ آہستہ جلائے جا رہا تھا اور یہ جلن میرے باقی حواسوں کو بھی مفلوج کر گئی تھی۔"

بولتے بولتے وہ رکی۔اپنے دونوں ہاتھوں کو کھولے جیسے اس میں گزشتہ تلخ وقت کو فلم کی طرح چلتے دیکھ رہی

ہو۔اس کی آنکھ میں آنسو نہیں تھے شاید درد کی آخری سیڑھی پر چڑھتے ہوئے وہ اپنے آنسو نیچے چھوڑ آئی تھی وہ مزید کہہ رہی تھی۔

"پتا نہیں کتنے گھنٹے یا دنوں بعد مجھے ہوش آیا تھا مگر ہوش میں آنے کے بعد میں نے خود کو ایک بہت ہی عجیب سی جگہ پر دیکھا۔وہ کوئی بیسمنٹ تھا یا کیا۔مجھے نہیں پتا لیکن وہ بہت بری جگہ تھی۔میری آنکھوں کے سامنے ڈھیر ساری لڑکیاں نشے میں ڈوبی ہوئی بہت غلط حرکتوں میں ملوث تھیں۔میں ان سب کو دیکھ کر ڈر گئی کیونکہ مجھے ایسی جگہ نہیں رہنا تھا۔"

معروش نے اس کی گردن کو کھوجنا چاہا جہاں وہ سیاہ ڈوٹ لگا ہوا تھا مگر بالوں کی وجہ سے وہ اسے کھوج نہیں پائی۔اس نے گہرا سانس لیا اور سماعت کو گڑیا کی آواز پر لگا دیا۔

"وہ بہت بری جگہ تھی۔چھوٹے چھوٹے کمرے اور ان کے درمیان بنا بڑا سارا ہال۔وہ جگہ اینٹوں سے بنی تھی۔گرے رنگ کی موٹی موٹی اینٹیں،جن پر فارغ واداس بیٹھی لڑکیاں چاک سے اسکیچز بناتی تھیں۔میں نے بھی وہاں ایک اسکیچ بنایا تھا۔پنجرہ تھا اور اس میں قید ایک ہدہد۔"

وہ پھر بولتے بولتے رک گئی تھی۔اس بار اس نے پہلے سے زیادہ لمبا وقفہ لیا۔معروش نے اس کے آگے چلغوزے رکھے ہوئے تھے تاکہ وہ انہیں کھا سکے مگر اس تمام عرصے میں اس نے ایک بھی چلغوزہ منہ میں نہیں ڈالا تھا۔چلغوزہ تو دور اس نے پانی کا گلاس بھی نہیں اٹھایا تھا۔

"ہر لڑکی کی طرح میرے بھی بال کاٹ دیے گئے تھے۔میری گردن پر بھی۔" اس نے دائیں جانب سے بالوں کو اٹھا کر پیچھے کیا۔اب اس کی گردن پر وہ کالا موٹا نقطہ واضح طور پر دیکھا جا سکتا تھا۔

"انہوں نے یہ نشان لگایا تھا۔مجھے نہیں پتا یہ انہوں نے کب کیا۔بس اتنا جانتی ہوں کہ جب میں ہوش میں آئی تو سب کچھ بدل چکا تھا۔میں بھی بدل چکی تھی کیونکہ میں نشے کی عادی بنادی گئی تھی۔اس دن کی رات میں مجھے ایک کمرے میں لیجایا گیا۔وہاں موجود آدمی بہت خوفناک تھا۔وہ ایک سیاہ فام تھا۔اس کے دانت ضرورت سے زیادہ پیلے تھے۔ناک بہت موٹی تھی اور آنکھیں باہر کو نکلی ہوئیں بالکل زرد۔وہ کسی بھی لڑکی کو پہلی مرتبہ دیکھنے پر ڈرا سکتا تھا۔میں بھی ڈر گئی۔اس رات میں نے جانا وہ جتنا بدصورت ہے اتنا ہی سفاک بھی ہے۔اس کے سینے

میں دل نہیں تھا۔ وہ ایک جیتا جاگتا حیوان تھا جسے شکار کو زیر کرنا بخوبی آتا تھا۔ اس کا نام جیمز تھا۔"

معروش کا دل عجیب ہونے لگا۔ یکدم اسے کمرے کی فضا گھٹن آمیز لگنے لگی۔ اس نے نامحسوس طریقے سے اپنا نچلا لب دانتوں میں دبالیا۔

"ہر لڑکی کو اسے دیا جاتا ہے۔ وہ ان لڑکیوں کو اچھے سے سمجھا دیتا ہے کہ ان کا کام کیا ہے اور ان کی جگہ اب کیا ہونے والی ہے۔ میں چار دن جیمز کے پاس رہی تھی۔ اس کے بعد مجھے کسی اور جگہ شفٹ کر دیا گیا۔ وہاں سے ہم لوگوں کو مختلف پارٹیز میں لیجایا جاتا۔ مختلف گھروں میں بھیجا جاتا، زیادہ تر لڑکیوں کو مختلف ممالک سمگل کر دیا جاتا تھا اور روز اسٹوڈیو میں بھیج کر ان کی فلم بنائی جاتی تھی۔ مجھے بس اتنا ہی پتا ہے۔ میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتی۔"

معروش نے گھٹنوں پر سے ہاتھوں کو ہٹایا اور آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"خلیفہ نے تمہیں میرے پاس کس کام سے بھیجا تھا یعنی اس کا کیا پلان تھا؟"

اس کی ساری باتیں سن کر اس نے تحمل سے گڑیا سے پوچھا جس نے اب اپنا چہرہ ہلکے سے اوپر کو اٹھایا تھا۔

"اسے سیف ہاؤس کا پتا لگوانا تھا۔ باہر آپ کے گارڈز میں سے ایک خلیفہ کا بندہ ہے میں نے ایک بار اسے دیکھا تھا اور۔"

معروش کو اس کی بات پر کرنٹ لگا تھا۔ حیرت و بے یقینی اس پر بے طرح سے غالب آئی تھی اس کا جبڑہ خود بخود بھینچ گیا۔

"اور؟" اس کی برداشت دیکھنے والی تھی تو یعنی آپریشن کے تحت نکالی گئی چپ کے علاوہ بھی کچھ اس کے اندر نصب تھا جس کے سبب خلیفہ کے آدمی یہاں تک پہنچے۔

"اور یہ کہ وہ ہمیں اس وقت دیکھ اور سن سکتے ہیں۔ آپ فوراً اس سیف ہاؤس کو خالی کر دیں آفیسر یقیناً انہوں نے میرے اندر موجود بم کو ایکٹی ویٹ کر دیا ہے۔"

معروش کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ یکدم اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔

"یہ کسی قسم کا مذاق ہے۔"

گڑیا کا پرسکون انداز اسے شک میں مبتلا کر رہا تھا اس کے چپ رہنے پر اس نے جھٹ سے سیل فون نکال کر بم ڈفیوز ٹیم کو کال کی تھی۔

"اس سب کا کوئی فائدہ نہیں آفیسر، میرے پاس بہت کم وقت ہے۔آپ چلی جائیں یہاں سے۔"

معروش کے دل میں تھوڑا سا خوف ابھرا مگر وہ سٹل کھڑی رہی۔گڑیا سر کو جھکائے اسے پے در پے جھٹکے دے رہی تھی۔

"دیکھو مجھے سچ بتاؤ، تم ایسا کیوں کر رہی ہو؟" اسے تو ابھی اس سے اور بھی بہت ساری جانکاریاں لینی تھیں وہ کیسے اس بات پر یقین کر لے کہ اس کی ہائی الرٹ ٹیم ایک خلیفہ سے دھوکا کھا گئی ہے۔ایک آدمی کیسے انہیں چکمہ دے کر یہ سب کر سکتا ہے؟ اسے گڑیا جھوٹی لگی۔

"اگر آپ کو اپنی زندگی عزیز نہیں تو باہر جائیں یقیناً جو باہر ڈیوٹی دے رہے ہیں ان کے گھر والوں کو ان کی قدر و فکر ہے۔" وہ اس کی بات سن کر، اس بار یقین کر کے کیمرے کو ہاتھ میں مضبوطی سے تھامتی کمرے سے باہر آ کر چلائی۔

"حفیظ! ایک سیکنڈ میں اس گھر کو خالی کرواؤ اور تم یہیں رکو جاسوس۔" وہ ایک آدمی کا کالر تھامتی ہوئی چلاتی ہوئی کہہ رہی تھی۔حفیظ پریشان سا اسے دیکھے گیا۔معروش کا حکم تھا تبھی اس نے اس ایک منزلہ چھوٹے سے گھر میں موجود واحد نوکر اور گیٹ کیپر کو گھر سے دور کیا تھا۔خود وہ جلدی سے واپس آیا۔آ کر دیکھا کہ وہ آدمی جس کا معروش نے کالر پکڑا ہوا تھا۔وہ کراہتے ہوئے اپنا گھٹنا تھامے نیچے گرا ہوا تھا۔وہ کراہ اس لیے رہا تھا کیونکہ معروش نے اس پر گولی چلائی تھی۔

"سب ٹھیک ہے میڈم؟" خطرے کی بو کو تو وہ بھانپ گیا تھا مگر پھر بھی پوچھ لیا۔

"یہ کوبرا ٹیم کا بندہ تھا۔" وہ تھوڑی دیر رکی پھر توقف کے بعد بولی۔"تم یہاں سے چلے جاؤ حفیظ، یقیناً اندر موجود لڑکی میں بوم ہے جو بس پھٹنے ہی والا ہے۔" حفیظ کی اس کی بات سن کر سیٹی گم ہوئی۔وہ یہاں سے جانا چاہتا تھا مگر وفاداری بھی کوئی چیز تھی۔

"کیا وہ لڑکی سچ کہہ رہی ہے ہو سکتا ہے یہ جھوٹ ہو ہماری آنکھوں میں دھول جھونکنے کیلئے۔" اس نے تو

یونہی ہوا میں تیر چھوڑا تھا لیکن اس کا چھوڑا گیا تیر معروش کے دل پر لگا۔

"وہ ایسا کیوں کرے گی۔" کہتے ساتھ ہی اس کے دماغ میں جھما کا سا ہوا تھا۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ کمرے کی طرف بھاگی تھی۔ دروازہ کھولتے ہی وہ ایکدم ڈھیلی پڑ گئی۔ اس کے قدم سست ہوئے اور آنکھیں نم۔

"مجھے یقین ہے ایک دن میں ان تمام قیود سے آزاد ہو جاؤنگی۔ کھل کر سانس لوں گی۔ ہنسوں گی، صرف ہنسوں گی۔ مجھے کوئی ڈر نہیں ہوگا کہ کہیں میں قتل نہ کر دی جاؤں یا پھر واپس اس برزخ میں نہ ڈال دی جاؤں۔ میں اس وقت المبٹر وس (پرندہ) ہونگی جو صرف اڑان بھرنا جانتا ہے۔"

وہ دھیمے قدموں، ڈولتی چال اور گہرائی میں گرتے دل کے ساتھ اس میز کے پاس آ کر گرنے کے سے انداز میں گڑیا کے سامنے آ کر گھٹنوں کے بل بیٹھی جس کے شیشے پر گڑیا کا آدھا حصہ گرا ہوا تھا۔ وہ آدھی صوفے پر تھی اور آدھی میز پر گری ہوئی تھی۔ کرسٹل جیسی شفاف میز پر اس کا سرخ چمکتا ہوا خون ایسے چمک رہا تھا جیسے اس میں یاقوت کے ذرے گر گئے ہوں۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔ ان کھلی آنکھوں میں معروش کو اپنا آپ نظر آیا وہ خود کو ساکت وجامد محویت سے ان بیجان آنکھوں میں دیکھے گئی۔ اسے اپنا آپ انجان لگا۔

"بابا! آپی کہاں ہیں وہ کیوں نہیں لوٹیں؟ انہوں نے تو کہا تھا وہ آجائیں گی۔" ماضی کے دل چیر لفظ اس کی سماعت کو جلانے لگے تھے۔ اس کا وجود ہولے ہولے لرزنے لگا۔

"پوری دنیا چھان ماری اس کا کچھ پتا نہیں چلا۔ ہائے میری پیاری بچی۔" معروش کا سر نفی میں ہلنے لگا۔ نانو کی آواز پگھلے ہوئے سیسے کی مانند لگ رہی تھی۔

"میں صرف ایک بار اپنی ماما کو دیکھنا چاہوں گی آفیسر، کیا آپ مجھے ان سے ملوا دیں گی۔" ضبط و برداشت کا پیمانہ چھلک پڑا۔ اس کے دل کے اندر چھپے درد نے وجود اوڑھا اور آنکھوں کے رستے اس کے گالوں کو دہکانے لگا۔ حفیظ کی آواز پیچھے سے آئی۔

"میڈم، ٹیم آگئی ہے۔"

اس نے خود کو گہرا سانس لے کر سنبھالا، آنسو رگڑے اور دل مضبوط کر کے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس ٹیم نے جدید مشینوں سے اس کی باڈی کو اچھے سے سکین کیا تھا۔ وہاں کسی بھی پوشیدہ بم کے شواہد نہیں ملے تھے۔

"آپ کو گمراہ کیا گیا ہے اس بچی کے اندر کوئی بم نہیں تھا۔" اس ٹیم کا ہیڈ سنجیدگی سے کہتے ہوئے کمرے سے باہر چلا گیا۔ معروش نے اپنا ہینڈی کیم اٹھایا اور حفیظ کو ہدایت دیتی اپنی گاڑی میں آ بیٹھی۔ اس کا دل بہت بوجھل تھا۔ گاڑی چلاتے ہوئے بھی وہ بوجھل پن اس پر سیروں سوار تھا۔ جب اس کا فون بجا۔

"نیوز دیکھو، بہت اچھی خبر ہے تمہارے لیے" اس کے ایک سنیئر آفیسر نے کہتے ہی فون کاٹ دیا۔ معروش نے ان کی بات سنتے ہی سیل فون پر نیوز کی لائیو سٹریمنگ لگائی اور لگاتے ہی اسے اپنی سیٹ سے تھوڑا آگے کو ہونا پڑا

"گاڈ! وٹ دا۔" گاڑی کو تیزی سے بھگاتے ہوئے وہ اپنے آفس میں آئی جہاں اس کے باقی ممبرز بھی اپنے کاموں میں بزی تھے۔

"پتا چلا یہ لڑکا کون ہے؟ کہاں رہتا ہے جلدی سے اس کے بارے میں ساری انفارمیشنز نکال کر مجھے دو۔ بڑا اہم کام کر دیا ہے اس نے تو۔" وہ تیز تیز چلتے اپنے ایک ماتحت کو حکم صادر کر رہی تھی جو چیز ابھی سوشل میڈیا سمیت ٹی وی چینلز پر دھوم مچا رہی تھی۔ اسے وہ اچھے سے خلیفہ کے خلاف استعمال کر سکتی تھی بس اس کیلئے بہت سولڈ پلاننگ درکار تھی۔ اس نے خواجہ ریاض کو فون ملایا جو کہ اٹھا بھی لیا۔

"ہیلو سر، امید کرتی ہوں آپ خیریت سے ہونگے۔ آپ نے یاد کیا ہمیں۔" اس نے جان بوجھ کر خیریت لفظ کا استعمال کیا تھا۔ سامنے لیپ ٹاپ کو چلا کر فون کندھے سے لگائے وہ اس شخص کی بھڑکیلی آواز سن رہی تھی جو تھوڑی بھدی بھی معلوم ہوتی تھی۔

"خیریت کی بات کرتے ہو بابا، ہم تو انگاروں پر لوٹ رہے ہیں۔ ہمارے اور ہمارے بھانجے کے خلاف جھوٹی جھوٹی خبریں جو میڈیا میں پھیلائی جا رہی ہیں۔ دیکھو آفیسر یہ جو ویڈیو میں آدمی بیٹھا ہے یہ ہرگز ہمارا بھانجا نہیں ہے۔ یہ سب اس کو براگینگ کی سازش ہے۔ فوراً اس ویڈیو کو ہر جگہ سے کلیئر کرواؤ۔"

معروش نے اپنا گال کھجایا اور ایک پیج کو سکرول کرتے ہوئے اس پر آ کر رک گئی۔ اس کا چھوٹا سا آفس اس سمے نیم اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا جس کے سبب اس کا چہرہ لیپ ٹاپ اور سیل فون کی روشنی میں ہیرے کی طرح دمک رہا تھا۔

"ہاں تمہارے زرخرید غلام ہیں ناں۔" دل میں سوچ کر وہ تحمل سے اس سے گویا ہوئی۔

"بے فکر ہو جائیں آپ کی کمپلین سائبر کرائم نے نوٹ کرلی ہے۔ اس پر جلد ہی ایکشن لیا جائے گا اور ہاں جلد ہی اس کو براگینگ کا خاتمہ بھی ہو جائے گا۔ بس آپ صبر سے کام لیں۔" لیپ ٹاپ کو بند کر کے وہ ایزی ہو کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ جہاں وہ آرام دہ ہوئی تھی وہیں خواجہ ریاض اپنی جگہ سے آگے کو اٹھا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہاری اس بات کا، تم لوگ اس بارے میں سوچ رہے ہو۔" اس کی آواز میں ہلکی سی حیرت اور جوش کا خمیر گندھا ہوا لگا۔ معروش نے تیر کو نشانے پر لگتا دیکھ کر یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

"آپ سے بات کر کے اچھا لگا۔ گڈ بائے۔" فون کو میز پر اچھال کر اس کے لبوں پر افسردہ سی مسکان تھی۔ اس نے سر کو کرسی کی پشت پر گرایا۔ آنکھیں بند کرتے ہی صبح کے مناظر جھلمل ہونے لگے۔ ان جھلملاتے مناظر میں اس نے دیکھا وہ نوفل سے بات کر رہی ہے اور اسے یہ کہہ رہی ہے۔

"نئی جاب مبارک ہو تمہیں۔ امید کرتی ہوں تم دل سے کام کرو گے۔"

اس وقت جب نوفل کتابوں میں سر دیے پوری طرح غرق تھا معروش اس کے پاس آئی اور اس راؤنڈ شیپ کاؤنٹر کے پاس کھڑی ہو کر اسے کہنے لگی۔ وہ اس وقت قمیض شلوار میں تھی۔

"بالکل، میں آپ لوگوں کو شکایت کا موقع نہیں دونگا مجھے اس نوکری پر رکھنے کا شکریہ، میں کوشش کرونگا کہ آپ لوگوں کا ہر کام جانفشانی سے کرسکوں۔" وہ اس سے لمبا تھا۔ اس کا چہرہ اس وقت خوشی کے دیوں سے ٹمٹما رہا تھا۔ لفظوں میں یقین کو گھولے وہ اسے دل سے کہہ رہا تھا۔ معروش اس کے یقین پر مسکائی۔

"کیا ایسی بات ہے تو پھر میرا ایک کام کر کے یقین دلاؤ کہ تم اپنے لفظوں کے پکے ہو۔" وہ جال پھینک رہی تھی۔ اس کا جال صحیح پوائنٹ پر گرا اور اس میں بیچارہ نوفل پھنس گیا۔

"آزما کر دیکھ لیں۔ جان بھی مانگ لیں گی تو انکار نہیں کرونگا۔" آخری جملہ اس نے دل میں بولا۔ کیا مجال تھی جو وہ اس کے منہ پر بول دیتا۔

"صحیح ہے تو پھر سنو میری بات۔"

پندرہ منٹ بعد اسے سب سمجھا کر وہ سینے پر بازو باندھے متبسم نگاہوں سے نوفل خان کو دیکھ رہی تھی جس کا چہرہ سب سن کر بجھ سا گیا تھا۔ تھوڑا سا ڈر بھی جدھر پر مارتا ہوا نظر آیا۔

"پہلے ہی ایک دوست کے چکر میں پھنس کر میں اپنے ڈاکومنٹس کھو چکا ہوں تبھی نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھر کر یہاں ایک شاپ کیپر کی حیثیت سے لگا ہوں لیکن اللہ کا شکر ہے میں اس جاب سے راضی ہوں۔ اب میرے پاس کھونے کو کچھ نہیں ماسوائے خود کے۔ مجھے اپنی زندگی عزیز ہے اس لیے آپ یقین دلائیں کہ مجھے ایک آنچ بھی نہیں آئے گی۔"

وہ سنجیدہ تھا۔ مسکراتے ہوئے چہرے والا انسان جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سنجیدہ سا کھڑا اس سے اعتماد طلب کر رہا تھا جو کہ معروش نے اسے دے بھی دیا۔

"تمہیں کچھ نہیں ہوگا میرا یقین کرو، میں تمہیں کچھ بھی نہیں ہونے دوں گی۔ یہ لو سیل فون اس سے ویڈیو بناؤ بنا کر لیک کرو اور پھر اس سیل فون کو ضائع کر دو۔ پکڑو اور مجھ پر بھروسہ رکھو۔" معروش کا اعتماد ہی اس کیلئے سب کچھ تھا۔ اس کے ہاتھ سے سیل فون لے کر اس نے جیب میں رکھا اور پر سوچ نگاہوں سے اس جائنٹ کرسی پر آ کر بیٹھ گیا جس پر بیٹھنے کا معروش نے اسے حکم دیا تھا۔ اس کی سوچ میں حفیظ کی آواز نے مخل پیدا کیا۔

"آفیسر، گڑیا کی ڈیڈ باڈی اس کے گھر پہنچا دی گئی ہے۔"

آنکھیں کھول کر معروش نے اسے دیکھا اور پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆......☆......☆

"تم نے اپنا سکیچ کمپلیٹ نہیں کروایا۔"

وہ اور ثوبیہ اس وقت ایک ریسٹورنٹ کی بالائی منزل پر آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ ان کے بالکل پیچھے دیوار پر پیانو بجاتے ایک لڑکی کی پینٹنگ نصب تھی۔ سامنے کاؤنٹر تھا جس پر آرڈر نوٹ کرتا لڑکا ٹوپی سر پر پہنے کھڑا ہوا تھا۔ دائیں بائیں اکا دکا لوگ بیٹھے تھے۔ یہ دن کا وقت تھا اور وہ دونوں اس وقت اپنے اپنے بیگ گول لکڑی کے رنگ کی میز کے نیچے رکھے بیٹھی تھیں۔ یمن کی کتاب اس کے سامنے کھلی ہوئی تھی۔ ابھی ابھی آرڈر دیکر آتی ثوبیہ کی آواز پر وہ چونکی اور سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کس بارے میں بات کر رہی ہو۔" وہ واقعی بھول گئی تھی تبھی ماتھے پر بل ڈال کر پر سوچ انداز میں اس سے پوچھا۔ کل ان کا ٹیسٹ تھا جو ہر حال میں اچھا دینا تھا۔ تبھی وہ سمجھتے ہوئے سامنے کھلی کتاب کو اپنے دماغ میں

بنا رہی تھی۔ثوبیہ نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"زیادہ چوزی مت بنو، یاد رکھو تم اسکیچ آدھا بنواؤ یا پورا پیسے میں نے ایک روپیہ کم نہیں لینے۔کس بارے میں بات کر رہی ہو۔" اس نے آخری جملہ یمن کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا تھا۔ویٹر نے آ کر ان کے سامنے گرما گرم چیز پیزا رکھا۔اس لڑکی کی ایکٹنگ پر اس کے لب ہلکے سے مسکراہٹ میں ڈھلے تھے مگر اس سے پہلے کسی کی نظر پڑتی وہ لبوں کو سنجیدہ کر گیا۔یوں بھی ایسے نمونے انہیں آئے دن دیکھنے کو ملتے تھے۔

"افوہ۔کتنی بے مروت ہو تم۔لے لینا پیسے مجھ سے پورے، یاد آ گیا ہے مجھے بدتمیز۔" کتاب کو بند کرتی پیزے کا سلائس اٹھا کر وہ دانتوں سے توڑتے ہوئے بولی۔

"بڑی تیز ہو، پیسے کے نام سے کیسے یاد آ گیا تمہیں۔" اس پر خفیف سا طنز کرتے ہوئے وہ اس گرما گرم پیزے کا مزہ لیتے ہوئے بولی پھر جیسے اسے کچھ یاد آیا تھا۔

"اچھا سنو، یہ تم کس کا اسکیچ بنوا رہی ہو کیا کوئی ایکٹر ہے؟" یمن کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی کیا وہ اپنی پیاری سی بہن سے جھوٹ بول دے؟ ہاں یہ ہی بہتر ہے فی الحال ٹال دینا چاہیے۔

"آں۔۔نہیں بس ایسے ہی میرے دماغ نے کسی کا اسکیچ خود بخود بنایا تو میں نے سوچا کیوں نہ اپنی تخلیق کو صفحہ قرطاس پر اتروایا جائے۔" ثوبیہ کی آنکھیں پوری کھلیں۔

"ہمم۔تو موصوفہ اب کسی انجانے مرد کو خود کی تخیل میں تازہ کریں گی یار ڈونٹ سے کہ اب تم بھی دیسی لڑکیوں کی طرح مردوں کے سہانے خواب دیکھنے لگی ہو۔ان کی شبیہہ بنا کر ان کے ساتھ ہیپی لائف گزارنے کے خوابی سفر پر نکلنے کی چاہ کرنے لگی ہو۔آئی مین یخ۔"

یمن اس کے یخ پر منہ بنا کر رہ گئی۔خفا کن نگاہوں سے اس کنفرمڈ بدتمیز کو دیکھا اور کہنے لگی۔

"بہت افسوس کی بات ہے، تم مجھے ایسا سمجھتی ہو۔میں نے تو بس۔" اور اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔ وجہ وہ منٹ مارگریٹا تھی جو ویٹر کے ہاتھوں سے چھوٹ کر غلطی سے اس پر گر گئی۔یمن نے اپنے نئی نکور ہلکی لیمن کلر کی قمیض کو دیکھا اور پھر اپنے سر پر کھڑے ویٹر کو جس کا چہرہ یمن سے زیادہ رو دینے والا تھا۔

"سوری میم، غلطی سے گر گئی آئی ریئلی سوری، آپ پلیز واش روم میں جا کر صاف کر لیں۔"

گھبراہٹ اور ڈر سے اس کی آواز بھی پوری نہیں نکل رہی تھی۔ یمن جو تھوڑا سا تو اسے ڈانٹنا چاہتی تھی اپنے ارادے کو وہیں مٹا دیا۔ وہ نوعمر لڑکا احتیاط سے ڈرتے ڈرتے ثوبیہ کے آگے منٹ مار گر پتا رکھ رہا تھا۔

"کوئی نہیں برو، ہو جاتا ہے آپ جائیں بہت کپڑے ہیں اس محترمہ کے پاس۔" ثوبیہ اس کی حالت سے حظ اٹھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس ویٹر کے جاتے ہی وہ اس پر پھٹ پڑی۔

"ہاں تم نے لے کر دیے ہیں ناں مجھے، ہر وقت میرے کپڑوں پر نظر رکھتی ہو چڑیل۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر واش روم کی سمت تیزی سے بھاگی تھی مبادا داغ پکا نہ ہو جائے۔ اس نے اندر آتے ہی اپنی شرٹ کا فرنٹ پلو اٹھا کر بیسن کی ٹونٹی کے آگے کیا۔ گیلا کرنے کے بعد وہ اسے وہاں موجود ہینڈ واش سے رگڑنے لگی تھی۔ دو منٹ بعد ہی وہ داغ غائب ہو گیا۔ یمن نے سائیڈ کی دیوار پر رکھے ڈرائیر سے اپنی قمیض سکھائی۔ اس کا رخ دیوار کی طرف تھا جب اس نے دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز سنی تھی۔ لیڈیز واش روم تھا کوئی بھی آنٹی ہو سکتی ہیں سوچ کر اس نے اچھے سے اپنی قمیض کو سکھایا پھر ڈرائیر کو بند کر کے واپس اس جگہ پر رکھتے ہوئے وہ جیسے ہی مڑی بری طرح سٹپٹا گئی۔ خلیفہ تبریز ماتھے پر گلاسز ٹکائے، گردن کو ایک جانب ڈھلکائے جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کے عین پیچھے کھڑا تھا۔ اس سے پہلے کہ یمن کی چیخ نکلتی وہ اپنا چوڑا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ گیا۔

"شش۔ کالم ڈاؤن، ڈرومت یہ میں ہوں خلیفہ۔" اس کے منہ سے اس نے ہولے سے ہاتھ ہٹایا تھا۔ یمن اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے گھبراتے ہوئے سچویشن سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کیسی ہو؟" انداز ایسا تھا جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ پہلے سے کانوں کے پیچھے اڑسے بالوں کو اس نے خوامخواہ پھر سے کانوں کے پیچھے کیا تھا۔ خلیفہ کی پرسنالٹی ایسی جاندار تھی کہ بڑے سے بڑا سورما اس کے آگے مغلوب ہو جاتا تھا۔ وہ تو پھر ایک عام سی لڑکی تھی کیونکر نہ ہوتی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" دھڑکنوں کے بڑھتے ارتعاش کا گلا پوری طرح گھونٹ کر اس نے سر اٹھایا اور پوری ہمت لگا کر اگلی بات کہی۔

"راستہ چھوڑ دیں مجھے جانا ہے۔" خلیفہ کی سنہری آنکھوں میں ایسی جادوئی طاقت تھی کہ وہ پھر نظر نہ جھکا پائی۔ گردن پوری اٹھائے وہ اس کی مقناطیسی آنکھوں میں دیکھے گئی جو اسے مکمل طور پر جکڑ چکی تھیں۔

"کیا تم شیور ہو مجھے نہیں لگتا تم جا پاؤ گی۔" لہجے کا اعتماد ان گھاگ نگاہوں کی دین تھا جو اگلے بندے کے دل تک اتر جاتی ہیں۔ اپنا عکس اس نے یمن کی آنکھوں میں دیکھ لیا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ اس نے اس معصوم سی لڑکی کے دل پر قبضہ کرلیا ہے۔ کوئی انوکھی بات نہیں تھی یہ، وہ جہاں بھی جاتا تھا یونہی صنف نازک کے دلوں پر راج کرلیتا تھا لیکن اس لڑکی میں کچھ الگ بات تھی جو وہ خود اس کے پاس چل کر آرہا تھا۔ یمن کے خوبصورت پھیکے، کنفیوزڈ چہرے پر نگاہیں بھٹکا کر وہ جواب کا منتظر تھا اور اسے جواب مل بھی گیا۔

"آپ کا اندازہ غلط ہے، ہٹیں میری بہن میرا انتظار کررہی ہے۔" خفا سا انداز تھا۔ وہ اس انداز پر بھنویں اچکا تا رہ گیا۔

"ویل تمہاری بہن اس وقت ہاسپٹل کے راستے دوڑی ہے، پریشان مت ہو اسے میں نے میسج کروایا کہ اس کی بیسٹ فرینڈ کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے یہ خبر بھی جھوٹی ہے بیس سے پچیس منٹ تک اس نے واپس نہیں آنا" جس قدر تحمل سے وہ کہہ رہا تھا اتنی ہی یمن کی آنکھیں پھیل رہی تھیں۔ اس نے حیرانی سے نگاہوں کو بھٹکا کر خلیفہ کے سامنے کھلے دو بٹنوں میں سے نظر آتے دونوں پینڈنٹ کو دیکھا اور واپس چہرہ اٹھا کر حیرت و بے یقینی سے بولی۔

"مگر کیوں آپ نے ایسا کیوں کیا؟" ثوبیہ کا پریشان حال چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے گھوما تو وہ خلیفہ کی سائیڈ سے نکل کر اپنے بیگ کی جانب مڑنے لگی مگر اس سے پہلے کہ وہ بیگ کو تھامتی خلیفہ نے اس کی کلائی کو اپنے چوڑے ہاتھ میں جکڑ لیا۔

"کیونکہ مجھے ایسا کرنا تھا، فون کرنا بیکار ہے اس وقت تمہارے موبائل کے سگنل اڑ چکے ہیں اور تمہارے بھی۔" وہ کرنٹ کھا کر مڑی تھی۔ اب خلیفہ اسے ڈرانے لگا تھا۔

"کون ہو آپ؟" اسی ڈر بھرے لہجے میں پوچھا۔ جادوئی پرسنالٹی کے حامل شخص نے کاندھے اچکا دیے۔

"اس سے فرق نہیں پڑتا کہ میں کون ہوں؟ کیا کرتا ہوں؟ کہاں رہتا ہوں؟ کیا تمہیں پڑتا ہے فرق؟" اس کی کلائی تھامے وہ اور اس کے قریب آیا۔ وہ یمن پر جادو کررہا تھا اور وہ اس کے جادو میں قید ہوئی جارہی تھی۔ نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر آؤ میرے ساتھ۔"

وہ اس کا ہاتھ تھامے انتہائی کانفیڈنٹ انداز میں واش روم سے نکلا۔ ریسٹورنٹ میں بیٹھی آدھی عوام خلیفہ تبریز کو جانتی تھی لیکن واش روم سے باہر آتے ہی اس نے سفید ماسک کو اپنے منہ پر جگہ دی تھی۔ اس کا ہاتھ تھامتا سب کی پرواہ کیے بغیر اس نے یمن کا بیگ میز پر سے اٹھایا جو ثوبیہ وہیں رکھ گئی تھی اور ایک ویٹر کو اس کی نگرانی کرنے کا کہہ گئی تھی۔ یمن نے اس میز پر ٹشو پر لکھے ثوبیہ کے الفاظ جاتے جاتے پڑھے تھے۔

"یمن! تم گھر چلی جاؤ مجھے ارجنٹ جانا ہے آ کر بتاؤں گی۔" آخری الفاظ اس نے گردن موڑ کے پڑھے تھے کیونکہ خلیفہ بیگ اٹھاتے ہی آگے چل پڑا تھا۔ وہ اس کے ساتھ اس کی گاڑی میں آ کر بیٹھی۔ بیلٹ لگانے کے بعد خلیفہ نے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہی میں آپ کے ساتھ کر کیا رہی ہوں۔ کیوں آپ کے ساتھ جا رہی ہوں؟ آپ مجھے کہاں لے کر جا رہے ہیں خلیفہ!" پارکنگ لاٹ سے گاڑی کو نکالتے ہوئے خلیفہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ اس کے بال بالکل سیدھے کمر پر گرے تھے۔ درمیان کی مانگ تھی اور بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑسایا ہوا تھا۔ خوبصورت آویزے جھولتے ہوئے بہت بھلے لگ رہے تھے۔ ان سب سے بڑھ کر اس کا معصوم ڈر سے بھرا ہوا چہرہ تھا جو کچھ زیادہ ہی قاتلانہ تھا۔ وہ ہولے سے مسکایا۔

"بہت جلد تم جان جاؤ گی۔"

اور وہ واقعی جان گئی تھی۔ خلیفہ نے گاڑی مینار پاکستان کے باہر بنی سڑک کے فٹ پاتھ پر روک کر اسے گاڑی سے نیچے اتارا۔

"میں اس پار جا رہا ہوں۔ میرے پاس سڑک کراس کر کے آؤ اور وہ کہو جو تمہیں اس دن کہنا تھا۔ یاد رہے وہی کچھ کہنا ہے جو اس دن تم مجھے کہنا چاہتی تھی۔" اسے کڑی ہدایت کرتا وہ گاڑی کو سپیڈ سے وہاں سے دوڑا گیا۔ تھوڑی دیر بعد یمن نے اس کی گاڑی کو اسی مقام پر آ کر رکتے دیکھا جہاں اس دن کھڑی تھی۔ خلیفہ اپنی سیٹ سے نیچے اترا اور گھومتے ہوئے گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ یمن کا منتظر تھا۔ یمن اسے دیکھتی گئی۔

اس نے براؤن کاٹن جینز کے ساتھ بھوری شرٹ ہی پہنی ہوئی تھی۔ سیاہ چمکیلی جیکٹ تھی اور سیاہ ہی بوٹ۔ آج بھی بالوں کا پیچھے جوڑا بنا ہوا تھا۔ وہ اکتاتے ہوئے وقت دیکھنے لگا۔ یمن کو وہاں کھڑے پانچ منٹ ہو گئے

تھے۔ٹھیک پانچ منٹ بعد یمن کے پاؤں میں حرکت ہوئی اور وہ دائیں جانب دیکھتی ہوئی سڑک کراس کر کے ہوا کے دوش پر اپنے دوپٹے کو سنبھالتی اس کے سامنے کھڑی تھی۔خلیفہ کے لبوں پر دیکھی جانے والی مسکان تھی۔

"ہائے۔" اس نے بہت دھیمی آواز میں کہا تھا۔وہ غائب دماغی سے کہہ رہی تھی جیسے کچھ سوچ رہی ہو۔

خلیفہ اپنی جگہ سے سیدھا ہوا۔

"میں یمن ہوں جسے آپ نے لفٹ دی تھی کیا آپ کو یاد ہے؟" کہہ دینے کے بعد وہ آس پاس دیکھنے لگی تھی۔خلیفہ کا چہرہ سوالیہ نشان خود پر سجا گیا۔

"بہت نکمی ہو تم، مجھے تو لگا تھا اس طرح بادل نخواستہ میرے پاس آکر تم نے کچھ بہت خاص کہنا ہے۔کیا واقعی تم یہی کہنا چاہتی تھی؟"

یمن کے چہرے پر شرمندگی کے رنگ دوڑے جو خلیفہ نے باآسانی دیکھ لیے۔اس کا چہرہ کھلی کتاب تھا۔ ایکسپریشنز سے بھرا ہوا۔جو دل میں ہوتا تھا وہی چہرے پر آجاتا تھا تبھی تو اس کے دل کا حال ہر کوئی جان لیتا تھا۔

"آپ میرا مذاق مت اڑائیں، میں تو بس آپ کو تھینک یو کہنا چاہتی تھی۔" پھر سے بالوں کو کانوں کے پیچھے کیا۔خلیفہ اس کی حالت سے حظ اٹھاتے ہوئے بولا۔

"ایسے تھینک یو بولا جاتا ہے۔" سنجیدگی سے اسے کہا۔مشرق سے ہوائیں اٹھ کر یمن کے بالوں کو بکھیر رہی تھیں۔اس کے بال پیچھے کو اڑ رہے تھے اور ایک گال پر بار بار آکر اسے تنگ کر رہے تھے۔

"پھر کیسے بولا جاتا ہے؟" اس نے اپنی بڑی آنکھوں کو کھول کر سپاٹ لہجے میں پوچھا۔وہ اس سے خفا تھی اس دن کی انسلٹ جو اس جگہ پہنچ کر یاد آگئی تھی۔

"تھینک یو بولنے کیلئے ایک ساتھ کھانا کھایا جاتا ہے، پرسوں ہم دونوں مل رہے ہیں شارپ دس بجے۔" گاڑی کا دروازہ کھول کر وہ اسے اندر بیٹھنے کا کہہ رہا تھا۔یمن اپنی قمیض سنبھالتی گاڑی میں بیٹھ گئی۔خلیفہ بھی گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آکر بیٹھا۔

"یہ ممکن نہیں ہے، میں کیسے آپاؤں گی۔" وہ اس فرمائش پر حیران رہ گئی تھی۔خلیفہ نے ایک نگاہ اسے دیکھا اور گاڑی کو بھگا گیا۔

"یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ تمہیں آنا ہے مطلب آنا ہے اور ہاں اس دن۔۔ کیلئے معذرت۔" وہ گاڑی کو تیز سپیڈ میں چلا رہا تھا۔ وہیں دوسری سڑک پر اس سے ملتی جلتی گاڑی نارمل اسپیڈ میں چل رہی تھی اور اس میں بیٹھا ظاہر غیظ وغضب کی تصویر بنا اپنے ساتھی پر پھنکار رہا تھا۔

"اس دو ٹکے کے ایم این اے کی اتنی جرأت کہ وہ میری بیٹیوں کو اٹھوائے اس کا میں نے تختہ نہ پلٹوا دیا تو میرا نام بھی ظاہر نہیں۔" اس کے منہ سے کف نکل رہا تھا اور آنکھیں غصے سے ابلی ہوئی تھیں۔

"دو چار باہر سے ڈیل کر کے سمجھتا ہے وہ بہت بڑا ہاتھ مار چکا ہے، بہت اثر ورسوخ والا ہو گیا ہے۔ اسے یہ نہیں پتا کہ وہ اب بھی سمندر خان کے ٹکڑوں پر پلنے والا کتا ہے۔ اسی کی بدولت اسمبلی میں سیٹ حاصل کر کے آج وہ اس مقام کو پہنچا اور اب ہم پر ہی بھونک رہا ہے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ دیکھنا تم۔"

خطرناک عزائم لیے وہ اپنے شیطانی دماغ میں منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ بھلے اس خواجہ کے بھانجے کی میڈیا میں بڑی چمڑی ادھڑی۔ دونوں کا نام خراب ہوا، مگر پھر بھی ظاہر کو اس بات کی آگ لگ رہی تھی کہ کیسے اس موٹے سانڈ نے اس کی اولاد پر اپنی گندی نگاہ ڈالی۔ اب چاہے اینٹ سے اینٹ بج جائے وہ کبھی بھی اس کے بدمعاش بھانجے کو ضمنی الیکشن جیتنے نہیں دیگا۔ وہ اسے ناکوں چنے نہ چبوا دے تو اس کا نام بھی ظاہر نہیں۔ اس کی گاڑی ایک سفید بنگلے میں آ کر رکی۔ وہ گولی کی اسپیڈ سے گاڑی سے نیچے اترا اور تقریباً بھاگتے ہوئے اندر کی جانب آیا۔

"آؤ ظاہر آؤ، کب سے تمہارا ہی انتظار تھا۔ امید ہے تمہارے مزاج اچھے ہونگے۔" خواجہ ریاض بڑے سارے صوفے میں دھنسا سگار کے کش لگا رہا تھا۔ اس کے لہجے میں مقابل کیلئے استہزاء تھی اور کڑواہٹ بھی۔

ظاہر اس طنز پر بلبلا گیا۔

"اپنی بکواس بند کر خواجہ اور میری بیٹیوں کو جلدی بلا۔ نہیں تو، تُو مجھے جانتا ہے۔" وہ اپنی جگہ سے ایک انچ اچھلتے ہوئے جذبات کی شدت سے چیخ رہا تھا۔ خواجہ کے بندوں نے اس پر بندوق تاننی چاہی مگر اس نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"بھول مت ظاہر، اس وقت تو میرے گھر میں بیٹھا ہے اور کسی کو اس کی خبر نہیں۔ چاہوں تو تجھے قتل کر کے

تیری لاش کو ٹھکانے لگا دوں لیکن میں ایسا نہیں کرونگا کیونکہ اس خون میں گھر آئے مہمان کی عزت گھلی ہے جو مجھے کسی بھی قسم کے غلط رویے سے بری طرح روک رہی ہے۔" کہتے ساتھ ہی اس نے اپنے ایک بندے کو اشارہ کیا اور وہ وہاں سے چلا گیا۔

"کیا چاہتے ہو تم؟" عقل سے کام لیتے ہوئے بوڑھا ظاہر شانت ہوا اور قدرے نارمل لہجے میں پوچھا۔

"اب کی نا مطلب کی بات۔" خواجہ ریاض نے آگے جھک کر سگار کی راکھ کو ایش ٹرے میں جھاڑا اور پھر سیدھے ہوتے ہوئے کہا۔

"میں چاہتا ہوں تم میرے بھانجے کے علاقے سے پولیس کی نفری کو ہٹوا دو اور اس کے الیکشن میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالو۔ چاہوں تو یہ میں بھی کر سکتا ہوں لیکن اس میں کچھ مصلحت ہے جس کی خاطر میں رکا ہوا ہوں۔ ایک بات یاد رکھنا ظاہر، شرفاء کے خول کے پیچھے ہم دونوں کالا کام کرتے ہیں اور ہم دونوں کی پہنچ بہت اونچی ہے۔ ایک دوسرے کی دشمنی میں خود کو ہی تباہ کریں گے باقی کسی کا کچھ نہیں جائے گا۔" وہ کسی ناصح کی طرح اسے سمجھا رہا تھا۔ ظاہر کو دال میں کالا لگا۔ اسے خواجہ ریاض کا کردار اس وقت شکوک میں ڈال رہا تھا۔

"اس سب سے تمہارا کیا مطلب ہے؟" وہ بار بار ہر آنے والے بندے پر نگاہ ڈالتا کہ ہوسکتا ہے اس کے ساتھ اس کی بیٹیاں ہوں مگر اس کی نظریں نامراد ہی ٹھہرتیں۔

"مطلب سادہ ہے اگر تم نے پھر میرے کام میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کی تو یاد رکھنا، اگلی بار تمہاری بیٹیاں تابوت میں تمہیں ملیں گی۔" بہت آرام سے اس نے کہہ دیا تھا۔ ظاہر خون کے گھونٹ بھر کر رہ گیا۔ اس وقت موقع محل ایسا نہیں تھا کہ وہ کوئی قدم اٹھاتا۔ یوں بھی وہ خواجہ کے اصرار پر نہتا آیا تھا ورنہ اس وقت خون کی ندیاں بہہ اٹھتیں۔ پانچ منٹ بعد اس کی بیٹیاں اس کے سامنے صحیح سلامت تھیں۔ وہ اسی طرح لب بستہ اپنی بیٹیوں کو خود سے لگائے اس کے گھر سے نکل گیا۔ ان عزائم کے ساتھ کہ وہ خواجہ کو تباہ و برباد کر دیگا۔

☆......☆......☆

"تم سب تو اپنی اپنی کوتاہیوں سے یہاں آئے ہو، میں نے تو کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ چار وقت کی نماز پڑھتی تھی، روزے رکھتی تھی۔ قرآن بھی پڑھ لیتی تھی۔ میں نے تو کوئی نامحرم رشتہ نہیں بنایا۔ ایک ہی شخص پر قناعت کر

کے بیٹھی تھی، وہ شخص جسے میرے لیے بنایا گیا جس کیلئے میں بنی تھی۔ میں نے تو کسی سے دل لگی بھی نہیں کی۔ ماں باپ کو رسوائی تھما کر گھر سے نہیں بھاگی تو پھر کیوں مجھے اس برزخ میں لا پٹخا۔"

وہ سدرہ تھی جسے صبح ہی مری مال روڈ سے اٹھایا گیا تھا۔ وہ وہاں اپنی فیملی کے ساتھ دسمبر کی چھٹیاں منانے گئی تھی۔ اس سے غلطی یہ ہوئی کہ وہ ذرا دیر کو ان کی نظروں سے اوجھل ہوئی۔ جیسے ہی وہ ہاٹ چاکلیٹ لے کر مڑی، ہوش و خرد سے بیگانہ کر دی گئی پھر اس نے اپنی آنکھ یہیں کھولی تھیں۔ نئی زندگی میں ویلکم اسے بہت سارے خستہ حال، لٹے پٹے چہروں نے کیا تھا۔ وہ ان کے سامنے رو دی۔ روتے ہوئے ہی کہہ رہی تھی۔

" کیا تمہیں یقین ہے تم نے کوئی گناہ نہیں کیا؟" رخسانہ نے کھوئے کھوئے انداز میں اس سے پوچھا۔ ان تک گڑیا کی موت کی خبر پہنچ چکی تھی تبھی وہ لڑکیاں جو اس ننھی لڑکی کے قریب تھیں اس کی موت کے غم میں مبتلا مجسم سوگ تھیں۔ یہ لڑکی بھی گڑیا کی عمر کی ہی دکھتی تھی۔ بامشکل اٹھارہ انیس سال کی لیکن وہ تھی نہیں، وہ عمر چور تھی اور لگ بھگ پچیس سالوں کی تھی۔

"میں کوئی گناہ نہیں کرتی تھی۔ میں متقی و پرہیز گار نہیں تھی لیکن میں گناہ گار بھی نہیں تھی۔"

رخسانہ کے سوال کا جواب اس نے چیخ کر دیا تھا۔ وہ رو رہی تھی کیونکہ یہ جگہ اس کیلئے نہیں بنی تھی۔ رخسانہ نے اپنے دماغ کو ٹھکانے لگاتے ہوئے بے اعتنائی کی حد کر کے کہا۔

" حیرت ہے۔ کیا تم واقعی انسانوں کے قبیلے سے تعلق رکھتی ہو یا پھر تمہارا آسمانی قوتوں سے کوئی لنک ہے۔ تم نے کہا تم کوئی گناہ نہیں کرتی تھی۔ والدین کی خدمت گزار، پالنے والی کی شکر گزار اور جیون ساتھی کی وفا شعار تھی۔ تم نے کبھی کوئی بڑا گناہ نہیں کیا۔ صد شکر تم نے یہ تو اعتراف کیا کہ چھوٹے گناہ بھی تم سے ہو جایا کرتے تھے نہیں تو آج واقعی تم پر فرشتے کا ٹیگ لگ جاتا۔"

" لیکن رک جاؤ میری بات سنو! ہم یہاں ہماری کوتاہیوں سے نہیں آئیں۔ ہمارے گناہ ہمیں یہاں کھینچ کر لائے ہیں نہیں شاید وہ بڑے گناہ نہیں تھے کہ شاید اس کی سزا تو روز محشر سجنے والی عدالت میں ملے۔ ہمیں یہاں لانے والے ہمارے وہ چھوٹے گناہ تھے جن کی تاثیر بہت کڑوی تھی جو دکھنے میں بہت معمولی لگتے تھے لیکن ان کا انجام یہ ہے۔ چھوٹی چیز ہی انقلاب برپا کرتی ہے پیاری لڑکی، چھوٹے گناہ بڑی سزا دلوا جاتے ہیں اکثر۔"

وہ کسی ناصح کی طرح کہہ رہی تھی۔اس کی آواز میں ایک لوچ تھی جو کسی کو بھی اپنی طرف کھینچنے کی طاقت رکھتی تھی۔سدرہ بھی اس کے لفظوں کی تاثیر سے چونک گئی۔آنکھوں کو مسلتے ہوئے رک کر اس سے پوچھا۔

"کہنا کیا چاہتی ہو؟" اپنی آواز کی لرزش کو روکتے ہوئے وہ گھٹنوں پر بازو باندھے اس کے عین سامنے بیٹھی تھی۔ویسے ہی بیٹھے بیٹھے پوچھا۔

"وہی سب جو تمہارا دل سن چکا ہے جو سب کا دل سن چکا ہے۔" سدرہ کے آنسو پھر سے جاری ہو چکے تھے

"دل کا صاف ہونا سب سے بڑی کامیابی ہے۔ہمارا دل صاف ہوگا تبھی تو ہم سے چھوٹے گناہ نہیں ہونگے جیسے بغض، کینہ، حسد و جلن، مایوسی یہ سب بیماریاں دل کی ہی تو دین ہیں۔یہ دل ہی سب گناہوں کی جڑ ہے ایک بار یہ صاف ہو جائے تو سب گناہ خود بخود مر مٹتے ہیں۔" دور کسی نے رخسانہ کی بات سے انکار کیا تھا وہ وہیں سے نشیلی آواز میں بولی۔

"میں تم سے متفق نہیں ہوں جی، دل گناہوں کی جڑ نہیں بلکہ یہ نفس ہے جو ہم سے گناہ کا ارتکاب کرواتا ہے دل تو پھر سن لیتا ہے نفس نہیں سنتا۔" وہ اٹھ کر ان کے پاس آئی۔سب لڑکیاں اب دلچسپی سے ان کی دل و نفس پر بحث سننے لگی تھیں حتیٰ کہ اندر آتی ساشا بھی دیوار سے ٹیک لگا کر سینے پر بازو باندھے انہیں سننے لگی۔

"یہاں آکر لڑکیاں فلاسفر بن جاتی ہیں۔" وہ اپنی سوچ پر ہنستی، سر جھٹکتے ہوئے ان کی باتیں سننے لگی۔

"ڈیفائین کرو اس بات کو، وضاحت کے ساتھ کہ دل نہیں بلکہ نفس گناہوں کی جڑ ہے۔" رخسانہ نے ایک پیگ چڑھاتے ہوئے کہا۔اس کے نین سرخ رنگ میں بھرنے لگے تھے۔نشے کا خمار اس کے دماغ کو ایک بار پھر سے مفلوج کرنے لگا۔

"سیدھی سی بات ہے جانی، اکثر کام کو کرنے سے ہمارا دل ہمیں بار بار روک رہا ہوتا ہے مگر وہ نفس ہوتا ہے جو بہکا کر کہتا ہے نہیں بشر وہی کرو جو تم نے کرنا ہے بلکہ اس کام میں ہی سب سے بڑا مزا ہے۔وہ زندگی ہی کیا جس میں تم اپنی مرضی نہ کرو۔اوہو۔اب کر بھی گزرو اور پھر ہم کر گزرتے ہیں تو یہ نفس ہے جو غلط کام کروا کر ہزار دلیلوں کے ساتھ اسے صحیح قرار دے دیتا ہے اور پھر ہم دل کے ہزار منع کرنے کے بعد بھی وہ کام کر گزرتے ہیں۔"

رخسانہ متبسم نگاہوں سے اس کو توجہ سے سن رہی تھی۔ سدرہ نے اپنے دل کو ٹٹولا اور پھر سے آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔ وہ جان گئی تھی گناہوں کی جڑ کون ہے دل یا پھر نفس۔ اسے رخسانہ کی آواز سنائی دی۔

"تم نے کہا کہ نفس ہمارے ہر برے کام کو دلیلیں دے کر حلال کر دیتا ہے پھر ہم دل کی نہیں سنتے اور اس حرام پر حلال کا ٹیگ چڑھا کر بڑے مزے سے اسے اپنے ماتھے پر لگا دیتے ہیں۔" وہ کچھ دیر کو رکی، اپنا حلق تر کیا اور پھر سے بولنے لگی۔

"تو سنو میری بات، اگر نفس پاک نہیں تو یہ حرام ہے نہیں تو اس سے پاک و حلال چیز اس دنیا میں پیدا نہیں ہوئی۔ بڑے بڑے علمائے کرام، صحابہ اس کی گردن پر پاؤں رکھ کر معتبر ہوئے ہیں لیکن جہاں صحابہ کرام نے اس نفس کو مات دی وہیں اس دل نے فرشتوں سے غلط کام کروایا۔ کیا وہ دو فرشتے جو ایک عورت کے عشق میں مبتلا ہو گئے تھے انہیں نفس نے پھنسایا؟ نہیں وہ دل تھا جو ان سے یہ غلط کام کروا گیا۔ ہمارے اندر موجود ہمارا نفس یعنی ہمارا ضمیر ہمیں بار بار کچوکے لگاتا ہے کہ نہیں بشر، یہ کام غلط ہے اسے مت کرو مگر دل اسے کر گزرتا ہے۔ دل انسان کو بہکاتا ہے۔ دل ہی غلط راہ دکھاتا ہے۔"

وہ جیسے اپنی بات کہہ کر اس پر حتمی مہر لگا کر چپ ہوئی تھی۔ ان کی بحث لمبی تھی وہ مزید لمبی جاتی لیکن اگر ساشا کی آواز اس ہال میں نہ ابھرتی تو۔

"بس ختم کرو اس ٹاپک کو اور تم۔" اس نے سدرہ کی جانب اشارہ کیا۔ "چلو آؤ میرے ساتھ۔ جلدی کرو۔" وہ اس کے اٹھنے کا انتظار کرنے لگی۔ سدرہ نہیں جانا چاہتی تھی مگر رخسانہ کے کہنے پر اسے اٹھنا پڑا۔

" کہاں لے کر جاؤ گی۔" اس کا سانس اب بھی حلق میں اٹکا ہوا تھا۔ اپنے دوپٹے کو اچھے سے شانوں پر پھیلائے وہ اس کے پیچھے ہولی۔ ساشا نے اس کے سوال پر بڑی پراسرار مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی تھی۔

"تمہارا میک اپ کرنا ہے ڈارلنگ، سلون لے کر جا رہی ہوں۔" اس کا مذاق بناتے ہوئے وہ اسے ایک روم میں لے آئی۔ وہاں ایک بیڈ تھا جس پر سرخ شنیل کی چادر بچھی ہوئی تھی۔ دو تکیے تھے نیچے بیڈ کی حدود تک کارپٹ بچھی ہوئی تھی۔ پیچھے دیوار پر گرین کپڑا تھا اور بیڈ کے سامنے دو آدمی بیٹھے تھے۔ ایک کیمرہ اسٹینڈ پر لگا ہوا تھا اور دوسرا ایک کے ہاتھ میں تھا۔ وہ دونوں کانچ کے چھوٹے چھوٹے گلاسوں میں کوئی شربتی رنگ کی چیز پی

رہے تھے۔ان کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر آدمی بیٹھی تھا جس کے کپڑے بڑے عجیب وغریب تھے۔وہ انہیں دیکھ کر ڈر گئی۔وہ جان گئی تھی یہاں اس کے ساتھ کیا ہونا ہے تبھی وہ ساشا کے ہاتھوں میں پھڑ پھڑانے لگی۔

"چھوڑو مجھے۔میں یہ گناہ ہرگز نہیں کرونگی۔اللہ کے واسطے مجھے چھوڑ دو۔" وہ ان کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔اس ادھیڑ عمر آدمی نے اسے بازو سے کھینچا اور بیڈ پر پٹخ دیا۔

"دیکھو شیون، یہ سب حقیقی لگنا چاہیے۔سمجھ آئی۔" انہیں حکم دیتی وہ باہر آ گئی تھی۔چھ قدم چلنے کے بعد اس لڑکی کی چیخیں اس کی سماعت سے دور ہوئیں۔اپنی ہیل کی آواز پیدا کرتے ہوئے وہ سمندر خان کے روم میں آئی جو صوفے پر بیٹھا جانوروں والا چینل دیکھ رہا تھا۔

"نیویارک کا ایک بہت بڑا ڈیلر ہمارے ساتھ ڈیل کرنا چاہتا ہے۔اس کی نظر ہمارے جدید اسلحے پر ہے۔وہ دہشت گردی کیلئے بھاری تعداد میں ہم سے اسلحہ لینا چاہتا ہے۔اسے لگتا ہے مسلمان کچھ زیادہ ہی اس کے ملک میں ابھر رہے ہیں کیوں نا ان کا صفایا کروایا جائے۔" وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اسے پیگ بنا کر پیش کرنے لگی۔سمندر خان نے اس سے گلاس لیا اور ہونٹوں سے لگا لیا۔وہ اس کی بات سن کر خوش ہوئے تھے۔

"تو پھر انتظار کس بات کا ہے۔رمیز سے کہو تیاری پکڑے اور ہاں خلیفہ کو ضرور انفارم کر دینا۔وہ آج آیا نہیں؟" سرور سے کہتے ہوئے انہوں نے ساتھ ہی سوال بھی داغ دیا۔ساشا نے اپنی پوزیشن بدلی اور کھڑکی سے چھن کر آتی تیز دھوپ کی دھاریوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"نہیں خلیفہ نہیں آیا ہے،وہ برطانیہ سے آئی ڈیلی گیشن کے ساتھ میٹنگ میں مصروف ہے۔جارج کروک بڑے کام کا بندہ نکلا۔اس نے ہمارا سارا مال سرحد کے راستے بحفاظت انڈونیشیا سپلائی کروا دیا۔جلد ہی ہمارے بینک بھرنے والے ہیں۔" انہیں خلیفہ کے بارے میں بتانے کے بعد اس نے ایک نئی خوش خبری سنائی تھی جو وہ پہلے ہی رمیز کے منہ سے سن چکے تھے مگر پھر بھی ایک بار پھر سن کر انہیں وہی خوشی ہوئی جو پہلی بار سن کر ہوئی تھی۔وہ ہنسے۔ہنسنے سے ان کے نیچے کے جبڑے میں لگا سائیڈ کا سونے کا دانت بھی نظر آیا تھا۔یہ انہوں نے تب لگوایا تھا جب ایک دن حادثاتی طور پر ان کا دانت گر گیا تھا۔ساشا اس دانت کی چمک سے ہر بار مبہوت ہو جاتی تھی۔کوئی بھی ہو جاتا تھا کیونکہ وہ تھا ہی خالص سونے کا چمکیلا دانت جو دیکھنے والے کی بھنویں خود بخود اچکا دیتا تھا۔

"کامیابی ہمارا نصیب ہے ساشا، ہم جیت کو جیب میں لیے پھرتے ہیں پھر چاہے اس جیت کا تعلق ہیومن ٹریفکنگ کے حوالے سے ہو، ڈرگ سپلائی کے یا پھر منی لانڈرنگ کے، ہم ہر صورت جیت کو اپنے قدموں کی دھول پر رکھتے ہیں۔ کوئی ہے بھلا اس دنیا میں جو سمندر خان کو مات دے سکے۔"

ان کی ذات کا غرور ان کے لہجے سے جھلک رہا تھا۔ وہ اس وقت خود کو زمینی خدا تصور کیے اعلیٰ درجے تکبر میں جتلا تھے۔ یہ سوچے بنا کہ تکبر مسلمان کو کھا جاتا ہے بالکل ایسے جیسے دیمک لکڑی کو کھاتا ہے لیکن ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ صرف اس وقت کا انتظار کرنا ہوتا ہے جب ذات کے گھمنڈ کا نشہ اترتا ہے۔ وہ نشہ اترا نہیں مٹی میں ملیا میٹ ہوئی نہیں۔

☆......☆......☆

دشمن کا دشمن دوست۔ اس محاورے پر عمل کرتے ہوئے معروش مسکان زدہ لبوں کے ساتھ خواجہ ریاض کے سامنے بیٹھی تھی۔ اس نے سفید سلک کا ٹراؤزر قمیض پہنی ہوئی تھی۔ سر پر گولڈن سکارف لپٹا تھا۔ آنکھوں پر سبز لینز لگے تھے۔ ناخن سبز رنگ سے رنگ کر وہ لمبی ہیل پہنے ٹانگ پر ٹانگ جمائے سٹرا سے ہاٹ چاکلیٹ پی رہی تھی۔ وہ دونوں اس وقت لان میں بیٹھے تھے۔ سروں پر پھول کی پتیوں جیسی سفید چھتری کھلی تھی۔ گول میز پر معروش کا سیل فون اور سیاہ چشمہ رکھا ہوا تھا جسے اس نے آتے ہی اتار دیا تھا۔ خواجہ ریاض کے چند باڈی گارڈز فاصلے سے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں معروش کا لانگ سبز کوٹ تھا جسے احتراماً ان کی ملازمہ نے اتار کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا تھا جو کہ بعد میں گارڈ نے اس کے ہاتھ سے لے کر تھام لیا۔ ٹھنڈی میٹھی دوپہر میں پیچ رنگ سے رنگے ہونٹوں کو معروش نے گلا کھنکار کر ہلایا اور کہنے لگی۔

"میڈیا میں آپ کی اور آپ کے بھانجے کی جتنی ہتک ہوئی اس پر مجھے افسوس ہے۔ میں دعا کروں گی کہ اللہ آپ جیسے شریف لوگوں کے دشمنوں کو جلد نیست و نابود کرے۔ آپ کا دکھ واقعی بہت بڑا ہے خواجہ صاحب۔"

آواز کو بہت پیارا کرتے ہوئے اس نے خواجہ ریاض پر ترچھی پڑتی دھوپ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ انداز بہت ہی معصومانہ تھا۔ پرندوں کی چہچہاہٹ سے بھرے لان میں خواجہ ریاض کا بدصورت ہنکارہ ماحول کی خوبصورتی کو زائل کر گیا۔ مزید کمی ان کی آواز نے پوری کر دی جو کہ یہ تھی۔

"ضرور ہونگے، آپ دیکھیے گا آفیسر، وہ لوگ ضرور ختم ہونگے بس درست وقت کا انتظار ہے۔" پچھلا دن یکدم ان کی آنکھوں کے سامنے آکر انہیں جلانے لگا جس میں ایک خریدے گئے نیوز اینکر نے بڑھا چڑھا کر ان پر الزامات لگائے اور ان کی ذات کی دھجیاں بکھیریں۔ وہ اتنی سبکی بھلا کیسے برداشت کر سکتے تھے تبھی کل سے شعلہ جوالہ بنے پھر رہے تھے۔

"انشاءاللہ، آپ نے پتا لگانے کی کوشش کی کہ وہ ویڈیو کس نے بنائی اور اسے لیک کس نے کیا یعنی کون آپ کا کھلا دشمن ہے اور آپ کو سرعام نیلام کرنا چاہتا ہے۔" نزاکت سے اس نے پاؤں کا رخ چینج کیا اور بات ختم کرنے کے بعد سڑا سے ایک لمبا سپ بھرا۔

"اس تمام فساد کے پیچھے کس کی جڑ ہے یہ میں اچھے سے جانتا ہوں اور اس جڑ کو ختم کرنا بھی مجھے اچھے سے آتا ہے لیکن کوئی مصلحت ہے جس کی خاطر میں چپ ہوں۔ جس دن یہ چپ ختم ہوگی اس دن سیاست کی دنیا میں وبال اٹھ جائیگا۔"

وہ جذباتی ہو رہے تھے۔ جذبات میں اندر کا اگلنے لگے تھے۔ معروش جو بس ایسے ہی ایک عام سی ایف آئی اے آفیسر کے روپ میں ان سے ملنے آئی تھی اب آنکھیں سکیڑے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کے پاس زمین میں رکھے بیگ میں موجود لیپ اسٹیک کے اندر چھپا ریکارڈر اچھے سے ان کی آواز کو ریکارڈ کر رہا تھا۔ ان کے ایک ساتھی نے آکر ان کے کان میں کچھ کہا تو وہ تھوڑے پرسکون ہو گئے۔

"اوہ آئی سی، اچھی بات ہے دشمنوں کی خبر رکھنا دانشوروں کا کام ہوتا ہے تاکہ وہ اس سے زیادہ زک اٹھانے سے پہلے ہی اسے ختم کر دیں۔ بلاشبہ آپ ایک اچھے انسان ہیں اور اچھے انسانوں کی ہمارے معاشرے کو بہت ضرورت ہے۔"

خواجہ ریاض اس کی تعریف پر پھول گیا۔ اتنی خوبصورت اور سلیقے والی لڑکی کی تعریف پر کوئی بھی پھول سکتا تھا۔ خواجہ ریاض نے اب اسے غور سے دیکھا۔ وہ ایک دم سیدھی ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں ہاٹ چاکلیٹ کا ڈسپوزیبل مگ پکڑا ہوا تھا اور اس کے اندر سڑا سے وہ گھونٹ گھونٹ گرما گرم چاکلیٹ اپنے اندر اتار رہی تھی۔ خوبصورت چہرہ، گہری آنکھیں، پاور فل پرسنالٹی، پیاری آواز، وہ اس سے متاثر ہوئے۔

"نوازش ہے آپ کی ورنہ بندہ تو بڑا ہی معمولی سا ہے۔" انہوں نے لجاجت سے کہا۔ اتنے گھنٹے بعد اب جا کر ان کا موڈ کچھ بہتر ہوا تھا۔ معروش ہنس دی۔ اوہ شٹ، اس کی تو ہنسی بھی بہت پیاری ہے۔

"کاش آپ جیسے معمولی ہر گلی کوچے میں پائے جائیں۔ خیر اب چلتی ہوں امید ہے پھر ملاقات ہوگی۔" وہ اپنا بیگ اٹھاتی کھڑی ہوئی تو دور کھڑی ملازمہ دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی اور اسے کوٹ پہنانے لگی۔

"جی جی ضرور، ہم جلد ہی ملاقات کریں گے۔ آپ کے آنے کا بہت بہت شکریہ۔" وہ بھی اسی کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ کوٹ کے بازوؤں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے معروش دھیمے سے مسکائی۔ خواجہ ریاض کے زوال کا وقت شروع ہو چکا تھا اور وہ بیچارہ اب تک اس بات سے بے خبر تھا۔ وہ اسے گاڑی تک چھوڑنے آیا۔ معروش نے اس کے الوداعی کلمات پر اپنی خوبصورت مسکان اچھالی اور گاڑی گیٹ سے باہر نکال دی۔ جونہی وہ سڑک پر آئی اس نے گہری سانس فضا میں چھوڑی تھی۔

"کیا بکواس تھا یہ سب۔" بدمزہ سی وہ اپنے نچلے ہونٹ کی لپ اسٹک کھانے لگی۔ کام نکلوانے کیلئے کیسے کیسے لوگوں سے بنانی پڑتی ہے۔ اس کا دل خراب ہوا تبھی اپنے آفس جانے کی بجائے وہ نانو کی شاپ میں آ گئی۔ جونہی اس نے دروازہ کھولا اسے نوفل کسی آنٹی سے زیرِ بحث نظر آیا۔ وہ ان تک چلتی آئی اور دونوں کو دیکھنے لگی۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟" سرسری سا پوچھ کر وہ دونوں کی تنے ہوئے تاثرات نوٹ کر رہی تھی۔ اس سے پہلے وہ عورت بولتی نوفل بول اٹھا۔

"معروش! ایک تو ان محترمہ نے پچیس پرسنٹ سیل لگنے کے باوجود شدید بحث کر کے اور اپنے بجٹ کا رونا رو کر نانو سے تیس پرسنٹ پر یہ کتاب خریدی اور اب جبکہ انہیں تیرہ سو پچاس روپے جمع کروانے ہیں تو ان میں بھی یہ ہمیں بیس روپے کم دے رہی ہیں کہ ان کے پاس کھلے پیسے نہیں، میں کہہ رہا ہوں انہیں کہ آپ مجھے سو کا نوٹ دیں میں کھلے کروا دیتا ہوں تو اس پر بھی ان آنٹی کو اعتراض ہے۔" وہ غصے میں چیختا ہوا اپنے سرخ منہ کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ ان عمر رسیدہ آنٹی کے ماتھے پر ہزاروں بل پڑے اور وہ نوفل سے زیادہ چیخ کر بولیں۔

"شکل سے جتنا پیارا اور معصوم بچہ یہ لگتا ہے اتنا ہے نہیں، بندہ کسی کی مجبوری بھی سمجھ لیتا ہے۔ ایک تو ریگولر کسٹمر ہونے کی وجہ سے میں نے پچھلی دکان کی چالیس پرسنٹ سیل کو نظر انداز کیا اوپر سے یہ مجھ پر ہی چڑھ رہا

ہے۔ بہت ہی کوئی ضدی سیلز بوائے رکھا ہے آپ لوگوں نے، یوں چل پڑی یہ دکان۔"

نوفل کے تو تلوؤں میں لگی اور سر پہ بجھی۔ اس نے بلی کی طرح ان آنٹی کے ہاتھ سے اسٹیمپ لگی کتاب کھینچی اور جذبات سے مغلوب لہجے میں بولا۔

"آپ جائیں وہیں سے جا کر لیں کتاب اور آئندہ ہماری شاپ پر نہیں آیئے گا۔" بھلا ان آنٹی کی اتنی ہمت جو وہ نوفل کی صلاحتوں پر سوال اٹھائیں یہ تو اس کی محنت اور صلاحیت پر گالی ہوئی۔

"ہاں ہاں جا رہی ہوں۔" وہ غصے میں تن فن کرتیں ایک قدم آگے بڑھیں اور پھر یکدم رک کر معروش سے کہنے لگی۔

"دیکھنا بیٹا، جب تک یہ انسان اس جگہ رہے گا ایک بھی کتاب نہیں بکے گی۔ یہ تم لوگوں کو ڈبوائے گا۔" وہ آگ بگولہ لہجے میں کہتیں تن فن وہاں سے گئی تھیں۔ معروش نے گہرا سانس فضاء میں چھوڑا اور شاکی نظروں سے نوفل کو تکنے لگی جو پورے جسم کا خون چہرے پر اکٹھا کیے ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا۔

"یہ تم نے کیا کیا، ایک کسٹمر کم کر دیا ہمارا، چھوڑ دیتے بیس روپے تو کیا ہو جاتا۔"

وہ گلاسز کو سٹول پر رکھ کر اسے نارمل سے لہجے میں کہہ رہی تھی لیکن نوفل کو تو یہ نارمل لہجہ بھی اس سہانی صبح میں کڑوا لگا۔ اس کے دل پر معروش کے بول چبھے تھے۔

"یعنی کہ آپ کہہ رہی ہیں میں آپ کی شاپ کو ڈبو رہا ہوں آپ نے ایسا کہہ بھی کیسے دیا۔" وہ اور زیادہ جذبات میں آ گیا۔ اس کا چہرہ خود میں سوالوں کا انبار چھپائے ہوئے تھا۔ معروش اس کے سوال سے جھنجھلائی۔

"کم آن نوفل، میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ بات کو غلط رخ مت دو میں تو بس یہ کہہ رہی تھی کہ اگر تم بیس روپے چھوڑ دیتے تو کیا ہو جاتا۔"

پتا نہیں کیوں اسے نوفل کا مرجھایا ہوا چہرہ بالکل اچھا نہیں لگا اس لیے فوراً ہی وضاحتی طور پر وہ کہہ اٹھی۔ نوفل ایک دم اس کے مقابل آیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔

"بیس روپے تو کیا میں ایک روپیہ بھی نہ چھوڑتا، جتنی محنت سے پیسے کمائے جاتے ہیں یہ صرف میں جانتا ہوں۔ ایک روپیہ کمانے کیلئے سو جتن کرنے پڑتے ہیں۔" وہ یہ کہہ کر پیچھے ہٹا اور برش سے کتابوں کو جھاڑنے

لگا۔ معروش کو وہ اداس دکھ رہا تھا۔ اس نے نانو کی جگہ پر دیکھا تو وہ خالی تھی۔

"نانو کہاں ہیں؟" بات اور ماحول میں چھائی بدمزگی کے اثر کو زائل کرنے کیلئے اس نے موضوع چینج کیا۔

"گھر گئی ہیں۔" نوفل اپنے کام میں مگن بولا۔ آواز بھرپور سنجیدہ تھی۔ شیشے کی دیوار سے چھن کی آتی سنہری کرنیں اس کے چہرے کے خدوخال کو مزید نکھار کر خوبصورت بنا رہی تھیں۔ معروش نے اس خوبصورتی کے اثر کو زائل کیا اور اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ یوں سورج کی کرنوں کو ایک ہینڈسم چہرے کے دیدار سے محروم کر دیا گیا تھا۔

"تمہیں کیا چیز پریشان کر رہی ہے بول دو یوں بھی تم نے کہا تھا کہ ہم دوست ہیں۔" نوفل نے "دوست" لفظ پر اچانک اسے دیکھا۔ یکا یک اس کی آنکھوں میں عجیب سی خوشگواریت آن سمائی تھی جس نے معروش کے چاروں اور گڑبڑی کی گھنٹیاں بجادیں۔

"کیا واقعی ہم دوست ہیں۔ مطلب آپ نے مجھے یہ درجہ دے دیا۔" وہ اپنا کام چھوڑے ہاتھوں میں برش تھامے اس سے دھنک رنگ لہجے میں پوچھ رہا تھا، کچھ دیر پہلے کی بدمزگی، آواز کی سنجیدگی اور وجود کی چڑچڑاہٹ بالکل مفقود تھی۔ معروش نے اس کے اچانک بدلتے رویے پر اپنی ناک کا کونا ناخن سے کھجایا یعنی کسی کا موڈ اتنی جلدی سوئنگ کیسے ہوسکتا ہے وہ بھی اتنی معمولی سی بات پر۔

"ہاں ایسا ہی ہے، اب بولو کیا بات ہے جو تمہیں پریشان کر رہی ہے۔" ان گھنٹیوں کی ٹن ٹن کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ عام سی آواز میں پوچھنے لگی۔ نوفل کا پھر سے چہرہ اتر گیا۔

"مجھے نانا ابو یاد آرہے ہیں اور اپنا دوست بھی، وہ کتنا پریشان ہوگا ناں اس نے تو مجھے ایک خط بھی نہیں لکھا۔" دل میں چھپی اداسی کو لفظوں میں ڈھال کر وہ پانی میں تیرتی رنگ برنگی مچھلیوں کو دیکھنے لگا۔ اس کے لبوں پر آپ ہی آپ مسکان آن ٹھہری تھی۔

"کیا ہی اچھا ہوتا اگر میں ایک مچھلی ہوتا کتنا مزا آتا ناں، دنیا کے جھمیلوں سے دور تمام پریشانیوں سے ہٹ کر آزادی سے اپنی زندگی گزارتا، کھانے کیلئے، کپڑوں کیلئے رہنے کیلئے بالکل پریشان نہ ہوتا بلکہ کل کی فکر کیے بغیر اپنی زندگی گزارتا چلا جاتا۔" اداسی چہار جانب سے اسے گھیرے ہوئے تھی شانے اچکا کر اپنی بات پوری کرتا وہ

مسکرادیا۔

"لیکن کوئی نہیں اللہ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اتنا بڑا درجہ دیا ہے یہ بھی کوئی کم بات نہیں اور ویسے بھی اس زندگی کا بھی اپنا ہی مزا ہے (کیونکہ اس میں آپ جو ہو)۔" اس نے کہنے کے ساتھ غور سے معروش کو دیکھا جو آج نئی نئی لگ رہی تھی۔نوفل کے دل کے تار تو وہ ہر روز ہی چھیڑ دیتی تھی مگر آج جو اس نے دوستی کا ہی سہی اس سے رشتہ جوڑا تھا اس نے نوفل کے اندر ایک نئی توانائی بھر دی تھی۔اپنا دل خالی کرنے کے بعد جیسے وہ ہلکا پھلکا ہوا تھا۔

"میں نے آپ کا کام اچھے سے کر دیا تھا، آپ کو کوئی بھی کام ہو کہہ دیا کریں میں ایسے ہی کر دیا کروں گا۔"

اس نے برش رکھ کر جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔معروش نے نچلے لب کو چھوڑا اور تھوڑا سا سائیڈ پر ہو کر بولی۔

"ویل، فی الحال کیلئے تھینک یو، اگلی بار کی دیکھی جائے گی ابھی تو تم میری ایک بات مانو، قلم کاغذ اٹھاؤ اور اپنے دوست کو خط لکھ کر مجھے دے دو میں کل پوسٹ کر دونگی۔" اس کے سائیڈ پر ہونے سے ایک ترچھی کرن نوفل کے صبیح چہرے پر بکھرنے لگی تھی۔اس کی رواں داڑھی اس کرن کی وجہ سے چمکنے لگی۔

"میں نہیں لکھوں گا، سوری میں آپ کی بات نہیں مان رہا لیکن میں یہ نہیں کر سکتا کیونکہ میں اس سے ناراض ہوں اور یوں بھی وہ کہاں ہے مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں اور نہ ہی رکھنا ہے۔جو اپنے ہوتے ہیں اس طرح چھوڑ کر نہیں جاتے اور جو چھوڑ جاتے ہیں وہ اپنے نہیں ہوتے۔وہ جاتے ہی اس لیے ہیں تا کہ کبھی لوٹیں نہ، اس لیے میں نے اس بات پر صبر کر لیا ہے کہ میں اس دنیا میں تنہا ہوں۔" بچوں کی طرح خفا لہجے میں کہتے ہوئے وہ شیشے کے پاس رکھی کرسی پر جا کر بیٹھا۔معروش نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور ماتھے پر ہزار بل لا کر درشت لہجے میں بولی۔

"تو یعنی نوفل خان، تم واقعی میری بات نہیں مان رہے، مت بھولو میں آرڈر دیتی ہوں لیتی نہیں۔جو کہا ہے وہ دس منٹ میں کرو۔میں نے کہا دس منٹ میں، ایسے گھورنے کو نہیں بولا نہ ہی تمہاری یہ رونی صورت مجھے میرے فیصلے سے روک سکتی ہے اور نہ ہی احتجاجی آنکھیں۔آئی سمجھ۔" وہ اس کے "تنہا" لفظ سے اچانک ہی ٹھٹکی تھی تبھی دبی آواز میں بولی۔نوفل غصے سے اس کی بات سن کر اٹھا اور بڑبڑاتا ہوا انا نو کی جگہ پر جا کر پین کاغذ اٹھا کر لکھنے لگا۔معروش نے اس کی بڑبڑاہٹ بغور سنی تھی جو کہ یہ تھی۔

"عجیب دھونس ہے، بندہ اپنی مرضی کی زندگی بھی نہیں گزار سکتا۔"

معروش کے لبوں پر مدھم مسکان دوڑی جسے اس نے فوراً ہی روک دیا۔ پورے دس منٹ بعد نوفل اسے انویلپ تھما کر اور یہ کہہ کر

"اس پر پتہ آپ خود لکھ لینا اگر معلوم ہے تو۔"

بیکری کی سمت جا رہا تھا۔ معروش نے اسے بیگ میں رکھ دیا اور خود نانو کی جگہ پر آ کر بیٹھ گئی۔

☆......☆......☆

رات کے پونے دس کا ٹائم تھا جب یمن جلے پیر کی بلی کی طرح کمرے میں چکر کاٹ رہی تھی۔ اس کے بالکل سامنے ثوبیہ لیپ ٹاپ میں کچھ دیکھنے میں مگن تھی اور باہر سے امی کی آوازیں آ رہی تھیں جس میں وہ میڈ کو فریج اچھے سے صاف کرنے کا حکم دے رہی تھیں۔ یمن ثوبیہ کے پاس آئی اور اس کے کان سے ہینڈ فری نکال دی۔

"کیا بدتمیزی ہے یار، اتنا اچھا سین چل رہا تھا ڈرامے کا۔" وہ پاؤس کا بٹن دباتے ہوئے چیخی اور اس کے ہاتھ سے واپس اپنی ہینڈ فری کھینچ لی لیکن اس سے پہلے کہ وہ کان میں لگاتی یمن بول اٹھی۔

"ثوبی! مجھے سمجھ نہیں آ رہا میں تمہیں کیسے بتاؤں۔۔۔ میں۔" اس نے لب کچلتے ہوئے بات درمیان میں چھوڑی، پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ یہی تو کرتی آ رہی تھی۔ وقفے وقفے سے اس کے پاس آتی پھر کچھ نہ کہہ کر واپس رات کی چڑیل کی طرح کمرے کے چکر کاٹنے لگ جاتی۔ ثوبیہ نے غصے سے لیپ ٹاپ کی اسکرین کو بٹنوں سے ملایا اور سینے پر ہاتھ باندھ کر اسے دیکھنے لگی۔

"دیکھو جو بھی بکنا ہے دو منٹ میں بک دو کیونکہ اگر اس کے بعد تم نے ایک بار بھی میری ہینڈ فری کان سے نکالی تو بخدا یہاں پر تیسری جنگ عظیم چھڑ جانی ہے۔ تمہارا ٹائم شروع ہو چکا ہے۔ دس، نو، آٹھ۔"

یمن ایکدم اس کے بیڈ سے اٹھی اور منہ بناتے ہوئے بولی۔

"مجھے تم جیسی جلاد لڑکی سے کچھ نہیں کہنا، دیکھو اپنا ڈرامہ اور مجھے گھورو مت ورنہ میں نے کشن اٹھا کر تمہارے منہ پر مار دینا ہے۔" وہ اس سے زیادہ اکڑیلے لہجے میں کہتی ہوئی بالکونی میں آئی اور باہر سے اس نے اسے لاک کر دیا تا کہ وہ سڑو اس کے پاس نہ آ سکے۔ باہر آتے ہی اس نے گرل کو تھاما اور چہرہ اونچا کر کے اللہ کی بہترین

تخلیق کو دیکھنے لگی۔اس کے بال آج بھی ہلکی ہوا کے دوش پر اڑ رہے تھے۔فیروزی آنچل زمین کو چھونے کی تگ ودو میں تھا۔وہ پاجامہ ،فراک میں ملبوس بڑی بڑی گہری آنکھوں سے چاند کو دیکھ رہی تھی بلکہ نہیں وہ چاند میں کسی کی شبیہہ کو تک رہی تھی۔وہ شبیہہ جو اس کے دل میں بھی بس چکی تھی۔دفعتاً اسے اپنے پیچھے کسی کے ہونے کا احساس ہوا۔وہ مڑی اور کرنٹ کھا کر گرل سے چپک گئی۔اس کے پیچھے خلیفہ کھڑا تھا۔یمن کا دل بری طرح سینے میں دھک دھک کرنے لگا۔

"آ۔آپ یہاں۔" اس کے ہونے کی موجودگی کو اس کا بازو چھو کر کیا تھا۔جب یقین ہو چلا کہ وہ یہاں ہے تو ڈر کے شدید احساس تلے نیچے جھانک بیٹھی جہاں ان کا چوکیدار سیل فون میں بزی تھا اور لان کے کونے میں ملازمہ بوسیدہ پتوں کو چن کر ٹوکری میں ڈال رہی تھی۔اس نے واپس چہرہ موڑا۔

"میں نے تمہیں کہا تھا کہ دس بجے تم میرے ساتھ ہو،تم نہیں آئی تو میں چلا آیا۔" وہ بلیک جینز میں بلیک ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔اس کے شانوں تک آتے بھورے بال کھلے تھے۔سامنے اس نے کیچر لگایا ہوا تھا جس نے اس کے بالوں میں لائنیں ڈال دی تھیں۔دو چینز گلے کے اندر تھیں اور دو باہر۔اوپر والے ہونٹ کے کونے کو پکڑے وہ ایک ہاتھ اور ایک ٹانگ گرل پر رکھے اس کا راستہ روکے کھڑا تھا۔یمن خوف سے کانپنے لگی اگر کسی نے دیکھ لیا تو۔

"میں نے آپ کو کہا تھا میں نہیں آسکتی اور آپ یہاں آئے کیسے؟" کانپتی آواز کے ساتھ خشک ہونٹوں کو تر کرتے ہوئے اس نے ایک بار پھر نیچے جھانکا اور پھر سامنے دیکھا۔شکر تھا کہ وہ ونڈو کو لاک کر آئی تھی۔

"اس سے فرق نہیں پڑتا یمن،فرق صرف اس بات سے پڑتا ہے کہ میں وہاں تمہارا انتظار کر رہا تھا اور تم نہیں آئی،تم شاید خلیفہ کو جانتی نہیں اس لیے انتظار کروایا۔جان جاتی تو ایسا کرنے کا سوچتی بھی نہ۔ناز کرو خود پر کہ تمہارے لیے میں نے دس منٹ کے انتظار کا عذاب جھیلا۔" وہ اپنی گولڈن چمکتی ہوئی آنکھیں اس کی سیاہ آنکھوں میں غرق کرتے ہوئے بولا۔بڑے سارے نور کا تھال عین ان کے پیچھے تھا جس سے چھن کر آتی چاندنی آس پاس بکھر رہی تھی۔اس بکھرتی چاندنی نے معصوم لڑکی کی سہمی ہوئی آواز سنی اور ہولے سے مسکا دی۔

"میں آنا چاہتی تھی مگر نہیں آپائی۔ایم سوری آپ کو میری وجہ سے انتظار کرنا پڑا۔" چھوٹے چھوٹے بیش

قیمتی ہیرے اس کی آنکھ سے ٹوٹ کر گرنے لگے۔ وہ بالکل ایسے گر رہے تھے جیسے اس وقت آسمان پر دور شہاب ثاقب ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ خلیفہ نے ہاتھ بڑھایا اور اپنی چھوٹی انگلی پر دنیا کی سب سے قیمتی شے کو اٹھالیا۔

"آپ چلے جائیں کوئی آپ کو دیکھ لے گا تو مصیبت ہو جائے گی۔" وہ اپنے سیاہ سمندر میں نور بھرتے ہوئے اس کی سنہری آنکھوں کو تکتے ہوئے بولی۔ خلیفہ نے گہرا سانس لے کر خود کو ایک موٹی گالی دی (دل میں)۔

"مجھے اس سب کی پرواہ نہیں، یہ باتیں معنی بھی نہیں رکھتیں۔ اگر کچھ ہے جس چیز کی کوئی وقعت ہے تو وہ ہے ہماری آج کی ملاقات، ہمارا ڈنر۔" وہ ایک ایسا شخص تھا جسے دیکھنے، جس کا قرب حاصل کرنے کیلئے شوبز کی نام نہاد معززات ترس جاتی تھیں مگر وہ کسی کو میسر نہیں ہوتا تھا کیونکہ عورت کبھی اس کی چاہ یا پھر اس کی کمزوری نہیں رہی تھی مگر یہ مان لینے میں اسے قطعی عار محسوس نہیں ہوا کہ سامنے کھڑی ہستی نے اس کے دل کی دنیا کو زیر و بم کر دیا ہے۔ وہ اس کے سامنے چاروں شانے چت ہوا تھا اور شاید وہ اس کی کمزوری بنتے جا رہی تھی۔

"پر یہ کیسے ممکن ہے؟" اس کے آنسوں تھمے اور حیرانگی عود کر آئی۔ خلیفہ مسکایا تھا۔ وہی اپنی قاتلانہ مسکان۔

"خلیفہ کیلئے کچھ ناممکن نہیں۔" کہتے ساتھ ہی اس نے اوپر کی جانب اشارہ کیا۔ نظر اٹھاتے ہی یمن کا دل حلق میں آ کر پھڑ پھڑانے لگا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ ہیلی کاپٹر میں آیا ہے۔ مچھر کی شکل کا ہیلی کاپٹر ان کی چھت پر لینڈ تھا۔ اس کے دماغ میں ہزار سوالات آنے لگے۔

"چوکیدار انکل نے اس کی آواز سن لی تو؟ مالن آنٹی نے پتے چنتے چنتے نگاہ اٹھالی تو؟ اگر موی صحن میں آ گئی تو؟ یا اللہ کیا ثوبیہ نے اس کی آواز سن لی ہے؟" ڈھیر سارے بدترین خدشات اس کے اندر ہلچل مچانے لگے۔ وہ ڈر گئی۔

"یہ۔۔ یہ مطلب۔" اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے کیا نہ کہے۔ خلیفہ نے تو اسے یکدم لاجواب کر دیا تھا۔ وہ شش و پنج میں مبتلا اسے دیکھ رہی تھی جو اپنی چوڑی ہتھیلی اس کے آگے پھیلائے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دے رہا تھا۔

"چلو یمن! ایک حسین رات ہم دونوں کی منتظر ہے۔"

وہ ڈر رہی تھی، گھبرا رہی تھی خوف اس کے وجود کے پور پور میں محوِ گردش تھا۔ وہ کیسے اس کے ساتھ چلی جاتی جسے وہ ٹھیک طرح سے جانتی بھی نہیں تھی لیکن خلیفہ نے اسے مکمل طور پہ ناٹائز کر دیا تھا۔ اس کے وجود سے پھوٹتے جادو نے یمن کو اپنی قید میں لیا اور اس کے سوچنے کی حس کو مفلوج کرتے ہوئے اس کی آنکھوں کے آگے پٹی باندھ دی۔ اس نے دیکھا اس کے لب کہہ رہے ہیں۔

"مجھے ڈر لگتا ہے۔"

اس نے رک کر ہیلی کاپٹر کی طرف دیکھا جس کی سیڑھیاں ان کی چھت کی ایک سائیڈ پر لٹک رہی تھیں شاید وہیں سے خلیفہ آیا تھا۔

"اونچائی سے۔" باقی کا جملہ اس نے وقفہ لے کر ادا کیا اور پھر خلیفہ کی سنہری آنکھیں اور اس کے گولڈن ورڈز اسے ہرا گئے جو کہ یہ تھے۔

"جب میں ساتھ ہوں تو کس بات کا ڈر، مان لو اس وقت دنیا کی سب سے پاورفل ہستی تمہارے ساتھ کھڑی ہے۔ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ یقین کرو۔"

اور اس نے یقین کر لیا۔ اس کا ہاتھ خلیفہ کے ہاتھ میں تھا۔ چوڑی ہتھیلی پر نازک پتلی پتلی انگلیوں والے گورے ہاتھ نے خلیفہ کے ہالف انگلیوں والے گلوز پہنے ہاتھ کو چھویا جسے اس نے مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں قید کر لیا تھا۔ اس کے ہاتھ کی گرفت ایسی تھی جیسے وہ تاحیات اب اسے نہیں چھوڑے گا۔ ہیلی کاپٹر میں بیٹھتے ہوئے یمن کے دل میں ایک ٹھنڈا سا ڈر تھا لیکن وہ ان سارے احساسات سے خود کو نبرد آزما کر رہی تھی جو اس کے دل میں وہم ڈلوا رہے تھے۔ وہ محفوظ ہے اس بات کا یقین اسے تھا کیونکہ وہ چاروں قل اور آیت الکرسی خود پر پڑھ کر پھونک چکی تھی۔ ان کا وہ چھوٹا سا ہیلی کاپٹر فضاؤں میں بلند ہوتا دور، بہت دور جا رہا تھا۔ اس کی مسافت جونہی لمبی ہوئی تو یمن پوچھ بیٹھی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" اس کا کانپتا سوال خلیفہ کی سماعتوں سے ٹکرایا تو اس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"ڈنر کیلئے، ہم دونوں نے ڈنر ساتھ کرنا تھا ناں۔" وہ بہت آرام سے بولتا اسے اس کا عہد یاد کروا رہا تھا۔

یمن نے نیچے جھانک کر فوراً آنکھیں بند کیں۔ اس کے قدموں کے نیچے سے اسلام آباد بھی نکلتا جا رہا تھا تبھی

اسے پریشانی لاحق ہونے لگی۔

"ڈنر تو لاہور میں کرنا تھا۔ہم تو اسلام آباد بھی کراس کر چکے ہیں۔" وہ دونوں ہاتھوں کو آپس میں پیوست کیے خلیفہ کی سرگرمیوں کو دیکھ رہی تھی۔وہ چھوٹے سے لیدر بیگز میں سے کچھ نکالنے میں مصروف تھا۔

" کس نے کہا ہم نے ڈنر لاہور میں کرنا تھا؟" اس بیگ میں سے اس نے ایک لانگ کوٹ نکال کر یمن کو دیا جسے اس نے فوراً ہی پہن لیا۔وجہ بڑھتی ہوئی سردی تھی۔

" مجھے لگا ہم لاہور کے کسی ہوٹل میں ڈنر کریں گے۔" وہ تو یہی سمجھی تھی کیونکہ خلیفہ نے اسے آنے کیلئے جگہ بتائی تھی جہاں وہ اس کے ساتھ ڈنر کیلئے جاتی۔اب اسے کیا خبر تھی کہ وہ اسے کہاں لے کر جا رہا ہے۔

"اور تم نے یہ بھی کیسے سوچ لیا کہ ہم کسی ہوٹل میں ڈنر کریں گے۔" اس نے اوون سے بنے ائیر کورز نکالے اور اسے اس کے کانوں پر چڑھا دیے۔

" تو پھر؟ کسی گھر میں کر رہے ہیں کیا؟ آپ کے گھر میں۔" ان ائیر کورز کو وہ خود بھی ٹھیک کرتے ہوئے اسے دیکھ کر سوال کر رہی تھی جو اس کے ہاتھوں میں گلوز پہنا رہا تھا۔وہ گلوز انگلیوں کے بغیر تھے جیسے بچوں کے ہوتے ہیں۔یمن نے ان گلوز کو پہن کر ہاتھوں کو بند کر کے کھولا۔ایک گرما گرم طمانیت اس کے رگ و پے میں دوڑ گئی۔

" نہیں ہم کسی کے گھر بھی ڈنر نہیں کر رہے اور اب منہ بند۔بہت سوال ہو گئے ہیں۔" ہلکے سے سخت لہجے میں کہتے ہوئے وہ اسے کوٹ شوز اتارنے کا کہہ رہا تھا۔یمن نے وہ شوز اتارے تو خلیفہ نے لانگ شوز اس کے پاؤں میں ڈال کر ان کی زپ بند کر دی۔ جہاز لینڈ کر چکا تھا وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ کونسی جگہ ہے لیکن یہاں پر چاروں طرف برف ہی برف تھی۔خلیفہ نے دروازہ کھولا تو یخ بستہ ہواؤں نے ان کا ویلکم کیا۔یمن کے دانت بجنے لگے۔خلیفہ نیچے اترا، وہ پھر سے اپنا ہاتھ اس کی جانب پھیلائے کھڑا تھا۔اس نے فقط لانگ جرسی نما پتلا سا جینئس شرٹ پہنا ہوا تھا۔یمن نے اپنے گلوز زدہ ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھے اور تھوڑی سی چھلانگ لگا کر نیچے اتر آئی۔اتنا سب کچھ پہننے کے باوجود بھی اس کا وجود تھر تھر کانپ رہا تھا۔

یمن کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔وہ خلیفہ کے ہاتھ پر نظر رکھے آگے چل رہی تھی۔اس کی چھوٹی انگلی میں

ایک سلور رنگ کی انگوٹھی تھی جس نے اس کی انگلی کو آدھا ڈھکا ہوا تھا۔اس کے ساتھ والی انگلی میں اس نے شیر کی چنگھاڑتے ہوئے منہ والی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی اور اس کے بعد ایک انگلی چھوڑ کر سرخ رنگ کے موٹے نگ والی انگوٹھی اس کے ہاتھ میں چمک رہی تھی۔ وہ ان انگوٹھیوں پر سے نظر ہٹا کر خلیفہ کا چہرہ دیکھنے لگی۔ ہوا چل رہی تھی جس کے سبب خلیفہ کے بھورے بال اڑ رہے تھے وہ دھوئیں بھری سانسیں اڑاتا یمن کی خود پر محویت کو نظر انداز کر کے چلتا گیا۔ چند قدم چلنے کے بعد وہ ایک جگہ پر آ کر رکا اور پھر ہولے سے اپنی گردن کو ہلا کر اس نے نظریں جھکائیں۔

"ہم پہنچ گئے۔" اس کے لب ہلنے کے ساتھ ہی ڈھیر سارا دھواں نکل کر ہوا میں مدغم ہونے لگا۔یمن نے نظر گھمائی اور دنگ رہ گئی۔ وہاں برف پر سرخ چادر کے ساتھ دو کشنز پڑے ہوئے تھے۔ان کے آس پاس ڈھیر ساری زرد روشنیاں جل رہی تھیں۔ وقفے وقفے سے ان کے ساتھ اسی رنگ کے پھول بھی رکھے گئے تھے۔ ان سب کے دائیں جانب نیٹ کی چھت کے نیچے ایک میز اور دو کرسیاں تھیں جو آمنے سامنے تھیں۔ وہاں پر بھی ڈھیر ساری زرد لائٹس نیٹ کے ساتھ لپٹتی ہوئی یہاں وہاں گری ہوئی تھیں۔ پنجرے کی شیپ کی وہ چھت اس برفیلے موسم میں تازہ پھولوں سے سجی تھی۔ سفید گول میز پر تازہ کھانا رکھا ہوا تھا جو کہ ڈھکا ہوا تھا اور اس ٹیبل کی بائیں سائیڈ پر ایک ویٹر ہاتھ باندھے مؤدب سا کھڑا تھا۔ دو درخت تھے۔ دونوں پر وہی زرد روشنیاں آکاس بیل کی طرح لپٹی ہوئی تھیں۔ان درختوں کے نیچے ایک بینڈ تھا اور سامنے ایک لڑکی کھڑی تھی جس نے ان کے بیٹھتے ہی گانا شروع کرنا تھا۔یمن نے حیران کن نظروں سے خلیفہ کو دیکھا۔اس بیاباں میں اس نے کیسے ان سب چیزوں کا بندوبست کیا تھا جہاں دور دور تک کسی آبادی کے آثار نہیں تھے۔

"یہ سب خوابناک ہے۔" اس کے لب ہولے سے ہلے۔ان زرد روشنیوں کی روشنیاں کم تھیں جتنی چمک یمن کی آنکھوں میں یہ سب دیکھ کر پیدا ہوئی تھی خلیفہ کا دل بھی ان روشنیوں میں چمک اٹھا۔اس نے وہ کہا جو وہ کہنا نہیں چاہتا تھا مگر لب ہل پڑے۔

"تم سے کم نہیں، تم تو دن دہاڑے سب کچھ خوابناک کر دیتی ہو۔اچھا بھلا انسان حقیقت سے اٹھ کر ماورائی دنیا میں چلا جاتا ہے۔" وہ بول رہا تھا اور اس کے منہ سے نکلتا دھواں یمن کا ماتھا چھو رہا تھا۔وہ تھوڑی پیچھے ہوئی

اور مسکرا کر کہنے لگی۔

"یہ سب کیسے ارینج کیا؟"

وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے ٹیبل پر آئے۔خلیفہ نے اس کیلئے کرسی آگے کھینچی۔وہ بیٹھی تو اس نے نیپکن اٹھا کر اس کی گود میں بچھادی اور خود چلتا ہوا سامنے آن بیٹھا۔

"کیا یہ سب جاننا ضروری ہے؟" وہ اپنے ذو معنی جملے اگنور کرنا جان کر تھوڑا بدمزا ہوا۔برف پر اپنے پنجے جمائے ہاتھ میز پر رکھتے ہوئے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔یمن نے نہیں میں گردن ہلادی۔وہ خود کیلئے کھانا نکالنے لگی۔ خلیفہ نے بھی اسی چیز کا انتخاب کیا جس کا یمن نے کیا تھا۔

"ہم نے کسی ہوٹل میں ڈنر کیوں نہیں کیا یعنی کسی لاہور کے ریسٹورنٹ میں؟" وہ چاولوں کو کھاتے ہوئے ادھر ادھر چیزوں کو دیکھ رہی تھی۔اسے یہ سب بہت فینسی فیل ہو رہا تھا وہ ایک ایک چیز سے مرعوب ہوئی۔

"مجھے کراؤڈ پسند نہیں یمن، یوں کہہ لو تنہائیاں مجھ پر سوٹ کرتی ہیں۔اگر تم نے میرے ساتھ چلنا ہے تو میری جیسی چیزوں کو پسند کرنا ہوگا۔"

وہ سمجھ گئی تھی۔اس کے بابا کو بھی تو ہجوم پسند نہیں تھا۔وہ بھی تو شور وغل اور بھیڑ سے چڑ کھاتے تھے۔

"آپ کو اور کیا کیا پسند نہیں یا کیا کیا پسند ہے؟" وہ اس کی گولڈن چمکتی آنکھوں میں دیکھتی خوشگواریت سے پوچھ رہی تھی۔خلیفہ نے اس کے سوال پر کاندھے اچکادیے۔

"یہ تو تمہیں وقت کے ساتھ ساتھ خود ہی پتا چل جائیگا۔میں بتادوں گا تو وہ مزا نہیں رہے گا جاننے میں جو اس وقت تمہارے دل میں موجود ہے۔کیا مجھ سے پہلے کوئی آدمی تمہاری زندگی میں آیا تھا؟" وہ اس کے بارے میں سب جانتا تھا سب کچھ لیکن پھر بھی اس کے منہ سے سننے کا متمنی تھا۔کسی کورئین گیت کے بول تھے جو فضا میں بکھر رہے تھے۔ان گیتوں میں کھوئی وہ خلیفہ کے منہ سے غیر متوقع سوال پر بوکھلا گئی۔

"نہیں بالکل بھی نہیں ایسا کیوں کہا آپ نے؟" حواس باختہ سی وہ یکدم بولی تھی۔خلیفہ نے دائیں بائیں سر کو جنبش دی۔

"اور کیا میرے بعد کسی کی گنجائش ہے؟"

وہ اس ڈائریکٹ سوال پر گڑبڑا گئی۔کھانا وہ لوگ کھا چکے تھے گرما گرم کافی تھی جس کے گھونٹ بھرے جا رہے تھے۔یمن نے اپنی زبان جلاتے ہوئے کپ کو پرچ میں رکھا اور کھڑی ہوگئی۔

"مجھے یاد آیا۔اوہ مائی گاڈ میں تو گھر ہی نہیں ہوں،ثوبیہ،وہ تو بالکونی کا دروزہ کھڑکھڑا کر پاگل ہوگئی ہوگی اور موی،وہ کتنی پریشان ہونگی۔جانے سب میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے۔"وہ پریشانی سے چہرے پر ہزار اندیشے لیے یہاں وہاں ٹہلتے خلیفہ کے ضبط کو آزما رہی تھی۔اسے اپنا سوال درمیان میں چھوڑ کر یہ فضول سی چیز لانا سخت ناگوار گزرا۔وہ ایسا ہی تھا خود کو اہمیت دینے والا،اپنی ذات کو اول درجے پر رکھنے والا۔اگر کوئی اسے اگنور کرتا تو وہ اسے اگنور کر دیتا تھا۔اس دنیا سے لیکن سامنے جو ہستی تھی وہ اس کی دنیا بن چکی تھی اور ایسا کوئی اس دنیا میں موجود نہیں جو خود اپنے ہاتھوں سے اپنی دنیا تباہ کرے،ہے کوئی؟

"تم شاید جدید دور کے جدید آلات سے واقف نہیں ہو۔تمہاری بہن تمہیں بالکونی میں بیٹھے کتاب پڑھتے دیکھ کر فار شور سونے چلی گئی ہوگی۔بس تمہاری پرچھائی اس وقت وہاں موجود ہے اس لیے پرسکون ہو جاؤ اور میرے سوال کا جواب دو۔"وہ اسی طرح بیٹھے ہوئے اسے دیکھ کر کہہ رہا تھا۔یمن یکدم رک گئی۔وہ اندر سے ہولے ہولے کانپنے لگی تھی۔دل میں ڈر بھی آ رہا تھا وہ کیسے اس طرح اس کے سامنے اعتراف کر دے۔

"مجھے گھر جانا ہے۔۔۔ابھی۔"

خلیفہ لمحے کے ہزارویں حصے میں اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔پاس آ کر کہنی سے تھاما اور کھینچتے ہوئے ہیلی کاپٹر کی جانب لے کر جانے لگا۔وہ حیران و پریشان خود کو خلیفہ کے ساتھ لے کر جا رہی تھی۔وہ بولنا چاہتی تھی،کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اس کے لب ان پہاڑوں کی طرح جامد ہو گئے تھے جنہیں برف نے خود میں قید کر لیا تھا۔دونوں میں فرق اتنا تھا کہ وہ برف سے ڈھک چکے تھے اور یہاں برفیلے رویے نے اس کے لبوں کو ڈھانپ دیا تھا۔

خلیفہ ہیلی کاپٹر کے پاس پہنچ کر اسے اس میں بٹھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تارن،محترمہ کو ان کے گھر بحفاظت پہنچا دو۔"کہتے ساتھ ہی وہ مڑ گیا۔اس سے پہلے یمن اسے کچھ کہتی یا دروازہ کھول کر باہر آتی پائلٹ نے بٹن کو پش کر کے ڈور لاک کر دیا تھا۔جہاز فضاؤں میں اڑنے لگا اور وہ خلیفہ سے دور جانے لگی۔شیشے سے منہ لگائے وہ اس کو برف پر آگے بڑھتے دیکھ رہی تھی۔اس نے اپنا شرگ بھی اتار

پھینکا تھا۔یمن کے دل میں کچھ چھن سے ٹوٹا۔

☆......☆......☆

وہ ایک بہت بڑا گودام تھا جہاں تیزی سے سیاہ یونیفارم میں ملبوس چند آدمی کسی چیز کو پیک کرنے میں بزی تھے۔ان کے ماتھے پر پسینہ چمکتا تھا اور ہاتھوں میں لرزش تھی۔نہیں یہ لرزش نشے کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ خوشی و خوف کے ملے جلے تاثرات کی بنا پر ان کے ہاتھ کپکپا رہے تھے کیونکہ وہ اس وقت بڑے سے کنکریٹ کی ٹیوب کی سطح کو اکھاڑ کر اس میں بندوقیں اور دیگر اسلحہ فٹ کر رہے تھے جو آج رات کراچی کے راستے نیویارک سمگل ہونا تھا۔ان لیبر کا ہیڈ رمیز تھا جو لائیٹر سے سگریٹ سلگاتے ہوئے ڈیوڈ کو ہدایت دیے جا رہا تھا۔ڈیوڈ اس کے سامنے لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا تھا اور ان سب چیزوں کا ریکارڈ اس میں درج کر رہا تھا۔ایسا کرنے کے بعد یہ لیپ ٹاپ رمیز کی تحویل میں واپس آ جانا تھا۔اس نے تیز تیز کیز پر انگلیاں چلاتے ہوئے رمیز کی کسی بات پر سر ہلایا اور اپنا سوال داغا۔

"یہ مال کہاں سمگل کیا جا رہا ہے۔میرے خیال سے میں اتنا تو قابل بھروسہ ہو گیا ہوں کہ اس سب کے بارے میں جان سکوں۔" کیز پر انگلیاں چلاتے ہوئے وہ دیکھ رمیز کو رہا تھا جس نے دھوئیں کے گول گول مرغولے ہوا کے سپرد کیے اس پر ایک پراسرار مسکان اچھال کر وہ بولا۔

"بلاشبہ تم بھروسے کے قابل ہو ڈیوڈ لیکن رازداری رازداری ہے اس لیے میں تمہیں اندر کی انفارمیشن نہیں دے سکتا۔" اس نے ایک اور لمبا کش بھرا اور عمیق نگاہیں اس کیپ والے کے چہرے پر ڈال دیں جو اپنے کام میں جانفشانی سے مگن تھا۔

"صحیح ہے، خلیفہ باس مجھے کافی دنوں سے نظر نہیں آئے کہیں باہر کا ٹور ہے ان کا کیا؟" انداز وہی نارمل تھا لیکن رمیز کو اس میں تجسس ملا ہوا نظر آیا۔

"تمہارے سوال حدیں نہیں پھلانگتے جا رہے بچے، اپنی حیثیت مت بھولو اور کام سے کام رکھو۔" اسے ڈپٹتے ہوئے وہ اس بند کمرے سے باہر نکلا۔وہ کمرہ خاصی اونچائی پر بنایا گیا تھا۔وہ چھوٹا تھا اور موٹے پتھروں سے بنا تھا لیکن اس کی ایک دیوار شیشے کی تھی اور وہاں آواز سننے والے آلات بھی نصب تھے جس میں وہ تمام ورکرز

کی باتیں بخوبی سن سکتے تھے جو کام کے دوران وہ لوگ ایک دوسرے سے کر رہے تھے۔ رمیز نے کمرے سے باہر جاتے ہوئے ڈیوڈ سے لیپ ٹاپ لیا اور سیڑھیاں اترتا نیچے آ گیا۔

"کام کیسا جا رہا ہے راب؟" کروفر سے سیڑھیاں اتر کر وہ نیچے آ کر اس کام کے انچارج سے پوچھنے لگا جو آنکھوں پر مخصوص گلاسز لگا کر باریک راڈ سے اس کنکریٹ کی ٹیوب میں چھید کر رہا تھا۔ وہ ایک سپینش تھا اور رمیز نے اس وقت اس سے سپینش زبان میں ہی پوچھا تھا۔

"آل سیٹ باس، ہم نے سارے اسلحے کو اچھے سے اس میں چھپا دیا ہے۔ اب کسی کا باپ بھی اسے نہیں ڈھونڈ سکتا۔" وہ پورے اعتماد کے ساتھ اسے بتا رہا تھا۔ بڑے بڑے کنکریٹ کو مشین کے ذریعے اٹھوا کر بڑے سے کارگو میں رکھا جا رہا تھا۔ کام مکمل تھا۔ رمیز نے اس کے شانے پر شاباش والے انداز میں تھپکی دی۔

"تم سے باس اور خلیفہ یقیناً خوش ہونگے۔ کل شام کے ڈھلتے ہی ایک خطیر رقم تمہارے بینک اکاؤنٹ میں منتقل ہو جائیگی۔" وہ اسے خوش کرتے ہوئے پھر سے سگریٹ سلگانے لگا۔ کش بھرتے ہوئے اس نے ایک نگاہ اوپر کرسی پر ٹھس بیٹھے ڈیوڈ پر ڈالی۔ یکدم اس کے دماغ میں ایک کوندا سا لپکا۔ کیوں نا اس مال کے ساتھ ڈیوڈ کو نیویارک بھیجا جائے؟ اپنے اس خیال کے تحت وہ اس گودام سے باہر آیا اور خلیفہ کو کال ملانے لگا۔

"ہاں بولو رمیز۔" وہ شاید چل رہا تھا تبھی اس کی آواز قدرے پھولی ہوئی تھی۔

"میرے شیطانی دماغ نے ایک زبردست پلان سوچا ہے اگر تم مان جاؤ تو اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔" وہ اس گودام کے بڑے سارے زنگ رنگ کے دروازے کے سامنے ٹہلتا ہوا کہہ رہا تھا۔ اسے اپنی بات ختم ہوتے ہی خلیفہ کی آواز سنائی دی۔

"پلان بولو۔" خلیفہ نے بیگ کو گاڑی کی بیک سیٹ پر رکھا اور اسٹیرنگ کو سنبھالتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"کیوں نا ہم ڈیوڈ کو آج رات کا کوریئر (مال سپلائی کرنے والا) بنائیں۔" خلیفہ کی بلوٹوتھ میں سے رمیز کی پراسرار آواز آئی۔ وہ اس کے خیال کو سن کر تضحیکی ہنسا۔

"دماغ اچھا چلایا ہے لیکن ابھی نہیں، میں نے اسے کسی بہت بڑے کام کیلئے رکھا ہوا ہے۔ تم جانتے تو ہو ڈی اے ای (ڈرگ انفورسمنٹ ایجنسی) کو۔ کس قدر کڑی نگاہ رکھی ہوئی ہے انہوں نے آج کل ہماری

سرگرمیوں پر۔ ڈیوڈ پکڑا گیا تو کام خراب ہو جائے گا۔ اس کیلئے کسی مضبوط اعصاب کے مالک کو چنو جو پکڑا بھی جائے تو ہمارا نام مر کر بھی نہ لے۔" وہ یوٹرن لے رہا تھا جب اس کی نگاہ معروش حبیب پر پڑی وہ اپنی گاڑی کی بونٹ کھولے کھڑی تھی۔ خلیفہ نے بریک لگائی۔

"چلو ٹھیک ہے، یہ بتاؤ چکر کب لگا رہے ہو؟" راب دروازہ کھول کر باہر آ رہا تھا۔ وہ اتنی سردی میں بھی پسینے میں نہایا ہوا تھا اور رمیز کو اوکے کا اشارہ دے رہا تھا۔ اس نے ویل ڈن کے انداز میں دوبارہ اس کا شانہ تھپتھپایا۔

"آج رات شارپ گیارہ بجے۔" کہتے ساتھ ہی اس نے کال ڈسکنیکٹ کی اور اس کے سر پر آن کھڑا ہوا۔

"ایوری تھنگ از او کے آفیسر؟"

معروش جو تاروں سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی اس کی آواز پر چونکی، مڑ کر اسے دیکھا جو اب معائنہ کرتی نگاہوں سے اس کی گاڑی کا جائزہ لے رہا تھا۔

"تو چوہا بل سے باہر آ ہی گیا، مجھے تو لگا تھا لمبے عرصے کیلئے غائب ہو گے۔" وہ اس پر طنز کر رہی تھی۔ خلیفہ اس کے طنز پر مسکایا اور چند تاروں کو ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ لگانے لگا۔

"کیوں بھئی میں کیوں غائب ہونے لگا؟ میں نے تو کسی کو قتل بھی نہیں کیا۔" وہ جانتا تھا معروش کلب میں ہوئے ریڈ کی بابت اسے طنز کر رہی ہے۔ اس ریڈ میں بیشک بلواسطہ ان لوگوں کا نام نہیں آیا تھا لیکن بلاواسطہ اور ناظمہ کے جھوٹے بیان کی تحت اس پر کیچڑ ضرور اچھالا گیا تھا جس کی وجہ سے اس ملک میں موجود انٹیلی جنس ایجنسیاں بالآخر خلیفہ تبریز کے کام اور اس کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنا شروع ہو گئی تھیں۔ وہ بھی کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں تھا۔ ایک عرصے تک اس نے سی آئی اے میں کام کیا تھا اور پھر وہاں کے غداروں کے ساتھ اس کے کانٹیکٹ رہے تھے۔ کون، کون ہے یہ وہ اچھے سے جانتا تھا تبھی تو آج پاکستان میں انتہائی سیف کھیل رہا تھا۔

"قتل تو تم کرو گے وہ بھی اپنا، بس وہ وقت آنے کی دیر ہے۔"

وہ اس کی بچگانہ سی بات پر قہقہہ لگا گیا بونٹ کو تھا سے بند کرتے ہوئے اپنی سحر انگیز نگاہیں اس کی آنکھوں میں ڈالیں اور بولا۔

"تم کہو تو ابھی کر دوں اتنا لمبا عرصہ انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

معروش کے چہرے پر حقارت کے رنگ دوڑنے لگے۔
"مجھے عابد کی بیٹی کا بتاؤ کہاں ہے وہ؟" گدلے بادلوں سے ڈھکا لاہور اس وقت خنک ہواؤں کو خود میں سموئے ہوئے تھا۔ وہ ہوائیں چھوٹے چھوٹے بگولوں کی صورت بڑی بڑی اینٹوں سے بنی سڑکوں پر یہاں وہاں اڑتی دکھائی دے رہی تھیں۔ معروش اور خلیفہ سے کچھ فاصلے پر بھی وہی بگولے اڑ رہے تھے۔ اکا دکا گاڑیاں وہاں سے وقفے وقفے سے گزر رہی تھیں۔
"کیا آفیسر اتنی پراثر گفتگو کے درمیان تم کیا بورنگ سوال لے کر بیٹھ گئی ہو۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ اب بھی تمہاری سوئی اس عابد کی بیٹی پر ہی اٹکی ہوئی ہے۔" وہ جیسے بہت زیادہ بدمزہ ہوا تھا۔ اس کی سائیڈ سے نکل کر گاڑی کی کھڑکی سے ہاتھ ڈال کر اس نے اگنیشن میں لگی چابی کو نکال کر دوبارہ ڈالا۔ تھوڑی سی جہت کے بعد کار سٹارٹ ہونے کا عندیہ دے رہی تھی۔
"تمہاری کوئی بیٹی یا بہن نہیں ہے نا اس لیے اتنی آسانی سے عورتوں کی عزت سے کھیل لیتے ہو۔ جس دن ان دونوں میں سے کسی بھی ایک چیز پر ملکیت حاصل کرو گے تب پوچھوں گی تم سے کہ ایک عورت کی عزت کی کیا اہمیت ہوتی ہے۔"
چابی پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑی تھی۔ اچانک سے یمن کا مسکراتا ہوا چہرہ اس کی نگاہوں سے سامنے آیا جسے لمحے کے ہزارویں حصے میں ہی اسے جھٹک کر وہ سیدھا ہوا اور جھٹکے سے مسکا کر کہنے لگا۔ حالانکہ دل میں نامعلوم سی ہلچل اس کی بات نے مچا دی تھی۔ اس طرح کی بات زندگی میں پہلی بار اسے چبھی تھی، وہ ضرور اس کے بارے میں سوچے گا۔ اس نے دل میں عہد کیا اور اپنے سابقہ لہجے میں معروش سے کہنے لگا۔
"اس ملک میں نا خطاب بہت اچھے اچھے دیے جاتے ہیں پھر چاہے وہ سیاستدان ہوں یا عام شہری یا پھر آپ کی طرح عوامی خدمت کا کارندہ۔ گولڈن ورڈز تو ایسے فری میں بانٹتے ہو آپ لوگ جیسے اس میں پی ایچ ڈی کر رکھی ہو۔ ویل میرے پاس عابد کی بیٹی دینے کا ایک سولیوشن ہے۔ میرے ساتھ ڈیٹ پر چلو میں تمہیں عابد کی بیٹی دے دونگا۔"
معروش منہ بناتے ہوئے اس خبطی کے سائیڈ سے نکل کر کار میں بیٹھی۔ اسے بالکل بھی اس جھوٹے کی بات

پر یقین نہیں تھا۔

"جیسے تمہاری زبان پر میں یقین کرونگی۔" اونچی آواز میں بڑبڑاتے ہوئے اس نے گاڑی سٹارٹ کی اور اس کے سامنے سے بھگا کر لے گئی۔ اس نے بیک مرر سے خلیفہ کو بھی اس کی کار میں بیٹھتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ ہر صورت اس سے عابد کی بیٹی لینا چاہتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی یہ انسانی درندے اسے کس کام کیلئے استعمال کریں گے۔ وہ یقیناً واصف کے بیٹے کی طرح اسے بھی عرب بھیج دیں گے جہاں اس بچی کو اونٹ ریس میں ڈال دیا جائے گا۔

اونٹ ریس بدو قبائل کا روایتی کھیل ہے جو عرصہ پہلے اپنے پرانے طریقوں سے کھیلا جاتا تھا لیکن آج کل کے جدید دور کے تقاضے کے تحت اس پرانے کھیل کو جدید کھیل میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس کھیل کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اس کھیل میں بچوں کو اونٹ ریس میں بطور سوار استعمال کیا جاتا ہے۔ یونیسیف اور دیگر غیر سرکاری تنظیموں کے مطابق بچوں کو اونٹ کی پشت پر اچھے سے باندھ دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اونٹ تیز دوڑتے ہیں۔ اس دوڑ کی وجہ سے اکثر بچے اونٹ کی پشت پر ہی دوڑ کے درمیان اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ تپتے ہوئے ریتیلے علاقے میں اونٹ کی پشت پر جانوروں کی طرح بندھی وہ نازک جان کہاں اس کی سختی جھیل سکتی ہے بھلا۔ پانچ سے بارہ سال کے عمر کے یہ بچے بھلا اس بے رحم عمل کو جھیل سکتے ہیں؟ ہر گز نہیں۔ ان معصوم بچوں کو ایشیاء کے مختلف ملکوں سے انسانی اسمگلر متحدہ عرب امارات پہنچاتے ہیں، جن کو اسمگلر یا تو اغوا کرتے ہیں یا پھر ان کے غریب والدین کو خطیر رقم دے کر ان سے خرید لیتے ہیں۔ بھارت، بنگلہ دیش اور پاکستان جیسے غریب ممالک ان اسمگلروں کا ہدف رہے ہیں۔ پاکستان کی مخدوش حالت کی وجہ سے سینکڑوں کی تعداد میں یہ بچے اسمگل ہو کر متحدہ عرب امارات میں ٹرانسفر کیے گئے ہیں، اسمگل کیے جانے والے زیادہ تر بچوں کا تعلق بہاولپور، رحیم یار خان، ڈیرہ اسماعیل خان، حیدر آباد، سکھر اور قرب وجوار کے دیگر گاؤں رہے ہیں۔ یوں تو یو اے ای کی حکومت نے پینتالیس کلوگرام کے وزن اور چودہ سال کی عمر سے کم بچوں کی اونٹ سواری پر پابندی لگادی ہے لیکن قانون کو توڑنے والے ابھی بھی اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کم عمر بچوں کو اس میں استعمال کر رہے ہیں۔ 2005ء میں ایک سو پچاسی بچوں کو یو اے ای سے ملک بدر کیا گیا تھا جن میں سے ایک سو ایک بچوں کو ان کے

اصل والدین کے حوالے کیا گیا جبکہ چراسی بچے ابھی تک چائلڈ پروٹیکشن اینڈ ویلفیئر بیورو، حکومت پنجاب، لاہور کے پاس ہیں جن کے حقیقی والدین اوران کے گھربار کی ابھی تک شناخت نہیں ہوسکی ہے۔ اس وقت تک سال 2005ء کے دوران، 69 کیسز پاسپورٹ سرکل لاہور میں درج ہوئے ہیں ان مقدمات کے اندر چونسٹھ والد اور پندرہ والدہ کو بطور سہولت کار حراست میں لیا گیا ہے۔ تفتیش کے دوران تین ایجنٹ اور تین ذیلی ایجنٹ گرفتار کیے گئے ہیں جو کہ ابھی تک جیل میں ہیں۔ نئی معلومات کے مطابق دوایجنٹ لقمہ اجل جبکہ باقی ضمانت پر ہیں اوراب تک 254 مقدمات کے چالان عدالت میں داخل کر لیے گئے ہیں جن میں کسی بھی ملزم کو سزادی گئی ہے اور نہ ہی انہیں بری کیا گیا ہے۔

ایشیائی والدین اپنے بچوں کی طرف سے ایسے آنکھیں بند کر لیتے ہیں جیسے وہ ان کے نہیں بلکہ کرائے کے بچے ہوں جنہیں کچھ بھی ہوجائے ان کی بلا سے۔ یہ جو پاکستان میں آئے روز ہزاروں کی تعداد میں بچے اغوا ہوتے ہیں، بچیاں زیادتی کا نشانہ بنا کر غائب کر دی جاتی ہیں توکسی نے سوچا ہے وہ کہاں جاتی ہیں؟ کیوں اب تک کوئی گمشدہ بچہ ان کے سرپرستوں کو نہیں مل سکا؟ کیوں ہماری سوکالڈ پولیس لاکھوں اینٹھنے کے بعد بھی ان بچوں کو ڈھونڈ نہیں پائی؟ کیوں اب تک کوئی بھی گمشدہ بچہ ملک کے کسی بھی کونے سے برآمد نہیں ہوا کہیں دیکھا نہیں گیا؟ کبھی سوچا ہے اس بارے میں؟ کوئی نہیں سوچتا کیونکہ ہماری سوچ بس یہیں تک اٹک جاتی ہے کہ گم ہوا بچہ کسی فقیر کمیونٹی کے ہاتھ لگ گیا ہے جو انہیں مفلوج کر کے ان سے اپنا بزنس چلواتے ہیں۔ ہم بس یہاں تک ہی سوچ سکتے ہیں جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ٹھیک ہے گداگر کمیونٹی اس برے کام میں ملوث ہے لیکن اب صرف اس کا نام ہی مشہور ہے۔ چند ایک بچے ہوتے ہیں جو اُن کے ہاتھ لگتے ہیں باقی بچے یا تو عرب بھجوا دیے جاتے ہیں یا پھر ان نائٹ بارز میں وہ شرمندہ کام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جو ان کی کچی عمر کو کھا جاتا ہے۔ پلیز اپنے بچوں کی خود حفاظت کریں۔ وہ اگر گھر کی دہلیز پر بھی کھڑا ہو تو اسے دیکھیں۔ سکول، ٹیوشنز انہیں خود پک اینڈ ڈراپ دیں۔ کسی بھی شاپ میں خواہ وہ بچہ ہو یا بچی انہیں اکیلا مت بھیجیں۔ اگر آپ لوگوں کو اپنے بچوں کی عزت، ان کی جان پیاری ہے تو ان پر نظر رکھیں، ان کی حفاظت کریں نہیں تو خود کو ان کی دائمی جدائی کا عذاب جھیلنے کیلئے تیار کر لیں کیونکہ کوتاہیاں زیادہ تر عذاب ہی دیا کرتی ہیں۔

معروش کو اسی چیز کی فکر تھی کہ جس طرح واصف کا بیٹا چھوٹی سی عمر میں اس خطرناک اور بے رحم کھیل کی وجہ سے اس دنیا سے چل بسا، کہیں وہ لوگ عابد کی بیٹی کو بھی اس کھیل کی نذر نہ کر دیں۔ اس نے اپنی سی کتنی کوشش کی کہ وہ عابد کی بیٹی کا پتا لگا سکے لیکن بہت ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد بھی وہ اس معصوم کو ڈھونڈ نہیں سکی تھی۔

"خدا تمہیں اور تمہارے کالے کاموں کو غارت کرے خلیفہ تبریز۔" وہ کبھی کسی کو بددعا نہیں دیتی تھی لیکن یہ واحد بندہ تھا جو اس کے زبان کو بددعا جیسی چیز سے آلودہ کر دیتا تھا۔ اس نے ساری سوچوں کو جھٹک کر یوٹرن لیا اس کا رخ گھر کی جانب تھا۔

☆......☆......☆

کراچی کی بندرگاہ پر اس وقت بڑے بڑے بحری جہاز روانہ ہونے کیلئے تیار تھے۔ وہ جہاز بظاہر تو امپر ووڈ چیزیں ہی یہاں سے برطانیہ لے جا رہا تھا لیکن کسی کو کیا پتا تھا کہ ان چیکڈ چیزوں کے اندر کیسے کیسے انسانی خاتمہ کی چیزیں چھپی ہیں۔ بڑے کنکریٹ کے ٹیوب میں کس قدر اسلحہ بھرا ہے۔ سیمنٹ کی بوریوں میں ہیروئن کی وافر مقدار چھپی ہے اور اس بحری جہاز کے خفیہ تہہ خانے میں وہ بارہ لڑکیاں دبکی بیٹھی ہیں جو پاکستان کے مختلف شہروں سے اغواء کر کے باہر ملک اسمگل کی جا رہی ہیں۔ وہ تہہ خانہ ایسے رازداری سے بنایا گیا ہے کہ پورے جہاز کو بھی الٹ دیا جائے تب بھی وہ کسی کو نہ ملے۔ ہارن بجا اور اس جہاز کو چلنے کا اشارہ دیا گیا۔ آہستہ آہستہ اس جہاز نے ساحل سطح کو چھوڑا اور پانی کو چھوتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

"تم سب اتنی خاموش کیوں ہو؟" ان بارہ لڑکیوں میں سے ایک نے اندھیرے میں سوال کیا۔ اس جگہ نیم اندھیرا تھا مگر وہ لوگ ایک دوسرے کو دیکھ سکتی تھیں کیونکہ ان کی آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہو چکی تھیں۔

"بول کر کیا کریں گے؟" کسی ایک نے پوچھا۔ آواز ویسی ہی تھی پژمردہ سی۔

"دل ہلکا ہوگا، وہ خوف جو آگے ہونے والے متوقع ظلم سے ہمارے بدن کو ان دیکھی آگ میں جلا رہا ہے وہ ختم ہوگا۔ کچھ بولو پیاری لڑکیو، آگے ہمیں پھر بولنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔" وہ لڑکی تھوڑی سی کھسک کر آگے کو ہوئی اور ان باقی گیارہ لڑکیوں کو دیکھ کر گویا ہوئی۔ وہ سب کم عمر تھیں۔ لگ بھگ انیس بیس سال کیں۔

"ماما نے کہا ہم اپر کلاس لوگ ہیں ہم پر پاٹیز سوٹ کرتی ہیں جاؤ اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ نتھیا گلی کے گھر

میں ہونے والی پارٹی انجوائے کرلو، نہیں گھبراؤ نہیں میں نے ایسی ہزاروں پارٹیز جوائن کی ہیں اس میں ڈرنے کی بات نہیں۔ تم میری بیٹی ہو تو میری طرح بہادر ہی رہو۔ ان مڈل کلاس لڑکیوں کی طرح کیا یہ، میں، وہ کر رہی ہو۔" اس کی آواز اس نیم اندھیرے کمرے میں گونجتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ باقی کی گیارہ لڑکیاں دم سادھے اس کی کہانی سن رہی تھیں جو کہ یہ تھی۔

"میں لاہور سے نتھیا گلی گئی اور نتھیا گلی سے یہاں آ گئی، میری ماما نے تو مجھے میرے بوائے فرینڈ کے ساتھ وہاں بھیجا تھا یہ سوچ بنا کہ وہ مجھے یہاں بھیج دیگا۔ تم سب جانتی ہو وہ اسی گینگ کا حصہ ہے۔ میرے ساتھ لمز میں پڑھتا تھا۔ اس نے مجھے آہستہ آہستہ اپنی محبت کے جال میں پھنسایا اور میری ماما کی نظر میں ہیرو بن کر مجھے اس مقام تک لے آیا۔ جانے اس نے آج تک کتنی لڑکیوں کو ایسے ٹریپ کیا ہوگا۔" وہ گہرے دکھ کے زیر اثر کہہ رہی تھی۔ اس کی سٹوری بھی ان تمام لڑکیوں کی طرح ہی تھی۔ بس تھوڑی سی ردو بدل ہوئی تھی اس میں اور کچھ نہیں۔" کتنوں کو جھوٹی محبت میں پھنسا کر قید خانے میں بھیجا ہوگا، کتنی آہیں و بدعائیں اس نے لی ہونگی، وہ کس قدر چالاک انسان ہے کیا پتا وہ سٹوڈنٹ ہو بھی نہ۔ اس کا ہدف ہی ہماری جیسی لڑکیاں ہوں اس لیے وہ مہنگی کاریں اور ڈھیر سارا پیسہ جیب میں لے کر یہاں پر جھوٹے ایڈمیشن کی بنیاد پر خود کو سٹوڈنٹ ظاہر کرتا ہے۔ کاش میں اس کی محبت کے جال میں نہ پھنستی۔" وہ یہ کہتے ہوئے رو دی۔ اس کے رونے کی آواز اس سناٹے میں کسی بدروح کے رونے جیسی لگ رہی تھی جو اپنی تکلیف میں آہ و بکا کرتی ہے اور کوئی اس کو سننے والا نہیں ہوتا۔ فقط اس کے، جسے وہ چاہے۔

"ہم لوگ خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مارتے ہیں۔ ہمارے لیے ہمارا اسٹیٹس ہماری دولت ہی سب کچھ ہوتی ہے۔ اس دولت کے نشے میں اپنی عزت کی حفاظت تو ہم بھول ہی جاتے ہیں۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ جس عزت کو ہم کھلونے کی طرح اپنی مرضی سے کھیل رہے ہیں۔ اسے کوئی اور بھی اس سے بدتر طریقے سے کھیل سکتا ہے۔" اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر رونا شروع کر دیا تھا۔

"مت رو اب۔ رونے سے کچھ حاصل نہیں۔ اب یہ جہاز سیدھا دوزخ کے راستے ہی جا کر رکے گا۔ وہ دوزخ جس میں ہمیں جلایا جائے گا۔" کوئی دوسری بہت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔ اس بیسمنٹ میں

پٹرول کی محسوس کی جانے والی بو تھی اور ایک عجیب سی حبس بھی۔

"لیکن یونس علیہ السلام تو مچھلی کے پیٹ سے نکل آئے تھے نا، انہوں نے بھی کچھ عرصہ پانی میں گزارا تھا۔ تکلیف سہتے ہوئے پھر اللہ سے دعا کی تھی اور اس رب نے وہ دعا قبول کر لی تھی اور وہ بچ گئے تھے۔ جس طرح وہ بچے تھے ہم بھی بچ سکتے ہیں اگر صدق دل سے اللہ سے دعا کریں تو، آؤ ہاتھ اٹھاؤ اور اشک چھلکاؤ وہ اللہ ضرور سنے گا ہماری فریاد، ہم ضرور بچ جائیں گے۔" وہ سکارف والی لڑکی پر عزم لہجے میں اپنے ہاتھ اندھیرے میں بلند کیے ان سب کو دیکھ رہی تھی۔ باقی کی گیارہ لڑکیاں ہاتھ اٹھانے کی بجائے سر جھکا گئیں۔ سب کے لفظوں نے ایک دوسرے کو تھاما اور کہنے لگیں۔

"ہم بہت گناہ گار ہیں وہ ہماری نہیں سنے گا، ہم سب نے شرابیں پی ہوئی ہیں وہ کیونکر حرام منہ سے نکلے لفظوں پر کان دھرے گا۔ اسے تو ہم سے نفرت ہوگی نا۔"

سکارف والی لڑکی کی آنکھیں اشک چھلکانے لگیں۔ اس کا دل بیٹھنے لگا۔

"تم لوگ کتنی مایوس ہو، اپنی طرف سے کیسے قیاس لگا سکتی ہو کہ کافروں کی سننے والا تم مسلمانوں کی نہیں سنے گا، تم لوگوں نے اللہ سبحان تعالیٰ کو کتنا غلط جج کیا ہے۔ توبہ کر لو ابھی ورنہ وہ واقعی خفا ہو جائے گا۔" اس سکارف والی کے آنسو بہنے لگے۔ اسے اللہ کے قہر سے ڈر لگتا تھا لیکن وہ جانتی تھی جہاں وہ قہار ہے وہیں وہ رحیم بھی ہے۔

"ہمارے گناہوں کی سزا ہے یہ ہم جانتے ہیں جتنی بھی دعا کر لیں۔ نہیں بچیں گے۔" کوئی ایک پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وہ سب اپنے خوفناک مستقبل کو لے کر پل پل مر رہی تھیں۔ جانے آگے ان کے ساتھ کیا ہو۔

"مکافات عمل ہے یہ۔ ہمارے بڑے بزرگ معصوم لڑکیوں کی عزتوں کے ساتھ کھیلتے تھے آج ہمارے ساتھ ہو رہا ہے، میں جانتی ہوں وہ لوگ ہم سے کیا کروائیں گے، وہ، وہ ہمیں نیلام کر دیں گے پوری دنیا ہمیں دیکھے گی۔" سکارف والی لڑکی کا دل بیٹھنے لگا۔ اسے لگا یہ رات ختم نہیں ہو رہی بلکہ وہ ان کی زندگی ہے جو پل پل اپنے اختتام کو پہنچ رہی ہے۔ اسے اللہ پر یقین تھا اس کا دل کہہ رہا تھا وہ لوگ بچ جائیں گے۔ بھلے ان لوگوں سے ماضی میں غلطیاں ہوئیں مگر ابھی یہ ان کا حال ہے جس میں وہ توبہ کر رہے ہیں اور توبہ کیلئے تو کوئی وقت یا پھر میعاد

نہیں ہوتی۔ وہ تو کبھی بھی کہیں بھی کی جا سکتی ہے اور سننے والا اسے کبھی بھی کسی بھی وقت سن سکتا تھا۔

رات کا پردہ آہستہ آہستہ سرک کر آسمان کو بیدار ہونے کی دعوت دے رہا تھا۔ سیاہی کے چھٹتے ہی دن شروع ہوا اور ایک غیر معمولی سی چہل قدمی باہری دنیا میں شروع ہو گئی مگر اس تبدیلی سے اندر بند وہ بارہ لڑکیاں بالکل بے خبر تھیں کیونکہ ان کا پڑاؤ ایسی جگہ تھی جہاں وہ خود کو بھی سن لیں تو بہت بات ہے۔

اچانک اس تہہ خانے کے دروازے کے کھلنے کی آواز آئی۔ وہ سب لڑکیاں جو ایلیٹ کلاس سے تعلق رکھتی تھیں اور ایک پل کو بھی نہیں سوئی تھیں ان چار پانچ ہٹے کٹے نوجوانوں کو دیکھ کر گھبرا گئیں۔ وہ لوگ گولی کی اسپیڈ میں اندر آئے اور سب کے چہروں پر باری باری سیاہ شاپر ڈالنے لگے۔

"خبردار، کسی نے چوں کی آواز بھی نکالی تو گن مشین سے بھون کر رکھ دونگا، چلو۔" ان سب کو آگے کی جانب دھکیل کر وہ ان کے پیچھے تھا۔ دو آدمی ان لڑکیوں سے آگے چل رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں بھی بندوقیں تھیں اور بلٹ پروف جیکٹس انہوں نے اپنے جسموں پر پہنے ہوئے تھے۔ وہ سب ان مسلح افراد کی معیت میں چلتی ہوئی باہر آئیں۔ ٹھنڈی ٹھار ہواؤں نے ان لوگوں کو ویلکم کیا تھا۔ شاید یہ جہنم کا سب سے نچلا درجہ تھا جس میں وہ بارہ لڑکیاں ڈالی جا رہی تھیں۔ کپکپاتے وجود کے ساتھ وہ سب چلتی ہوئیں اس شپ سے نیچے اتریں اور پیچھے بندھے ہاتھوں کے ساتھ آگے بڑھنے لگیں۔

"ہینڈز اپ۔ بھاگنے کی کوشش مت کرنا ورنہ تم لوگوں کو یہیں ختم کر دیا جائے گا۔" اچانک دور سے انہیں پولیس کے فائر کی آواز آئی تو وہ مسلح افراد جو انہیں دھکیلتے ہوئے وین میں منتقل کر رہے تھے ایکدم الرٹ ہوئے اور ان لڑکیوں کو جتنی جلدی ہو سکے اس میں ڈال رہے تھے۔ وہ لوگ دیکھ رہے تھے کہ پولیس کی بھاری نفری ان کی سمت بڑھ رہی ہے۔ چار پانچ لڑکیاں ابھی وین میں چڑھنے سے رہتی تھیں جن میں وہ سکارف والی لڑکی بھی تھی جو سب سے لاسٹ میں تھی۔ ابھی اس نے وین کی سطح پر پاؤں ہی رکھا تھا کہ پولیس کی ایک گولی اس کے شانے کو چھو کر نکل گئی۔ وہ کراہاتے ہوئے نیچے گری تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ لوگ اسے اٹھاتے وہ اسے وہیں خون میں لت پت چھوڑ کر اپنی وین اڑا لے گئے تھے۔ وہ اسکارف والی لڑکی ان پولیس والوں کے ہاتھوں لگ گئی تھی لیکن وہ اس جہنم میں جانے سے بچ گئی تھی۔ اس کی دعا رنگ لائی اس کا یقین رنگ لایا۔ بے شک اللہ پر توکل انسان کو

ہر بری شے سے بچا دیتا ہے۔

"مجھے برطانیہ میں ہونے والے ریڈ کے بارے میں پتا چلا ہے، میں نے وہاں کی پولیس کو میل کر دی ہے۔ واثق امید ہے کہ وہ اس لڑکی کو ہمیں دے دیں گے جو اس ریڈ کی صورت میں انہیں ملی ہے۔ میرا دل کہہ رہا ہے وہ لڑکی بہت کچھ جانتی ہے۔" وہ اس وقت آئی جی کے آفس میں آناً فاناً پہنچی تھی۔ وہ معروش کی بات سن کر کرسی کی بیک چھوڑ کر بیٹھے، باہر سے بارش کے برسنے کی آوازیں آ رہی تھیں جبکہ اندر اس ٹھنڈے موسم میں انور ترائے سی گرم ہوا پھینک رہا تھا جس کے سبب محسوس کی جانے والی گرماہٹ تھی جو اعصابوں کو بہت بھلی محسوس ہو رہی تھی۔

"ممکن ہے ایسا ہو، عین ممکن ہے کہ وہ تمہیں وہاں طلب کریں۔ اس فکر سے نکل جاؤ کہ وہ لڑکی کہیں بھی جا سکتی ہے اس وقت وہ برطانیہ کی پولیس کے شکنجے میں ہے۔ کوبرا کا سایہ بھی اس جگہ نہیں پڑ سکتا۔" وہ معروش کی جلدی بازی اور اس کے چہرے پر پھیلی پریشانی کی شکنوں کو دیکھتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں بولے۔ اسے اس چیز کی ہی ضرورت تھی۔ دل کو ہلکا محسوس کر کے اس نے گہرا سانس لیا۔

"تھینک یو، اگر آپ اس کیس میں میری مدد نہ کرتے یا پھر مجھے کوبرا کے کالر پر ہاتھ ڈالنے کی اجازت نہ دیتے تو یقیناً میرا اعتماد پاکستان کی ہر قسم کی پولیس سے ہٹ جاتا۔ آپ نے ثابت کر دیا اس نظام میں ہر کوئی برا نہیں ہے اچھے لوگ بھی یہاں پائے جاتے ہیں۔" وہ آئی جی کو اپنے باپ کی جگہ سمجھتی تھی اور بالکل اسی طرح آئی جی کو بھی معروش اپنی بیٹی جیسی لگتی تھی جو عرصۂ دراز پہلے میڈیکل میں سلیکٹ نہ ہونے کی وجہ سے خودکشی کر بیٹھی تھی۔ وہ ڈر گئے تھے انہیں لگ رہا تھا جس طرح ان کی بیٹی نے فقط ایک ناکامی کے سبب اپنی جان دے دی تھی اسی طرح اگر وہ معروش کو اس کیس پر عمل کرنے سے روکیں گے تو وہ بھی کچھ نہ کچھ کر بیٹھے گی کیونکہ انہوں نے اس کی آنکھوں میں اپنی بیٹی کی طرح ہی جنون دیکھا تھا۔

"تم کامیاب ہو کر آؤ اور یہاں سے بے فکر ہو کر جاؤ، یہاں کا چارج حفیظ سنبھال لے گا۔ اللہ تمہارا نگہبان ہو" معروش نے کھڑے ہو کر انہیں سلوٹ مارا اور مرحبا کہتی ہوئی باہر آ گئی۔ آج رات اسے برطانیہ کیلئے نکلنا تھا۔

☆......☆......☆

"ایک لڑکی کے پکڑے جانے سے فرق نہیں پڑتا، یقیناً وہ ڈر کے مارے کچھ نہیں بولے گی اور یہ بھی ہو سکتا

ہے کہ وہ پولیس کی لگی گولی کو برداشت نہ کر پائی ہو۔ صدمے میں چلی گئی ہو۔" سمندر خان گالف اسٹک سے گیند کو ہٹ کرتے ہوئے بولے تھے۔ اس وقت پورے لاہور میں بارش ہو رہی تھی لیکن ان کا گالف کلب بالکل سوکھا تھا۔ وجہ وہ چھت تھی جو اس جگہ کو مکمل طور پر ڈھک چکی تھی تبھی وہ نرم ریشم جیسی سبز گھاس پر اپنا پسندیدہ کھیل، کھیل رہے تھے۔ ان کا ساتھی کھلاڑی خلیفہ تھا۔ دونوں نے ایک جیسی ہی ڈریسنگ کی ہوئی تھی۔ گرے ٹی شرٹ تھی جس کے بائیں شانے پر ان کا خود کا لوگو بلیک کو برا بنا ہوا تھا اور اس کے ساتھ گھٹنوں تک آتے شارٹس تھا اور سر پر پی کیپ تھی۔ خلیفہ کے بال آج بھی کھلے تھے۔ سمندر خان کے بعد اس نے بھی اپنی بال کو ہٹ کیا تھا آج وہ پھر ان پر سبقت لے گیا۔

"بات ایک لڑکی نہیں خان، بات مخبری کی ہے۔ ایسا کون ہے برطانیہ میں جس نے ہماری مخبری کی؟ ٹائم میں گڑبڑی ہوئی تھی ورنہ عین ممکن تھا وہ ہمارا اسلحہ بھی پکڑ لیتے۔ صورتحال کے پیش نظر ایسا لگ رہا ہے جیسے مجھے دوبارہ وہاں جا کر اپنی سی کھوج کرنی ہوگی کیونکہ اب مجھے ان پرائیویٹ جاسوسوں پر یقین نہیں رہا۔" دوبارہ بال کو ہٹ کرتے ہوئے وہ عقاب سی نگاہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ خان کو ہمیشہ کی طرح اس کی بات دل پر لگی۔

"آہ خواجہ ریاض آہ۔ اگر یہ تم ہوئے تو تمہاری گردن ہوگی اور لاہور کی سڑک، خلیفے ختم کر دے اس جان کے وبال کو۔ چھوٹ دیکر ہم ہمارے لیے ہی مشکلات پیدا کر رہے ہیں، نئے ذرائع سے معلوم ہوا ہے عالمی منڈی میں اس خواجے نے اپنے پنجے گاڑنا شروع کر دیے ہیں۔ اگر یہ یونہی مزید کامیاب ہوتا رہا تو ہمارے لیے مشکلات کھڑی کر سکتا ہے۔ یوں بھی ہمارے سے فضول میں بغض باندھ کر ماضی میں وہ ہمیں خاصا نقصان پہنچا چکا ہے۔"

خلیفہ نے خان کی بات پر مسکا کر نچلا لب دانتوں میں لے لیا، اس کی گہری مسکان تھی اور دانتوں میں جکڑا نچلا لب تھا، چمکتی ہوئی شیری سی آنکھیں اور گہرے خطرناک عزائم۔

"نہیں خان، ابھی اس خواجہ کی ہڈی اتنی بھی مضبوط نہیں ہوئی کہ وہ ہمارے سے پنجہ لڑا سکے، ہاں وہ اس کوشش میں ضرور ہے لیکن یہ کوشش دن بدن اسے ناکامی کا منہ چٹا رہی ہے جس کی وجہ سے وہ بوکھلا کر غلطیوں پر غلطیاں کر رہا ہے۔ یوں بھی بوکھلایا ہوا انسان کسی بھی بیوقوف سے کم نہیں ہوتا۔ رہی ماضی کی بات تو اس وقت

اسے سابق وزیر کی پشت پناہی حاصل تھی جس کے دم پر وہ اڑ رہا تھا۔ یاد رہے وہ وزیر اس وقت قبر میں ہے۔ یہ بات درست ہے کہ ایک بڑے چکر کے عوض اس نے عالمی منڈی میں اپنا نام قابل غور کر دیا ہے اور بہت ساری رقم بھی حاصل کی ہے لیکن اس کی ملاوٹ کی عادت خاصی پختہ ہے۔ بہت جلد اس کے مال کو اس کے منہ پر مار کر کھائے شدہ پیسوں کا مطالبہ کیا جائے گا اور رہی بات مخبری کی، تو یہ وہ ٹاوٹ نہیں ہے یہ کوئی اور ہی بندہ ہے جو ہمیں پھنسانے میں جی جان سے لگا ہے اور سو فیصد یہ ہمارے بیچ کا ہی کوئی ہے۔" جہاں خان خلیفہ کی بات پر مطمئن ہوئے تھے وہی اس نئے انکشاف پر جھٹکا کھا کر رہ گئے۔ گالف اسٹک کو وہ زمین پر پھینک چکے تھے اور اب خلیفہ کے مقابل اس کی پراسرار آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"اس سب سے کیا مطلب ہے تمہارا؟ کہنا کیا چاہتے ہو۔" خلیفہ نے گردن کو تھوڑا ٹیڑھا کیا اور ایک سائیڈ پر مسکان کو لاتے ہوئے جیمز بانڈ کی طرح مخاطب ہوا۔

" گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔" اس کی آنکھوں میں وہ نام پڑھتے ہی خان کو ایک ساتھ بیشمار جھٹکے لگے۔ خلیفہ ان کی آنکھوں میں دیکھتا رہا اور وہ فلم کی طرح چلتی اس کہانی کو پڑھتے گئے جو خلیفہ مسکراہٹ کے ساتھ اپنی آنکھوں کی اسکرین پر سے رفتہ رفتہ گزار رہا تھا۔

" یہ بات نا قابل یقین ہے خلیفے اور اس پر دل کو اوہام ستا رہے ہیں۔" وہ سرخ چہرے کے ساتھ کہہ رہے تھے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی کے ابھی کچھ کر دیں۔

"پرسکون ہو جاؤ خان، ہم وقت کے بادشاہ ہیں۔ ہمیں کوئی نہیں ہرا سکتا، اس سب کو ویسے ہی چلنے دو جیسا چل رہا ہے۔ یوں ہمارا ہی فائدہ ہے انٹیلی جنس اور ڈی اے ای والے اس سب کی وجہ سے ادھر ادھر ہی بھٹکتے رہیں گے اور ہم اپنا الو ہر بار سیدھا کر لیں گے۔ بس اس کیلئے ایک مضبوط منصوبے کی ضرورت ہے جو یہ دماغ پہلے ہی سوچ چکا ہے۔ ابھی تو میں برطانیہ کا ایک چکر لگاتا ہوں دیکھتے ہیں وہاں کی کیا صورتحال ہے۔"

وہ دونوں ایک ساتھ چلتے ہوئے گالف کلب کی گاڑی میں آ کر بیٹھے۔ اسٹیرنگ خلیفہ کے ہاتھ میں تھا۔

"تم وہاں اصل شناخت سے مت جاؤ۔ یوں واقعی ہم لوگوں پر شک پختہ ہو جائے گا لیکن میری ایک بات مانو یہ جو چوزے پر نکال رہے ہیں ان کے کسی طرح پر کاٹ دو۔ میں کسی بھی قسم کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

خلیفہ نے چیونگم چباتے ہوئے ان کی بات پر اثبات میں سر ہلایا تھا۔ وہ کچھ سوچ میں تھا یا یوں کہہ لو اس کی سوچ میں کوئی تھا اور وہ اس وقت لیپ ٹاپ پر زور شور سے اسائمنٹ بنانے میں مصروف تھی۔

اس کے بال اس وقت ڈھیلے ڈھالے اسٹائلش سے جوڑے میں بندھے تھے جن کی دو لٹیں اطراف میں گری ہوئی تھیں۔ ہونٹوں پر ہلکے پرپل رنگ کی لپ اسٹک لگی تھی۔ آنکھوں میں گہرا کاجل تھا۔ ناخن شائنرز کی کوٹ کی وجہ سے چمک رہے تھے۔ اس نے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی میں تین انگوٹھیاں اوپر نیچے پہنی ہوئی تھیں۔ باقی اسی ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں باریک سی رنگ چمک رہی تھی جو کہ ایمرلڈ گولڈ کی تھی اور دوسرے ہاتھ کے انگوٹھے میں ایک دل آویز رنگ تھی وہ اسٹائلش سے گلاسز آنکھوں پر لگائے ان انگلیوں کو تیز تیز کیز پر چلا رہی تھی، چلاتے چلاتے اس نے نگاہ اپنے الٹے ہاتھ میں پہنی رولیکس پر ڈالی جو پونے ایک ہونے کا سندیسہ دے رہی تھی۔ اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے فائل کو سیو کیا اور لیپ ٹاپ کو بند کرتی دور اپنے گروپ کو دیکھنے لگی جو ٹک ٹاک جیسی فضول ایپ پر ویڈوز بنانے میں مصروف تھا۔ ان شارٹ اپنے لیے فری میں جہنم کا ٹکٹ خرید رہے تھے۔

"آفرین یمن آفرین کن نمونوں میں پھنس گئی ہو تم۔" اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے اس نے بیگ کو کندھے پر ڈالا اور اپنا سفید رنگ کا دوپٹہ سیٹ کرتی کیمپس کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

"اُفف جلدی جلدی چلو یمن۔ اس سے پہلے کہ میم یہاں سے چلی جائیں ان سے یہ پوائنٹ سمجھ لو نہیں تو کل کلاس میں میم انیسہ نے واٹ لگا دینی ہے۔" وہ اپنے لیپ ٹاپ کو سینے سے لگائے تیز تیز سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ اس نے پاؤں میں پیچھے سے کھلے جوگر پہنے ہوئے تھے جن کی آواز سیڑھیوں پر نہیں ابھر رہی تھی۔ وہ انہیں بوٹوں کے ساتھ کلاس کے دروازے کے پاس آئی اور آتے ہی رک گئی۔ وجہ وہ آواز تھی جو اس کی سماعت میں پڑی تھی۔

"یس میم بشریٰ، وہ تمام سگریٹیں میں نے سیل کر دی ہیں اور اس بار ڈبل قیمت پر سیل ہوئی ہیں لیکن آپ لوگ بھی اب اسٹوڈنٹ کے ساتھ زیادتی نہ کریں میں تین دن سے یہ شکایت سن رہی ہوں کہ ان سگریٹوں میں ہیروئن کی مقدار کم ہے۔ آپ خود بتائیں جب لوگوں کو نشہ ہی نہیں چڑھے گا تو وہ اپنے پیسے کیوں اس پر خرچ کریں گے۔"

یمن کے تو گویا پاؤں سے زمین کھسکی تھی۔اس کا دل حلق میں دھڑکنے لگا اور وجود تھر تھر کانپنے لگا تھا۔حیرت و بے یقینی کے پینڈولم میں جھولتی وہ دل کو تھام گئی۔اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی زوالوجی کی میم ایک اسمگلر ہو سکتی ہیں۔وہ میم جو اپنے اسٹوڈنٹس کو اپنی اولاد کا درجہ دیتی تھیں ان کی روحانی تربیت کرتی تھیں انہیں صحیح غلط کا درس دے کر بتاتی تھیں کہ وہ لوگ معاشرے میں ایک نیک اور اچھے فرد کی حیثیت سے کیسے ابھر سکتے ہیں۔وہی ایک درندہ صفت عورت ہے،لوگ اپنے اندر کتنی منافقت چھپا کر رکھتے ہیں۔پرت در پرت کتنے بھیانک روپ ہوتے ہیں بشر کے،اللہ بچائے اس کے شر سے۔اس کے آنسو نکلنے لگے،لبوں کو مضبوطی سے آپس میں جکڑ کر وہ مزید سننے لگی جو کہہ رہی تھیں۔

"نہیں کل صرف ایک ہزار ہی دینا۔اگر بک گئیں تو ٹھیک نہیں تو باقی میں آپ تک پہنچا دونگی یا پھر اگلے دن کیلئے رکھ لونگی۔"

"یمن!" کسی نے پیچھے سے آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔اس کی تو گویا روح ہی نکل گئی۔جھٹکے سے مڑ کر دیکھا تو وہ اس کی ایک کلاس فیلو تھی جو عجیب نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی بلکہ وہ خود ہی عجیب لگ رہی تھی کیونکہ وہ اس وقت اپنے وجود و حواسوں کو ہوا میں تحلیل کیے ہوئے تھی۔یمن اسے دیکھ کر جبراً مسکرائی۔

"میں تمہیں ہی ڈھونڈ رہی تھی۔کہاں تھی تم؟" اس نے کمال اداکاری سے کہا تھا اور آواز کو حتی المقدور دھیما ہی رکھا تھا تاکہ اندر بدستور باتوں میں مگن اس کی میم اسے سن نہ لیں۔

"میں تو یہیں ہوں،البتہ تم کچھ عجیب دکھ رہی ہو۔" وہ نشے میں تھی۔تبھی اسے یمن کا چہرہ تحلیل ہوتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔یمن اس کا ہاتھ تھامتی اسے اس گیلری سے باہر لے آئی۔

"تاشا،میں تمہاری بہنوں کی طرح ہوں،تم سے کچھ پوچھوں گی تو سچ بتاؤ گی۔" اس سے پہلے وہ ڈولتی ہوئی تاشا سے کچھ کہتی پیچھے سے ایک آواز آئی۔

"میں بتاؤنگی مجھ سے پوچھو کیا پوچھنا ہے۔" وہ میم انیسہ تھیں۔یمن انہیں دیکھ کر ڈر گئی مگر اس نے اس ڈر کو تاشا کے ساتھ کنیکٹ کر دیا۔

"میم،دیکھیں یہ نشے میں ہے،میں اس وقت آپ کو اس کی شکایت لگانے آ رہی تھی مگر یہ مجھے وہاں سے کھینچ

کر یہاں لے آئی۔ آپ، آپ فوراً اس کے گھر والوں کو کال کر کے بلائیں اور انہیں ان کی بیٹی کی اصلیت دکھائیں۔" پھنسنے سے بہتر تھا وہ اسے ہی پھنسا دے۔ میم انیسہ کا بازو پکڑتے ہوئے وہ کمال مہارت سے خود کا دامن بچا گئی۔ ایسا اس نے کیسے کیا۔ اسے بھی نہیں پتا تھا بس وہ اس وقت جلد سے جلد اس جگہ سے نکل جانا چاہتی تھی۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔" میم انیسہ پرسوچ لہجے میں گویا ہوئیں۔ وہ تو کچھ اور ہی سوچ بیٹھی تھیں مگر یمن کے خطا ہوتے حواسوں نے بتا دیا کہ وہ اس وقت صرف تاشا کیلئے ہی پریشان ہے۔ انہوں نے اپنا سر جھٹکا۔

"میں بھی نہ خواہ مخواہ چیزیں خود سے اخذ کرنے لگی ہوں۔ شاید اس سگریٹ نے مجھ ایسی جان پر بھی اپنی زور آزمائی کرنا شروع کر دی ہے۔" مسکراتے ہوئے وہ دل میں سوچ رہی تھیں مگر جب یمن سے مخاطب ہوئیں تو انداز بیحد سنجیدہ اور کڑک تھا۔

"اس تاشا پر مجھے کافی عرصے سے شک تھا۔ بٹ تھینکس ٹو یو کہ تم نے آج اسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ بے فکر ہو جاؤ یمن، میں کل ہی اس کے والدین کو بلا کر اس کی شکایت کرونگی۔ اب تم یہاں سے جاؤ اور اسے میرے حوالے چھوڑ دو اور ہاں اس بات کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کرنا۔ اپنی بہن سے بھی نہیں، کیونکہ لڑکیوں کی عزت بہت نازک ہوتی ہے بیٹا، ایک چھینٹا بھی پڑ جائے تو رسوائیوں کا پہاڑ ان کے سامنے آن کھڑا ہوتا ہے۔ آئی ہوپ کہ تم میرے بات سمجھ رہی ہوگی۔" ان کی مکاری پر ان کی جھوٹی اداکاری اور لفظوں کے کھیل پر یمن کا دل کیا ابھی کے ابھی ان کا بھانڈا سب کے سامنے جا کر پھوڑ دے لیکن وہ چپ رہی کیونکہ واقعی لڑکیوں کی عزت بہت نازک ہوتی ہے۔

"یس میم، میں سمجھ گئی۔" اپنے دل پر آنسو گراتے ہوئے وہ ہمت سے بولی تھی۔ میم نے آگے بڑھ کر اس کے گال پر ہاتھ رکھا۔

"گڈ گرل۔"

وہ وہاں سے آ گئی۔ آگے اسے کیا کرنا تھا یہ وہ اچھے سے جانتی تھی۔

☆......☆......☆

آج دوپہر کے وقت بھی خاصی خنکی تھی۔موسم سرد اور خشک معلوم ہوتا تھا۔ہوائیں کل کی تھمی ہوئی تھیں جس کے سبب محسوس کی جانے والی یخ بستہ سردی پورے لاہور پر چھائی ہوئی تھی لیکن اس سردی میں بھی سڑکوں کی رونق بحال تھی بلکہ یہ سردی ہی تو ہوتی تھی جس کا انتظار پورے پاکستانیوں کو ہوتا تھا۔دور افق پر اس بھری دوپہر میں جو شام کا منظر پیش کرتی تھی آسمان پر اڑتے واحد پرندے نے حبیب بک اینڈ بیکرز کے باہر دونوں ہاتھوں کو رگڑتے ہوئے ایک بہت ہی پیارے سے لڑکے کو جاتے ہوئے دیکھا۔وہ پیدل سوار تھا۔اس نے ایش گرے رنگ کا پرانا سا لانگ کوٹ پہنا ہوا تھا۔کوٹ کے کھلے بٹنوں سے اس کی ہلکے نیلے رنگ کی گھسی ہوئی پینٹ اور سفید ہائی نیک دکھتی تھی۔پاؤں میں اس نے بہت ہی عام سے فلیٹ پہنے ہوئے تھے اور سر کسی بھی چیز سے عاری تھا۔اس کے کان سردی کی شدت سے سرخ تھے۔وہ ان سرخ کانوں اور دھواں اڑاتی ناک کے ساتھ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ہاتھ رگڑتا ایک سائیڈ پر اپنا بیگ لٹکا تا ہوا جا رہا تھا۔آسمان پر گول گول دائروں میں اڑتے اس واحد بھٹکے ہوئے پرندے نے دیکھا وہ لڑکا جس کا نام نوفل تھا اپنے سیل فون سے بار بار کسی کا نمبر ملا رہا ہے مگر وہ لگ نہیں رہا تھا تبھی اس کے چہرے پر عجلت تھی اور تھوڑی سی اکتاہٹ بھی۔

" کیا ہوا تم پریشان دکھتے ہو۔" وہ ایک لوکل کافی شاپ میں آ کر بیٹھا تو اس کافی شاپ کا مالک جس کا نام عمران تھا، نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔عمران اور اس کی اسی دن بنی تھی جب وہ حبیب بک اینڈ بیکرز میں جوائننگ کیلئے آیا تھا اور لنچ ٹائم اس نے یہاں آ کر سستی کافی پی تھی۔

" کچھ نہیں بھائی، بس اپنے ایک دوست کی وجہ سے پریشان ہوں۔ابھی کل ہی کی تو بات ہے جب وہ برطانیہ کیلئے نکلا تھا میں نے کہا بھی تھا اسے کہ جب وہ پہنچے تو مجھے کال کر دے مگر شاید اسے میں یاد نہیں۔" یہاں اس کے ایک دوست سے مراد معروش حبیب تھی جس نے واقعی اسے وہاں جا کر بھلا دیا تھا۔نوفل معروش کے اسی رویہ سے شدید دل برداشتہ تھا۔اس کے چہرے پر اس موسم جیسی خنکی چھائی ہوئی تھی۔زمانہ شناس عمران نے اس کے پریشان حال چہرے کے پیچھے چھپی اصل وجہ کو کھوج نکالا تو ایک مسکان آپ ہی آپ اس کے موٹے لبوں پر آن سمائی۔

"ایک وقت تھا جب میں بھی ایسے ہی اپنے کسی دوست کیلئے پریشان ہوا کرتا تھا۔بہت دکھ ہوتا تھا مجھے اس

کی بے رخی پر۔" اس نے کہتے کہتے کڑوی کافی کی چسکی بھری تو ایسا لگا جیسے یہ کڑواہٹ اس کافی کی نہیں بلکہ اس کی دوست کی بے وفائی کی دین ہو۔

"پھر؟" نوفل کو نجانے کیوں اس کی آواز میں اپنی آواز سنائی دی۔ عمران نے سر جھٹک کر نوفل کو دیکھا اور بھنویں اچکا کر بولا۔

"پھر یہ کہ میں میچور ہو گیا، موو آن کیا اور شادی کر لی۔ کم آن تجل کیوں ہو رہے ہو تمہارا چہرہ عیاں کر رہا ہے کہ تم کس دوست کی بات کر رہے ہو۔"

نوفل گڑبڑا سا گیا تھا۔ بھلا وہ کیوں اپنی اور معروش کی کسی کو بھنک بھی لگنے دے، ہرگز نہیں وہ یہ قطعی برداشت نہیں کریگا کہ کوئی معروش کو لے کر اسے چھیڑے یا پھر معروش کی ذات کسی غیر مرد میں اچھلے۔ اس نے جی کڑا کیا اور آواز کو سخت بنا کر کہنے لگا۔

"عمران بھائی! آپ بات کو غلط رخ دے رہے ہیں، میرا ایسا کوئی بھی سین نہیں اور نہ ہی مجھے یہ چیزیں پسند ہیں۔ میں پیار و محبت کا قائل نہیں بلکہ نکاح کا قائل ہوں۔ اگر آپ کے دل میں کسی کیلئے جذبے پنپ رہے ہیں تو ان جذبات کو محفل میں اچھالنے یا پھر مجنوں جیسا منہ بنا کر دنیا میں پھرنے کی بجائے، سٹیٹس لگانے کی بجائے، آپ ڈائرکٹ اس شخص کے گھر جا کر انہیں عزت سے مانگ لیں۔ اگر نصیب میں ہوگا تو اللہ ضرور اس شخص کو آپ کا کر دیگا اور اگر خدانخواستہ وہ انسان آپ کا نہیں ہے تو اسے اللہ کی رضا جان کر چھوڑ دینا اپنی زندگی کی نوٹ بک سے ریز کر دینا ہی بہتر ہے۔ یوں اس انسان کی عزت بھی محفوظ رہتی ہے اور آپ کی بھی محفوظ۔"

اس نے لمبی چوڑی بات کہہ کر ان ڈائرکٹ عمران کو طعنہ مار دیا جو اسے محسوس بھی ہوا۔ اس نے منہ بنایا اور آنکھیں ٹیڑھی کر کے نوفل سے کہنے لگا۔

"نوفل بیٹے، مجھے تم سے اس طنز کی توقع نہیں تھی۔ میں تو تمہیں ایک سیدھا سادھا سا انسان سمجھتا تھا جو بالکل بے ضرر ہو لیکن یار تم نے تو مجھے آج پاکستانی عورتوں کی طرح طعنہ مار دیا۔" نوفل کی منہ سے کافی نکلتے نکلتے بچی۔ اس نے تحیر سے عمران کے دھواں چہرے کو دیکھا جہاں واقعی بے یقینی ڈیرہ جمائے ہوئے تھی۔ اسے بالکل بھی اندازہ نہیں ہوا کہ وہ عمران کی کبھی کی بتائی ہوئی باتوں پر طنز کر بیٹھا ہے۔ شرمندگی اس کی گہری آنکھوں میں آن

سمائی۔ لبوں کو تر کرتے ہوئے اس نے پشیمان لہجے میں کہا۔

"عمران بھائی! اللہ پاک جانتا ہے میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں تو فرضی طور پر کہہ رہا تھا۔ اگر آپ کو برا لگا ہے تو میں معافی مانگ لیتا ہوں۔ میں واقعی شرمندہ ہوں۔ اگر میں نے انجانے میں ایسا کر دیا ہے تو۔" وہ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے پھیکا سا کہہ رہا تھا۔ اسے بہت برا لگتا تھا اگر اس کی ذات سے کسی کو تکلیف پہنچے چاہے پھر وہ اس کا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔

"یار نوفل، تم تو بالکل بچوں کی طرح ہو۔ کوئی نہیں اگر کہہ دیا تو، میری عادت ہے چیزوں کو لیٹ اٹ گو کرنے کی اور یہ میں نے تم سے ہی تو سیکھا ہے کہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کو انا کا مسئلہ بنا کر زندگی کا مزا برباد نہیں کرنا چاہیے۔ اب اٹھو میں تمہیں ایک چیز دکھاتا ہوں۔"

وہ اس کا ہاتھ تھامتا کھڑا ہو گیا تھا۔ نوفل پوچھتا رہا کہ وہ اسے کہاں لے کر جا رہا ہے مگر عمران نے ایک لفظ منہ سے نہیں نکالا اور اسے کھینچتا ہوا دوسرے کچن سے ملحق کمرے میں لے آیا جہاں ایک سیاہ کوٹ والا کرپٹ دکھتا بندہ جھوٹی مسکان چہرے پر سجائے اسے سلام کہتا کھڑا ہوا تھا۔

"وعلیکم السلام، جنوری کی دوپہر آپ کو مبارک ہو۔" وہ یہ کہتا سوالیہ نگاہوں سے عمران کو گھورتے ہوئے اس آدمی کے سامنے بیٹھا جواب میز پر رکھی فائل کھول رہا تھا۔

"مسٹر نوفل خان، میں نے سنا ہے کہ ایک حادثے کے تحت آپ اپنے تمام اوریجنل ڈاکومنٹس کھو چکے ہیں اور ایف آئی اے کے ریڈ کے سبب آپ لوگوں کا پڑا پوائنٹ بھی سیل کر دیا گیا ہے۔" وہ کالا کرپٹ بندہ اسٹیمپ شدہ اردو میں لکھی تحریر والے کاغذات اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پیوست تھیں۔ نوفل نے عمران جو کہ اس کے ساتھ بیٹھا تھا کو دیکھنے کے بعد اس کی انگلیوں کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"جی ایسا ہی ہے۔"

اس آدمی نے نیلے رنگ کی موٹی بڑی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی جس کے نگ میں سے کھوپڑی کی جھلک نظر آ رہی تھی۔

"صحیح، تو کیا ارادے رکھتے ہیں آپ کے، کیا آپ کو اپنی وہ تمام چیزیں چاہئیں؟" اس کی آواز بھی اسی کی

طرح بھاری تھی اور عجیب سی پراسرار بھی۔
"کون نہیں چاہے گا اپنی چیزوں کو لینا۔نوفل کو وہ آدمی پسند نہیں آ رہا تھا تبھی اس کے ماتھے پر تیوریاں تھیں۔
"ٹھیک ہے میں آپ کو آپ کی وہ تمام چیزیں دلوا دوں گا مگر اس کیلئے آپ کو تھوڑی سی ہمت کرنی ہوگی۔"
نوفل نے پھر عمران کی طرف دیکھا جو اَب شانے اچکا رہا تھا۔وہ تو سمجھا تھا کہ عمران نے اس آدمی کو یہاں بلایا ہے مگر عمران کے اس طرح شانے اچکانے اور نوفل کی طرح ہی بے آرام بیٹھنے سے پتا چل گیا تھا کہ یہ موصوف بن بلائے مہمان ہیں۔
"کیسی ہمت؟" نجانے کیوں اسے اپنے آس پاس سے خطرے کی گھنٹیاں بجتی ہوئی سنائی دے رہی تھیں۔اس کا دل بھی معمول سے ہٹ کر دھڑکنے لگا۔
"زیادہ کچھ نہیں کرنا ہوگا۔آپ کو ایک لیپ ٹاپ چرا کر دینا ہے یعنی جس شاپ میں آج کل آپ کام کررہے ہیں وہاں کی اونر کی واحد عزیزہ کا لیپ ٹاپ آپ نے اٹھا کر ہمیں سونپ دینا ہے۔اس ایک لیپ ٹاپ کے عوض آپ کو آپ کے ڈاکومنٹس اور آپ کا اپوائنٹ مل جانا ہے۔"
نوفل نے زوردار انداز میں اپنی مٹھیاں بھینچی تھیں۔اس کے پورے بدن کا خون اس کے چہرے پر آن سمایا تھا۔"واحد عزیزہ" سے کون مراد ہے یہ وہ اچھے سے جانتا تھا۔وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور غصے سے پھٹی آواز میں بولا۔
"دروازہ اس طرف ہے مسٹر کرپٹ وکیل اور ہاں کل سے آپ کو اس شاپ کے باہر لکھا نظر آجائے گا کہ غیر ضروری لوگوں کا داخلہ یہاں ممنوع ہے اس لیے آج کے بعد یہاں پھٹکنے کی کوشش بھی مت کرنا ورنہ بہت برا ہوگا،نکل جاؤ یہاں سے۔" جتنا غصہ نوفل کو آیا تھا اتنا ہی عمران کو بھی آیا تھا۔وہ زور زور سے اثبات میں سر ہلاتا اس کی تائید کرتے ہوئے بولا۔
"اور اگر تم غلطی سے بھی یہاں نظر آئے تو واللہ میں نے پولیس کو بلا لینا ہے۔تم جانتے نہیں ہو عمران خان کی کتنی پہنچ ہے یہاں۔" عمران اور نوفل پر نگاہ ڈالتا وہ کرپٹ آدمی فائل کو بند کرتے ہوئے کھڑا ہوا۔اس نے کوٹ جھٹک کر اس میں فائل کو رکھا اور ایک بھرپور نگاہ ان دونوں پر ڈال کر مخاطب ہوا۔

"خواجہ صاحب کو ناراض کرنا دانشوروں کا کام نہیں، یہ میرا وزٹنگ کارڈ ہے امید کرتا ہوں ایک کال تو اس پر ضرور آئے گی۔" وہ مڑا تھا۔ مڑتے ہوئے اس نے نوفل کے الفاظ سنے جو کہ یہ تھے۔

"ہاں تمہارے مرنے کے بعد نان سینس۔"

وہ آدمی دروازے کو عبور کر گیا۔ نوفل نے اس کارڈ کو اٹھا کر کئی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کرپٹ آدمی نے باہر نکلتے ہی گہری مسکان لبوں پر سجائی اور ایک میسج ٹائپ کیا جس میں لکھا تھا۔

"کام ہو گیا باس۔" پھر وہ اس لوکل شاپ کے داخلی دروازے کو بھی پار کر گیا تھا۔

"آئندہ یہ آدمی مجھے یہاں نظر نہ آئے۔ یہ کیا سمجھتا ہے کہ نوفل خان چور ہے اور اپنی ان چیزوں کے پیچھے چوری کرلے گا، اگر یہ کہتا نا نوفل خان تمہاری زندگی ایک چوری بچا سکتی ہے تو واللہ میں زندگی قربان کرنا پسند کرتا مگر وہ کام نہ کرتا جسے میرے نبی نے ناپسند فرمایا ہے۔ چور سمجھتے ہیں مجھے۔" وہ اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے گہرے سانس بھر کر غصہ کنٹرول کر رہا تھا۔ اس کے بال اس کی گلابی انگلیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ عمران نے تسلی آمیز انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"بالکل بے فکر ہو جاؤ یارا، وہ آدمی اب یہاں نظر نہیں آئے گا۔ یہ ایک پٹھان کا وعدہ ہے تم سے، جان لو پٹھان اپنی زندگی ہار دیتا ہے مگر وعدہ خلافی ہرگز نہیں کرتا، چلو اٹھو، اٹھ کر ظہر پڑھتے ہیں۔ وضو ہو گا تو یہ غصہ بھی رفع ہو جائے گا۔"

نوفل اس کے کہنے پر اثبات میں سر ہلاتا ہوا کھڑا ہوا۔ ایک تو پہلے اسے معروش کی فکر ستائے دے رہی تھی اوپر سے اس کرپٹ انسان کی باتیں، وہ جانتا تھا اس وقت نماز سے بہتر کوئی چیز نہیں تھی جو اسے سکون دے سکتی۔ یوں بھی مؤذن کی پہلی آواز ان لوگوں کے کانوں سے ٹکرا چکی تھی اس لیے دیر کرنے کی تو کوئی گنجائش ہی باقی نہیں بچی تھی کہ نماز میں دیری منافق کرتے تھے اور نوفل خان منافق نہیں تھا۔

☆......☆......☆

یہ برطانیہ کا سب سے بڑا ائرپورٹ تھا جس کے احاطے میں وہ اپنا چھوٹا سا ٹرالی بیگ گھسیٹ کر آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگائے کروفر سے چلتی ہوئی جا رہی تھی۔ اس کے دائیں بائیں دو مسلح باڈی گارڈ تھے جو بلیک کلر کی

یونیفارم میں ملبوس تھے۔ان کی آنکھیں بھی سیاہ چشموں سے ہی ڈھکی ہوئی تھیں اور انہوں نے اپنی رائفل کی نالی کو نیچے کیا ہوا تھا۔معروش ان دونوں کی معیت میں چلتی ہوئی ایک بلیک کار میں آ کر بیٹھی جو سیدھا ایک گھر نما آفس کے باہر آ کر رکی تھی۔ وہ اس گاڑی سے اتری اور چلتے چلتے گارڈ کو اپنا کارڈ دکھاتی راہداری کے آخری سرے پر واقع کمرے میں داخل ہو گئی جہاں لمبی میز پر کچھ سوٹڈ بوٹڈ آدمی اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم پھنسائے بیٹھے تھے۔دروازہ کھلنے پر سب کی مشترکہ نگاہ معروش کی جانب اٹھی جواب اپنا چشمہ اتار کر میز کی چکنی سطح پر رکھ رہی تھی۔اس کی گہری سیاہ آنکھوں اور سٹول میں مقید چہرے سے یہاں بیٹھے کافی آدمی مرعوب ہوئے اور ابروز آپ ہی آپ اٹھ گئیں۔وہ چشمہ اتار کر کرسی سنبھال رہی تھی۔

"ہیلو جینٹل مین! میں معروش حبیب ہوں اور میں پاکستان اسپیشل پولیس سے تعلق رکھتی ہوں، یہاں میں ایک کیس کے سلسلے میں آئی ہوں۔امید کرتی ہوں آپ لوگ میرے ساتھ تعاون کریں گے۔امید ہے میں لیٹ نہیں ہوئی ہوں۔" سب پر مسکراہٹ اچھالتے ہوئے وہ فائل کھول کر چند کاغذات ان کے سامنے رکھنے لگی تھی جسے ایک ممبر نے سب میں تقسیم کیا۔

"حال ہی میں یہاں کے پورٹ سے ایک گینگ کو پکڑنے کی کوشش کی گئی جس میں بدقسمتی سے وہ گینگ تو فرار ہو گیا لیکن ایک لڑکی آپ لوگوں کے ہاتھ آ گئی، میں اس لڑکی سے ملنا چاہتی ہوں اور اس سے کچھ انویسٹی گیشن کرنا چاہتی ہوں اگر آپ لوگ مجھے اجازت دیں تو۔" وہ بہت ٹھہرے ہوئے مگر مضبوط لہجے میں کہہ کر اب ان لوگوں کے منہ تکنے لگی تھی جن کی پرسنالٹی خاصی پراسرار تھی۔ان میں سے ایک شخص اپنے مائک کے آگے منہ کر کے بولا۔

"ویل مس معروش! ہم نے اس لڑکی کے بارے میں پتا لگایا ہے۔اس کا نام طیبہ ہے اور وہ ایک عبرانی لڑکی ہے، پاکستان اپنے دوستوں کے ساتھ ماؤنٹ کلائمبنگ کیلئے آئی تھی لیکن اسی دوران اسے وہاں سے اغواء کر کے سمندر کے راستے یہاں اسمگل کیا جا رہا تھا جو کہ بہت شرم کی بات ہے۔" وہ آدمی شاید اسے آزمانا چاہتا تھا تبھی طنزیہ انداز میں گویا ہوا۔معروش کو اس کی یہ بات شدید ناگوار گزری مگر وہ ضبط کر گئی کہ یہی حکمت عملی تھی۔

"ویل، شرم کی بات تو ہم دونوں کیلئے ہی ہے کیونکہ وہ وہاں سے اغواء ہو کر یہاں اسمگل کی جا رہی تھی۔ایم

شور اس سے دونوں ملکوں کی ساکھ کو نقصان پہنچے گا لیکن مجھے لگتا ہے اگر وہ لڑکی ہمارے ساتھ تعاون کرے تو ہم ضرور ان ناسوروں کو پکڑ سکتے ہیں جو عالمی دنیا میں ہم لوگوں کو برا ثابت کرنے پر تل گئے ہیں۔ کیا کہتے ہیں آپ سب؟" جان جان کر وہ "ہم" لفظ استعمال کر رہی تھی۔ اس کی بات کے دوران ہی وہ آدمی بار بار پہلو بدل رہا تھا گویا اسے معروش کی بات ناگوار گزر رہی ہو۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں، ہم لوگوں کو ضرور اس بارے میں سنجیدگی سے سوچنا چاہیے کیونکہ یہ معاملہ اب حد سے تجاوز کرتا جا رہا ہے۔ ہیومن ٹریفکنگ اور انسانی اسمگلنگ کے پَر کچھ زیادہ ہی پھیل گئے ہیں۔ اس سے پہلے کہ یہ اور پروان چڑھیں ہمیں انہیں کاٹنا ہوگا۔" ایک گرے داڑھی والا گورا چٹا مگر گریس فل آدمی اپنی باریک پنسل کو گھماتے ہوئے معروش کو سراہا رہا تھا۔ معروش نے اس کی بات پر ایک بار سر کو ہلا کر کہا۔

"پازیٹو۔"

"لیکن ایک مسئلہ یہ ہے کہ یہاں کی ایول پاورز کو جب بھی چھیڑنے کی جسارت کرو تو وہ اور قہر نازل کر دیتی ہیں۔ اس وقت یونیورسٹیز میں اسٹوڈنٹس کی بھرمار ہو رہی ہے جو مختلف ملکوں سے اپنے گھر بار چھوڑ کر یہاں اچھے مستقبل کیلئے پڑھائی کی غرض سے آ رہے ہیں۔ اگر ہم نے ان گینگز کے گریبان میں ابھی ہاتھ ڈالنے کا ارادہ کیا تو وہ ضرور اپنا زہر اسٹوڈنٹس کی نسوں میں اتار دیں گے جس سے ظاہری بات ہے ان کا مستقبل تو خراب ہوگا ہی ساتھ میں ہماری یونیورسٹیز اور ملک کے نام پر بھی اثر پڑے گا۔" ایک اور آدمی نے اپنی زبان کھولی تھی۔ معروش کو ان لوگوں پر حیرت ہوئی جس کا برملا اظہار اس نے کر بھی دیا۔

"مجھے حیرت ہے کہ آپ اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔ ٹھیک ہے ڈر ہر ایک پر غالب آتا ہے لیکن اس ڈر کو وجہ بنا کر پیچھے ہٹ جانا کہاں کی حکمت عملی ہے۔ فرض کریں اگر آپ ہاتھ باندھ بھی لیتے ہیں تو کیا یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا؟ نہیں، اس نے تو ویسے ہی چلتے رہنا ہے جیسے صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ برائی تب تک نہیں پھیل سکتی جب تک اسے مضبوط سہارا نہ ملے اور اگر ایک بار اسے وہ سہارا مل گیا تو برائی کا ختم ہونا بھی ممکن نہیں اس لیے مجھے لگتا ہے ہمیں سب سے پہلے ان "سہاروں" کو بے نقاب کرنا چاہیے۔ ان کی سپورٹ ختم کرنی چاہیے اور اس کے بعد ہی کوئی اور قدم اٹھانا چاہیے۔" وہاں موجود سب نے تالیوں سے اس کو سراہا تھا۔ ایک جوان آدمی

نے اپنا منہ مائک کے آگے کیا۔

"آپ کی سوچ اچھی ہے اور یہ کافی حد تک مجھ سے ملتی ہے کیونکہ یہ بات کل کی میٹنگ میں ہی میں نے کہی ہے۔ طلیبہ اس وقت بیہوشی میں ہے کل صبح آپ کی اس سے ملاقات کرا دی جائے گی تب تک کیلئے ہم سب آپ کو برطانیہ میں خوش آمدید کہتے ہیں۔"

سب اپنی اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے تھے۔ معروش نے بھی ان لوگوں کی تقلید کی تھی۔ وہ بھی اس کمرے سے باہر آئی اور گاڑی میں بیٹھ کر اپنے ہوٹل جانے لگی جہاں اس کا چند دنوں کا قیام تھا۔ بڑے سارے فائیو سٹار ہوٹل کی لابی میں جیسے ہی اس نے قدم رکھا باہر کی طرف کو جاتے ایک شخص سے بری طرح ٹکرائی۔

"یا اللہ دیکھ کر نہیں۔" اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی کیونکہ وہ شخص کوئی اور نہیں بلکہ خلیفہ تبریز تھا۔ معروش سے ٹکراتے ہوئے وہ اسے کوئی اور سمجھ کر بل شٹ کہہ کر آگے نکل جانا چاہتا تھا مگر اسے سامنے دیکھ کر خلیفہ کی آنکھوں میں خوشگوار حیرت آن سمائی۔ ہونٹوں میں پکڑے گلاسز کو اس نے گلے میں پہنی چین میں لٹکایا اور تعجب سے مغلوب لہجے میں کہنے لگا۔

"واٹ آ پلیزنٹ سرپرائز آفیسر، کیسی ہو؟" اس کا انداز ایسا تھا جیسے دونوں کی برسوں کی شناسائی ہو اور وہ دونوں بہت اچھے دوست رہ چکے ہوں۔ اس کے ساتھ چلتے آتے لوگوں کو اس نے ہاتھ کے اشارے سے جانے کیلئے کہا تھا۔ وہ مؤدب سے کھڑے گارڈ اس سے کئی فٹ کے فاصلے پر جا کر کھڑے ہو گئے۔ خلیفہ نے اپنے سر پر پہنی کیپ کو اتارا تھا اور تھوڑی سی گردن ٹیڑھی کر کے معروش کو دیکھنے لگا جو کہہ رہی تھی۔

"یہ تو تمہیں کچھ ہی دنوں میں پتا چل جائے گا کہ میں کیسی ہوں فی الحال راستے سے ہٹو۔" وہ ایٹی ٹیوڈ سے کہتی اس کے سائیڈ سے نکل جانا چاہتی تھی مگر خلیفہ کے آگے پھیلے ہاتھ نے ایسا کرنے سے اسے روک دیا۔ اس نے اپنا بازو پھیلا کر چہرے کو معروش کی جانب کیا۔

"ان دنوں کا انتظار رہے گا مجھے۔ ایسا کرتے ہیں ابھی بھول جاتے ہیں اپنی اپنی پہچان بس اجنبیوں کی طرح خوشگوار ماحول میں لنچ کرتے ہیں اور پھر دوست بن جاتے ہیں۔" وہ ہونٹ کے کونے کو دباتے ہوئے اسے چھیڑتے ہوئے کہہ رہا تھا جانتا تھا کہ سامنے کھڑی لڑکی اس سے کتنی خار کھاتی ہے۔

"دوستی اپنے ہم پلہ لوگوں سے کی جاتی ہے اور تم ایک انتہائی بے شرم انسان ہو جو کسی کی بھی عزت کو چٹکیوں میں ملیامیٹ کرنے سے باز نہیں آتا۔ تم سے دوستی کرنے سے اچھا ہے میں پھانسی کے پھندے پر لٹک جاؤں۔"
اسے جانے کس بات پر غصہ آیا تھا کہ وہ اس پر بھڑک اٹھی۔ خلیفہ کے ماتھے پر ہزاروں بل آن سمائے۔ اس کی آنکھیں یکدم پتھریلی ہو گئی تھیں۔

"ریئلی؟ چلو جب تم تختہ دار پر چڑھو تو مجھے ضرور بتانا۔ تمہارے تابوت پر رکھنے کیلئے پھول جو لاؤں گا۔"
اس کی آواز اس کے تاثرات کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ سخت چہرے پر مسکراہٹ سجائے وہ نارمل آواز کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ پس منظر میں اس ہوٹل کے احاطے میں ڈھیر سارے لوگ یہاں وہاں چلتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

"مجھے ہلکا نہ لو خلیفہ تبریز! جس تختہ دار کے تم منتظر ہو اسے تمہارے گلے کی چاہ ہے اور بہت جلد اس کی یہ چاہ پوری ہونے والی ہے۔"

وہ یکدم اس کی بات سن کر ہنسا تھا۔ اس کے قہقہے اتنے بلند اور محظوظ کن تھے کہ آس پاس کی چند لڑکیاں باقاعدہ رک کر اس کی ہنسی سننے لگیں جو چہرہ اوپر کیے ایک گول چکر لگا کر واپس معروش کی جانب رخ کر کے رکا تھا۔

"تم بہت اچھے جوک سناتی ہو، واللہ تمہارا سینس آف ہیومر کمال کا ہے۔ موڈ کو سونگ کرنا اور کرانا کوئی تم سے سیکھے لیکن۔" وہ ہنستے ہنستے سنجیدہ ہوا۔ معروش سینے پر بازو باندھے سپاٹ چہرے کے ساتھ وہاں کھڑی تھی اور انہیں آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھ بھی رہی تھی جو اس کی نظر میں اس دنیا کا سب سے سفاک اور بے حس انسان تھا۔ اس نے اس سفاکیت سے لبریز انسان کی آواز سنی جو کہہ یہ تھی۔

"تمہاری یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی۔ اس دنیا میں کوئی ایسا مائی کا لال پیدا نہیں ہوا جو دی ون اینڈ اونلی خلیفہ تبریز کو ختم کر سکے۔ ہاں اگر تم کہتی ہو تو جان بھی حاضر ہے مائی لیڈی۔" سنجیدگی کے پیراہن کو یک لخت اپنے وجود سے اتار کر وہ پھر سے کول ہوا تھا۔ جھک کر دل پر ہاتھ رکھے کہتے ہوئے اس نے گردن اٹھا کر معروش کو تعظیم دی۔

دیار غیر کی خنک ہوا دیوار گیر کھڑکیوں میں سے جگہ بناتی ہوئی اندر کو آرہی تھی جس کے سبب اس سٹولر والی کی ناک سرخ تھی۔ اب یہ ناک ہواؤں کے سبب سرخ تھی یا غصے سے ہوئی تھی یہ تو اللہ ہی جانتا تھا۔

"وقت بتائے گا مسٹر اوور کانفیڈینس۔" وہ یہ کہتے ہوئے پھر سے اس کے پاس سے نکلنے لگی تھی جب خلیفہ کی بات نے آکاس بیل کی طرح اس کے پاؤں کو جکڑ لیا۔ وہ جبراً مڑی اور اپنی شعلہ بار نگاہوں سے اس مٹی کے مجسمے کو بھسم کرنے کی سعی کرنے لگی اس چیز کو بھلا کر کہ آگ مٹی کو مزید پختہ کرتی ہے۔

"کیا ہو، اگر مریض کی سانس بستر پر ہی ٹوٹ جائے۔" چیونگم چباتے ہوئے وہ اس فیروزی اسکارف والی کا مذاق بنا رہا تھا۔ معروش ساری بات سمجھ گئی تھی لیکن یہاں ایسا کیسے ممکن تھا۔

"یہ دنیا ہے معروش حبیب! یہاں پیسے اور تعلقات کا سکہ چلتا ہے۔" وہ اس کی سوچ کو پڑھتے ہوئے مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ عینک اس نے چین سے نکال کر واپس آنکھوں پر لگالی تھی۔

"لیکن میں قدیم زمانے کے عظیم انسان کی قبر پر لات مار کر وہ مریض صرف تمہارے لیے چھوڑ سکتا ہوں بدلے میں تمہیں میرے ساتھ ایک کپ کافی پینی ہوگی۔ سوچ لو سودا اتنا بھی مہنگا نہیں۔" اس سے پہلے معروش اسے کچھ کہتی وہ سلوٹ کے سے انداز میں ماتھے پر ہاتھ رکھ کر جھٹکتے ہوئے وہاں سے مڑا تھا۔ اس کے پیچھے اس کے گارڈز بھی بھاگے تھے۔ معروش نے غصے سے مٹھیاں بھینچیں اور آس پاس کا خیال کرتے ہوئے لفٹ میں چلی گئی۔

☆......☆......☆

"منشیات فروشی بند کرو، بند کرو، بند کرو۔"

یہ یمن حیات کی یونیورسٹی کے اندر کا منظر تھا جہاں بے تحاشہ اسٹوڈنٹس ہاتھ میں رنگ برنگے بینرز اٹھائے نعرے لگا رہے تھے۔ ان سب کی گردنیں چیخ چیخ کر پھولی ہوئی تھیں۔ اس یخ بستہ دن میں بھی ان لوگوں کو پسینہ آ رہا تھا۔ وہ لوگ اپنے ہاتھ اوپر کو اٹھائے چیخ رہے تھے۔

"میم انیسہ کو معطل کرو، معطل کرو، معطل کرو۔"

ان عوام میں جو سب سے زیادہ چیخ رہا تھا وہ یمن کا دوست بلال تھا۔ اچھی پرسنالٹی کا حامل وہ لڑکا دیکھنے میں ہی کسی بہت اچھے گھرانے کا لگتا تھا۔ ہلکے سانولے رنگ کا کالی شلوار قمیض میں ملبوس بلال اس بھیڑ کا سربراہ تھا جو اس کی مدد سے تشکیل آئی تھی۔ اپنی گھڑی والے ہاتھ میں بینر کو اوپر اٹھائے وہ نعرے لگا رہا تھا جب پرنسپل کے

اسسٹنٹ کے اسسٹنٹ نے آ کر اس کے کان میں کچھ کہا۔ وہ لحظہ بھر کو ان کی بات سننے کو رکا اور پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنے ساتھی دوست کو کچھ کہہ کر وہ بینر ہاتھ میں پکڑے ہی اس کے پیچھے چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے دوستوں نے دور سے دیکھا۔ وہ ڈین کے آفس کا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ یس کی آواز پر وہ اندر داخل ہوا۔ دروازہ بند کرتے ہوئے اس کی نگاہ یمن پر پڑی۔ وہ بینر کو وہیں دروازے کی سائیڈ پر رکھ کر کرسیوں کے پاس آ کر رک گیا۔ اس کے ہاتھ احتراماً آپس میں بندھے ہوئے تھے۔

"بیٹھو بلال۔"

گرے داڑھی مونچھوں والے بارعب ڈین کے حکم پر اس نے سر خم کیا اور کرسی کو ہلکی سی آواز کے ساتھ کھینچ کر یمن کے برابر بیٹھ گیا۔ بیٹھنے کے بعد اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو آپس میں باندھ کر میز پر رکھ دیے تھے۔

"مجھے اپنے ادارے میں ہونے والے کالے کاموں پر افسوس ہے مگر اس سے زیادہ افسوس مجھے آپ لوگوں کی حرکت پر ہے۔ کیا آپ جیسے مہذب خاندانوں کے چشم و چراغ کو یہ سوٹ کرتا ہے کہ وہ اس طرح بینرز اٹھا کر نعرے لگاتے پھریں۔" ان کا اشارہ دونوں کی طرف تھا۔ یمن نے کن انکھیوں سے بلال کو دیکھا جو بالکل سیدھا پرسکون بیٹھا تھا اور اسی پرسکون انداز میں ڈین کی بات کا جواب دے رہا تھا۔

"بلاشبہ یہ سب چیزیں کسی پر بھی سوٹ نہیں کرتیں لیکن کرنی پڑتی ہیں کیونکہ اس سب کے بغیر تو آج کل بات مانی ہی نہیں جاتی۔" وہ انتہائی ہموار لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ڈین کو اس کی بات پر غصہ آیا۔

"کیا آپ نے اپیلی کیشن دی یا اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ ہمارا ادارہ منشیات فروشی کا اڈا ہے۔" وہ یکدم میز پر ہاتھ مار کر دھاڑنے والے انداز میں بولے۔ یمن ان کی آواز اور میز پر پڑنے والے ہاتھ سے ڈر گئی۔ بلال نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"صرف منشیات فروشی کا ہی نہیں بلکہ یہ ادارہ فحاشی کا بھی اڈا بن چکا ہے۔ کبھی رات کے وقت ہوسٹلز کا رخ کرنا آپ کو معلوم پڑ جائے گا سر اور رہی بات ثبوت کی تو ابھی کچھ دیر قبل میرے خیال سے وہ آپ ہی تھے جو اپنے ادارے میں ہونے والے کالے کاموں پر افسوس کر رہے تھے۔ رہی ٹھوس ثبوت کی بات تو یمن خود ثبوت ہے اس نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا ہے۔ ہے نا یمن!"

وہ بلا کا مطمئن بیٹھا پورے اعتماد کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ کہنے کے بعد اس نے یمن کی بھی تصدیق چاہی تھی جو زور زور سے سر ہلانے لگی۔ ایسا کرنے پر اس کے کانوں میں پڑی بالیاں بھی ہل رہی تھیں۔

"بالکل، میں نے خود میم انیسہ کو فون کرتے اور تاشا کو نشے میں ڈولتے دیکھا ہے اور یہ سب باہر جو بھی ہو رہا ہے میرے کہنے پر ہی ہو رہا ہے سر، آپ میم انیسہ کو معطل کریں اور ان کے خلاف کیس چلوائیں، نہیں تو میں اپنے ڈیڈ سے کہتی ہوں وہ کچھ کر لیں گے۔" وہ ڈر رہی تھی مگر پھر بھی مضبوط ہوئی بیٹھی تھی۔ بلال کو اس کی یہی ادا تو پسند تھی تبھی تو وہ اس کے ایک اشارے پر کچھ بھی کر گزرتا تھا۔ ابھی باہر جو اسٹوڈنٹس کا دھرنا تھا وہ بھی تو بلال نے ہی یمن کے کہنے پر کیا تھا۔ یمن نے اسے صبح یہ بات بتائی تھی اور بلال نے دو گھنٹوں میں اس کے سامنے جوشیلے طلبہ کے دھرنے کو لا کر رکھ دیا تھا۔ اگر ڈین کے پاس ان کی بات سننے کا وقت نہیں تھا تو وہ لوگ بھی کوئی فارغ نہیں تھے۔ ان میں بھی پاور تھی اور اس پاور کو وہ اچھے سے استعمال کرنا جانتے تھے۔

"دیکھو یمن بیٹا، میں آپ کی بات کا احترام کرتا ہوں لیکن آپ بھی تو اس ادارے کا احترام کریں۔ اس دھرنے کو ختم کروائیں میں آپ کو یقین دلواتا ہوں کہ جو آپ کہو گی وہی ہوگا۔" وہ ٹھنڈے ہوتے ہوئے معاملے کی نزاکت کو سمجھتے کہہ رہے تھے۔ انہیں کئی مہینوں سے شک تو تھا مگر اب اس شک میں رنگ بھرتے دیکھ کر وہ گھبرا اٹھے تھے۔ اگر ان کے اتنے سالوں کی محنت کو محض اس ایک وجہ سے بند کر دیا گیا تو وہ تو ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ اس لیے حکمت عملی کو اپناتے ہوئے انہوں نے ریکوئسٹ کی تھی۔

"سر، ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ جیسے ہی میم انیسہ اس یونی کے گیٹ کو پار کریں گی ویسے ہی ہم اس دھرنے کو ختم کر دیں گے۔" بلال نے انہیں پورا یقین دلاتے ہوئے کہا تھا۔ وہ اس کے لہجے میں گھلے سچ کے عنصر کو جان کر پر سوچ انداز میں گردن ہلا گئے۔

"اور آپ کو ایک انسداد منشیات کمیٹی بھی تشکیل دینی ہوگی تاکہ اس معتبر ادارے کی پاکیزگی برقرار رہے اور تمام گندگی یہاں سے نکل جائے۔" یمن نے بھی اپنی بات کو اس میں جوڑا تھا۔ جوڑ کر وہ تائیدی انداز میں بلال اور ڈین دونوں کو دیکھنے لگی۔ ڈین نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے حامی بھری۔

"آل رائٹ، تمہاری ساری باتوں کو مانا جائے گا فی الحال ہم میم انیسہ کو نہیں نکال سکتے۔ اس کیلئے پراپر انہیں

نوٹس بھیجنا ہوگا جو کہ بہت جلد ان کے گھر کے دروازے پر ہوگا۔ابھی کیلئے آپ لوگ اس دھرنے کو رکوا دیں۔اس سے آس پاس کے بہت سے لوگ متاثر ہو رہے ہیں۔آئی ہوپ یو انڈرسٹینڈنگ۔" ان کا لہجہ یکدم کیوں ملتجی ہوا تھا وہ یہ دونوں جانتے تھے۔بلال کا تعلق ایک جاگیردار گھرانے سے تھا جن کی ایک ابرو کے اشارے پر پارٹیاں پلٹ جاتی ہیں پھر یہ تو ایک معمولی سی یونی تھی کیونکر نہ وہ اسے تباہ کروا دیتا۔اسی سوچ کے مطابق ڈین نے ان بچوں کے آگے سرنڈر کیا اور ان کی بات کا مان رکھ کر انہیں باہر جانے کو کہا۔وہ دونوں ایک ساتھ انہیں وش کرتے باہر آئے تھے۔

بلال نے باہر نکلتے ہی یمن کی طرف رخ کیا۔اس کا انداز ایسا تھا جیسے مدتوں بعد کوئی اپنی ہر دل عزیز ہستی کا دیدار کرتا ہے۔یمن نے اس کی طرف مسکراہٹ اچھالی۔

"تمہارا شکریہ" وہ تہہ دل سے کہتی ہوئی اپنے بادامی آنچل کو سنبھالتی ہوئی ایک ادا سے بولی تھی۔اس کے ہلکے گلابی رنگ میں رنگے ہونٹ کسی بھی قوس قزاح کے رنگوں پر بھاری تھی۔آنکھوں میں ڈلا سیاہ کاجل اور سیدھے بال جن کو ہمیشہ سے چھونے کی بلال کی خواہش رہی تھی آج بھی اس کا دل نئے سرے سے دھڑکا گئے تھے۔

"تمہارے لیے جان بھی حاضر" وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر سر کو معمولی سا خم دیتے ہوئے محبت کے آگے سرنڈر کر بیٹھا تھا۔یمن اس ذومعنی بات اور اس کی آنکھوں میں ہمہ وقت درج پیغام کو پڑھ کر نگاہ پھیر گئی تھی۔بلال کو اس کا یوں نظریں چرانا بڑا بھایا۔کون تھا آج کے دور میں جو یوں اپنے دامن میں پاکیزگی، شرم وحیا کو لیے پھرتا ہو۔

"ویلکم مائی لیڈی۔" اس کے دل نے صدا لگائی اور یہ صدا پورے عالم میں پھیل گئی۔وہ دل کی اس پیاری صدا پر نہال ہوا تھا تبھی بھورے لبوں نے دنیا کی سب سے حسین شے کو خود پر سجایا اور اس کے قدموں سے قدم ملا کر چلتے بلال کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ہواؤں میں اڑ رہا ہو۔

"یونی ختم ہونے میں چھ ماہ رہ گئے ہیں، اس کے بعد تمہارا کیا کرنے کا ارادہ ہے؟" نارمل انداز میں وہ اپنے بائیں بازو کو فولڈ کرتے ہوئے سرسری سا پوچھ بیٹھا۔یمن نے کاریڈور کو کراس کرتے ہوئے اس کی بات کا جواب دیا۔

"اس کے بعد انٹرن شپ کروں گی پھر جاب اور میرا تو ڈینٹل بننے کا موڈ بھی ہو رہا ہے۔سوچ رہی ہوں

اس میں اپلائے کردوں اور ہاں فیشن ڈیزائننگ میں بھی جانا چاہ رہی ہوں۔آن لائن بزنس شروع کرنے کا ارادہ ہو رہا ہے۔" اس نے بھی شانے اچکاتے ہوئے بظاہر نارمل لیکن جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔وہ جتنا اس ٹاپک سے دور بھاگتی تھی روز بلال اس ٹاپک کو درمیان میں لے آتا تھا۔ابھی بھی وہ اس کی اتنی لمبی چوڑی وضاحت سن کر محض اثبات میں سر ہلا گیا۔وہ جان گیا تھا یمن اسے ٹال رہی ہے لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ ہر بات کو ٹلنے دیا جائے۔گراؤنڈ میں آکر اس نے اپنے ایک ساتھی کو اشارہ کیا تھا۔وہ بلال کا اشارہ سمجھ گیا۔اس نے ہجوم کو منتشر کرنے کا کہہ دیا تھا جس پر اس کا دوست آمنا صدقنا کام کرنا شروع ہو گیا۔بلال یمن کے ساتھ گراؤنڈ کے دائیں سائیڈ بنے بینچز میں سے ایک پر آکر بیٹھا اور کہنے لگا۔

"یہ تو تم اپنے کریئر کی بات کر رہی ہو۔میں کسی اور چیز کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔" بیگ کو گود میں رکھتے ہوئے وہ اس کی بات سن کر چونکی تھی۔

"جیسے؟" اس نے مدد طلب نگاہوں سے ثوبیہ کو ڈھونڈنا چاہا پر وہ اسے نظر نہیں آئی۔

"جیسے کہ شادی۔" دونوں بازوؤں کو فولڈ کر کے اپنے ڈھیر سارے بالوں میں ہاتھ چلاتے ہوئے وہ اتنی بڑی بات اتنی آسانی سے کر گیا۔یمن کا دل حلق میں دھڑکنے لگا۔

"یہ تو والدین کے کام ہیں جب ان کا دل ہوگا تب شادی بھی ہو جائے گی۔" ہمیشہ کی طرح آج بھی بلال اس کی بات سے امپریس ہوا تھا۔بھنوؤں کو اچکاتے ہوئے اس نے چلتی ہوا میں یمن سے پوچھا یعنی اجازت چاہی۔

"صحیح، تو پھر میں اپنے والدین کو تمہاری طرف بھیج دوں؟" اس نے یکدم ہی اظہار کر دیا۔انہیں فقط ڈیڑھ سال ہوا تھا ایک ساتھ پڑھتے ہوئے۔ان ڈیڑھ سالوں میں جانے ایسا کونسا بلال پر جادو چڑھا تھا کہ وہ جتنی جلدی ہو سکے یمن سے شادی کرنا چاہتا تھا۔وہ اس کی اس بات پر ششدر رہ گئی۔پھٹی آنکھوں سے نفی میں سر ہلایا۔

"نن، نہیں، ہرگز نہیں بلکہ تم نے ایسا کہا بھی کیسے۔" اس کی بات درمیان میں رہ گئی۔وجہ سیل فون کی وہ گھنٹی تھی جو یکدم چنگھاڑی تھی۔یمن کو تو گویا راہِ فرار ملی تھی۔اس سے پہلے آنکھوں میں اچنبھا اور ماتھے پر بل لیے

سپاٹ چہرے سے بیٹھا بلال کچھ کہتا اس نے جھٹ سے بیگ میں ہاتھ مار کر سیل فون نکالا اور اسے ایکسکیوز کرتی کال اٹینڈ کر لی۔ انجانا نمبر تھا مگر وہ پھر بھی کال اٹھا بیٹھی مگر جونہی اس نے سیل فون کان سے لگایا اس کے پیروں تلے سے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ خلیفہ کی کال تھی جو کہہ رہا تھا۔

"تو یہ وجہ تھی اس دن جواب نہ دینے کی۔" اس کی بھاری گھمبیر آواز یمن کی سماعت میں اس طرح سے گونجی کہ اسے لگا ابھی کہ ابھی وہ بہری ہو جائے گی۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ وہاں سے اٹھی۔ ابھی ایک قدم ہی اس نے بڑھایا تھا کہ اس کی کلائی بلال کے ہاتھ میں تھی۔

"تم بات کو کلیئر کیے بنا نہیں جا سکتی یمن! جو بھی ہے اسے کہو اس وقت میں بزی ہوں بعد میں کال کرے۔" بلال نے اس کے قد سے قد ملایا تھا مگر وہ اس سے لمبا تھا۔ یمن کی کلائی کو اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑے وہ اس کے کان سے لگے موبائل کو دیکھ رہا تھا۔ یقیناً اس کی آواز خلیفہ نے سن لی تھی تبھی وہ مدھم چنگھاڑتی آواز میں بولا۔

"اسے کہو تمہارا ہاتھ چھوڑ دے نہیں تو اس کے دنیا چھوڑنے میں سیکنڈ نہیں لگے گا۔" وہ اس طیش سے لبریز مدھم، ٹھہری آواز کو سن کر کانپ گئی تھی۔ اطراف میں نظریں دوڑائیں۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ آس پاس ہی ہو مگر یہ اس کی خام خیالی تھی۔ اس نے بلال کا ہاتھ اپنی کلائی سے ہٹایا۔

"میں بات کلیئر کر چکی ہوں بلال! ہم دونوں دوست ہیں اور میرے خیال سے ہمارے درمیان یہی پیارا رشتہ رہے تو اچھا ہے۔" آواز کی کپکپاہٹ کو قابو میں کر کے وہ سیل فون مضبوطی سے تھامتی کہہ رہی تھی۔ وہ سیل فون جس میں اس کی جان تھی اس کی متاع۔

"لیکن کیوں، کیوں تم مجھ سے شادی نہیں کر سکتی؟ ہم دونوں کا کپل پرفیکٹ ہے یمن! ہم دونوں ساتھ بہت اچھے لگتے ہیں۔ ہم ایک مکمل لائف گزاریں گے۔ یقین کرو میرا میں تمہیں بہت خوش رکھوں گا۔"

اس نے چلتی کال پر چور نظریں ڈالیں۔ خلیفہ کی آواز میں کچھ ایسا تھا جس سے وہ ڈر گئی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے سب سے پیارے اور بے ضرر دوست کو کچھ ہو۔ اس کے ملتجی لہجے اور خفا چہرے پر سخت نگاہیں گاڑ کر وہ اسی لہجے میں بولی۔

"کیونکہ میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں۔ بات ختم۔" بے اعتنائی کی حد کرتے ہوئے وہ اس کا محبت سے بھرا

دل توڑ کر مڑ گئی تھی۔ مڑتے مڑتے اس نے سیل پر نگاہ ڈالی۔ کال کٹ چکی تھی۔ گہرا سانس بھرتے ہوئے اس نے مڑے بغیر تیز تیز چلنا شروع کر دیا۔ جہاں یمن کے قدم تیز تھے وہیں اس سے بھی زیادہ تیز سمندر پار معروش بھاگتی دوڑتی اس کمرے میں آئی تھی جہاں وہ حجاب والی معصوم لڑکی بیڈ پر دنیا جہاں سے بے خبر بے ہوش پڑی تھی۔ اس لڑکی کا بھی یہی حال ہوا تھا جیسا ڈیوڈ کی بچائے گی بچی کا ہوا تھا۔ بس فرق اتنا تھا وہ چھت سے نیچے گر کر خود کو زندگی و موت کے درمیان لے گئی تھی اور یہ گولی کے زخم کی تاب نہ لاتے ہوئے لمبے عرصے کیلئے ہوش و خرد سے بیگانی ہو گئی تھی۔ معروش نے اس کمرے میں راؤنڈ پر آئے ڈاکٹر کو اپنا کارڈ دکھایا اور صوفے کو سنبھال کر بیٹھ گئی۔ خلیفہ نے اس لڑکی کو مروانے کی دھمکی دی تھی۔ اسی دھمکی کے پیش نظر اس نے وہاں کی پولیس سے اجازت طلب کر کے آج رات اس لڑکی کے کمرے میں گزارنے کی درخواست کی تھی جو کہ منظور ہو گئی۔ تبھی وہ یہاں تھی۔ ابھی وہ آ کر بیٹھی ہی تھی کہ اس کے سیل پر ویڈیو کال آنے لگی۔ وہ کال نانو کی تھی تبھی اس نے لمحے کا توقف کیے بنا لیس کا بٹن پش کر دیا۔ نانو کا ہنستا مسکراتا چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔

"تم نے تو کہا تھا کہ ایک دن کیلئے جا رہی ہو پھر یہ دوسرا دن کیسے چڑھ گیا؟" نہ سلام نہ دعا ڈائرکٹ خرانٹ پولیس آفیسرز کی طرح ان کا تفتیشی سوال اس پر داغا گیا۔ معروش نے ہنستی ہوئی آواز کے ساتھ کہا۔

"السلام علیکم نانو! کیسی ہیں آپ؟" وہ انہیں چھیڑتے ہوئے کہنے لگی۔ سفید رنگ سے رنگا یہ کمرہ کس قدر طمانیت بخش تھا یہ تو معروش کو ہی پتا تھا کہیں سے بھی نہیں لگ رہا تھا کہ وہ ایک ہاسپٹل کے کمرے میں موجود ہے۔ دواؤں کی مخصوص مہک اور نہ ہی بھانت بھانت کے مریضوں کا شور۔ یہ ایک پرسکون کمرہ تھا جس کی ایک سائیڈ کی کھلی کھڑکی میں سے باہر گرتی برف باری نظر آ رہی تھی۔ یہ برف باری دل کو ٹھنڈک کا احساس بخش رہی تھی تبھی ناگزیر حالات کے ساتھ بھی وہ بہت ہلکی پھلکی سی ہو گئی۔

"ہاں ہاں مجھے پتا ہے سلام کرنا ہوتا ہے۔ اخلاقیات نہ سکھاؤ مجھے۔ یہ میں ہی ہوں جس نے آج تمہیں پال پوس کر اتنا بڑا کیا ہے۔ ایک منٹ مجھے یاد آیا کہ کل اس پردیس میں پہنچنے کے بعد سے لے کر اب تک تم نے ایک کال بھی نہیں کی مجھے یعنی تم نے بڑی جانفشانی سے بد اخلاقی کا مظاہرہ کیا ہے۔ احساس ہے تمہیں اس بات کا۔" معروش ان کی لتاڑ پر سر کھجاتی رہ گئی۔ غلطی اس کی تھی تو سوری بھی اس کا ہی بنتا تھا تبھی وہ منمنائی۔

"سوری نانو۔ آتے ساتھ ہی اتنی بزی ہوگئی کہ وقت ہی نہیں ملا، اب پلیز دیکھیں ناراض مت ہوں۔ ایک تو میں اتنی دور ہوں اوپر سے آپ ناراض ہو رہی ہیں مجھ سے، میں اپ سیٹ ہو جاؤنگی۔" ہمیشہ کی طرح ایسی پوزیشن سنبھالنے کیلئے اس نے ایموشنل کارڈ کھیلا جو کہ چل بھی گیا۔ نانو کے جھریوں زدہ چہرے سے غصے کے بادل چھٹ کر وہاں ممتا سے لبریز قوس قزاح کھل اٹھی تھی۔ وہ نروٹھے لہجے میں بولیں۔

"ہاں بس اور تو تمہیں کچھ آتا نہیں ہے نا۔ سوائے بوڑھی نانو کو تنگ کرنے اور ایموشنل کرنے کے علاوہ۔ اچھا سنو۔" کہتے کہتے جیسے انہیں کوئی بات یاد آئی تھی اس لیے جھٹ سے کہہ اٹھیں۔

"تم نوفل سے بھی کانٹیکٹ کرلو۔ کتنا پریشان ہو رہا ہے تمہارے لیے وہ، تم بہت بے مروت ہو معروش۔" نانو کی اس فرمائش پر اس کا منہ بن اٹھا تھا۔ وہ یہاں کام کرنے آئی تھی نہ کہ ہر ایک کو فون کھڑکانے اور یوں بھی جس نوعیت کا اس کا کام تھا اس میں اس کیلئے زیادہ فون کالز کرنا بھی رسکی ہو سکتا تھا اس لیے اس نے نانو کو ٹال دیا۔

"ٹھیک ہے میں کرلوں گی ابھی فی الحال بزی ہوں۔ اچھا نانو آپ سے بعد میں بات کرتی ہوں میں۔" ایک ڈاکٹر کو اندر آتے دیکھ اس نے نانو کی سنے بغیر کال ڈسکنیکٹ کی اور اس سفید اوور آل میں ملبوس گورے چٹے ڈاکٹر کو دیکھے گئی جس نے منہ پر ڈاکٹری ماسک لگایا ہوا تھا۔ وہ اس حجاب والی لڑکی کی نبض چیک کرنے کے بعد اب اپنے ہاتھ میں پکڑا انجکشن اونچا کرتے ہوئے اس میں سے چند ڈراپس نکال رہا تھا۔ اس کے بعد اس نے انجکشن کی باریک سوئی اس لڑکی کے بازو میں چبھو دی جسے شاید اس نے محسوس بھی نہیں کیا تھا۔ وہ ڈاکٹر ابھی انجکشن لگا کر دروازے کے پار ہی گیا تھا کہ معروش کے سیل پر ایک میسج ابھرا۔

"چچ۔۔ کیسی رکھوالی کر رہی ہو تم۔ ابھی تمہاری آنکھوں کے سامنے میرا ایک بندہ تمہاری وکٹم کو لمبی نیند سلانے کا کام کر گیا اور تم اپنی آنکھوں سے بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔ آفرین معروش آفرین۔" یہ ہو نہ ہو خلیفہ کا ہی میسج تھا۔ اس میسج کو پڑھتے ہی اس کے اندر کرنٹ سا دوڑ گیا۔ وہ ایک سیکنڈ میں اپنی جگہ سے اٹھی اور باہر کی سمت اس ڈاکٹر کو دیکھنے کو بھاگی۔ وہ حواس باختہ تھی اور یہاں وہاں نظریں دوڑا رہی تھی۔ اس نے ڈاکٹرز ڈاکٹرز کی آوازیں بھی لگائی تھیں مگر وہ وارڈ تھا اور اس سے کوئی بھی ڈاکٹر راؤنڈ پر نہیں تھا۔ میسج کی ٹیون ایک بار پھر سے بجی۔

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ کیسے تمہیں اسپیشل فورس میں سلیکٹ کیا گیا،تم تو بڑی بیکار ہو تم سے اس لڑکی کو اکیلی چھوڑ آئی۔بھلے سے پیچھے اسے کوئی ماردے۔"

معروش کے اوسان خطا ہونے لگے تھے۔وہ خون کے گھونٹ بھرتے ہوئے لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کمرے کی جانب دوڑی۔اس نے دروازہ کھولا اور دھک سے رہ گئی۔

☆......☆......☆

یہ اسلام آباد کے سیکٹر نمبر چھ میں واقع ایک عالیشان ولا کے اندر کا منظر تھا جہاں رنگ و بو کا سا سماں تھا۔بے فکرے جوان و بوڑھے مرد ہاتھوں میں مہنگی وائن پکڑے یہاں وہاں ٹہلتے دکھ رہے تھے۔ان میں سے کچھ بزنس ٹائیکون تھے تو کچھ سیاست سے تعلق رکھنے والے نامور ہستیاں تھیں اوران ہستیوں کے ساجزادے تھے۔بھاری جیبوں کے ساتھ وہ سب یہاں کسی کا بے چینی سے انتظار کررہے تھے مگر انتظار کی گھڑیاں تھیں کہ طویل تر ہوتی جارہی تھیں۔سرخ وائن پیتے ہوئے بار کے کاؤنٹر کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھا ظاہر کسی پر بڑی کڑی نگاہ رکھے بیٹھا تھا۔وہ ایک چھوٹی عمر کا لڑکا تھا جو دنیا کی مہنگی ترین شراب ہاتھ میں لیے پورے حواسوں کے ساتھ کھڑا تھا۔معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کئی عرصے سے ڈرنک کررہا ہو۔اس کے گلاس پکڑنے کا سٹائل ہی بتا رہا تھا کہ وہ بہت پرانا ڈرنکر ہے۔وہ چھوٹی عمر کا لڑکا اور کوئی نہیں بلکہ خواجہ ریاض کا بیٹا تھا جو حال ہی میں امریکہ سے اولیول کرکے لوٹا تھا۔نہیں یہ پارٹی اس کے ٹاپ کرنے کے خوشی میں نہیں بلکہ ایک مشہورو معروف غنڈے کی اسمبلی میں ٹکٹ حاصل کرنے کی خوشی میں دی گئی تھی اور اس پارٹی میں ہر رقیب و بجن کو بلایا گیا تھا تاکہ سینٹ کے الیکشن میں وہ مشہورو معروف غنڈہ جس کا نام صادق سندھی عرف عام گجی پہلوان تھا کثیر تعداد میں ووٹ حاصل کرکے اس اعلیٰ کرسی پر براجمان ہوجائے تاکہ اس کی بدمعاشیوں پر پھر کوئی بھی ہاتھ مارنے کی جرأت بھی نہ کرسکے۔

یہ پارٹی اس صادق سندھی کی طرف سے ہی تھی۔جس میں اس نے تمام نام نہاد وائٹ کالرز کو مدعو کیا تھا۔تاکہ وہ سب اپنی خواہش پر پردہ ڈال کر اسے سینٹ کیلئے منتخب کرسکیں۔ایم این اے خواجہ ریاض بھی اس پارٹی میں شامل تھا۔اپنے دل کی بھڑاس کو مسکراہٹ میں چھپائے وہ اندر سے بیحد بے چین تھا۔بھلا وہ کیونکر اپنے ٹارگٹ کو کسی دوسرے کی جھولی میں ڈالے۔وہ تو صرف ہیروئن فروش تھا جبکہ یہ گجی پہلوان نہ صرف نشہ بیچتا تھا

بلکہ ٹارگٹ کلنگ، لوٹ مار اور زمینی قبضے میں بھی اس کا بڑا ہاتھ تھا۔ وہ کراچی کا جانا مانا غنڈہ تھا جس کے قہر سے ہر کوئی پناہ مانگتا تھا۔ اس کی ابرو کے ایک اشارے پر پورا کراچی تھرتھرا جاتا تھا۔ انڈر ورلڈ میں بھی اس کی خاصی دھوم مچ رہی تھی اور اب وہ یہی دھوم پورے پاکستان میں مچانا چاہتا تھا کیونکہ سینٹ کے بعد اس کی نگاہ وزیراعظم کی سیٹ پر تھی جو کہ بس اس سے چند قدموں کی ہی دوری پر تھی۔ چکنے سر والا گندمی رنگ کا موٹا مگر فٹ گجی پہلوان سفید سوٹ پر سیاہ واسکٹ پہنے اونچے اونچے قہقہے لگا رہا تھا۔ وہ بھی وقفے وقفے سے نگاہ دروازے پر ڈال لیتا کیونکہ جس چیز کا اس نے انتظام کروایا تھا وہ ان سب کے ہوش اڑا دینے والی تھی۔

"سنا ہے آپ کی برانڈڈ شراب سے کافی بچے مرے ہیں کہیں یہ شراب وہی تو نہیں" مشہور و معروف سیاست دان اس کے گلے میں ہاتھ ڈالتے ہوئے ٹھٹھے لگاتا کہہ رہا تھا۔ انکی بات سن کر گجی پہلوان کا بھی قہقہہ چھوٹا

"ارے ایسے بھی نصیب کہاں آپ کے کہ ہماری شراب سے مریں۔ آپ کو تو عوامی نشہ ہی مارے گا سائیں۔" وہ بھی کہاں پیچھے رہنے والا تھا بڑے پیار سے طنز کا تیر چھوڑ کر اس نے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا۔

"کیا کہیں یار یہ بیوقوف عوام ہی تو ہے جو ہمیں اس مقام تک لاتی ہے، اب دیکھیے گا ہونے والے الیکشن میں بھی ہم پر کتنی ووٹوں کی بھرمار ہوتی ہے۔" وہ ٹھٹھا لگاتے ہوئے اس عوام کو جو انہیں اس مقام تک لائی تھی بڑی سہولت سے بیوقوفی کے تمغے سے نواز گئے تھے۔ گجی پہلوان نے ان کی بات پر اپنی بات کا ٹکڑا جوڑا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن سینٹر کے ووٹس کو مت بھولیے گا۔" کہتے ہوئے ان کی نگاہ مین دروازے کی جانب اٹھی جہاں سے شیبون پمز (دلال) چیونگم چباتے ہوئے پاؤں تک کوٹ میں چھپی ہوئی لڑکیوں کو اندر لا رہا تھا۔ ان کی آمد پر ہی سپاٹ لائٹ اس جانب اٹھی۔ جہاں ان معزز مہمانوں کا شور اٹھا تھا وہیں صوبائی وزیر ظاہر نے اپنے سیل کا کیمرہ آن کر لیا تھا۔ وہ لڑکیاں اندر آئیں اور ڈانس فلور پر آ کر رک گئیں۔ گجی پہلوان کے اشارے پر شیبون نے لڑکیوں کو اشارہ دیا۔ اس اشارے کے ساتھ ہی کوٹ ان سب کے وجود سے ڈھلک کر زمین بوس ہو چکے تھے جنہیں وہاں کے ایک ویٹر نے اٹھا کر سرونٹ کو پکڑا دیے۔

لڑکیوں کے کوٹس اترنے کی دیر تھی کہ وہاں ایک طوفان بدتمیزی مچ گیا۔ سیل فون کے کیمرا ایسے تصاویر اتار رہے تھے جیسے وہ کوئی سرکس سے آئے جانور ہوں یا پھر کوئی نئی سپیشز جو پہلی بار متعارف ہو رہی ہیں۔ وہ سب

اس وقت ویسٹرن ڈریسز میں ملبوس تھیں اور سپاٹ چہرے پر پھیکی مسکان سجائے ان سب کو دیکھ رہی تھیں جو انہیں دعوت ڈانس دے رہے تھے۔ کافی تعداد میں موجود ان لڑکیوں میں سدرہ اور رخسانہ بھی تھیں۔ سدرہ کو خواجہ ریاض کے بیٹے نے اپنے پاس کھینچا تھا۔ وہ نشے میں بدمست اخلاقیات کو بھلائے ہوش و خرد سے بیگانہ تھا۔ اس بات سے انجان کہ کوئی اس کی یہ ویڈیو بڑی سہولت سے اپنے سیل میں قید کر رہا ہے جو آگے جا کر ایم این اے خواجہ ریاض کے بیٹے پر بڑی بھاری پڑنے والی ہے۔

"میرے معزز مہمانوں کیلئے گجی پہلوان کی طرف سے ایک بے ضرر سا تحفہ۔" مائیک میں اعلان کرتے ہوئے اسے اس بات کی تصدیق ہوگئی تھی کہ اگلا الیکشن اس نے ہی جیتنا ہے۔ سب پر ایک فاتحانہ نگاہ ڈالے اس نے شیون کو دیکھا تھا۔ وہ ایک کونے میں کھڑا چیونگم چبا رہا تھا اور سب سے بے نیاز تھا۔ گجی پہلوان اس کے پاس پہنچا۔

"یار کورئین، مجھے ایک بات تو بتا اتنا جاندار مال تم لوگ کہاں سے لاتے ہو؟" شیون کا نام اسے مشکل لگا تھا تبھی وہ اسے اس کے ملک کے نام سے پکارنے لگا۔ یوں بھی یہ گجی پہلوان کی ان لوگوں کے ساتھ پہلی ڈیل تھی آگے اللہ جانے اور کون کون سی اس نے ڈیلیں کرنی تھیں۔ شیون نے اس کی بات پر آنکھوں کو تھوڑی سی جنبش دی اور مختصراً بولا۔

"میرا کام لڑکیاں سپلائے کرنا ہے اندر کی کھوج لگانا نہیں۔" اس کا انداز تلخ تھا۔ گجی کے لب پھیلے۔

"جانتے ہو اگر تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو اس وقت اس کی گردن زمین پر پڑی ہوتی لیکن چونکہ تم اور تمہاری پارٹی میرے دل کو بھائی ہے اس لیے پہلی غلطی سمجھ کر معاف کر دیتا ہوں۔ یاد رکھو آگے تم لوگوں کو مجھ سے بہت فائدے ہونے والے ہیں۔" وہ اس کا شانہ تھپتھپا کر آگے کو بڑھ گیا۔ شیون جوں کا توں اکتایا ہوا کھڑا رہا۔ صوبائی وزیر ظاہر نے بڑی فرصت سے خواجہ کے بیٹے کی ویڈیو اتاری اور گجی پہلوان سے اجازت طلب کرتا اس ہال سے باہر آگیا۔

وہ تیز تیز چل رہا تھا۔ اس کے قدم زمین پر دھول اڑا رہے تھے۔ اس دھول میں کسی کا چہرہ دکھ رہا تھا۔ اگر غور کرو تو وہ کوئی اور نہیں بلکہ نوفل تھا جو تھوڑی پر ہاتھ رکھے بک اسٹور میں خاموش و ملول بیٹھا تھا۔ اس کے عین سامنے کتاب پسند کرتی عورت بڑی گہری نگاہوں سے اسے تک رہی تھی۔ جہاں وہ عورت نوفل کو تک رہی تھی

وہیں نانو کڑوے گھونٹ بھرتے ہوئے اس عورت کو چندھیائی ہوئی نگاہوں سے ہضم کرنے کی سعی میں تھیں۔ وہ عورت کتابوں میں کم بلکہ نوفل میں زیادہ دلچسپی لے رہی تھی۔ اس کی دلچسپی نوفل میں اتنی زیادہ بڑھی کہ وہ "خود سے خدا تک" جیسی عظیم الشان کتاب کو سائیڈ پر رکھ کر اس کے پاس آئی اور کہنے لگی۔

"جینٹل مین، تمہارا نام کیا ہے؟"

نوفل نے اس آواز پر چہرہ اٹھایا اور گڑبڑا کر کھڑا ہوا۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہاں کوئی کسٹمر بھی آیا ہے۔

"اوہ خوش آمدید میم، کہیے میں آپ کی کیسے مدد کر سکتا ہوں۔" وہ جلدی سے کھڑا ہو کر پیشہ ورانہ انداز میں بولا۔ اس عورت کے لب کھل اٹھے۔

"زیادہ کچھ نہیں بس مجھے آپ کے بارے میں تھوڑا بہت جاننا ہے، یہ تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ آپ یہاں کام کرتے ہیں لیکن اس کے علاوہ بھی بہت ساری چیزیں ہوتی ہیں جو پتا ہونا لازمی ہے۔" شیشے والی دیوار سے دھند سانس لیتی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی سانس میں اتنی تاثیر تھی کہ پورا شیشہ نم آلود ہو گیا تھا۔ باہر کچھ بھی واضح نظر نہیں آ رہا تھا۔ اگر کچھ دکھائی دے بھی رہا تھا تو پانی میں ڈوبی ہوئی دھندلی سی شبیہہ معلوم ہوتی تھی۔

"میں سمجھا نہیں آپ کی بات۔" نوفل کو واقعی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ آنٹی آخر کہنا کیا چاہتی ہیں۔ گولڈن فریم والا نفیس سا چشمہ لگائے نانو نے کتاب کو آواز کے ساتھ بند کیا اور اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔ ان کی منزل نوفل تھا جس تک پہنچنے کیلئے انہیں یہ کاؤنٹر اور تھوڑے سے قدم پاٹنے تھے۔

"بیٹا، مجھے آپ اچھے لگ رہے ہو۔" اس سے پہلے وہ آنٹی کچھ اور کہتیں دور سے آتی نانو نے وہیں سے کہنا شروع کیا۔

"مرحبا ہمیں خوشی ہے کہ آپ ہماری شاپ میں آئیں، امید کرتی ہوں آئندہ بھی آئیں گی ویسے آپ نے کونسی کتاب پسند کی؟" کہتے کہتے نانو کی نظر "ایلف شفق کی دی گیز" پر نگاہ گئی۔

"اوہ کیا پسند ہے آپ کی، ضرور اس کتاب کے سفر کو آپ بہت انجوائے کریں گی۔ نوفل، آپ یہ کتاب پیک کر دو اور بل کاٹ دو۔" انہوں نے وہ کتاب نوفل کو پکڑاتے ہوئے اسے وہاں سے چلتا کیا اور پھر مسکراتے

ہوئے اس عورت کو دیکھنے لگیں جن کی نظروں میں نوفل کیلئے دلچسپی تھی۔

"بہت ہی پیارا بچہ ہے۔ کیا آپ کا رشتہ دار ہے؟" اس عورت نے نوفل کو تب تک دیکھا جب تک اس نے کتاب کو خوبصورت سے بیگ میں ڈال نہ دیا۔ نانو نے ضبط بھری مسکان کو اور کھینچا اور اس صدی کا سب سے بڑا جھوٹ بول دیا جسے بول کر وہ خود بھی حیران تھیں۔

"بالکل، یہ میرا ہونے والا داماد ہے۔ کیا یہ آپ کو پسند آیا۔" نانو کے اس غیر متوقع جواب پر اس عورت کی آنکھوں کی جوت بجھی تھی۔ اس نے حیرت کا اظہار نہیں کیا بس مایوسی سے کہنے لگی۔

"ہاں، میں اسے اپنی بیٹی کیلئے دیکھ رہی تھی لیکن قدرت کی مرضی۔" انہوں نے بجھی آواز کے ساتھ پاس آتے نوفل کو دیکھتے ہوئے کہا جو اُن کا پارسل ان کے ہاتھ میں تھما رہا تھا۔

"اللہ آپ کو یہ کتاب پڑھنا نصیب فرمائے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو اس عورت کا چہرہ اور بجھ گیا۔ یقیناً وہ اتنی پیاری مسکان والے لڑکے کے ہاتھ سے نکل جانے پر افسردہ ہوئی تھیں تبھی اثبات میں سر ہلاتی کچھ بھی کہے بنا وہاں سے چل دیں۔ نوفل نے حیران کن نگاہوں سے انہیں جاتے ہوئے دیکھا۔

"انہیں کیا ہوا؟" وہ اس آنٹی کو آٹو میٹک دروازے سے باہر جاتے دیکھ پوچھ رہا تھا۔ نانو نے چشمے کو گرا کر کہا۔

"یہ تو وہ خود ہی جانتی ہیں۔ اچھا تم یہ بتاؤ معروش سے بات ہوئی تمہاری؟" اسے گئے آج چوتھا دن ہونے کو آیا تھا اور ان چار دنوں میں معروش نے ایک بار بھی اسے کال کر کے خیریت نہیں بتائی تھی وہ اسی بات سے اداس تھا۔ نفی میں گردن ہلا دی۔

"وہ بہت بزی ہوتی ہیں نانو، اور بزی لوگوں کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا بات کرنے کا۔" اس کے چہرے پر پھیلی افسردگی کے رنگ اتنے گہرے تھے کہ زمانہ شناس نانو اس کے دل کا حال جان کر نہال ہی تو ہو گئیں۔ انہیں سمجھ نہیں آئی کیسے اپنے اس خدشے کو سچ کی چادر اوڑھتے ہوئے دیکھیں۔ وہ اپنی انگلیاں بجانے لگی تھیں۔

"تو تم کر لو اسے کال، قباحت ہی کیا ہے۔" ان کے اندر کی بے چینی بڑھنے لگی تھی۔ وہ جتنی جلدی ہو سکے حقائق سے آشنا ہونا چاہتی تھیں مگر کیسے؟

"قباحت تو کوئی نہیں بس مجھے لگتا ہے کہ وہ ناراض ہو جائیں گی۔" دھندلی چادر کے سامنے کھڑا وہ پیارا سا

لڑکا اس وقت اپنا پورا دل ان کے سامنے کھول بیٹھا تھا۔کوئی پاگل ہی ہوگا جو اس کے لفظوں میں چھپے ڈھیر سارے پیغامات کو سمجھ نہ پاتا۔

"تمہیں اس کے ناراض ہونے کی اتنی فکر کیوں ہے؟" انہوں نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا مگر دل ہنوز دھڑک رہا تھا۔(یا اللہ بس اب یہ جلدی سے بول دے کہ اسے معروش پسند ہے میں نے کل ہی نکاح پڑھوا دینا ہے ان کا)

"وہ میری دوست ہیں میری سب سے اچھی دوست ان کی ناراضگی معنی رکھتی ہے میرے لیے۔" نوفل کو نجانے کیوں نانو میں سے شک کی بو آنے لگی تھی۔اگر انہیں اس کے دل کا حال پتا چل گیا تو وہ ایک سیکنڈ بھی نہیں لگائیں گی اسے یہاں سے نکالنے میں اور فی الحال وہ یہ رسک نہیں لے سکتا تھا۔

"بس صرف دوست۔" انتہائی مایوس کن جملہ تھا جو اس سرد دن میں برف کے جمے ہوئے ٹکڑوں کی مانند نانو کے منہ سے نکلا تھا۔کتابوں کو فضول میں جھاڑتے ہوئے نوفل نے انہیں کن اکھیوں سے دیکھا اور کہا۔

"ہاں ہم دونوں صرف دوست ہی تو ہیں۔" اس نے جان بوجھ کر صرف پر زور دیا تھا۔نانو کا دل بھی اس عورت کی طرح بجھ گیا۔اب انہیں احساس ہو رہا تھا کہ وہ اس عورت کے ساتھ کیا کر بیٹھی ہیں۔ان کے درد کو اب ان کے دل نے محسوس کیا تھا۔یہ تو عام سی ہی بات ہے انسان تب تک دوسرے کے درد کو نارملی لیتا ہے جب تک وہ خود اس فیز سے نہ گزر جائے۔خود پر آئی آنچ تمام دکھوں پر سبقت لے جاتی ہے اور اگر وہی آنچ کسی دوسرے کے دل پر پڑے تو ہم کہتے ہیں۔"اٹس اوکے"۔کون سا ان پر پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے چند دن کا غم ہے خود ہی ختم ہو جائے گا اور وہی چند دن کا غم خود کیلئے صدیوں کے برابر لگتا ہے۔

آہ انسان آہ۔تمہاری کیا بات ہے۔

نانو نے جھکے چہرے اور دکھی دل کے ساتھ اپنی کرسی کا رخ کیا تھا۔نوفل نے دھند میں ڈوبے شیشے کی جانب دیکھا اور سرد آہ نکال کر اپنے کام میں بزی ہو گیا۔

☆......☆......☆

"میں ان لوگوں کے خلاف بغاوت کروں گی، ہاں یہی کرنا بہتر ہے اگر ہمیں یہاں سے نکلنا ہے تو۔" سدرہ

مصمم ارادے سے بولی تھی۔ اس کی مخاطب وہ تمام لڑکیاں تھیں جو کل ذلت اٹھا کر آج بے بس بیٹھی تھیں۔

"تم ایسا کرو گی یعنی اپنے ساتھ ساتھ اپنے گھر والوں کو بھی داؤ پر لگا دو گی۔" صدیقہ کی بات پر وہ چونکی تھی۔ کھسک کر اس کے قریب آئی۔

"اس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟" وہ بوڑھی ہوتی لٹی پٹی صدیقہ کے گھٹنے سے جڑ کر بیٹھ گئی تھی جو ریڈ وائن کو حلق میں ڈالتے ہوئے کہنے لگی۔

"جو تمہیں یہاں لے کر آئے ہیں وہ کوئی عام انسان نہیں یا ان کا گینگ کوئی عام گینگ نہیں ہے۔ وہ کرائم کی دنیا کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ وہ لوگ سمندر خان اور خلیفہ تبریز کہلاتے ہیں جو تمہاری بغاوت پر تمہاری سات نسلوں کا تختہ پلٹ سکتے ہیں۔ کیا تم چاہتی ہو کہ تمہاری بہنیں یا خاندان کی دوسری خواتین بھی اسی مقام پر آ جائیں۔" صدیقہ کے کہنے پر یک دم سدرہ کے منہ سے "خدانخواستہ" نکلا تھا۔

"تو پھر اپنی بغاوت کی سوچ کو بھی فل اسٹاپ لگا دو اور ایمان لے آؤ اس بات پر کہ اب یہیں ہمارا جینا مرنا ہے۔" اس نے گلاس کو میز پر رکھ کر کرسی سے ٹیک لگائی تھی۔ سدرہ نے بے بسی سے رخسانہ کی طرف دیکھا جو سپاٹ چہرے کے ساتھ خلاؤں میں گھورتی ایک جگہ ٹھس سی بیٹھی تھی۔

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟" نم آلود آواز پر صدیقہ نے گردن گھما کر اس خوبصورت لڑکی کو دیکھا جس کی خوبصورتی یہ گھناؤنا کام دکھا گئی تھی۔

"اگر تم یہاں سے بھاگنے کی کوشش کرو گی تو وہ تمہیں ایمسٹرڈیم بھیج دیں گے جہاں یا تو تمہارے باڈی پارٹس بیچ دیے جائیں گے یا پھر تمہیں "وِنڈو" کی زینت بنا دیا جائے گا۔ میرا نہیں خیال کہ تم ایسا چاہتی ہو۔ کوئی بھی ایسا نہیں چاہے گا۔" وہ نشے میں ڈولتی ہوئی اپنی ساتھی گڑیا کو یاد کرنے لگی جو کہ اس کی سب سے عزیز تھی۔ اس کے بعد تو بس ایک رخسانہ ہی تھی جس کے ساتھ وہ اپنا دل ہلکا کر لیا کرتی تھی۔

"مجھے میرے رب نے رسوا کر دیا۔" وہ دونوں ہاتھ منہ پر رکھے کل ہوئے شرمناک لمحات کو سوچ رہی تھیں۔ اس وقت کو سوچ رہی تھیں جب وہ پوری دنیا کی ہوس کی تسکین بنتی ہوں گی۔ کتنے لوگ اسے سرچ کرتے ہونگے۔ کتنے اسے دیکھ کر تاسف کے ساتھ ساتھ اس کے مزے لیتے ہونگے۔ ہائے اس کی وہ پیاری زندگی۔

ہائے وہ پیارے رشتے۔کہاں سے لائے گی وہ اتنے اچھے لوگ۔اتنے اچھے لمحات،ایک نارمل زندگی۔

"خبردار!واپس لے لو اپنے ان لفظوں کو،تم ایسا کہہ بھی کیسے سکتی ہو۔کیا تم بھول گئی ہو وہی مالک ومختار ہے جو اس گند میں رہنے کے باوجود ہمیں سانس بخشتا ہے۔ہمیں ان تمام بیماریوں سے بچاتا ہے جن کا ہونا متوقع ہے۔تم اللہ کے بارے میں ایسا مت کہو۔معافی مانگو فوراً۔"

رخسانہ نے دہل کر اپنے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔اس کا دل سدرہ جیسی لڑکی کے الفاظ سن کے کانپ کر رہ گیا۔سدرہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"میں ایسا نہیں کرونگی۔میں اس سے خفا ہوں اس نے میری زندگی برباد کردی۔وہ چاہتا تو ایسا نہ کرتا مگر اس نے ایسا کیا۔اس نے مجھے اس دلدل میں پھینک دیا۔" وہ روتے ہوئے تڑپ تڑپ کر کہہ رہی تھی۔صدیقہ کے ساتھ ساتھ رخسانہ کی آنکھیں بھی نم ہوگئیں۔

"اس میں اس کی کوئی مصلحت چھپی ہے سدرہ!تم کفر کی جانب گامزن ہورہی ہو۔اپنے آپ کو یہیں روک لو ورنہ جان نکلتے وقت اللہ کے فرشتے کا سامنا کیسے کر پاؤ گی۔" صدیقہ کو اس اچھی لڑکی کی یہ مایوسی دل برداشتہ کر گئی۔وہ بھی رونے کو ہوگئی تھی۔اس نیم اندھیرے کمرے میں جو وہ بول رہے تھے وہ ریکارڈ ہو رہا تھا اور جو اسے سن رہا تھا وہ ان کی باتوں سے بیزار ہو رہا تھا تبھی اس سننے والے نے اس فضول گفتگو کو نظر انداز کر کے اپنے بر گر سے لطف اندوز ہونا بہتر جانا۔

"کون سی مصلحت؟تم مجھے بتاؤ گی اس زنا خانے میں رہنا کونسی مصلحت ہے؟روز پل پل مر کر پھر سے جینے میں کیسی مصلحت پوشیدہ ہے؟روح کو دو کوڑیوں میں روندوا دینے میں کس طرح کی مصلحت ہے؟بولو جواب دو اب خاموش کیوں ہوگئی۔میری طرف ایسے مت دیکھو تم صدیقہ!بھلے ہم گناہ گار تھے مگر اتنے بھی نہیں کہ یہاں لا دیے جاتے۔آج سے کچھ سالوں بعد اگر ہم یہاں سے نکل بھی گئے تو تم مجھے بتاؤ کیا کوئی ہمیں قبول کریگا؟نہیں!بلکہ لوگ تھوکیں گے ہم پر۔کہیں گے وہ دیکھو نفس کے غلام آج کھلے عام سڑکوں پر پھر رہے ہیں۔انہیں ہماری مجبوری نہیں دکھے گی بلکہ وہ تو ہمیں اپنی مرضی سے یہ غلیظ کام کرنے والیاں کہیں گے پھر بتاؤ کیا دے پاؤ گی تم ایسے لوگوں کو جواب؟اپنی وضاحت میں کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں ہوگی تم؟نہیں صدیقہ ہرگز نہیں۔"

وہ ہیجانی انداز میں چیختی ہوئی ان تمام لڑکیوں کو پاگل دکھ رہی تھی جو اس کی گفتگو سمجھ نہیں پا رہی تھیں کیونکہ وہ سب غیر ملکی تھیں اور اپنی سیاہ قسمت سے بندھ کر اس قید خانے میں آن بسی تھیں۔ صدیقہ نے اس روتی ہوئی مایوس سدرہ کے سوالات کے بڑی آسانی سے جواب دیے جو کہ یہ تھے۔

"حضرت یوسف علیہ السلام ہم سے بہت بہت معتبر تھے۔ ان پر ایک الزام عائد ہوا تھا زنا کرنے کا الزام تبھی ایک عرصہ وہ قید خانے میں رہے تھے مگر پھر بھی وہ اللہ کے شکر گزار تھے کیونکہ انہیں اس پاک ذات کی مصلحت میں پوشیدہ راز پر یقین محکم تھا۔ وہ جانتے تھے ان کا پالنہار ضرور ان کیلئے کچھ اچھا سوچ بیٹھا ہے۔ انہوں نے مایوسی نہیں کی حالانکہ اللہ کے پیغمبر تھے۔ چاہتے تو سوال اٹھا سکتے تھے کہ ان سختیوں ان بے بنیاد الزام تراشیوں کا کیا مقصد، وہ تو نبی ہیں انہیں تو اس آزمائش سے نبرد آزما ہونا چاہیے پھر اتنے معتبر ہونے کے باوجود انہیں اس قید کا کیوں سامنا کرنا پڑ رہا ہے؟ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ اللہ کے فیصلے پر قناعت کر کے وہ سرخرو ہوئے۔ پیاری لڑکی! کیا تم بھول رہی ہو کہ ہم بالکل بھی ولی اللہ نہیں ہیں بلکہ ہم خطا سے لبریز پتلے ہیں جس کا کام ہی گناہ کر کے توبہ کرنا، پھر گناہ کرنا پھر توبہ کرنا ہے۔ ہم بار بار غلطی کرتے ہیں۔ کرتے چلے جاتے ہیں پھر جب اس غلطی کی شدت کا احساس ہو جاتا ہے تو ہاتھ میں توبہ کا کشکول لیے معمولی سے نادم دل کے ساتھ اس بخشنے والے کو کہتے ہیں کہ معاف کر دے اور اس رحیم کی رحمت تو دیکھو سیکنڈ نہیں لگاتا ہمیں معاف کرنے کیلئے۔"

وہ بول رہی تھی اور ساتھ ساتھ اپنی آنکھوں کے آگے دھند کی دبیز چادر پھیلائے جا رہی تھی۔ غم کا جو پہاڑ تھا وہ اسے بے بس کر کے بے حس کر گیا اور اس بے حسی میں وہ ہر زیادتی، ہر تکلیف بھولتی چلی گئی۔ بس اب تو ایک ہی مقصد تھا لب سی کر جینا ہے اور مناسب موقع پا کر ایسا وار کرنا ہے کہ خود کے ساتھ ساتھ باقی کی تمام لڑکیوں کو بھی اس چنگل سے آزاد کرا دینا ہے۔ اس نیم اندھیرے کمرے میں سیکنڈ کے توقف کے بعد صدیقہ کی آواز پھر سے ابھری تھی۔ وہ سرگوشی نما تھی اور یہ تھی۔

"تم کہتی ہو لوگ ہمیں قبول نہیں کریں گے۔ کیا تم مجھے بتا سکتی ہو کہ آج تک کس کس کو لوگوں نے قبول کیا ہے؟ اگر تم پاکیزگی کی چادر اوڑھے بھی لوگوں کے درمیان میں چلی جاؤ نا تو وہ تب بھی تمہیں نہیں اپنائیں گے۔ ہمیں خود ہی اپنے آپ کو قبول کرنا پڑتا ہے جب ہم خود کو قبول کر لیتے ہیں نا تو پھر لوگ ہماری زندگی میں چوائس

بن کر رہ جاتے ہیں جو ہیں تو ٹھیک ہے نہیں ہیں تو کیا فرق پڑتا ہے۔"

اس نے ایک چھوٹا سا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ نہیں وہ شراب نہیں تھی بلکہ وہ تو سادہ پانی تھا۔ اس کے گلے میں ایک موٹا گولا سا اٹک گیا تھا جو اسے بولنے میں دشواری پیدا کر رہا تھا تبھی اس نے ایک ہی سانس میں پانی ختم کیا۔

"میں یہاں میڈیکل کی تعلیم کی غرض سے آئی تھی۔ وہاں سڈنی سے لے کر نیویارک تک کے ہر کالج نے مجھے ریجکٹ کر دیا تھا اور میری حیثیت اتنی نہیں تھی کہ پرائیویٹ کسی بھی بڑے کالج سے تیاری کر کے پھر سے انٹری ٹیسٹ دے پاتی، میری ایک کلاس فیلو نے مجھے مایوس دیکھ کر کہا چلو تمہارے خواب کو پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں پاکستان چلتے ہیں۔"

ایک ڈچ لڑکی جو دیکھنے میں بہت پیاری تھی یہاں پچھلے سات ماہ سے رہ رہی تھی تبھی وہ کچھ کچھ اردو سمجھ سکتی تھی۔ ان کی باتیں سن کر وہ اپنی شطرنج کی گیم کو ادھورا چھوڑ کر ان کے پاس آئی اور کہنے لگی۔ خاموش بیٹھی تینوں لڑکیوں نے اس کی جانب نگاہ اٹھائی تھی جو زمین کو اپنی انگلی سے کھرچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"مجھے لگا وہ واقعی میری دوست ہے لیکن وہ دوست نہیں تھی بلکہ وہ تو اس گینگ کی ایک سرغنہ تھی جو مجھ ایسی لڑکیوں کو سنہرے مستقبل کے جال میں پھنسا کر یہاں لے آتی ہیں۔ میں نے اس کی بات مانی اور اپنی تمام جمع پونجی اور ڈاکومنٹس اس کی خواہش کے مطابق اس کے ہاتھ میں رکھ دیے۔ وہ مجھے غیر قانونی طریقے سے پاکستان لے آئی اور سرحد کو پار کرتے ہی اس نے مجھے ان لوگوں کے حوالے کر دیا۔"

اس پیاری لڑکی کی آواز بھی گیلی ہو چکی تھی۔ کاش کوئی دیکھنے والا ہوتا تو دیکھ پاتا کہ یہاں موجود ہر لڑکی کتنی اذیت و تکلیف کا شکار ہے۔ مگر کوئی ہو تب نا۔

"میں بہت روئی بہت چلائی لیکن جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں ان جانوروں کو انسانی آنسو رونا نہیں کرتے بلکہ تسکین دیتے ہیں۔ اپنی اس تسکین کی آگ میں انہوں نے مجھے دن رات رسوا کیا۔ لیکن اس سب کے باوجود مجھے اپنے خدا سے شکایت نہیں ہوئی۔ جانتی ہو کیوں؟"

وہ بیک وقت تینوں کو دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔ تینوں نے نفی میں سر ہلائے۔

"کیونکہ میری ممی کہا کرتی تھیں کہ "جیسا کرو گے ویسا بھرو گے" اور وہ ٹھیک تھی ہم نے گناہ کیے اور ان کی سزا یہاں پائی۔ سوچو اگر خدا نے ہمیں اس اذیت کے عوض معاف کر دیا تو کتنا اچھا ہوگا۔" وہ سینٹی تھی اس کی آنکھوں میں ڈھیروں پانی جمع تھا۔ وجود بھی کپکپا رہا تھا مگر وہ ناامید نہیں تھی۔ اسے اس دنیا میں کچھ ملنے کی امید بھلے نہیں تھی مگر وہ اینڈ میں ملنے والے انعام کو سوچ کر ہی خوش تھی۔ صدیقہ اور رخسانہ کے ساتھ ساتھ سدرہ بھی جی بھر کر شرمندہ ہوئی۔ ان تینوں کے سر جھکے ہوئے تھے۔

"اچھے کی امید رکھو کہ اس میں ہی زندگی کی خوشی پوشیدہ ہے۔"

☆......☆......☆

وہ جھٹکے سے دروازہ کھول کر اندر آئی اور اندر کا منظر دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ اسے ششدر کرنے والی چیز خلیفہ تبریز کی موجودگی تھی جو بڑے آرام سے فارمل سی لک لیے صوفے پر براجمان تھا۔ اپنے سفید بوٹ والا پاؤں ہلاتے ہوئے وہ گہری نظروں سے معروش کی حواس باختگی کو تک رہا تھا۔ اس کے لبوں پر مسکان کھلی۔ ایک شرارتی، مذاق اڑاتی ہوئی مسکان۔

"مجھے بتاؤ وہ کون سا ذمہ دار انسان ہے جو مریض کو یوں اکیلا چھوڑ کر جاتا ہے۔" آواز بھی تو بھرپور تضحیک اڑاتی ہی تھی۔ معروش اوپر سے لے کر نیچے تک سرخ آگ میں جھلس گئی جس کی چنگاریاں خلیفہ وہیں سے بیٹھے بیٹھے دیکھ سکتا تھا۔

"میں تمہارا خون پی جاؤنگی خلیفہ تبریز!" وہ جھٹکے سے اس کی جانب بڑھی اور اسے کالر سے پکڑ لیا۔ اس کی آواز کسی دھاڑ سے کم نہ تھی۔ خلیفہ نے نچلے ہونٹ کو اپنے دانتوں میں جکڑا۔

"بالکل تم ایسا کر سکتی ہو میں تمہاری صلاحیتوں سے اچھے سے واقف ہوں لیکن ایک بات تو بتاؤ کیا میرا خون تمہیں ہضم ہو جائے گا۔"

دنیا میں اگر کوئی بھی قابل نفرت چیز تھی تو وہ خلیفہ تبریز کے آگے صفر تھی۔ ان کے عین پیچھے بنی کھڑکی میں سے برف کے گالے گرتے دکھائی دے رہے تھی۔ ان ڈھیر سارے چھوٹے چھوٹے برف کے ٹکڑوں میں سے ایک کو کن سوئی لینے کا دل چاہا اور وہ ہوا کی مدد سے کھڑکی پر چپک گیا۔ اس کی نادیدہ آنکھیں اندر کا منظر انجوائے

کرنے لگیں۔

"تمہیں لگتا ہے کہ ایک شریف انسان کے خول میں چھپ کر تم سارے کالے کام کرو گے اور کوئی تمہیں کچھ نہیں کہہ پائے گا تو یہ بھول ہے تمہاری، عبرت بھری زندگی تم سے بس دو قدموں کی دوری پر ہے۔" وہ اس کی شیر کی طرح چمکتی سنہری آنکھوں میں اپنی سیاہ آنکھیں گاڑے کہہ رہی تھی۔ خلیفہ نے بھنویں اچکائیں۔

"ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے مطابق پاکستان میں ایک لاکھ افراد کیلئے صرف 19۔0 ماہر نفسیات موجود ہیں اور ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں پانچ کروڑ لوگ کسی نہ کسی ذہنی مسئلے کا شکار ہیں تو میں سوچ رہا ہوں کہ کیوں نا تمہیں یورپ کے کسی بھی اچھے سائکاٹرسٹ کے پاس اپنی اپائنٹمنٹ فکس کروانی چاہیے تاکہ تم اپنا علاج کروا سکو۔"

معروش اس کی بے تکی سی بات پر اپنے ماتھے پر بے تحاشہ بل لے آئی۔ تھوڑی دیر بعد جونہی اس کی بات سمجھ آئی تو وہ اور تپ گئی۔

"میرا بھی تمہارے بارے میں یہی خیال ہے ان فیکٹ جو "سیل" میں نے تمہارے لیے چوز کیا ہے اس میں تم جیسے کئی پاگل ہونگے جو تمہیں کمپنی دینے کیلئے کافی ہونگے تو کیا خیال ہے کب چلنا ہے ادھر۔" وہ اس کا کالر چھوڑ چکی تھی اور اب سینے پر ہاتھ باندھے شعلے نکالتی آنکھوں سے دیکھتی اسے کہہ رہی تھی۔

"کیا۔۔ اس میں تم بھی ہو گی واؤ پھر تو بڑے ہی اچھے روز و شب گزرنے ہیں۔ یوں بھی ہم دونوں ایک ہی کیٹگری سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں بھی پاگل اور تم بھی پاگل، ہے ناں ڈیئر لیڈی۔" وہ بھی اپنی سیٹ سے کھڑا ہو گیا تھا۔ معروش چہرہ اونچا کیے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہاں سے چلتے بنو خلیفہ تبریز۔ یہ نہ ہو بغیر کسی وجہ کے میں تمہیں شوٹ کر دوں۔" اس کا صبر لحہ بہ لحہ چھوٹتا جا رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے ہاتھ سے کچھ غلط ہو جائے۔

"ہم بادشاہ ہیں آفیسر، حکم کے غلام نہیں جو ایک اشارے پر ناچتے پھریں۔" اسے معروش کی حالت حظ پہنچا رہی تھی مگر اب کہ وہ سنجیدہ ہوا تھا۔ کیا کسی کی اتنی ہمت ہو سکتی کہ وہ خلیفہ کو آرڈر دے؟ نہ۔۔

"صحیح کہہ رہے ہو۔ گناہوں کی دنیا کے خلیفہ ہو تم، ہزاروں بدعاؤں کے حقدار۔" معروش کی گھسی پٹی بات

سے اس نے اپنے کان کو کھجایا تھا۔ وہ اب اسے بور کرنے لگی تھی۔

"میرے خیال سے اب مجھے چلنا چاہیے اور ہاں۔" وہ اس کے پاس سے جاتے ہوئے یکدم رکا تھا۔ ایک نگاہ اس بیمار پر ڈالی اور پھر اس آفیسر کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"تمہارے لیے اسے زندہ چھوڑ رہا ہوں اگلوا لو جو اگلوانا ہے اس سے لیکن ایک اہم بات تمہیں بتا دوں یہ کچھ نہیں جانتی سوائے اس بات کے کہ اسے ناران سے اٹھا کر بحری جہاز میں ڈالا گیا۔" وہ جاتے ہوئے اپنا ہاتھ سلوٹ کے سے انداز میں ماتھے پر مار کر اس دروازے سے باہر آیا تھا۔ اس کے لب وہی مخصوص سیٹی بجا رہے تھے۔ ہاسپٹل کے دروازے سے نکلتے ہی اس کے گارڈ نے برف باری سے بچنے کیلئے چھتری اس کے سر پر کھولی تھی۔ وہ آنکھوں پر چشمہ لگا کر اپنی فراری میں بیٹھا اور اس کی کھڑکی سے اوپر کی جانب دیکھنے لگا جہاں معروش کا کمرہ تھا اور وہ اس میں سے یہاں وہاں ٹہلتی نظر آ رہی تھی۔ ایک تضحیک بھری ناپسندیدہ مسکان اس کے لبوں پر پھیلی اور ڈرائیور کو چلنے کا اشارہ دیا۔

برف کے سمندر میں سے ان کی کار ایسے گزر رہی تھی جیسے بحری جہاز پانی کو چیرتا ہوا آگے کو بڑھتا ہے۔ ان کی کار کے جارحیت بھرے پہیوں سے برف دھوئیں کی طرح فضاء میں اڑ رہی تھی۔ یہ دھواں اڑاتی کار ایک گیراج ٹائپ جگہ پر آ کر رکی۔ ایک بار پھر خلیفہ کے اترنے سے پہلے ہی اس کے سر پر چھتری کھول دی گئی تھی۔ وہ اپنا پاؤں تک جاتا شرگ نما ایش گرے کوٹ کو درست کرتے ہوئے اس گیراج کے سامنے آ کر رکا جس کا شٹر ان کا ایک ساتھی اٹھا رہا تھا۔ شٹر کے اٹھتے ہی تیز زرد روشنی اطراف میں پھیل گئی۔ وہ روشنی اتنی تیز تھی کہ خلیفہ کو بھی اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھنا پڑا۔ جونہی اس نے ہاتھ کو ہٹایا زرد خزانے جیسی دمکتی روشنی میں ایک ادھیڑ عمر آدمی کرسی پر بندھا ہوا نظر آیا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پیچھے کو بندھے تھے اور منہ پر سیاہ ٹیپ چسپاں تھی۔ خلیفہ نے عینک اتار کر اپنی چین میں لٹکائی اور سج سج کر چلتے ہوئے اس شخص کے سر پر پہنچ گیا جو کہ ایک ٹاؤٹ تھا۔ وہ اپنے بھاری بوٹوں والا پاؤں اس کے گھٹنے پر رکھ کر جھکا اور اس کی تھوڑی اٹھا کر کہنے لگا۔

"ہیلو جاسوس، کیا حال ہیں تمہارے؟" وہ چیونگم چباتے ہوئے بڑے ہی نرم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ ایسے جیسے وہ یہاں اسے اذیت دینے نہیں بلکہ اس کی پرسائی کرنے آیا ہو۔ وہ آدمی کیا خاک بولتا منہ پر ٹیپ چسپاں تھی

مگر اس کے باوجود بھی وہ سر کو دائیں بائیں ہلا کر شاید کچھ کہنے کی سعی میں تھا۔

"میں نے سنا ہے کہ بڑے پاور فل آدمی کے حکم پر تم نے ہم پر ہاتھ ڈالا ہے لیکن یار یہ تو میری انسلٹ نہیں ہوگئی کیونکہ میں تو آج تک سمجھتا تھا کہ مجھ جیسا انسان پوری دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔" وہ اس کے بالوں کو اپنی انگوٹھیوں بھری انگلی میں جکڑ کر جھٹکے سے اوپر کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ خلیفہ کی بھلے آواز بڑی نرم سی تھی مگر انداز اور آنکھوں میں اترتا خون اس آدمی کو موت کا عندیہ دے رہا تھا۔

"چلو پھر ہم بھی سنیں ایسا کون ہے جس نے خلیفہ تبریز کو یہ باور کروانا چاہا کہ وہ اس کے برابر ہے۔" اس آدمی کے منہ سے بے رحموں کی طرح اس نے ٹیپ کھینچی تھی۔ اس کی کھینچ میں اتنی طاقت تھی کہ اس آدمی کے ہونٹوں کے اوپر کا گوشت بھی اس ٹیپ کے ساتھ چپک کر الگ ہوگیا تھا۔ خون کی پھوار اس آدمی کی ٹھوڑی سے گردن تک گرتی چلی گئی۔

"بول کون ہے وہ؟" اس بار ساری تمیز و تہذیب کو بالائے طاق رکھ کر وہ اپنی داڑھی کھجاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ وہ آدمی پہلے ہی ڈرا ہوا تھا یہ تیور دیکھ کر اور گھبرا گیا۔

"مجھے۔۔ مجھے کچھ نہیں پتا، بس میرے سیل پر کال آئی تھی کہ فلاں جہاز پاکستان سے روانہ ہوا ہے اور اس میں لڑکیوں کے ساتھ ساتھ اعلیٰ قسم کا اسلحہ بھی موجود ہے اگر اس کی خبر میں برطانیہ کی پولیس کو دے دوں تو مجھے اچھا خاصا انعام مل سکتا ہے اور پھر میں نے ایسا ہی کیا۔ میں تو چھوٹا موٹا چور ہوں سر، میری اس میں کوئی غلطی نہیں مجھے معاف کردو۔ مجھے بخش دو۔" وہ جرمن آدمی جرمنی میں تیز تیز ہاتھ جوڑتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کے آنسو تواتر سے اس کے گال بھگونے لگے۔ خلیفہ نے چند ثانیے اسے دیکھا اور پھر اتنی زور سے اس کی آنکھ پر گھونسا مارا کہ وہاں سے بھی خون کا سیلاب امڈ پڑا۔ خلیفہ کی موٹی انگوٹھی نے اس کی آنکھ کا گوشت پھاڑ دیا تھا۔

"اچھی کور سٹوری ہے۔ اب حقیقت بول نہیں تو تیری گرل فرینڈ اگلے دس سیکنڈ میں لقمہ اجل ہوگی۔" وہ اس کی آنکھوں میں اپنی سنجیدہ سنہری آنکھیں ڈالے اسے ختم کرنے کے ارادے سے کہہ رہا تھا۔ اگلا بندہ بھی گھاگ انسان تھا کیسے نا اس کے ارادے بھانپتا۔

"میں نام بتا دوں تب بھی تم مجھے مار دو گے تو بہتر نہیں میں غداری نہ کروں اور مر جاؤں۔" وہ جرمن جان گیا

تھا کہ اب اور ناٹک اس انسان کے سامنے نہیں چلنے والا اس لیے وہ سیدھا لائن پر آیا تھا۔ دو منٹ پہلے درد سے شور مچانے والا اب اتنے آرام سے بیٹھا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"تمہاری ناقص سوچ بس یہیں تک سوچ سکتی ہے۔ خلیفہ کی سوچ کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ جہاں تم سوچنا بند کرتے ہو وہیں سے میرا دماغ چلتا ہے۔ امید کرتا ہوں تمہاری اگلی زندگی بہت بری ہو۔" کہتے ساتھ ہی اس نے اس کے گھٹنے سے پاؤں اٹھانے کے بعد اشارہ کیا تھا۔ وہ الیکٹرک چیئر تھی جس کا ایک جھٹکا ہی اس گھاگ آدمی کے دماغ کو مفلوج کر گیا تھا۔ اس کے عین سامنے بیٹھتے ہوئے خلیفہ نے ایک جھٹکے کے بعد اپنے ساتھی کو اشارہ کیا اور اس جرمن کی گرل فرینڈ بندھے ہاتھوں اور اجڑے حلیے کے ساتھ اس کے سامنے تھی۔

"تمہارے منہ سے نکلا صرف ایک نام تمہاری محبوبہ کی عزت کو بچا سکتا ہے اور مجھے پورا یقین ہے تم اس کی عزت اپنی آنکھوں کے سامنے لٹتی ہوئی نہیں دیکھنا چاہو گے۔ چاہو گے کیا؟" سگریٹ کا لمبا کش بھرتے ہوئے وہ اس جرمن کے منہ سے نکلے مغلظات کو سن رہا تھا۔ ایک مبہم سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیلی۔

"تمہارے پاس تین سیکنڈ ہیں نام لے دو۔ نہیں تو۔" اس نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اس جرمن کی گرل فرینڈ اسے واسطے دینے لگی تھی۔ خلیفہ کے ایک ساتھی نے گنتی شروع کی۔

ایک

دو

اس سے پہلے تین آتا وہ جرمن پینک ہو کر چیخ اٹھا۔

"وہ گجی پہلوان ہے۔"

لائیٹر سے ہونٹوں میں پکڑے ایک اور سگریٹ کو سلگاتے ہوئے خلیفہ نے پل بھر کو رک کر اس جرمن کو دیکھا جو زور زور سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ہاں وہ گجی پہلوان ہی ہے۔ اس نے ہی مجھے کہا تھا کہ میں اس مال کو پکڑوا دوں لیکن یہ قدرت کی مہربانی تھی کہ ایسا نہ ہو سکا۔"

خلیفہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ دو قدم چل کر وہ اس لڑکی کے پاس آیا۔ ٹھوڑی سے اس کا منہ پکڑ کر اسے دائیں

بائیں کر کے دیکھا اور اپنے ایک ساتھی کو حکم دے کر باہر جانے لگا۔

"اس جرمن کے منہ پر ٹیپ چپکا کر اس کی گرل فرینڈ کا وہ حال کرو کہ آگے اس کی سات پشتیں بھی خلیفہ تبریز کے کام میں ٹانگ اڑانے کا نہ سوچیں۔ ہیو آ نائس نائٹ مائی ڈوگز۔" کہتے ساتھ ہی وہ باہر نکل آیا۔ اس کے پیچھے اس کے آدمیوں نے اس گیراج کا شٹر گرایا تھا۔ وہ ظالم اپنی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دھوئیں کے مرغولے چھوڑنے لگا۔

☆......☆......☆

"خواجہ ریاض کا بیٹا نشے کی حالت میں نازیبا حرکتیں کرتا ہوا پایا گیا۔ کیا ایسے نوجوان پاکستان کی عوام کی مثال بن سکتے ہیں؟ جاننے کیلئے ہماری ساتھ رہیے۔"

ہر ٹی وی، ہر اخبار پر بس ایک ہی خبر دھوم مچا رہی تھی۔ پہلے ان کے بھتیجے شاہد کے ساتھ کسی نے یہ گھناؤنی چال چلی تھی اور اب بات ان کے بیٹے پر آن پڑی تھی وہ کیونکر چپ بیٹھتے۔ انہوں نے اپنے ماتحتوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ان کی دھاڑ اس نرم گرم سے دن میں ہر سو گونجتی ہوئی سنائی دے رہی تھی۔

"یہ کون حرام خور ہمارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے، ڈھونڈ و اسے۔ زمین کھودو یا آسمان بس مجھے کل شام تک اس آدمی کا پتا چاہیے ہر صورت۔" وہ اپنا بی پی بڑھاتے ہوئے چیخ رہے تھے۔ خواجہ ریاض کا بیٹا بھی ان کے سامنے سرخ چہرے کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اب تک تو یہ خبر اڑاتی اڑاتی انگلینڈ تک پہنچ گئی ہو گی اور اس کی گرل فرینڈ اگر وہ پاکستان آ گئی تو؟ وہ معاملات کیسے سنبھالے گا۔

"مجھے لگتا ہے گنجی پہلوان کو آپ کی نگاہ سمجھ آ گئی تھی شاید اس نے جان لیا ہے کہ آپ سینٹ کی سیٹ پر نظر جمائے ہوئے ہیں۔" ان کے سیکرٹری نے اپنی دور اندیشی کو بیان کرتے ہوئے کہا۔ لمحے کیلئے تو خواجہ ریاض بھی ٹھٹکے تھے۔

"ہاں ایسا ممکن ہے لیکن وہ اس طرح مجھے بدنام کیوں کرے گا۔ اگر اس نے مجھے سینٹ کی سیٹ سے ہٹانا ہوا تو وہ اپنے مال کو راستے میں لے کر آئے گا یا پھر کوئی اور ڈیل کرے گا۔ نہیں یہ گنجی پہلوان نہیں بلکہ کوئی اور ہی ہے۔" انہوں نے اس بات پر اکتفا کیا کہ بی پی بڑھانے اور شوگر لو کرنے سے ان کا اپنا ہی نقصان ہے۔ کیوں نا

وہ دماغ کو ٹھنڈا کر کے اس سب پر نظر ثانی کریں اور اس آستین کے سانپ کو سامنے لے کر آئیں جو ان کے آس پاس ہی پل کر انہیں ہی ڈس رہا ہے۔ انہوں نے خلاء میں گھورتے ہوئے ایک نام سامنے رکھا جو کہ یہ تھا۔

"میرے خیال سے یہ کوبرا کا کام ہے جس طرح انہوں نے اپنے جاسوس میرے اڈے پر چھوڑ کر میرا ایک ٹن کا مال ہڑپا ہے اسی طرح وہ مجھے دنیا کے سامنے ننگا کرنا چاہتے ہیں۔" خواجہ ریاض کا ایک بار پھر فشار خون بلندیوں کو چھو گیا تھا۔ انہیں وہ جنگ یاد آ گئی تھی جس کا سامنا انہوں نے مہینے بھر پہلے کیا تھا۔ یہ بات کوئی تیس جنوری کی تھی جب ان کا مال لوڈ ہو کر افغانستان کے راستے غیر ملک جا رہا تھا۔ سب کچھ ریڈی تھا بس نکلنے کی دیر تھی۔

"ہاں بھئی طارق! کام سارا مکمل ہے نا۔" خواجہ ریاض سگار کا کش بھرتے ہوئے ان بڑے بڑے ٹرکوں کو دیکھ رہے تھے جو اوپر سے لے کر نیچے تک سامان میں لدے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک ٹرک تیل کا بھی تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس بظاہر دکھتے تیل کے اندر کیسا زہر چھپا ہے۔

"کوئی ٹینشن ہی نہیں ہے سر جی، سب کچھ سیٹ ہے۔ ہم بس ابھی نکلنے ہی والے ہیں۔" وہ ادھیڑ عمر آدمی اپنی پوری بتیسی نکالتے ہوئے خباثت سے خواجہ ریاض کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ اس کے عین پیچھے چند ایک مزدور لوگ ایک ٹرک پر سامان چڑھا رہے تھے، دکھنے میں تو وہ لوگ عام لگتے تھے مگر تھے نہیں۔ ہر کوئی اپنے اپنے دو نمبر کام میں پیک پر پہنچا ہوا تھا۔

"گڈ! ویری گڈ، بے خوف و خطر ہو کر جاؤ، کوئی تمہیں نہیں روکے گا اور اگر کسی نے اتنی جرأت کی بھی تو اپنا مخصوص کوڈ دوہرا دینا ہے۔" وہ سگار کے کش بھرتے ہوئے تفصیل سے ایک ایک ٹرک کا جائزہ لے رہے تھے لیکن انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ اس سپلائی میں جہاں ان کے چار بندے شامل تھے وہیں ان میں سے دو خلیفہ کے آدمی تھے جو اپنا کام پہلے سے ہی کر چکے تھے بس اب تو انہیں ڈرامہ دیکھنے کی دیر تھی۔

"راجر باس۔" طارق سلوٹ کے سے انداز میں ہاتھ کو ماتھے پر رکھتا اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ ٹرک خواجہ ریاض کی آنکھوں کے سامنے ہی نکلے تھے۔ یہ مال فقط ان کا ہی نہیں بلکہ ان کے ایک دور پرے دوست کا بھی تھا جس کے ساتھ حال ہی میں انہوں نے پارٹنر شپ کی تھی۔ اتنا زیادہ مال یورپ جا رہا تھا اس بار تو ان کے

وارے نیارے ہو جاتے تھے۔ وہ خوابوں، خیالوں میں گم اپنے آرام گاہ میں آ کر استراحت فرمانے لگے اور ان کے ٹرک اندھیری رات میں اپنی منزل کی طرف گامزن تھے۔ عام تام چوکیوں سے باآسانی گزرنے کے بعد وہ ٹرک جونہی ایک پوسٹ پر پہنچے انہیں رکنے کا اشارہ دیا گیا۔ وہ سب جانتے تھے کہ یہاں پر ہونے والی چیکنگ عام سی ہے لیکن ان کے ہوش تب اڑے جب وہاں موجود سرکاری لوگ ان کے ٹرک کی ایک ایک چیز زمین پر بیدردی سے پھینکنے لگے۔

"سرجی! کوئی رحم کرو ایسے تو ان کو زمین پر نہ پھینکو نا ہم کو واپس لادنے میں وقت لگے گا اور اگر سامان ٹائم پر نہ پہنچایا تو پے منٹ نہیں ہوگی۔ مالک الٹا غصہ ہوگا اور بیوی الگ شور مچائے گی۔" وہی طارق چہرے پر دنیا جہان کی مسکینیت طاری کیے کہہ رہا تھا۔ اس آفیسر کو اس کی بات پر اور تپ چڑھی۔

"تیرے مالک اور تیری تو ایسی کی تیسی، ڈرگ سپلائی کرتے ہو اور اوپر سے اتنے بھولے بنتے ہو۔ تم کو تو آج نہیں جانے دینا میں نے۔" وہ آفیسر کرخت آواز میں کہتا سوائے خلیفہ کے بندوں کے ان سب کے اوسان خطا کر گیا۔ کچھ دیر کیلیے تو وہ لوگ بولنے کے قابل نہیں ہوئے تھے پھر طارق نے ہی ہمت پکڑی۔

"سرجی، آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے ایسی بات۔۔۔" اس کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے جب پیچھے سے چند افسروں کے چلانے کی آوازیں آئیں۔

"سر! یہاں بھاری تعداد میں ڈرگ ہے اور اسے تیل کے ٹرک میں رکھا ہوا ہے۔" اس ایماندار آفیسر نے طارق کو کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھا۔ یہاں سے بس چند فرلانگ پر ہی بارڈر تھا جو واضح طور پر نظر آتا تھا۔ اس آفیسر نے فی الحال بی ایس ایف (بارڈر سیکورٹی فورسز) کو ہی وہاں طلب کر لیا تھا جو سائرن بجاتی گاڑیوں سمیت دو منٹ میں ہی ادھر تھی۔

"گرفتار کر لو ان لوگوں کو۔" انہوں نے آتے ہی انہیں ہتھکڑیاں پہنا دیں۔ وہ سارا مال جو کے نقلی تھا اب ان لوگوں کے حوالے تھا۔ اصل مال تو خلیفہ کے ساتھیوں نے کب سے اپنے اڈے پر پہنچا دیا تھا۔ یہ سارا سوانگ ہی خلیفہ کے دماغ کے دین تھا۔ اس نے ہی یہاں موجود سیکورٹی پر تعینات اپنے دوست سے مدد کی درخواست کی اور یوں خواجہ ریاض کو وہ بڑا جھٹکا دینے میں کامیاب ہو گیا۔ خواجہ ریاض کی تو اتنے بڑے نقصان پر راتوں کی

نیندیں ہی اڑ گئی تھیں۔اڑتی بھی کیوں نا، آخر کو کروڑوں کا نقصان ہوا تھا۔وہ بلڈ پریشر کے تو مریض تھے ہی اس حادثے نے انہیں ذیابیطس کا مریض بھی بنا دیا تھا۔پھر چند دن بعد انہیں ایک ہولناک خبر ملی۔وہ یہ تھی کہ گرفتار ہوئے ان کے ساتھیوں میں دو ساتھی شامل نہیں تھے بعد میں پتا چلا تھا کہ وہ خلیفہ کے ساتھی تھے اور اسی وجہ سے انہیں گرفتار نہیں کیا گیا۔طیش میں آ کر انہوں نے خلیفہ کو فون ملایا۔

"آہ خواجہ! مجھے تمہارے ہی فون کا انتظار تھا۔کہو کیسی گزر رہی ہے؟" مذاق اڑاتا لہجہ خواجہ ریاض کا بی پی ایک سونوے پر کر گیا۔

"خلیفے! تو نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔" وہ اتنی زور سے دھاڑے کہ خلیفہ کو فون کان سے پرے کرنا پڑا

" کیا خواجہ وہ بات کرتے ہو جس پر بندہ ہنس بھی نہ سکے۔تم مجھے بتاؤ کیا میں نے کبھی کسی کے ساتھ اچھا کیا ہے؟" وہ اتنے مزے سے اتنے آرام سے بول رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"تمہیں اپنے کیے، ہر عمل کا حساب دینا ہوگا میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔" سرخ چہرے کے ساتھ گردن کی رگیں پھلائے وہ پاگلوں کی طرح چیخ رہے تھے۔

"جو ہم سے غداری کرے، ہمارا کھا کر ہم پر ہی تھوکنے کی کوشش کرے اسے خلیفہ معاف نہیں کرتا۔یہ تو ڈیمو ہے خواجہ ریاض۔آگے تو اور بڑے بڑے جھٹکے ملنے ہیں تمہیں۔سولو فلائٹ کا آخر کوئی تو انجام ہو۔" بہت لمبا سگریٹ کا کش اس نے بھر کر جیسے ہاتھ جھاڑا تھا۔خواجہ ریاض اس کے اس انداز سے دہل کر رہ گیا۔وہ جانتا تھا جو خلیفہ کہتا ہے وہ کر گزرتا ہے لیکن اب بات انا کی تھی اور انا نے کبھی کسی کو گھٹنے ٹیکنے دیے ہیں بھلا؟

"بھاڑ میں گیا تمہارا ڈیمو اور بھاڑ میں گئے تم، یاد رکھنا میں بھولنے والوں میں سے نہیں ہوں۔" کہتے ساتھ ہی انہوں نے فون کاٹ دیا تھا۔اس بات کے کچھ ہی عرصے کے بعد ان کے بھتیجے شاہد کی ویڈیو منظر عام پر آ گئی تھی۔تب اتنا اہم معاملہ نہیں تھا جتنا اب ہے۔اب ان کے بیٹے کے کریئر اور ان کی سیٹ کا سوال ہے جس کیلئے وہ ہرگز خاموش نہیں بیٹھ سکتے تھے۔

"نہیں سر! مجھے نہیں لگتا یہ خلیفہ تبریز کا کام ہے۔اس کارنامے کے پیچھے یقیناً کوئی اور ہی ہاتھ ہے کیونکہ اس پارٹی میں خلیفہ کا کوئی بھی بندہ نہیں تھا۔اگر ایک تھا بھی تو وہ فقط دلال تھا اور کچھ نہیں۔یہ کام کسی اور کا ہی ہے۔

آپ یاد کرنے کی کوشش کریں کوئی ایسا شخص ضرور آپ کو یاد آجائے گا جس سے اس طرح کے کام کی توقع کی جاسکتی ہے۔" اپنے سیکرٹری کے وثوق سے کیے جانے والی بات پر انہیں بھی سوچنا پڑا تھا۔ پھولے ہوئے پیٹ والا خواجہ ریاض خلاؤں میں گھورنے لگا۔ چند سیکنڈز بعد یکدم ان کے دماغ میں جھماکا ہوا تھا۔

"کہیں یہ کام ظاہر کا تو نہیں؟"

اس اندازے نے ان کے کرپٹ سیکرٹری کے لبوں پر کمینی مسکان طاری کردی۔ اس مسکان کو دیکھتے ہوئے خواجہ ریاض کو زوردار جھٹکا لگا تھا۔

"یعنی تم کہنا چاہ رہے ہو کہ یہ کام ظاہر کا ہی ہے؟" وہ جیسے اتنی بڑی بات کی تصدیق چاہ رہے تھے۔ ان کے سیکرٹری نے آنکھیں بند کر کے اثبات میں سر ہلایا۔

"بلاشبہ یہ انتقامی کارروائی لگتی ہے۔ اب آپ خود دیکھیں جب وہ یہاں آیا تھا تو بے عزت ہو کر گیا تھا۔ دوسرا اس کی بیٹیوں کو ہم نے پورا دن حبس بے جا میں رکھا تو سو فیصد تصدیق کے ساتھ یہ کام ظاہر کا ہی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کا ان دنوں کسی کے ساتھ بھی کوئی خاص پھڈا نہیں ہوا جو اس طرح کی کوئی حرکت کرے۔ ظاہر کو طلب کریں اور اس سے باز پرس کریں۔"

اس سونے جیسے دمکتے دن میں خواجہ ریاض کا بی پی آسمان کو چھونے لگا تھا۔ ایک پل کو انہیں لگا کہ ان کی شریان ہی نا پھٹ جائے۔

"بدترین انجام کیلئے تیار رہو ظاہر!" وہ خطرناک عزائم اپنے گوشت سے بھرے ہوئے چہرے پر سجا کر تصور میں اس کی میت دیکھ چکے تھے۔

☆......☆......☆

"ادھر آؤ میری بات سنو۔" ثوبیہ اسے کہنی سے گھسیٹتی ہوئی ایک کونے میں لے گئی۔ دور اسے لٹا پٹا سا بلال دکھائی دے رہا تھا جو اتنا ہینڈسم تھا کہ کسی کی بھی توجہ کا مرکز بن سکتا تھا لیکن یمن نے اسے ٹھکرا دیا اس شخص کی خاطر جسے وہ جانتی تھی اور نہ ہی پہچانتی تھی مگر اپنا دل دے بیٹھی تھی۔

"کیا بکواس کی ہے تم نے بلال سے، یمن، تم اسے انکار کرنے کا سوچ بھی کیسے سکتی ہو۔ وہ تمہارا دوست

ہے آفٹر آل۔" دنیا جہاں کا تفکر چہرے پر سجائے وہ پھٹتے ہوئے اسے کہہ رہی تھی۔یمن کی دائیں آنکھ سے آنسو ٹپک کر نیچے گرا۔ہوا چل رہی تھی۔درخت ہل رہے تھے۔وہ گھنے سبز درخت کے نیچے کھڑی تھی۔اس کے آگے پیچھے ہر طرف سبزہ ہی سبزہ تھا لیکن دل میں ہر طرف خار دار جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں۔

"تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔" اس کی پر عزم آواز سنائی دی۔ثوبیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں ہمہ تن گوش ہوں۔" یمن نے اپنا نچلا لب کچلا۔دور اسے اسی حالت میں بلال بیٹھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں گلابی لائنیں بننی شروع ہو چکی تھیں۔دانتوں کو آپس میں سختی سے پیوست کیے وہ آنسوؤں کا گلا گھونٹتے ہوئے بامشکل بولی۔

"یہاں نہیں گھر چلتے ہیں۔"

ثوبیہ اس کی آواز کی لرزش کو پہچان گئی۔دل کے آس پاس گول دائرے میں ڈھیر ساری خطرے کی گھنٹیاں بجنی شروع ہو گئی تھیں۔وہ بیٹھتے دل کے ساتھ یمن کو گھر لائی۔سارا راستہ خاموشی کی نذر کرنے کے بعد اس نے یمن کے کاؤچ پر بیٹھتے ہی کہہ ڈالا۔

"بولو میں سن رہی ہوں لیکن ایک بات یاد رکھنا ہم بہنیں ہیں اور بہنوں سے کچھ چھپایا نہیں جاتا۔ٹھیک ہے؟" وہ اس کے ساتھ بیٹھتی اس کا ہاتھ تھامے کہہ رہی تھی جو کہ بری طرح کانپ رہا تھا۔ثوبیہ نے اس ہاتھ کو سختی سے دبوچا۔اس سختی میں مان تھا، یقین تھا اور ایک دوسرے سے محبت پنہاں تھی۔اسے طویل انتظار کے بعد یمن کی گیلی آواز سنائی دی۔

"اس کا نام خلیفہ تبریز ہے۔" وہی ہوا جس کا ثوبیہ کے دل کو خدشہ تھا۔جانے کیوں مگر اس کی آنکھیں ایک غیر مرد کا نام اپنی بہن کے منہ سے سن کر بھیگ گئیں مگر اس نے کنٹرول کیا کہ اس وقت کا تقاضا خود پر بند باندھنا ہی تھا۔

"میں نے ایک سال پہلے سنٹوریس مال میں اسے دیکھا تھا۔وہ ایلی ویٹر سے نیچے کو جا رہا تھا اور میں اوپر کو، ایسے ہی سرسری سی میری نگاہ اس پر اٹھی تھی اور میں وہیں راستہ بھٹک گئی۔میں نہیں جانتی مجھے کیا ہوا تھا مگر میرا دل بہت زور کا دھڑکا تھا۔اس کی دھڑکن اتنی تیز تھی کہ مجھے لگا پورا اسلام آباد میرے دل کا حال جان گیا ہے۔"

وہ کہتے کہتے پل بھر کو رکی۔ اس کی آواز بے طرح کانپتی ہوئی تھی اور آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے۔

"پھر اس دن کے بعد میں نے اسے نہیں دیکھا ہاں انٹرنیٹ پر اسے بہت سرچ کیا تھا۔ میری اس محنت کا نتیجہ ہی تھا کہ وہ مجھے مل گیا۔ میں نے فیس بک، انسٹاگرام، ٹیوٹر ہر جگہ اسے فالو کیا ہوا ہے اور ان سب کی بدولت ہی مجھے معلوم ہوا کہ وہ لاہور کا رہنے والا ہے۔ نہیں مجھے ایسے مت دیکھو میں نے کبھی بھی اس سے بات نہیں کی۔ اپنی راتوں میں اسے میسجز نہیں کیے۔ میرا یقین کرو وہ آج بھی میرے لیے اتنا ہی انجان ہے جتنا پہلے روز تھا۔"

ثوبیہ کی ساکت ودکھی نگاہیں دیکھ کر یمن کو لگا جیسے وہ اس پر شک کر رہی ہے تبھی تو اس کے دل پر ہاتھ پڑا اور وہ بلبلا اٹھی۔

"وہ سکیچ جو تم مجھ سے بنوا رہی تھی کیا وہ بھی اسی کا ہے؟" بہت مدھم آواز میں ثوبیہ نے پوچھا تھا۔ یمن نے شرمندگی سے اثبات میں گردن جھکا کر سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے آگے بتاؤ۔" ویسی ہی سپاٹ آواز کے ساتھ وہ اسے کہہ رہی تھی۔ یمن نے آنسو پونچھے اور پھر آگے کی تمام بات اسے بتا دی۔

"میرا یقین کرو وہ سب ملاقاتیں اتفاقیہ تھیں اور میں تو اس کے ساتھ جانا بھی نہیں چاہتی تھی مگر جانے اس کی آنکھوں میں ایسا کیا ہے جو وہ ایک نظر مجھے دیکھتا ہے اور میں بے بس ہو جاتی ہوں۔ وہ جادوگر ہے ثوبیہ! اور اپنے بھرپور جادو سے وہ مجھے قید کر رہا ہے۔ میں قید تو ہونا چاہتی ہوں لیکن ذلیل نہیں۔ پلیز میری مدد کرو۔" وہ منہ پر ہاتھ رکھے پھوٹ کر رو دی۔ ثوبیہ نے اسے گلے سے لگایا اور اسی طرح بولی۔

"کوئی بھی جادوگر نہیں ہوتا یمن! بس یہ ہمارا دل ہوتا ہے جو کسی کا بھی اسیر ہو جاتا ہے۔ تمہیں کچھ سمجھاؤں تو کیا کھلے دماغ سے سنو گی؟"

اس نے اجازت لینی چاہی تھی۔ یمن نے آنسو صاف کیے اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں سنوں گی، آخر کو میں نے اس لیے ہی تو تمہیں بتایا ہے تاکہ میں کچھ سن سکوں، کچھ کہہ سکوں۔ پلیز کہو اور میری مدد کرو۔"

وہ جھٹ سے آنسو رگڑتے ہوئے اسے دیکھ کر کہہ رہی تھی۔ ثوبیہ نے گہرا سانس بھرا اور کہنے لگی۔

"دیکھو یمن! جب ہم کسی غیر مرد کو دل میں جگہ دے لیتے ہیں نا تو ہمارے ساتھ صرف ہماری ہی عزت جڑی نہیں رہتی وہ ہمارے ماں باپ بھی ہوتے ہیں جن کی عزتوں کو ہم عورتیں اپنے سر پر لیے پھر رہی ہوتی ہیں۔ ہمارا کردار، ہماری تربیت ہی ظاہر کرتی ہے کہ ہم کیسے والدین کی اولاد ہیں۔ ہمارا بیک گراؤنڈ کیسا ہے۔ برا مت ماننا مگر تمہاری سٹوری بھی اس دنیا میں موجود ہر تیسری ٹیپیکل لڑکی والی ہے جو کسی انجان کو دل دے بیٹھتی ہے پھر اس کے ساتھ ہوٹلنگ کرتی ہے، شاپنگ کرتی ہے اور ایٹ دی اینڈ اپنا سب کچھ گنوا بیٹھتی ہے۔"

یمن نے کچھ کہنا چاہا تھا شاید وہ اس بات پر احتجاج کرنا چاہتی تھی مگر ثوبیہ کے اٹھتے ہاتھ پر وہ خاموش ہوگئی۔

"میں نے تمہیں تحمل سے سنا، تم بھی مجھے پرسکون ہو کر سنو۔" نرم مگر سپاٹ آواز میں کہہ کر اس نے بات وہیں سے شروع کی۔

"شروع سے ہی یہ بات ہر کسی کے مائنڈ میں ہے کہ ہم اپر کلاس کی لڑکیاں بہت عام محبتیں کرتی ہیں۔ دو چار مہینے کسی کو دل دے کر پھر کسی اور کا ہاتھ تھام لیتی ہیں۔ آنٹی ناہیدہ کو تو تم جانتی ہو ناں۔ ان کی بیٹی کے کتنے چرچے ہیں۔ کیسی کیسی باتیں نہیں بناتے لوگ اس کے بارے میں جبکہ وہ تو کھلے عام سب کو کہتی ہے کہ یہ جو لڑکا ہے وہ اس کا بوائے فرینڈ ہے اور ان دونوں کا سالوں کا ساتھ ہے مگر تم یمن! تمہارا کیس مختلف ہے۔ تم نے کہا وہ آیا اور اپنے ساتھ بٹھا کر تمہیں دور دراز جنگلوں میں لے گیا۔ میں تو حیران ہوں اتنی ہمت تم میں آ کہاں سے گئی۔ کیا تم واقعی اماں حوا کی بیٹی ہو؟ کیا واقعی تمہارا تعلق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے؟ کیا تم واقعی ان کی امتی ہو؟ ان کی جنھوں نے سب سے زیادہ عورت کے حقوق کو سامنے رکھا تا کہ وہ جاہل مرد انہیں پاؤں کی جوتی نہ بنا لیں۔ کیا جب تم اس خلیفہ کے ساتھ جا رہی تھی تو تمہارے دماغ میں وہ نہیں آئے چلو ٹھیک ہے مان لیتے ہیں کہ تم اس وقت ہپناٹائز ہوگئی تھی لیکن ایک بات بتاؤ، جب تمہیں ہوش آیا تھا تو کیا تمہیں احساس ہوا تم کیا کر بیٹھی ہو؟"

کہتے کہتے وہ یکدم رکی تھی۔ وجہ اس کا اپنا لہجہ تھا جو سخت ہوگیا تھا۔ اس نے اسے نارمل کیا اور بات وہیں سے جوڑی۔

"وہ انسان طاقتور تھا۔ ہر مرد طاقتور ہوتا ہے۔ سوچو اس طاقت کو استعمال کرتے ہوئے وہ تمہیں اس بیابان سے واپس نہ لاتا تو آج موم اور ڈیڈی کا کیا حال ہو رہا ہوتا۔ وہ تو جیتے جی مر جاتے نا۔ ٹھیک ہے محبت ہونا غلط

بات نہیں اور نہ ہی اس کی وجہ سے کوئی سزا مقرر ہے لیکن جو محبت کرتا ہے نا وہ اپنی عزتوں کو سڑکوں پر نہیں رلواتا۔ وہ ڈائرکٹ گھر رشتہ لے کر آتا ہے اور اس انسان کو جو دل میں آن بسا ہے اپنی زندگی میں بساتا ہے۔ایسا نہیں ہے کہ میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں میں ہر اچھے میں تمہارے ساتھ کھڑی ہونگی لیکن برے کام میں میرے ساتھ کا تم سوچنا بھی مت۔ میں نے نہیں چاہتی ہر تیسری لڑکی کی طرح تمہارے قدم بھی لڑکھڑائیں اور تمہارے سر سے ہم سب کی عزت خاک میں مل جائے۔"

بات مکمل کر کے وہ اپنی ہتھیلی کی پشت کو دیکھ رہی تھی جس پر یمن کے آنسوؤں نے چھوٹا سا تالاب بنا دیا تھا۔

اسی تالاب جیسی گیلی آواز ثوبیہ کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"خلیفہ ایسا نہیں وہ وہ سب سے الگ ہے۔"

ثوبیہ کا اس بات پر دل کیا ابھی یمن کا ہاتھ پکڑے اور اسے امی کے سامنے لا کھڑا کرے مگر وہ خون کے گھونٹ بھر کر رہ گئی۔

"افسوس ہر تیسری لڑکی کی طرح تمہاری سوچ بھی عام ہو گئی ہے۔ٹھیک ہے میں اس عام سوچ پر یقین لاتی ہوں۔اپنے اس الگ خلیفہ کو کہو تمہارا رشتہ لے کر آئے اگر اس نے ایسا کیا تو ٹھیک ہے نہیں تو ایک بڑی بہن ہونے کے ناطے میں تمہیں بھٹکنے نہیں دونگی۔" اس نے دو سیکنڈ بڑے ہونے کا رعب جھاڑا اور بالکونی میں آ کر کھڑی ہو گئی۔باہر آتے ہی اس نے دروازے کو کنڈی لگائی اور اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر رونے لگی۔

کب سے رکے آنسوؤں کو اب راستہ ملا تھا۔دکھ اب پورے وجود کے ساتھ اس کے سامنے براجمان تھا۔ راستہ دشوار تھا مگر یقین محکم تھا۔

☆......☆......☆

"2003ء تا فروری 2005ء تک انسانی اسمگلروں کے خلاف 747 انکوائری اور 850 مقدمات کے ایف آئی اے میں اندراج ہوئے۔اس عمل کے دوران انسانی اسمگلنگ میں ملوث 642 مجرموں کو گرفتار کیا گیا۔ تفتیش مکمل ہونے کے بعد 316 مقدمات عدالت کو بھجوائے گئے۔74 مقدمات میں سزا دی گئی باقی زیر سماعت ہیں۔200 ٹو پی اینڈ سی ایچ ٹی او کے تحت کامیابیوں کی تعداد اور کوالٹی بہتر کرنے کیلئے موثر نگرانی کا عمل جاری و

ساری ہے۔ یہ سب وہ معلومات ہیں جن کا تعلق غیر قانونی طریقے سے باہر ممالک لاکھوں لوگوں کو بھیجنا ہے اور اس کے بعد ان سے غیر انسانی کام نکلوانے ہیں۔ حکومت پاکستان نے اسمگلنگ کی روک تھام کیلئے خاصی کڑی پالیسیاں تیار کی ہیں۔ وزارت داخلہ میں ایک اسٹیئرنگ کمیٹی قائم کی گئی ہے، جو انسانی اسمگلنگ کے خلاف کی جانے والی کوششوں کا جائزہ لے گی۔"

ساشا سمندر خان کے سامنے رٹے ہوئے طوطے کی طرح بتا رہی تھی۔ سمندر خان کی پرانی عادت تھی اسے ہر منٹ کی خبر ہر دوسرے دن چاہیے ہوتی تھی خواہ وہ یہ خبر منٹ منٹ بعد ہی کیوں نہ سنے۔ اب بھی وہ یہی کر رہا تھا سنی ہوئی خبر کو سن کر ٹھٹھا لگا رہا تھا اور اس کی بات درمیان میں منقطع کر کے کہہ رہا تھا۔

"اور وہ اسٹیئرنگ کس کے ہاتھوں میں ہے۔" وہ جیسے اپنی ہی بات سے محظوظ ہوا تھا۔ ساشا نے اس پر مسکراہٹ پھینک کر پھر سے کہنا شروع کیا۔

"جوائنٹ سیکرٹری (سیکیورٹی)، وزارت داخلہ کو رابطہ اور معلومات کے تبادلے کیلئے فوکل پوائنٹ بنایا گیا ہے۔"

ایک بار پھر سمندر خان نے اس کی بات کو کاٹا۔ وہ آج خوشگوار موڈ میں تھا۔

"فوکل پوائنٹ میں آدمی کس کے ہیں۔" پیٹ پر ہاتھ رکھے وہ زور زور سے ہنس رہے تھے۔ اس بار تو ساشا نے بھی اس کے ہنسنے میں ساتھ دیا۔ وہ اپنے گھٹنوں پر دودھیا ہاتھ رکھ کر سمندر خان کو یوں ہنستا ہوا دیکھ رہی تھی۔ اسے پتا چل گیا کہ آج وہ سخت غصے میں ہے۔ جی سمندر خان کی یہی عجیب بات ہوتی تھی کہ جب اسے غصے آتا تھا تو وہ یوں ہی فضول کے قہقہے لگاتا تھا۔ ساشا کے دل کو دھڑکا لگا۔ وہ پھیکی مسکان سے اسے دیکھے گئی۔

"یہ حکومت وکومت کچھ نہیں ہیں نا ہی یہ ایجنسیز کسی کی کام کی ہیں۔ یہ سب پیسوں کے اشاروں پر چلنے والی چیزیں ہیں۔ ہم حکومت کو خریدتے ہیں حکومت ایجنسیوں کو خرید کر ہمارے اشارے پر چلاتی ہے۔ کیا تم بھول رہی ہو ایک عام کونسلر سے لے کر اس ملک کا صدر تک سب ہم جیسوں کے رحم و کرم پر ہی اس مقام پر آتے ہیں۔ ذرا ان سے پوچھے کوئی کہ یہ جو جائیدادیں ہیں کیا یہ ان کے باپ دادا کی ہیں؟ اتنے پیسے محض الیکشن جیتنے کیلئے جو یہ لوگ لگاتے ہیں تو وہ کیا ان کے اپنے بینک اکاؤنٹس کی دین ہیں؟ نہیں! ہمارا نمک کھا کر ہی انہیں یہ مقام ملتا

ہے۔ہم ہاتھ ہٹالیں تو یہ دم بھی نہ ہلاسکیں لیکن پھر بھی یہ ہم پر ہی چڑھ دوڑتے ہیں۔خلیفہ کو فون لگاؤ اور اسے کہو ایس کے نے یاد کیا ہے تمہیں۔" ہاتھ کا اشارہ کر کے وہ ساشا کو وہاں سے جانے کا کہہ رہے تھے۔جب سے انہیں پتا چلا تھا کہ ایک بار پھر سے ان کی مخبری ہوئی ہے تب سے وہ یونہی آگ بگولہ تھے۔ساشا جی اچھا والے انداز میں اپنی نیوی بلیو پنسل ہیل کی آواز پیدا کرتی اس کمرے سے باہر آئی اور خلیفہ کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔نمبر تو نہیں ملا تھا مگر اس نے ایک عجیب سا شور سنا تھا۔مارے تجسس کے وہ راہداری میں دائیں طرف مڑی،مڑتے ہی حیرت کا شدید جھٹکا اسے لگا تھا کیونکہ سامنے سے ہی خلیفہ تبریز چلتا آرہا تھا۔اس کے ساتھ وہ جرمن گرتا پڑتا آرہا تھا جس کے بال اس نے اپنے ہاتھوں میں دبوچے ہوئے تھے۔اس جرمن کی شاید زبان نہیں تھی یا پھر اسے کاٹ دیا گیا تھا تبھی وہ عجیب طرح کی آوازیں نکال رہا تھا۔خلیفہ ساشا کے پاس آکر رکا۔

"ہاٹ لگ رہی ہو۔" وہ جانے کس موڈ میں تھا کہ ایک آنکھ دباتا ساشا جیسی بولڈ لڑکی کو بلش کر گیا۔اس نے آسودگی سے خلیفہ کو کہا۔

"ایس کے نے تمہیں یاد کیا ہے۔" ایک ادا سے کہتی ہوئی وہ سائیڈ پر ہوئی تھی۔خلیفہ نے بنا ناک کیے دروازہ کھولا اور اس جرمن کو زمین پر لا پٹخا۔

"یہ تھا وہ جس نے مخبری کی اور اب ذرا دل و دماغ کو پرسکون کر لیں کیونکہ جس کا نام میں بتانے لگا ہوں اسے سننے کیلئے آپ کو ٹھنڈے دماغ کی ضرورت ہوگی۔" اپنا کوٹ ان کے صوفے پر پھینک کر وہ ان کے پاس ہی بیٹھا تھا۔سمندر خان نے اس کے ماتھے کا بوسہ لیا اور کہنے لگے۔

"تم جانتے ہو میں کتنے مضبوط اعصاب کا مالک ہوں۔میرے لیے کوئی بھی جھٹکا بڑا ثابت نہیں ہوگا۔" وہ بھاری آواز میں اپنے مخصوص لہجے میں بولے تھے۔خلیفہ نے ہاں میں گردن کو جنبش دی اور وہ نام لے دیا۔

"جس کے کہنے پر اس جرمن نے مخبری کی ہے وہ کوئی اور نہیں بلکہ گجی پہلوان ہے۔ہاں وہی گجی پہلوان جو عرصہ دراز پہلے ہم سے کچھ ہیروئن ادھار لے کر گیا تھا کہ اسے اپنا کاروبار چلانا ہے اور پھر اسی ہیروئن کے اس نے ہمیں ڈبل پیسے کر کے دیے تھے۔وہی گجی پہلوان جو خواجہ ریاض کی طرح لانچ میں آکر سولو فلائٹ شروع کر چکا تھا آج وہ کراچی کا جانا مانا غنڈہ ہے۔اور اس غنڈے نے ہماری راہ میں پتھر ڈالنے شروع کر دیے ہیں۔

اس کی نگاہ سینیٹر کی سیٹ پر بھی ہے۔" اس نے اتنے ہی آرام سے کہا جتنا اسے لگا کہنا چاہیے۔ سمندر خان واقعی مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ یہ نام سن کر فقط ان کا ماتھا تنا تھا کچھ زیادہ فرق نہیں پڑا۔

"اگر ایسا ہے تو پھر وہ ہم سے دو دو ہاتھ کیوں کر رہا ہے۔" سگار سلگاتے ہوئے انہوں نے اپنا پشاوری چپل والا پاؤں اس جرمن کی پشت پر رکھا جسے خلیفہ نے جھٹکے سے نیچے پھینکا تھا۔ سمندر خان نے اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر ہی قابو پا کر اپنا بھاری پاؤں اس پر رکھ دیا ایسے کہ وہ اٹھ نہ پائے۔ خلیفہ ان کی بات پر جھٹکے سے مسکایا۔

"اس کا ایک بہت ہی اہم بندہ حال ہی میں مجھ سے اتفاقیہ طور پر مارا گیا شاید اسے اس بات کی خبر ہو گئی ہے اور اسی وجہ سے وہ ہم سے بدلہ لینا چاہتا ہے۔" وہ اس ٹکڑوں میں کٹے آدمی کی لاش کو سوچتے ہوئے محظوظ سا بولا۔ سمندر کی عمیق نگاہیں خلیفہ پر جم گئیں۔

"تم سے؟ لیکن کس سلسلے میں؟ اور مجھے اس بات کا علم کیوں نہیں۔" ان کے ان یکے بعد دیگرے سوالات پر خلیفہ نے شانے اچکائے اور ٹانگ سیدھی کر کے ٹیوب لائٹس سے سجی چھت کو دیکھ کر بولا۔

"وہ ہمارے کام میں ٹانگ اڑا رہا تھا۔ وجہ اس کی گرل فرینڈ تھی جسے ہمارے ایک بندے نے ائیر پورٹ سے اپنی لڑکی سمجھ کر اٹھا لیا تھا۔ اس بات کو اس نے انا کا مسئلہ بنایا اور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔" خلیفہ کے بوٹ بھی اب اس جرمن کے کاندھوں پر تھے۔ وہ پاؤں کی قینچی بنائے انہیں ہلاتے ہوئے ان دودھیا روشنیوں کو دیکھ کر بول رہا تھا جو اب اس کی سنہری آنکھوں میں اپنا عکس چھاپنے لگی تھیں۔

"پھر تو تم نے صحیح کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی فیملی کو بھی اڑا دیتے، جو شخص ہمارے کام میں ٹانگ اڑائے اس کا مر جانا ہی بہتر ہے۔" اپنے پاؤں کا دباؤ انہوں نے بڑھایا اور جھک کر اس جرمن کو بالوں سے پکڑ کر اپنے منہ کے برابر کیا۔

"تم غلط پھنسے بیٹے! تمہیں اس گجی کی باتوں میں نہیں آنا چاہیے تھا۔ کبھی سنا ہے تم نے کوئی بیٹا اپنے باپ سے جیت گیا؟ نہیں سنا ہوگا۔ تم جانتے نہیں ہو اس گناہوں کی دنیا کا میں راجہ ہوں اور باقی سارے میرے ماتحت! تم کو ابدی زندگی مبارک ہو۔" کہتے کہتے انہوں نے اپنی جیب سے چھری نکالی اور یکدم اس کی گردن پر پھیر دی۔ خون کی تیز دھار سرخ قالین میں بے رنگ ہو کر جذب ہونے لگی تھی۔ سمندر خان نے تالی بجائی۔ دو

تین سرونٹس دروازہ کھول کر اندر آ گئے۔

"لے جاؤ اس نامراد کو اور ہمارے کتوں کے آگے ڈال دو اور ہاں، یہ۔" حقارت سے کہتے ہوئے انہوں نے قالین کی جانب اشارہ کیا۔ "یہ بدبودار قالین اٹھاؤ اور اسے کوڑے میں پھینک دو، دشمن کے خون کی ایک بوند بھی ہم برداشت نہیں کر سکتے۔" ان کے حکم کی دیر تھی کہ وہ سرونٹس پھرتی سے اپنا کام کرنے لگے۔ سمندر خان نے اپنی جان کی طرف نگاہ کی۔

"خدا تم پر مہربان رہے بچے! کرو آج ہم سے بھی فرمائش۔" وہ اس آلودہ چاقو کو نیچے پھینکتے ہوئے کہہ رہے تھے ساتھ ساتھ ٹشو سے اپنا ہاتھ بھی صاف کر رہے تھے۔ خلیفہ نے ان کا آسودہ چہرہ دیکھا اور آگے کو جھک کر ان کے ہاتھوں کا بوسہ لے لیا۔

"وقت آنے پر کروں گا خان! ابھی تو آرام کی طلب ہے" ان کے ہاتھوں کو عقیدت سے چوم کر وہ کھڑا ہوا۔

"کہو تو کچھ انتظام کرواؤں؟"

گہرا سانس لیتے ہوئے وہ ان کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ نہ میں سر ہلایا۔

"نہ خان! ابھی تو صرف سونے کا موڈ ہے، دوپہر مبارک ہو۔" دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر وہ کوٹ کو کاندھوں پر ڈالے مڑ گیا۔ سمندر خان نے نظر اتارتی نگاہوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھا اور پھر دفعتاً ان کی نگاہ اپنی قمیض کی جیب پر پڑ گئی جہاں سرخ خون کا دھبہ پڑا ہوا تھا۔ وہ منہ بناتے واش روم کا رخ کرنے لگے۔

☆......☆......☆

وہ آج ہی پاکستان لوٹی تھی۔ ہاں اس بار بھی اس کے ہاتھ کوئی اہم معلومات نہیں آئی تھیں جن کو کڑی بنا کر وہ خلیفہ کو اس میں جکڑ سکتی۔ خلیفہ نے ٹھیک کہا تھا کہ اس لڑکی کو کچھ نہیں پتا ماسوائے اس کے کہ وہ پاکستان کے شمالی علاقہ جات سے اغوا ہو کر کہیں اور سپلائے کی جا رہی تھی مگر پھر بھی معروش نے اپیلی کیشن دے کر اس لڑکی کو پاکستانی سیل میں منتقل کروا لیا تھا کہ بارہا وہ تھی تو ایک پاکستانی لڑکی ہی نا جو کچھ عرصہ پڑھنے پاکستان سے باہر گئی تھی اور پھر واپس لوٹ آئی تھی۔

ہار نہ مانتے ہوئے وہ مصمم ارادے اور مضبوط اعصاب کے ساتھ مسکراتے ہوئے اس جہاز سے نکلی جو اسے

اس کی عزیز سرزمین پر لایا تھا۔آنکھوں پر نیلے گلاسز لگاتے ہوئے وہ اپنا چھوٹا سا ہینڈ کیری گھسیٹتی ہوئی ہال میں سے گزر رہی تھی۔اس کی نگاہیں کسی کی بھی منتظر نہیں تھیں کیونکہ وہ جانتی تھی اس کے پہنچنے سے پہلے ہی گاڑی کا بندوبست کردیا گیا ہوگا۔اپنے آپ میں بزی چلتے ہوئے اس نے یونہی سرسری نگاہ ان لوگوں پر ڈالی جو ہر آنے والے پسنجرز کے نام کا بورڈ ہاتھوں میں اٹھائے کھڑے تھے۔اس نے دیکھا ان ڈھیر سارے ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ میں اس کے نام کا بورڈ بھی ہے۔جس پر انگریزی حروف تہجی میں لکھا تھا۔

"پاکستان کی ٹھنڈی ہوائیں آپ کو خوش آمدید کہتی ہیں۔" اس جملے کے نیچے ہی اس کا نام بھی درج تھا۔ اس نے سفید بورڈ سے نیچے ہاتھ پر نگاہ ڈال کر اس بورڈ کو پکڑنے والے کو دیکھا جو ہانپتا کانپتا اسے اپنی جانب متوجہ پا کر زور زور سے ہاتھ ہلا رہا تھا۔بلاشبہ وہ نوفل ہی تھا جس کا چہرہ معروش کو دیکھ کر کھل گیا تھا۔اپنی عینک اتارتی وہ اس کی جانب بڑھی۔نوفل بھی بھیڑ میں سے نکل کر اس کے پاس آیا۔

"خوش آمدید،کیسی ہیں آپ؟" پھولے سانس کے ساتھ پسینے زدہ چہرے پر وہ مسکراہٹ سجائے اسے دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔ساتھ ہی اس نے دوسرا ہاتھ بڑھا کر معروش کا ہینڈ کیری اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"میں تو ٹھیک ہوں مگر تم ٹھیک معلوم نہیں ہوتے۔" وہ اس کے سرخ چہرے، پھولی سانسوں اور جینز شرٹ پر پہنے ایپرن کو دیکھ کر کہہ رہی تھی۔ایپرن پر" کک آف دی ورلڈ" کے الفاظ گولڈن حرفوں میں سونے کی طرح جگمگا رہے تھے۔نوفل نے اس کی نگاہ پڑتے ہی جھٹ سے ایپرن کو خود سے جدا کیا اور چہرے پر خفت کے آثار سجا کر بولا۔

"وہ ایکچوئلی نانو نے مجھے دس منٹ پہلے ہی بتایا کہ آپ آرہی ہیں اس لیے میں اسے اتارنا بھول گیا۔" اپنے سر کو کھجاتے ہوئے وہ تیزی سے اس ایپرن کو اتار کر گلے میں رومال کے سے انداز میں ڈال کر کہنے لگا۔ ساتھ ساتھ اپنے دل کو اس نے سخت سرزنش بھی کی تھی جو اس سے اس طرح کے بیکار کام کروا رہا تھا۔

آفرین نوفل آفرین۔

"کوئی نہیں ہوتا ہے، یہ بتاؤ میرے پیچھے سب ٹھیک رہا نا۔" وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ ایک بار پھر سے گلاسز اس کی آنکھوں کی زینت بن گئے تھے۔نوفل گردن موڑے ان گلاسز میں خود کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

"سب ٹھیک تھا بس مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" نارمل سے انداز میں کہہ کر جونہی ان دونوں نے ائیر پورٹ سے باہر قدم رکھا نوفل پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

"کس بارے میں بات کرنی ہے؟"

ایک سوٹڈ بوٹڈ شوفر ہاتھ میں معروش کے نام کا سائن بورڈ تھامے بڑی ساری سیاہ کار کے سامنے چوکس کھڑا تھا۔اس کے وہاں پہنچتے ہی اس شوفر نے نوفل کے ہاتھ سے ہینڈ کیری لے کر گاڑی کی ڈگی میں رکھا اور معروش کیلئے دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔

"زیادہ اہم نہیں ہے۔آپ گھر آئیں گی تو بتا دوں گا۔" اپنی بوسیدہ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ شانے اچکاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔اس کے چہرے کا پسینہ سوکھ چکا تھا۔معروش گاڑی میں بیٹھی اور اسے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔نوفل کھڑکی پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔

"چلو یہ بھی ٹھیک ہے۔تم آ رہے ہو؟" دوسری کھڑکی کے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے اس سے استفسار کیا۔ لاہور کی یخ بستہ ہواؤں نے رک کر نوفل کے گرد طواف کرنا شروع کر دیا۔

"نہیں، مجھے یاد آیا کہ مجھے ایک بہت ضروری کام سے جانا تھا۔آپ جائیں، آپ کا سفر آسان رہے۔" چہرے پر اطمینان وسکون سجا کر وہ کھڑکی سے ہٹا تھا۔ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کی اور شیشوں کو فولڈ کرتے ہوئے وہاں سے لے گیا۔نوفل کافی دیر وہاں کھڑے ہو کر اس کی گاڑی کو ہاتھ ہلاتا رہا تھا پھر جونہی وہ نگاہوں سے دور ہوئی اس کا گہرا افسردہ سانس لاہور کی فضاؤں میں مدغم ہو کر انہیں بھی افسردہ کر گیا۔اس کے کاندھے یکدم ڈھیلے پڑے تھے۔اس نے اداس چہرے کے ساتھ اپنی سائیکل کو دیکھا۔بھلا اس پر وہ اتنی اچھی لڑکی بیٹھ کر جا سکتی تھی؟ جلد بازی میں اس کے دماغ سے ہی نکل گیا کہ سامان کے ساتھ وہ اس پر کیسے بیٹھ سکے گی۔شکست خوردہ چال چل کر وہ اپنی سائیکل کے پاس آیا۔یہ بھی اس کے دوست کی ہی مہربانی تھی جس نے اسے سائیکل انسٹالمنٹ پر لے دی تھی اور خود ہیوی بائیک لے اڑا تھا۔

"بے لّی! تم دیکھ رہی ہو تمہارا مالک کتنا غریب ہے۔آہ وقت کی ستم ظریفی۔" وہ پیڈل مار کر آرام آرام سے سائیکل چلاتا ہوا جا رہا تھا۔اسے بیس منٹ پہلے کا وقت یاد آیا تھا جب نانو نے اسے کہا تھا کہ معروش بس پہنچنے

ہی والی ہے اور وہ جو اپنا پورا دل لگا کر لزانیہ بنا رہا تھا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر سائیکل کے پیڈل گھماتا ائیر پورٹ پہنچا تھا مگر ائیر پورٹ سے باہر نکل کر اسے یہ احساس ہوا کہ اگر محبت کرنی ہے تو دل کے ساتھ ساتھ خود کو بھی امیر کرنا ہوگا نہیں تو بھوکی محبت کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی محبت میں کسی بھی قسم کا طغیان آئے یا وہ قحط کی شکار ہو۔

وہ بہت آرام سے پیڈل مارتا شاپ کی طرف گامزن تھا جب روڈ سائیڈ پر کھڑی ایک لڑکی نے ہاتھ ہلا کر اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ وہ لڑکی اس وقت فر والے سفید کوٹ میں ملبوس تھی جسے اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے تھاما ہوا تھا۔ نوفل نے سائیکل کو اس کے پاس تھوڑا فاصلے سے روکا۔

"سب ٹھیک ہے؟" رک کر وہ اس لڑکی سے پوچھ رہا تھا۔ دور سے آتی معروش کی گاڑی جو ٹریفک کے اژدہام میں کب سے پھنسی تھی۔ ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر آہستہ ہوئی۔

"آپ مجھے لفٹ دے دیں گے میرا پرس کہیں کھو گیا ہے اور مجھے بہت سردی لگ رہی ہے۔" وہ لڑکی معصومیت کا پیکر تھی۔ اپنے گلابی ہونٹوں سے وہ کانپتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ آج تو سردی کا ریکارڈ بھی خاصا نوٹ ہوا تھا۔ نوفل کو اس پر ترس آیا۔

"ٹھیک ہے میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں۔ آپ کو کہاں جانا ہے؟" وہ لڑکی اجازت ملتے ہی اس کے پیچھے آ کر بیٹھی اور اپنے نرم نرم ہاتھوں سے اس نے نوفل کی جیکٹ کو مضبوطی سے تھام لیا۔

"میں انارکلی روڈ تک کی ہی مسافر ہوں۔ آپ کا بہت شکریہ۔"

نوفل نے مسکراتے ہوئے پیڈل کو مارا اور سائیکل کو آگے دوڑا لے گیا۔ سائیکل کے چلتے ہی اس لڑکی کے چھوٹے بھورے بال ہوا کے دوش پر اڑنے لگے تھے۔ سیاہ کار میں بیٹھی معروش حبیب نے ان دونوں کو یوں مست سا جاتے ہوئے دیکھا اور ڈرائیور کو گاڑی تیز دوڑانے کو کہہ دیا۔ پانچ منٹ بعد وہ نانو کے سامنے بیٹھی تھی۔ اس طرح خوامخواہ اس کا اچھا خاصہ موڈ غارت ہوا تھا۔ وجہ کیا تھی اس سے وہ واقف نہیں تھی یا شاید تھی اور اگنور کر رہی تھی۔

"نوفل اب تک آیا نہیں پتا نہیں کہاں رہ گیا میرا بچہ! پتا ہے جیسے ہی میں نے تمہاری آمد کا بتایا سب کچھ چھوڑ

چھاڑ کر بھاگا تھا وہ۔" نانو اس کے ساتھ ڈھیر سارے سوال کر کے اسے کافی پیش کرنے کے بعد اب متفکر سی دروازے پر نگاہ ڈالے بیٹھی تھیں۔ پریشان تو وہ ایسے ہو رہی تھیں جیسے نوفل ان کی سگی اولاد ہو۔

"کوئی بچہ وچہ نہیں ہے وہ، گھوم پھر رہا ہوگا اپنے دوستوں کے ساتھ اور آپ نا اسے فیملی کی طرح ٹریٹ کرنا بند کر دیں۔ اسے بھی باقی سٹاف کی طرح ہی ڈیل کیا کریں اب یہ کونسا اصول ہوا کہ وہ ڈیوٹی آورز میں یہاں موجود نہیں ہے۔" کافی کے گرما گرم گھونٹ بھرتے ہوئے وہ تپتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ نانو نے بڑی گہری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"اس کے کوئی دوست نہیں سوائے عمران کے اور بہتر ہوگا معروش بی بی تم اس سے جلنا بند کر دو۔ اپنی ناکامی کا غصہ دوسروں پر نہ ہی نکالو تو بہتر ہوگا تمہارے لیے۔" نانو کو تو جیسے اس کی بات سے تپلی لگی تھی۔ وہ سب کی برائی برداشت کر سکتی تھیں نوفل کی ہرگز نہیں پھر چاہے ان کی پوتی کرے یا کوئی اور۔

"آ۔ آپ کو لگتا ہے میں اس سے جیلس ہونگی؟ کیا آپ اپنے لفظوں پر قائم ہیں۔ یا خدا یہ ہو کیا رہا ہے اس دنیا میں۔" گہرے گہرے سانس بھرتی وہ حیرت کدہ تھی۔ نانو نے منہ دوسری طرف پھیرا۔

"وہ بیچارہ بچہ دن رات معروش معروش کرتا نہیں تھکتا اور ادھر معروش کو دیکھ کیسے اس کے خلاف زہر اگل رہی ہے۔ اے مالک پروردگار یہ دنیا واقعی بے مول ہے۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی اب اسے کچا چبا جانے والی نگاہوں سے گھور رہی تھیں۔ اتنے میں ہی نوفل اندر آتا ہوا دکھائی دیا۔ اندر سینٹرل ہیٹنگ کے باعث اس کے اعصاب میں کافی طمانیت محسوس ہوئی۔ اپنی جیکٹ اور ایپرن وہ لوہے کے اسٹینڈ پر لٹکاتا گلاب کی طرح کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ ان کے پاس پہنچا مگر ابھی وہ بیٹھا ہی تھا کہ معروش اپنا بیگ اٹھاتی وہاں سے جانے لگی۔ نوفل کا کھلا ہوا چہرہ یکدم مرجھایا اور اسی خشک مرجھائے ہوئے چہرے کے ساتھ اسے جاتے ہوئے دیکھنے کے بعد اس نے نانو کی جانب رخ کیا تھا۔

"انہیں کیا ہوا؟" وہ پریشان سا سیدھا ہوتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے دیکھتا بولا۔

"کچھ خاص نہیں بس اس کا دل میلا ہونا شروع ہو گیا ہے۔ تم اسے اگنور کرو اور یہ بتاؤ کہ کہاں تھے اتنی دیر سے؟" تھوڑا جھنجلائے ہوئے لہجے میں وہ سخت آواز سے سراپائے سوال تھیں۔ ان کی عینک کے نازک شیشے میں

سے باہر معروش اپنی کار میں بیٹھ کر جاتی ہوئی دکھ رہی تھی۔نوفل نے پژمردگی سے جواب دیا۔

"ایک چھوٹی لڑکی کو مجھ سے لفٹ چاہیے تھی انارکلی روڈ تک اسی لیے دیر ہو گئی۔" زمانے بھر کی تکان آواز میں سموئے وہ انہیں جواب دیتا اٹھا۔اس کا رخ بیکری سائیڈ پر تھا مگر اس سے پہلے وہ وہاں پہنچتا نانو جو اس کی بات سن کر اپنے دماغ کی بتی جلا بیٹھی تھیں فوراً سے اس کی راہ میں آئی اور کہنے لگیں۔

"تم نے ابھی کہا کہ ایک چھوٹی لڑکی نے تم سے لفٹ لی؟" جوش سے مغلوب لہجے میں وہ نوفل کی کھڑی ناک کو دیکھ رہی تھیں جو معروش کے برے رویے کی وجہ سے بیٹھی ہوئی لگ رہی تھی۔نانو کی بات پر اس نے اپنی نگاہیں ان کے چہرے پر گاڑیں اور پھر بولا۔

"جی،وہ یقیناً ایک چھوٹی لڑکی ہی تھی۔" اس کا دماغ ٹھکانے پر نہیں تھا اس پر تو بس معروش کی بے اعتنائی کی تہہ چڑھی تھی تبھی تو وہ نانو کی جوشیت کو بھانپ نہیں پا رہا تھا بس بلینک سا کھڑا انہیں جواب دے رہا تھا۔

" گھوم پھر رہا ہوگا اپنے دوستوں کے ساتھ۔" معروش کے الفاظ ان کے چاروں جانب گھوم کر انہیں زمین سے ایک انچ اونچا اڑا گئے۔یہ اڑان بھی ان کیلئے آسمان پر پَر مارتے پرندوں کے برابر ہی تھی آخر کو اتنا بڑا راز جو آج فاش ہو گیا تھا۔

" صحیح ہے تم جاؤ جا کر اپنا کام کرو۔" ہوا میں تیرتی ہوئی نانو اسے آرڈر دیکر واپس اپنی کرسی پر آ کر بیٹھیں۔ وہ ایسے بیٹھی تھیں کہ ان کے لب مسلسل مسکراہٹ میں ڈھلے ہوئے تھے اور چہرہ سرخ گلاب کی طرح کھل سا گیا تھا۔یخ بستہ سردی میں کھلتا سرخ گلاب۔سوچ کر ہی کتنا اچھا لگتا ہے۔انہوں نے نوفل کی پشت پر نگاہ کی۔

"یا اللہ! جو میں سوچ رہی ہوں وہ سچ ہو پلیز کسی بھی طرح جو میں سوچ رہی ہوں اسے سچ کر دیں میں لازمی سو نفل ادا کروں گی۔"

دل ہی دل میں وہ معروش کو سوچتے ہوئے اللہ سے التجا کر رہی تھیں۔ان کی آنکھیں بند تھیں جن میں پیاری سی معروش کی چھب دکھتی تھی۔وہ چھب حقیقت کا روپ دھارے اس وقت آئی جی کے سامنے بیٹھی تھی۔جو خالی مگر الجھی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔جو کہہ رہی تھی۔

"مجھے تمہاری اس بات پر یقین کرنا مشکل لگ رہا ہے کہ خلیفہ تمریز بھی برطانیہ تمہارے پیچھے گیا تھا۔ٹھیک

ہے مان لیتے ہیں کہ وہ تمہارے پیچھے نہیں گیا بلکہ اپنے کسی ذاتی کام سے گیا تھا مگر معروش خود کو حیران ہونے کیلئے تیار کرلو کیونکہ پانچ تاریخ کو اسی خلیفہ نے پاکستان کے سب سے بڑے نیوز چینل کو لائیو انٹرویو دیا ہے جس میں اس نے اپنی این جی او میں ہونے والی نئی تبدیلیوں اور سماجی سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے۔"

معروش ان کی بات سن کر ذرا برابر بھی حیران نہیں ہوئی تھی۔ گہرا سانس بھرتے ہوئے اس نے انہیں دیکھا اور کہا۔

"بالکل، ایسا ہی ہوا ہوگا کیونکہ ریکارڈڈ شوز پر لائیو کی پٹی چلا کر اسے نشر کرنا ہمارے اینکرز کو بخوبی آتا ہے۔ سر، یہاں سب کچھ دو نمبر طریقے سے ہوتا ہے۔ خلیفہ نہیں چاہتا ہوگا کہ کسی کو پتا چلے کہ وہ اس وقت پاکستان میں نہیں ہے اس لیے اپنی موجودگی کا احساس دلانے کیلئے اس نے یہ ڈھونگ رچایا ہوگا۔ جبکہ سچ یہ ہے کہ وہ اس تاریخ کو پاکستان تھا ہی نہیں۔ اور مجھے میرے انتہائی اہم سورس سے پتا چلا ہے کہ وہ برطانیہ سے ایک مرد اور ایک عورت کو اپنے ساتھ لایا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ دونوں وہی ٹارگٹ ہوں جن کے بارے میں وہ بات کر رہا تھا۔" وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو باہم پھنسائے میز پر رکھتے ہوئے ان سے دوبدو بات کر رہی تھی۔ آئی جی نے اپنے ماتھے کو مسلا اور وہ بات کہی جو وہ شاید کہنا نہیں چاہتے تھے۔

"یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے کہ وہ شخص تم سے بات کیوں کرتا ہے مطلب کہ وہ تمہیں پہلے سے انفارم کردیتا ہے اور پھر بھی تمہارے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ مجھے یہ کہنا تو نہیں چاہیے لیکن یہ ایسا ساؤنڈ دے رہا ہے جیسے وہ تم میں انٹرسٹڈ ہے۔ اوہ پلیز اب برا مت مانو۔ میں نے صرف وہ کہا جو اس وقت میرے دماغ میں چل رہا تھا۔" وہ ہاتھ کھڑا کرتے ہوئے مزاحمتی انداز میں کہنے لگے کیونکہ معروش کے چہرے پر ناقابل فہم سے تاثرات آن سمائے تھے۔ وہ تو چند لمحے کیلئے گنگ ہی رہ گئی۔

"آ۔ آپ ایسا کہہ بھی کیسے سکتے ہیں۔ اوہ مائی گاڈ! آپ کو لگتا ہے خلیفہ جیسا جانور طبیعت کا انسان کسی میں دلچسپی لے سکتا ہے؟ اور اگر وہ لے بھی رہا ہے تو اس کی اس "دلچسپی" کی نوعیت کیا ہے۔ وہ ہر چیز میں اپنا مفاد ڈھونڈتا ہے سر، فائدہ حاصل کرنے کے بعد وہ اس چیز کو ناکارہ سمجھ کر پھینک دیتا ہے اور جہاں تک میری بات ہے تو وہ جان بوجھ کر مجھ سے بات کر کے سب کچھ بتا کر ایسے حالات پیدا کرتا ہے کہ میں ہاتھ ملتی رہ جاتی ہوں۔

لوگوں کے ساتھ کیسے کھیلنا ہے وہ بخوبی جانتا ہے۔ وہ فقط میری ہار میں اپنی فتح ڈھونڈتا ہے اس کیلئے علاوہ کچھ نہیں۔" تیز تیز بولتے ہوئے وہ تھوڑی سی بپھری ہوئی لگ رہی تھی۔ آئی جی اس کے سگے نہیں تھے مگر وہ معروش کو اپنی بیٹیوں کی طرح ہی ٹریٹ کرتے تھے تبھی وہ معروش ہی تھی جسے اس طرح بولنے کی جرأت صرف ان کی خاموشی سے ملی تھی۔ کوئی اور ہوتا تو اب تک سسپنڈ ہو چکا ہوتا۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، پرسکون ہو جاؤ اور یہ بتاؤ کیا وہ انتہائی اہم سورس ڈیوڈ ہے۔ مجھے ڈیوڈ کے بارے میں کچھ بتاؤ کافی عرصہ ہوا وہ ہماری گفتگو کا حصہ نہیں بنا۔"

ہاتھ اٹھا کر وہ اسے کول ڈاؤن ہونے کا کہہ رہے تھے۔ معروش نے ان کی طرف سے بڑھایا گیا پانی کا گلاس لبوں سے لگایا اور ایک گھونٹ حلق میں انڈیلتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگی۔

"نہیں وہ ڈیوڈ نہیں ہے۔ اس کے بارے میں پریشان ہونا چھوڑ دیں آپ، وہ محفوظ ہے میرا اور اس کا رابطہ ہوتا رہتا ہے۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ وہ کافی عرصے سے ہماری گفتگو کا حصہ نہیں بنا کیونکہ آج کل وہ خلیفہ کی سیمنٹ بنانے کی فیکٹری میں اکاؤنٹنٹ کی حیثیت سے اپنی ڈیوٹی دے رہا ہے اور وہاں اسے محتاط رہنا پڑتا ہے کیونکہ ادھر جگہ جگہ کیمرے فکس ہیں۔" وہ انہیں تفصیل سے جواب دیتی ان کے سیل فون کو دیکھنے لگی جو چکنی میز پر وائبریٹ کرتا ہوا حرکت کرنے لگا تھا۔

"رائٹ، میں نے اس کیس میں تمہیں فری ہینڈ دیا ہوا ہے۔ جو دل کرتا ہے کرو یاد رکھنا میں ہمہ وقت تمہارے ساتھ ہوں۔" کہتے ہی انہوں نے فون اٹھایا اور سائیڈ پر جا کر کال سننے لگے۔ معروش کرسی پر ٹیڑھی بیٹھی تھوڑی پریشان دکھتی تھی پھر یکدم اس کی پریشانی اڑن چھو ہوئی کیونکہ ایک بہت ہی پیاری آیت نے اس کے دل میں جگہ بنائی تھی جو کہ یہ تھی۔

"پس بے شک، دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔"

اس نے آرام سے کرسی سے ٹیک لگائی اور زیر لب بولی۔

"بلاشبہ وہ آسانی بہت نزدیک ہے۔"

☆......☆......☆

"مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ایک لڑکی کی وجہ سے ہماری ایک بندی پکڑی گئی بلکہ مجھے اس چیز سے فرق پڑتا ہے کہ وہ لڑکی اب تک زندہ کیوں ہے۔ جتنی جلدی ہو سکے ختم کرواسے۔"

خواجہ ریاض آج کل ڈپریشن اور ہائپر ٹینشن کا شکار تھے۔ وجہ وہی پرانی تھی کہ ان کے ساتھ ساتھ ان کے بیٹے کا نام بھی خراب ہوا۔ یہ خبر انہیں بہت پہلے مل گئی تھی کہ ایک لڑکی کی وجہ سے ان کی ایک بندی کو یونیورسٹی سے معطل کر دیا گیا تھا مگر انہوں نے اس پر خاص توجہ نہیں دی تھی کیونکہ ان کے بیٹے کے کرئیر کے سامنے یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ اب جبکہ معاملہ کچھ ٹھنڈا پڑا تھا تو ان کے سیکرٹری نے انہیں اس مسئلے پر بھی نظر ثانی کرنے کو کہا تھا جس پر انہوں نے اوپر والی بات کہی تھی۔

"لیکن جناب والا، اسے ختم کرنا آسان بات نہیں کیونکہ وہ کوئی عام لڑکی نہیں ہے اس کا خاندان بڑا مضبوط ہے۔ اوپر سے اسے اس ملک کے سب سے بڑے وڈیرے کے بیٹے کی پشت پناہی حاصل ہے۔ اگر ہم نے اسے ختم کر دیا تو ممکن ہے اس کے گھر والے اس بات پر ایکشن لیں اور عین ممکن ہے کہ وہ وڈیرے کا بیٹا جو اس لڑکی کا دوست ہے اپنے باپ سے کہہ کر ہمارے خلاف کارروائی کروائے اس لیے بہتر ہے اس لڑکی کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس استانی کو پکڑتے ہیں جس نے یہ لاپرواہی برتی۔"

اس نے بڑی وضاحت سے انہیں اپنے گردش حالات سے آگاہ کرانے کیلئے ہوش کا دامن تھامنے کو کہا اور اس مسئلے کو کھلے دل سے حل کرنے کی تجویز دی جو کہ خواجہ ریاض کو بھائی بھی۔

"صحیح کہہ رہے ہو، یوں تو اس ملک میں مجھ سے پاورفل کوئی نہیں لیکن چونکہ آج کل تنگی چل رہی ہے تو محتاط رہنا بنتا ہے۔ ایسا کرو اس استانی کا کچھ بندوبست کرو۔ کل کلاں کو اگر اس نے اپنا منہ کھول دیا تو ہمیں لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔" سگار کا لمبا کش بھرتے ہوئے وہ پر سوچ انداز میں کہہ رہے تھے۔ ان کا سیکرٹری ہچکچایا۔

"سر جی، وہ استانی ڈرگ فروشی کے جرم میں گرفتار ہو گئی ہے لیکن آپ پریشان نہ ہوں۔ ڈپٹی جیلر میرا لنگوٹیا یار ہے میں نے اس سے سفارش کی ہے کہ وہ اس استانی کو آج رات جیل سے نکال دے۔ جیسے ہی وہ استانی جیل سے نکلے گی نامعلوم افراد اس پر گولیاں چلا دیں گے۔ یوں ہمارا بھی کام ہو جائے گا اور ڈپٹی جیلر کا بھی نام بن جائے گا کہ اس نے مفرور مجرم کو پکڑنے کی غرض سے گولیاں چلائیں لیکن چونکہ وہ مجرمہ کافی دور

جا چکی تھی اس لیے اسے اس کا انکاؤنٹر کرنا پڑا۔"

اس سے پہلے خواجہ ریاض اس پر بھڑکتا وہ جلدی سے ساری بات کہہ گیا۔ جس پر ان کے تنے اعصاب قدرے ڈھیلے پڑے تھے۔

"منصوبہ تم اچھا بناتے ہو۔" انہوں نے ہنکارہ بھرتے ہوئے اسے سراہا۔ "لیکن ایسی ویسی چویشن سے پہلے مجھے آگاہ کر دیا کرو تا کہ کسی بھی بڑے اور چھوٹے جھٹکے سے میں با آسانی سے نمٹ سکوں۔ بس ایک بار یہ الیکشن ہو جائیں تو وارے نیارے ہو جانے ہیں۔ سنو! اس آستین کے سانپ کا کچھ پتا چلا جس نے ہماری ریڑھ کی ہڈی کو ڈسا ہے۔"

سیکرٹری جان گیا تھا کہ ان کا اشارہ کس طرف ہے اس لیے پہلو بدل کر بولا۔

"نہیں وہ ابھی تک پردے میں ہی ہے لیکن آپ پریشان نہ ہوں یہ پردہ جلد ہی اٹھے گا۔" دراصل اسے اپنی ناکامی کی فکر تھی تبھی اس بند کمرے میں گرم اے سی میں بیٹھنے کے باوجود بھی اس کے ہاتھ کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے اور ماتھے سے ٹھنڈ کی لہریں نکل کر جا بجا بکھر رہی تھیں۔ اس نے ٹھنڈا پسینہ صاف کیا۔

"کیا میں یہ سمجھوں کہ تم ناکارہ ہو چکے ہو۔" خواجہ ریاض تک اس کی ٹھنڈ پہنچ چکی تھی تبھی وہ اس سے زیادہ برفیلی آواز میں دھاڑے۔

"ایسا نہیں ہے، کیا ایسا ہو سکتا ہے؟" وہ بے چینی سے کھڑا ہو گیا۔ باہر کا موسم ایسا تھا کہ مانو ابھی برف کے ٹکڑے گرنے لگ جائیں گے۔ خواجہ ریاض نے سرخ آنکھوں سے سگار کا کش عجلت میں بھرا اور کہنے لگے۔ ان کے الفاظ یہ تھے۔

"تغیر ہر شے کا مقدر ہے، زوال ہر چیز پر آتا ہے۔ جس طرح زندگی کا سورج ڈوبتا ہے اسی طرح قسمت کا سورج بھی پستی میں جا اترتا ہے۔" وہ ایش ٹرے میں سگار کے بڈ کو رکھتے ہوئے کھڑے ہوئے۔ سیکرٹری نے گھٹن سے اپنی ٹائی کی ناٹ کو ڈھیلا کرنا شروع کر دیا تھا۔ کیا واقعی اس کے بھی زوال کا وقت آن پہنچا تھا۔

"لیکن چونکہ تم اپنے بندے ہو اور تمہارا دماغ ابھی بھی جمع تفریق میں خاصا تیز چلتا ہے تو ابھی تمہارے سورج کی شعاعوں میں تپش ہے۔ موقع دیتے ہیں اس غدار کو ڈھونڈو اور اپنی روشنی سے پھر سے اس کالی نگری کو

روشن کردو۔ جاؤ کام تمہارا منتظر ہے۔"

اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے وہ اسے آگے بڑھنے کی ہمت دے رہے تھے۔ سیکرٹری کی جان میں جان آئی۔ اس نوکری سے ہی تو اس کا شاہانہ گزر بسر ہوتا تھا اگر یہ نوکری ہی نہیں رہے گی تو وہ کنگلا ہو جائے گا اور پھر اس کے پاس پہننے کو گھسی ہوئی جینز ہوگی اور ایک ٹوٹی پھوٹی سی سائیکل۔ کیا وہ ان سب کے ساتھ رہ پائے گا؟ آہ، نہیں، ہرگز بھی نہیں۔

"آپ پر رحمت ہو۔" اپنے لب ہلاتا وہ اعصابوں کو سکون پہنچاتے کمرے سے باہر نکلا۔ باہر آتے ہی اس نے ایک میسج کیا تھا جو سیکنڈ میں کسی کے موبائل کی اسکرین پر ابھر گیا۔ سیل فون کو اپنی جیب میں رکھ کر اس نے باہر نکلتے ہوئے اپنی چھتری کھول لی تھی۔ موسم کے تیور خاصے خطرناک قسم کے تھے۔ کسی بھی پل برف باری شروع ہونے والی تھی۔ ایک منٹ توقف کرو! بھلا لاہور میں کبھی برف باری ہوئی ہے؟ نہیں، نہ ہی وہ ہوئی ہے اور اس کے ہونے کے کوئی امکان بھی نہیں پھر یہ موسم گرے کیوں ہے؟ شاید تغیر اس کے مقدر میں بھی آن ٹھہرا ہے۔

اپنی چھتری کو کھولے ریموٹ سے گاڑی ان لاک کرتا سیکرٹری اس میں آ کر بیٹھا۔ ابھی اس نے اگنیشن میں چابی ہی لگائی تھی کہ پیچھے سے کسی نے اس کی گردن پر پستول رکھ دی۔ وہ کرنٹ کھا کر رہ گیا۔

"خواجہ ٹھیک کہتا ہے اس کے زوال کا وقت شروع ہو چلا ہے۔" اس نے سوچا اور پسینے سے تر چہرے کو بیک ویو مرر میں ڈالا۔ پیچھے بیٹھی ہستی کو دیکھ کر اس کے اوسان اور خطا ہو گئے۔

"سنا ہے آج رات کسی کی موت ہونے والی ہے۔" وہ رمیز تھا جس کا چوڑا جبڑا مسلسل فلیتو (نشہ آور چیونگم) چبا رہا تھا۔ وہ بہت آرام دہ حالت میں بیٹھا تھا بس اس کا ہاتھ آگے کو بڑھا ہوا تھا جس میں بندوق تھی اور وہ بندوق سیکرٹری کی بھوری گردن پر بڑے آرام سے رکھی ہوئی تھی۔

"یہ کیا بیہودگی ہے رمیز! یہ کوئی طریقہ کار نہیں ہوتا۔"

وہ لوگ گناہوں کی دنیا کے باشندے تھے تو کیونکر نہ ایک دوسرے سے واقف ہوتے۔ رمیز اس کی غیر معمولی دبی ہوئی دھاڑ پر اور آگے ہوا اور اس کے کان میں کہنے لگا۔

"طریقہ کار تو بہت سارے ہیں لیکن تم جو ہو نا ان کے قابل نہیں ہو اس لیے گاڑی چلاؤ۔ میرا تمہارے

ساتھ لنچ کرنے کا موڈ ہے۔" اسے آرڈر جاری کرتے ہوئے وہ پیچھے سے ہی آگے آ کر بیٹھ گیا لیکن اس دوران پستول ایک انچ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلی تھی۔

" کیسی باتیں اور کونسا لنچ؟ یہ کیا بکواس ہو رہی ہے مجھے اس بارے میں بتاؤ گے۔" اس نے گاڑی روڈ پر ڈال دی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل جائے ورنہ خواجہ کا دماغ الٹتے دیر نہیں لگتی تھی۔

" کہا تو ہے تسلی سے باتیں کرنی ہیں۔ آخر تمہیں جلدی کس بات کی ہے۔" اب کے وہ بھی اکھڑ کر بولا۔

باہر آسمان پر چمکتی بجلی نے اپنی رفتار تیز کر لی تھی تبھی بادل بھوکے شیر کی طرح دھاڑنے شروع ہو گئے تھے۔

"دیکھو تم میرا سر نہ ہی کھاؤ تو اچھا ہے ورنہ میں تمہارے ساتھ وہ کر دوں گا جس کا تم نے سوچا بھی نہیں ہو گا۔ آگے ایک روڈ ہے میں وہاں تمہیں اتار رہا ہوں اور تم میری گاڑی سے اترو گے۔ تمہاری سمجھ میں آ گئی ہے میری بات۔"

رمیز نے چیونگم گاڑی میں رکھی چھوٹی سی ڈسٹ بین میں تھوکی اور نئی نکال کر اسے چبانے لگا۔ اس کے چہرے کے تاثرات ایسے تھے کہ اس نے کوئی بات سنی ہی نہیں۔ یوں بھی جب سیکرٹری اپنی تپی ہوئی آواز میں اسے کہہ رہا تھا تو بادلوں نے شدت سے دھاڑنا شروع کر دیا تھا جس سے اس کی آواز اس گرج میں دب کر رہ گئی تھی۔

"موسم کے تیور دیکھے ہیں بالکل ایسے ہی تیور خلیفے کے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ایس کے، کے۔ تم جانتے ہو نا میں کس بارے میں بات کر رہا ہوں۔"

وہ گاڑی کو ایک سائیڈ پر روک چکا تھا۔ اس کی گاڑی کے شیشے دھندلے ہونا شروع ہو گئے تھے۔ نہیں ایسا دھند کے باعث نہیں تھا بلکہ یہ موسلا دھار بارش تھی جو بادلوں کا منہ بند کرتے ہوئے زمین پر آن گری تھی۔

" مجھ سے پہیلیاں مت بجھواؤ اور سیدھے سیدھے کہو جو کہنا کیونکہ میں بھی بڑا مصروف بندہ ہوں۔"

رمیز اس کے "مصروف" لفظ پر قہقہہ لگا کر ہنسا اور اسی ہنسی کے دوران کہنے لگا۔

"کیا کمال کا مذاق تھا چلو میرا دن اچھا کرنے کا شکریہ اور رہی بات کام کی تو اس کا تعلق گجی پہلوان سے ہے۔"

کھڑکیاں تو تھیں ہی بھیگی ہوئی اور اب فرنٹ شیشہ بھی پورا پانی سے بھیگ گیا تھا بلکہ اندر بیٹھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ لوگ کسی آب دوز میں بیٹھے ہوں۔ ہوا کے ساتھ پانی لہر مار کر شیشے پر پڑتا اور ڈھیروں ڈھیر لکیریں بنا کر نیچے جا گرتا یقیناً یہ ایک آب دوز ہی تھی۔ ☆

"گجی پہلوان کے متعلق؟ تمہیں اس بارے میں کیسے پتا۔" وہ ششدر سا اسے دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔ حلق میں جیسے کچھ اٹکنے لگا ہو۔ وہ متوحش ہوا۔

"جس کالے کاموں کی دنیا میں تم رہتے ہو اس کا بادشاہ سمندر خان ہے۔ اسے ہر چیز کا پتا ہوتا ہے۔ اب جلدی سے منہ کھولو اس سے پہلے کہ تمہارا منہ کھل جائے۔"

وہ رمیز کی دھمکی پر خفت سے سرخ ہوا۔ اس کا سانس دھونکنی کی مانند چلنے لگا۔ اسی سانس کے ساتھ اس نے گاڑی میں آگ چھوڑی اور اپنے لفظوں سے رمیز کو جلانا چاہا۔

"میں تمہیں نہیں بتاؤں گا لیکن ہاں ایک بات ضرور کہوں گا کہ اب سمندر خان سے ٹکر لینے والا آ گیا ہے اور ہم اس کا پورا پورا ساتھ دے رہے ہیں۔ جاؤ جا کر بول دو اپنے خان سے کہ اب گدی نشینی کا وقت آن پہنچا ہے۔"

رمیز چند ساعتیں اسے دیکھتا رہا پھر اس نے ایک زوردار گھونسا اس کے منہ پر مارا۔ ضرور اس کا ایک دانت تو کریک ہو ہی گیا ہوگا۔ اس سے پہلے سیکرٹری کوئی جوابی کارروائی کرتا وہ دروازہ کھول کر اس آب دوز سے باہر نکل آیا۔ باہر آتے ہی تیز طوفانی بارش نے اس کا استقبال کیا تھا۔ وہ اس بارش میں بھیگتا خلیفہ کو کال ملانے لگا جو فوراً اٹھالی گئی۔

"خبر پکی ہے۔ گجی پہلوان واقعی میدان میں آ گیا ہے۔"

بارش کے تھپیڑوں کو نظر انداز کر کے وہ اپنی کار میں بیٹھا جو مسلسل اس کے تعاقب میں تھی۔ خلیفہ اپنے گھر میں پول کے پاس بیٹھا تھا۔ وہ ایل شیپ کے کاؤچ پر نیم دراز تھا۔ پول کا نیلا پانی آسمان سے بے صبری میں گرتے پانی کے سبب طغیانی کا شکار۔ تھا وہ اس پول کے پانی پر نگاہ جمائے عمیق سوچ میں بولا۔

"تو یعنی چوزے نے پَر نکالنے شروع کر دیے ہیں۔ صحیح ہے اسے مرغی بننے دو پھر ہی دیکھیں گے۔" کہتے ساتھ ہی اس نے کال کاٹی اور اپنے ڈوگ کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگا جو اس کے پاؤں میں بیٹھا تھا۔ آسمان سے گرتا پانی ہوا کے دوش پر ان دونوں کے چہروں پر آ کر گر رہا تھا جس کے وجہ سے دونوں ہی ڈسٹرب ہو رہے تھے کیونکہ دونوں کو ہی بارش پسند نہیں تھی۔

"میں جانتا ہوں تمہیں یہ فضول سا پانی اکتا رہا ہے لیکن میرے نظریے کے مطابق کبھی کبھی ناپسندیدہ چیزوں

کو بھی فیس کرنا چاہیے اس سے حوصلہ بڑھتا ہے۔" وہ اپنے پالتو شیر کے جبڑے پر ہاتھ پھیرتا ہوا کہہ رہا تھا جو اس بور موسم میں جمائیوں پر جمائیاں لے رہا تھا۔ اگر بارش نہ ہوتی تو فارشور وہ دونوں ایک ساتھ فٹ بال کھیل رہے ہوتے مگر سردیوں کے اس موسم نے ڈوگ کے اندر کا موسم بگاڑ دیا تھا تبھی وہ سست اور اداس تھا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کل ہم دونوں واک پر جائیں گے چاہے ایسا موسم ہی کیوں نہ رہے ہم اپنے اسپیشل پارک میں واک کریں گے۔ وہاں تمہیں یہ پانی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔ ٹرسٹ می۔"

اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے اسے خود سے لگا کر اچانک بس ایک سیکنڈ کے اندر اندر اسے یمن کی یاد ستائی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کیں اور دل کو ٹوک کر کہا کہ وہ فقط اس کے ساتھ دوستی کریگا دل نہیں لگائے گا مگر دل اس کی بات پر ایڑیاں رگڑنے لگا۔ وہ ابھی اسی وقت کسی بھی صورت میں یمن سے ملنا چاہتا تھا۔ ہاں اسے اس سے ملنا چاہیے۔ اس نے ڈوگ کی طرف دیکھا جو غنودگی کی گہرائیوں میں جا پہنچا تھا پھر اس نے سیل فون کا استعمال کیا اور نمبر ملا دیا لیکن اس سے پہلے کہ کال اٹینڈ کی جاتی اس نے سیل کو دور پھینکا اور اپنے شوز والے پاؤں سرخ ماربل کے فرش پر رکھ دیے۔ رین کوٹ پہنے وہ کہیں جانے کیلئے تیار تھا۔

☆......☆......☆

اس کے کمرے میں خاموشی کا راج تھا۔ بس کبھی کبھی بجلی چمکنے اور بادلوں کے گرجنے کی آوازیں آ جاتی تھیں۔ اس کے بعد اس نے تیز بارش کے برسنے کی آواز سنی مگر اس پر زیادہ توجہ نہیں دی کیونکہ آج دل بڑا اداس تھا۔ وہ اپنی سٹڈی ٹیبل پر بیٹھی کاغذ پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ رہی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ مٹھی کی صورت میں اس گال پر دھرا تھا جس کی وجہ سے اس کے سلکی بال ڈھلکے ہوئے تھے۔ لیمپ کی زرد روشنی اس کے صبیح چہرے پر پڑ رہی تھی اور وہ غائب دماغی میں سیاہ جیل پن کو کاغذ پر گھسیٹے جا رہی تھی۔

امی اور ثوبیہ لوگ گروسری کیلئے گئے تھے مگر موسم کی خرابی کے باعث وہیں پھنسے رہ گئے تبھی ابھی تک ان کی آمد نہیں ہوئی تھی۔ ثوبیہ آتی تو وہ اس کے ساتھ موڈ اچھا کرنے کی خاطر اپنے گھر میں بنے منی تھیٹر میں فروزن ٹو دیکھتی مگر ثوبیہ آتی تب نا۔ اس نے ایک گہرا سانس بھر کر ہاٹ کافی کا سپ لیا اور نماز پڑھنے کی خاطر اپنی کرسی سے کھڑی ہوئی لیکن جیسے ہی وہ مڑی اسے لگا پورا آسمان بمع بجلی اور گہرے گیلے بادلوں کے اس کے سر پر آن گرا ہو۔

اس کی وجہ کوئی اور نہیں بلکہ خلیفہ تبریز تھا جو اس کے سامنے صوفے پر بڑے آرام دہ طریقے سے بیٹھا شاید اسے ہی تکے جا رہا تھا۔

اس نے تحیر کے سمندر میں غرق ہو کر پہلے خلیفہ کو دیکھا اور پھر دروازے کو جس کی بولٹ چڑھی ہوئی تھی۔ جلدی سے اس نے اپنی آنکھیں مسلیں مگر دوبارہ دیکھنے پر بھی وہ اس کے سامنے ہی تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور چلتا ہوا اس کے پاس آ کر رک گیا۔

"یقین کرو میں ہی تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔" وہ اس کے بال کانوں کے پیچھے کرتے ہوئے کہہ رہا تھا جیسے ہی اس کی انگلیاں یمن کے کانوں سے مس ہوئیں وہ کرنٹ کھا کر پیچھے کو ہوئی تھی۔

"اگر یہ سچ ہے تو آپ فوراً یہاں سے چلے جائیں۔ آپ کا یہاں کوئی کام نہیں ہے۔" ثوبیہ کا دیا لیکچر بول رہا تھا تبھی وہ دروزے کی جانب ہاتھ کرتے ہوئے گیلی آواز میں کہہ رہی تھی۔ ہاں اس کی آواز گیلی تھی باہر ہوتی بارش سے بھی زیادہ گیلی۔

"مجھے میرا کام بتانے والا آج تک کوئی پیدا نہیں ہوا میں جانتا ہوں میں یہاں کیوں ہوں۔" اس کی دبی غراہٹ تھی اور وہ باہر ہوتی گرج سے زیادہ خطرناک تھی۔ یمن نے تیز تیز پلکیں جھپکا کر آنسوؤں کو گرنے سے روکا بالکل اسی طرح وہ اپنے دل کو خلیفہ کیلئے بھی روک رہی تھی۔

"میں آپ کو بالکل بھی نہیں جانتی۔" اس نے "بالکل بھی نہیں" پر اپنے سر کو اتنے زور سے جنبش دی کہ اس کے بال دائیں بائیں ہو گئے۔ اس کے عقب میں کھڑکی تھی جس پر سفید و فیروزی رنگ کا پردہ لگا ہوا تھا۔ کھڑکی بند تھی اس لیے پردہ بھی ساکن تھا۔

"تم جاننا چاہو گی بھی نہیں، یقین مانو یہ بات بہت خطرناک ہے۔" وہ اس کے چہرے پر نگاہ جمائے تھوڑا پرسکون ہوا۔ یمن نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

"میرے دل نے بغاوت کرنا شروع کر دی ہے اور ثوبیہ کہتی ہے جس کا دل باغی ہو جائے وہ انسان قابل رحم ہو جاتا ہے۔"

خلیفہ نے اس کی بات پر کاندھے اچکائے۔ اسے وہ الجھی ہوئی لگی۔

"وہ ٹھیک کہتی ہے اس کا نظریہ کافی پختہ ہے۔" اس نے واقعی دل سے ثوبیہ کی بات کو سراہا تھا۔ یمن تھوڑا قریب آئی اور کہنے لگی۔

"وہ یہ بھی کہتی ہے کہ کسی بھی غیر مرد کے ساتھ دوستی کرو اور نہ ہی دل لگاؤ اس سے آپ کے قریبی رشتے متاثر ہوتے ہیں۔" اس کے بال آج دونوں کانوں کے پیچھے نہیں تھے اور یہی چیز خلیفہ کو ڈسٹرب کر رہی تھی۔ وہ اپنے ہمکتے دل کو تھپک رہا تھا جو کہہ رہا تھا ڈوڈ کس بات کا انتظار ہے ہاتھ بڑھاؤ اور اپنی من پسند چیز حاصل کر ڈالو۔ اس کے لمبے سیاہ بال جو کمر پر جھول رہے تھے ہنستے ہوئے خلیفہ کو تک رہے تھے۔

"وہ صحیح کہتی ہے دل لگانا انتہائی احمق کام ہے۔" اپنی جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر وہ یمن کی سیدھی مانگ کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ دل پر پاؤں رکھنا تو کوئی خلیفہ سے سیکھے۔ اس بات پر یمن کی آنکھیں پھیلیں۔

"اگر دل لگانا بیوقوفی ہے تو پھر وہ ڈنر اور فون کال کیا تھی جو صاف ظاہر کرتی ہے کہ آپ مجھ میں انٹرسٹڈ ہیں۔" اس کی آواز غم کے سبب پھٹ سی گئی۔ ثوبیہ کی بات ایک دم اس کے آئینہ دل پر تحریر ہوئی تھی۔

"مردوں کا کام ہی یہی ہے وہ لڑکیوں کے ساتھ اچھی وقت گزاری کرتے ہیں اور پھر انہیں بیچ راہ میں ڈچ کر کے چھوڑ جاتے ہیں۔"

"میں تم میں انٹرسٹڈ صرف اس لیے ہوں کیونکہ میں تمہیں اپنا دوست مانتا ہوں اور جو خلیفہ کی دوستی میں آتے ہیں وہ بہت خاص ہوتے ہیں۔ ان کیلئے سب خاص ہوتا ہے۔" دل کو شش، کرا کر اس نے بجلی کو کھڑکی کے شیشے سے اندر جھانکتے ہوئے دیکھا شاید وہ اس عجیب سی گفتگو کا نتیجہ جاننا چاہتی تھی۔ بے شک تجسس ہر ایک کی فطرت میں پنہاں ہے۔

"کیا ہم صرف دوست ہیں؟" یمن کی آنکھیں برسات شروع کر چکی تھیں۔ اس نے اپنے دل کا ایک حصہ خلیفہ کیلئے مختص کر دیا تھا اور وہ تو یہی سمجھی تھی کہ خلیفہ نے بھی ایسا ہی کیا ہے لیکن اب وہ کہہ رہا تھا کہ ہم صرف دوست ہیں۔ اس ملک کا نامور انسان، انسانی دوست سوسائٹی کا بانی، لوگوں کا ہمدرد، ریز ورڈ سا، دی خلیفہ تبریز جو ہر ایک کا منظور نظر تھا۔ اپنی زندگی کے کچھ مضبوط پل یمن کی جھولی میں ڈال کر اسے یہ احساس دلوا کر کہ "تم بہت اسپیشل ہو۔" کہہ رہا تھا کہ وہ دونوں فقط دوست ہیں۔

"ہاں اس سے زیادہ کیا ہو سکتے ہیں؟"

یمن کی آنکھوں سے بہتے سمندر میں اس نے خود کو ڈوبتے ہوئے دیکھا۔ اسے یہ احساس ہو گیا کہ وہ اس کے ساتھ بھلے گیم کھیل جائے مگر یہ لڑکی کبھی اسے نہیں چھوڑنے والی۔ وہ اس کے آنسو اپنے ہاتھوں سے پونچھنا چاہتا تھا مگر اس نے خود کو روک لیا۔ بہتر یہی تھا کہ وہ خود کو روک لے نہیں تو وہاں بچ جانا تھا۔

"ایم سوری عظیم آدمی! مجھے آپ کے ساتھ دوستی نہیں کرنی۔" سکتے کی حالت سے نکل کر وہ مسکراتے ہوئے اسے کہہ رہی تھی۔ آنکھوں میں آنسو اور لبوں پر مسکراہٹ، یمن کا دل اندر سے کٹ رہا تھا۔ ثوبیہ بالکل ٹھیک کہتی ہے مرد دھوکے باز بھی ہوتے ہیں۔ اس نے آنکھیں رگڑ کر رخ کھڑکی کی جانب پھیر لیا۔ خلیفہ کے چہرے کی رگیں تنیں۔ اتنی توہین! اس نے ایک اچٹتی نگاہ اس کے بالوں پر ڈالی اور پھر دروازے کو ٹھاہ کی آواز سے بند کر کے باہر چلا گیا۔ یہ آواز سنتے ہی یمن کا دل بھی ٹوٹا تھا بالکل اسی آواز کی طرح۔ اس نے گہرا سانس بھرتے ہوئے اپنے کانپتے وجود پر کنٹرول کیا اور آنسو صاف کرتی کھڑکی کے پردے کو تھوڑا سا سرکا کر نیچے کو دیکھنے لگی۔ وہ تیز تیز ڈگ بھرتا اس کے گھر کی حدود سے نکل رہا تھا اور پھر وہ نکل گیا۔ مین گیٹ عبور کرنے کے بعد یمن اپنی دھندلی آنکھوں سے اسے دور جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس کے دل کو ٹھیس پہنچی۔ یہ کیسی محبت تھی جو شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔ جس کی ابتدا میں ہی دکھ ملا تھا۔ مرچوں زدہ آنکھوں کو رگڑ کر اس نے پردہ برابر کیا اور میز سے اس کا نامکمل اسکیچ اٹھا کر دیکھنے لگی جو ثوبیہ نے یہ جاننے کے بعد کہ وہ خلیفہ کا ہے بنانے سے انکار کر دیا تھا۔

"ستاروں پر کمند ڈالنا مجھ جیسی عام لڑکی کا کام نہیں ہے۔ مجھے دکھ ہے کہ میں صرف ایک دوست نکلی۔" اس کے اس اسکیچ کو دراز کھول کر اس نے فائلز کے نیچے رکھا اور پھر اسی طرح دراز بند کی جس طرح اس نے اپنا دل اس کیلئے بند کرنے کا سوچا تھا۔ فائلز میں موجود خلیفہ کے آدھے بنے اسکیچ میں اتنا اندھیرا نہیں تھا جتنا اس کے خود کے اندر موجود تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بنائے بیچ سڑک کے سیاہ رین کوٹ پہنے سفید پتھر کی طرح چہرہ لیے پر ہجوم سوچوں کے ساتھ چلے جا رہا تھا۔

"وقت ایک مایا ہے اے ظلم کی دنیا کے خلیفہ! دیکھنا یہ وقت ہی تمہیں دوہری تکلیف میں مبتلا کریگا۔ تم کروانا

کرو؟ ہاں یا ناں کے گرداب میں پھنس جاؤ گے اور کوئی تمہیں بچانے والا نہیں ہوگا۔ تم جیسے انسانوں کو سبق سکھانے کیلئے ایک ہی بددعا کافی ہے اور وہ ہے دل کی چوٹ۔"

کسی بیکار سے آدمی کی آواز ماضی کی بھول بھلیوں سے نکل کر ایک دم اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔ خلیفہ نے اپنے سر سے ہڈ کو اتارا۔ بارش کے یخ بستہ موٹے موٹے قطرے اس کے گھنے بالوں میں جگہ بنانے لگے تھے۔

"اس لڑکی کو قتل کردو، اسے کوئی اختیار نہیں تمہارے دل پر قبضہ کرنے کا۔" سمندر خان کی آواز بھی انہی بھول بھلیوں کا حصہ تھی۔ وہ ایک بیکار آدمی کے آواز کے ساتھ جگہ بنا گئی۔ بجلی کی کڑک تیز ہوئی اور بارش نے زور پکڑا۔

"تم نے کہا تھا تم مجھ سے محبت کرتے ہو مت مارو نہ مجھے۔" معصوم سی بے قصور لڑکی جس کی گردن پر خلیفہ کا چاقو چلا تھا مرنے سے پہلے اس سے التجا کر رہی تھی۔

"میں نے کبھی تم سے محبت نہیں کی، ان فیکٹ خلیفہ تبریز کبھی کسی سے محبت نہیں کرتا اور فرض کرو اگر اسے کسی میں اٹریکشن فیل ہوتی بھی ہے تو وہ اس کے ساتھ اپنا اچھا وقت گزار کر اسے مار دیتا ہے۔ جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ خلیفہ تبریز اپنے دشمنوں کیلئے کبھی کوئی کمزوری نہیں چھوڑتا۔"

اس نے اپنی پلکوں کو جھپکایا۔ پانی کے موٹے موٹے قطرے ان میں سے گر پڑے۔ عروج پر پہنچی ہوئی سردیوں کی طوفانی بارش میں وہ برہنہ سر کے ساتھ کھڑا سڑک پر ایسے طائرانہ نگاہ دوڑا رہا تھا جیسے وہاں ہر سو ایک ہی چہرہ ہو، ایک ہی انسان ہو اور ہاں دیکھو وہ چہرہ وہاں تھا بھی تو سہی۔ ہر جگہ ہنستا مسکراتا چہرہ، روتا کرلاتا چہرہ۔ خلیفہ نے ان تمام چہروں کی طرف نگاہ کر کے نفی میں سر ہلایا اور فقط ایک جملہ کہا۔

"ایسا ممکن نہیں۔"

اس کے قدم اٹھ گئے تھے۔ بھاری بوٹوں کے نیچے قید پانی کو راہ فرار ملی اور وہ بوندوں کی صورت اس کے تلوے سے گرنے لگا۔ ان گرتی بوندوں نے آخری نگاہ دور بہت دور سے نظر آتی کھڑکی پر ڈالی جس کے پیچھے وہ لڑکی کھڑی تھی اور اس کے سامنے اس کی بہن تھی جو ابھی ابھی آئی تھی۔

"کیا کوئی آیا تھا؟ کمرے میں بہت مہنگی خوشبو ہے۔" یمن کی چاکلیٹس اسے پکڑاتے ہوئے ثوبیہ ٹھٹکی تھی

کیونکہ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور پپوٹے سوجے ہوئے تھے۔

"کیا ہوا ہے یمن! سب ٹھیک ہے۔ جلدی سے بولو میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔" وہ چیزوں سے بھرا ہوا شاپر ایک سائیڈ پر رکھ کر اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ باہر بارش ہنوز برس رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پورے سال کی بارش آج ہی برس رہی ہے۔

"وہ کہتا ہے ہم صرف دوست ہیں۔" اس کی کانپتی ہوئی بھری آواز نکلی۔ ثوبیہ نے ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

"مجھے لگتا ہے یہ بہتر ہے۔ اس میں دکھی ہونے کی تو کوئی بات نہیں۔" وہ اس کے ہاتھ کی پشت کو سہلاتے ہوئے محبت سے کہہ رہی تھی۔ یمن نے نظریں اٹھائیں۔ آنکھوں کے ڈورے پھر سے سرخ ہونے لگے تھے۔

"تم ایسا آسانی سے اس لیے کہہ سکتی ہو کیونکہ تمہیں کسی سے محبت جو نہیں ہوئی۔" اس نے چڑ کر کہا تھا اور اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچنا چاہا مگر ثوبیہ نے اس کی چیز کی اجازت نہیں دی۔

"صحیح کہا تم نے۔ مجھ جیسی خشک لڑکی کو ان چیزوں کا کیا پتا۔ اچھا تمہیں ایک بات بتاؤں۔" وہ اس کا موڈ بحال کرنے کی خاطر بے وجہ ہنستے ہوئے بات پلٹ گئی۔ جانتی تھی اس بحث کو وہ دونوں جتنا طول دیں گی اتنی ہی خلش کی دیوار ان دونوں کے درمیان آن کھڑی ہو گی اور ثوبیہ یہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ یمن اس سے بدظن ہو۔

یمن اسے یوں ہی دیکھتی رہی پھر ثوبیہ نے انتہائی دلچسپی سے اسے وہ بات بتائی۔

"ہم سب لوگ کل ہی سنو فال دیکھنے جا رہے ہیں۔ بابا کا آرڈر ہے کہ میری بچیوں کو خوب گھمایا پھرایا جائے تو کیا ہوا اگر وہ گھر نہیں، ماما بھی تو ہمیں لے کر جا سکتی ہیں نا۔"

وہ دھنک رنگ سجائے بہت پرجوش دکھتی تھی۔ یمن کا دل خالی تھا مگر اسے ثوبیہ کیلئے برا لگا۔ اگر وہ یونہی بدمزاج ہوتی گئی تو سب اس سے بیزار ہو جائیں گے اور وہ یہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ اس کی سب سے پیاری بہن اس سے بیزار ہو تبھی وہ مسکراہٹ سجا کر کہنے لگی۔

"واؤ یہ تو بہت ہی اچھا خیال ہے ہم لوگ رات کو پیکنگ کریں گے۔"

دونوں جانتے تھے کہ دونوں کے دلوں میں کیا چل رہا ہے مگر دونوں نے ہی ایک دوسرے کے دل کو نظر انداز کیا اور مسکراتے ہوئے کل کی ہونے والی پکنک کے بارے میں پلان کرنے لگیں۔ کل کا دن جو شاید یمن حیات

کی زندگی کا سب سے خطرناک دن ثابت ہونے والا تھا۔

کل کا دن!

☆......☆......☆

"میں کل سے آپ سے بات کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اور آپ کل سے ہی مجھے اگنور کر رہی ہیں۔ کیا بات ہے معروش! آپ مجھ سے کیوں خفا ہیں۔"

وہ گھنٹے سے ان کے گھر بیٹھا تھا۔ نانو سے اس نے ڈھیر ساری باتیں کی تھیں اور ان کی فرمائش پر پزا بیک کر کے اوون میں رکھا ہوا تھا۔ سردیوں کی تیز بارش نے نانو کو کافی کے ساتھ پکوڑے اور پزا کھانے کی طرف متوجہ کر دیا تھا تبھی انہوں نے سنڈے کے دن بھی نوفل کو نہیں بخشا اور کال کھڑکا کر جلد از جلد گھر آنے کو کہا۔ وہ بیچارہ بھی اپنے تمام بکھیڑے چھوڑ کر ان کی ایک کال پر برستی بارش میں رین کوٹ پہنے ان کے دروازے پر تھا۔ جس کیلئے وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ آیا تھا وہی اس سے خفا تھی۔ اس خفا سی لڑکی کے سامنے کھڑا وہ استفسار کر رہا تھا۔ معروش نے برتنوں کو کھنگالنا شروع کیا جنہیں نوفل کپڑے سے پونچھتے ہوئے ریک میں لگا رہا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ ہمارے درمیان میں کچھ ایسا ہو سکتا ہے جس میں روٹھنے اور منانے کا سین چلے؟" بے اعتنائی کی انتہا کرتے ہوئے وہ اپنے بازو کہنی تک فولڈ کر کے برتن کھنگالتی اسے بنا دیکھے کہہ رہی تھی۔

چھن۔۔ ایک آواز آئی تھی لیکن یہ آواز وہ سن سکتا تھا جو خاص سماعت کا حامل ہو۔ دل چھلکتے نہیں تھکا دیے جاتے ہیں۔ معروش نے نوفل کو دل کو تھکا کر توڑ دیا تھا۔ اس کے ٹوٹنے کی گونج ہر ایک نے سنی سوائے اس نے جس نے اسے توڑا تھا۔

"آپ صحیح کہتی ہیں، ایم سوری میں نے آپ کا وقت برباد کیا۔"

پھر اس کے بعد نہ ہی وہ کوئی لفظ بولا اور نہ ہی معروش نے کوئی بھی لفظ منہ سے نکالا۔ برتنوں کو سکھا کر رکھتے ہوئے اس نے اوون کی سیٹی سنی اور ہاتھ پونچھتا ہوا گلوز پہن کر گرما گرم پزا اس میں سے نکالنے لگا۔ معروش نے آخری پلیٹ کو صاف کرتے ہوئے ایک اچٹتی نگاہ اس کی پشت پر ڈالی۔ اس کی کاہی رنگ کی ہائی نیک بہت پرانی اور پتلی معلوم ہوتی تھی اور وہ بارش سے بھیگی ہوئی بھی تھی۔ بازوؤں کو اسی کی طرح کہنیوں تک لاتے ہوئے

وہ پزے کو بڑی ساری خوبصورت پلیٹ میں سجا رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتی رہی پھر فیصلہ کن انداز میں پوچھ بیٹھی۔

"اس دن جب تم مجھے ائیرپورٹ پر لینے آئے تھے۔"

نوفل اس کی آواز پر فوراً مڑا تھا جیسے وہ پہل کا منتظر ہو۔ اس کے مڑنے میں عجلت تھی اور آنکھوں میں دکھ بھرے سوالات۔

"ہاں اسی دن، کس لڑکی کے ساتھ تھے؟" اس کے اندر کا تفتیشی افسر جاگ چکا تھا۔ سینے پر بازو باندھے، آنکھیں سکیڑے وہ نوفل کے پرسوچ چہرے کو دیکھنے لگی جو پزل تھا۔

"کس بارے میں بات کر رہی ہیں آپ؟ کونسی لڑکی؟" وہ جیسے سوچ میں تھا۔ اس نے بہت تانے بانے جوڑے مگر کوئی سرا ہاتھ نہ لگا۔ معروش نے شانے اچکائے۔ وہ سینک سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

"یقیناً میں اسی لڑکی کی بات کر رہی ہوں جو سائیکل پر تمہارے پیچھے بیٹھی تھی۔"

نوفل کو ایک دم یاد آیا۔ اس نے سر پر ہاتھ رکھا اور سوچ کر کہا۔

"جی مجھے یاد آیا، وہ لڑکی کوئی انجان تھی۔ اسے انارکلی روڈ تک لفٹ چاہیے تھی تو میں نے دے دی، کیا آپ اسے جانتی ہیں؟"

معروش اس کے جواب پر دنگ رہ گئی۔ ایک دم سیدھی ہوئی۔

"تم کہہ رہے ہو وہ لڑکی انجان تھی اور اس نے تم سے لفٹ مانگی تھی؟" اس کی آنکھیں مزید سکڑیں۔ نوفل نے اسے خشمگیں نظروں سے دیکھا اور منہ بناتے ہوئے کہا۔

"ایسا ہی ہے۔ آپ کو کیا لگا تھا۔" منہ کے ساتھ ساتھ اس کی آواز بھی بنی ہوئی تھی۔ معروش کو نانو کی بات اب درست لگنے لگی کہ اس کی کوئی دوست نہیں۔

"کیا واقعی وہ لڑکی تمہاری گرل فرینڈ نہیں تھی۔" وہ تھوڑی سی آگے ہو کر مزید اور آنکھیں سکیڑ کر اسے ہراساں کرنے کی سعی میں تھی۔ نوفل کے گلے کی ہڈی اوپر نیچے کو ہوئی۔

"لاحول ولا قوۃ! وہ میری گرل فرینڈ کیوں ہونے لگی بھلا، میں جب بھی کرونگا ڈائرکٹ نکاح کرونگا۔ یہ گرل فرینڈ بوائے فرینڈ کے چکر میں نہیں پھنسنے والا میں۔" وہ شدید برا مناتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اسے تو اس

بحث میں یہ بھی پرواہ نہیں رہی تھی کہ اس کا بنایا پزا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔

"اور آپ کو لگتا ہے اسلام میں اس برے سے ریلیشن کی جگہ ہے۔ میں ہرگز بھی آخرت میں اس قوم میں سے نہیں اٹھنا چاہتا جس کے اطوار کے پیچھے پوری مسلم امہ بھاگ کھڑی ہوئی ہے۔"

اس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا اور آنکھوں میں سے ناراضگی چھلکتی تھی۔

"تو پھر تم مجھے اپنے ساتھ کیوں نہیں لے کر گئے تھے۔"

اسے نوفل کی باتیں اچھی لگی تھیں لیکن اس کا سوجا ہوا منہ بہت ہی برا لگ رہا تھا۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں جن پر مسکراہٹ ہی جچتی ہے۔ نوفل ان لوگوں کی فہرست میں نمبر ون پر آتا تھا۔ اس نے جیسے معروش کی بات پر ٹھنڈا گہرا سانس بھرا اور پھر ویسے ہی ٹھنڈے لفظ منہ سے نکالے۔

" کیا میری سائیکل اس قابل تھی کہ آپ اپنی گرم گاڑی چھوڑ کر اس پر بیٹھتیں، میں یقیناً آپ کیلئے کیب کرواتا اگر جو جلد بازی میں اپنا والٹ شاپ پر نہ چھوڑ کر آتا۔" مدھم آواز میں شرمندگی کے آثار چہرے پر لائے وہ معروش کے دل کو دھکا لگا گیا۔ وہ لاجواب ہوئی تھی اور ساتھ ساتھ افسردہ بھی۔

"تم ہم کہتے تو سہی دوستوں میں کیسی شرم، میں اپنی پہلی کہی بات کیلئے معذرت خواہ ہوں۔" اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ اس کی یہی اچھی عادت تھی غلطی جاننے کے بعد وہ معافی مانگنے میں سیکنڈ نہیں لگاتی تھی۔

" آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔" وہ کھل اٹھا تھا۔ مسکراہٹ پھر آن سمائی تھی۔

" تمہیں مجھ سے کوئی بات کرنی تھی۔" اسے اچانک ہی یاد آیا تھا۔ نوفل پزے کو واپس اوون میں رکھ چکا تھا۔ مڑ کر سنجیدگی سے معروش کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

"ہاں، آپ کے جانے کے بعد ایک آدمی میرے پاس آیا تھا۔ اس نے کہا وہ مجھے میرے تمام ڈاکومنٹس اور پزا پوائنٹ دلوا دے گا لیکن مجھے اس کے بدلے آپ کا لیپ ٹاپ اسے چرا کر دینا ہوگا۔ یعنی کہ حد ہوگئی وہ مجھے چور سمجھتا ہے۔ معروش میں کہیں سے بھی آپ کو چور۔۔۔" اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ وجہ معروش کی مداخلت تھی۔ وہ اس کی بات کاٹ کر پوچھنے لگی۔

"ایک منٹ، کس قسم کے آدمی کی بات کر رہے ہو تم، کون تھا وہ؟" وہ لمحے میں سنجیدہ ہوئی تھی۔ اس کا لیپ

ٹاپ بہت اہم تھا جسے چرانے کا کہنے کا صاف مطلب تھا کہ کوئی اس کے مشن کے بارے میں جاننا چاہتا ہے یا پھر اسے پھنسانا چاہتا ہے۔

"وہ بہت عجیب سا پراسرار قسم کا آدمی تھا بلکہ وہ ایک کرپٹ انسان دکھتا تھا۔" معروش کو سنجیدہ دیکھ کر وہ بھی چوکنا ہو گیا۔ یعنی معاملہ اس کی سوچ سے بھی بڑھ کر آگے تھا۔

"ہوں، اس نے اور کچھ کہا تم سے، سوچو ذہن پر زور ڈالو۔ یقیناً اس نے کچھ اور بھی کہا ہوگا۔" ایک بار پھر سے اوون کی سیٹی بج گئی تھی۔ نوفل نے اسے بند کیا اور پزے کو اس کے اندر ہی پڑے رہنے دیا۔

"اس نے کسی خواجہ کا نام لیا تھا کہ انہیں ناراض کرنا اچھا نہیں سم تھنگ۔" وہ شانے اچکا کر کچھ سوچ کر جیسے صحیح صحیح بتانا چاہتا تھا۔ معروش خواجہ کا ذکر سن کر زیر لب مسکرائی۔

"تمہارا شکریہ نوفل! تم نے میرا بہت بڑا کام کر دیا۔ رہا وہ خواجہ تو میں اسے اچھے سے دیکھ لوں گی۔" مصمم ارادے سے کہتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ جھاڑا تھا۔ نوفل کو معاملے کی حساسیت اچھی نہیں لگی۔ اسے معروش کی فکر بھی تھی اور تھوڑا ڈر بھی۔ اس لیے لب بستہ رہا۔

"کیا جان سکتا ہوں کہ وہ خواجہ کون ہے" اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا تھا۔ معروش نفی میں سر ہلاتی بولی۔

"نہیں، یہ میرا کام ہے اس میں دلچسپی نہ ہی لو تو بہتر ہے۔ پزا لے کر باہر آجاؤ۔ مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔" وہ اسے آرڈر دیتی باہر آئی اور آتے ہی حفیظ کو فون ملانے لگی۔

"ہاں حفیظ! ایک کام کرو، اس خواجہ ریاض پر کڑی نظر رکھواؤ۔ مجھے لگتا ہے اس کے کالے دھندے عروج پر پہنچ چکے ہیں تبھی تو وہ میڈیا کے تھرو اتنا بدنام ہو رہا ہے۔ اب اسے میرے لیپ ٹاپ تک کی رسائی چاہیے، ایسا انسان زیادہ دیر تک چھوڑا رہے یہ ہم سب پر ایک سوالیہ نشان ہے۔"

حفیظ نے اس کی بات سنتے ہی او کے کہا تھا۔ معروش نے اپنا سیل فون بند کیا اور سیڑھیاں پھلانگ کر اوپر اپنے کمرے میں آگئی۔ لیپ ٹاپ کھول کر وہ اس میں سے ڈیوڈ کی فراہم کردہ پرانی معلومات چیک کرنے لگی جن پر ایکشن کرواتے ہوئے وہ ناکام ہوئی تھی۔ ان انفارمیشن سے اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔

وہ اس پیج کو اوپر نیچے کرنے لگی پھر اسے ایک زور کا جھٹکا لگا تھا۔ جھٹکے کا سبب وہ خیال تھا جو اچانک اس کے

دماغ میں آیا تھا۔اس نے لمحے کے ہزارویں حصے میں ایک ویڈیو نکال کر سنی جس کی آواز بہت کٹ کٹ کر آ رہی تھی جو بہت مختصر تھی اور یہ تھی۔

"تمہیں سب سے زیادہ کس چیز میں دلچسپی ہے؟" وہ یقیناً ڈیوڈ کی ہی آواز تھی جو نشے میں ڈوبے اپنے ایک ساتھی سے جو کچھ ممکن تھا اگلوانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"مجھے ابھرتے سورج کے سامنے سے آتی پریوں میں دلچسپی ہے۔" وہ آدمی مخمور لہجے میں رک رک کر بولتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ڈیوڈ نے پھر سے سوال کیا۔

"یعنی کہ؟"

"اوہ میرے بھائی، میں فارنر لڑکیوں کے بارے میں بات کر رہا ہوں۔"

اور یہیں پر ویڈیو ختم۔

"فارنر لڑکیاں، ابھرتا سورج، اوہ مائی گاڈ!" وہ اپنا سر پکڑتے ہوئے کرسی کی بیک پر گری۔ نیچے سے اسے نانو کی آواز آ رہی تھی جو اسے جلدی سے آنے کا کہہ رہی تھیں۔ معروش کا سانس دھونکنی کی مانند چلنے لگا۔آنسو بنا سوچے سمجھے بہنے لگے۔وہ کرسی چھوڑ کھڑکی کھول کر کھڑی ہوگئی۔ جس کے سبب بارش کا ڈھیر سارا پانی اس کے آنسو چھپانے لگا تھا۔ پیچھے اس کی جھولتی ہوئی کرسی افسردگی کا نشان بنی اسے دیکھنے میں مگن تھی۔

"معروش! مجھے بچالو، معروش یہ لوگ بہت ظالم ہیں۔"

آپا کی آواز کے ساتھ اچانک ایک مردانہ آواز ابھری تھی۔وہ ماضی کی آواز نہیں تھی بلکہ وہ تو نوفل تھا جو اس کے دروازے کو بجاتے ہوئے اسے پکار رہا تھا۔

"معروش آجائیں، آپ کو بھوک لگی تھی نا۔"

اس کے آنسو مزید تیزی سے بہنے لگے۔آپا نے ایسی بات کہی تھی جو انہیں نہیں کہنی چاہیے تھی۔

"دیکھنا میری اس دبو بہن کیلیے ایک بہت اچھے دل والا انسان آئے گا اور اسے اپنی طرح بہادر بنا دیگا۔"

اس نے سختی سے اپنے آنسو رگڑے اور دل کو تھپک کر خود سے کہنے لگی۔

"نہیں، مجھ جیسی لڑکی کی زندگی میں کوئی مرد نہیں آ سکتا، کوئی بھی نہیں۔"

"معروش! پزا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" ایک بار پھر ہلکی سی دستک کے ساتھ آواز ابھری تھی۔ معروش نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

"میری بھوک اڑ گئی ہے نوفل! تم جا سکتے ہو تمہارا شکریہ۔"

اس نے اپنا سیل فون دوبارہ اٹھا کر حفیظ کا نمبر ملایا اور اسے ایک بار پھر سے آرڈر دینے لگی۔

"حفیظ! بارڈر پر سیکورٹی سخت کرواؤ۔ مجھے لگتا ہے یہ ہفتہ ایک بہت بڑی کامیابی کا ہفتہ ہے کسی بھی دن ہم اپنے دشمن کو ہلا کر رکھ سکتے ہیں۔"

☆......☆......☆

"چلو جلدی چلو، وقت برباد مت کرو۔" بھیڑ بکریوں کی طرح شیون نو لڑکیوں کو اپنی قیادت میں کسی اور بڑی پارٹی میں لے جا رہا تھا۔ وہ سب لڑکیاں خود کو بڑے سارے کوٹ میں ڈھکے ہاتھ باندھتی ہوئیں اس کے دھکا دینے پر سیاہ شیشوں والی ویگن میں بیٹھ گئی تھیں۔ ان لڑکیوں میں رخسانہ اور سدرہ بھی تھیں اور وہ دونوں ساتھ ساتھ تھیں۔

"کیا خیال ہے یہ ہمیں کہاں لے کر جا رہے ہیں؟" سوال سدرہ کی طرف سے آیا تھا۔ اس کی مخاطب رخسانہ تھی جو سیاہ شیشوں سے دھندلی سڑک دیکھتے ہوئے بولی۔

"کوئی اندازہ نہیں بس اتنا معلوم ہے کہ ہم جانوروں کے پاس جا رہے ہیں۔"

ان سے تھوڑی دور ساشا ٹانگ پر ٹانگ رکھے ایک میگزین پڑھنے میں مصروف تھی اس لیے تمام لڑکیاں بہت ہلکی آواز میں بھنبھنا رہی تھیں۔

"تو پھر آگے کیا کرنا ہے؟" سدرہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ رخسانہ نے ہاتھ کی جانب نظر ڈالی۔ وہ اس پکڑ کا مطلب سمجھ گئی تھی۔ نہ میں سر ہلایا۔

"ایسا سوچنا بھی مت، یہ لوگ تم کو مار ڈالیں گے" اس نے سدرہ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر دبائے اور سختی سے بولی

"کیا ابھی اور مرنا باقی ہے۔" اس کی نم آنکھوں میں سرخی گھلی تھی۔ ہتک آواز میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

"جس طرح ہم دن رات ذلیل ہوتی ہیں، کیڑوں کی طرح ٹریٹ کی جاتی ہیں اس سے بہتر تو پھر موت ہی ہے ناں۔ اللہ کو خودکشی بالکل حرام نہیں کرنی چاہیے تھی۔" اس کے شکوے ایک بار پھر سے شروع ہو چکے تھے۔ رخسانہ نے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔

"اللہ کے نظام میں مداخلت کرنے کی تمہاری کوئی حیثیت نہیں، آئندہ میں تمہارے منہ سے اس طرح کی باتیں نہ سنوں۔ اسے کیا کرنا چاہیے تھا کیا نہیں، یہ وہ بہتر جانتا ہے۔ سمجھ آئی۔"

اسے ڈپٹ کر وہ شیشوں سے باہر دیکھنے لگی۔ شہر کے مضافاتی علاقوں سے گاڑی گزر کر گھنے جنگل نما سی جگہ میں داخل ہوئی۔ مغرب کا وقت تھا اور سورج اپنی آخری سانسیں لے رہا تھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی پژمردہ پھیکی شعاعیں اونچے اونچے درختوں کے پتوں پر مریضوں کی طرح گر رہی تھیں۔ سبز پتوں پر پھیکی زرد روشنی بہت بھلی معلوم ہوتی تھی۔ وہ اسی دم توڑتے سورج کے آخری سائے میں ایک کچی سڑک سے نکل کر پکی پر پہنچے، ان کے عین سامنے دور ہی ایک بہت بڑا ولا شاہانہ انداز میں سر اٹھائے کھڑا تھا۔ وہ ولا سفید رنگ کے پتھروں سے بنا تھا۔ اس کی چھتیں وکٹورین سٹائل کی تھیں اور ان پر درخت جھکے ہوئے تھے۔ اس ولا کے بڑے سارے جالی دار گیٹ میں سے ان کی گاڑی اندر کو بڑھی اور سبزے سے ڈھکی اینٹوں کے پورچ میں آ کر رک گئی۔ گاڑی سے سب سے پہلے نکلنے والا شیون تھا۔

"تم سب میری بات غور سے سنو، اندر سب فارنرز ہیں یعنی غیر ملکی، ان میں زیادہ تر شیوخ ہیں اور وہ سب تم لوگوں کی خریداری کیلئے یہاں آئے ہیں۔ کسی نے بھی۔۔۔" ڈرائیونگ سیٹ کے پاس پسنجر سیٹ سے اتر کر وہ ویگن کا گیٹ کھولے ان سب کو وارن کر رہا تھا۔

"میں کہہ رہا ہوں اگر کسی نے بھی کوئی بھی چالاکی کرنے کی کوشش کی تو اس کا انجام بہت برا ہوگا۔" اپنی بات ختم کر کے وہ سب کو نکلنے کا اشارہ دے رہا تھا۔ ساشا نے اپنی معیت میں ان سب کو نکالا اور اس ولا کے سفید بڑے سے دروازے کو کھول کر ان سب کو اندر لے گئی۔ اس کے پیچھے پیچھے شیون بھی تھا۔ دروازے کے پیچھے دو مستعد سے گارڈ کھڑے تھے جنہوں نے گاڑی کے ہارن کی آواز سن کر ہی اس دروازے کو کھول دیا تھا۔ وہ سب ساشا کے ساتھ اندر آئیں جہاں جائنٹ صوفوں پر دس بارہ آدمی ہاتھوں میں مہنگی وائن تھامے بیٹھے تھے۔ ان فارنرز میں

ایک گنجی پہلوان بھی تھا۔

"مرحبا!" لاونج میں پہنچتے ہی ساشا نے کہا اور لڑکیوں کو لائن میں کھڑا کر کے ان سب کو دیکھنے لگی۔

"ہم نے آپ لوگوں کی ڈیمانڈ کو پورا کیا، ہمارے بہترین پیس آپ لوگوں کے سامنے ہیں جسے چاہیں بصد شوق لے لیں۔ آخر کو یہ حسن آپ کیلئے ہی تراشا گیا ہے۔" منی سکرٹ اور ٹاپ میں ملبوس سرخ باب کٹ بالوں والی ساشا اپنے جامنی رنگ سے رنگے ہونٹوں کو مسکراہٹ میں ڈھال کر کہہ رہی تھی۔ اچانک اس کی نگاہ گنجی پہلوان پر پڑی۔ اس نے اپنی ایک ابرو کو اچکایا تھا۔ مطلب ان فارنرز میں تمہارا کیا کام پاکستانی کیڑے۔

اور وہ پاکستانی کیڑا ہی تھا جو سب سے پہلے اٹھا تھا۔ باری باری تمام لڑکیوں کو دیکھ کر وہ رخسانہ پر آ کر رکا۔

"مجھے یہ چاہیے، ایسا لگتا ہے سیاست کی اس دوڑ میں اس جیسی خوبصورت سیکرٹری ہی مجھے کامیابیوں کی منزل تک پہنچا سکتی ہے۔" ساشا کو دیکھ کر وہ رخسانہ کے گھنگھریالے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے بولا تھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ کیا واقعی وہ اس برزخ سے آزاد ہونے والی ہے۔ اس نے اپنی گلابی ہونٹوں کو کاٹا۔

"کیوں نہیں، آپ اسے لے سکتے ہیں پے منٹ شیون کو کر دیں۔" وہ بہت بڑی مسکان چہرے پر سجائے تالیاں بجاتی رخسانہ کو اس پاکستانی کیڑے کے ساتھ کھڑا کر رہی تھی۔ اسے گنجی پہلوان کے حوالے کرتے ہوئے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس نے اس گھنگریالے بالوں والی کو تنبیہ کی تھی۔

"تم اچھے سے جانتی ہو کہ تمہیں اس گنجے کے حوالے کیوں کیا جا رہا ہے۔ ہنی اپنی ذمہ داریوں کو مت بھولنا نہیں تو خلیفہ بہت برا آدمی ہے، یقین رکھو ہم سب کی نگاہ تم پر ہی ہے۔"

سدرہ نے ڈوبتے ہوئے دل کے ساتھ اپنی سب سے پیاری دوست کو دیکھا۔ اگر وہ چلی گئی تو اس کا کیا بنے گا۔ وہ آنکھوں میں آنسو لیے رخسانہ کو تک رہی تھی۔ ساتھ ساتھ اس کے دل میں ایک ٹھنڈا سا ڈر بھی تھا اگر ان میں سے کسی نے اسے بھی خرید لیا اور خرید کر اسے اس سے بھی گندی جگہ لے گئے تو وہ کیا کرے گی۔ اس کا ذہن منصوبے بنانے لگا۔

رخسانہ گنجی پہلوان کے ساتھ جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ اس کی کمر میں بازو حمائل کیے سگار کے کش لگاتا ایک شیخ کی توجہ سدرہ کی طرف کروا رہا تھا جس کی نگاہیں زمین کو کھودنے میں مصروف تھیں۔ وہ شیخ گنجی کا اشارہ سمجھ کر

کہنے لگا۔

"ایسا حسن شاید ہی اس کرۂ ارض پر اترا ہو، ماننا پڑے گا کہ اللہ کے شاہکار اپنی مثال آپ ہیں۔" سفید چوغہ پہنے وہ شیخ اٹھ کر سدرہ کی طرف آیا اور اسے اوپر سے لے کر نیچے تک غلیظ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے سگار کا بدبودار دھواں اس پر چھوڑتے ہوئے بولا۔ سدرہ کو کھانسی آ گئی۔

"واہ کیا ناز ہیں یعنی حسن کے ساتھ نزاکت بھی یہ تو اصل کے ساتھ سود والی مثال ہوئی۔" اس کے گال پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ اس کے سمٹنے پر محظوظ ہو رہا تھا۔ سدرہ کا دل حلق میں دھڑکنے لگا۔ اس کی نگاہ اچانک شیخ کے گلے میں لٹکتی چھوٹی سی پسٹل پر گئی۔

" کوئی ہماری مدد نہیں کرتا، میں نے کہا اس دنیا میں کوئی بھی ہماری مدد نہیں کرتا فقط ہمارے خود کے، ہم خود ہی ہمارے محافظ ہیں، ہم خود ہی ہمارے محبوب ہیں، اپنے دل کی اپنے وجود کی ہمیں خود ہی حفاظت کرنی ہوتی ہے۔ جتنی ہمیں اپنی جان پیاری ہوگی ارے اتنی تو ہماری پیدا کرنے والی کو بھی نہیں ہوگی۔ زندگی میں کھیل ہی کھیلنا پڑتا ہے، کامیاب رہے تو جیت ہماری۔ ناکام رہے تو مات، بہتر نہیں ہاتھ ملنے سے کہ ہم کوشش کر لیں۔ کوشش کرنا ہی آدھی جنگ جیتنے کے مترادف ہے۔"

سوچوں کے یلغار کو اس نے پیچھے کو دھکیلا اور ہمت کر کے گولڈن چین میں لٹکتی پستول کو فل طاقت سے کھینچ کر اپنے قبضے میں کر لیا۔ اس کی رفتار بجلی کی سی تھی اور اس نے اتنی زور سے وہ پستول کھینچی تھی کہ شیخ کی گردن میں سے خون کی بوندیں بہنے لگیں۔

"میں نے کہا سب اپنی اپنی جگہ سٹل ہو جائیں، ورنہ ختم کر دوں گی میں سب کو۔" کانپتے ہاتھوں میں پستول تھامے وہ دھاڑتی ہوئی کہہ رہی تھی مگر اس دھاڑ کے ساتھ ساتھ اس کی آنکھوں سے سیلاب بھی بہے جا رہا تھا۔

" آہ۔۔ظالم لڑکی میں تمہیں قتل کر دونگا۔" وہ شیخ توہین کے احساس سے اس کی گردن کی طرف لپکا لیکن اس سے پہلے کہ وہ سدرہ کی گردن کو دبوچتا اس نے فائر کر دیا۔ گولی شیخ کے بازو پر لگی تھی۔

"یہ۔۔یہ تم نے کیا کیا؟ تم بیوقوف لڑکی! موت ہے تمہاری۔" ساشا اور شیون جو بڑے آرام سے یہ میلو ڈرامہ دیکھ رہے تھے۔ اس کا بھیانک سین آتے ہی بھڑک پڑے۔ وہ تو سمجھے تھے کہ سامنے کھڑی بیوقوف لڑکی

کیسے کسی پر گولی چلاسکتی ہے لیکن اس نے چلادی تھی۔ ہاں اس نے ہمت کرلی اور یہ ہمت ہی کافی تھی۔

''خبردار، میں کہہ رہی ہوں خبردار، اگر کسی نے میری طرف قدم بھی بڑھایا تو۔۔تو میں سب کو بھون دوں گی۔''

شیون سرخ چہرے کے ساتھ اس کی طرف دوڑ رہا تھا۔ ان کے گاہک خراب ہو رہے تھے وہ کیسے نہ اس نادان لڑکی کا منہ توڑ دیتا لیکن آج جیسے سدرہ پر جنون طاری ہو گیا تھا۔ کسی بھی ڈر کے بغیر اس نے شیون پر بھی گولی چلادی جو سیدھا اس کے پیٹ میں لگی تھی۔ پہلے ہی باقی کے فارنرز اور گارڈز جو گولی کی آواز سن کر اندر آئے تھے اس شیخ کو سنبھالنے لگے تھے جس کے تیل کے کنویں تھے اور اب شیون! معاملہ وہاں حد سے بڑھ گیا۔ کھلبلی مچ چکی تھی ادھر۔

''رخسانہ! چلو میرے ساتھ، میں نے کہا دیر مت کرو اور چلو میرے ساتھ۔'' اس بھگدڑ میں جیسے ہی رخسانہ کا ہاتھ گنجی کے ہاتھ سے چھوٹا وہ سدرہ کی پکار پر اس کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔ ان دونوں نے مین دروازے کا رخ کرنے کی بجائے سیڑھیوں کی طرف قدم بڑھائے تھے۔ سیکنڈ فلور پر پہنچتے ہی انہیں لاؤنج میں سے باہر باغ میں اترتی سیڑھیاں دکھیں۔ وہ دونوں ان کی جانب دوڑیں۔ پیچھے سے انہیں قدموں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ان سب کی پرواہ کیے بغیر وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہی تھیں۔ جیسے ہی انہوں نے لان میں قدم رکھا دو گاڑیاں انہیں کھڑی ہوئی نظر آئیں۔ دونوں کی ہیڈ لائٹس جل رہی تھیں۔ رخسانہ نے سدرہ کی جانب دیکھا وہ بھاگتے ہوئے بہت خطرناک لگ رہی تھی شاید وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ پورچ میں گاڑی کے نزدیک پہنچتے ہی اس نے گولیاں چلادیں۔ سفید کار میں بیٹھا ڈرائیور ایک دم خون خون ہوا تھا۔ وہ دونوں ایک ساتھ گاڑی کی اگلی سیٹ میں بیٹھیں اور طاقت لگا کر اس ڈرائیور کو نیچے پھینک دیا۔ ڈرائیونگ سیٹ رخسانہ نے سنبھالی تھی۔ ابھی اس نے گاڑی سٹارٹ کی ہی تھی کہ تھوڑی دور سے دو لڑکیاں بھاگتی ہوئی نظر آئیں جن کے پیچھے گارڈز تھے جو فائر کرنے کی مسلسل دھمکی دے رہے تھے۔ یہاں انہوں نے دھمکی نہیں دی تھی بلکہ فائر کر بھی دیا تھا۔ رخسانہ نے گاڑی کو ریورس کر کے چوتھے گیئر میں ڈالا آٹومیٹک گن کو ہدف پر رکھے چوکیدار کو نظر انداز کیا اور گاڑی کو ایک سو بیس کی رفتار میں دوڑا کر گیٹ کو توڑتی باہر آ گئی۔ وہ جنگل تھا گہرا جنگل، مگر اس کے راستے رخسانہ کو یاد تھے۔ وہ تمام راستے نشانیاں بناتی آئی تھی۔ یہ اس کی بچپن کی عادت تھی۔ کہیں بھی جانا ہو تو نشانیوں کو یاد رکھ لیتی تھی۔ کبھی

کوئی سپر اسٹور ہوتا تھا تو کبھی کوئی بوسیدہ ساٹھیلا، کبھی ایک درخت تو کبھی کوڑادان۔

اب بھی وہ درختوں پر اپنی نگاہ چھوڑ آئی تھی جنہیں واپس لیتے ہوئے اس نے سب کچھ بھلا کر گاڑی کو بھگا ڈالا اور یوں چند منٹ بعد وہ لوگ مین روڈ پر تھے۔

"ہم پکڑے جائیں گے، ہمارے پاؤں میں موجود چپوں کی مدد سے ہم پکڑے جائیں گے۔" ہیجانی انداز میں چیختی ہوئی سدرہ اندھیری پراسرار سڑک پر نگاہ ڈالے کہہ رہی تھی۔ رخسانہ نے ہونٹ کچلے پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"ڈھونڈو، اس گاڑی میں سیل فون ڈھونڈو، جلدی کرو سدرہ! اگر زندگی بچانی ہے تو سیل فون ڈھونڈو۔" وہ اتنی زور سے چیخی کہ اس کی گردن کی رگیں ابھر اٹھیں۔ سدرہ پاگلوں کی طرح سیل فون ڈھونڈنے لگی پھر اسے اچانک رخسانہ کے پاؤں کے پاس خون آلود سیل فون نظر آیا۔ اس نے اسے اٹھا کر اپنے کوٹ سے صاف کیا۔ وہ یقیناً ڈرائیور کا سیل فون تھا لیکن اس پر پاسورڈ لگا تھا۔ اس نے ایمرجنسی کالز کا بٹن پش کیا اور پولیس کا نمبر ڈائل کر دیا۔

"ہیلو! ہماری مدد کرو ہم دونوں مصیبت میں ہیں، ہمارے پیچھے، ہمارے پیچھے غنڈے لگے ہیں۔ خدارا ہماری مدد کرو۔" وہ کانپتے وجود، کانپتی آواز کے ساتھ مدد کی بھیک مانگ رہی تھی۔ اچانک ان لوگوں کے پیچھے ڈھیر ساری گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس آن ہو گئیں۔ لازمی وہ وہی لوگ تھے جو ان دونوں کو پکڑنے آرہے تھے۔ رخسانہ نے خطرناک حد تک بیک ویو مرر سے دیکھتے ہوئے سپیڈ بڑھائی۔

"تحمل، مجھے بتاؤ آپ دونوں کون ہو اور کہاں سے بات کر رہی ہو۔" مردانہ آواز پر سدرہ نے چھوٹتے ہوئے کہا۔

"اس سب کا وقت نہیں ہے، آپ ہمیں بتائیں ہم کہاں آئیں۔" رخسانہ نے ایک ٹرک کو بری طرح اوور ٹیک کیا اور سدرہ کو سننے لگی جو ہوں ہوں کرتی گردن بھی ہلا رہی تھی۔

"ہمیں یہاں سے لفٹ اور پھر ایک اور لفٹ لینا ہوگا وہاں پولیس اسٹیشن ہے۔ ہم وہاں جارہے ہیں۔" سدرہ کے کہنے پر رخسانہ نے سر ہلایا۔ وہ کار ٹریکر کو ڈھونڈ رہی تھی جو اسے نظر نہیں آیا۔ اس پر لعنت بھیج کر ایک لفٹ لینے کے بعد جونہی اس نے دوسرا لفٹ لیا تو رخسانہ کو یکدم بریک پر پاؤں رکھنا پڑا۔ اس کے سامنے، اس کی

آنکھوں کے عین سامنے ڈھیر ساری گاڑیاں لائن میں کھڑی تھیں۔اس نے پیچھے دیکھا،اتنی ہی گاڑیاں ان کے پیچھے بھی تھیں۔

"ہم پھنس گئے،انھوں نے ہمیں پھنسا دیا۔" رخسانہ روتے ہوئے چیخی تھی۔اتنے عرصے بعد زندگی میں پہلی بار آزادی کا احساس اس کے رگ وپے میں سرایئت ہوا تھا۔کتنا مسرور کن اور ہلکا پھلکا خیال تھا ناوہ۔سدرہ کا ڈروصدمے سے برا حال تھا۔سیل فون پر کال آرہی تھی پولیس کے نمبر سے ہی کال تھی جسے اس نے لمحے کا توقف کیے بنا ہی اٹھالیا۔

"بچے ہمیشہ بچے ہی رہتے ہیں،سوری بے بیز،تم لوگوں کو بھٹکانے کیلئے کیا یہ سب لیکن کیا یہ قابل یقین بات ہے کہ خلیفہ کے بندے کا سیل فون پولیس میں کال ملا جائے۔ چچ چچ چچ۔افسوس اس فون کی ساری کالز ہمارے پاس ریکارڈ ہوتی ہیں۔کب کونسی کال کدھر جاتی ہے ہم ڈیسائیڈ کرتے ہیں جیسے آج کی۔"

اس کے ہنسنے پر سدرہ کی موٹی موٹی آنکھوں سے آنسو نکل آئے،رخسانہ بھی اس کا برابر کا ساتھ دے رہی تھی۔

"اب آپ لوگ گاڑی سے نکلیں گی یا میں بذات خود لینے آؤں۔" وہ ایک کار کے بونٹ پر بیٹھا چیونگم چباتا انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔سدرہ نے بچھو کی طرح اس سیل فون کو چھوڑا اور رخسانہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں باربرزخ کو برداشت نہیں کرسکتی،یہ سانسیں بہت بھاری ہوگئی ہیں۔" وہ روتی آنکھوں سے رخسانہ کو دیکھ کر کہہ رہی تھی۔سکوت رات میں سب کچھ ساکن تھا سوائے ان دو کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کے۔

"ہم کرلیں گے،بلکہ یہ ہم ہی کرسکتے ہیں۔سدرہ!ہم دونوں دوست ہیں اور تم جانتی ہو مجھے تمہاری ضرورت ہے۔اپنی غلط سوچ کو جھٹک دو،ہم دونوں سب کچھ ساتھ برداشت کرلیں گے۔"

وہ اس کے نرم ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں دبوچتے ہوئے ڈرتے ڈرتے کہہ رہی تھی۔معاوہ،وہ نہ کر بیٹھے جس کا وہ اشارہ دے بیٹھی تھی۔اسے ڈر ستائے جارہا تھا۔

"وہ ہمیں جیمز کے حوالے کردیں گے۔"

دور گاڑیاں اپنی ہیڈ لائٹس روشن کیے بڑے آرام سے کھڑی تھیں۔چار ایک سائیڈ پر تھیں اور چار ایک سائیڈ پر۔درمیان میں کھڑی گاڑی پر خلیفہ تبریز خود بیٹھا تھا اور ان دونوں کو آپس میں گفت شنید کرتا دیکھ رہا تھا۔جیسے یہ

ایک تھیٹر ہو اور وہ مزے سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھا ڈرامے کو انجوائے کر رہا ہو۔

"ہم دونوں اسے ایک ساتھ ماردیں گے، یقین کرو جیمز مر گیا تو آدھا کام آسان ہو جائے گا۔" رخسانہ اسے اکسا رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی اتنی پیاری دوست خودکشی جیسے حرام گناہ کی مرتکب ہو۔ ابدی زندگی تو برباد ہوئی تھی دائمی کو وہ کیسے برباد ہونے دیتی۔

"چلو کہ میں تمہارے بغیر کچھ نہیں، مجھے تنہا مت چھوڑو۔" وہ اپنی سائیڈ کا دروازہ کھولتی اس کے ہاتھ سے پستول لیتی کہہ رہی تھی۔ سدرہ کے ہاتھ سے پستول چھوٹ گیا۔ وہ دونوں ایک ساتھ گاڑی سے نیچے اتری تھیں۔ گزشتہ رات برسنے والی بارش کے آثار کہیں بھی موجود نہیں تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پچھلے کئی دنوں سے لاہور کی سڑکوں نے بارش کی شکل بھی نہ دیکھی ہو۔ وہ دونوں قدم بڑھانے لگی تھیں۔

"یار یہ کون ہیں جو راستے میں باڑ بنا کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ کیا کسی کے ابا جی کی بارات ہے جو انہوں نے پوری سڑک کو مل لیا۔" اچانک ثوبیہ نے غصے سے ہارن پر ہاتھ رکھ دیا اور رکھ کر بھول گئی۔ یمن نے گاڑی کی ونڈو سے سر نکالا اور اونچی آواز میں بولی۔

"او ہیلو، اپنی گاڑیاں آگے پیچھے سرکاؤ ہمیں جانا ہے۔" اس کی معصوم ہلکی آواز کہاں بھلا کسی کو سنائی دیتی تھی ہاں البتہ ہارن سن لیا گیا تھا تبھی تو رخسانہ اور سدرہ کے قدم تھمے تھے اور خلیفہ بونٹ سے نیچے اترا تھا۔ اس کا انداز جارحانہ تھا۔ آج کوئی بھی ہوگا اسے وہ چھوڑے گا نہیں۔

"یار، یہ ایسے نہیں سننے والے، چلو آؤ ہم خود چل کر کہتے ہیں کاش بلال کی گاڑی راستے میں خراب نہ ہوئی ہوتی تو وہ اب ہمارے ساتھ ہوتا اور ان لوگوں کا منہ تو کم از کم توڑ ہی دیتا۔"

وہ لوگ اپنی کالج فرینڈ کی برتھ ڈے سیلی بریٹ کرنے نکلے تھے، راستے میں پھر انہوں نے مال جانے کا سوچا۔ آخر کو مری جانے کیلئے ڈھنگ کے کوٹ اور شوز بھی تو ہونے چاہئیں تھے نا۔ بس اسی وجہ سے ان دونوں کو اتنی دیر ہو گئی تھی۔ بلال ان کے ساتھ ہی تھا کہ اچانک اس کی گاڑی راستے میں خراب ہو گئی۔ وہ ان دونوں کو جانے کا کہہ کر اپنی گاڑی مکینک پر لے گیا تھا نہیں تو اب وہ ان کے ساتھ ہی ہوتا۔

"ہاں ٹھیک کہتی ہو چلو۔" یمن نے اپنی سائیڈ کا دروازہ کھولا اور نیچے اتر آئی۔ اپنا نیلا آنچل سنبھالتی وہ ثوبیہ کا

ہاتھ پکڑے ان گاڑیوں کی طرف بڑھی۔اس سے پہلے کہ رخسانہ اور سدرہ کی طرف مستعدی سے بڑھتے دو آدمی انہیں پکڑ کر گاڑی میں بٹھاتے یمن ثوبیہ کے ساتھ اس جگہ پہنچی اور حیرت سے دیکھنے لگی۔

"یہ۔۔یہاں کیا ہو رہا ہے سب ٹھیک ہے؟" یہ ثوبیہ تھی جو ان گاڑیوں کے درمیان سے نکل کر آگے آئی اور اتنی ساری گاڑیوں کے درمیان کھڑی دو لڑکیوں کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔یمن اس کے پیچھے سے نکل کر آئی۔ان دونوں کی سمت طیش میں خطرناک عزائم لیے بڑھتا ہوا خلیفہ ایک دم رکا تھا۔اسے لگا جیسے زمین یکدم گھوم گئی ہو۔ سب دائروں میں چلا ہو اور سمٹ کر رک گیا ہو۔پہلی بار بس پہلی بار اس کے دل نے انجانی بیٹ چھوڑی تھی۔وہ رک کر، حیران کن لفظوں سے ہونٹوں کو سجائے بولا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔"

اس کے چار آدمی ہاتھوں میں گنیں تھامے پیچھے سے اس کی جانب بڑھنے لگے تھے جب خلیفہ نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روک دیا۔سدرہ نے رخسانہ کا بازو زور سے تھاما ہوا تھا۔شاید ان کی دعائیں قبول ہو گئی تھیں۔ اللہ نے ان کیلئے مسیحا بھیجا تھا۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟" وہ اس کا سوال نظر انداز کر کے معصومیت کی انتہا کو پہنچ کر بولی۔ثوبیہ نے یمن کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔اسے اچانک کچھ بہت بڑی گڑبڑی کا احساس ہوا۔ان کا دل معمول سے ہٹ کر دھڑکنے لگا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، جاؤ یہاں سے۔" استحقاق نام کی اگر کوئی چیز تھی تو وہ اس وقت خلیفہ کی آواز میں پناہ گزیں تھی۔وہ جو طیش میں اگر کوئی بھی ہوا سوچ کر سب کچھ ختم کرنے کی غرض سے ان کی طرف بڑھا تھا یمن کو دیکھ کر اچانک ٹھنڈا پڑ گیا۔جانے کیوں مگر اسے رات کے اس پہر اس کا یہاں ہونا اچھا نہیں لگا۔

"یہ لڑکیاں کون ہیں خلیفہ!" وہ ثوبیہ کا ہاتھ چھوڑ کر عین اس کے مقابل آ کر کھڑی ہو گئی۔اس کے پوچھنے کا انداز ایسا تھا کہ کوئی بھی ہلکے دل کا اپنی جان دے دے، چہرہ اوپر اٹھائے، بالوں کو کمر پر گرائے بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے سوالیہ نشان بنی اسے کھوجتی ہوئی پوچھ رہی تھی۔خلیفہ نے اپنی مونچھوں پر ہتھیلی پھیری اور سرخ نظروں سے اپنے ماتحتوں کو دیکھنے لگا جو اس کے ایک اشارے کے منتظر تھے۔

"میں نے کہا نا یہ تمہارا کام نہیں، جاؤ یہاں سے۔" اب کی بار اس کی آواز میں دیکھا جانے والا رعب تھا۔ وہ چاہتا تو صاف اسے پہچاننے سے انکار کر دیتا لیکن ابھی وہاں اس کے خاص بندے تھے اور وہ دونوں ایک دوجے سے ایسے بات کر رہے تھے کہ کسی کی مجال تھی جوان کی آواز کو اپنے کان میں ڈال لیتا۔

"میں انہیں ساتھ لے کر جاؤں گی۔" نجانے کیوں یمن کو گڑبڑ محسوس ہوئی تبھی اس کی ناک پھول پچک رہی تھی۔ آنکھوں میں نمی بھی آن ٹھہری۔ سدرہ تو تھی ہی اس چیز کی منتظر۔ دوڑتی ہوئی ثوبیہ کے پاس آئی اور اس کا ہاتھ تھام کر روتے ہوئے کہنے لگی۔

"ہمیں بچا لو یہ لوگ انسان نہیں جانور ہیں، یہ ہمیں قید کر کے ہم سے غلط کام کرواتے ہیں۔ پلیز ہمیں بچا لو۔" وہ روتے ہوئے چیخ چیخ کر مدد کی بھیک مانگ رہی تھی۔ یمن کی آنکھیں حیرت و دکھ سے پھٹ گئیں۔ اس کا منہ بھی تو کھل گیا تھا۔ وہ خلیفہ پر نگاہ جمائے ساکن کھڑی تھی۔ خلیفہ اس کے چہرے کے بدلتے رنگ دیکھتا گیا۔

"تم۔۔تم کیا کہہ رہی ہو۔" ثوبیہ نے اس لڑکی کو تھام لیا تھا۔ جو زار و قطار روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس کے الفاظ یہ تھے جو یمن کے سر پر پورا آسمان گرا رہے تھے۔

"یہ لوگ لڑکیوں کو اغوا کر کے ان سے غلط کام لیتے ہیں۔ ان کی گندی ویڈیوز بنا کر انٹرنیٹ پر ڈالتے ہیں، لڑکیوں کو بیچ دیتے ہیں۔ ہم دونوں بہت مشکل سے ان کے چنگل سے بچ کر آئی ہیں۔ پلیز ہمیں بچا لو۔" وہ روتے ہوئے گڑگڑاتے ہوئے دونوں ہاتھ باندھے اس سے کہہ رہی تھی۔ یمن کی آنکھ سے اچانک ہیرے ٹوٹنے لگے۔ وہ یونہی چہرہ اونچا کیے خلیفہ کو تکتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ ثوبیہ کو وہاں کھڑے ہونے سے ڈر لگنے لگا۔

"اے کیا بکواس۔۔۔" خلیفہ کا ایک آدمی آگے بڑھ کر سدرہ کو کھینچ کر لگانے ہی والا تھا کہ خلیفہ کے ہاتھ کے اشارے سے رک گیا۔

"یمن! چلو یہاں سے، یہاں کھڑا ہونا اب مناسب نہیں۔" رخسانہ اور سدرہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے ثوبیہ نے وہیں سے کہا تھا۔ اسے پتا نہیں کیوں اس جوڑا بندھے بالوں والے انسان سے عجیب سا خوف آنے لگا۔ یمن نے ایک تلخ نگاہ خلیفہ کے پورے سراپے پر ڈالی اور کہنے لگی۔

"میں یہاں سے ان لڑکیوں کو لے کر جا رہی ہوں۔ اگر کسی میں جرأت ہے تو مجھے روک کر دکھائے۔" روتی

کانپتی آواز میں وہ اونچا چلا کر بولی تھی۔ چلانے سے بھی اس کی آواز اتنی نہیں نکلی تھی جتنی نکلنے کی توقع کی جا رہی تھی۔ اس نے خود کو سنبھال لیا تھا، وہ حیران تھی کہ اتنی جلدی بغیر تصدیق کے وہ کیسے خلیفہ پر یقین کی مہر لگا کر خود کو سنبھال چکی ہے۔ ایک آخری نظر خلیفہ پر ڈالنے کے بعد وہ ان باقی سب کی طرف مڑی تھی جو مستعدی سے کھڑے ایک اشارے کے منتظر تھے۔

"تم سب لوگ انسان نہیں جانور ہو، اور مجھے دکھ ہے کہ میں ان جانوروں کے درمیان کھڑی ہوں۔" وہ رخسانہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر آگے کی طرف بڑھنے لگی۔ خلیفہ ہاتھوں کی مٹھیاں بنائے جبڑا بھینچے کھڑا تھا۔ اس نے کھا جانے والی نگاہوں سے رخسانہ کی طرف دیکھا جو یمن کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھ رہی تھی مگر اس سے پہلے کہ وہ گاڑی میں بیٹھتیں خلیفہ نے آرڈر دے دیا۔

"دونوں لڑکیوں کو قبضے میں لے لو۔" اس کی آواز جونہی وہاں گونجی دو آدمی سدرہ اور رخسانہ کی طرف بڑھے۔ یمن اور ثوبیہ سے ان دونوں کو چھڑوانا بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ وہ رخسانہ اور سدرہ کے چیخنے کے باوجود انہیں گاڑی میں بٹھا کر لے گئے تھے۔ خلیفہ نے احتجاج کرتی، روتی ہوئی یمن کو آخری بار دیکھا اور اپنی گاڑی دوڑا لے گیا۔

کبھی دل کو مارنا بھی بہتر ہے
کبھی اس سے نگاہ چرانا بھی بہتر ہے
کبھی خود کو سمجھانا بھی بہتر ہے
کبھی نظریں چرا کر، مکر جانا بھی بہتر ہے

☆......☆......☆

گھرے بادلوں سے ڈھکے آسمان کے نیچے نوفل فٹ پاتھ پر بیٹھا چائے کے گھونٹ بھر رہا تھا۔ اس کے عقب میں نانو کا بک اسٹور تھا جو اس وقت بریک کی وجہ سے قہقہہ خانہ بنا ہوا تھا۔ وہ کھلے آسمان کے نیچے چائے کی چسکیاں بھرتے ہوئے اس دنیا کا سب سے خوش انسان لگتا تھا۔ اس کی خوش نگاہیں سڑک پر جمی تھیں جن کی منتظر اور کوئی نہیں بلکہ معروش حبیب تھی۔ آج بارہ پینتالیس ہو گئے تھے لیکن اب تک معروش نہیں آئی تھی۔ وہ

دوڑتی ٹریفک پر نظر رکھے عجلت میں دکھتا تھا۔ اس کی عجلت ختم ہوئی اور اس کی پیاری معروش سڑک کے اس پار سے اپنی گاڑی اس راستے پر ڈالتی ہوئی نظر آئی۔ نوفل نے مسکرا کر اس کو دیکھا۔ وہ گاڑی پارک کر کے اسے لاک کرتی سٹور میں جارہی تھی۔ وہ بھی کھڑا ہوا لیکن رک گیا۔ وجہ معروش تھی جو سر پر ہاتھ مارتی ہوئی کچھ یاد کرتی واپس پلٹی اور سڑک کے اس پار بیٹھے بچے کی سمت جانے لگی جو روز اس کا منتظر ہوتا تھا۔ ابھی معروش نے ایک گاڑی کو کراس کیا ہی تھا کہ اس کا سیل فون بجنے لگا۔ ذرا سی اس کی توجہ سیل فون کی جانب ہوئی اور نوفل کی جان حلق میں اٹک گئی۔ ون وے روڈ تھا اور ایک تیز رفتار کار معرش کی طرف سپیڈ سے بڑھ رہی تھی۔ نوفل نے اپنی چائے کا کپ پھینکا اور اس کا نام پکارتے ہوئے دوڑ کر اس کی طرف بڑھا۔

"معروش!"

اس کی پکار میں کیا کچھ نہیں تھا۔ درد، کھودینے کا خوف، پورے جہاں کی محبت اور ڈوبتی سانس۔ وہ ایک جست لگا کر اس کے پاس پہنچا اور اسے ہاتھ سے کھینچ کر کنارے پر لے آیا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟ آپ کو کچھ ہوا تو نہیں؟"

"معروش۔"

تیز دھونکنی کی مانند اس کا سانس چل رہا تھا۔ معروش کا سٹول ٹھیک کرتے ہاتھ بے طرح کپکپانے لگے۔ نہیں ہاتھوں میں اتنی کپکپاہٹ نہیں تھی جتنی اس کی آواز اور وجود میں تھی۔ اس دنیا کی سب سے اچھی احساس کرنے والی آنکھوں میں پانی کی پرت بھی تو تھی۔ معروش کو جیسے ہی کار اپنی طرف بڑھتی ہوئی دکھی جانے کیوں اسے لگا جیسے یہ اس کی زندگی کا آخری دن ہو مگر نوفل کی پکار اور اس کے کھینچنے پر وہ اپنی ہمت کھو بیٹھی۔ جی ہاں وہ ہی ہمت کھو بیٹھی تھی جو اس دنیا میں سب سے زیادہ ہمت والی تھی۔ جس نے ابھی اور بڑی بڑی ہمت والے کام کرنے تھے۔

"میں نے اس کار کا نمبر نوٹ کرلیا ہے، میں ضرور اس کے خلاف کمپلین کروں گا۔" اچھے چہرے والا انسان اس کا سٹول ماتھے سے نیچے کرتے ہوئے اس کو بازو سے تھامے اب خون آلود نگاہوں سے اس سڑک کی طرف دیکھ رہا تھا جس نے اس کی زندگی چھیننے کی جسارت کی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔۔نوفل!" اس کے صبیح چہرے پر نظر گاڑے وہ اپنا دل ہار بیٹھی تھی۔ایک پل چاہیے ہوتا ہے دل کو کھونے کیلیے۔وہ ایک پل، ایک احساس معروش پر محبت کی عنایت کر گیا تھا، وہ اتنا طاقتور اور توانا احساس تھا جو پل میں چٹان سی معروش کو ریزہ ریزہ کر گیا۔وہ اسے کہہ رہا تھا کہ سب کچھ بھول جائے۔اپنا تلخ ماضی، بدترین واقعات، دکھ، اکیلا پن سب کچھ۔بس یاد رکھے تو ایک بات کہ وہ بھی ایک لڑکی ہے ایک جیتی جاگتی لڑکی، جس کی آنکھوں میں بھی خواب ہیں جس کے کچھ ارمان ہیں۔

کون کہتا ہے کہ وہ سخت ہے، ایسا نہیں ہے۔

اس کا بھی دل ہے،

جذبات ہیں۔

وہ بھی ہنسنا جانتی ہے۔

کھلکھلاتی ہے۔

تو کیا ہوا!

اگر

اس نے آنکھوں کو پراسرار رکھا۔

خاموش رکھا۔

لبوں پر بند باندھے۔

انہیں بیوجہ مسکرانے سے روکا۔

ہنسی کا گلا گھونٹا۔

اس کا مطلب یہ تو نہیں۔

کہ

اس کی خواہشات نہ ہوں۔

اندر میں کہیں۔

وہاں۔۔۔جہاں،

روح اور دل کا ملاپ ہوتا ہے۔

نور ہی نور دودھیا روشنی کی طرح پھیلتا ہے۔

ہاں بالکل وہیں۔

اس روشنی میں خواہشات انگڑائیاں لیتی ہیں۔

اور وہ بھی

ایک عام لڑکی کی طرح،

جینا چاہتی ہے۔

کیونکہ!

وہ بھی تو ایک لڑکی ہی ہے نا۔

اس کے کہنے پر نوفل نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ ٹیالے آسمان کے نیچے وہ اس کا ہاتھ تھام کر بک سٹور میں لے کر گیا۔ معروش کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں اس طرح تھا کہ بس ایک وہی تو ہے جسے یہ استحقاق حاصل ہے۔ ہاں یہ نوفل خان ہی ہے جو اس طرح معروش کا ہاتھ تھامنے کا اختیار رکھتا ہے۔ کون ہے جو اسے روکے، کون ہے جو اس بات پر اعتراض کرے؟ بھلا جب دل جڑ جائیں تب اعتراض کیا معنی رکھتے ہیں؟ بالکل نہیں۔

وہ اسے لیے بیکری کی سائیڈ پر آیا۔ دن کا سماں تھا اور موسم بھی خوشگوار تھا اس لیے بیکری میں موجود چند کرسیوں پر کچھ کسٹمرز کیک کے ساتھ انصاف کرنے میں بزی تھے۔ وہ معروش کو ان میں سے ایک کرسی پر بٹھا کر بھاگ کر کچن سائیڈ پر گیا اور پانی کا گلاس لے آیا۔ اس کے ہاتھ میں منی کیک بھی تھا جو اس نے معروش کے آگے رکھ دیا۔

"آپ یہ کھا لیں، اس سے آپ کچھ بہتر محسوس کریں گی، معروش! نکل آئیں نا اس حادثے کے اثر سے باہر۔" اس کے سامنے کرسی پر بیٹھا وہ اس کی طرف تھوڑا جھکا ہوا تھا اور پاؤں کو اس نے پیچھے کرسی کے نیچے پھنسایا ہوا تھا۔ معروش نے پانی کے چند گھونٹ بھرے اور ہونٹوں پر ہاتھ کی مٹھی بنا کر لگائے شیشے کی دیوار سے اسی جگہ کو

دیکھنے لگی جہاں اس کی زندگی کا سب سے بڑا حادثہ وقوع پذیر ہوا اور اسے ختم کر کے چلا گیا۔

"میں، میں بہت پریشان ہوں نوفل!" رونا کسی اور بات پر آرہا تھا۔ ڈھال وہ کسی اور چیز کو بنا رہی تھی۔ نوفل اتنی مضبوط لڑکی کے رونے سے روہانسا ہوا۔ اسے معروش کی آنکھوں سے گرے قیمتی آنسو دل پر گراں گزرنے لگے۔ گہرا سانس تو وہ ایسے بھر رہا تھا جیسے معروش نہیں بلکہ وہ خود رو رہا ہو۔

"میں سن رہا ہوں۔"

معروش نے نگاہیں سڑک پر ہی رکھیں۔ اس کے پرخلوص چہرے کو دیکھنے کی اس میں تاب نہ تھی۔

"مجھے سمجھ میں نہیں آرہا میں کیا کروں۔ ظالموں کے خلاف ثبوت اکٹھے کرتی ہوں تو ان کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ باہر ملک تک جاتی ہوں تو تہی داماں لوٹتی ہوں۔ سب جانتے ہیں اوپر سے لے کر نیچے تک...... سب جانتے ہیں کہ امن سوسائٹی کا بانی دی خلیفہ تبریز کن کن کالے اور گھناؤنے کاموں میں ملوث ہے۔ اس کے ظلم کی بھینٹ کیسی کیسی لڑکیاں چڑھ رہی ہیں۔ معصوم بچے کیسے اس کے زہر کی نذر اپنی منزلیں کھو رہے ہیں۔ ہسپتالوں میں سے کون لاشوں کو غائب کروا کر ان کے پارٹس بیرون ملک اسمگل کرواتا ہے۔ یہ اس ملک کے کرپٹ سیاستدان کس کے حرام پیسوں کے بل بوتے پر اسمبلیوں میں جگہ بنائے ہوئے ہیں۔ اقتدار کو کیسے کیسے کالے ہاتھوں نے تھاما ہوا ہے۔ سب جانتے ہیں۔ سب لوگ سب کچھ جانتے ہیں مگر پھر بھی آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں۔ کوئی ایماندار پولیس آفیسر اُن کے خلاف ایکشن لیتا ہے تو ان کا تبادلہ کروا دیا جاتا ہے۔ کوئی پرائیویٹ ایجنسی ان کے خلاف ثبوت ڈھونڈنے کی سعی کرتی ہے تو ثبوتوں کو ان کی آنکھوں کے سامنے ضائع کروا دیا جاتا ہے۔ ہم لوگ کوشش کرتے ہیں تو ہمیں پریشر دے کر کیس کو بند کرنے کو کہا جاتا ہے۔ چلو ٹھیک ہے مان لیا کہ مجھے اس قسم کا کوئی آرڈر نہیں آیا لیکن کب تک نوفل!"

اب اس نے اپنی سرخ بھیگی نگاہیں نوفل کی نیم پرت آلود نگاہوں میں ڈالیں۔ وہ ان آنکھوں میں ڈوب گیا۔ اس کا دل ان میں ڈوب گیا۔ نوفل کا سانس معروش کی آنکھوں میں موجود نمی کی وجہ سے رکنے لگا۔

"آخر کب تک، اگر سب یونہی چلتا رہا اور میرے ہاتھ ثبوت نہیں لگے تو مجھے تو یہ کیس بند کرنا پڑے گا پھر کیا ہوگا، میری زندگی، میرے خواب تو برباد ہو جائیں گے۔ میری آپی مجھ سے خفا ہو جائیں گی کہ میں نے ان کی

موت کا بدلہ نہیں لیا۔ کیا میں روز محشر ان سے، ان جیسی ساری لڑکیوں سے نظر ملانے کے قابل رہوں گی۔ وہ تو یہی کہیں گے نا کہ معروش نکمی تھی۔ معروش فلیئر تھی۔ ہارنا اس کا مقدر ہے اس لیے وہ ہار گئی۔"

دو موٹے موٹے آنسو دونوں آنکھوں سے نکل کر اس کے بازو میں جذب ہو رہے تھے۔ وہ اس کے لبوں کو نہیں دیکھ سکتا تھا کیونکہ وہ مٹھی میں قید تھے ہاں اس کی آنکھیں، کانپتی آنکھیں نوفل کے سامنے تھیں جو اس وجہ سے زیادہ گیلی تھیں کہ اس نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد کسی ایسے انجان کے سامنے رکھ دیا تھا جو چند سیکنڈ پہلے اسے سب سے عزیز ہو چکا تھا۔ نوفل نے طویل سانس بھرا اور گلا کھنکار کر بولا۔

"میں اللہ سے دعا کروں گا معروش! وہ آپ کو ضرور کامیابی عطا کریں گے اور پھر میں بھی تو ہوں آپ کے ساتھ۔ یقین کریں مجھے مرنے سے ڈر نہیں لگتا۔"

معروش نے میز پر رکھے ٹشو باکس سے ٹشو نکال کر آنکھیں اور چہرا صاف کیا پھر باقی بچا ہوا پانی اٹھا کر اسے لبوں سے لگا لیا۔

"تمہارا شکریہ، یہ میرا کام ہے اور مجھے ہی کرنا ہے بس تم سے ایک گزارش ہے اپنی اچھی تسلیاں مجھے دیتے رہا کرنا تاکہ یہ مجھے یونہی بوسٹ اپ کرتی رہیں۔"

چہرے کو اچھے سے صاف کر کے وہ پھیکا سا ہنس کر بولی تھی۔ نوفل یونہی سنجیدہ رہا۔ اب بھلا وہ کیسے خوش ہو سکتا تھا۔ اس کی معروش اس کے سامنے روئی تھی خوش ہونا بنتا بھی نہیں تھا۔

"میں۔۔ ہمیشہ آپ کے۔۔ ساتھ ہوں۔" مدھم آواز میں کہتے ہوئے اس کی نگاہ معروش کی سرخ ناک پر ٹھہر گئی تھی۔ اچانک نوفل کو اپنی کم مائیگی کا احساس ہوا۔ کیا ہو جاتا اگر وہ بھی امیر ہوتا تو ایک سیکنڈ میں وہ اپنے سورسز سے اس ولن دی خلیفہ تبریز کا تختہ پلٹ دیتا۔ آہ کاش!

"استغفار۔۔ استغفار۔" اس نے جھٹ اللہ سے معافی طلب کی اور اس اچانک آنے والے ناشکری کے جھٹکے کو خود سے دور کیا۔ ذلیل شیطان اس کے اچھے والے دل پر اپنا برا اثر ڈال رہا تھا۔ بھلا کسی مومن نے بھی کبھی کاش کہا ہے۔ بالکل نہیں کہنا بھی نہیں چاہیے۔

"اچھا اب میں چلتی ہوں، نانو آئیں تو انہیں کہنا میں آج رات گھر نہیں آپاؤں گی تو وہ پریشان نہ ہوں۔"

اپنا سامان سمیٹتے ہوئے وہ اٹھی تھی۔ نوفل بھی اس کے ساتھ کھڑا ہوا اور ایک دم اس کی زبان سے سوال پھسل گیا۔

"لیکن کیوں؟" اس اچانک حق بھرے سوال پر وہ بھی گڑبڑایا تھا۔ معروش کا سیل فون اٹھاتا ہاتھ ساکن ہوا۔ اس نے چہرہ اٹھا کر نوفل کو دیکھا۔

"میرا مطلب ہے میں کہہ دونگا۔" جلدی سے سنبھل کر اس نے بات بنائی۔ معروش نے سیل فون کوٹ کی جیب میں ڈالا اور سر ہلاتی رخ موڑ گئی۔ مڑتے ہی اس کے لبوں نے انوکھی مسکان کو چھوا تھا۔ اس سے پہلے وہ قدم اٹھاتی اسے پیچھے سے نوفل کی آواز سنائی دی۔

"معروش!"

اس نے ہلکے سے اپنی گردن کو نوفل کی سائیڈ پر پھیرا۔

"اپنا خیال رکھنا۔"

وہ آنکھیں بند کرتی، اپنے دل میں پھول کھلتے محسوس کر رہی تھی۔ کوئی بھی جواب دیے بغیر اس نے قدم باہر کی طرف بڑھا دیے۔ لیکن رکو! دیکھو تو ایک معروش واپس جا رہی ہے جبکہ ایک معروش وہیں کھڑی رہ گئی ہے۔ اس کے رکنے کی وجہ ایک ہی انسان تھا جسے وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ وہ اور کوئی نہیں بلکہ اس کی محبت نوفل خان تھا۔

☆......☆......☆

نیوز چینل پر ایک خبر زور و شور سے چل رہی تھی کہ ایک مشہور و معروف یونیورسٹی کی اساتذہ نشہ بیچنے کے الزام میں کچھ دن قبل گرفتار کر لی گئی تھیں۔ اب وہی اساتذہ جیل سے بھاگنے کی وجہ سے پولیس انکاؤنٹر کی نذر ہو گئیں یعنی خواجہ ریاض کے ثبوت کا قصہ تمام ہوا۔

وہ اپنے عالیشان لاؤنج میں شیشے کے گلاس میں بیئر تھامے اچھے موڈ کے ساتھ اس خبر کو سن رہے تھے۔ جتنی خبر اچھی تھی اتنا ہی ان کا موڈ اچھا تھا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کا ہونہار سپوت بیٹھا تھا جو آج کل باپ سے چھپ کر آئس لے رہا تھا۔ یہ ایک ایسا نشہ تھا جس نے اسے عجیب و غریب سا سرور بخشا تھا۔ اس نشے کو کرنے سے اس کی نیند جیسے غائب ہو چکی تھی۔ پچھلے تین دنوں سے وہ مسلسل جاگ رہا تھا اور اپنا وقت اچھے سے استعمال کر رہا

تھا۔ جو خود نشہ بیچتے تھے آج ان کی اولاد ہی اس کی قید میں قید ہوئی جا رہی تھی۔ ان کا بیٹا جو پچھلے ایک ماہ سے بکثرت آئس کا استعمال کر رہا تھا اب چیزیں بھولنے لگا تھا۔ اس کی یادداشت آہستہ آہستہ ختم ہونے لگی تھی اور وہ دن بدن چڑچڑا ہو رہا تھا۔

نیٹ ورک کنزیومر پروٹیکشن کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں تقریباً چھہتر لاکھ افراد کی رگوں میں منشیات زہر بن کر دوڑ رہی تھی۔ جہاں اٹھہتر فی صد مرد نشے میں ڈوب کر اپنی زندگی برباد کر رہے تھے وہیں تقریباً بائیس فی صد خواتین اس کی زد میں اپنی عاقبت کو خطرے میں ڈال رہی تھیں لیکن یہ رپورٹ تو کئی سال پرانی ہے تازہ ترین اعداد و شمار تو اور بھی پریشان کن ہیں۔

چرس، بھنگ، آئس، ہیروئن، افیون، کرسٹل، سکون بخش ادویات جن میں نشے کی کافی مقدار شامل ہوتی تھی بہت زیادہ زیر استعمال ہیں اور اب تو صمد بانڈ کو بھی ایک نشہ کا رتبہ حاصل ہو گیا ہے۔ بوڑھے بچے، جوان اس کی خوشبو سونگھ کر خود کو اس کی لت میں مبتلا کر رہے ہیں۔ دراصل صمد بانڈ اب ابتدائی نشہ کا روپ دھار گئی ہے۔ اگر اسے ہم تباہی کی پہلی سیڑھی کہیں تو غلط نہ ہوگا۔ خصوصاً بچے اور لڑکیاں اس کی خوشبو کو ناک کے ذریعے دماغ میں پہنچا کر اس سے ہیروئن جیسا مزا لیتے ہیں اور جب وہ اسے سونگھ سونگھ کر عاجز ہو جاتے ہیں تو اس سے زیادہ طاقتور نشہ کی طرف رجوع کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یوں ہمارے مستقبل کے روشن ستارے، کالے ستاروں میں بدل کر خلاء میں بھٹک جاتے ہیں۔

ایچ آئی وی ایڈز اور ہیپاٹائٹس جیسی موذی بیماریاں آج کل عروج پر اس لیے ہیں کیونکہ پاکستان میں سرنج کے ذریعے نشہ بہت زیادہ کیا جاتا ہے۔ یہ افراد نشے کیلئے ایک دوسرے کی استعمال شدہ سرنجیں استعمال کرتے ہیں اور اس وجہ سے کئی مہلک بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

کوئی نہیں وقت ایک اہم چکر ہے جس میں ہر کوئی پھنستا ہے خواجہ ریاض بھی ایک دن اس میں ضرور پھنسے گا۔ یوں بھی اب وہ معروش کی "گڈ لسٹ" میں نمبر دوم پر آ چکا تھا۔ اس لیے اس کا بچنا اب ناقابل یقین تھا۔

"ہاہاہا۔ یہ چلی نا میرے چیتے نے چال، جسمانی ریمانڈ لینے جا رہے تھے اس استانی کا ہاں، ہے کوئی مائی کا لال جو خواجہ ریاض سے پنگا لے سکے۔" وہ اس مہنگی ترین شراب کے نشے میں مہنگے ہی لفظ بول رہے تھے۔ ہاں

ایک بات ضرور ہے ان کے ان لفظوں کو ان کے سیکرٹری نے دل میں سستا ضرور کیا تھا وہ بھی ان کے جانی دشمن خلیفہ تبریز کا نام لے کر۔

"خوش ہو جاؤ تمہیں بھاری انعام سے نوازا جائے گا۔" انہوں نے ایک اور بڑا گھونٹ بھرتے ہوئے گلاس کو میز پر پٹخنے کے سے انداز میں رکھا۔

"آپ کا شکریہ سرکار، بندہ تو آپ کا غلام ہے۔" سیکرٹری نے بھاری انعام کا سن کر چاپلوسی کی انتہا کرتے ہوئے سر کو خم کیا۔

"ناں، یار ناں تو غلام نہیں بلکہ تو، تو شیر ہے میرا۔ بس ایسے ہی دماغ چلاتا جا۔ ایک دن آسمان کی بلندیوں کو چھوئے گا دیکھنا تو۔"

انہوں نے رخ اپنے ساجزادے کی جانب موڑا جو سر کو جھکائے حلقے بھرے چہرے کے ساتھ غائب دماغی میں بیٹھا تھا۔ انہوں نے آنکھیں سیکڑ کر اپنے بیٹے کو مخاطب کیا۔

"اوئے ولید! میں پچھلے کئی دنوں سے دیکھ رہا ہوں بدروحوں کی طرح تو دن رات منڈلاتا رہتا ہے۔ آخر کیا واقعہ رونما ہوا ہے۔ کیا اپنی گرل فرینڈ سے بریک ہو گیا؟ اسے میرا حوالہ دے بھاگتی ہوئی آئے گی۔"

ایک ناقابل برداشت ٹھٹھا لگاتے ہوئے انہوں نے واپس اپنے سیکرٹری کی جانب رخ کیا اور خلاؤں میں گھورتے ہوئے مستقبل کے سہانے خواب دیکھنے لگے۔

"بس ایک بار مجھے سینیٹر کا ٹکٹ مل جائے۔ کوئی نہیں ہے جو مجھے پھر ہرانے کی طاقت بھی رکھتا ہو۔" وہ گجی پہلوان کا خیال دل سے نکال بیٹھے تھے جن کی پشت پناہی آج کل انہیں حاصل تھی۔ وہ دونوں آج کل مل کر بڑی کھیپ کے منتظر تھے۔ ایک آدھ چیزوں میں تو وہ دونوں پارٹنرشپ بھی کر چکے تھے۔ جن میں تعلیمی اداروں میں سپلائے ہوتی منشیات اور بلیک منی شامل تھی۔

"لیکن سر ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ گجی پہلوان۔۔۔" اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی تھی۔ وجہ خواجہ کی دہکتی ہوئی نگاہ تھی جو اس کے عارض کو جلا کر خاک کرنے کے درپے تھی۔

"مت بھولو کہ ہماری منزل کیا ہے اور یہ بھی کہ ہم کون ہیں۔ جب میں طاقت سے بھرے سمندر خان کو گڈ

ہائے کہہ سکتا ہوں تو اس گنجی کی کیا اوقات ہے میرے سامنے۔"

خواجہ صاحب سیاست اور گناہوں کی دنیا کو بچوں کا کھیل سمجھ رہے تھے۔ وہ اس خطرناک دنیا کے داؤ پیچ نہیں جانتے تھے۔ دولت کے چند سکوں کو حاصل کر کے وہ سمجھ بیٹھے تھے جیسے ساری دنیا کی پاور صرف ان کے ہاتھ میں ہے لیکن وہ بھول گئے تھے کہ طاقت ور وہی ہے جو دماغ والا ہے نہ کہ دولت سے لدا ہوا۔

بیچارہ خواجہ! اس کے سیکرٹری کو ان پر ترس آیا۔

"آپ درست کہتے ہیں جناب، وقت ہم پر مہربان ہو۔" وہ ٹھنڈی آہ بھر کر ان کے سپوت کو دیکھ رہا تھا جو اپنی مٹھیوں کو کھول بند کرنے میں مگن تھا۔ اس کی گہری نگاہوں نے اسے اندر تک جانچ لیا۔

"جاؤ اور جا کر مال کو دیکھو، یاد رہے اس میں ایک پرسنٹ اصل اور ننانوے پرسنٹ ملاوٹ ہونی ہے اور ہاں اٹلی سے آئی بوتلوں میں اچھے سے اپنی کچی شراب کو بھر دینا۔ کل میرے ایک دوست کے ریستوران میں انہیں سپلائے کرنا ہے۔"

ہاتھ سے اسے چلے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ اپنی بھاری پیٹھ کو صوفے پر آرام سے ٹکا گئے۔

"جو حکم جناب۔" سیکرٹری ان کے حکم کے آگے سر خم کرتے ہوئے باہر کو لپکا۔ جہاں وہ باہر جا رہا تھا وہیں کافی دور ظاہر اپنے کمرے میں اندر آ رہا تھا۔ اس کی منزل اپنا سیل فون تھا جس کو تھامے وہ بالکونی میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ غروب آفتاب کا منظر تھا۔ اس کی کھڑکی سے آدھا سورج ڈوبتا ہوا دکھ رہا تھا۔ افق پر زرد و سرخ رنگ کے امتزاج کی روشنیاں رقص کناں تھیں۔ سفید بادلوں کے ٹکڑے اور نیلا آسمان ایک پینٹنگ کی صورت میں سامنے تھا۔ ظاہر اس قدرت کے شاہکار پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال کر نمبر ملانے لگا۔ پہلی بار کال نہیں اٹھائی گئی مگر دوسری بار اٹھالی گئی۔

"کہو حکومت کے غلام! کس لیے یاد کیا ہمیں۔" بھاری پرکشش مردانہ آواز میں ایک محسوس کیا جانے والا خمار تھا۔ کوئی بھی گھاگ بندہ جان سکتا تھا کہ یہ خمار کس چیز کے زیر اثر ہے۔

"زیادتی نہ کریں خلیفہ صاحب، ہم تو آپ کے غلام ہیں اس حکومت کی کیا اوقات آپ کے سامنے۔" اس نے ریلنگ پر ہاتھ رکھا اور افق پر اڑتے رنگ برنگے پرندوں کو دیکھنے لگا۔

"ہاہاہا۔آجاتا ہے، اقتدار ملے تو سب کو بولنا آجاتا ہے۔" اس کی مخمور آواز میں انا کی جھلک بھی تھی۔ظاہر اس خفیف سے طنز پر کھسیا کر رہ گیا۔

"بادشاہ! اقتدار بھی تو آپ کی دین ہے ورنہ بندے کی اوقات تھی کہ اسمبلی میں قدم بھی رکھ لیتا۔" اس نے فون میں سے خلیفہ کی اکتائی ہوئی جمائی کی آواز سنی اس کے بعد ہی وہ چھوٹ کر بولا۔

"کام کی بات پر آؤ ظاہر تم جانتے ہو میرا ایک ایک سیکنڈ کروڑوں روپے کا ہوتا ہے۔"

ظاہر اس کے تندہی سے کہنے پر چوکس ہو گیا۔خلیفہ بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا کب موڈ بدل جائے کون جانے۔

"سائیں! ایک مسئلہ ہو گیا ہے، بات دراصل یہ ہے کہ خواجہ نے اپنے بندے کام پر لگا دیے ہیں اگر وہ مجھ تک پہنچ گئے تو میں تو کہیں کا نہیں رہوں گا۔"

خلیفہ نے گلاس کو شیشے کی چھوٹی سی گول میز پر رکھا اور پاؤں میز پر سے ہٹا لیے۔ٹکسیڈو میں ملبوس وہ کمال حد تک وجاہت کا پیکر لگ رہا تھا۔ظاہر کی بات نے اس کے ماتھے پر ہزاروں بل ڈال دیے تھے۔اس کا ہاتھ نامحسوس طریقے سے اپنے گلے کی چین پر پڑا۔

"تو اس سب میں میرا کیا کردار ہے۔" کرختگی و جھنجلاہٹ آپ ہی آپ اس کی آواز میں آن سمائی۔ کمرے کی نیلی روشنی میں اس کی آنکھیں ادھ کھلی تھیں لیکن دماغ پوری طرح کام کر رہا تھا۔

"مجھے آپ کی مدد درکار ہے، میں چاہتا ہوں کہ کسی طرح اس خواجے کو ڈسٹریکٹ کیا جائے تاکہ وہ مجھ تک نہ پہنچے۔"

خلیفہ نے واپس خود کو کرسی پر گرایا۔اب اس کا سر اونچا ہو چکا تھا۔غور سے دیکھنے پر اس کی ناک کے آس پاس سے ہلکے سے خون کی لکیر دیکھی جا سکتی تھی اور کہیں کہیں سفید ذرے بھی تھے جو اس خون سے چپکے ہوئے تھے۔اس نے جھٹکے سے سانس اندر کھینچا اور آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

"اپنی اوقات بھول رہے ہو، جانتے ہو نا خلیفہ کسی کا آرڈر نہیں سنتا۔شاید تم اپنی قبر کو بہت مس کر رہے ہو۔"

خلیفہ کی ڈھکی چھپی دھمکی نے اس کے رونگٹے کھڑے کر دیے تھے۔اس کا سانس اٹک گیا۔

"میری ایسی کیا مجال کہ آپ کو آرڈر دوں، میں نے تو صرف التجا کی ہے۔" اس کی آواز میں ڈر غالب تھا۔

خلیفہ کے لبوں پر کمینی مسکان آن ٹھہری۔

"تمہاری التجا کو میں نے ڈسٹ بن میں پھینک دیا، جاؤ اور جا کر اپنا کام خود کرو۔" ٹشو سے اپنی ناک سے گرتے خون کے قطروں کو اس نے صاف کیا اور شان بے نیازی سے کہہ کر ابھی فون بند کرنے ہی لگا تھا کہ ظاہر کی لرزتی آواز اس کے کان سے ٹکرائی۔

"میں برباد ہو جاؤنگا سائیں، میرے ساتھ ایسا مت کریں۔" وہ ایک دم گڑگڑایا تھا۔ خلیفہ کی سیکرٹری دروازے میں نمودار ہوئی۔

"سر دس منٹ میں آپ کا انٹرویو ہے۔" اس نے سر ہلا کر اسے جانے کو کہا۔ وہ فوراً اس کے حکم کی تعمیل کر گئی۔

"میں نے کہا تھا تمہیں اس سے پنگا لینے کو؟ مت بھولو تم اگر اقتدار میں اس سے آگے ہو تو وہ اپنے کالے کاموں میں عروج پر ہے، زیرو ہو تم اس کے سامنے۔ اپنی حثیت جانتے تھے تو کیوں ہاتھ ڈالا؟ رکھتا ہوں اور ہاں اگر اب تم نے مجھے کال کی تو یہ بات میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ میں ہونگا جو تمہیں چٹکیوں میں برباد کر دونگا۔ نان سینس۔"

کہتے ہی اس نے کال کاٹ کر فون کو کرسٹل کی میز پر گلاس کے پاس پھینکا اور اپنی کنپٹی کو اچھے سے مسل کر گہرا سانس بھرتے ہوئے وہ کوٹ درست کرتا کمرے سے باہر آ گیا۔ کمرے کے باہر اسٹوڈیو تھا۔ وہ کیمرہ مین کو کراس کر کے اینکر کے سامنے آ کر بیٹھا۔ فیدر کٹ بالوں والی اینکر اسے دیکھ کر ایک لمحے کو ساکت ہوئی تھی۔ بلیو ٹکسیڈو میں بالوں کا جوڑا بندھا تھا اور پاؤں میں شوز کی بجائے فلیٹ تھے۔ پینٹ کو بھی تو اس نے ٹخنوں سے اونچا کیا ہوا تھا۔ اپنی بھوری داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ چمکتی ہوئی گولڈن آنکھوں سے اس اینکر کو دیکھنے لگا جو اپنے حواس بحال کر چکی تھی۔ شو شروع ہو گیا۔ شروعاتی بات چیت کے بعد وہ اینکر اس کے کام پر آئی تھی۔ خلیفہ نے کیمرے میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھیں، اس معاشرے میں جتنی زیادہ غربت ہے وہ افریقہ کے علاوہ دنیا میں میرے خیال سے کہیں نہیں پائی جاتی۔ ہماری بچیاں تعلیم سے محروم ہیں۔ ہمارے جوان بیروزگاری کا شکار ہے۔ چائلڈ لیبر کا بول بالا ہے۔

فرقہ واریت وانتشار نے تباہی مچا رکھی ہے۔ منشیات فروشوں نے مستقبل کے معماروں کی بنیادیں ہی کھوکھلی کردی ہیں۔ ہیومن ٹریفکنگ دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ پورن ویب سائیٹس نے بچے بزرگوں سب کا دماغ خراب کر رکھا ہوا ہے نیز آج میں جتنی بھی برائی دیکھتا ہوں تو معذرت کے ساتھ وہ ہمارے ملک میں صفِ اول میں کھڑی ملتی ہے اور یہ انتہائی دکھ و شرمندگی کی بات ہے۔"

وہ اس کے کسی سوال کا تفصیل سے جواب دے کر میز پر رکھے پانی کے گلاس میں سے گھونٹ بھر کر پی رہا تھا۔ وہ اینکر اس کے بولنے کے اسٹائل سے متاثر ہوئی جو کہ دھیما اور ٹھہرا ہوا تھا۔

"تو آپ کیا سمجھتے ہیں، یہ سب پیدا کرنے والے عوامل کونسے ہیں اور موجودہ حکومت کو اس کے خلاف کیا حکمت عملی اپنانی چاہیے؟"

"دیکھیں، میں چند باتیں کہوں گا جن میں سب سے پہلی اور اہم بات یہ ہے کہ جب تک ہم خود نہ چاہیں کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ عوام کی طاقت بہت بڑی ہے۔ عوام منوائے اپنی بات اور دوسرا حکومت الٹی سیدھی معاشی پالیسیاں نہ بنائے، یقین مانیں یہ بے مقصد کی پالیسیاں ہی عوام کا خون چوسنے کیلئے کافی ہوتی ہیں اور یہ بات تلخ ضرور ہے لیکن یہاں میں اس کا تذکرہ ضرور کرونگا۔ وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اسمبلیوں میں سے ان اراکین کو خارج کیا جائے جن کے نام یورپی ممالک کی طرف سے شائع ہونے والی رپورٹس میں آتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس ملک کیلئے کسی رستے ہوئے ناسور سے کم نہیں۔ مجھے یہ بات کہنے میں کوئی عار نہیں کہ یہ لوگ نہ صرف اپنا ضمیر بیچ چکے ہوتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک ملک کی سالمیت و عزت بے معنی ہوتی ہے۔ جب ہم گھناؤنے کاموں میں ملوث ان لوگوں کی چھٹی نہیں کریں گے تو وہ یوں ہی اقتدار میں آکر ہمارے سروں پر ناچیں گے۔ ملک میں بیروزگاری کریں گے اور عوام کو کئی نئی مصیبتوں میں ڈال کر ان کی توجہ خود کے کالے کاموں سے ہٹا دیں گے جس سے ملک کا یہی حال ہوتا ہے جو اب ہو رہا ہے۔ سمپل!"

تھوڑا سا ٹیڑھا بیٹھ کر وہ سننے والوں کی سماعتوں پر بجلیاں گرا رہا تھا۔ اینکر اس کی بات سے متاثر ہوئی اور اگلا سوال کر ڈالا۔

"یہ جو ڈرگ کا پرانا مسئلہ ہمارے ملک میں کئی صدیوں سے چلا آرہا ہے اس پر آپ کیا روشنی ڈالیں گے اور

جن بچیوں کو آپ کی تنظیم رہائش وانصاف دیتی ہے اس کے بارے میں کچھ بتائیں۔"
خلیفہ خفیف سا مسکرایا۔اس کے دماغ پر خطرناک نشہ سوار تھا لیکن وہ ہر ایک شے سے نبٹنے کا ہنر جانتا تھا تو پھر اس معمولی سی چیز کی کیا اوقات تھی۔
"دیکھیں، میں نے آپ کو پہلے ہی کہا تھا کہ میں اپنے کام کے بارے میں کچھ نہیں بولوں گا کیونکہ مجھے یہ ہرگز نہیں پسند کہ میں اپنی نیکیوں کو پوری دنیا میں اچھالتا پھروں۔بس اس کے بارے میں اتنا ہی کہوں گا کہ یہ میری ٹیم کی جانفشانی ہے جس کے سبب ہمارا کام اتنے اچھے سے چل رہا ہے اور آگے بھی چلتا رہے گا۔"
عاجزی کے ساتھ کہتے ہوئے اس نے ایک پیاری سی مسکراہٹ نیوز اینکر پر اچھالی اور دوسرے سوال کا جواب دینے لگا۔
"اور رہی بات ڈرگ کے مسئلہ کی تو یہ ایک ناقابل حل مسئلہ ہے کیونکہ جتنے اسمگلر اب اس ملک میں پھیل چکے ہیں لگتا نہیں کہ یہ ان سے پاک ہو سکے گا۔مجھے افسوس ہوتا ہے ان بے رحموں پر کہ کیسے اپنے ضمیر کو اجازت دے دیتے ہیں کہ وہ کسی کا گھر اجاڑ دے۔ماؤں سے ان کے بیٹے چھین لیں۔بہنوں سے بھائی جدا کردیں۔یہ سب یقیناً انسان نہیں بلکہ انسان کے روپ میں بھیڑیے ہوتے ہیں اور میں اسی سلسلے میں حکومت پاکستان سے التجا کرونگا کہ کسی بھی طرح ان سب کو ڈھونڈ کر ایک ساتھ سزا دی جائے تاکہ لوگ ان سے عبرت حاصل کرسکیں۔شکریہ۔"
شو ٹائم ختم ہو چکا تھا۔خلیفہ نے بیزاریت سے ٹائی کو وہیں اتار کر میز پر رکھا اور ایک اکتائی ہوئی نگاہ اس اینکر پر ڈال کر کھڑا ہو گیا جو لبوں پر کچھ روکے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔
"شمائلہ! یہ سب میرا کام نہیں ہے، آئندہ احتیاط کرنا۔" تنفر سے کہہ کر وہ اسٹوڈیو سے باہر آیا اور پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر چلنے لگا۔وہ جانتا تھا اس کا یہ انٹرویو بہت سے دیکھنے والوں کے دلوں پر بجلیاں گرا رہا ہوگا لیکن اسے یہ یقین نہیں تھا کہ ان دیکھنے والوں میں اس کی یمن بھی شامل ہوگی جس کی آنکھوں میں اس وقت موٹے موٹے آنسو چمک رہے تھے اور گال بے یقینی کی حدت سے دہک رہے تھے۔اس کے برابر ثوبیہ بیٹھی تھی۔
اس کے ایک ہاتھ میں بھاپ اڑاتی کافی کا مگ تھا اور دوسرا نیچے کارپٹ پر بیٹھی یمن کے کاندھے پر دھرا تھا۔

"منافق کی کوئی قبر نہیں، تم خود کو پرسکون رکھو اور اس انسان پر فاتح پڑھ دو۔" وہ اعتماد کی گرمائش اپنے ہاتھ کے ذریعے اس کے کاندھے میں منتقل کرتے ہوئے کافی کا سپ لیتے ہوئے بولی۔ یمن نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

"میں اب بھی یقین کرنے سے قاصر ہوں، ایسا لگتا ہے جیسے وہ سب ٹریپ تھا خلیفہ کو پھنسانے کی چال لیکن پھر ان لڑکیوں کے آنسو یاد آجاتے ہیں۔ ثوبیہ! کیا کوئی اس حد تک بھی ایکٹنگ کر سکتا ہے؟" گلوگیر لہجے میں وہ آنسو سے بھری نگاہیں اس پر گاڑے چہرہ موڑ کر پوچھ رہی تھی۔ ثوبیہ کا تھکن آمیز سانس برجستہ تھا۔

"یہ دنیا ایک فلم ہے یمن اور یہاں بستے لوگ ناٹک باز! ہر سین مختلف ہے ہر چہرے کے پیچھے چھپا چہرہ پہلے سے بڑھ کر ڈراؤنا ہے۔ یہاں پر کسی پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔"

ثوبیہ کی بات سن کر وہ کھڑی ہوگئی تھی۔ اپنے شہد رنگ کے سوٹ پر اس نے اسی رنگ کا کوٹ اسٹینڈ سے اٹھا کر پہنا اور اس پر ہی اپنا دوپٹہ بھی لے لیا۔

"تم کہاں جانا چاہ رہی ہو یمن۔" ثوبیہ اسے یہ تمام کارروائی کرتے دیکھ، پوچھ رہی تھی جواب اپنے فر والے شوز اتار کر کوٹ شوز پاؤں میں چڑھا رہی تھی۔ اس کے بال سیاہ پونی میں جکڑے تھے۔ درمیان کے مانگ تھی اور گردن سے چپکی ہوئی پونی۔ ریشمی سلکی بالوں میں جیسے وہ ریشم کی سیاہ پونی مدغم ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے اپنا پرس اٹھایا اور مضبوط لہجے میں بولی۔

"میں خلیفہ سے ملنے جا رہی ہوں۔" آنکھیں ابھی بھی متورم تھیں۔ چہرے پر اب بھی گلابی پن چھلک رہا تھا لیکن ارادے کٹر دکھتے تھے۔ ثوبیہ کو اچھو لگا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو، تم ایسا کرنے کا سوچ بھی کیسے سکتی ہو اس نے تمہیں کچھ کر دیا تو۔۔" لہجے میں پریشانی سموئے وہ اٹھ کر اس کے پاس آئی۔ اس کی نگاہ اچانک یمن کے یاقوت رنگ کے موٹے بٹنوں کی طرح کے آویزوں پر پڑی جو اس کے سفید کان میں ایسے معلوم ہو رہے تھے جیسے سمندر میں سیپ اتر آیا ہو۔

" کچھ نہیں ہوگا مجھ پر یقین رکھو اور تم ہی کہتی ہو نا مجھے کہ یمن، تمہیں سٹرانگ بننا چاہیے تو میں بن رہی ہوں مجھے اکیلے جانے دو ثوبیہ! اس بار جانے دو۔"

لمبی سٹرپ والے پرس کو کاندھے پر ڈالے وہ اس کا ہاتھ ہٹاتی مٹھیاں بھینچتی کمرے سے باہر آ گئی۔ ثوبیہ نے اسے نہیں روکا بلکہ اس نے ثوبیہ کو خود کو روکنے ہی نہیں دیا۔ گاڑی میں بیٹھ کر اس نے طویل سانس بھری تھی۔ گوگل بھائی کے بتائے گئے راستے پر گاڑی ڈالتے ہوئے وہ شدید ذہنی کشمکش کا شکار تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ صحیح کر رہی ہے یا غلط۔ بس اسے اتنا معلوم تھا کہ وہ سب سچ جاننا چاہتی ہے جو کہ اس کا حق بھی تھا۔ بیس منٹ کی جان لیوا ڈرائیونگ کے بعد اس کی گاڑی ایک عالیشان سی بلڈنگ کے پاس آ کر رکی جس کی بلندی کو دیکھنے کیلئے سر کو پیچھے گرانا پڑتا تھا۔ اس بلڈنگ کے آخری سرے پر یہ بڑا سا رادی خلیفہ تبریز لکھا تھا۔ پوری بلڈنگ شیشے سے بنی تھی حتیٰ کہ اس کا نام بھی شیشہ گری سے بنایا گیا تھا۔ یمن نے گاڑی جدید طرز کے پارکنگ لاٹ میں کھڑی کی اور گاڑی کی چابی کوٹ کی جیب میں ڈال کر اس شیشوں سے بنے فلور پر سے گزرنے لگی جس میں سے وہ خود کو بھی دیکھ سکتی تھی۔ آٹومیٹک کھلتے دروازے میں سے خود کو گزار کر وہ ریسپشنسٹ کے پاس آئی اور کہنے لگی۔

" السلام علیکم! مجھے خلیفہ تبریز سے ملنا ہے۔" ڈیسک کے پیچھے بلونڈ بالوں والی لڑکی کو دیکھ کر اس نے چہرے پر اعتماد طاری کر کے کہا۔ سیاہ سوٹ میں ملبوس وہ لڑکی یمن کو دیکھ کر بھنویں اچکا گئی۔

" اپنا نام اور وجہ بتائیں ملنے کی۔" اتنا تو وہ جان گئی تھی کہ سامنے کھڑی لڑکی جسے ضرور مس ورلڈ کا خطاب دینا چاہیے کو خلیفہ سے یقیناً کوئی خاص کام نہیں ہو گا تبھی اس نے پیشہ ورانہ انداز میں کہا۔ ایسے حسن کا کیا فائدہ جس میں ڈر چھپا ہو۔ یمن کے چہرے پر پھیلی گھبراہٹ کو دیکھ کر اچانک سے اسے یہ سوچ آئی تھی۔

" انہیں کہیں یمن آئی ہے اور اسے آپ سے بات کرنی ہے۔" واہ کیا انداز تھا مادام کا۔ ڈیسک کے اس پار کھڑی لڑکی کو کہہ کر وہ اپنی گھڑی چیک کرنے لگی جیسے اس کا وقت بہت قیمتی ہو۔ دراصل گھڑی کی آڑ میں وہ اپنے دھک دھک ہوتے دل پر قابو پا رہی تھی۔ اس بلونڈ بالوں والی لڑکی نے کارڈلیس اٹھا کر کان سے لگایا اور فر فر انگلش میں دو چار باتیں بول کر مسکراتے ہوئے یمن کو دیکھنے لگی۔

" ٹھیک ہے آپ ان سے مل سکتی ہیں۔ آئیں۔" وہ لڑکی ڈیسک کے پیچھے سے نکل کر اسے آنے کا کہنے لگی۔ یمن اپنے پرس کی سٹریپ کو تھامے اس کے پیچھے پیچھے لفٹ پر چل دی تھی۔ کافی بلندیاں طے کر کے جونہی لفٹ متوقع مقام پر پہنچی یمن ایک لحظہ کو ٹھٹک گئی یا یوں کہنا چاہیے وہ خوف زدہ ہو گئی۔ وجہ وہ گلاس روف تھی جو اس

بلڈنگ کا خاصہ تھا۔شیشے کی بنی اس چھت سے نیچے آخری فلور بھی دکھائی دے رہا تھا۔

"آئیں مس۔" وہ بلونڈ بالوں والی لڑکی جو لفٹ سے باہر باریک ہیل میں کھڑی تھی مصنوعی مسکراہٹ سجائے اسے آنے کا کہہ رہی تھی۔اپنے خوف کو پس پشت ڈال کر اس نے اثبات میں سر ہلایا اور محتاط انداز میں اس مضبوط شیشے پر پاؤں رکھتی ہوئی اس لڑکی کے ساتھ چلنے لگی جو ایک دروازے کے پاس آکر رکی تھی۔

"آپ کو اُدھر جانا ہے۔" وہ دروازے کی طرف اشارہ کر کے واپس مڑ گئی تھی۔اس کے جانے کے بعد یمن نے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس لیا اور دروازے پر دستک دے کر اندر آگئی۔لکڑی کی میز کے پیچھے کرسی پر جھولتا خلیفہ جو ابھی انٹرویو سے لوٹا تھا دروازے پر ہی نگاہ ٹکائے بیٹھا تھا۔یمن کو دیکھ اچانک اس کے آپس میں پیوستہ لبوں پر معمولی سی مسکان نمودار ہوئی جسے اس نے فوراً ہی چھپا لیا۔

"ویلکم یمن! خلیفہ اپنے آفس میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہے۔" وہ ریوالونگ چیئر کو گھماتے ہوئے اس پر نگاہ ٹکائے کہہ رہا تھا جو دروازے کو بند کرتی اس سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی۔

"میں کچھ سوالات کرنے آئی ہوں۔کیا مجھے جوابات ملیں گے۔" وہ وہیں سٹل کھڑی پوچھ رہی تھی۔اگر خلیفہ اسے ہاں کہے گا تو وہ بیٹھ جائے گی نہیں تو یہاں سے جانا فرض ہے اس کا۔

"اگر قابل جواب ہوئے تو، بیٹھ جاؤ۔"

وہ دروازہ چھوڑ کر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ رہی تھی۔خلیفہ کو وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی اچھی لگی۔مشرقی لباس میں مغربی سٹائل تھا اس کا۔دونوں کا ملاپ لاجواب تھا۔اس نے اپنا پرس جھولی میں رکھا اور دونوں ہاتھوں کو باہم ملا کر کہنے لگی۔

"مجھے اس رات کے بارے میں سب سچ جاننا ہے۔مجھے جاننا ہے کہ وہ لڑکیاں صحیح تھیں یا غلط۔"

خلیفہ نے کرسی چھوڑی اور آگے کو جھک کر بیٹھ گیا۔اس کے آفس کی ایک دیوار شیشے کی تھی جس کو بھاری پردے سے ڈھانپا گیا تھا یا یوں کہنا چاہیے اسے حجاب صرف یمن کی آمد کی وجہ سے ہی دیا گیا۔

"جان کر کیا کرو گی۔" وہ اس کی آنکھوں کی سرخی کو بھانپ گیا تھا۔اسے صاف پتا چل گیا تھا کہ وہ رو کر آئی ہے اور اب ایک بار پھر سے رونے کی تیاریوں میں ہے۔

"مجھے جاننا ہے کہ تم پمپ (دلال) ہو یا نہیں۔" غیر متوقع جواب پر، غیر متوقع رویے پر خلیفہ کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ یمن ہاتھ میز پر مار کر اچانک چیخی تھی۔ خلیفہ کی گردن کی رگیں تنیں۔

"اپنے لفظوں کو تمیز دو یمن! مجھے بدتمیز لوگ انتہا سے زیادہ زہر لگتے ہیں۔" بانسبت یمن کے وہ ضبط بھرے تحمل سے بولا تھا۔ ہاں چہرے پر دیکھی جانے والی خفگی تحریر تھی۔

"میں بدتمیز نہیں ہوں بلکہ آپ کے رویے نے مجھے ایسا ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔ آپ مجھے بتا کیوں نہیں دیتے کہ وہ لڑکیاں۔۔۔"

خلیفہ نے لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کی بات درمیان میں قطع کی اور سرد سنجیدہ آواز میں کہا۔

"ہاں وہ لڑکیاں ٹھیک کہہ رہی ہیں، بولو آگے کیا پوچھنا ہے۔" اس کی آواز کی سرداہٹ سے یمن کی ریڑھ کی ہڈی کپکپانے لگی۔ اس کی پیاری آنکھوں سے آنسو بیساختہ طور پر چھلک پڑے۔

"میرا دل۔۔نہیں مانتا۔" صدیوں بعد اس کی آواز سنائی دی۔ بھرائی ہوئی گیلی، سہمی آواز۔ خلیفہ کے کمرے میں محسوس کی جانے والی گھٹن آمیز فضا منڈلانے لگی تھی۔ وہاں خاموشی اتنی تھی جیسے کسی کا قتل ہو گیا ہو۔ گھڑی کی ٹک ٹک ڈھول کی آواز کی مانند دماغ میں ہتھوڑے برسا رہی تھی۔

"کہہ دیں کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔"

خلیفہ نے مگ کوسٹر کے اوپر سے مگ کو اٹھایا اور تازہ گرم کافی یمن کے آگے رکھی جس میں سے اڑتی بھاپ ان دونوں کے درمیان پردہ بنا رہی تھی۔

"یہ سب سچ ہے، وہ میں ہی ہوں جو لڑکیوں کی سمگلنگ کرتا ہوں۔ ان کی ویڈیوز بنوا کر ویب سائٹس پر ڈلواتا ہوں اور انہیں بیچتا ہوں۔ میں انسان نہیں جانور ہوں یمن! اور تمہیں خود پر افسوس ہونا چاہیے کہ تم اس وقت ایک جانور کے ساتھ بیٹھی ہو۔"

وہ اتنے آرام سے اسے یہ سب بتا گیا تھا جیسے یہ کوئی معمولی بات ہو۔ آخر میں اس کے لفظ اسے لوٹاتے ہوئے وہ بات کو مکمل طور پر ختم کر گیا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اس نے اپنے کردہ گناہوں کا اعتراف کسی کے سامنے کیا تھا اور ایسا کرتے ہوئے اس کے ماتھے پر ذرا برابر بھی ندامت کی شکن نہیں تھی۔ یمن کا دل پگھل کر لہو لہو ہوا۔

وہ بیجان ہو گئی تھی۔

"اس کے علاوہ بھی میرے متعلق بہت ساری چیزیں ہیں جو یقیناً تم جاننا نہیں چاہو گی۔ تمہارا چھوٹا سا دل ان چیزوں کے بھار کو سہار ہی نہیں پائے گا اس لیے میں کہوں گا دروازہ تمہارا منتظر ہے۔"

وہ بارش کی طرح اس کے گرتے آنسوؤں کو دیکھ کر دروازے کی طرف اشارہ کرتا کہہ رہا تھا۔ یمن نے اپنا ہاتھ منہ پر رکھا۔ دھوئیں کا پردہ کیا کم تھا جو ان آنسوؤں کی نمی نے بھی باریک چادر تان لی تھی۔ اسے بامشکل خلیفہ نظر آ رہا تھا۔ مزید کچھ کہے اس نے اپنا پرس اٹھایا اور بھاگتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

"الوداع اے محبت ناداں!"

خلیفہ نے اپنی کمر کو واپس کرسی کی پشت پر گرایا اور آنکھیں موند کر اسے خفیف سا ہلانے لگا۔

☆......☆......☆

بارڈر پر ہو کا عالم تھا۔ اندھیرے میں جلتی کچھ کچھ زرد لائیٹس زندگی کے جاویدہ ہونے کا پیغام دے رہی تھیں۔ ریت کی سرسراتی آواز اور ہوا کی بولیوں کی ہلکی ہلکی سرگوشیاں وقفے وقفے سے اٹھتی ہوئی سنائی دیتی تھیں۔ چاندنی کی تھال بھی ان بے صبروں کی سرگوشیوں کو سننے پر زمین پر آ گری تھی۔ اس نے ان قدرتی آوازوں میں ایک اور آواز بھی سنی۔ انسانوں کی سانسوں کی آواز جو اس کرۂ ارض پر سب سے زیادہ معتبر و معزز ہے۔ کون جانتا تھا اس خفیہ رات میں کونسا کارنامہ کارفرما ہونے والا ہے۔ چاندنی نے دیکھا کہ دور بارڈر کی جالیوں کے پاس سے کچھ ہیولے آتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ وہ ہیولے آہستہ آہستہ نزدیک ہوتے جا رہے تھے پھر وہ اتنا قریب ہوئے کہ واضح دکھائی دینے لگے۔ ہاں وہ چار مرد اور چھ عورتیں تھیں جو اس رات کے سناٹے میں دوسرے ملک سے پاکستان اپنے قدم رکھ چکے تھے۔ جی ہاں وہ پاکستان کی سرحد میں داخل ہو گئے تھے۔ اسی چیز کا تو پوشیدہ جوانوں کو انتظار تھا۔ یہی لمحہ تو تھا جسے پکڑنے کیلئے وہ پچھلے چار گھنٹوں سے سانسیں روکے ہدف پر نگاہ جمائے بیٹھے تھے۔ ان کی تین دن کی ریاضت، طویل ترین انتظار رائیگاں نہیں گیا۔ بات پکی نکلی، خبر سچی۔ بارڈر کے راستے آنے والے ان چار مردوں نے ان چھ لڑکیوں کو یرغمال بنایا ہوا تھا اور اب وہ دس کے دس ان جوانوں کے ہتھے چڑھنے والے تھے جن کی ہیڈ اور کوئی نہیں معروش حبیب تھی۔

کیموفلاج ہوئے سارے جوان ایک ساتھ ان پر لپک پڑے۔ ان کی سرچ لائیٹس خلاء میں ستاروں کی مانند ٹمٹمانے لگی تھیں۔ ان دس لوگوں کے گرد روشنی راؤنڈ فائر کیے گئے تھے۔ اس سے پہلے وہ لوگ بھاگتے جوانوں نے انہیں قابو کرلیا۔ یہ ایک بہت بڑا مشن تھا جس کی تکمیل ہو چکی تھی۔ اس کے ذریعے بہت کچھ تھا جو معروش کو حاصل ہونا تھا۔

بارڈر سے دور دیوار گیر سکرین پر وہ کرسی کی پشت پکڑے بے چینی سے اس سارے منظر کو دیکھ رہی تھی۔ جس کو دیکھنے کی امید برسوں سے اس کے سینے میں غوطہ زن تھی۔ بھیگی پلکوں کے ساتھ اس نے پوری سکرین پر حفیظ کو دیکھا جو سینہ تانے سیلوٹ ٹھوک رہا تھا۔ معروش کی آنکھ سے آنسو گرا اور وہ ہنس پڑی۔

"مبارک ہو ینگ لیڈی، تمہارا یہ مشن کامیاب گیا۔" ان کی برانچ کے ایک سنئیر افسر نے سراہتے ہوئے کہا۔ یہ وہی افسر تھے جو آج چوتھے دن ناامید و اکتائے سے بیٹھے تھے۔ ان کے نزدیک پچھلے تین دنوں کی طرح آج بھی ان کی رات بیکار جائے گی مگر وہ غلط نکلے۔ کامیابی معروش کی جھولی میں پکے ہوئے آم کی طرح آ کر گری۔

"تھینک یو۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا اور کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی اپنی ٹیم کو چھوڑ کر باہر آ گئی۔ ہتھیلی کی پشت سے آنکھ کا کونا رگڑتے ہوئے اس نے سیل فون نکالا جس پر نوفل کے ڈھیروں میسج آئے ہوئے تھے۔ آج تین دن بعد اس نے اپنا سیل فون آن کیا تھا۔ یہ وہ فون تھا جو وہ صرف گھر اور دوستوں کیلئے استعمال کیا کرتی تھی۔ کام کیلئے اس کا الگ فون استعمال ہوتا تھا جس کا نمبر خفیہ تھا۔ نوفل کے بے شمار میسجز تھے، نانو کے میسجز و مسڈ کالز تھیں۔ اس کے دوستوں کے میسجز و وائس ریکارڈز تھے۔ اس نے تمام نوٹی فیکیشنز حاصل کرنے کے بعد دوبارہ سیل کو آف کیا اور اس سیل کی طرف چل دی جہاں ان مجرموں کو لاکر رکھنا تھا۔ وہ اپنی حفاظت میں سیل کے تمام سسٹمز کو چیک کر رہی تھی۔ پاسورڈ اس کا ہاتھ تھا۔ سیل کی سلاخوں میں خطرناک کرنٹ کی لہریں چھوڑی جانی تھیں۔ دائیں کونے میں کیمرہ تھا اور اس کے ساتھ ہی آواز ریکارڈ کرنے کا آلہ نصب تھا۔ اچھے سے اس سیل کو چیک کرنے کے بعد وہ مڑی ہی تھی کہ اس کے ایک ٹیم ممبر نے حفیظ کی آمد کی اطلاع دی۔ معروش سر ہلاتی اپنی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے آگے بڑھ گئی۔

ان چار آدمیوں کو اور چھ عورتوں کو الگ الگ کمرے میں رکھا گیا تھا۔ معروش سب سے پہلے آدمیوں کے پاس آئی۔ لوہے کا دروازہ کھول کر وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی، شیشے کی دیوار کے پیچھے جہاں سے سب اندر دیکھ سکتے تھے لیکن اندر والوں کو باہر نظر نہیں آتا تھا وہاں بیٹھے اس کے ٹیم ممبرز نے اپنا کام کرنا شروع کر دیا۔ حفیظ اور اس کے ایک ساتھی نے ہیڈ فونز کانوں پر لگائے اور باقی سب کیمراز کو سیٹ کرنے لگے۔ آواز کی پچ کو بھی بڑھایا گیا تھا تاکہ صحیح سے ان کی گفتگو سنی جا سکے۔ معروش اپنی مخصوص چال چلتی ان تک آئی اور کرسی کو آواز کے ساتھ گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ کمر سیدھی کر کے بیٹھتے ہوئے اس نے بیک وقت چاروں پر نگاہ ڈالی اور کرخت آواز میں ان چاروں سے مشترکہ مخاطب ہوئی۔

"میری بات غور سے سنو! جو سوال پوچھوں اس کا جواب چاہیے مجھے، ناں یا یہ وہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا اس لیے اگر تو تم لوگ چاہتے ہو کہ تم سے نرمی سے پیش آیا جائے تو میرے ساتھ تعاون کرنا۔ نہیں تو میرے باقی ساتھی بہت بے رحم ہیں۔" چہرے پر تنفر سجائے وہ ان غلیظ نظروں والے آدمیوں کو دیکھتی کہہ رہی تھی جو اس وقت نگاہ جھکا کر بیٹھے تھے۔ اس نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی جن میں سے چند کے جوابات آئے اور چند کے نہیں۔

"میں نے پوچھا ہے کہ کس کے کہنے پر تم لوگ لڑکیوں کو غیر قانونی طریقے سے یہاں لاتے ہو۔ جواب چاہیے مجھے اس بات کا۔"

غصے سے پھٹتی آواز کے ساتھ وہ ان سے پوچھ رہی تھی۔ یہ کوئی چوتھی بار تھا جو وہ اپنا سوال دوہرا رہی تھی پچھلی باریوں کی طرح اس بار بھی اسے خاموشی کا ہی منہ دیکھنا پڑا۔ ان چاروں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ معروش کا ضبط کا پیمانہ لبریز ہوا اور اس نے کھڑے ہو کر قدرے دبو آدمی کا گریبان پکڑ لیا۔

"تم جانتے ہو زبان بند رکھنے کی تمہیں کونسی سزا ملے گی سننا چاہو گے؟ تو سنو جہنم کا تو تم نے سنا ہی ہو گا نا۔ بس ویسی ہی جگہ پر تمہیں بھیجا جائے گا۔ تمہارا گوشت ربڑ کی طرح پگھل کر زمین پر گرے گا۔ سوچو کیسی اذیت ہو گی تمہیں اس وقت۔"

وہ اس آدمی کے کالر کو مضبوطی سے تھامے غراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وہ آدمی رو پڑا۔ اتنے سارے سوالات کے بعد اس نے جواب دیا تو فقط اتنا ہی۔

"میں اپنا پگھلتا ہوا گوشت تو ضرور دیکھ سکتا ہوں لیکن اپنی بیٹی کی لٹتی ہوئی عزت دیکھنا میرے بس کی بات نہیں۔"

شیشے کے اس پار بیٹھے حفیظ اور اس کے ساتھی نے نظروں کا تبادلہ کیا تھا۔ معروش چونک گئی۔ اس کے ماتھے کے بل آہستہ آہستہ ہٹے۔ آنکھوں میں طیش کی جگہ استفہام ابھر آیا۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا۔"

باقی تین جو مزے سے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھے تھے۔ دانت کچکچاتے ہوئے اس ڈھلتی عمر کے آدمی کو تکنے لگے جو پگھلنے لگا تھا۔

"انہوں نے میری بیٹی اپنے قبضے میں رکھی ہوئی ہے۔ اس کام کے عوض وہ میری بیوی اور بیٹی کی عزت کو محفوظ رکھیں گے۔"

اس کی آہ وبکا اونچی ہونے لگی تھی۔ معروش نے اس آدمی کا کالر چھوڑا اور پیچھے ہوتے ہوئے میز پر دونوں ہاتھ رکھ کر جھکتی ہوئی پوچھ رہی تھی۔

"کن "انہوں" نے۔ جواب دو مجھے یا رکو تم آؤ میرے ساتھ۔" وہ فوراً فیصلہ کر کے سیدھی ہوئی لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس آدمی کی طرف آتی اس دبو آدمی کے ساتھ بیٹھے تینتیس، پینتیس سالہ آدمی نے کھڑے ہو کر ایک جھٹکے میں اس دبو آدمی کی گردن کو جھٹکا دے کر توڑ دیا۔ یہ سب سیکنڈوں میں ہوا تھا۔ اتنی جلدی کہ معروش کو سمجھنے میں وقت لگا کہ کیا ہو چکا ہے۔ وہ آنکھیں پھاڑے ٹوٹی ہوئی گردن والے آدمی کو دیکھ رہی تھی۔ ایکدم جیسے اسے ہوش آیا تھا۔

"یو بلڈی۔" وہ چیل کی طرح قاتل کی طرف بڑھی اور اپنے ہولسٹر سے گن نکال کر اس کے بازو پر فائر کر دا۔ انویسٹی گیشن روم کے باہر ہلچل مچ چکی تھی۔ چند آفیسرز اندر داخل ہوئے۔ دو نے صحیح سلامت شوانجوائے کرتے ملزموں کو گرفت میں لیا اور انہیں سیل میں لے جانے لگے جبکہ باقی کے گولی لگے اور گردن ٹوٹے ہوئے آدمی کو اسٹریچر پر ڈال کر لے جا رہے تھے۔ اس انسان نے وار ہی ایسی جگہ کیا تھا کہ وہ دبو آدمی موقع پر جان گنوا بیٹھا۔ معروش ان سب کے جانے کے بعد سر پکڑ کر کرسی پر ڈھے سی گئی۔ حفیظ وہیں اس کے ساتھ ہی کھڑا تھا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا میم۔"

حفیظ کی آواز سن کر اس نے سر اٹھایا اور تقریباً غراتے ہوئے بولی۔

"اسے اتنی اذیت دینا، اتنی زیادہ کہ اس کی سات پشتیں یاد رکھیں۔"

"راجر باس۔" حفیظ سلیوٹ مار کر باہر آ گیا۔ پھر اس نے وہی کیا جس کی معروش نے اسے ہدایت دی تھی۔ سائنسی طریقے سے، بے تحاشہ جسمانی و ذہنی ٹارچر کر کے اس نے ان ڈھیٹوں سے نام اگلوانے کی کوشش کی تھی جو کہ ان کی زبان پر نہیں آیا۔ کوئی خاص انفارمیشنز انہوں نے نہیں دی تھیں۔ سوائے اس کے کہ وہ لوگ رات کے اندھیرے میں لڑکیوں کو اغوا کر کے لاتے ہیں اور پاکستان میں آ کر بیچ دیتے ہیں۔ باقی رہی وہ لڑکیاں تو وہ بھی کچھ نہیں جانتی تھیں سوائے اس کے کہ انہیں پکڑ کر یہاں لایا گیا ہے۔ وہ تمام راستے بے ہوش رکھی گئیں تا کہ ان راستوں کی نشاندہی نہ ہو اور پھر بارڈر کے قریب لا کر انہیں ہوش میں رکھا گیا۔ ساتھ میں یہ نصیحت بھی کی گئی کہ اگر ان کے منہ سے چوں کی بھی آواز نکلی تو انہیں گولیوں سے بھون دیا جائے گا۔ نتیجتاً ایک اور کامیاب مشن ناکامی تھامے پورے شان سے معروش کے سامنے کھڑا تھا اور وہ کچھ نہیں کر پائی۔ سوائے دیکھنے اور کڑھنے کے۔

☆......☆......☆

" کتنا بیوقوف ہوں نا میں، ہنسو مجھ پر کہ مجھے آج معلوم ہوا جن لڑکیوں کو میں اپنی پارٹیز میں بلواتا ہوں یا جس کو میں اپنی سیکرٹری بنانا چاہتا تھا وہ میرے دشمن کی غلام ہیں۔ ہنسو کہ آج گنجی پہلوان ان ایلیٹ دشمنوں کے ہاتھ کا کھلونا بنا اور اس کا مذاق اڑا۔"

وہ چکنی گنج والا انسان جس کا سفید سوٹ کلف لگا تھا اور ہاتھ میں اس دنیا کی مہنگی ترین گھڑی بندھی تھی شراب و بے عزتی کے نشے میں دھت لڑکھڑاتے ہوئے اپنے سامنے ہاتھ باندھے اپنے ماتحتوں کو کہہ رہا تھا۔ وہ سب صوفے پر براجمان تھے۔ ان کے درمیان گنجی ہاتھ میں نازک کرسٹل کا غیر ملکی گلاس تھامے لہو رنگ بہکا دینے والے مشروب کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کا انداز بہت جارحانہ تھا۔

"میں اس خلیفہ کو برباد کرنا چاہتا تھا جس نے میرے رائٹ ہینڈ کے ٹکڑے کر کے اسے کتوں کے آگے ڈال دیا۔ میرا رائٹ ہینڈ میرا اچھا! جانتے ہو کتنی محبت سے میں نے اس آٹھ سال کے بچے کو پال کر اپنے برابر کھڑا کیا

تھا تا کہ وہ میرا کام سنبھالے اور اس دھرتی پاک پر اپنے مضبوط قدم جمائے رکھے لیکن ان ظالموں نے ایک سیکنڈ نہیں لگایا اسے ختم کرنے میں۔ ایسی دردناک موت دی اسے کہ فرشتے بھی کانپ جائیں۔ بالکل ویسی موت خلیفہ کو بھی ملنی چاہیے ہاں اب اس کے ختم ہونے کا وقت آن پہنچا ہے۔"

وہ اپنے حواسوں کو کھوتے ہوئے لڑکھڑاتی زبان کے ساتھ بے ربط جملے بول رہا تھا۔ اس کے ساتھی اس کے انتقام کو اپنی آنکھوں میں جلائے بیٹھے تھے۔ وہ ضرور خلیفہ تبریز کو ختم کرنے میں گجی کی مدد کریں گے۔

"تم فکر نہ کرو گجی! خلیفہ کو موت سے بڑی موت ملے گی۔ یہ جو دنیا کے سامنے اس نے اچھائی کا ماسک چڑھایا ہے اسے نوچ کر سب کو اس کی اصلیت دکھائیں گے تا کہ کوئی بھی اس کے مرنے پر سڑکوں پر موم بتیاں جلا کر اسے خراج تحسین پیش نہ کرے۔"

اس کا ماما جس نے اپنی آدھی عمر کالے کاموں میں گزار دی تھی نسوار کو مسوڑھے کے کونے میں رکھ کر ایک عزم سے بول رہا تھا۔ وہ پٹھان تھا۔

"تاماے نا، اس کیلئے موم بتیاں نہیں بلکہ اسے آگ میں جلایا جائے گا۔ تم دیکھتے رہو میں کیسے اسے خطرناک موت دیتا ہوں۔ اس نے میری عزت کو للکارا ہے میں اس کی عزت کو ناکارہ کر دونگا۔" آنکھوں میں خمار لیے وہ دھپ سے صوفے پر بیٹھا۔ اس کے ماما کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

"اس بارے میں، میں کیا سمجھوں؟" وہ الجھن آمیز نگاہوں سے سب کو دیکھ کر بالآخر گجی سے مخاطب ہوئے کیونکہ جہاں تک انہیں معلوم تھا خلیفہ تبریز کی کوئی "عزت" نہیں تھی لیکن وہ گجی تھا جو اس سمت چل پڑا تھا۔ اگر وہ اس کا ذکر کر ہی رہا ہے تو یقیناً دال میں کچھ کالا ہے۔

"وقت کا انتظار کر ماے۔ وقت بڑی کمینی شے ہے اس کی چال سے کوئی واقف نہیں کب بازی پلٹا دے کون جانے۔"

اس نے گلاس کو لبوں سے لگا کر اپنے بااعتماد ساتھیوں کو تکا پھر آواز کو کرخت کرتے ہوئے کہا۔

"کسی نے نہیں سنا کہ گجی کو معلوم ہو گیا وہ لڑکیاں جنہیں وہ اپنی پارٹیز میں بلواتا ہے خلیفہ تبریز کے انڈر کام کرتی ہیں۔ کل ہی ان لوگوں سے کانٹیکٹ کرو اور ان لڑکیوں کو بلواؤ تا کہ ان میں سے ایک کو بھاری قیمت پر خرید

سکوں۔"

اعلان کر کے وہ اپنے سر کو سہلانے لگا تھا۔اس کی بھوری آنکھیں چندھی ہوئی تھیں۔وہ مزید چندھ گئیں۔ وجہ اس کے ایک ساتھی کا سوال تھا جو کہ بہت ہی بے تکا تھا۔

"ہم کچھ نہیں جانتے بلکہ ہمارے کاندھوں پر بیٹھے فرشتے بھی کچھ نہیں جانتے لیکن ہاں یہ ایک بات ضرور جاننا چاہیں گے کہ ہمارے لالا نے سمندر خان کے مال کی مخبری کیوں کروائی تھی۔"

اجرک کی شال والا آدمی جس کی بڑی گھنی مونچھیں تھیں۔وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے پشاوری چپل کو ہلاتے ہوئے دست سوال تھا۔گجی کا منہ بن گیا۔

"اگر تم اتنے ہی بھولے ہو تو تمہیں جینے کا کوئی حق نہیں لیکن چونکہ تم پر گجی کے اعتماد کی پٹی لگی ہے تو بتائے دیتا ہوں۔وجہ سمندر خان اور اس کے کتے خلیفہ تبریز کو اپنی آمد کی اطلاع دینی تھی۔مجھے یقین ہے اب وہ دونوں اچھے سے میری طاقت سے واقف ہو گئے ہونگے تبھی اپنے کام کو خفیہ رکھ رہے ہیں ورنہ ان ظالموں کو کس بات کا ڈر۔"

خلیفہ کے ذکر پر جانے کیوں دنیا جہاں کی نفرت گجی کی چھوٹی آنکھوں میں ڈیرہ جما کر بیٹھ جاتی تھی۔یقیناً اس کا حلق بھی کڑوا ہوتا ہوگا۔

"سن رہے تھے کہ سمندر خان بھی سینٹر کی سیٹ کیلئے نامزد ہونا چاہتا ہے۔اس کے تو سورسز بھی اتنے ہیں اسمبلی کے سارے ووٹ وہ با آسانی خرید لے گا۔اگر وہ سلیکٹ ہو گیا تو؟"

اس اجرک کی شال والے کے ساتھ بیٹھا ہوا ایک عیسائی مگر کٹر مشرقی لک دیتا لڑکا بولا جو اس کے ماے کا بھانجا تھا اور ایک یہودی لڑکی کے پیچھے نیا نیا مرتد ہوا تھا۔

"تم دیکھنا ڈینئل،وہ مجھے ہی جتوائے گا۔اس کی سفید چمڑی کے نیچے بڑے کالے عزائم چھپے ہیں جن کا پردہ فاش ہونے میں بس کچھ وقت درکار ہے۔"

گجی پہلوان مکمل طور پر تن ہونے کیلئے تیار ہو چکا تھا۔اس کا بھاری وجود مزید ڈھیلا ہو گیا۔

"مجھے لگتا ہے خلیفہ اتنا بھی بے خبر نہیں وہ ضرور جانتا ہوگا کہ ہم اس کے کام کے بارے میں جانتے ہیں یعنی

ہم جانتے ہیں کہ وہ لڑکیاں خلیفہ کی ماتحت ہیں۔"

گجی اسی مرتد کی بات پر بلند و بانگ قہقہہ لگا کر ہنسا۔اس کے قہقہے میں خباثت شامل تھی اور کڑواہٹ بھی۔

"تم درست ہو، وہ جانتا ہے یا جان جائے گا۔اس بات کی کوئی اہمیت نہیں، اہمیت ہے تو صرف اس بات کی کہ ہم اسے یہ تاثر دیں کہ ہم کچھ نہیں جانتے۔"

وہ مرتد لڑکا گجی کے اوٹ پٹانگ جوابات سے عاجز و اکتایا ہوا دکھنے لگا۔ایک اور سوال اس نے زبان نوک پر ڈالا۔

"ٹھیک ہے ایسا ہی ہوگا لیکن آپ اس لڑکی کا کیا کرو گے یعنی صرف اسے سیکرٹری بنانا ہے یا اس کے پیچھے بھی کوئی راز کارفرما ہے۔"

گجی نے دھندلی آنکھیں اس سانولے لڑکے پر ڈالیں اور سخت آواز میں کہا۔"یہ سب تمہارا کام نہیں، تم وہ کرو جو کرنے کو دیا جاتا ہے۔"

کہتے ساتھ ہی اس نے ہاتھ کا اشارہ کر کے ان سب کو وہاں سے چلے جانے کو کہا۔وہ سب اپنی اپنی چادریں جھاڑتے وہاں سے رخصت ہو رہے تھے۔گجی نے اپنی ادھ کھلی آنکھیں بند کیں اور اس گھنگھریالے بالوں والی لڑکی کو سوچنے لگا جس نے اس کی توہین کی تھی اور جو اس وقت اپنے گھٹنوں کے گرد بازو باندھے بیڑیوں میں جکڑی بیٹھی تھی۔وہ آج ہی جیمو کے تشدد سے رہا ہوئی تھی اور اب اس سیاہ کوٹھری میں سدرہ کے ساتھ تھی جو نیم مردہ سی زمین پر کروٹ لیے خود میں سکڑی ہوئی تھی۔

"مجھے کل رات ایک خواب آیا تھا۔" رخسانہ کی مدھم آواز اس سیاہ چھوٹے سے کمرے میں ابھری۔وہ اینٹوں کی درز سے آتی باریک باریک روشنیوں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔سدرہ نے اس کی بات پر ہولے سے سر کو ہلا کر اس کی طرف گرایا۔

"کس۔۔قسم کا خواب؟" سانسوں سے بھری ہوئی اس کی ٹوٹتی مریل آواز پر رخسانہ کی آنکھ سے آنسو بہہ کر ناک پر سے ٹپکنے لگا۔وہ باریک ذرات سے بھری روشنی میں سے انگلی آر پار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"میں نے دیکھا ایک بہت بڑی سبزے سے بھری زمین ہے جس کی ڈھلوانوں پر آتشی رنگ کے پھول

ایسے کھلے ہیں جیسے وہ دہکتے ہوئے کوئلے ہوں۔" اینٹوں کی درز سے آتی روشنی کسی کے گزرنے کی وجہ سے رکی اور پھر واپس رخسانہ کی آنکھ پر پڑنے لگی۔وہ تین چار روشنیوں کی لائنز تھیں جو ایک ساتھ اس کال کوٹھڑی میں امید لے کر گھسی ہوئی تھیں۔ان امید سے بھری ہوئی روشنیوں نے اس گھنگھریالے بالوں والی لڑکی کا باقی خواب سنا جو کہ یہ تھا۔

"اور ہم ان پر چل رہے ہیں۔نہیں وہ آگ کی طرح گرم نہیں تھے بلکہ وہ تو بہت زیادہ نرم تھے جیسے کوئی مخمل ہو۔چلتے چلتے ہم ایک ندی کے پاس پہنچ گئے وہاں بھی درخت پر آتشی رنگ کے پھول لگے تھے۔درخت جھکا ہوا تھا اور وہ پھول اس جھیل کے سبز پانی کو لہو رنگ میں تبدیل کر رہے تھے۔تم جانتی ہو اس کے آگے کیا ہوا؟"

اس نے اپنی نظروں کو پھیر کر نیم مردہ سی سدرہ کو دیکھا جو نیم وا ہونٹوں کے ساتھ سر کو نفی میں ہلا رہی تھی۔

"اس ندی کے پار ہمارے گھر والے آجاتے ہیں۔وہ ہمیں بانہیں کھول کھول اپنے پاس آنے کا کہہ رہے ہیں اور میں اور تم،ہم دونوں ان کی آواز پر لبیک کہہ کر اس ندی میں قدم رکھ رہے ہیں جس کا آتشی رنگ پھولوں کی دین نہیں تھا بلکہ وہ تو لاوا تھا اصل لاوا۔"

ایک بار پھر سے کوئی وہاں سے گزرا تھا تبھی روشنی کا راستہ رک گیا لیکن اس بار گزرنے والا گزرا نہیں تھا بلکہ وہ تو وہیں جامد ہو کر رہ گیا تھا تبھی وہاں قبر سے بھی زیادہ اندھیرا چھا گیا۔اس اندھیرے نے مایوسی سے اس پیاری لڑکی کی آواز سنی۔

"ہم دونوں نے ساتھ میں اس میں قدم رکھا اور آگ کو خود پر چڑھنے کی دعوت دی۔جوں جوں ہم پانی کی گہرائی میں اتر رہے تھے توں توں ہمارا گوشت جل کر ہمارے جسم سے علیحدہ ہو رہا تھا اور حیرت کی بات تو دیکھو ہم دونوں اف تک نہیں کر رہی تھیں۔"

سدرہ نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس کے نحیف وجود نے اسے اس بات کی اجازت نہیں دی۔وہ واپس زمین پر گر گئی۔گرنے کے بعد گہرے سانس بھرتے ہوئے اس نے رخسانہ سے سوال کیا۔بیتابانہ سوال۔

"کیا ہم اپنے گھر والوں سے ملے؟"

اس کی اس سوال میں کتنی حسرت تھی۔مضبوط اعصاب کی مالک رخسانہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔سدرہ اس

کے رونے سے سمجھ گئی تبھی مزید کچھ نہیں کہا۔

"ابھی آزمائش باقی ہے سدرہ! ابھی مزید رلنا ہے۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس کے منہ پر ہاتھ تھا۔ سدرہ کی کروٹ اس کی طرف تھی۔ دروازہ کھلا اور تیز چبھتی ہوئی روشنی ان دونوں کے وجود پر پڑی۔ رخسانہ نے خوف کے زیر اثر ہاتھ منہ سے فوراً ہٹایا لیکن روشنی کی شدت کی وجہ سے اسے وقت لگا دیکھنے میں۔

"اس لڑکی کو لے کر چلو۔" وہ شیون کی آواز تھی جو سدرہ کے پاؤں کی بیڑیوں کو کھولتے ہوئے آدمی کو ہدایت دیتا باہر چلا گیا تھا لیکن اس کوٹھڑی کا دروازہ ضرور کھلا ہوا تھا۔ ڈیوڈ نے چہرہ گھما کر کھلے دروازے کے پار دیکھا اور پھر رخسانہ کی طرف نگاہ کی۔ وہ جیب میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ اس کی نگاہیں اس کمرے کی دیواروں کو نامحسوس انداز میں ٹٹول رہی تھیں کہ آیا یہاں کوئی کیمرہ تو نہیں۔

"اسے کہاں لے کر جا رہے ہیں؟" رخسانہ کی بیتاب آواز پر ڈیوڈ کی آنکھوں میں ترس و رنج اترا۔ اس کا مخاطب ڈیوڈ تھا جو شانے اچکا کر چپ کھڑا رہا۔ وہ آدمی سدرہ کے پاؤں کی بیڑیوں کو کھول چکا تھا اور اب اس نیم مردہ لڑکی کو اٹھا رہا تھا۔

"اس کی موت کا وقت قریب ہے۔" اچانک اسے ڈیوڈ کی آواز سنائی دی۔ رخسانہ کے پورے جسم کے بال کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ ایک دم بیڑیوں سے بندھے پاؤں کے ساتھ بالکل قریب کھڑے ڈیوڈ کو پکڑ چکی تھی۔

"تم لوگ ایسا نہیں کر سکتے۔ اللہ کا قہر نازل ہوگا تم پر۔ چھوڑ دو اسے۔" وہ ہیجانی انداز میں حلق کے بل چلا رہی تھی۔ ڈیوڈ نے موقع کا فائدہ اٹھا کر اپنی جیب میں سے ہاتھ نکالنے کے بہانے کچھ زمین پر کونے میں پھینکا اور اسے جھٹکے سے دور کرنے لگا۔

"پاگل مت بنو، نہیں تو تمہیں بھی لقمہ اجل بنا دیا جائے گا۔" وہ جان بوجھ کر تنفر سے غراتے ہوئے کہنے لگا۔ ان کی شور کی آوازیں سن کر شیون اندر آیا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں۔" اس کی سخت سپاٹ آواز سن کر رخسانہ پاگل ہو گئی۔ چلاتے ہوئے بولی۔

"تم لوگ اسے نہیں مار سکتے تم اس کا قتل نہیں کر سکتے۔ اگر تم لوگوں نے ایسا کیا تو خدا کی مار ہو گی تم پر۔" وہ روتے ہوئے چلاتے ہوئے سدرہ کے پاؤں کو تھامتی شیون کے منہ پر تھوک پھینکتے کہہ رہی تھی۔ شیون نے اس

حرکت پر ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر جڑا اور جیب سے تیز دھار والا چاقو نکال کر کہنے لگا۔

" تمہیں ایسا لگتا ہے، دعا کرو اپنی دوست کیلئے۔" کہتے ساتھ ہی اس نے بیدردی سے وہ چاقو سدرہ کے گلے پر پھیر دیا۔ رخسانہ کو ایکدم سکتہ چڑھا۔ وہ ڈھیلی ہوئی تھی، اس کا دل اس کا دماغ سب ماؤف ہوگیا۔ وہ پھٹی نگاہوں سے سدرہ پر نگاہیں جما گئی جس نے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔ اس کی گردن سے فوارے کی طرح خون نکل رہا تھا۔ وہ اس کے خون کے رنگ میں بیجان ہوگئی۔ ڈیوڈ کے جبڑے آپس میں بھینچے تھے۔

" ناکارہ لوگوں کی یہاں کوئی جگہ نہیں اور نہ ہی باغی لوگوں کی۔" رخسانہ کے بالوں سے وہ چاقو صاف کرتے ہوئے ان سب کو اس نے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ ڈیوڈ نے ایک آخری نگاہ اس اجڑی ہوئی لڑکی پر ڈالی اور دروازہ بند کر کے چلا گیا۔

☆......☆......☆

اس نے گھر آ کر اپنا پرس بیڈ پر پھینکا اور کاؤچ پر سر کو پکڑ کر بیٹھ گئی۔ وہ پرملول تھی اور اس کی پیاری سی آنکھوں سے آنسو چمکیلے پانی کی طرح گر رہے تھے۔ اس نے کوٹ اتار کر وہیں کاؤچ پر رکھا اور دونوں ہاتھوں سے منہ رگڑنے لگی۔ خلیفہ کا اعترافِ جرم اس کا دل چھلنی کر گیا۔ اپنے دل کو تھپک کر وہ ثوبیہ کو دیکھنے لگی جو اس سے ایسے بے نیازی برت رہی تھی جیسے وہ یمن کی آمد سے واقف ہی نہ ہو۔ جب وہ آئی تھی تو لیز کا جمبو پیک ثوبیہ کے ہاتھ میں تھا۔ کانوں میں پنک وگرے امتزاج کے ہیڈ فونز لگے تھے اور لیپ ٹاپ اس کے پیٹ پر پڑا تھا۔ ایک نگاہِ غلط اٹھا کر اس نے یمن کو دیکھا تھا اور پھر سے اپنے سابقہ مشغلے میں مصروف ہوگئی تھی۔ یہ کوئی چالیسویں بار تھا جو وہ "فرینڈز" سیزن کو دیکھ رہی تھی۔ یمن کو اس کی یہ حرکت بیحد کھلی وہیں سے اونچی آواز میں چیخی۔

" کیا کوئی نابینا ہوگیا ہے جو میرے آنسو اسے نظر نہیں آ رہے۔" پھٹی ہوئی آواز کے ساتھ اس نے اتنے دکھ کے ساتھ کہا کہ گہرا سانس بھرتی ثوبیہ نے اپنے دل پر سِل رکھی اور پاؤس کا بٹن پش کر کے وہ ہیڈ فونز کو سر سے سرکا گئی۔ اب وہ اس کی گردن سے جھول رہے تھے۔

" کسی کو تمہارے آنسو نظر بھی آ رہے ہیں اور ان میں چھپا درد دکھائی بھی دے رہا ہے لیکن کسی کو تم سے پیار ہے اس لیے وہ تمہارا رونا نظر انداز کرنا چاہتا ہے۔ اب کیا تم اجازت دوگی تاکہ وہ کوئی اپنا سیزن دیکھ سکے۔"

اس کے سنجیدگی سے کہنے پر یمن کی آنکھیں مزید ڈبڈبائیں لیکن جلاد پن پوری قوت سے عود کر آیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کی جھولی سے لیپ ٹاپ اٹھا کر اپنی دراز میں رکھ کر اسے لاک کر دیا۔

"یہ۔۔ یہ کیا کر رہی ہو تم جذباتی لڑکی! میرا لیپ ٹاپ مجھے واپس دو مجھے اپنا سیزن دیکھنا ہے یار۔" احتجاج کرتے ہوئے ثوبیہ اس تک آئی مگر اس سے پہلے کہ وہ یمن تک پہنچتی وہ دراز کو لاک کر چکی تھی اور اب سینے پر بازو باندھے گلابی آنکھوں سے اپنی بے حس بہن کو غصے سے تک رہی تھی جس کیلئے اس کا سیزن اہم تھا لیکن اپنی بہن کے آنسو نہیں۔

"تمہارے اس سیزن کو میں آگ لگا دوں گی بلکہ اس کو ہی کیوں میں تمہارے لیپ ٹاپ کو بھی جلا دوں گی۔ اگر اگلے ایک سیکنڈ کے اندر اندر تم نے میری دلجوئی نہیں کی تو۔" اس کی آنسوؤں کی ٹنکی پھر سے شروع ہو چکی تھی۔ وہ روتے ہوئے اسے تڑی دینے لگی۔ ثوبیہ کو یکدم اس پر بے تحاشہ پیار آیا تھا۔ کتنی بزدل و معصوم تھی اس کی بہن اور اس سے بھی زیادہ بہادر۔ وہ آگے بڑھی اور اسے اپنی بانہوں میں لے لیا۔ ثوبیہ کی بانہوں میں آتے ہی وہ کسی بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس کا دل جو اتنا دکھ رہا تھا روتی کیوں نہ پھر۔

"بس کر جاؤ یار، تم تو سٹرونگ ہو یمن! ایک فائٹر، اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر نہیں رویا کرتے۔" وہ اس کی کمر کو سہلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس کی خود کی آنکھ بھی نم ہو چکی تھی۔ یمن اس سے الگ ہوئی اور ثوبیہ کو اپنی سرخ ناک اور سوجے ہوئے پپوٹوں سے دیکھ کر بولی۔

"یہ چھوٹی بات نہیں ہے ثوبی! میرا دل دکھا ہے اس میں بہت زیادہ درد ہو رہا ہے۔ تم سمجھو نا میرے درد کو۔" مٹھیاں بنا کر ہاتھوں کی پشت سے آنسو رگڑتی وہ اسے کہہ رہی تھی پھر ساتھ ہی اس نے آج کی ساری روداد اپنی پیاری بہن کے گوش گزار دی۔ ثوبیہ کو اچانک ہی خلیفہ سے نفرت اور اپنی بہن سے شدید محبت کا احساس ہوا تھا۔ اس نے یمن کے دونوں ہاتھ پکڑے اور کہنے لگی۔

"وہ برا ہے ڈارلنگ اور برے لوگ کسی کے نہیں ہوتے حتیٰ کہ اپنے بھی نہیں۔ میں نے کہا تھا اگر وہ اچھا ہوا اور اسے تم سے حقیقی محبت ہوئی تو میں ماما اور پاپا کو منا لوں گی لیکن دیکھو تو وہ کتنا برا نکلا اتنا برا کہ تمہارے جذبوں سے آشنا ہونے کے باوجود وہ تمہیں دوست کہہ رہا ہے۔ ہزاروں لڑکیوں کو ان کے والدین سے چھین کر وہ غلط

کاموں میں لگواتا ہے۔اس کا کام ہی یہی ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ تمہارے ساتھ بھی وہ سب نہ۔۔۔"

اس نے دانستہ بات درمیان میں چھوڑ دی تھی۔وہ دونوں آمنے سامنے کھڑی تھیں۔یمن نے اپنی سٹڈی ٹیبل سے ٹیک لگائی ہوئی تھی اور ثوبیہ مان بھرا تاثر دیتے ہوئے اس کے ہاتھ تھامے کھڑی تھی۔یمن کا سر نفی میں ہلتے دیکھ کر اسے دھچکا لگا۔اس سے زیادہ دھچکا اسے اس کی اگلی بات سن کر لگا تھا۔

"نہیں ثوبیہ، میں نے دیکھا ہے اس کی آنکھوں میں۔وہ بھی مجھ سے اتنی ہی محبت کرتا ہے جتنی میں اس سے کرنے لگی ہوں بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ۔"

ثوبیہ نے اچانک اس کے ہاتھ چھوڑے تھے جیسے اسے ڈنک لگ گیا ہو۔اس کے چہرے پر کریلے سے بھی بڑھ کر کڑوے تاثرات جھلکے تھے۔

"کیا یہ کسی قسم کا مذاق ہے؟تم شاید اپنے حواسوں میں نہیں ہو جب جذبات کی رو سے نکلو تو مجھ سے بات کرنا۔"وہ مڑنے لگی تھی لیکن یمن نے اس کی کلائی تھام لی اور اس کے سامنے آ کر کھڑی ہوئی۔

"میں حواسوں میں ہی ہوں۔ہاں مجھ پر ترس کھانے کا وقت آ چکا ہے کیونکہ خلیفہ کا دوسرا رخ جاننے کے باوجود بھی میں خود کو اس کی طرف بڑھنے سے نہیں روک پا رہی ہوں۔میں بری طرح اس کی محبت میں گرفتار ہو رہی ہوں ثوبیہ!مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

ثوبیہ نے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ وہ پاپا کو اس کے متعلق ساری بات بتا دے گی۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی بہن غلط ہاتھوں میں جائے۔خلیفہ غلط ہے اس بات پر اسے ایمان آ گیا تھا۔

"تم مدد کی دہلیز سے بہت آگے بڑھ چکی ہو۔اتنی کہ میں چاہ کر بھی تم تک رسائی نہیں پا سکتی۔وقت افسوس کریگا مجھ پر کیونکہ شاید میں تمہیں کھوتی جا رہی ہوں۔"اس سے ہاتھ چھڑوا کر وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔یمن نے دونوں ہاتھوں سے اپنے بالوں کو پکڑ کر خود کو ٹیبل پر گرا دیا۔

وہ واقعی مدد کی دہلیز سے آگے بڑھ چکی تھی۔خلیفہ کے کالے کرتوت جاننے کے باوجود وہ اسے معاف کرنے کا سوچ رہی تھی۔اسے وقت دینے کا سوچ رہی تھی۔کیا وہ اندھی ہو چکی ہے یا بیوقوف؟نہیں شاید اس کا دماغ مفلوج ہو چکا ہے تبھی وہ اس حد تک پاگل پنے کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ننگے سر بغیر کسی جرسی کے وہ دانت بجاتی

سردی میں اپنی بالکونی میں آ کر کھڑی ہوگئی۔اس کے سیدھے، ریشمی، سیاہ بال یخ بستہ ہواؤں سے اٹکھیلیاں کرنے لگے۔اس نے اپنی سیاہ آنکھوں کو دور خلا میں بھٹکایا۔اس کا سفید چہرہ سردی کے سبب مزید سفید ہوگیا۔

"یمن! میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔اگر تمہارا ننھا سا دل کسی کو دوست بنانا چاہے تو اس کی خوبیوں کی وجہ سے اسے دوست مت بنانا بلکہ اس کی خامیوں تک پہنچ کر انہیں جان کر اس سے دوستی کا آغاز کرنا۔جب آپ کسی کی خامیوں کو جان کر اس سے رشتہ باندھتے ہیں نا تو سو مسئلے آسان ہوجاتے ہیں۔آپ کو پتا چل جاتا ہے کہ اس شخص میں فلاں فلاں خامیاں ہیں اور آپ کو ان چھوٹی چھوٹی خامیوں کو اپنی پیاری پیاری باتوں اور محبت کی تاثیر سے ختم کرنا ہے تاکہ وہ شخص جو آپ کا دوست ہے دوسروں کی طرح ایک اچھا انسان بن جائے۔"

اس کی دادی اماں کی بھولی بسری یاد اس یخ بستہ موسم میں اس کے سرخ نگینے جڑے کانوں سے اندر داخل ہوئی۔آنکھوں سے نکلتا گرم پانی جو گال تک آتے آتے جم جاتا تھا اسے صاف کرتے ہوئے وہ ہولے سے مسکائی۔

"میں ایسا ہی کرونگی دادی، چاہے اس سے میرا دل ہی کیوں نہ دکھے، چاہے اس سے میرا دل دکھ رہا ہو۔ میں ایسا کرونگی، میں کوشش ضرور کرونگی اور خلیفہ کو اس ایک برائی سے نکال دونگی جو کسی کے غلط آئیڈے کی وجہ سے اس کے دماغ میں آئی ہوگی۔ہاں مجھے یقین ہے وہ میری بات نہیں ٹالے گا۔وہ میرا مان ضرور رکھے گا۔تم ایسا کروگے نا خلیفہ؟"

اپنے آنسوؤں کو روکتے ہوئے وہ یونہی خلا میں دیکھتی بول رہی تھی جیسے وہ دونوں اس کے سامنے ہوں اور اس کی بات پر مسکرا رہے ہوں۔ایسا ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا نا۔ان میں سے ایک کا تو ہونا ناممکن تھا کیونکہ اس کی دادی اس وقت منوں مٹی تلے تھیں لیکن جو زندہ تھا وہ قہر کا بادشاہ بنا اپنے آفس میں یہاں سے وہاں ٹہل رہا تھا۔ اس کے ماتھے پر شکنیں تھیں اور مٹھیاں بار بار کھل کر بند ہورہی تھیں۔

"بیٹھ جا خلیفے ایسے ٹہلنے سے کچھ نہیں ہونا۔" سمندر خان سگار کی راکھ ایش ٹرے میں پھینکتے ہوئے اس آگ کے گولے کو کہہ رہے تھے جو اس وقت اپنے شعلوں سے کسی کو بھی جلانے کی اہلیت رکھتا تھا۔

"میرا دماغ کھول رہا ہے اور آپ کہہ رہے ہیں بیٹھ جا۔آپ جانتے بھی ہیں کیا قیامت آن پڑی ہے ہم

لوگوں پر۔ آٹھ سالوں میں آج تک کسی کو ہمارے راستے کے بارے میں علم نہیں ہوا لیکن آج آٹھ سالوں بعد اچانک سے ہمارے بندے پکڑے جاتے ہیں۔" وہ چیخ رہا تھا۔اس کی دھاڑ درو دیوار ہلا رہی تھی لیکن اس دھاڑ کی گونج فقط اس کمرے تک ہی تھی۔ باہر یہاں سے چوں کی آواز بھی نہیں جاتی تھی کیونکہ یہ کمرہ ساؤنڈ پروف تھا۔

" آپ نہیں جانتے ان عورتوں میں جاپان کے رئیس کی بیٹی بھی تھی جس کا تعلق کبھی گولڈن ٹرائے اینگل سے رہ چکا تھا۔وہی آدمی جسے ہم اپنے آگے کی کھیپ کیلئے نشانہ بنانا چاہتے تھے اگر وہ لڑکی ہمارے ہاتھ نہ آئی تو اربوں روپوں کا نقصان ہو جانا ہے ہمارا۔"

بولتے ہوئے اس کی گردن کی رگیں ابھر رہی تھیں۔ غصے سے معلوم ہوتا تھا اس کی شریان پھٹ جائے گی۔

اسے حیرت ہو رہی تھی کہ اس بار سمندر خان اتنا پرسکون کیسے بیٹھ سکتا ہے۔

" جانتے ہیں نقصان ہو گا لیکن اس نقصان کی خبر اگر دشمنوں تک پہنچ گئی تو ان کے سینے میں ٹھنڈک اتر جانی ہے اور یہ انٹیلی جنس والے اتنے تو احمق ہیں نہیں کہ اس خبر کو میڈیا کے سپرد کر دیں۔ وہ اسے خفیہ رکھ کر تمام چھان بین کریں گے لیکن یقین رکھو وہ ہم تک کبھی پہنچ نہیں سکیں گے۔"

سگار کے دھوئیں کو اڑاتے ہوئے ان کے چہرے پر پریشانی بر آ رہی تھی لیکن آواز کو پرسکون رکھے وہ گہری منصوبہ بندی میں مصروف تھے۔

" خلیفہ کا بال بھی ان انٹیلی جنس والوں سے نہیں ڈرتا۔ فکر کی بات ہے تو صرف اس جاپانی لڑکی کی جو اس وقت قید میں ہے۔" وہ ان کے پاس آ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ انداز میں ابھی بھی عجلت پسندی تھی۔ سمندر خان نے اسے ایکسرے کرتی نگاہ سے دیکھا۔ اس کا منہ سرخ تھا اور کسی حد تک اکتایا ہوا بھی تھا۔ ان کی گہری وزدیدہ نگاہ تمام معاملہ جان گئی۔

" نکل آئے گی تم فکر نہ کرو اور یاد رکھو ہمارا شمار فکر کرنے والوں میں سے نہیں ہوتا۔ صحیح وقت آنے دو پھر کچھ کرتے ہیں۔" وہ اسے جتاتے ہوئے بولے۔ خلیفہ کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

" آپ بھول رہے ہیں شاید وقت خلیفہ کے ساتھ چلتا ہے خلیفہ وقت کے ساتھ نہیں۔" اس نے ایسی کاٹ

سے کہا کہ سمندر خان ٹھٹک کر رہ گئے۔ اسی دوران دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ خلیفہ نے گہرا سانس بھرتے ہوئے خفیف سی مسکراہٹ کو لبوں پر سجایا اور یس بول دیا۔ اس کی سیکرٹری فائل تھامتی اندر آئی۔

"میٹنگ ریڈی ہے سر، بورڈ کے تمام ممبر آچکے ہیں۔" آنکھوں میں تازگی بھرے اس نے سر کو ہلایا اور سیکرٹری کو جانے کو کہا۔ اس کے جاتے ہی خلیفہ کے تاثرات پھر سے بگڑے تھے۔ ایک نگاہ سمندر خان پر ڈالی پھر اپنے کوٹ کا بٹن بند کر کے کھڑا ہو گیا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا جب سمندر خان نے بم شیل اس پر چلایا۔ وہ مڑا نہیں کہ اسے اپنے جذبات اور اپنے تاثرات پر کنٹرول کرنا بخوبی آتا تھا مگر ہاں اندر بہت اندر اس کے کچھ عجیب ہوا تھا۔ سمندر خان کی بات ہی ایسی تھی۔ وہ لفظ یہ تھے۔

"عورت آدمی کیلئے بڑی خطرناک شے ہے۔ خاص کر اس آدمی کیلئے جو خود خطرناک ہو۔"

خلیفہ نے آنکھیں بند کر کے کھولیں اور بنا کچھ کہے دروازے کو کھول دیا۔

جہاں وہ دروازہ کھول کر باہر آیا تھا وہیں بہت دور نوفل دروازہ بند کرتے ہوئے اندر آرہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں گرما گرم بھاپ اڑاتی کافی کے دو مگ تھے۔ ایک اس کیلئے تھا اور ایک اس کی معروش کیلئے جو مضمحل سی گول میز پر کہنیاں ٹکائے بیٹھی تھی۔ وہ آج صبح ہی لوٹی تھی۔ نانو کے ساتھ کافی وقت بتانے کے بعد وہ نوفل کی طرف آئی تھی جو آج کام میں اچھا خاصا بزی تھا۔ وہ اتنا بزی تھا کہ اس نے معروش کی آمد کا نوٹس بھی نہیں لیا تھا۔ خوشگوار حیرت تو تب رگ و پے میں شامل ہوئی جب اس نے معروش کا سلام سنا اور جواب دینے کے بعد وہ تمام کام چھوڑ کر کچن کی طرف بھاگا تھا۔

"تمام پریشانیوں کو بھولنے کا آزمودہ نسخہ، گرم کافی کا کپ۔" اس نے ٹرے میز کے درمیان میں رکھی۔ یہ میز قدرے کونے میں تھی اور وہاں اے سی کی گرم ہوا بھی تیز آرہی تھی۔ معروش نے مسکرا کر کافی کا کپ اٹھایا اور اس کا سپ لیتے ہوئے جیسے تازگی سی محسوس کی تھی۔

"تمہارے ہاتھ سلامت رہیں، یہ واقعی مزیدار ہے۔" سپ کے بعد سپ لیتے ہوئے اس نے صدق دل سے اسے دیکھتے ہوئے کہا جس کے چہرے پر تکان کے بڑے واضح نشانات تھے، وہ تھکن زدہ چہرے اور کام کی زیادتی سے ہوئے میلے کپڑوں کے ساتھ مسکرا گیا۔

"نانو بتا رہی تھیں کہ کافی ٹف ٹائم گزارا ہے آپ نے، کیوں نا آپ چند دنوں کی چھٹیاں لے لیں ویسے آپ کا مشن کیسا رہا؟" معروش کے صبیح چہرے کو دل میں اتارتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔ یہ لڑکی کتنی جلدی اور آسانی سے اس کے دل پر قابض ہو گئی تھی۔ واللہ نوفل خان! تم تو گئے کام سے۔

"سب اچھا تھا اور آگے بھی اچھا رہنے کی امید ہے، رہی بات چھٹیوں کی تو ابھی اس کی ضرورت نہیں جب ہو گی تو میں کرلوں گی۔ تم بتاؤ اتنے تھکے ہوئے کیوں لگ رہے ہو؟"

سرد سانسوں کو نکالتے ہوئے وہ اس کی ستواں ناک پر بنے تل کو دیکھ رہی تھی۔ بالکل ویسا ہی تل اس کی گردن کے خم میں بھی تھا جو تھوڑا بڑا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے نوفل کی گردن اور ناک کے درمیان سکیل رکھ کر تلوں کو بنایا ہو۔ عین سیدھ میں بالکل کسی پل کی طرح۔

"میں نے پارٹ ٹائم جاب تلاش کی ہے یہ جو عمران کی کافی شاپ ہے اس کے پیچھے نیا ریسٹورنٹ کھلا ہے وہاں میں ایز آ ہیلپر لگا ہوں، اس لیے آپ کو تھکا ہوا لگ رہا ہوں۔"

معروش یکدم اس کی بات پر چونک گئی تھی۔ کپ کو نیچے رکھتے ہوئے آگے کو ہو کر بیٹھی اور بولی۔

"کیا مطلب، یعنی تم دو دو جگہ کام کرو گے؟"

نوفل نے اس کی بات پر شانے اچکا دیے۔

"بالکل اور میرے خیال سے اس میں کوئی قباحت بھی نہیں، مجھے ڈھیر سارے پیسے بنانے ہیں تاکہ میں جلد از جلد اسپین چلا جاؤں۔" اس کی پرانی جیکٹ پر چنگھاڑتا ہوا ریچھ بنا تھا۔ معروش کو لگا وہ ریچھ اس پر چنگھاڑ رہا ہے اور اسے ڈانٹ کر کہہ رہا ہے کہ اور کرو اس بیچارے کے ساتھ زیادتی۔ وہ ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئی۔

"تو تم نے فیصلہ کرلیا ہے یعنی تم پاکستان نہیں رہنا چاہتے۔" جانے اس کے لہجے میں ایسا کیا چھپا تھا کہ نوفل ہک دک سا اسے دیکھے گیا۔ فوراً وضاحتی انداز میں بولا۔

"میں وہاں موجود سہولیات کی وجہ سے جانے کا نہیں کہہ رہا ہوں، میں تو اس لیے کہہ رہا ہوں تاکہ میں وہاں کے ان تمام تعلیمی اداروں سے جن سے میں پڑھا ہوں اپنی سندیں اور رزلٹ کارڈز ایشو کروا سکوں۔ ایک بار میری تمام ڈگریاں مجھے واپس مل گئیں تو بہت آسانی ہو جائے گی۔۔ اوہ معروش! آپ میرے بارے میں ایسا

مت سوچو۔"

ڈوبتی شام کے سائے میں کھلا کھلا سا لاہور بڑا بھلا لگ رہا تھا۔ سورج کی زرد و سرخ شعاعیں مغرب کے وقت کے قریب ہونے کی عندیہ دے رہی تھیں۔ اڑتے، بولتے پنچھی شام یار میں محو رقص تھے۔ ان پنچھیوں میں شیشے کی دیوار کے اس پار بیٹھی سکارف والی لڑکی اور تھکان سے بھرے نوجوان کو دیکھا اور تمام عالم میں محبت کا شور برپا کر دیا۔ وہ شور اتنا زیادہ تھا کہ ایک پل کو تو معروش نے بھی گردن باہر کی طرف موڑی تھی۔

"میں کچھ غلط نہیں سوچ رہی یقین کرو۔" ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے اس نے سڑک کے اس پار کھڑی لڑکی کو دیکھا جو بار بار گھڑی پر ٹائم دیکھ رہی تھی اور تبھی اچانک اس کی نگاہ ایک ٹھیلے سے کمر ٹکائے چائے کی چسکیاں بھرتے لڑکوں پر پڑی۔ خطرے کی گھنٹی اس کے دماغ میں بجی تھی۔

"میں تو بس تمہیں جاب کی آفر کر رہی ہوں، تم میرے اسسٹنٹ بن سکتے ہو مجھے پارٹ ٹائم کیلئے ایک اسسٹنٹ کی ضرورت ہے۔ معاوضہ وہ ہوگا جو تم تجویز کرو گے۔"

ایک دم اس کے دماغ میں کوندا سا لپکا تھا۔ اس لڑکی پر ایک نگاہ ڈال کر اس نے بیگ کو کراس کر کے لٹکایا یعنی وہ باہر جانے کیلئے تیار تھی۔

"استغفر اللہ معروش! یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں، میں آپ سے پیسے کیسے لے سکتا ہوں، آپ کہاں جا رہی ہیں۔" وہ اسے اٹھتے دیکھ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تھا۔

"نہیں تم یہیں رہو۔" وہ اسے آرڈر دیتی شاپ سے باہر آئی۔ نوفل نے اسے شیشے کے دیوار کے پاس سے گزرتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہاں اس سے برداشت نہ ہوا وہ سمجھ گیا کچھ گڑبڑ ضرور ہے ورنہ معروش یوں آدھا کپ چھوڑ کر نہ جاتی۔ ایپرن کو پھینک کر وہ معروش کے پیچھے بھاگا جو سڑک کو کراس کرتی تیز قدموں کے ساتھ اس لڑکی کی سمت بڑھ رہی تھی۔ وہ بھی اپنے قدموں میں رفتار پیدا کیے اس کے پیچھے تھا۔ معروش نے اس لڑکی کو ہاتھ سے تھاما اور اپنی گاڑی کی طرف کھینچتی ہوئی لے گئی۔ اس کی اس حرکت سے چائے کی چسکیاں لیتے وہ لڑکے اچانک وہاں سے بھاگے تھے۔ نوفل نے اس بھاگتے ہوئے لڑکوں پر ایک نگاہِ غلط ڈال کر معروش کی کار کی طرف دوڑ لگائی اور اس سے پہلے وہ کار اسٹارٹ کرتی نوفل بھی اس میں چڑھ گیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو، میں نے تمہیں کہا تھا نا میرے پیچھے مت آنا۔" اس نے طیش میں چیختے ہوئے کہا مگر وہاں پرواہ کسے تھی۔

"میں نے آپ کی جاب کی آفر قبول کر لی اور میں اسے اسی وقت جوائن کر رہا ہوں۔"

وہ لڑکی معروش کی گرفت میں پھڑک رہی تھی۔ نوفل ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔ معاملہ کیا تھا وہ نہیں جانتا تھا۔ پتا تھا تو صرف اتنا کہ اس کا دل کچھ بہت غلط ہونے کا الارم دے رہا ہے اور اس الارم کو سننے کے باوجود وہ معروش کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

"نوفل! یہ مذاق نہیں ہے، اس لڑکی کے پیٹ پر بم بندھا ہے۔ اتر جاؤ گاڑی سے۔ اس سے پہلے کہ تم بھی لقمہ اجل بنو۔" وہ بم سکواڈ کو کال کر چکی تھی اور انہیں لوکیشن بھی بھیج دی تھی۔ بس ایک خطرہ تھا جو چہار سو منڈلا رہا تھا اور وہ یہ تھا کہ کہیں تھوڑی بے احتیاطی سے یہ بم پھٹ نہ جائے۔

"سوواٹ، آپ سمجھتی ہیں کہ آپ کا نوفل اتنا ڈرپوک ہے کہ وہ موت سے ڈرے۔ ہرگز نہیں آپ میرے سامنے توپ بھی لے آئیں تو میں چوں نہیں کرونگا کیونکہ میں بہادر ہوں۔"

"جب جینا آپ کے ساتھ ہے تو مرنا کیوں نہیں۔" یہ آخری جملہ اس نے دل میں سوچا۔

اپنے آپ کو بہادر ہونے کا تمغہ دینے کے باوجود بم کا سن کر اس کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں اور آواز، وہ بھی تو لڑکھڑائی تھی۔ خفیف سی سہی لڑکھڑائی تو تھی۔

"تم بیوقوف ہو اور کچھ نہیں۔" وہ اس لڑکی کے منہ پر زور سے ہاتھ جماتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ دور سے بم ڈسپوز کرنے والے آتے ہوئے دکھائی دیے۔ ان کا مخصوص لباس تھا جسے پہن کر وہ گاڑی کے قریب آئے تھے، آتے ہی انہوں نے نوفل کو وہاں سے نکال دیا تھا۔ حالانکہ اس نے کتنا احتجاج کیا مگر اس کی ایک نہ چلی۔ بہت دور سے وہ بم ڈسپوز کرتے کارکنان اور اپنی معروش کو دیکھ رہا تھا جو وہیں کھڑی تھی۔ اگر ذرا سی غلطی سے بم پھٹ گیا تو اس کی معروش تو گئی۔ نوفل کی دونوں مٹھیاں سختی سے بھینچی ہوئی تھیں۔ آنکھوں میں گلابی لائن آپ ہی آپ آن سمائی۔ اس کا دل بے ترتیبی سے دھڑکنے لگا۔ دور اللہ اکبر کی صدا بلند ہونے لگی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کیں اور اپنے پیارے اللہ سے دعا کرنے لگا۔

"یا اللہ! سب تیرے اختیار میں ہے، میری جان بھی اور میری معروش کی جان بھی، حتیٰ کہ اس دنیا میں موجود تمام جاویدہ چیزوں کی جانیں تیرے قبضے میں ہیں۔ تو چاہے تو حیاتی دے تو چاہے تو بلا لے۔ ہم بے بس ہیں لیکن تو طاقت ور ہے۔ ہم خطا کار ہیں لیکن تو پاک ہے اور یہ پاک ذات دلوں کی بات بخوبی سنتی ہے۔ میرے دل کی چاہ سن اور میری معروش کو بچالے۔ اگر انہیں کچھ ہو گیا تو مجھے بہت درد ہو گا اللہ تعالیٰ اور میں جانتا ہوں آپ نہیں چاہیں گے کہ آپ کے اس اچھے بندے کو تکلیف پہنچے۔ نہیں چاہیں گے نا؟"

وہ آنکھیں بند کیے، تمام جہان کیلئے پنی بصارت وسماعت کو بند کر بیٹھا تھا۔ وہ مخاطب تھا تو اس نور سے جو اس کے دل میں بستا ہے، جو اس کی شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ جو اس کے خون میں ہے۔ اس کی سانسوں میں ہے۔ جس کے نشان ذرے ذرے میں موجود ہیں۔ وہ جو اس کا اللہ ہے۔ وہ جو اس کا محبوب ہے۔

"نوفل۔۔۔ نوفل!"

اسے نزدیک سے معروش کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس کے بھرے بھرے گلابی و بھورے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے اور دھیرے سے اس نے آنکھیں کھول دیں۔ معروش کو اپنے سامنے پا کر بے اختیار اس کے دل نے الحمدللہ کہا تھا۔

"کہاں ہو تم، میں کب سے آوازیں دے رہی ہوں اور یہ آنکھیں کیوں بند کی ہوئی ہیں تم نے۔ کیا تمہیں ڈر لگ رہا تھا؟"

وہ اس کے سامنے تھی اسے چھیڑ رہی تھی۔ اس کی پیاری معروش اس کے سامنے تھی۔ اس کی محبت اس کے سامنے تھی۔ اللہ نے اسے کچھ نہیں ہونے دیا۔ اللہ نے اسے زندہ رکھا۔ وہ نوفل کیلئے زندہ تھی۔ نوفل کی وجہ سے زندہ تھی۔ اس کی دعا رنگ لے آئی، اس کی صدقِ دل سے مانگی گئی دعا کو قبولیت کا شرف حاصل ہوا تھا اس پر ایک نہیں ہزاروں سجدے بنتے تھے۔

"آپ کیسی ہو؟" اس کے لب پوری اذان سننے کے بعد ہلے تھے۔ پہلی اذان کا وہ جواب دے چکا تھا دوسری کو تحمل سے سننے کے بعد اس نے معروش کو جواب دیا حالانکہ اس دوران وہ دوبار اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلا چکی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں، مجھے کیا ہونا تھا۔اوہ اچھا،تم اس بم کی وجہ سے پریشان تھے۔کم آن، ایسے واقعات تو آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ڈزنٹ میٹر۔"

وہ بہت آرام وسکون سے ڈزنٹ میٹر کہہ رہی تھی۔وہ کہہ سکتی تھی کیونکہ ابھی اس کے دل نے نوفل کیلئے اتنجا جو نہیں کی تھی۔

"اچھا اب بت بنے کھڑے مت رہو، میں جا رہی ہوں۔نانو کو کہہ دینا کہ ہوسکتا ہے آنے میں لیٹ ہو جاؤں۔ٹھیک ہے۔اللہ حافظ۔"

ٹھیک ہے کہنے کے بعد اس نے دو منٹ انتظار کیا تھا پھر نوفل کے سرہلانے پر وہ اسے وش کرتی مڑ گئی۔نوفل نے مسجد کی طرف قدم اٹھائے۔اس کے دل پر اوس سی گر رہی تھی۔وہ اپنے جذبات سے خود بھی گھبرا رہا تھا۔کیا واقعی محبت اتنی زیادہ خطرناک ہوتی ہے؟

"آہ نوفل آہ۔۔تمہارا دل قابل ترس ہے۔"

☆......☆......☆

"احمق ہیں سب کے سب، دل کر رہا ہے سب کو اڑا دوں۔" خواجہ ریاض ایک بار پھر آگ کی شکل اختیار کیے ہوئے یہاں سے وہاں منڈلا رہے تھے۔ڈرگ کے پیسوں میں ہوا گھاٹا ان کے اشتعال کی وجہ تھی۔گورنمنٹ اسکولوں میں جو افیون وچرس انہوں نے بھیجی تھی ایک تو وہ پکڑ کر آ گئی تھی دوسری اس کی کمائی میں پیسے بھی کم تھے۔انہوں نے اپنے تمام کارندوں کو جمع کیا اور جواب طلبی کیلئے ان کے سامنے طیش میں گھرے کھڑے تھے۔انڈے کی شکل کی بڑی ساری میز تھی جس کا درمیانی حصہ خالی تھا۔وہاں خواجہ ریاض کھڑے ہو کر چیخ رہے تھے اور میز کے پیچھے کرسیوں پر بیٹھے تمام لوگ سر جھکائے ہوئے شرمندہ تھے۔

"میں نے جب مال پورا دیا تو اس میں کمی کیسے ہوئی اور وہ کیسے کم بکا، کیا تم لوگ بھول رہے ہو کہ میرا مال اس وقت سب سے سستے ریٹ پر دستیاب ہے اور طلبا وطالبات بہت گرم جوشی سے اسے خرید رہے ہیں۔"

وہ اپنے کاٹن کے سوٹ کے گلے میں شربتی چشمہ اڑسائے منہ سے کف نکالتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

خواجہ ریاض کے کارندوں کے ہیڈ نے اپنا منہ کھول کر خود کے پاؤں پر کلہاڑی ماری۔

"جناب، بات سستے مال کی نہیں ہے بات ہے کوالٹی کی، ہماری کوالٹی آج کل بہت ڈاؤن جا رہی ہے جس کی وجہ سے ہمارا مال بکنا کم ہو گیا ہے۔"

خواجہ ریاض نے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔

"یعنی تم کہنا چاہ رہے ہو کہ ہم گھٹیا مال بیچتے ہیں تبھی ہمیں نقصان ہوا، تمہاری عقل تو ٹھکانے پر ہے۔"

سچ بات سن کر انسان اسی طرح اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے جس طرح ابھی خواجہ ریاض نے کھوئے تھے۔ وہ زخمی شیر کی طرح چیخے۔

"ہمارے مال میں سب سے زیادہ نشہ ہوتا ہے، اس کا سرور ایسا ہوتا ہے کہ منٹوں میں انسان جہاز کی سواری کرا آئے اور تم کہتے ہو کہ کوالٹی خراب ہے، کوالٹی نہیں تمہارا دماغ خراب ہے۔"

اس موٹے کی چیخ و پکار پر سب چپکے ہوئے بیٹھے تھے۔ آج جس مقام پر وہ تھے انہی کے پیسوں کی بدولت تھے۔ آگے بھی انہیں اسی پیسے سے بڑھنا تھا۔ اگر یہ پیسہ ہی آنا بند ہو گیا تو ان کے تو گھر کا چولہا جلنے سے رہا۔ سرکاری نوکریوں میں کہاں وہ لوگ عیش کی زندگی گزار سکتے تھے۔ وہ تو ایک وقت کا آٹا بھی پورا نہیں کر سکتی تھی ان لوگوں کا۔ جی ہاں یہاں بیٹھے بیشتر لوگ پولیس و دیگر محکمے کے تھے۔ ایک ادھیڑ عمر آدمی جس کا نام خالق تھا اور جو حال ہی میں خواجہ ریاض کی عنایت کی بدولت ایس ایچ او کے رتبے پر فائز ہوا تھا، گلا کھنکار کر بولا۔

"بات تو سو آنے کی، کی ہے سرکار نے لیکن یہاں معاملہ کچھ گڑبڑ ہے۔ میرے حساب سے مال میں کمی ہوئی نہیں بلکہ کی گئی ہے۔" اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے وہ انکم ٹیکس آفیسر کو بڑی مشکوک نگاہوں سے تک رہا تھا جو اس کے اس انداز سے پہلو بدل کر رہ گیا جبکہ اس کے دائیں طرف بیٹھے آدمی نے بڑے مزے سے خواجہ ریاض کے بدلتے تاثرات دیکھے۔

"کیا کہنا چاہ رہے ہو خالق! کھل کر بات کرو۔" خواجہ ریاض ایسے چونکے جیسے اچانک کوئی سرا ان کے ہاتھ آ گیا ہو۔ ان کے دماغ نے متوقع خطرے کی گھنٹیاں بجا دی تھیں۔ وہ بے صبری سے خالق کے اگلے لفظوں کے منتظر تھے جو کہ یہ تھے۔

"بات سیدھی سی ہے سرکار اور وہ یہ کہ کوئی سانپ گھس آیا ہے شیر کی کچھار میں، مطلب کہ مخالف پارٹی کا

جاسوس۔"

انکم ٹیکس آفیسر کے دائیں طرف بیٹھے آدمی نے بڑی دلچسپی سے اس کرپٹ پولیس آفیسر کو نظروں میں اتارا جس کے اندازے دھما کہ خیز تھے۔

"جاسوس، کیسا جاسوس؟" جذباتی خواجہ ریاض اس کے پاس آ کر میز کی سطح پر ہاتھ رکھے اپنی بٹنوں جیسی آنکھوں سے اس کے چہرے پر پھیلے شکوں کے رنگوں کو کھوجنے لگے۔

"کوئی ہے جو ہماری پارٹی میں گھس آیا ہے یا پھر اسے گھسا دیا گیا ہے۔ وہ ضرور ہماری مخالف پارٹی کا کارندہ ہے جو اس طرح سے ہمیں زیر کرنے کی کوشش میں ہے اور سرکار اس کی کوششیں رنگ دکھا رہی ہیں۔ میرا دل کہہ رہا ہے ہمیں اسے پکڑ کر جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دینا چاہیے اور اس کی ایسی میزبانی کرنی چاہیے جیسی اس کی اوقات ہے۔"

مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے وہ خواجہ ریاض کو کم اور انکم ٹیکس آفیسر کو زیادہ دیکھ رہا تھا۔ اس کے دائیں طرف بیٹھے آدمی نے اپنے لبوں کے کنارے کو پھیلایا اور نامحسوس طریقے سے کان میں پہنے ائیر رنگ کے پیچھے باریک سے بٹن کو دبا دیا۔

"ہاں تو ایسا ہی کرنا چاہیے، تمہاری نظر میں کون ہو سکتا ہے وہ؟"

خواجہ ریاض باقی لوگوں کی آمد کو مکمل طور پر بھلائے اس خالق کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ باقی سب بیچارے تو خود میں ہی چور بنے کن انکھیوں سے ایک دوسرے کو تک رہے تھے۔ ان تکنے والوں میں ایک اور بھی تھا جس نے انکم ٹیکس آفیسر کے دائیں جانب بیٹھے اپنے ساتھی کو بڑی مسرور نگاہوں سے دیکھا اور ایک اشارہ کیا۔ سر کو ہلکے سے جنبش دیکر جیسے وہ کوڈ ورڈز میں باتیں کر رہے تھے۔ اپنے ساتھی کو دیکھنے والے نے تین بار مخصوص طریقے سے انگلی میز کی سطح پر بنا آواز کے بجائی۔ سامنے بیٹھے اس کے ساتھی نے اس انگلی کی زبان کو پڑھا۔ الفاظ کچھ یوں تھے۔

"مچھلی جال میں پھنس رہی ہے۔" وہ انگلی کی اس زبان کو پڑھتے ہوئے ہولے سے مسکرایا اور تھوڑا سا پہلو بدل کر اپنے انگوٹھے کو حرکت کرنے لگا۔ وہ انگوٹھے کو بجاتا اسے سمجھا رہا تھا۔

"ہمارا جال بھی تیار ہے، ناؤ اِٹس شو ٹائم۔"

"یہاں بتانا مناسب نہیں، ہوسکتا ہے میرا اندازہ غلط ہو لیکن آپ بے فکر ہو جائیں جلد ہی وہ غدار اپنے انجام کو پہنچے گا۔"

اس بات کے ساتھ ہی خواجہ ریاض نے خالق کو یہیں رکنے اور باقی سب کو چلے جانے کو کہا کیونکہ وہ پیدائشی جلد باز تھے اور ابھی کے ابھی خالق سے وہ نام سننا چاہتے تھے جو خالق سنانے کے موڈ میں تھا۔ خواجہ ریاض کے اشارے کے ملتے ہی سب نے اپنا سامان سمیٹا اور باہر آ گئے۔ اس ہال سے نکلنے کے فوراً بعد وہ دونوں آدمی ایک ساتھ چلنے لگے جو کانفرنس میں آنکھوں ہی آنکھوں میں یا اپنے مخصوص طریقے سے ایک دوجے سے بات کر رہے تھے۔

"کام ہو گیا؟" ساتھ چلتے ہوئے وہ یک زبان بولے اور پھر ساتھ ہی مسکائے۔ کوئی حرج نہیں تھا یہاں مسکرانے کا یا ایک ساتھ جانے کا لیکن احتیاطی تدابیر کو ملحوظ خاطر رکھ کر وہ خواجہ ریاض کے گھر سے الگ الگ باہر نکلے اور دور دراز نامعلوم مقام پر ایک ساتھ ملے۔ یہ کوئی مضافاتی علاقہ تھا جہاں تک پہنچنے کیلئے انہوں نے نجانے کتنے مختلف روٹس بدلے تھے اور اب آمنے سامنے تھے۔

"دکھاؤ ریکارڈنگ صحیح ہوئی ہے؟" وہ دائیں طرف بیٹھا آدمی اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔ اس کا ہاتھ آگے تھا جس پر اس کے دوسرے ساتھی نے اپنی جیب پر لگا بٹن اتار کر اسے دیا۔ وہ دونوں اس وقت ایک چھوٹے سے گھر میں تھے۔ ان کے سامنے دو تین لیپ ٹاپس ایک ساتھ کھلے ہوئے رکھے تھے اور ایک ڈیوائس اس کے ساتھ اٹیچڈ تھا۔ اس دائیں طرف بیٹھے آدمی جس کا نام حسین تھا اپنے بھائی حسن کے ساتھ سکرین پر نگاہ جما کر بیٹھ گیا۔ چند ایک کیز کو دبانے کے بعد ایک بغیر آواز کے فلم ان کی نگاہوں کے سامنے چلنے لگی تھی۔ حسین نے فتح کن نگاہوں سے اپنے بھائی کو دیکھا اور اپنے کان کا ائیر رنگ اتار کر اسے چند ایک تاروں سے جوڑنے کے بعد لیپ ٹاپ کے ساتھ کنیکٹ کر دیا۔ آواز چلنے لگی تھی۔ اب کی بار حسن نے اپنے چھوٹے بھائی کی پشت کو شاباشی والے انداز میں تھپتھپایا تھا۔ اس نے گیلی آنکھوں سے اس شاباشی کو وصول کیا اور آواز اور ویڈیو کو اپنے ہاتھوں کے جادو سے ایک ساتھ ملا کر کافی ساری کاپیز بنا لیں۔

"اب یہ موٹا سانڈ ہمارے سے بچ کر دکھائے۔ اسے لگا تھا ہمارے باپ کو بے موت مروا کر وہ ہمیں دربدر رلنے کیلئے چھوڑ دیگا تو یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ وہ شاید بھول رہا ہے ہم بھی اس کے عیاش بیٹے کے دوست ہیں جسے

بڑی مشکلوں سے پھانس کر کچھ عرصے میں ہی ہم اس مقام تک پہنچے کہ یہی خواجہ ہمیں اس کی پرائیویٹ کانفرنس میں بلانے پر مجبور ہو گیا ہے۔"

حسن کے منہ سے نفرت کی بو نکل رہی تھی جسے سونگھتے ہوئے حسین کی آنکھوں میں بھی انگارے بھڑک اٹھے۔وہ اس سے بھی زیادہ انتقامی لہجے میں بولا۔

"بلاتا کیوں نہ، اتنے عرصے اس کے کالے کاموں میں اس کا ساتھ جو دیا ہے لیکن بھلا ہو اس ایس ایچ او کا جو اپنی پرانی دشمنی نکالنے کی خاطر کسی اور پر فوکس ہی نہیں کر پایا، بھائی کیا کہتے ہو اس ویڈیو کو وائرل کر دیں؟"

حسن نے نفی میں سر ہلا کر اس یو ایس بی کو دیکھا جس میں ان کے خزانے کی چابی قید تھی۔

"نہیں حسین، ہمارے باپ کی جان اتنی سستی نہیں تھی، اس موٹے کو جب تک میں خالی نہیں کرونگا مجھے چین نہیں آئے گا۔قدرت نے بڑا اعلیٰ موقع دیا اس سے فائدہ نہ اٹھایا تو ساری عمر پچھتاوؤں میں گزر جائے گی۔"لیپ ٹاپ کی سکرین کو تاریک کرتے ہوئے وہ کسی گہری سوچ میں گم اپنے چھوٹے بھائی کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر پکڑے گئے تو؟ خواجہ ریاض کو ہمیں ہلکا نہیں لینا چاہیے۔اس کی پہنچ پرائیویٹ انٹیلی جنس ایجنسیوں تک ہے جو ہمیں پاتال سے بھی نکال لیں گی۔"

حسین کا ڈر بجا تھا۔حسن نے ایک زبردست پلان بنایا اور پھر خود کو داد دیتے ہوئے کہنے لگا۔

"کوئی مسئلہ نہیں، جب ہمیں سرکاری ایجنسی کی پشت پناہی حاصل ہو گی تو یہ پرائیویٹ ایجنسیاں ہمارا کچھ نہیں کر پائیں گی۔"

یو ایس بی کو انگوٹھے اور انگلی سے ہلاتے ہوئے وہ اپنی کرسی پر جھولنے لگا۔حسین نے ماتھے پر سوالیہ نشان سجایا اور استعجابیہ لہجے میں بولا۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا؟"

حسن نے کرسی چھوڑی اور کھڑے ہو کر اپنے بھائی کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔

"ڈیمو دکھاتا ہوں لیکن اس کیلئے تمہیں حوصلے سے کام لینا ہو گا۔ہمم۔" وہ واپس بیٹھا اور لیپ ٹاپ کو آن کر کے ایک ویب سائٹ نکالی اور وہاں میسج کر دیا ساتھ میں اس نے ایک فائل بھی اٹیچ کی تھی جو کہ وہی تھی جو

ابھی کے ابھی انہوں نے بنائی تھی۔

"یہ۔۔یہ کیا کردیا آپ نے، ہم پھنس جائیں گے۔" حسین خوف سے لرزتی آواز میں بولا کیونکہ میسج کسی اور کو نہیں بلکہ ایف آئی اے کو کیا گیا تھا۔

"جسٹ ریلیکس برو، ہم نہیں پھنسیں گے بلکہ ہم پھنسا چکے ہیں وہ بھی خواجہ ریاض کو۔ ڈرومت۔ اللہ پر توکل رکھو اور گہرا سانس لے کر آیت الکرسی پڑھو، یقین کرو سب ٹھیک ہونے والا ہے۔"

وہ اپنے بھائی کے دلاسے پر سر تو ہلا رہا تھا اور صدق دل سے آیت الکرسی بھی پڑھی تھی مگر پھر بھی اس کا دل عجیب وسوسوں میں گھرا کچھ بہت غلط ہونے کا سندیسہ دے رہا تھا۔ شاید یہ اس کا وہم تھا یا کچھ اور یہ ابھی تو پتا نہیں چل سکتا لیکن ہاں چند منٹ میں اس کا خلاصہ ضرور ہو جانا ہے۔ بس ان منٹوں کا انتظار ہے۔

☆......☆......☆

"تم کب سے کچن میں گھسے کیا کر رہے ہو نوفل؟" نانو نے اپنا سر کچن کے دروازے کے اندر ڈالا اور وہیں سے پوچھا کیونکہ ان کی نگاہ اپنے بک سٹور میں گھسی ایک نوعمر مشکوک لڑکی پر تھی جو پچھلے دس منٹ سے ندیدی نگاہوں سے کبھی ایک کتاب کو اٹھا کر دیکھتی تو کبھی دوسری۔ اس لڑکی کے بالوں پر سرخ ربن بندھا تھا اور گال کشمیری لڑکیوں کی طرح سیب جیسے سرخ تھے۔ آنکھیں گہری سیاہ تھیں اور رنگ دودھ جیسا۔ بلاشبہ وہ ایک پیاری لڑکی تھی۔

"میں معروش کیلئے ایک نئی ڈش بنا رہا ہوں۔ پچھلی بار بھی میں نے جب ان کے لیے چیز کیک بنایا تھا تو انہیں بہت پسند آیا تھا اس بار سوچا کچھ نیا بنالوں اور میٹھا بھی۔"

روانگی میں کہتے ہوئے اس نے اچانک کچھ سوچا اور ڈرتی نگاہوں سے نانو کی جانب دیکھنے لگا جو اپنی گردن پیچھے کو کیے بک شاپ میں جھانک رہی تھیں۔ ان کے کان نوفل کی جانب تھے لیکن نگاہ اس نوعمر لڑکی کی طرف جو اب آنکھیں بند کیے تازہ چھپی کتاب کی خوشبو کو دل میں اتار رہی تھی۔

"جو بھی کرنا ہے جلدی کر کے باہر آؤ۔" وہ اسے آرڈر دیتی اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گئیں۔ نوفل نے شکر کا کلمہ پڑھا کہ نانو نے ڈیوٹی آورز میں اسے یہاں بزی ہونے پر زیادہ کچھ نہیں کہا۔ وہ اپنے آپ میں شرمندہ ہوا اور

جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگا۔ اچانک اس کے سیل فون پر ایک پیغام آیا تھا۔ نوفل نے سیل کی روشن سکرین کو دیکھا۔ معروش کا نام پڑھتے ہی اس نے پاس پڑے ٹشو رول سے ڈھیر سارے ٹشوز نکال کر ہاتھوں کو رگڑا اور میسج کھول کر پڑھنے لگا جو کہ یہ تھا۔

"سوری نوفل! میں آج بزی ہوں اس لیے تم سے نہیں مل سکتی۔" مسکراتے ہوئے ایموجی کے ساتھ یہ میسج پڑھ کر نوفل کے دل میں اداسیاں بڑھ گئیں۔ اس نے کچن کی کھڑکی سے ڈھلتی شام کو دیکھا۔ لنچ ٹائم میں معروش نہیں آئی تھی اس لیے وہ اس کیلئے ڈنر کی تیاری کرنے لگا اور اب وہ کہہ رہی تھی کہ وہ اسے آج بھی نہیں مل سکتی۔ حد ہے بے رخی کی بھی۔ اس نے جلدی سے میسج ٹائپ کیا مبادا وہ آف لائن نہ چلی جائے۔

"میں نے ایک ہفتے سے آپ کو نہیں دیکھا معروش! آج تو آجائیں۔" اداسیوں سے بھرے دل اور امید سے بھری آنکھوں کے ساتھ اس نے میسج کو ہوا کے سپرد کیا جس کا جواب فوراً ہی آ گیا۔

"لڑکیوں جیسی حرکتیں مت کیا کرو نوفل خان! مردوں پر یہ چیزیں سوٹ نہیں کرتیں۔"

نوفل کی پوری آنکھیں کھلیں اور چہرے پر خون دوڑ آیا۔ اس کی گردن اچانک یہاں وہاں ہلی کہ کہیں پاس سے گزرتے کسی غیر مہذب انسان نے چلتے چلتے اس کے انباکس کی تا کا جھانکی تو نہیں کر لی۔ صد شکر ایسا نہیں ہوا تھا۔

"درست کہہ رہی ہیں۔" میسج کو بھیج کر اس نے اپنا ڈیٹا کنکشن آف کیا اور ایک ترحم بھری نگاہ اس نئی ڈش پر ڈالی جسے نام دینے کا کام اس نے معروش کے حصے میں چھوڑ دیا تھا۔ اگر انسان کے ہاتھ میں کوئی شے آجائے تو ایسے ہی بیوقت پڑی رہے۔ کچھ چیزیں ایسے ہی بے نام و نشان رہتی ہیں کیونکہ وہ ایک انسان کے رحم و کرم پر چھوٹ جاتی ہیں اور جو چیز انسان کی نظر عنایت پر رہے وہ پھر بیکار ہی رہ جاتی ہے۔

سیل فون کو اپنی جینز کی بیک پاکٹ میں ڈال کر وہ کچن سے باہر آیا اور شیشے کی دیوار کو پار کر کے بک اسٹور میں آ گیا جہاں وہ سرخ ربن والی کشمیری لڑکی اس کی منتظر تھی۔ وہ نوفل کو دیکھتے ہی اس کی جانب آئی۔ کتاب کو وہ واپس اس کی اپنی جگہ پر رکھ چکی تھی۔

"سلام! پہچانا مجھے؟" اس کا انداز ایسا اپنائیت بھرا تھا کہ نوفل اسے دیکھ کر چونک گیا۔ دماغ کے دریچے پر دور و نزدیک اس گلابی گالوں والی لڑکی کی کوئی شبیہ نہیں تھی۔ وہ پزل سا اسے پہچاننے کی سعی کرتے ہوئے بولا۔

"کوشش کر رہا ہوں لیکن یاد نہیں آ رہا۔ہم پہلے کہیں ملے ہیں کیا؟"

معروش راستے میں ہی تھی اور جان بوجھ کر نوفل کو ایسا میسج کر کے چھیڑ رہی تھی۔گاڑی سے نکل کر وہ اپنے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتی بک اسٹور کی جانب آ رہی تھی جب اچانک اس کی نگاہ نوفل اور اس لڑکی پر پڑی۔

اس نے اپنے بند بلاک ہیل والے شوز میں مقید پاؤں کو مزید حرکت دی اور تیز تیز چلتی اندر آ گئی۔

"ارے میں وہی تو ہوں جسے آپ نے اپنی سائیکل پر بٹھا کر لفٹ دی تھی، یہ کوئی ایک ماہ پہلے کی بات ہے۔یاد کریں، ایک انسان کی یادداشت کو اتنا کمزور ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔کیا آپ میوزک سنتے ہیں؟جو انسان میوزک سنتا ہے اس کی یادداشت کمزور ہو جاتی ہے۔"

معروش نے دروازہ دھکیلا اور بیکری کو کراس کرتی ہوئی بک اسٹور میں آنے لگی۔جس طرح نانو کے چہرے پر تجسس رقم تھا اسی طرح معروش بھی خود میں دنیا جہاں کا اشتیاق سموئے ان کے پاس آ کر رکی۔نوفل نے شناسائی کے رنگوں سے جگمگاتے چہرے کے ساتھ اس لڑکی کو دیکھتے ہوئے معروش کی آمد کو محسوس کیا تھا۔وہ اس کے دائیں جانب آ کر کھڑی ہوئی تھی۔

"جی بالکل، مجھے یاد آ گیا، کہیں کیسی ہیں آپ؟اور یہاں کیسے آنا ہوا۔"

اس دنیا میں جتنا بھی احترام تھا وہ نوفل خان کی رگوں میں دوڑتا تھا اور اس پوری دنیا میں موجود شائستگی کو چرا کر وہ اپنی آواز میں لے آیا تھا تبھی تو اس کا بولنے کا انداز، اس کی آواز سننے والے کو مبہوت کر دیتی تھی۔وہ لڑکی بھی ہوئی۔معروش ان دونوں کو خاموش تماشائی کی طرح سن رہی تھی۔

"آہ۔۔شکر خدایا یعنی آپ میوزک نہیں سنتے، اللہ آپ کی یادداشت میں برکت فرمائے۔میں یہاں اس لیے ہوں کیونکہ ایک بار پھر مجھے آپ سے لفٹ چاہیے اگر آپ فری ہیں تو۔"

اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں ستاروں جیسی چمک تھی۔نوفل کی شناسائی پر اس کے کشمیری گال اور زیادہ سرخ ہو گئے۔انہی سرخ گالوں ولیوں سے وہ شرمائے لجائے لہجے میں اس سے التجا کر رہی تھی۔معروش نے کوٹ کی جیبوں سے ہاتھ نکال کر سینے پر باندھ لیے۔اس کے ماتھے پر بے تحاشہ بل آن سمائے تھے۔وہ دونوں کو بیک وقت ہی دیکھ رہی تھی۔

"افسوس، میں اس وقت ڈیوٹی پر ہوں۔ آپ ایک کام کریں چھ بجے کے بعد آجائیں پھر میں آپ کو لفٹ دے دوں گا۔"

وہ اس لڑکی کے چہرے پر پھیلے دلکش رنگوں کو پہچان گیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ سامنے کھڑی لڑکی کون ہے۔ وہ تو راستے میں ملنے والے ہر دوسرے تیسرے بندے کو لفٹ دے دیا کرتا تھا۔ جن میں اکثر بڑے، بوڑھوں کے ساتھ لڑکیاں بھی ہوتی تھیں۔ اب یہ کون تھی اسے نہیں معلوم تھا لیکن پھر بھی وہ اس کا دل رکھنے کی خاطر پہچان کو چہرے پر لے آیا تھا۔ نہیں لاتا تو وہ یقیناً اس کا خاصا وقت برباد کر دیتی۔

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے، میں تو ابھی آپ کے ساتھ جانا چاہتی تھی۔" نوفل نے اس کے اترے چہرے پر اپنی اچھی والی نگاہ ڈالی اور پھر اپنے سخی دل کے آگے ہار مانتے ہوئے جیب سے پیسے نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔

"یقین مانو، میں اس وقت بالکل بھی فارغ نہیں ہوں۔ میں یہاں کام کرتا ہوں۔ آپ کے ساتھ بالکل نہیں جا سکتا۔ آپ یہ پیسے لے لیں اور آٹو پر چلی جائیں مجھ سے پھر کبھی لفٹ لے لینا۔"

لڑکی کا چہرہ اور زیادہ گلال ہوا اور اس کی وجہ وہ شرمندگی تھی جو نوفل کے ہاتھ میں موجود پیسوں کو دیکھ کر ہوئی تھی۔ وہ جھٹ سے اپنا سر دائیں بائیں ہلا کر پیچھے ہوئی۔

"میرا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا۔ ٹھیک ہے میں پھر کبھی آجاؤں گی۔" وہ پھیکی سی اس کی سائیڈ سے نکل گئی۔ ناتو کی چندھیائی ہوئی نظروں نے آخر تک اس لڑکی کا پیچھا کیا تھا پھر انہوں نے نوفل اور معروش کو دیکھا جو اسی پوزیشن میں کھڑے تھے۔ حرکت میں آنے والا نوفل تھا جو معروش سے مخاطب ہوئے بغیر کتابوں کے ریک کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"تو میں یہ سمجھوں کہ تم مجھے اگنور کر رہے ہو۔" نوفل کے بڑھتے قدم رکے تھے۔ اس نے مڑ کر شاکی نگاہوں سے معروش کو دیکھا۔

"میں ایسا نہیں کر رہا۔ ہاں تھوڑا ٹائم لے رہا ہوں۔" شاکی نظریں، شاکی لفظ، شاکی چال، شاکی ایکسپریشنز۔

"وقت۔۔وہ کس لیے؟ میں نے ایسا تمہیں کیا کہہ دیا جو تم مجھے یوں ایٹی ٹیوڈ دکھا رہے ہو۔" وہ یونہی سینے پر بازو باندھے چلتی ہوئی اس تک آئی۔ معروش حبیب نوفل خان کی ناک تک آتی تھی۔ اپنی بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کر وہ اسے دیکھتی استفسار کر رہی تھی۔

"آپ بات کو غلط ٹریک پر لے کر جا رہی ہیں۔ میں آپ کو ایٹی ٹیوڈ نہیں دکھا رہا بلکہ آپ کو جتا رہا ہوں کہ میں آپ سے خفا ہوں۔"

معروش کے لبوں پر بیساختہ مسکان آنے لگی تھی مگر اس نے اسے کنٹرول کر لیا۔ لبوں کو تر کرتے ہوئے وہ یونہی سینے پر بازو باندھے بلینک چہرے کے ساتھ بولی۔

"خفا کس بات پر ہو تم مجھ سے، برائے مہربانی وہ بات بھی بتا دو۔" اس نے خالی آواز کے ساتھ اس سے پوچھا۔

"شاید آپ بھول رہی ہیں کہ وہ آپ ہی تھیں جو چند منٹ پہلے میری محبت کو عجیب سے انداز میں تول رہی تھیں۔ آپ نے مجھے ہرٹ کیا ہے معروش!"

وہ واقعی اس سے ناراض تھا۔ اس کی آنکھیں، اس کا انداز، اس کی آواز سب چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ معروش حبیب میں تم سے ناراض ہوں۔

"اس دنیا میں محبتیں بہت بانٹی جاتی ہیں۔ نفرتوں میں ڈوبی محبتیں، حرص و ہوس میں لپٹی محبتیں، بغض و کینہ پرور محبتیں، جھوٹ و دھوکے میں جمی محبتیں، دکھاوے کی محبتیں، بازاری محبتیں، مطلب کی محبتیں، حسد میں جلتی محبتیں، عداوت کے لفافے میں بند محبتیں غرض محبت کی صورت مسخ ہو کر اتنی بدصورت ہو گئی ہے کہ اس کا نام بھی ایسے لیا جاتا ہے جیسے یہ کوئی بہت ہی حقیر و ناپسندیدہ چیز ہو مگر آپس میں شیئر بڑے کھلے دل سے کی جاتی ہے کیونکہ اس دنیا میں محبت منافقت کا دوسرا نام ہے۔"

نوفل سانس روکے اسے سن رہا تھا۔ اس کی بات ختم ہوتے ہی اس نے ڈوبتے دل کے ساتھ معروش سے کہا۔

"یہ۔۔یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔" وہ گھٹن زدہ دل کے ساتھ تھوک نگلتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ معروش نے چند ساعت اس کے ہونق چہرے کی طرف دیکھا اور پھر اس کی نقرئی ہنسی پورے سٹور میں گونجنے لگی۔ وہ نوفل

کی طرف دیکھ کر دل کھول کر ہنس رہی تھی۔ ہنستے ہنستے گیلی آنکھوں سے اس نے نوفل سے کہا۔

"قسمے، تمہیں تنگ کر کے بڑا مزا آیا۔ میں تو تبھی تھی میں میچور ہو گئی ہوں لیکن نہیں اندر ابھی بچگانہ پن ہے مجھ میں۔" وہ ہنستے ہنستے کہہ رہی تھی۔ نوفل کا چہرہ سرخ ہوا اور وہ اسی سرخ چہرے کے ساتھ بولا۔

"معروش! اب آپ نے اپنی حد پھلانگ دی ہے، آپ کیسے کسی کی بے لوث محبت کو منافقت کا نام دے سکتی ہیں۔ آپ جانتی ہیں میرا دل کتنی زور سے دھڑکنا شروع ہو گیا تھا۔ مجھے لگا آپ مجھ سے بدگمان ہو رہی ہیں اور یہ احساس ہی شدید جاں گسل تھا۔"

وہ ایک ہی سانس میں بغیر رکے کہہ رہا تھا۔ یہ دیکھے بنا کہ اس کے اس کھلے اعتراف کی وجہ سے معروش جم سی گئی ہے۔ وہ رک گئی ہے، اس کی دنیا تھم گئی ہے، یہ بک سٹور، لاہور، پاکستان حتیٰ کہ پوری دنیا اس اعتراف کی وجہ سے رک گئی ہے۔ اگر کچھ ہے جو زندہ ہے تو وہ ہے معروش حبیب کا دل اور اس کی سماعت جس میں سامنے کھڑے لڑکے کے شیریں لفظ رس گھول رہے ہیں جو کہ یہ ہیں۔

"آپ سوچ بھی نہیں سکتیں میرے لیے کیا ہیں آپ، اگر آپ مجھ سے بدگمان ہو گئیں تو میں مر جاؤں گا۔ آپ مجھ سے بڑے سے بڑا مذاق کر لیا کرنا، یہ بھی کہہ دینا کہ نوفل خان شرم کرو خود پر کیونکہ میں تم سے نفرت کرنے لگی ہوں، بھروسہ رکھیں میں ان کڑوے لفظوں کو بھی دل پر سیل رکھ کر پی جاؤں گا لیکن کبھی مجھ سے بدزن مت ہونا۔ یہ احساس بہت تکلیف دہ ہے، بہت زیادہ۔"

معروش کی سیدھی آنکھ سے آنسو ٹپک کر گال پر گرا، ایک، دو اور پھر تین۔ وہ گلا کھنکار کر بولی۔

"میں۔۔" اس سے بولنا دشوار ہوا۔ نوفل کو اس کے آنسو دیکھ کر جھٹکا لگا۔ وہ بے تابی سے اس کے گرتے آنسوں دیکھ رہا تھا۔

"میں تم سے مذاق کر رہی تھی۔ وہ میسج بھی ایک مذاق تھا۔"

نوفل نے بے اختیار اپنا ہاتھ آگے کو بڑھایا لیکن گال سے تین انچ کے فاصلے پر روک دیا۔ ابھی اسے یہ اختیار حاصل نہیں تھا کہ وہ معروش کو ٹچ بھی کرے۔ پچھلی بار وہ بے اختیار ہو گیا تھا اس لیے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا لیکن ابھی وہ حواسوں میں تھا اس لیے رک گیا۔ ہاتھ کو بند کر کے اس نے پیچھے ہٹایا اور اس سے کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے، بھول جاتے ہیں اس بات کو بلکہ گزرے دس منٹ ہماری زندگی سے اریز کر دیتے ہیں کیا ہوا کیا نہیں ہم بھلا دیتے ہیں بلکہ میں تو فراموش بھی کر چکا ہوں اور آپ کو ایک بات بتاؤں میں نے ایک مزے کی ڈش ٹرائے کی ہے آپ کیلئے۔ آؤ میں آپ کو دکھاتا ہوں۔ یاد رہے آپ نے اسے ایک نام بھی دینا ہے۔"

وہ نہیں جانتا تھا کہ اسے کونسی بات ہرٹ کر گئی ہے لیکن معروش کا رونا اس کے دل پر گراں گزر رہا تھا اس لیے وہ سب کچھ بھلائے خوش ہوتے ہوئے اسے کہنے لگا۔ معروش نے دونوں ہاتھوں سے آنسو صاف کیے اور اس کے پیچھے چل دی۔ جاتے جاتے اسے نانو کی آواز سنائی دی تھی جو اس سے کہہ رہی تھیں۔

"معروش، مجھے تم سے اہم بات کرنی ہے، فری ہو جاؤ تو آنا۔"

☆......☆......☆

دن سے رات چڑھ آئی تھی لیکن کیا فرق پڑتا تھا۔ وہاں دن ہو یا رات بات تو ایک ہی تھی۔ ایک کال کوٹھڑی میں جہاں ہوا کیلئے بھی زمین میں ایک چھوٹا سا سوراخ تھا کسی بھی روشنی کے منبع سے محروم جگہ پر رات دن برابر ہی ہوا کرتے ہیں۔ بالکل ایسے جیسے کالی قبر میں ہوتے ہیں۔ وہاں وحشت ہوتی ہے۔ ڈر اور سیاہ اعمالوں کا بوجھ۔ ہاں رخسانہ کیلئے یہ کمرہ کسی بھی گناہ گار کی قبر سے کم نہ تھا۔ اسے اب احساس ہو رہا تھا کہ وہ کیا کر بیٹھی ہے۔ عرصہ ہوا اس نے اپنی سابقہ زندگی کے بارے میں سوچنا بند کر دیا تھا۔ خود کو وقت کے دھارے پر چھوڑ کر وہ یہاں کی عادی ہو گئی تھی لیکن اب اتنے عرصے بعد اسے سدرہ کی موت نے یہ احساس دلایا تھا کہ یہ جو ہم گزار رہے ہیں یہ زندگی نہیں بلکہ موت کی بدترین صورت ہے اور جہاں ہم رہ رہے ہیں وہ کچھ نہیں سوائے دوزخ کے۔

"ابو ٹھیک کہتے تھے دنیا ایک آزمائش گاہ ہے جس میں سے نکل گئے تو معتبر ٹھہرے نہیں تو قابل رحم۔" خلاء میں گھورتے ہوئے وہ خشک آنکھوں سے وہاں بیٹھی تھی۔ اپنے دل سے وہ جتنی بدعائیں ان لوگوں کو دے سکتی تھی دے دی تھیں۔ اب تو وہ تھا اور اس کا رب، باقی تو ساری مسافروں کی طرح اس کا ساتھ چھوڑ گئی تھیں۔ وہ نہیں جانتی تھی باقی سب کہاں ہیں اسے معلوم تھا تو اتنا کہ وہ کہاں ہے اور کیوں ہے۔

"جو نیک ہوتا ہے اس کا دل فسق و فجور سے پاک ہوتا ہے اور نیک وہی ہوتا ہے جو خود کیلئے ٹھیک ہو، جب ہم خود کیلئے ٹھیک کرتے ہیں حلال حرام میں تمیز کرنا سیکھ لیتے ہیں، ناجائز دوست نہیں بناتے، کسی کی دل آزاری نہیں

کرتے اور حق کے ساتھ رہتے ہیں تو ہم نیک ہیں۔ہاں نیکی ہماری نیت میں ہی تو پوشیدہ ہے اور نیت کا تعلق دل سے ہے۔"

وہ دونوں ہاتھ گھٹنوں میں دیئے بیٹھی تھی۔اس کے گھنگھریالے بال یہاں وہاں بکھرے ہوئے تھے۔ویسٹرن طرز کی فراک کے بازو غائب تھے اور ان بازوؤں پر اس کی پیاری دوست سدرہ کا خون جما ہوا تھا۔رخسانہ نے ہلکے سے سر کو جنبش دی اور اپنی ساکت آنکھوں کو اس جمے ہوئے خون پر روک دیا جو اس کے بازو پر تھا۔

"ہم اڑیں گے،بالکل ویسے ہی جیسے رنگ برنگے پرندے فضاؤں میں اڑتے ہیں۔آزادی حق ہے اور یہ حق ہمیں ضرور مل کر رہے گا۔"

سدرہ کے خوش فہم الفاظ ماضی سے اڑ اڑ کر آتے اس کے کان میں اکٹھے ہو رہے تھے۔ان دل شکن لفظوں سے وہ اندر سے پارہ پارہ ہوگئی۔اسے اپنی کسی ساتھی کے بول یاد آئے جو کہ یہ تھے۔

"کچھ ہمارے اعمال ہوتے ہیں اور کچھ ہمارے بھائیوں،باپوں یا شوہروں کی غلطیاں جن کا ازالہ کرنے کیلئے وقت ہمیں چن لیتا ہے۔تم سوچو تو سہی جب کوئی نوعمر لڑکا جوانی کے جوش میں غلط چیزیں دیکھ رہا ہوتا ہے تو کیا وہ اپنی آنکھوں سے زنا نہیں کر رہا ہوتا اور کیا وہ لڑکیاں جنہیں وہ دیکھ رہا ہوتا ہے کسی کی بہنیں،بیٹیاں نہیں ہوتیں۔اسی وقت اگر اس بڑھتے لڑکے کو سمجھا دیا جائے کہ نہیں بیٹا ان لوگوں کو مت دیکھو کیونکہ ان میں کسی کی عزت چھپی ہے۔اگر تم کسی کی عزت نہیں کرو گے تو کوئی تمہاری بھی عزت نہیں کریگا۔وقت بڑے کھیل کھیلتا ہے کیونکہ وقت ظالم ہے۔ضروری نہیں کہ جو ان ویڈیوز میں لڑکیاں ہیں ساری بری ہیں۔کوئی برا نہیں ہوتا،حالات اور مجبوریاں انسان کو برا بنا دیتی ہیں۔"

رخسانہ نے اپنی ساکت نظروں کو دوبارہ حرکت دی۔یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس میں سے زندگی ختم ہوتی جا رہی ہے۔کیا وہ مر جائے؟نہیں خودکشی تو حرام ہے۔لیکن حرام تو یہ کام بھی ہے جو وہ ان لوگوں کے فورس کرنے سے کرتی ہے۔وہ کیا کرے کیا نہ کرے۔اس کا دل بیٹھنے لگا۔وہ کمزور ہوگئی تھی،ڈھل گئی تھی۔اس نے ڈھلنا ہی تھا اندھیرے قبر جیسے کمرے میں کوئی بھی جاوید انسان ڈھل ہی جاتا ہے۔رات کے گہرے سائیوں میں اس نے خود کو دیوار کے ساتھ لگایا۔ایسا کرنے کیلئے اسے اپنے بیجان بازوؤں کا سہارا چاہیے تھا جنہیں زمین پر ٹکا کر

وہ پیچھے کوئی ہوئی۔اس نے جیسے ہی ہاتھ کو دیوار کے ساتھ لگایا کوئی چیز اس کے ہاتھ سے ٹکرائی تھی۔

چٹیل فرش پر کچھ بھی نہیں تھا تو پھر یہ کہاں سے آیا۔اس نے جھٹ سے وہ چیز اٹھائی اور کچھ نہیں بلکہ وہ ایک لائیٹر تھا جسے اس نے لمحے کے ہزارویں حصے میں جلا دیا۔گھپ اندھیرے میں روشنی کسی کی دعاؤں کا سبب لگتی تھی۔تین انچ جتنے باریک لائیٹر میں سے نکلتی روشنی آگ کے گولے کی مانند لگ رہی تھی۔جو اندھیروں کا باسی ہو اسے تو چنگاری بھی شعلہ لگتی ہے۔اس نے بے دلی سے اس لائیٹر کو دیکھا پھر وہ اسے جلاتی بجھاتی رہی۔کبھی اس گھپ اندھیرے کمرے میں روشنی بھڑک اٹھتی تو کبھی اندھیرا بادشاہ بنا وہاں قہقہے لگاتا پھرتا۔

زندگی بھی تو ایسی ہی ہے کبھی تاریک سی تو کبھی روشن روشن۔کبھی گل وگلزار سی تو کبھی خاردار،کبھی بے فکر مسکراہٹ تو کبھی غمزدہ سا آنسو،کبھی محبت سی تو کبھی نفرت۔زندگی بھی تو ایسی ہی ہے۔

اس نے چند ساعتیں ایسے ہی کھیلتے گزاریں۔اس کمرے میں موجود دیواروں کو روشنی میں تکا اور پھر خود کو دیکھنے لگی۔اس کی نگاہ سدرہ کے خون پر آ کر رکی جو اس کے بازو پر جما اس میں جذب ہو رہا تھا۔بے اختیار خشک آنکھوں سے آنسو چھلک اٹھے۔وہ رو پڑی تھی اور یونہی روتے ہوئے اپنے بازو سے نگاہ ہٹا رہی تھی کہ اچانک اس پوری دنیا میں موجود کرنٹ کا جھٹکا لگا۔اس نے تحیر سے واپس گردن کو موڑا اور اپنے بازو پر نگاہ ڈالی۔اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کیونکہ وہاں فقط سدرہ کا خون نہیں تھا بلکہ اس خون سے اس کے بازو پر چار ڈجٹ لکھے ہوئے تھے۔

"کے ایس 49"

اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔یہ کس نے لکھا تھا کون لکھ سکتا تھا بھلا؟ اچانک اس کے دماغ میں صبح والا واقعہ گھوما اور ایک نام اس کے دماغ پر تحریر کر گیا۔

"ڈیوڈ۔" وہ زیر لب بولی تھی۔اس نے جلدی سے لائیٹر کو دیکھا۔وہ لائیٹر سیاہ رنگ کا تھا۔فقط وہ دو نقطے اور "ب" تھا جو سفید رنگ کا تھا اور باریک سا بنا تھا یعنی وہ سمائلی تھی۔خوف کے زیر اثر رخسانہ لرزتے قدموں کے ساتھ کھڑی ہوئی اور اس لائیٹر کو ایک بار پھر سے جلایا۔اسی روشنی میں وہ اس سمائلی کو دیکھ رہی تھی۔اس نے غور سے دیکھا اس سمائلی کے ساتھ ایک بہت باریک سا سیاہ بٹن تھا۔اس نے احتیاط سے اس بٹن کو پش کیا۔ایسا

کرتے ہی لائیٹر کی نچلی سائیڈ کھلی اور اس میں سے ایک پرچی باہر آئی۔ فولڈ ہوئی اس سفید پتلی پرچی کو اس نے گھبراتے ہوئے آہستگی سے کھولا۔ ایک انچ سے بھی کم کی لمبائی والی اس پرچی پر کچھ درج تھا۔ وہ اس تحریر کو پڑھنے لگی۔

" آزادی مبارک۔ " اور ساتھ میں اس پر چھوٹا سا دروازہ اور اس کے ساتھ لگی کوڈ مشین بنی ہوئی تھی۔ اس نے سختی سے اس پرچی کو ہاتھ میں دبوچا اور ڈوبتے دل کے ساتھ دروازے کے پاس آئی۔ اس کا دل سینے میں پسلیاں توڑنے لگا تھا۔ کانپتے ہاتھوں سے اس نے " کے " لکھا اس کے بعد " ایس " اور 4 کے ساتھ ہی اس نے جلدی سے 9 دبا دیا۔ ایسا کرتے ہی مشین میں سے ایک آواز آئی اور دروازہ دو حصوں میں چاک ہو گیا۔

رخسانہ کا سانس حلق میں اٹکا تھا۔ وہ دو قدم پیچھے ہوئی اور منہ پر ہاتھ رکھ کر کھلے دروازے کو دیکھنے لگی۔

" دیکھنا ایک دن ہم یہاں سے ضرور نکلیں گے۔ "

ڈیوڈ نے لائیٹر میں گھڑی کو بھی فکس کر دیا تھا اور پرچی پر اس نے وقت کو مینشن کیا ہوا تھا اور ابھی وہی وقت تھا جس وقت پر ڈیوڈ کا اشارہ تھا کہ وہ دروازہ کھولے۔ رخسانہ کی آنکھیں کھلے دروازے کو دیکھ کر لبالب پانیوں سے بھر گئیں۔ ساتھ ہی چہرے پر حقارت بھی پھیلی تھی۔ اس نے پھولے سانس کے ساتھ یہاں وہاں دیکھا اور پھر نیچے جھک کر سدرہ کے جمے ہوئے خون کو کھرچنے لگی۔ یہ کام اس نے ایک منٹ میں کیا تھا۔ اس کے بعد وہ احتیاط سے باہر آ گئی۔ باہر آ کر اس نے دوبارہ کوڈ اینٹر کیا۔ کھلے پٹوں کا پھر سے میلاپ ہوا۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر لائن میں بنی ان کال کوٹھریوں کے درمیان میں سے بھاگ کر گزر رہی تھی۔ ابھی وہ اس گلی نما جگہ سے نکلی بھی نہیں تھی کہ کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر زور سے اسے کھینچا۔

☆......☆......☆

پیپر ویٹ کو گھماتے ہوئے وہ کسی عمیق سوچ میں گم تھا۔ اس کی سورج کی کرنوں جیسی سنہری آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں اور چہرے پر پریشانی کے جال چھائے ہوئے تھے۔ اس کا پورا وجود کھوئے ہوئے دماغ کا غمازی تھا یعنی وہ یہاں موجود تو تھا لیکن یہاں تھا نہیں۔ کھڑکی کے پردے سرکے ہوئے تھے۔ ان سرکے ہوئے پردوں میں سے چاندنی چھن کر اندر آ رہی تھی۔ وہ چاندنی دیکھ رہی تھی کہ ایک گھنے بالوں و داڑھی والا وجیہہ

دکھتا نوجوان کب سے ایک ہی پوزیشن میں بیٹھا ہے۔شاید اسے کوئی پریشانی کھائے جارہی ہے یا پھر وہ کسی فیصلے میں غرق ہے۔

خلیفہ نے مدتوں بعد طویل سانس بھرا۔اس خاموش کمرے میں اس سانس کی آواز واضح سنی جاسکتی تھی۔اس نے اپنی سنہری آنکھوں کے اوپر موجود بھاری پلکوں کو جنبش دی۔اس کے ساتھ ہی ایک فلیش بیک ہوا۔جس نے وقت اور جگہ بدل دی تھی۔ایسا لگ رہا تھا جیسے وقت خلیفہ کے آفس میں آکر بدل گیا ہو۔منظر کچھ یوں تھا۔

آسمان پر سجی گولڈن افشاں کی تھال اپنی پوری چمک کے ساتھ جگمگا رہی تھی۔نیلے پانیوں جیسے آسمان کے نیچے ایک خوبصورت سا جاگنگ ٹریک تھا جس کے ایک درخت کے نیچے جھولے پر ایک لڑکی گم صم سی بیٹھی تھی۔اس لڑکی کی فراک کا رنگ کتھئی تھا جو اس کے پاؤں کو چھوتی زمین کو لگ رہی تھی۔اس فراک کے اوپر اس نے فر والا سفید کوٹ پہنا ہوا تھا۔بال کھلے تھے اور دوپٹا ٹھنڈی ہوا کے سبب پیچھے کو اڑان بھرنے میں مصروف تھا۔اس اڑان بھرتے دوپٹے کی سمت میں ایک خوش شکل سا انسان بھاگتا ہوا آرہا تھا۔اس کی سانس پھولی ہوئی تھی اور ماتھے پر پسینہ چمکتا تھا۔وہ یمن کے پاس آکر رکا اور اس کے جھولے کی رسی کو تھام کر کہنے لگا۔

"کتنی نکمی ہو تم۔کیا ہو جاتا اگر ایک چکر لگا لیتی تو آفٹر آل آنٹی نے بھیجا ہی تمہیں اس لیے تھا میرے ساتھ۔" وہ پنجوں کے بل بیٹھ کر سپر میں سے پانی پیتے ہوئے اس کو دیکھ رہا تھا جو اداسی کی داستان لگتی تھی لیکن وہ بلال کی بات پر مسکرائی۔دل سے مسکرائی۔

"آج میرا موڈ نہیں تھا۔کل پکا ایک نہیں بلکہ دو چکر لگاؤں گی۔" اس لڑکی کی مسکراہٹ جادوئی تھی۔وہ جب جب مسکراتی تھی تو جیسے دنیا رک سی جاتی تھی۔اس کی آنکھیں بھی تو اس کا پورا ساتھ دیتی تھیں۔بلال نے نفی میں سر کو ہلا کر پھر سے بوتل کو منہ سے لگایا۔

"نہیں مجھے یقین ہے کہ ایسا نہیں ہوگا تم کبھی میرے ساتھ نہیں دوڑو گی۔ہم دونوں کے راستے جو الگ ہیں۔" بلال کے لہجے میں کچھ ایسا تھا جس نے یمن کو پوری طرح چونکا دیا۔وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔

"ایسا مت کہو، تم میرے بہت اچھے دوست ہو تو کیا ہوا اگر ہم ساتھ دوڑ نہیں سکتے، ساتھ چل تو سکتے ہیں نا۔" وہ کھڑی ہوئی تھی۔کھڑے ہوتے ہی اس نے اپنے ہاتھ فر والے کوٹ میں ڈال لیے تھے۔بلال کو اس کی

معصومیت پر ایک دم پیار آیا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ دوڑنے سے انسان جلدی تھک جاتا ہے ساتھ چلیں گے تو چلتے رہیں گے۔ بولو کہاں تک چلو گی میرے ساتھ؟" ذومعنی لفظوں کو اس خوشگوار ہوا میں چھوڑ کر وہ بھی کھڑا ہوا لیکن وہ لمبا تھا۔ یمن نے سر اٹھا کر سوچنے کی ایکٹنگ کی۔

"میں تمہارے ساتھ گیٹ تک چل سکتی ہوں" اپنی بات پر وہ خود ہی ہنسی۔ بلال بھی سر کو جھٹک کر مسکرا دیا۔

"کاش یہ ساتھ جنت کے گیٹ تک ہوتا اس گارڈن کے گیٹ تک نہ۔" دونوں چلنے لگے تھے۔ چلتے چلتے بلال کی زبان پھر سے پھسلی۔ یمن نے اس کی ایک اور ذومعنی بات کو نظر انداز کرنا بہتر جانا۔

"مومن کی زندگی میں کاش نہیں ہوتا۔" تیز ہوا کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ اس سے فاصلے پر چلتی کہہ رہی تھی۔ ان دونوں کے درمیان ایک بازو جتنا فاصلہ تھا لیکن پھر بھی جب ہوا کا جھونکا آتا یمن کا دوپٹہ بلال کے منہ پر آ لگتا۔ اس بار ایسا ہونے پر یمن نے اس کے دونوں کنارے ہاتھوں میں تھام لیے تھے۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن ہم تو انسان بھی ہیں اور مجھے لگتا ہے کہ انسان کی زندگی میں رج کر کاش ہوتا ہے۔" بلال نے جان بوجھ کر لمبا روٹ پکڑا۔ وہ شاید زیادہ سے زیادہ وقت یمن کے ساتھ گزارنے کا متمنی تھا لیکن اس کی یہ تمنا بس کچھ ہی منٹوں میں ادھوری رہنے والی تھی کیونکہ سامنے سے دی خلیفہ تبریز اپنے سیاہ جاگنگ ٹریک میں ملبوس سر پر ہڈ ڈالے دوڑا چلا آ رہا تھا۔

"تم اور تمہاری باتیں، یہ بتاؤ اسائنمنٹ تیار کر لی تم نے۔ اگر ہاں تو پلیز مجھے بھی دے دو کیونکہ میں اپنی اسائنمنٹ بنا نہیں پائی۔" ہوا میں شدت آئی تھی۔ آتی بھی کیوں نا خلیفہ جو سامنے سے چلتا آ رہا تھا۔ وہ ہوا کے زور کو چیرتا کسی شیر کی طرح دوڑ رہا تھا۔ اس نے یمن کو دیکھ لیا تھا۔ اس کی سنہری آنکھوں نے فرصت سے ان دونوں کو تکا اور دو قدم ان سے آگے نکل گیا۔

"میں دیکھ رہا ہوں یمن! کہ آج کل تم اپنی پڑھائی پر توجہ نہیں دے رہی۔ اگر تو اس سب کا تعلق میم انیسہ سے ہے تو بھول جاؤ اس بات کو، زندگی میں سب کچھ چلتا ہے۔ برے واقعات کو دل سے لگا کر رکھ لینا بیوقوفی کے سوا کچھ نہیں۔"

وہ کسی مخلص ناصح کی طرح اسے سمجھا رہا تھا۔ یہ الفاظ اس نے تب کہے تھے جب وہ دونوں چلتے ہوئے اور خلیفہ دوڑتے ہوئے ایک دوسرے کو کراس کر رہے تھے۔

"تم ایسا اس لیے کہہ سکتے ہو کیونکہ تم لڑکی نہیں ہو، بائی دا وے میری پڑھائی پر عدم توجہ میم کی سبب نہیں بلکہ میرے خود کے کچھ پرسنل معاملات ہیں۔ تم یہ بتاؤ مجھے اسائمنٹ دے رہے ہو یا نہیں؟"

خلیفہ ایک قدم ان سے آگے نکلا تھا۔ اس ایک قدم نے اس کے ماتھے پر ہزار بل ڈال دیے تھے۔

"تمہارے لیے تو جان بھی حاضر ہے۔" وہ دوسرے قدم پر رکا بلال کی ہنستی آواز پر اس نے گردن موڑ کر دونوں کی پشت کو دیکھا تھا۔ فشار خون آپ ہی آپ بڑھنے لگا اور گرم جوشیلے خون نے رگوں میں ٹکرانا شروع کر دیا تھا۔ ان کی ٹکر ایسی تھی کہ معلوم ہوتا تھا ابھی کے ابھی اس کے تمام جسم سے خون ابل پڑے گا۔ اس نے اپنے مہنگے جوگرز والے پاؤں کو پیچھے کو موڑا اور اسے آواز لگائی۔

"یمن!"

آواز میں، پکار میں، انداز تخاطب میں ایسا استحقاق چھپا تھا کہ دیکھنے والے عش عش کر اٹھیں۔ بلال نے تحیر سے گردن کو گھمایا کہ دیکھوں تو سہی یہ ہے کون جو اس کی دوست کو یوں سر راہ پکار رہا تھا۔ وہ دونوں ساتھ مڑے تھے۔ خلیفہ نے عین ان کے مڑنے کی پوزیشن میں اپنے سر سے ہڈ اتارا تھا۔ اس کا پسینہ پسینہ، غصے سے سرخ چہرہ ان دونوں کے سامنے تھا۔ بلال نے اس لمبے چوڑے انسان کو فرصت میں دیکھا تھا۔ دیکھ کر پہچان گیا۔ وہ ضرور اس سے گرمجوشی کا اظہار کرتا اگر جو وہ اس طرح یمن کو پکارتا نہ۔

"یہاں کیا کر رہی ہو؟" ایک اور حق چھلکاتا سوال۔ یمن کا دل اتھل پتھل ہونے لگا۔

"واک پر آئی ہوں۔" اسی ڈرے ہوئے دل کے ساتھ اس نے حیرانی بھری نگاہیں خلیفہ کے سپاٹ چہرے پر ڈال کر کہا۔ وہ اس کے انداز سے حیران ہوئی تھی۔ ہونا بنتا بھی تھا۔

"تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں، آؤ تو۔" وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ وہ تو کب کا اس کی محبت کو گڈ بائے کہہ چکا تھا لیکن وہ یمن کو کسی دوسرے کے پہلو میں چلتے دیکھ کر، خود کو اگنور ہوتا دیکھ کر صدمے میں آ گیا۔ بھلا جو اس کی چیز تھی وہ کسی دوسرے کی ہوئی ہے کبھی یا پھر خلیفہ تبریز کوئی اگنور کرنے والی چیز ہے؟ اس

کے اندر کا مرد اپنی محبت کو کسی دوسرے کے ساتھ دیکھ کر جاگ اٹھا۔ٹھیک ہے اگر دل بغاوت کر ہی چکا ہے تو اس پر جدوجہد کرنے کی بجائے کیوں نا سر خم کر دیا جائے اور یوں بھی جس چیز میں فائدہ ہو اس چیز کو پا لینا ہی بہتر ہے۔

"وہ، میں۔" یمن نے سر اٹھا کر بلال کو دیکھا۔خلیفہ کو اس کا تردد نا گوار گزرا تھا۔یمن کو اس کے ساتھ آنے کیلئے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں تھی۔خلیفہ نے قدم آگے بڑھائے اور پاس آ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"پھر ملتے ہیں برو، ابھی مجھے یمن سے خاص باتیں کرنی ہیں۔" پاکستان کا جانا مانا نام، انسان دوستی فاؤنڈیشن کا بانی خلیفہ تبریز بھرے پارک میں بلال کے سامنے سے یمن کا ہاتھ تھام کر اسے لے گیا اور وہ چپ کا کھڑا رہا کیوں؟ کیونکہ یمن کی آنکھیں اسے بہت کچھ سمجھا گئی تھیں۔آنکھیں دل کا آئینہ ہوتی ہیں۔زبان اکثر جھوٹ بول دیتی ہے لیکن آنکھوں پر گویا جھوٹ حرام ہے۔

وہ اسے کھینچتا ہوا اسی جھولے کے پاس لے گیا جہاں وہ ان دونوں کو بیٹھے ہوئے دیکھ چکا تھا۔وقت کے سینے پر وہ اپنی اور یمن کی یاد رقم کرنا چاہتا تھا۔اس نے بڑی سہولت سے بلال کے وجود کو وہاں سے مائنس کر کے خود کو ایڈ کر لیا۔

"کیا بات کرنی ہے آپ کو مجھ سے، یاد رہے میں پچھلی باتیں نہیں بھولی ہوں۔"

خلیفہ اسے ہاتھ سے تھام کر جھولے پر بٹھا چکا تھا اور اب وہ اس کے عین سامنے کھڑا تھا۔اپنے سیاہ جاگنگ سوٹ میں جوڑے بندھے بالوں کے ساتھ گہری داڑھی کو کھجاتے ہوئے وہ پر سوچ نگاہوں سے اسے دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

"مجھے تم سے صرف ایک بات کرنی ہے وہ یہ کہ آئندہ یہ انسان تمہارے آس پاس نظر نہ آئے۔" اپنے جذبات کو لے کر وہ بالکل شیور ہو چکا تھا تبھی لہجہ و آواز میں حاکمیت تھی۔

"کیوں؟ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں وہ میرا دوست ہے کبھی بھی میرے ساتھ ہو سکتا ہے اور آپ کو کیا فرق پڑتا ہے ان سب چیزوں سے، میں جیوں یا مروں آپ کو کوئی فرق نہیں پڑنے والا کیونکہ آپ تو انسان ہیں ہی نہیں۔"

وہ ایکدم چیخ پڑی تھی۔اسے خلیفہ پر شدید غصہ تھا۔خود محبت کا جگنو پکڑا کر وہ مکر چکا تھا اور مکرے ہوئے انسان کا یقین مر کر بھی نہیں کرنا چاہیے۔

"صحیح کہہ رہی ہو، میری طرف سے تم جیو یا مرو آئی ڈیم کیئر آباؤٹ یو لیکن ہاں اس بات کو ذہن نشین کرلو، تمہیں آئندہ اس آدمی کے ساتھ نہ دیکھوں۔ یہ اس کی صحت کیلئے اچھا ہے۔" وہ جھولے کی رسی کو تھامے ایسے کہہ رہا تھا جیسے واقعی اس نے یمن کو خرید لیا ہو۔ چہرے پر عجیب سے تاثرات لیے یمن نے کھڑا ہونا چاہا مگر نہ ہو سکی۔ وجہ خلیفہ کا ہاتھ تھا جو درمیان میں حائل ہو رہا تھا۔ ہوا کے جھونکے یونہی وقتاً فوقتاً چل رہے تھے۔ تیز چمکتے سورج نے تھکنا شروع کر دیا تھا تبھی اس کی روشنی مدھم ہو چکی تھی۔ اس مدھم روشنی نے ان دونوں کی باتوں میں دلچسپی لینی شروع کی اور سپاٹ لائٹ کی طرح درخت ہونے کے باوجود ان پر پڑنے لگی۔

"میں آپ کی بات کا کیوں مان رکھوں، ہیں کون آپ؟ وہی جو ہر وقت کہتے ہیں کہ یو آر جسٹ آ ٹائم پاس۔ جسے واقعی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس کی وجہ سے کسی کا دل دکھ سکتا ہے۔ دل کے درد کو جانتے ہیں آپ؟ جب جاننے لگیں تب کہنا اس طرح کی باتیں کیونکہ ابھی اس کی کوئی گنجائش نہیں۔"

گیلی نم دار آواز کے ساتھ کہتے ہوئے بالآخر اس نے خلیفہ کے ہاتھ کو پیچھے کیا اور اٹھ کر اس کے پاس سے نکلنے لگی مگر خلیفہ نے اس کی کلائی کو تھام کر اسے رکنے پر مجبور کر دیا۔ وہ اس کی کلائی تھامتے ہوئے اس کے سامنے آیا اور اس کے بالوں پر گرتے چھوٹے چھوٹے سفید و پیلے امتزاج کے پھولوں کو ہٹاتے ہوئے کہنے لگا۔

"تمہاری جو ویلیو ہے میری زندگی میں اس کا تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتی، تم خلیفہ کا دل ہو یمن اور دل صرف ایک ہی ہوتا ہے۔"

وہ بغیر اس کی بات کا نوٹس لیے اپنا ہاتھ چھڑوا کر چلی گئی۔ ہاں خلیفہ نے اس کی نم آنکھیں ضرور دیکھی تھیں جن میں بہت سے رنگ پنہاں تھے۔

اس نے مڑ کر یمن کو جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ جا رہی تھی جب خلیفہ کا سیل کال سے تھرتھرا اٹھا۔ اس نے نمبر دیکھا معروش کا تھا۔ یمن سے اپنا رخ موڑ کر وہ دوسری سائیڈ پر جانے لگا۔ گیٹ سے باہر نکل کر اس نے گاڑی کو سنبھالا تھا۔ اس دوران وہ معروش کی بات سن رہا تھا۔

"اچھے پلانر ہو۔ برطانیہ ہونے کے باوجود خود کو یہاں لائیو نشر کروایا۔ کیا کسی قسم کی انسکیورٹی تھی؟" اتنے عرصے بعد ان کی براہِ راست کوئی بات ہو رہی تھی۔ خلیفہ کا موڈ اچانک ہی بدلا۔ تھوڑی دیر قبل کی کثافت اڑن

چھو ہوئی اور وہ اس سے کہنے لگا۔
"ہاں تھی، یہی کہ کہیں پاکستان والے یہ نہ سمجھیں کہ ہم دونوں کے بیچ کچھ چل رہا ہے اور اس کچھ چلنے والے سین کو گڈ ٹائم دینے کیلئے ہم ایک ساتھ غائب ہیں۔" وہ خوشگوار موڈ میں اس کا موڈ غارت کرنے کا سامان کر چکا تھا اور یہ بات وہ اچھے سے جانتا تھا۔
"تم کتنے ذلیل انسان ہو نا خلیفہ تبریز، افسوس ہوتا ہے مجھے تم پر۔" اس نے ایک گاڑی کو اوورٹیک کیا اور مسکراتی آواز میں بولا۔
"ہائے کتنی حسین لگ رہی ہو گی تم اس وقت غصہ کرتے ہوئے۔ کاش میں تمہیں دیکھ سکتا۔ کہو تو ویڈیو کال کروں؟" اس کا واقعی شدت سے اسے دیکھنے کو دل چاہا۔ معروش غرائی۔
"میں نے تمہاری فضول گوئی سننے کیلئے فون نہیں کیا ہے۔ اس لیے کیا ہے تاکہ تمہیں بتا سکوں کہ تمہارا یہ وائٹ کالر جلد میلا ہونے والا ہے۔ تمہارا نام کرائم لسٹ میں آ چکا ہے، مبارک ہو۔" وہ مذاق اڑاتی آواز میں کہہ رہی تھی۔ خلیفہ نے محظوظ کن انداز میں اسے سنا اور پوری طرح اس کا دل جلاتے ہوئے بولا۔
"مجھ سے کسی نے پوچھا تھا کہ عشق کیا ہے۔ جانتی ہو میں نے اسے کیا جواب دیا؟ میں نے اسے کہا عشق معروش حبیب ہے جو صرف خلیفہ کی ہے۔"
معروش کو جلانے میں جو مزا خلیفہ کو آتا تھا شاید ہی اس دنیا میں کسی کو آتا ہو۔ وہ لفظوں کے میٹھے تیر چھوڑ کر اسے کڑوا کرنے کا ہنر جانتا تھا اور مزے کی بات تو یہ تھی کہ وہ سیکنڈوں میں کڑوی ہو جاتی تھی جیسے ابھی ہوئی تھی۔
"بھاڑ میں جاؤ تم۔" کہتے ساتھ ہی اس نے فون کاٹ دیا۔ خلیفہ نے قہقہہ لگایا تھا۔ ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس کی اچانک نگاہ اپنی دائیں طرف گئی جہاں اس کی یمن بلال کے برابر میں بیٹھی ہوئی تھی۔ دونوں کی کاریں ایک ہی رفتار میں آگے پیچھے تھوڑے سے فاصلے سے چل رہی تھیں۔ خلیفہ کی آنکھوں میں مرچیں بھریں۔ اس نے ہارن پر ہاتھ رکھے ہی اپنی کار کوان کی کار سے آگے نکال دیا۔
ماضی اور حال کے خلیفہ میں کوئی خاص فرق نہیں تھا۔ گزری باتیں یاد کرنے والے خلیفہ کی آنکھوں میں بھی اسی طرح کے جذبات تھے جس طرح کے ابھی کے خلیفہ کی آنکھوں میں تھے۔ اس کا ہاتھ اسی طرح حرکت میں

مصروف تھا۔ پیپرویٹ خلیفہ کا کھلونا بے محو گردش تھا۔ اس کی کرسی ویسے ہی ہولے سے جھول رہی تھی جیسے وقت کو یاد کرتے ہوئے وہ اسے جھلا رہا تھا۔ بھاری پردوں کی درز میں سے اسی طرح چاندنی چھن کر آ رہی تھی جس طرح پہلے وہ تا کا جھانکی کر رہی تھی۔ خلیفہ نے ایک اور طویل سانس لیا۔

"تو یعنی طے ہوا میں واقعی ناکارہ ہو گیا ہوں۔" اس کی سوچ ابھر کر سامنے آئی اور آتے ہی اس کے لبوں پر بے بسی سے لبریز مسکراہٹ چھا گئی۔

"میں واقعی اپنا دل ہار گیا۔" ژولیدہ سوچوں کو جھٹک کر اس نے پیپرویٹ کو چھوڑا اور اپنا باقی کا وزن بھی بیچاری کرسی پر ڈال دیا۔

"چلو جہاں اتنے کھیل کھیلے ایک محبت کا کھیل بھی کھیل لیتے ہیں، دیکھتے ہیں کیسی لذت ہے اس میں۔" اس کے دل کا کلام عروج پر تھا جب زوردار دستک کے ساتھ دروازہ کھلا اور رمیز رخسانہ کو کہنی سے گھسیٹتے ہوئے اندر لے کر آیا۔ وحشت میں ڈوبی رخسانہ اجڑے بالوں اور خون آلود بازو کے ساتھ خلیفہ کے سامنے تھی۔ جس کے چہرے پر اسے دیکھتے ہی سوالات ابھرے تھے۔ ان سوالات کو زبان ملی۔

"یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟"

اسے یاد آیا تھا کہ اسی رخسانہ کی وجہ سے اس کی یمن نے کہا تھا کہ اسے شرمندگی ہے۔ وہ جانوروں کے درمیان کھڑی ہے۔ یمن کے یہ الفاظ کتنے معنی خیز تھے یہ تو وہی جانتا تھا جو اس پر دل ہار چکا تھا۔ وہ جبڑے بھینچتے ہوئے اس ناپسندیدہ ہستی کو دیکھنے لگا۔

"بھاگنے کی کوشش کر رہی تھی، شکر کہ میں وقت پر پہنچ گیا، خلیفہ! اس کا انجام عبرت ناک ہونا چاہیے۔" وہ رمیز کے اشتعال بھرے جملوں پر اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک بھنورا چکاتا ہوا عین اس کے سامنے آ کر رک گیا جبکہ چہرے پر کڑوے کسیلے تاثرات تھے۔

"تم کہہ رہے ہو کہ یہ لڑکی بھاگنے کی کوشش کر رہی تھی، بھاگنے کی کوشش وہ بھی ہماری انتہائی نگہداشت والی جگہ سے۔ کیسے ممکن ہے یہ؟"

پوچھ تو وہ رمیز سے رہا تھا لیکن نگاہیں رخسانہ پر جمی تھیں۔ وہ اس کے زرد، مرجھائے ہوئے چہرے کو کھوج رہا

تھا۔ دفعتاً اس کی نگاہ رخسانہ کے بازو پر پڑی جہاں کچھ مٹے مٹے سے نقوش تھے۔

"اچھی کوشش کی تم نے اسے بچانے کی لیکن صد افسوس، موت اس کا بھی مقدر ہے۔" وہ اس کے چھلے ہوئے بازو کو اپنے ہاتھ سے سہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ رخسانہ کے چہرے پر حقارت آمیز تاثرات چھا گئے۔

"موت کا اختیار صرف اللہ کو ہے اے ظلم کے خلیفہ! تم دیکھنا اگر اللہ نہ چاہے تو اسے پتا بھی نہیں چھو سکے گا۔" بغاوت اس لڑکی کے لبوں سے چھلک رہی تھی جس نے باقی کی اسی فیصد لڑکیوں کی طرح سمجھوتا کر لیا تھا۔ خلیفہ کے لبوں پر تضحیک کے رنگ چھائے۔

"تم نے اگر مزید بکواس کی تو میرے پستول نے تمہیں لقمہ اجل بنا دینا ہے۔" رمیز نے اس کی گردن کی پشت پر سلور پستول کی نال کو گھساتے ہوئے کہا۔ خلیفہ نے ہاتھ کھڑا کر کے اسے شانت رہنے کا اشارہ کیا۔

"امید کرتا ہوں تمہارے لفظوں پر یہ دنیا آمین کہے اور وہ بچ جائے، صرف امید کرتا ہوں۔" اس نے صرف پر زور دیکر کہا تھا۔ ساتھ میں رمیز کو اشارہ بھی کیا کہ وہ اسے لے جائے۔ جس طرح بھیڑ بکریوں کی طرح وہ لائی گئی تھی اسی طرح لے جائی بھی گئی۔ اس کے جاتے ہی خلیفہ نے ایک نمبر ملا کر فون کو کان سے لگایا۔ تھوڑے سے انتظار کے بعد اسے ایک دلنشین "ہیلو" سنائی دیا تھا۔

"تمہارا جاسوس میرے پاس ہے اور ہر انسان کی طرح یقیناً اس کی جان بھی بہت قیمتی ہے۔ اس قیمتی جان کو بچانے کیلئے تھوڑا سا تعاون کرو اور آج کی رات ہم دونوں کے نام لکھو۔"

کہتے ساتھ ہی اس نے کال ڈسکنیکٹ کی تھی۔

☆......☆......☆

"مجھے بتاؤ، تم کوبرا کے بارے میں کیا کیا جانتی ہو؟" وہ ایک آرام دہ سا کمرہ تھا جس کی ایک ہلکے رنگ کی گلابی دیوار پر بھاری سفید پردوں کے عین اوپر لگا اے سی گرم ہوا پھینک رہا تھا۔ اے سی کے سامنے والی دیوار کے ساتھ نرم و ملائم سفید صوفہ تھا جس پر وہ دونوں ایک ساتھ بیٹھی تھیں لیکن اس طرح کہ وہ تھوڑی ٹیڑھی ہو کر ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کے پیچھے شیشے کی کھڑکی تھی جس کے پردے سمٹے ہوئے تھے اور شیشہ نم آلود تھا۔ اس نم آلود شیشے سے کافی دور ایک بلڈنگ کی کھڑکی میں سنائپر نشانہ لگائے ہوئے تھا۔ اس کی ہائی ڈیجیٹل گن کو ان

گیلے شیشوں سے قطعی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ بہت آرام وسکون کے ساتھ سٹالر لپیٹے معروش حبیب اور اس کے ساتھ بیٹھی لڑکی کو دیکھ سکتا تھا جو نایل کے سربراہ کے سیکرٹری کی بیٹی تھی۔

"میں اس کے بارے میں وہ سب جانتی ہوں جو شاید ہی کوئی اور جانتا ہوگا، میں آٹھ ماہ تک اس کی گرل فرینڈ رہ چکی ہوں۔ اس کے اندر کی ایک ایک بات مجھے معلوم ہے۔"

سنائپر کے کانوں میں لگے ہیڈ فونز میں کسی کی آواز گونجی تھی۔ شاید وہ کاؤنٹنگ تھی جسے گنا جا رہا تھا۔

"تین۔"

"جیسا کہ۔" معروش کا کیمرہ ایک بار پھر سے آن ہو چکا تھا۔ اس میں اس لڑکی جس کا نام جیزی تھا نے لبوں کو ہولے سے مسکراہٹ کے سپرد کیا پھر سنہری کپ میں سے کافی کا سپ لیا۔

"دو۔"

"جیسا کہ خلیفہ تبریز ایک لادین ہے، وہ کسی مذہب کو نہیں مانتا۔"

معروش کی آنکھیں اس بات پر بری طرح پھٹی تھیں۔ اس سچائی کو ہضم کرنا اس کیلئے مشکل ہوا۔ وہ تو یہ جانتی تھی کہ بھلے خلیفہ کا نام کسی زمانے میں نام رہ چکا ہے لیکن اس کے مذہبی خانے میں ہمیشہ اسلام پر ہی ٹک رہا ہے اور پھر اس کا اصل نام بھی تو خلیفہ تھا، وہ الجھ گئی۔

"کیا تم شیور ہو اس بات پر؟" جھٹکا بڑا تھا۔ مسلمان بنتا انسان، مذہب کو ہر گفتگو میں لاتا منافق ایک لادین تھا۔ اس نے اس حقیقت کو جاننے کے بعد خود کو سنبھالا۔

"بالکل، کوئی شک کی گنجائش نہیں، میں نے کہا میں آٹھ ماہ تک اس کی گرل فرینڈ رہ چکی ہوں۔"

"ایک۔"

معروش نے اثبات میں سر ہلایا اور اگلا سوال داغا۔

"کیا تم اس کے پچھلے نیٹ ورک کے بارے میں کچھ جانتی ہو؟"

"فائر۔" سنائپر کی گن سے دو گولیاں ایک ساتھ نکلیں اور برق رفتاری سے فاصلہ عبور کر کے شیشے کو توڑتی معروش کے ساتھ بیٹھی لڑکی کے سر میں گھس گئیں۔ اچانک شیشہ ٹوٹا اور بغیر آواز کی گولیوں نے دو جھٹکے اس لڑکی کو

دیے اور وہ دھڑام سے صوفے سے لڑھک گئی۔ معروش ہراساں سی کھڑی ہوئی اور ٹوٹے شیشے سے باہر کو جھانکا۔ بھلا بہت دور کھڑکی کی آڑ میں کھڑے اس آدمی کو اس کی آنکھ دیکھ سکتی تھی جو اس وقت "ڈن سر" کے الفاظ اپنے لبوں سے نکال رہا تھا۔ معروش نے زوردار انداز میں اس کھڑکی پر ہاتھ مارا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا سیل فون بجنے لگا۔

"مجھے تمہاری ساتھی کی موت پر افسوس ہے، کہو تو تعزیت کیلئے آجاؤں۔ یوں بھی اس دل کو تم سے ملنے کی چاہ ہو رہی ہے۔" خلیفہ کی متبسم آواز اس کے اندر جوار بھاٹا جلا گئی۔

"تم۔۔۔"

خلیفہ نے اچانک اس کی بات کاٹی۔ صاف دکھتا تھا وہ معروش کی حالت سے حظ اٹھا رہا ہے۔

"میں کیا، ڈیئر معروش؟" لبوں کو دانتوں میں جکڑتے ہوئے وہ شدت سے چاہ رہا تھا کہ اس وقت آگ سی بھڑکتی معروش کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے لیکن ہائے یہ بے ضرری خواہش بھی۔

"تم میرے ہاتھوں نہیں بچو گے خلیفہ تبریز! میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔" اپنے جذبات پر کنٹرول کرنے کے باوجود بھی وہ دھاڑ پڑی تھی۔ خلیفہ کا قہقہہ اس کے اندر تہلکہ مچا گیا۔

"میں بھی تو یہی چاہتا ہوں کہ تم مجھے نہ چھوڑو۔" اس نے مزید اسے چھیڑا تھا۔ معروش نے آنکھیں بند کر کے خود کو کنٹرول کیا۔

"ویسے تمہارے لیے ایک بری خبر ہے۔ تمہارا جاسوس میرے پاس ہے اور ہر انسان کی طرح یقیناً اس کی جان بھی بہت قیمتی ہے اس قیمتی جان کو بچانے کیلئے تھوڑا سا تعاون کرو اور آج کی رات ہم دونوں کے نام لکھو۔"

گرم لاوا سا خون تھا جو معروش کے دل و دماغ پر چڑھ کر اسے حواس باختہ کر گیا۔

"کیا۔۔۔ بکواس ہے یہ۔" ڈیوڈ کا خیال آتے ہی اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ اچانک اس کے دماغ پر ڈیوڈ کی سادہ سی ماں کا سراپا چھلکا۔ وہ پریشانی کی حد تک پریشان ہو گئی۔

"سوچ لو، فیصلہ کر لو اور جب فیصلہ کر لو تو مجھ سے رابطہ کر لینا، یقین کرو میرے گھر کے دروازے کب سے تمہارے منتظر ہیں۔"

کہتے ساتھ ہی اس نے کال کو کاٹا تھا۔ معروش سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اس نے سر اٹھایا اور جیزی کی ڈمی کو دیکھا جو گولی لگنے سے ٹوٹ چکی تھی پھر اس نے وہ ٹیپ ریکارڈر بند کیا جس میں سے جیزی کی ریکارڈڈ آواز آ رہی تھی۔ ایک کھیل خلیفہ اس کے ساتھ کھیل رہا تھا تو دوسرا معروش حبیب نے اس کے ساتھ کھیلا تھا۔ خلیفہ کے لیے جیزی مر چکی تھی اور اب معروش تسلی اور بغیر ڈرے جیزی پر کام کر سکتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ یہ جیزی ضرور خلیفہ کو سلاخوں کے پیچھے کرنے میں اس کی مدد کرے گی۔ سیل فون کو اپنے ٹراؤزر کی پاکٹ میں ڈال کر وہ کوٹ اوڑھتی باہر آئی۔ آ کر حفیظ کو اندر پھیلے گند کو صاف کرنے کو کہا اور گاڑی کو اڑاتی ہوئی آئی جی کے پاس آئی۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے، ہو سکتا ہے اس طرح ہمیں سمندر خان کے کلین کالر پر کوئی دھبہ مل جائے۔"

ساری بات سننے کے بعد وہ کچھ سوچتے ہوئے بولے تھے۔ معروش نے میز پر ہاتھ رکھا اور جھک کر کہنے لگی۔

"لیکن سر، یہ کیسے ممکن ہے وہ مجھے اپنے ساتھ رہنے کو کہہ رہا ہے۔ اس کی ڈیمانڈ ہے کہ میں نہتی آؤں کسی بھی اسلحہ اور فورس کے بغیر۔ بالکل تنہا۔"

معروش نے حیرت میں غلطاں ہو کر کہا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے باپ جیسے سر اسے اتنی آسانی سے جانے کو کہہ رہے ہیں۔ اسے گزرے پچھلے کچھ منٹوں پر یقین کرنا مشکل لگا۔

"کوئی بڑی بات نہیں، جیسا وہ چاہ رہا ہے ویسا ہی ہوگا۔" وہ پن کو اپنی دو انگلیوں میں گھماتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ معروش کو لگا اس نے غلط سنا ہے۔

"کیا کہا؟ یعنی۔۔۔ اوہ مائی گاڈ! کیا۔۔۔ کیا میں صحیح سن رہی ہوں۔" پزل و پریشان سی وہ ڈھنگ کے الفاظ ڈھونڈتی غائب دماغی کا شکار ہوئی تھی۔ ایسے جیسے سب سننے کے باوجود اس کی سماعت کو دھوکا ہوا ہو۔ سامنے بیٹھے بارعب شخص نے پن کو نیچے رکھا اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم پھنسا کر انہیں ٹھوڑی تلے ٹکایا۔

"ریلیکس، پر سکون ہو جاؤ اور مجھے غور سے سنو۔" وہ تحمل کے رنگوں سے سجے چہرے اور آواز کے ساتھ کہہ رہے تھے۔ معروش نے بولنا چاہا لیکن انہوں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے چپ رہنے کو کہا۔

"تم کہہ رہی ہو، خلیفہ نے کنڈیشن رکھی ہے تو کیا ایک جان بچانے کیلئے ہمیں اس کنڈیشن پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔ بالکل چپ ہو جاؤ اور صرف مجھے سنو۔" وہ عجلت میں بولنے لگی تھی مگر اب کی باران کی سخت جھڑکی پر لب

سے مضمحل سی بیٹھی رہی۔

"وہ چاہتا ہے تم اکیلی جاؤ۔ ایسا ہی ہوگا۔ تم وہاں اکیلی جاؤ گی تمہارے پاس کوئی اسلحہ نہیں ہوگا۔ ایسا تاثر ہم خلیفہ کو دیں گے۔ وہ سمجھے گا تم اکیلی ہو مگر ایسا نہیں ہوگا، جس مقام پر وہ تمہیں بلائے گا اس سے کوسوں دور ہماری فورس تمہاری نگرانی کر رہی ہوگی۔ تمہیں دیکھ رہی ہوگی۔ وہ سوچے گا کہ تم اسلحہ کے بغیر ہو جبکہ تم جدید ٹیکنالوجی سے بنے اسلحوں سے لیس ہوگی اور وہ پکڑ بھی نہیں پائے گا، ٹرسٹ می۔ آج کی رات بہت مزا آنے والا ہے۔"

معروش اب بھی مطمئن نہیں دکھ رہی تھی وہ جو کہنا چاہ رہی تھی اس کیلئے مناسب الفاظ نہیں ڈھونڈ پا رہی تھی۔ اس کے باپ جیسے سر نے ان لفظوں کو اس کے چہرے پر پڑھ لیا تھا۔ وہ کرسی کو حرکت کر کے آگے کو جھکے اور ہاتھوں کو آپس میں ملا کر کہنے لگے۔

"بے فکر ہو جاؤ خلیفہ تمہاری آبرو ریزی نہیں کریگا۔"

معروش نے تلخ آواز میں ان کی بات کاٹی تھی۔

"اس کی جرأت بھی نہیں ہے۔" پھر اس نے آنکھیں بند کر کے نچلے لب کو کچلا، چہرے کو دائیں جانب کر کے گہرا سانس بھرتی کہنے لگی۔

"مجھے معاف کر دیں، میں کچھ بھیانک سوچ کر جذباتی ہو رہی ہوں۔" نظروں کو جھکائے پشیمان سی معروش ان کو بہت بھلی لگی تھی۔ وہ جان گئے اس بھیانک بات کا لنک کس چیز سے جڑا ہے۔

"تم نے وعدہ کیا تھا ان گزرے برے دنوں کو کبھی یاد نہیں کرو گی، کسی بھی حوالے سے لیکن اب تم اپنا وعدہ توڑ رہی ہو۔ معروش! کسی ناپسندیدہ شخص کی وجہ سے تم اللہ کو ناراض نہیں کر سکتی۔"

اس نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھا تھا پھر روہانسی ہوتے ہوئے اس نے نم آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

"آپا کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا، وہ بھی تو کسی کی جان بچانے کی خاطر خود کو پھنسا بیٹھی تھیں۔"

اسے یاد تھے وہ دن جب اس کی آپا اپنی یونیورسٹی کی لڑکی کو بچانے ان کڈنیپرز کے اڈے میں گھس گئی تھیں۔ ان کی غلطی یہ تھی کہ وہ پولیس کے پہنچنے سے پانچ منٹ پہلے وہاں تھیں اور ان پانچ منٹوں نے اس کی آپا اور ان کو کھونے کے ڈر سے پیچھے جاتی معروش کو ایک برزخ میں لا پٹخا تھا۔ وہ برزخ جو اب بھی کافی ساری لڑکیوں کو خود

کے منہ میں قید کیے بیٹھی ہے۔

"یعنی میں سمجھوں، تم نے ڈیوڈ کی موت کو تسلیم کر لیا ہے۔"

معروش نے تڑپ کر نگاہ اٹھائی۔

"نہیں، ہرگز نہیں، میں نے یہ تو نہیں کہا۔" اسے جیسے شرمندگی ہوئی ہو اپنے ان گزرے چند منٹوں پر۔

"بالکل، ایسا تم نے نہیں کہا لیکن تمہاری آنکھیں کہہ رہی ہیں۔" پانی کا گلاس وہ اس کی طرف سرکاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ معروش نے اچانک گرتے ایک آنسو کو جھٹ سے صاف کیا اور گلاس میں سے گھونٹ گھونٹ پانی پینے لگی۔

"میں انہیں بھی سنبھال لوں گی، آپ بے فکر ہو جائیں۔"

انہوں نے کندھے اچکا دیے پھر ان کے چہرے پر ایک الوہی سی چمک ابھری تھی۔

"آج کی شام گزار دو، کل کی صبح میں تمہیں بہت بڑی خبر دینے والا ہوں۔ ایم شیور وہ تمہارے موڈ کو بحال کر دے گی۔"

ان کے چہرے پر پھیلی چمک نے جیسے اسے حوصلہ دیا تھا۔ سر کو ہلاتی وہ کرسی پر آرام سے بیٹھ گئی۔

☆......☆......☆

عمران کی کافی شاپ میں اس وقت خاصی گہما گہمی تھی۔ کثیر تعداد میں وہاں لوگ کافی پینے کیلئے جمع تھے، ٹیبلز بک تھیں یہاں تک کہ کافی شاپ کے باہر رکھی کرسیاں بھی لوگوں سے بھری ہوئی تھیں۔ ان ڈھیر ساری پلاسٹک کی کرسیوں میں سے ایک پر نوفل پاؤں سیدھے کیے بیٹھا تھا۔ اس کے کپ میں ابھی چند گھونٹ باقی تھے۔ ان چند گھونٹوں کو وہ مسکراتے ہوئے ختم کرنے میں مگن تھا۔ خوبصورت دن کا اتنا پرکشش اینڈ تھا کہ وہ ڈوبتے سورج کی سرخی میں خود کو بھی سرخ محسوس کرنے لگا۔ کوئی بہت پرانے اٹیلین لوک گیت کی دھن کو گنگناتے ہوئے اس کی آئی بالز نے حرکت کی اور نظر کے راستے دل میں اس کو سما لیا جسے دیکھنے کی چاہ اچانک جاگ اٹھی تھی۔ وہ پورے دل سے لبوں کو پھیلا کر کپ میز پر رکھتا بھاگا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں تھے اور ہونٹوں پر بہت بڑا تبسم کھلا تھا۔ ہاتھ کے اشارے سے وہ ٹریفک کو تھم جانے کا کہہ کر بک اسٹور تک آیا اور شیشے کا دروازہ

دھکیل کر اندر کی جانب بڑھ گیا۔ معروش تک پہنچنے کیلئے اس نے اپنا کوٹ اتار کر بازو پر ڈال لیا تھا۔ وہ اس کے قریب پہنچا جو نانو سے کچھ بہت سنجیدہ بات کر رہی تھی۔ نوفل کو پاس آتا دیکھ چپ ہو گئی۔ اس نے ماحول میں پھیلی کثافت و گھٹن کو پا لیا تھا۔ استفہامیہ نگاہوں سے نانو کو تکا جو اب اپنی کرسی پر جا کر بیٹھ رہی تھیں۔ انہیں مڑ کر دیکھنے کے بعد نوفل نے اپنا چہرہ معروش کی طرف کیا اور سر کی جنبش سے پوچھا۔

"کیا ہوا؟"

گہرا سانس بھرتے ہوئے معروش شیشے کی دیوار کے ساتھ رکھی کرسی پر جا کر بیٹھ گئی، نوفل چلتا ہوا اس تک آیا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اب وہ دونوں آمنے سامنے براجمان تھے۔

"آپ کچھ بتا کیوں نہیں رہی ہیں۔ سب خیریت تو ہے؟"

معروش نے اپنے لبوں کو کچلا اور توقف کے بعد کہنا شروع کیا۔

"خلیفہ تبریز کے ساتھ میں آج رات گزارنے والی ہوں۔" اپنی بات کہہ کر اس نے پلکوں کو حرکت میں ڈالا۔ نوفل سفید چہرے کے ساتھ الجھن آمیز دکھنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دنیا جہاں کا تحیر آ گھلا۔ وہ چند ثانیے تک لفظوں سے محروم رہا۔

"یہ۔۔ کس قسم کا مذاق ہے معروش!"

آٹھ سیکنڈ لگے تھے اسے بات سمجھنے میں اور آٹھ سیکنڈ ہی اس نے لفظوں کو کھوجنے میں لگائے۔ ڈوبتے دن کا سندیسہ سورج کی خون آلود کرنیں آ کر انہیں دے رہی تھیں۔ شیشے کو چیر کر آتی کرنوں نے دیکھا کہ کیسے وہ نوجوان ہولے ہولے لرزنا شروع ہو چکا ہے۔

"مذاق نہیں حقیقت ہے پوری بات سنو۔" پھر اس نے تمام روداد نوفل کی سماعتوں میں انڈیل دی۔ سب کچھ کہنے، بتانے کے بعد وہ بلینک دکھتے نوفل کو دیکھ رہی تھی جس کے چہرے پر آہستہ آہستہ غصہ جگہ بنانے لگا تھا۔ سب کچھ سمجھنے، سب کچھ جاننے کے باوجود وہ بولا تو صرف اتنا۔

"آپ وہاں۔۔ نہیں جائیں گی۔" اس نے لفظوں کو چبا چبا کر کہا تھا۔ آنکھوں کے ساتھ اس کے چہرے پر بھی خون ابل آیا تھا۔ غصہ ایسا تھا کہ دیکھنے کے لائق۔ معروش اس کے جارحانہ انداز پر ششدر رہ گئی۔

"یہ ممکن نہیں ہے نوفل! اگر میں نہ گئی تو وہ اسے۔۔۔"

نوفل نے تیز چبھتی آواز میں اس کی بات کاٹی تھی۔ معروش حیران و پریشان اسے دیکھتی گئی۔ یہ کون تھا؟ کیا یہ اس کا نوفل تھا؟

"مجھے اس سب سے فرق نہیں پڑتا معروش! میں اتنا بے غیرت نہیں ہوں جو آپ کو کسی غیر مرد کے ساتھ تنہا چھوڑ دوں۔ میں۔۔اسے۔۔قتل کر دونگا۔"

معروش کی آنکھوں میں دھند چھانے لگی تھی۔ اس کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔ تھوڑی نے کپکپاہٹ کو پکڑا اور دماغ نے سوال داغا کہ کیا یہ اس کا نوفل ہے جو اس طرح کی خطرناک باتیں کر رہا ہے۔

"اور بھی ہزار طریقے ہیں آپ لوگ پلان بنائیں اور اس خبیث انسان کو ختم کر دیں لیکن آپ وہاں نہیں جائیں گی۔ کوئی گنجائش ہی نہیں۔"

وہ جو لاکھی بنا آس پاس کی پرواہ کیے بغیر اس پر حکم چلا رہا تھا جو آرڈر لینے کی نہیں بلکہ دینے کی عادی تھی۔

"اس کے پاس ہمارا ایک جوان ہے نوفل! وہ انسان ہے جو بہت ساری بہنوں کا بھائی ہے۔ اگر میں وہاں نہ گئی تو ضرور کچھ غلط ہو جائے گا۔ تم اتنے خود غرض تو نہ تھے۔" معروش بے یقینی کی مورت بنی مایوسی سے بولی۔ نوفل نے قطعیت سے کہا۔

"میں خود غرض نہیں ہوں معروش، لیکن ہاں یہ میری محبت ہے جو مجھے خود غرض ہونے کا کہہ رہی ہے۔ بس تمام بحث یہیں پر اختتام پذیر ہوتی ہے آپ وہاں نہیں جارہیں اینڈ دیٹس آل۔" اس نے جیسے اس بات پر مہر لگا دی تھی۔ حکم ہو چلا تھا جسے ماننا جیسے فرض ہو اور کہنے والا اس فرض کا مالک۔ معروش کھڑی ہوئی تھی۔

"میں تمہاری بات مانتی بلکہ میں ماننا چاہتی ہوں لیکن جہاں میں ایک انسان کی زندگی کا سوچتی ہوں وہاں بے بسی کسی تماشائی کی طرح میری منتظر ہوتی ہے میرے پاس اور کوئی راہ نہیں ہے نوفل ماسوائے اس کے۔"

وہ جانے لگی تھی مگر کرنٹ کھا کر رک گئی۔ حیرت کا مجسمہ بنی وہ سرخ کرنوں سے چہرے کو منور کرتی پلٹی۔ پلکوں کے ساتھ ساتھ آئی بالز کو حرکت دی اور چشم کو اپنے ہاتھ پر روک لیا جو نوفل کے سخت ہاتھوں کی گرفت میں تھا۔ ایسا پہلی بار تھا کہ نوفل نے اس کا ہاتھ اتنی سختی سے تھاما تھا۔ وہ کہیں بھی ساتھ جائیں کوئی کام کریں نوفل ہمیشہ

اس سے ٹچ ہونے سے اجتناب برتتا تھا۔ وہ جانتی تھی کئی بار اس کا دل کیا کہ وہ معروش کا ہاتھ تھام لے مگر وہ رک جاتا تھا۔ تھم جاتا تھا کہ ابھی اسے اس چیز کی اجازت درکار نہیں تھی۔ ایک بار تو اس نے اپنی شدت سے ابھرتی چاہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے اس کے بازو پر لگے شولڈر کو پکڑ لیا تھا۔ یوں وہ ٹھنڈ میں آئس کریم کھاتے قدم سے قدم ملا کر چل رہے تھے۔ دور سے دیکھنے والے سمجھ جاتے تھے کہ وہ جو شریف لڑکا چل رہا ہے ہاں وہی جس کے بال چاکلیٹ رنگ کے ہیں۔ جس کی گہری سیاہ آنکھیں ہیں اور چہرہ دودھ سا سفید، جس کی چال میں اندلیسی لوگوں کی جھلک تھی اور لہجہ شستہ۔ وہ جو مسکراتا تھا تو لوگ مڑ مڑ کر دیکھنے سے خود کو روک نہ پاتے تھے اور جب بولتا تھا تو لفظوں سے بہترین تربیت و اچھے اخلاق کو ظاہر کرتا تھا۔ ہاں وہی لڑکا جو ایک پاکستانی لڑکی پر دل ہار بیٹھا تھا آج وہی اس دل کے ہاتھوں اتنا مجبور ہو گیا کہ اس کے کوٹ کا بازو پکڑتا اس کے ساتھ چل رہا ہے۔ کیوں؟ کیونکہ ابھی اسے ہاتھ پکڑنے کی اجازت نہیں ملی ہے۔

"راہ نکالنے سے نکلتی ہے معروش! اور کیا عزت سے بڑھ کر کوئی چیز ہو سکتی ہے؟" سر جھکائے وہ اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھامے بیٹھا تھا۔ اس کی گرفت میں ایسا احساس تھا کہ معروش کو اپنا ارادہ ڈگمگاتا ہوا لگا۔

"عزت سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا یہ حقیقت ہے۔ یقین کرو مجھے کچھ نہیں ہوگا اور اگر برا وقت آ گیا تو کیا تم مجھے چھوڑ دو گے؟"

جانے کیسے اور کیوں یہ سوال اس کے لبوں پر آ گیا تھا۔ نوفل نے مرچوں زدہ نگاہوں سے تڑپ کر چہرہ اٹھایا۔ اسے معروش کی بات میں پنہاں مفہوم نے بڑی چوٹ پہنچائی تھی۔ اس چوٹ کی تکلیف میں اس نے وہ اعلان کیا جسے سننے کیلئے یہ پوری روئے زمین اور محبت منتظر تھی۔ اس نے کہا اور کہہ کر اپنے الفاظ وقت کے دلفریب پنے پر نقش کر دیے۔

"کل ہم نکاح کریں گے معروش، اگر آپ کو میں میری غریبی کے ساتھ قبول ہوں تو میری نسبت میں آ جایئے گا۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑے ہی کھڑا ہوا۔ اسے کراس کر کے جانے لگا تھا لیکن پھر رک کر مڑا، مڑ کر کہا۔

"اور آپ کو وہاں جانے سے روکنے کا مقصد یہ نہیں تھا آپ کی پرواہ کرتا ہوں اس لیے کہا تھا یاد رہے میری محبت اتنی چھوٹی نہیں ہے، مجھے دکھ ہے کہ آپ نے اس پر شک کیا۔" اپنی بات کہہ کر وہ رکا نہیں تھا۔ معروش کا

اچانک سے دل بھرا اور اس سے وہاں کھڑا ہونا محال ہو گیا۔نانو نوفل کے جاتے ہی اس کے پاس آئی تھیں۔اس کے ہاتھ تھام کر محبت سے کہنے لگیں۔

"رشتے امتحان مانگتے ہیں بیٹا اور یہ امتحان ہی بتاتا ہے کہ کون اپنا ہے اور کون پرایا اور یاد رکھو غم زندگی میں خوشیاں دینے ہی آتے ہیں۔غم نہیں ہونگے تو ہمیں وہ ہمت و حوصلہ کیسے ملے گا جو ہم خود کو ہی دیتے ہیں اس ہمت و حوصلے سے ہی کٹھن سے کٹھن حالات کا سامنا کر کے جب ہم مسکراتے ہیں نا تو وہ ایک مسکراہٹ ہزار خوشیوں پر بھاری پڑ جاتی ہے، میں جانتی ہوں میری بچی بہت بہادر ہے۔"

نانو کی تسلی سے اس کے دل کو یک گونہ سکون ملا تھا۔اس نے بھری آنکھوں سے ان کے دھندلے چہرے کو کھوجنا چاہا مگر ناکام رہی۔گردن میں اٹکے گولے کو پیچھے دھکیلتے ہوئے اس نے وقت لگا کر نانو کو نوفل کے پرپوزل کا بتایا۔

"وہ کہتا ہے کل مجھ سے نکاح کریگا لیکن دکھ اس بات کا ہے کہ وہ مجھے مادیت پسند سمجھتا ہے۔اگر مجھے دولت یا پیسے سے لگاؤ ہوتا تو میں کیوں اس کی اور قدم بڑھاتی۔رک جاتی لیکن میں نے ایسا نہیں کیا نانو۔کیونکہ میں جانتی تھی جس انسان سے میں نے دل جوڑ لیا ہے وہ چھت توڑ لے گا لیکن مجھے بھوکا مرنے نہیں دیگا۔زندگی میں پیسے سے بڑھ کر بھی کچھ ہوتا ہے، ہاں یہ حقیقت ہے کہ پیسہ ہی آج کی سب سے بڑی ضرورت ہے لیکن جب آپ کے پاس مضبوط رشتے ہوں، پاکیزہ فیلنگز ہوں، جذبوں میں سچائی اور لگن پکی ہو تو پیسہ تو ثانوی چیز بن جاتی ہے۔"

نانو نے اس کے چہرے سے آنسو پونچھے اور ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے کہنے لگیں۔

"اللہ تمہیں بہت خوش رکھے گا معروش! میں نے کہا تھا نا کہ بس کچھ پلوں کا اندھیرا ہے پھر دیکھنا اجالا ہی اجالا ہو گا۔" خوشی کی تمازت سے ان کا چہرہ تمتما اٹھا تھا۔آنکھیں شکر ادا کرتی ہوئیں متورم تھیں۔

"لیکن وہ ناراض ہو گیا ہے۔" لبوں کو کچلتے ہوئے وہ کشمکش سی بولی۔

"کوئی بات نہیں، جتنی جلدی ناراض ہوا ہے اتنی جلدی مان بھی جائے گا۔چھوٹا سا دل تو ہے اس کا۔زیادہ دیر خفا نہیں رہ سکتا۔"

وہ سر ہلاتی کھڑی ہوئی تھی۔ "میں چلتی ہوں دیر ہو رہی ہے۔"

"فی امان اللہ۔" نانو نے ڈھیر ساری دعائیں پڑھ کر اس پر پھونکیں۔ جہاں معروش دروازہ کھول کر باہر جا رہی تھی وہیں یمن اپنی کلاس کے دروازے کو دھکیل کر اندر داخل ہوئی اور کرسی سنبھال کر بیٹھ گئی۔ وہ لیپ ٹاپ کھولے اس پر کسی ویب کو سرچ کر رہی تھی جب بلال اس کے پیچھے سے نمودار ہوا اور کرسی کو سرکاتے ہوئے اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ وہ بڑی گہری نظروں سے مصروف سی یمن کو دیکھ رہا تھا۔ کلاس میں کچھ اور سٹوڈنٹس بھی بیٹھے ہوئے تھے جن میں ثوبیہ بھی شامل تھی لیکن وہ اس وقت اپنے نکمے گینگ کے ساتھ گاسپ میں بزی تھی۔ اس لیے ان دونوں کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔

"میں دیکھ رہا ہوں آج کل تم مجھ سے کھچی کھچی سی ہو، آخر ایسی کیا بات ہے جس نے تمہیں مجھ سے دور کر دیا ہے۔" وہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے کافی دیر اس کی مصروفیت کو دیکھتا رہا اور پھر جب اسے یقین ہو چلا کہ سامنے بیٹھی پیچیدہ لڑکی نے اسے بھاؤ نہیں دینا تو وہ خود ہی بول اٹھا۔ آخر دل کا معاملہ تھا جھکنا تو تھا ہی۔

"تم غلط سوچ رہے ہو ایسا کچھ نہیں ہے، یاد کرو وہ تم ہی تھے جس نے مجھے سٹڈی میں سنجیدہ ہونے کا کہا تھا اس لیے آج کل بزی رہتی ہوں۔" اسے مطلوبہ ویب سائٹ مل گئی تھی۔ وہ خلیفہ تبریز کی ویب تھی جس کو یمن نے سرچ کرنا فرض سمجھ لیا تھا۔ بڑی ساری اسکرین پر خلیفہ کی میز کے اس پار بیٹھی ہوئی وجاہت سے لبریز تصویر یمن کی آنکھوں میں اپنا عکس بنانے لگی۔ وہ اس تصویر کو دیکھ کر ہی کہہ رہی تھی۔

"اتنی بزی کہ میری کال اٹھانا بھی تمہیں گوارہ نہیں۔"

وہ پیج پر نیچے آئی اور جاب کی ڈیٹیلز میں گھس گئی۔ ہاں اسے خلیفہ کے این جی او میں کام کرنا تھا تبھی تو وہ کب سے جاب آنے کی انتظار میں تھی۔

"تم فضول کے شکوے لے کر بیٹھ گئے ہو بلال، اس لیے میرے پاس ان سوالات کے جواب نہیں ہیں۔" اس نے اپنی سپر کا ڈھکن کھولا اور اسے ہونٹوں سے لگا لیا۔ تمام ریکوائرمنٹس کو فل کرنے کے بعد اس نے سینڈ کے بٹن کو پش کیا تھا۔

"ہاں کیونکہ اب تمہارے تمام جوابات صرف ایک انسان کے لیے جو مختص ہو گئے ہیں۔"

یمن نے سیکنڈ میں نظریں اٹھائیں دونوں بھنوروں کو آپس میں ملایا اور بولی۔

" کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" اس کا دل بے ربط ہونا شروع ہوا اور سانسوں نے توازن کھونے کا اشارہ کیا۔

" تم اچھے سے جانتی ہو کہ میں کس کے بارے میں کہہ رہا ہوں، ایک بات یاد رکھنا یمن! دل اسی کیلئے کھولنا جس کو تمہاری چاہ ہو نا کہ جس کی تم چاہ کرو، اس کھیل میں بڑے خسارے ہیں، بہت ماتیں ہیں، اتنے ہی قدم بڑھانا جن کا بھار تمہارا دل سنبھال سکے ورنہ بہت دکھ پہنچتا ہے۔"

یمن نے اس کی آنکھوں میں ٹوٹی کرچیاں دیکھی تھیں لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی کیونکہ جہاں بلال دل کے معاملے میں مجبور تھا وہیں اس کا بھی یہی حال تھا۔ وہ چاہ کر بھی خلیفہ کو نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

" اگر میری زندگی میں خلیفہ نہ ہوتا تو تم ہوتے۔" جذبات کی رو میں بہک کر اس کی زبان پھسل گئی تھی۔

بلال کے لبوں کا ایک کونہ پھیکے سے انداز میں پھیلا۔

" یہاں پر میں کہوں گا اگر میری زندگی میں تم نہ ہوتی تو کوئی نہ ہوتا لیکن میں آپشن نہیں بننا چاہتا یمن اور نہ ہی چاہتا ہوں کہ کبھی تم اس مرحلے سے گزرو۔ ہاں ایک سوال ضرور کرونگا جو شاید تمہیں دکھی کر دے۔" اس نے ٹانگ پر سے ٹانگ ہٹائی اور دونوں ہاتھوں کو باہم ملا کر جھک کر آگے کو ہوا پھر اس نے وہ کہا جس نے یمن کو لاجواب کر دیا۔ وہ گڑبڑا گئی تھی۔

" کیا تم۔۔اس کی زندگی میں ہو؟"

یمن کا سانس رکا تھا۔ چہرہ ستل ہوا اور لب نیم وا۔ اس نے روشن سکرین پر نگاہ دوڑائی جہاں خلیفہ کسی ریاست کے بادشاہ کی طرح غرور و تکبر کا مجسمہ بنا بیٹھا تھا۔ اس کے لب خشک ہوئے۔ اس کا لاجواب ہونا چہرہ بلال پر بہت کچھ ظاہر کر چکا تھا۔ اس نے کچھ نہیں کہا نہ ہی کوئی تضحیکی جملہ نہ ہی تلخ مسکراہٹ۔ وہ بس خاموش بیٹھی یمن کو دیکھتا رہا کہ محبت کو تکنا بھی کسی نعمت سے کم نہ تھا۔

☆......☆......☆

رات کی سیاہی اب اس کا مقدر نہیں تھی بلکہ اب اس سے بھی غلیظ جگہ تھی جہاں اسے رکھا گیا تھا۔ یہ اسلام آباد کے پوش علاقہ کا منظر ہے جہاں ذہنی مریض اپنی آنکھوں کی تسکین کیلئے خود کو گناہ کے پلڑے میں ڈالنے میں

آتے ہیں۔ جہاں ایک نائٹ بار اخلاقیات کی حدوں کو پھلانگتا قیامت کی نشانیوں کو ظاہر کر رہا تھا۔ جدھر لڑکی کو لڑکی کا ہوش نہیں تھا اور مرد کو مرد کا۔ سب آپس میں گم تھے کسی بھی جنس کی پرواہ کیے بغیر۔

معززین ورئیسوں کا یہ شہر اپنے اندر کس قدر گھناؤنے کھیل رچائے بیٹھا تھا یہ تو اس کے مکین ہی جانتے تھے یا پھر وہ لوگ جنہیں جاننے میں دلچسپی ہوتی تھی۔ مزے کی بات تو یہ تھی کہ یہاں کی پولیس بھی انہی لوگوں کے ساتھ تھی۔ اس طرح کے بارز اور نائٹ کلبز کو قانونی اجازت دیکر وہ لوگ قانون کی سطح سے گر چکے تھے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان بس نام کا اسلامی رہ گیا تھا۔ حال تو یہاں یورپی ممالک سے بھی گیا گزرا تھا بلکہ برائی میں یہ لوگ وہاں سے اپنا گراف دس گنا اوپر لے جا چکے تھے۔ بس فرق اتنا تھا کہ وہ یہ سب کھلے عام کرتے تھے اور یہاں پر ڈھکے چھپے کیا جاتا ہے۔ ارے معزز معاشرے کے معزز افراد جو ہیں۔ سمجھا کریں نا۔

اپنا کام کرنے کے بعد رخسانہ چند لڑکیوں کے ساتھ اس کمرے میں تھی جو اُن کیلئے مختص کیا گیا تھا۔ وہ نشے میں چور، گلابی آنکھوں کے ساتھ نیچے فرش پر آ کر بیٹھی اور اپنے سیاہ رنگ سے رنگے ناخنوں والے ہاتھ میں دبے سگریٹ کے کش بھرنے لگی۔ اس نے وہاں آتے ہی اعلان کیا۔

"اگر اب مجھے بھاگنے کا موقع ملا تو واللہ میں سمندر خان کو قتل کر کے بھاگوں گی۔" وہ حواسوں میں نہیں تھی بلکہ ٹن تھی۔ اگر ہوتی تو اس کمرے میں لگے کیمراز کو دیکھ کر کبھی یہ بات نہ کہتی لیکن چونکہ اب اسے سزائیں بھگتنے کی عادت ہو گئی تھی تو اب اسے کسی چیز سے فرق نہیں پڑتا تھا۔

"ششش، مت بھولو ہم دیکھے جا رہے ہیں۔" ایک ہمدرد لڑکی نے اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر اسے باز رہنے کو کہا۔ وہ اس کی بات سن کر پہلے بند لبوں سے ہنسی پھر گلا پھاڑ کر اپنا سر پیچھے کو گرائے وہ پاگلوں کی طرح ہنسنے لگی۔ لڑکی کو رخسانہ کی ذہنی حالت پر شک ہوا۔ وہ الجھی اور ٹیڑھی نظروں سے اسے دیکھے گئی جو کہہ رہی تھی۔

"یہی تو بات ہے ڈئیر کہ ہم دیکھے جا رہے ہیں مگر ہمیں پھر بھی خوف نہیں، ذرا سا بھی نہیں کیونکہ ہمارے دلوں پر تالے لگ چکے ہیں اور ان تالوں پر جمع بھورے زنگ نے اعلان کر دیا ہے کہ اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر جہنم کے نچلے درجے میں بھی پھینک دیا جائے کیونکہ وہ نچلے درجے سے زیادہ تکلیف یہاں پر سہہ چکا ہے۔" متورم پلکوں کے ساتھ وہ بیٹھے ہوئے گلے سے اونچا اونچا چیخ رہی تھی۔ یہاں پر عموماً وہی لڑکیاں آتی تھیں

جو سزا یافتہ ہوں یا پھر چنی گئی ہوں۔ رخسانہ سزا یافتہ تھی اور وہ لڑکی جو اس کے ساتھ بیٹھی تھی چنی گئی تھی۔

"ایسا مت کہو، ان باتوں سے درد ہوتا ہے۔" وہ لڑکی روہانسی ہوئی۔ رخسانہ نے غور سے اسے دیکھا اور قریب آ کر رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"کیا اب بھی درد ہوتا ہے؟ میں تو سمجھی تھی ہم لوگ تمام فیلنگز سے نبرد آزما ہو چکے ہیں۔" اپنی بات کہہ کر وہ پھر سے ہنسنے لگی تھی۔ ہنستے ہنستے اسے اچانک سدرہ کی یاد آئی تو وہ اچانک تھم گئی۔

"فکر نہ کرو، خلیفہ تبریز جلدی مرے گا تم دیکھنا۔" اسے صبح کے واقعات یاد آ گئے تھے جب خلیفہ کے حکم سے شیون اسے یہاں پھینک کر گیا تھا اور پھر ابھی چند گھنٹوں کی ہی تو بات ہے جب راؤنڈ پر آتے خلیفہ نے اسے بالوں سے پکڑ کر اپنے برابر کیا اور سرخ آنکھیں اس کے چہرے پر گاڑتے ہوئے کہنے لگا۔

"کیسی لگی یہ جگہ، انجوائے کر رہی ہو نا، کرو بے بی کیونکہ اس جگہ کے آگے تمہاری موت ہے۔" وہ اپنے لب اس کی آنکھوں کے قریب لا کر تضحیکی انداز میں کہہ رہا تھا۔ اس کے روم روم سے فتح کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔

"ایک دن یہی سوال کوئی تمہاری عزت سے پوچھے گا، دیکھنا تم۔" وہ اپنے پپڑی زدہ ہونٹوں کو ہلاتے ہوئے اس کے اندر آگ بھڑکا گئی تھی لیکن اسے اپنے جذبوں پر بڑے کمال کا کنٹرول تھا۔ ایسے ہنسا جیسے اس دنیا کا سب سے مزاحیہ لطیفہ اس کی سماعت میں ڈالا گیا ہو۔ وہ دو منٹ تک ہنستا رہا پھر اسے گردن کی پچھلی سائیڈ سے خود کے قریب کر کے اس کے کان میں گویا ہوا۔

"میں تمہاری بات سے ڈر گیا مائی بچ، مگر تم بھول رہی ہو خلیفہ کی کوئی عزت نہیں۔"

وہ اپنے لفظوں میں شعلے بھرتے ہوئے گرفت کو مضبوط کرتا کہہ رہا تھا۔ اس نے کوئی کو لمبا کھینچا تھا پھر وہ اس سے الگ ہوا۔

"کیا واقعی؟" خلیفہ نے جیسے ہی اس کے کان سے منہ ہٹایا وہ اسے دیکھتے سراپا سوال ہوئی۔ وہ پھر ہنسا، ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"پازیٹو۔"

رخسانہ نے زہر آلود سوچوں کو جھٹکا اور اس سہمی لڑکی کو دیکھا جو گھٹنوں کے گرد بازو پھیلائے بیٹھی تھی۔

"کیا تمہیں اس بات کا یقین ہے؟" وہ لڑکی گمان میں تھی۔ رخسانہ نے اس کے سر کو تھپکا تھا۔

"بالکل لیکن صبر لازم ہے۔"

وہ لڑکی اس کے یقین پر یقین کر کے تھوڑی پر سکون ہوئی تھی۔ باہر بار میں طوفان بدتمیزی مچی ہوئی تھی۔ ایسی ہی بدتمیزی گجی پہلوان کے بنگلے پر بھی مچ رہی تھی جہاں شراب وشباب دونوں موجود تھے۔

"ہم نے اچھا پلان بنایا، حسن، حسین کے والد کو مار کر ثبوت اس موٹے سانڈ کے خلاف چھوڑ دیے جو انڈر ورلڈ کا کنگ بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ سنا ہے آج کل پارلیمنٹرین کے روپ میں یورپ گیا ہوا ہے۔" اپنے مہنگے سگار کے کش بھرتے ہوئے گجی پہلوان اس گولڈن گن کو ہاتھ میں گھماتے ہوئے کہہ رہا تھا جو کہ سونے کی تھی۔ ظاہر چکنے لوٹے کی طرح اب اس کا مرید بن گیا تھا کہ اسے خود کو ہر حال میں اس خواجہ سے بچانا تھا۔ حسین، حسن والا معاملہ بھی ظاہر کے خطیر دماغ کی دین تھا۔

"اس کا تو کام ہی یہی ہے، معاہدہ کرنے کیلئے وہ اکثر و بیشتر ایسے سفر کرتا رہتا ہے لیکن آپ فکر نہ کریں انٹیلی جنس والوں نے اس پر کڑی نظر رکھ لی ہے۔ آج نہیں تو کل اسے پکڑا ہی جانا ہے۔" گجی کی خوبصورت سیکرٹری انداز و ادا سے کہتے ہوئے اس کی دل جوئی کرنے لگی۔

"بات تو سو آنے کی، کی ہے لیکن اصل مسئلہ سمندر خان ہے جو پاکستان کا ڈان بنا تمام سیاسی قوتوں پر اپنا پنجہ گاڑے ہوئے ہے۔ اس کا کردار بے داغ ہے اور کام سارے کالے، مجال ہے جو آج تک کسی ملکی وغیر ملکی ایجنسی نے اس پر ہاتھ ڈالنے کا سوچا بھی ہو۔"

وہ کڑوے کریلے کی طرح بھنا ہوا بیٹھا تھا۔ اس کی نگاہ سینیٹر کی نشست پر تھی لیکن اصل مسئلہ یہ تھا کہ سمندر خان کبھی اسے اس نشست کا دعویدار بھی نہیں بننے دیگا۔ اس پر ہاتھ ڈالنا ہوگا۔ ایسا ہاتھ جو اسے بوکھلا کر رکھ دے۔

"صحیح کہتے ہیں کسی میں اتنی جرأت نہیں کہ وہ سمندر خان پر نگاہ رکھنے کا بھی سوچے کیونکہ وہ حکومت کو چلاتا ہے اور حکومت اس کے اشارے پر ڈگڈگی والے بندر کی طرح ناچتی ہے اور ایجنسیوں کو بھی نچاتی ہے۔ بھلا وہ کیوں چھوڑنے لگے اپنی عیاشیوں کو، حکومتی تنخواہ سے ان کالے پیٹ والوں کا کہاں گزارا۔"

گجی پہلوان نے اپنی محبوب سیکرٹری کو دیکھا جو وقتِ آمد پر اس کے نکاح میں آنے والی تھی۔ پھر سر کو جھٹک

کر کہنے لگا۔

"سمندر کی ریڑھ کی ہڈی خلیفہ ہے اور خلیفہ کی کوئی کمزوری نہیں، یہی بات مجھے ہضم نہیں ہوتی۔ کچھ تو ہوگا جو خلیفہ کو مات دینے کا سہارا بنے۔ ہمیں ڈھونڈنا ہوگا اگر سمندر خان کو زیر کرنا ہے تو ہمیں خلیفہ کو ختم کرنے کا سہارا ڈھونڈنا ہوگا۔ میری سکس سینس کہہ رہی ہے کہ ہم بہت جلد اس ملک کی کالی طاقت کو ختم کر کے اپنا سکہ چلانے والے ہیں۔"

آنکھوں میں ڈھیروں ڈھیر عزائم لیے وہ گہری سوچ میں غرق تھا۔ اس کے چہرے پر آنے والے وقتوں کا طوفان رقم تھا جس نے شاید خلیفہ کو اس میں بہا لے جانا تھا۔

شاید۔

☆......☆......☆

فارم ہاؤس سے کوسوں دور ایک وین تیار کھڑی تھی۔ باہر سے وہ سیاہ دکھتی تھی لیکن اندر سے اس میں زندگی آباد تھی۔ اس وین میں آفیسرز اپنے اپنے کام سنبھالے بیٹھے تھے۔ دو لائنز تھیں۔ ایک سائیڈ پر سکرینز نصب تھی تو دوسری سائیڈ پر کانوں میں ہیڈ فونز لگائے کمپیوٹر سنبھالے آل سیٹ ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ لوگ آپس میں پشت کیے بیٹھے تھے۔ اس وین کے ساتھ کھڑی ایک اور وینٹی وین میں معروش تک سک سی تیار کھڑی تھی۔ وہ حفیظ سے کچھ بات کرنے میں مصروف تھی کہ اچانک نوفل دروازہ کھول کر اندر آیا۔ معروش اسے دیکھ کر چونک گئی تھی۔ وہ تو شام کا روٹھا اپنا سیل بند کیے جانے کہاں غائب تھا اور اب اچانک یہاں آ گیا تھا۔ معروش نے حفیظ کو جانے کو کہا۔ اس کے پاس سے گزرنے پر نوفل نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا پھر اس کے جاتے ہی وہ قدم قدم اٹھاتا معروش کے قریب آیا۔ اس کی آنکھوں میں دیکھا جانے والا درد تھا۔ سرخ ڈورے اپنا جال بن گئے تھے اور لب آپس میں شدت سے بھینچے ہوئے تھے۔ معروش نے اس سے نظریں چرائیں۔

"یعنی آپ اپنے فیصلے پر قائم ہیں۔" اس کی پھٹی ہوئی آواز اس لگژری وین میں گونجی تھی۔ ساتھ میں وہ تفصیل سے اس کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔ اس کے سیاہ بال کھلے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں ڈھیروں ڈھیر کاجل تھا اور ہونٹوں پر لپ اسٹک۔ معروش کے ہونٹوں سے نگاہ گرا کر اس نے گردن کو دیکھا جس میں ایک خوبصورت سا

نیکلس جھول رہا تھا۔ باریک آویزے اس کی کان کی زینت بنے ہوئے تھے اور کلائی پر گھڑی تھی اور ہاتھ انگوٹھیوں سے سجے تھے۔ گرے رنگ کے لانگ کوٹ کے نیچے اس نے گلابی رنگ کی ٹخنوں تک آتی فراک پہنی ہوئی تھی جس کے نیچے اس نے گرے لیڈیز ڈیزرٹ شوز پہن رکھے تھے۔ نوفل کو اس طرح خود کو تکتا پا کر معروش نے لب کچلے اور پھر آنکھیں اٹھائیں۔ وہ خون آلود نگاہوں سے ضبط کا پتلا بنا چہرے پر دکھ سجائے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ صاف دکھتا کہ وہ معروش کو اس حالت میں دیکھ کر ٹوٹ چکا ہے۔ اس ٹوٹتے ہوئے انسان نے اپنے لبوں کو جنبش دی۔

"آپ کا سٹولر کہاں ہے؟" اس کی آواز میں جسم کو چٹخا دینے والی سردی تھی۔ معروش کی گردن خود بخود سائیڈ پر رکھے صوفے پر گئی جس پر اس کا سلک کا سٹولر آدھا کارپٹ پر ڈھلک رہا تھا۔ نوفل نے اس کی نظروں کے راستے دیکھا اور لپک کر اس سٹولر کو اٹھا کر معروش کی طرف بڑھا دیا۔

"اسے پہنیں گی آپ، اس کے بغیر نہیں جائیں گی۔" قطعیت سے کہتے ہوئے اس نے ہاتھ کو مزید آگے بڑھایا۔ معروش نے بنا کسی حجت کے بالوں کو جوڑے میں جکڑا اور اس سٹولر کو سر پر باندھ لیا۔

"چہرے کو دھوئیں پلیز، یہ سب آپ پر سوٹ نہیں کر رہا۔"

مٹھیوں کو بھینچتے ہوئے معروش اس کی آنکھ کے کونے سے نکلتی سبز رگ کو باآسانی دیکھ سکتی تھی جو اس وقت بری طرح پھڑپھڑا رہی تھی۔

"اور یہ جو جیولری ہے اسے بھی اتاریں۔" اس کی مدھم مگر غراتی سی آواز پر وہ لب بستہ وہ سب کیے جا رہی تھی جو نوفل اسے کرنے کو کہہ رہا تھا۔ جانے کیوں اس کے اس طرح مان بھرے حق پر معروش کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ جیولری کی بات پر اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر کہا۔

"یہ گیجٹس ہیں۔"

نوفل نے سختی سے دانت کچکچائے تھے پھر پلکوں کو جھپکتے ہوئے وہ سرخ چہرے کے ساتھ بولا۔

"کوشش کرنا، اسے ختم کر کے آئیں یہ۔۔۔" پینٹ کی پچھلی پاکٹ سے اس نے سوئی جیسی باریک راڈ نکال کر اس کی طرف بڑھائی جس کا سائز انگلی جتنا تھا۔

"یہ رکھ لیں، اگر اس نے بدتمیزی کرنے کی کوشش کی تو یہ راڈ اسے ختم کرنے میں مدد دے گی، اس میں سانائیڈ زہر لگا ہے۔"

معروش نے چونکتے ہوئے نوفل کو دیکھا۔ وہ جانتی تھی اس انگلی جتنی راڈ کی قیمت کیا ہے اس لیے اس کا حیرت میں آنا بنتا بھی تھا۔

"یہ تمہارے پاس کہاں سے آئی، کس طرح سے لی ہے۔" مجسم حیرت بنی وہ سراپا سوال ہوئی۔ نوفل نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ باتیں بے بنیاد ہیں، معروش! میں نے اللہ سے دعا کی ہے، آپ سلامت رہیں گی۔"

کاجل بھری نم آنکھوں سے خود کو سنبھالا۔

"میں تمہاری بات مانتی، اگر میں مجبور نہ ہوتی۔" آنسوؤں کے گولے کو دھکیل کر اس نے کہا تھا۔ نوفل کے دل پر گھونسا پڑا۔ آنکھیں بند کر کے اس نے کچھ پڑھا اور پھر اس پر پھونک دیا۔

"اللہ آپ کا نگہبان ہے معروش، بے فکر ہو کر جائیں۔"

معروش نے ہتھیلی کی پشت سے اپنا اچانک گرتا آنسو رگڑا اور اثبات میں سر ہلا کر واش روم میں جانے لگی لیکن جاتے جاتے جیسے اسے کچھ یاد آیا تھا۔ مڑ کر پوچھا۔

"تم ہو گے نا یہاں پر؟"

نوفل نے نہ میں سر ہلایا۔

"اگر میں رہونگا تو یقیناً وہاں پہنچ کر اس انسان کو مار ڈالوں گا، میں قابیل کے قبیلے سے نہیں ہونا چاہتا۔" وہ یہ کہتے ہی وہاں سے چل دیا تھا۔ منہ دھو کر گہرے سانس بھر کر خود میں نفرت کی چنگاری جلاتی معروش اس وینٹی وین سے باہر آئی۔ اپنے سینئر آفیسرز کی ہدایت لیتے ہوئے وہ گاڑی میں بیٹھنے لگی تھی کہ سامنے اس کی نگاہ پڑی۔ وہاں اندھیرے میں نوفل سرخ آنکھوں کے ساتھ ہیوی بائیک پر بیٹھا اپنے کندھے پر ٹھوڑی ٹکائے اسے مڑ کر دیکھ رہا تھا۔ معروش کے ہاتھ اٹھاتے ہی اس نے زوردار انداز میں ریس دی اور بائیک کو بھگا لے گیا۔ معروش جانتی تھی یہ بائیک کس کی ہے۔ عمران کے علاوہ نوفل کا کوئی دوست نہیں تھا۔ وہ اکثر و بیشتر اس کے ساتھ ڈریسز

بھی شیئر کیا کرتا تھا۔ گہرا سانس بھر کر اس نے چہرے کے تاثرات کو سرد کیا اور سامنے دیکھنے لگی۔ بیس منٹ کی مسافت کے بعد اس کی گاڑی خلیفہ کے فارم ہاؤس کے گیٹ سے اندر جاتی دکھ رہی تھی۔ گیٹ پر موجود اس کے ویلکم کیلئے کھڑے مسلح افراد نے کار کو پارک کرواتے ہوئے اسکی تعظیم میں گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا تھا۔

"خلیفہ کی ریاست میں خوش آمدید۔" ایک ادھیڑ عمر پٹھان نے چہرے پر مسکان سجاتے ہوئے اس کے اترنے پر کہا۔ وہ سر ہلاتی چال میں کسی ملکہ کی سی تمکنت پیدا کرتی سیدھا چل رہی تھی۔ اس نے ابھی چار سٹیپس ہی چڑھے تھے کہ دیوار گیر دروازے کے پاس اسے رکنا پڑا۔ وجہ وہ سوٹڈ بوٹڈ دو جوان تھے جو دروازے کی سائیڈ پر میز کے پاس ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ ان کی میز پر چند ایک آلات رکھے تھے اور ایک جدید طرز کا لیپ ٹاپ بھی۔ معروش نے اپنی ایک بھنور کو طنز کے انداز میں اچکایا اور سرد مہری سے پوچھنے لگی۔

"یہ سب کیا ہے؟ کیا اس طرح مہمانوں کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔" اپنی ٹھنڈی جما دینے والی ٹھہری آواز کے ساتھ وہ سینے پر بازو باندھے کہہ رہی تھی۔ سر جھکائے ان میں سے ایک نے کہا۔

"مہمان کیلئے جان بھی حاضر، لیکن اپنی سیکورٹی بھی کوئی چیز ہوتی ہے نا، معذرت لیکن آپ کو یہ تمام آلات دینے ہونگے جو آپ اپنے ساتھ لائی ہیں۔ یہ سرکار کا حکم ہے۔" اس کے سامنے سے مشین کو پھیرا گیا تھا لیکن اس میں پھر بھی کسی بھی آلات کی نمائندگی نہیں ہوئی۔ اس نے اتنے ہائی کوالٹی کے گیجٹس پہن رکھے تھے کہ کوئی بھی انہیں بھانپ نہ سکتا تو پھر ان لوگوں کو کیسے علم ہوا۔ معروش کے ساتھ ساتھ اس کا سکواڈ بھی چونکا تھا جو دور سے ہی اسے دیکھ بھی رہا تھا اور سن بھی رہا تھا۔ سب نے ایک دوسرے کی طرف سوالیہ نگاہیں گھمائیں۔

"اور کیا ثبوت ہے کہ میں اپنے ساتھ آلات لائی ہوں؟" وہ سنبھل کر بولی تھی۔ پہلے والے نے ہی اس بار جواب دیا تھا۔ جواب کیا تھا اس نے ڈائنامائٹ چھوڑا تھا۔

"آپ اپنے گلے سے نیکلس اتار دیں، دائیں ہاتھ کی سیدھی انگلی میں پہنی انگوٹھی بھی ہماری تحویل میں دے دیں اور ہاں اس ریسٹ واچ کو بھی ضرور رکھ کر جائیے گا۔"

معروش کا ضبط سے برا حال تھا۔ اس نے دبی آواز میں اس بندے سے کہا۔

"اور اگر میں ایسا نہ کروں تو؟" وہ اسے ڈرانے کی غرض سے تھوڑا نزدیک ہو کر آنکھوں کو انگارہ کرتی کہہ

رہی تھی۔ وہ یہ بھول گئی تھی کہ یہ اس کی ٹیم نہیں ہے جس پر وہ اپنے وار چلا سکے۔

"اگر ایسا ہوا تو ہمیں ڈیوڈ کی لاش آپ کے قدموں میں لا کر رکھنی پڑے گی، یہ بھی حکم ہے۔"

معروش نے زور سے مٹھیاں بھینچیں، ایک تو اس نے اس آدمی کو مارنے کیلئے اٹھا بھی دی تھی لیکن اس نے خود کو راستے میں ہی روک لیا۔ مؤدب سادہ انسان معروش سے تھپڑ کھانے کیلئے بھی تیار تھا۔ ان سب پر لعنت بھیجتی وہ جلدی سے اپنا نیکلس اور دیگر چیزیں اتارنے لگی۔ اتارتے وقت اسے اپنے سینئر کی آواز سنائی دی تھی جو کہہ رہے تھے۔

"گھبرانا نہیں ہے، یاد رکھو ہم تمہیں دیکھ رہے ہیں۔" اس کے ساتھ ہی آواز بھی بند ہو گئی کیونکہ جو کانٹیکٹ تھا وہ اب ختم ہو چکا تھا۔

"یہ بیلٹ بھی اتروا دو جس پر کیمرہ نصب ہے اسے کیوں چھوڑ رہے ہو؟" ترخ کر کہتے ہوئے وہ اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس آدمی نے سپاٹ چہرے کے ساتھ ہی جواب دیا۔

"اس کا جواب تو آپ کو اندر سے مل سکتا ہے۔"

وہ اس کی بات سن کر اس کیلئے کھولے گئے دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ باہر کی نسبت اندر کا منظر ہی نرالا تھا۔ روشنیوں میں نہائے لان اور سوئمنگ پول سے جگمگاتے ہوئے پانی پر بغیر نگاہ ڈالے وہ سر اٹھائے دو لوگوں کی معیت میں چل رہی تھی۔ اس نے تو خلیفہ کے پالتو شیر کو بھی نہیں دیکھا تھا جو لان میں ٹہل رہا تھا۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ چلتی شیشے کے دروازے کے پاس پہنچی جس کا رنگ شربتی تھا۔ اس آدمی نے وہ دروازہ کھولا اور معروش کو اندر جانے کی اجازت دی۔ ایک سیکنڈ رک کر نوفل کی دی گئی راڈ کے ہونے کا یقین کرتے ہوئے اس نے گہرا سانس بھرا اور اس دروازے کو پار کر گئی۔ دور بیٹھی اس کی ٹیم نے ان تمام مناظر کو بخوبی دیکھا بھی اور انہیں نوٹ بھی کیا۔ وہ اندر آئی۔ سیاہ ماربل سے بنے اس فارم ہاؤس کی ہر شے سے قیمت جھلکتی تھی۔ ایسی ہی قیمت اس کے قدموں میں موجود اندر دھنستی قالین بھی بتا رہی تھی۔ وہ بغیر جوتے اتارے لگژری انداز میں سجے اس لاؤنج میں آگے بڑھنے لگی۔ جس کے جائنٹ صوفے بلیکش گرے رنگ کے تھے۔ دیواروں پر چند ایک بڑی بڑی پینٹنگز لگی تھیں اور وہ چند کی چند فحش تھیں۔ بڑے بڑے واز، دیوار گیر ایکوریم اور چھت پر جھولتا فانوس۔ اسے یہاں

حرام ہر جگہ نظر آیا۔ اپنے چہرے کے تاثرات کو درست کرتی وہ آگے بڑھ رہی تھی جب آہٹ پر صوفے میں دھنسا خلیفہ اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

"آ۔ آ، مرحبا ڈیئر جنم!" وہ ایک ادا سے صوفے سے اٹھ کر اس کے پاس آیا اور دل سے اسے خوش آمدید کہتے ہوئے اس کے پیچھے جا کر کندھوں سے کوٹ کو اتارنے لگا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اپنے کوٹ کو ہاتھ لگانے کی بھی اسے اجازت نہ دیتی مگر ابھی اسے مصلحت سے کام لینا تھا اس لیے اس کوٹ کے بازوؤں سے ہاتھ نکال کر وہ چھوٹی سی میز کے اس پار سنگل سیٹر پر جا کر بیٹھ گئی۔ اپنی فراک کو اچھے سے سیٹ کرتی، ٹانگ پر ٹانگ رکھے وہ بالکل سٹریٹ بیٹھی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنے پر آپس میں پیوست رکھے ہوئے تھے۔ خلیفہ میڈ کو کوٹ پکڑا کر چلتا ہوا اس کے پاس آیا اور تفصیل سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ گلابی رنگ کی ٹخنوں تک آتی تنگ بازوؤں والی فراک پر اس نے پیٹ پر گرے رنگ کا بیلٹ باندھا ہوا تھا۔ اس بیلٹ کے درمیان میں گول دائرہ تھا جسے دیکھ کر خلیفہ کے لبوں پر کمینی مسکان آن دوڑی۔ گرے رنگ کے سٹولر میں ڈھلے چہرے کے ساتھ وہ پھر بھی پیاری لگ رہی تھی۔ خلیفہ نے مسکرا کر ایک بھنورا چکاتے ہوئے اس کی تعریف کی۔

"ماننا پڑے گا حسن تم میں بھی ہے۔"

صوفے کی پشت پر بازو پھیلا کر گھٹنے پر پاؤں جمائے وہ اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کی داڑھی ہمیشہ کی طرح گھری تھی۔ بھورے شانوں تک آتے کچھ کچھ گھنگریالے ہوتے بال کھلے ہوئے تھے۔ وہ اس وقت سفید گھٹنوں سے ڈیزائن میں پھٹی ہوئی پینٹ اور بلیو ٹی شرٹ میں تھا جو پیچھے سے آگے کی نسبت دو انچ جتنی لمبی تھی۔ وہ ٹی شرٹ خاصی کھلی تھی۔ اس کا گلا گول تھا اور گلے کے آس پاس کندھے تک چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے۔ اس کی ڈھیر ساری چینز اس کے ابھرے ہوئے سینے پر جھول رہی تھیں اور ہاف بازوؤں میں سے اس کے مسلز صاف دکھائی دیتے تھے۔ معروش نے بیزاریت سے اس کی بات سنی اور کہا۔

"جیسی تمہاری فطرت ہے ویسی ہی تمہاری نظر بھی، کیا ہر لڑکی کو ایسے ہی کہتے ہو؟" ٹھنڈی آواز میں وہ خلیفہ کو ہنسنے پر مجبور کر گئی۔ معروش کی ٹیم بس ان دونوں کو دیکھ سکتی تھی۔ سننے سے قاصر تھی۔

"نہ آفیسر نا، آج ایسی باتیں نہیں، آج دل کی باتیں کرو تم۔ یاد ہے نا میں نے تمہیں یہاں کیوں بلایا ہے؟"

وہ اسے چھیڑتے ہوئے کہہ رہا تھا۔اس کی سرونٹس نے خلیفہ کی آن ڈیمانڈ پر کھانا اسی میز پر لگا دیا تھا۔اس کھانے کے ساتھ انہوں نے جاپان اور اٹلی کی مہنگی شراب بھی رکھی تھی۔

"کیا تمہاری یمن کو پتا ہے کہ آج تم کسی اور کے ساتھ ہو۔" اپنے تئیں اس نے خلیفہ پر بم چھوڑا تھا۔یمن کو خاصا دبا کر کہتے ہوئے وہ ویسی ہی ایکسپریشن لیس بیٹھی تھی۔گردن کو کھجاتے ہوئے خلیفہ نے نچلا لب دانت میں جکڑا اور پر سوچ انداز میں معروش کو دیکھنے لگا۔

"یمن کون ہے؟ کیا میری کوئی کولیگ یا پھر دشمن؟" کیا آ کسر ایکٹنگ کی تھی اس نے۔اب کی بار معروش نے ناک کے ذریعے مسکراہٹی آواز نکالی تھی۔

"نہیں، میں اس کے بارے میں بات کر رہی ہوں جس کے ساتھ آج کل تم ڈیٹ کرتے پھر رہے ہو، یمن حیات جو آج کل خلیفہ تبریز کے دل پر راج کر رہی ہے۔ایم آئی رائٹ؟"

ایٹی ٹیوڈ سے کہتے ہوئے وہ طنز کے تیر چلا رہی تھی۔اس کے سورسز سے پتا چلا تھا کہ آج کل خلیفہ تبریز چھپتا چھپاتا کسی لڑکی کے ساتھ ریلیشن میں ہے، یہ خبر سنتے ہی معروش خوش ہوئی تھی کیونکہ شاید یہ چیز خلیفہ کو بوکھلا دے لیکن اس کی سوچ غلط نکلی۔خلیفہ نے پھر سے نچلے لب کو جکڑ کر نفی میں سر ہلایا اور جب بولا تو معروش پر آسمان گرا چکا تھا۔

"یوں تو میں نوفل کا نام بھی لے سکتا تھا لیکن مجھے لگا کہ ہم دونوں کو صرف ہم دونوں کی باتیں کرنی چاہئیں کسی دوسرے کی نہیں لیکن چونکہ تمہیں میری پرسنل لائف میں کچھ زیادہ انٹرسٹ ہو چلا ہے تو ٹھیک ہے آج سے ٹونٹی فار سیون ہم نوفل کی بھی رکھوالی کر لیتے ہیں۔بائی دا وے، یمن حیات میرے دل پر راج نہیں کر رہی ہے بلکہ وہ صرف میری ضرورت ہے۔ہر نارمل آدمی کی طرح مجھے بھی ایک گرل فرینڈ چاہیے۔جب تک اس کی ضرورت رہے گی اسے رکھوں گا جب نہیں رہے گا تو ظاہر ہے وہ الگ میں الگ۔ویسے تمہاری معلومات خاصی ناقص ہیں خلیفہ کسی پر مرنے والا نہیں بلکہ دنیا خلیفہ پر مرتی ہے۔"

اترا کر کہتے ہوئے اس نے ایک وہسکی کا پیک بنا کر اس کی طرف کھسکایا اور دوسرا خود کے حلق میں انڈیلنے لگا۔خلیفہ کے منہ سے نوفل کا نام سن کر معروش چوکنا ہو گئی تھی۔اس کے دل میں تھوڑا سا نوفل کیلئے ڈر بیٹھا۔اس

ڈر کو اس نے زبان دی۔

"نوفل کے بارے میں کب سے جانتے ہو؟" رات گزارنی تھی اس کیلئے اسے باتوں کی ضرورت تھی اپنے پلان کے مطابق وہ اسی چیز پر عمل کر رہی تھی۔ خلیفہ نے سرخ مشروب کا ایک اور گلاس پیا اور کہنے لگا۔

"زیادہ عرصے سے نہیں یہی کچھ ایک ڈیڑھ ماہ سے، ویسے تم جیسی بہادر لڑکی کو اس جیسا عام اور غریب سا انسان سوٹ نہیں کرتا۔ خوبصورتی کچھ نہیں ہوتی معروش حبیب! آپ کے پاس پاور ہونی چاہیے پاور۔"

معروش نے اس کی بات پر چہرے پر تلخ تاثرات سجائے اور خوب دل کی بھڑاس نہایت ڈھٹائی سے اس پر نکالی۔

"بالکل، آپ کے پاس پاور ہونی چاہیے تاکہ آپ لوگوں کو لوگ نہیں بلکہ ایک شے سمجھیں جس سے دل بھر گیا تو اسے پھینک دیا۔"

خلیفہ جانتا تھا اس کا اشارہ کس طرف ہے۔ اس نے محظوظ ہوتے ہوئے سر ہلایا۔

"اسی میں تو مزا ہے، معروش جنم۔"

وہ اس کی جانب چیز پاستہ کا باؤل بڑھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ معروش نے اس کے کھانے کی ایک بھی شے کو ہاتھ نہیں لگایا۔ خلیفہ کب سے نوٹ کر رہا تھا کہ وہ کچھ بھی نہیں کھا رہی۔ اس کے شیطانی دماغ میں ایک خیال آیا جسے وہ زبان پر لے آیا۔

"بخدا ان سب چیزوں میں سے کسی میں بھی نشہ آور ادویات مکس نہیں ہیں، تم بلاخوف و خطر انہیں کھا سکتی ہو۔ ہم مہمان کا خاص خیال رکھتے ہیں اتنا کہ اس کی اجازت کے بغیر اسے گولی بھی نہیں مارتے۔"

معروش نے ٹانگ کو نیچے اتارا اور ہاتھوں کو باہم ملا کر آگے کو ہو کر بیٹھی۔

"اور اگر مہمان تمہیں مار دے پھر؟"

خلیفہ چند ثانیے اسے دیکھتا رہا پھر اسی انداز میں تحمل سے گویا ہوا۔

"تمہاری وہ چھوٹی سی بیکار راڈ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی نہ ہی تمہاری وہ ٹیم جو دور بیٹھی ہم دونوں کو دیکھ رہی ہے۔ اوہ کم آن معروش! حیران مت ہو خلیفہ اپنی سیکورٹی کے تمام انتظامات مکمل کر کے ہی دشمن کو دعوت دیتا ہے۔ تمہارا یہ بیلٹ میں نے اس لیے رہنے دیا ہے تاکہ سب کو معلوم رہے کہ تم پارسا ہی ہو۔"

آخری بات اس نے انتہائی سنجیدگی سے کہی تھی۔ کہہ کر اس نے جتا دیا تھا کہ وہ اس کے قریب نہیں پھٹکے گا۔اس کی آخری بات نے معروش کا چونکا دیا تھا۔ایک خوف،ایک ہچکچاہٹ اور ایک دل پر کنڈلی مارے جو وہم تھا وہ اس کی بات پر خود بخود سرک گیا تھا لیکن سامنے خلیفہ تھا وہ انسان جس کی بات پر یقین کرنا اپنی موت بلانے جیسا ہے۔

"تمہارے منہ سے اس طرح کی باتیں اچھی نہیں لگتی مسٹر تبریز! بات وہ کرو جو ہضم بھی ہو۔"

وہ دوبارہ سے پچھلی والی پوزیشن میں چلی گئی تھی۔اس بار خلیفہ آگے کو جھک کر بیٹھا اور سر کو ہلا کر کہا۔

"چلو، کر لیتے ہیں وہ بات جو ہضم ہو۔جیزی کو میرے حوالے کر دو۔" وہ اپنے سابقہ رویے میں آ گیا تھا۔ تھوڑا سا کرخت اور کڑوا۔

"شاید تم بھول گئے ہو صبح تمہارے آدمی نے اسے مار ڈالا۔"

خلیفہ نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور پھر منہ کھول کر اسے چندھی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"میں ڈمی کی بات نہیں کر رہا پیاری لڑکی، میں ایک جیتے جاگتے انسان کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔" اس نے جیتے لفظ کہنے کے بعد ایک سیکنڈ کا توقف لیا اور پھر جاگتے لفظ کہا۔معروش کیلئے آج جھٹکوں کا دن تھا لیکن وہ تمام جھٹکے بڑی خوبصورتی سے سہہ رہی تھی۔

"میں یہاں ڈیوڈ کیلئے آئی ہوں تمہاری سابقہ گرل فرینڈ کو ڈسکس کرنے نہیں۔" معروش اب ان کمفرٹیبل سی ہونے لگی تھی۔اسے ماحول میں نامحسوس سی کثافت فیل ہوئی۔

"یہ بھی ٹھیک ہے لیکن یاد کروا دوں میں نے کہا تھا ڈیوڈ تمہیں تب تک نہیں ملے گا جب تک تم میرے ساتھ رات نہیں گزارو گی۔کیا ان لفظوں پر غور کر سکتی ہو تم؟ اور ابھی کچھ دیر پہلے میں نے کہا کہ تمہارا یہ بیلٹ اس لیے نہیں اتروایا گیا تا کہ تمہاری پارسائی کا سب کو علم رہے۔جانتی ہو یہ سب کیوں کہا گیا ہے اس لیے تا کہ تم مجھے جیزی دے سکو۔دیکھو میں تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا لیکن اس کے بدلے تمہیں مجھے جیزی دینی ہو گی اور وہ سارا ریکارڈ دینا ہو گا جو تم نے جیزی کے تھرو اکٹھا کیا ہے نہیں تو دوسری صورت اب بھی برقرار ہے۔"

حتمی لہجے میں کہتے ہوئے وہ اپنے چہرے پر سنجیدگی طاری کیے کہہ رہا تھا۔معروش کے منہ میں کڑواہٹ گھلی۔

"ہاتھ تو تم مجھے ویسے بھی نہیں لگا سکتے، تمہاری جرأت ہی نہیں ہے۔رہی جیزی کی بات تو وہ تمہیں کبھی نہیں

ملے گی۔" خلیفہ اس کی بات ختم ہونے سے پہلے کھڑا ہوا تھا۔ وہ معروش کے سر پر آکر کھڑا ہوا پھر دونوں ہاتھ اس صوفے کی پشت پر رکھ کر تھوڑا سا جھکا۔

" کیوں اپنا نکاح خراب کرواتی ہو نادان لڑکی! مان جاؤ تمہارا نوفل ایک عام سطحی سوچ کا مرد ہے، ضرورت سے زیادہ جذباتی کیا وہ تمہیں ویسے قبول کر پائے گا۔" اس کے جھکنے سے اسکی چینز لٹک رہی تھیں۔ اس میں اور معروش میں اچھا خاصا فاصلہ تھا۔ وہ چہرے پر نفرت کے آثار لیے پھنکاری۔

" اپنی بکواس بند کرو اور ہٹو یہاں سے، نہیں تو میرے ایک اشارے سے میری پوری ٹیم اور میڈیا یہاں ہو گا۔ انجام پھر تم خود ہی سوچ لو۔"

وہ اس کی بات پر اچانک سے جھٹکا کھا کر ہٹا اور سر پیچھے گرا کر بلند و بانگ قہقہے لگانے لگا۔ معروش کو وہ نارمل نہیں لگ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کیا کرے۔ کیا وہ جیزی کو دینے کی حامی بھر لے؟ ہاں یہی ٹھیک ہے۔ ہنستے ہنستے خلیفہ پھر سے صوفے کی پشت پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔ اس بار وہ معروش کے زیادہ قریب تھا اتنا کہ اس کے منہ سے مہنگی شراب کی بو آنے لگی تھی۔

" بچوں جیسی باتیں کرتی ہو تم، بچی جو ہو۔ چلو نہیں چھوتا تمہیں نہ دو تم مجھے جیزی کو اپنے ڈیوڈ کی لاش لو اور یہاں سے چلی جاؤ" پیچھے ہٹتے ہوئے واپس اپنی جگہ پر بیٹھا اور تحمل سے اسے دیکھنے لگا۔ معروش سوچ میں پڑ گئی۔

" تم جانتے ہو یہ سب میرے ہاتھ میں نہیں ہے اور نہ ہی اتنا آسان ہے۔" صرف دانیال کیلئے اس نے لہجے میں لچک پیدا کی تھی۔ خلیفہ نے شانے اچکا دیے۔

" یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔" شان بے نیازی سے کہتے ہوئے وہ اسے چڑا رہا تھا۔

" سوچ لو کیونکہ تمہارے پاس پوری رات ہے۔ آج رات خلیفہ تبریز اپنی سب سے بڑی دشمن معروش حبیب کو دیکھتے ہوئے گزارے گا۔ ہائے کیا تسکین ہے نا اس سوچ میں بھی۔"

وہ شراب پیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ معروش کے دماغ نے ایک دم کام کیا۔

وہ دل مسوس کر اس کے سامنے بیٹھی رہی۔ پوری رات خلیفہ نے شراب پیتے معروش پر نگاہ گاڑے گزاری تھی۔ وہ دونوں ایک پوزیشن میں بیٹھے تھے۔ خلیفہ گلاس بھرتا رہا اور معروش کے چہرے پر نگاہ گاڑے اسے غشک

کرتا رہا۔ وہ رات خلیفہ تبریز کیلئے چھوٹی ترین اور معروش حبیب کیلئے طویل ترین تھی۔ صبح کی کرنوں کے پھوٹتے ہی خلیفہ کھڑا ہوا اور معروش کے آگے اپنی ہتھیلی پھیلائی۔

"آؤ میں تمہیں دروازے تک چھوڑ دوں۔ معاہدہ ختم ہوا۔" شراب کا خمار اب بھی اس کی سنہری آنکھوں سے ٹپک رہا تھا۔ اس کی چال مستانی تھی اور آواز سریلے نغمے جیسی۔ معروش نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو اگنور کیا اور کھڑی ہوگئی۔ خلیفہ دو قدم پیچھے ہوا تھا۔

"اپنا وعدہ نبھاؤ خلیفہ تبریز! اور مجھے ڈیوڈ لوٹا دو۔" اس کی آنکھوں میں جگراتے کی سرخی تھی۔ وہ ان سرخ آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ خلیفہ نے اس کی بات پر دل پر ہاتھ رکھ کر سر کو تھوڑا سا جھکایا۔

"تمہاری بات کو عزت دی جائے گی، تم جاؤ جا کر جیزی کو بھیجو جیسے ہی جیزی میرے در پر ہوگی اسی پل ڈیوڈ تمہارے دروازے پر ہوگا۔"

معروش نے سر کو ہلایا اور اس کی سائیڈ سے نکل کر دروازے کی جانب بڑھنے لگی۔ خلیفہ نے ایک آخری نگاہ اس پر ڈالی اور لبوں پر پراسرار مسکان لے آیا۔

"نئی زندگی مبارک ہو ڈیوڈ!"

☆......☆......☆

"پاکستان میں نوجوانوں کی شرح اموات نشے کی وجہ سے دن بہ دن بڑھتی جا رہی ہے اور حکومت ہے کہ آنکھیں موندے بس اپنی ہی دنیا میں مگن ہے۔ کیا ہوگا اس معاشرے کا؟ ہمارے مستقبل کے معماروں کا؟ جاننے کیلئے ہمارے ساتھ رہیں۔ ملتے ہیں ایک وقفے کے بعد۔۔۔ سٹے ٹیونڈ۔"

خواجہ ریاض نے بددلی سے ٹی وی کو بند کیا اور ایک لمبی جمائی لی۔

"اس میڈیا کو اور کچھ نہیں سوجھتا بس ایک چیز کو پکڑ کر ربڑ کی طرح کھینچتا رہتا ہے۔" وہ تھکے تھکے سست سے صوفے کی پشت پر بازو پھیلا کر انگڑائی لیتے ہوئے سوچ رہے تھے۔ حال ہی میں انہوں نے اپنے چند بندے خلیفہ کی پارٹی میں بھیجے تھے تاکہ وہ اس جاسوس کا پتا لگوا سکے جو ان کا مال نہایت ہی صاف طریقے سے "صاف" کر رہا ہے۔

ان کا سیل فون بجنے لگا۔ نمبر دیکھا تو گجی پہلوان کا تھا جو نجانے کسی آفت کی طرح ان پر ٹوٹ پڑا تھا۔ منہ میں دو تین اسے موٹی گالیاں دیتے ہوئے انہوں نے کال پک کی اور اپنی مخصوص انداز میں ہنکارہ بھرتے ہوئے بولے۔

"کہو پہلوان، آج کیسے اس ناچیز کو یاد کرلیا؟" اپنی اس بات پر انہوں نے گجی کا قہقہہ سنا تھا اور اس کے بعد وہ بات جو وہ کہہ رہا تھا۔

"کچھ خاص نہیں بس سوچا تمہیں یاد کرواتا چلوں کہ سینٹر کی سیٹ میرا بے صبری سے انتظار کررہی ہے۔ یاد ہے نا تمہارا ووٹ میرے لیے ہی ہے۔"

(ہاں جیسے تو نے تو سلیکٹ ہو جانا ہے نا، ہنہہ ٹھرکی گنجا)

"ضرور ضرور کیوں نہیں، بس دعائیں کرتے رہو اللہ سد باب ضرور نکالے گا۔" وہ دل کی بھڑاس سوچوں کے ذریعے نکالنے کے بعد سیو کھلے تھے۔ گجی ان کی اس سیاست سے محظوظ ہوا۔ سینٹر کی سیٹ کے چار امیدوار تھے۔ ایک خواجہ ریاض تھا، دوسرا گجی پہلوان اور باقی کے دو میں ایک چیف جسٹس آف سپریم کورٹ تھا اور ایک دوسرا سیاسی بندہ (سمندر خان نے بڑی سہولت سے خود کو اس دوڑ سے علیحدہ کرلیا تھا وجہ یہ تھی کہ وہ سیاسی پھڈوں میں نہیں پڑنا چاہتے تھے، ان کا موڈ بدلا اور انہوں نے اپنے ایک جانشین بندے کو اس سیٹ کیلئے نامزد کروالیا) لیکن پھر بھی گجی کو خود پر اور خود کی صلاحیتوں پر بھرپور یقین تھا تبھی تو اس کے لفظ اتنے اعتماد سے بھرپور ہوتے تھے۔

"دعائیں بھی ہیں اور دوائیں بھی میرے دوست، یہ بتاؤ سمندر خان کے ساتھ کیسی دشمنی ہے تمہاری؟" خواجہ ریاض اس بات پر اچانک اچھل کر بیٹھا۔ اس کی ساری سستی ہوا میں تحلیل ہوئی تھی۔ گجی کی طرف سے یہ سوال تھا یعنی معاملہ کچھ گڑبڑ ہے۔

"پرانی داستان ہے۔ مٹی پڑی رہنے دو تو بہتر ہوگا۔" موبائل کو احتیاط سے پکڑ کر وہ اس بات کا یقین کر رہے تھے کہ ان کا یہ سیل فون سیکیورٹیز کی دبیز تہہ کی وجہ سے بگ نہیں ہوسکتا۔

"ہاں ایسا ہونا ناممکنات میں سے ایک ہے۔" انہوں نے خود کو تسلی دلائی اور گجی کی آواز سننے لگے۔

"لیکن میں تو اپنی اس مٹی پر کپڑا پھیرنا چاہتا ہوں، دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا ہوں تمہاری طرف۔ تھام لو، یقین

مانو ہم دونوں ایک ہی جگہ پر نشانہ تا کے بیٹھے ہیں۔"

خواجہ ریاض کے ماتھے پر بل پڑے۔اس نے ناسمجھی سے کہا۔

"کہنا کیا چاہ رہے ہو؟"

گجی ہنسا تھا۔ہنستے ہوئے ہی بولا۔

"سیدھی سی بات ہے میں سمندر اور خلیفہ کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔مجھے لگتا ہے انہوں نے بہت راج کر لیا پاکستان پر۔اب کچھ نیا ہونا چاہیے۔سمجھ رہے ہو نا میری بات کو؟"

خواجہ ریاض کی آنکھیں پھیلیں۔دل کا ارتعاش بڑھا تھا۔اتنی بڑی بات اتنی آسانی سے بلاخوف وخطر وہ سیل فون پر کہہ رہا تھا یعنی بندہ جاندار ہے اور پارٹی واقعی تگڑی ہے۔خواجہ کی باچھیں کھلیں اور جھٹ سے اس کی آفر قبول کر لی۔

"کل شام کی کافی ساتھ پیتے ہیں یوں گپ شپ بھی ہو جائے گی۔"

وہ واقعی ڈرپوک تھے تبھی کسی بھی قسم کی گفتگو کرنے سے اجتناب برت رہے تھے۔گجی نے جیسے شانے اچکائے ہوں۔

"کیوں نہیں پھر ملتے ہیں کل۔" کہتے ساتھ اس نے کال بند کر دی تھی۔خواجہ ریاض نے اپنا دل پکڑا اور خوشی سے اٹھ کر سیدھا لان کی طرف بھاگے جہاں اس کا سیکرٹری چند آدمیوں کو جھڑک رہا تھا۔خواجہ ریاض نے اسے کہنی سے پکڑ کر سائیڈ پر کیا اور تمام بات اس کے گوش گزار کر دی۔سیکرٹری یہ باتیں سن کر تذبذب کا شکار ہوا تھا۔

"ہضم کرنا مشکل ہے، ہوسکتا ہے وہ آپ کو ڈبل کراس کر رہا ہو۔" اس کے سیکرٹری نے ٹھوڑی کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے تمام تر تجربات کی نچوڑ میں یہ بات کہی تھی۔خواجہ ریاض چونک گئے۔

"یعنی؟" وہ اس کے ساتھ چھتری کے نیچے رکھی کرسیوں پر بیٹھے۔

"یعنی کہ وہ آپ کے کندھے پر بندوق رکھ کر نہ چلا رہا ہو۔اپنا الو سیدھا کرنے کے چکر میں وہ آپ کو بلی کا بکرا نہ بنا دے۔"

خواجہ ریاض اس کی بات سے جھنجھلا گئے تھے۔

"بندوق، بکرا، یہ کیا پہیلیاں بھجوا رہے ہو۔ سیدھے سیدھے کہونا جو کہنا ہے۔"

ان کے سیکرٹری نے طویل سانس خارج کیا اور میز پر ہاتھ رکھ کر آگے کو جھک کر کہنے لگا۔

"میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے گجی پہلوان سمندر خان سے ملا ہوا ہو اور ان کے کہنے پر یہ سب کر رہا ہو۔ یعنی وہ لوگ چاہتے ہوں کہ آپ کے اندر کی تمام باتیں انہیں معلوم ہو جائیں اور پھر آپ پر وار کر کے اس ریس سے آپ کو نکال دیا جائے۔ آج کل گجی اور سمندر دونوں ہی ایک ہی ریس کے گھوڑے ہیں اور وہ دونوں جانتے ہیں کہ اس ریس میں آپ بھی شامل ہیں پھر بھی وہ لوگ آپ کو ویلیو نہیں دے رہے۔ انہیں یہ گمان ہے کہ اس بار سیٹ ان کی ہے اور شاید یہ شک بھی کہ آپس کی لڑائی میں کہیں وہ دونوں پیچھے اور آپ آگے نہ نکل جائیں اس لیے اس طرح کا پلان کیا ہو کہ آپ کو اعتماد میں لا کر آپ سے سب اگلوا لیں اور بعد میں آرام سے کک آؤٹ کر دیں۔"

خواجہ ریاض نے بہت غور سے اس کی بات سنی تھی۔ وہ تو سکے کا ایک رخ دیکھ کر ہی خوش ہو گئے تھے دوسرے کے بارے میں تو سوچنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی انہوں نے۔ ان کا فشار خون پھر سے بڑھا اور وہ جوش مارنے لگا۔

"بیوقوف سمجھتے ہیں وہ سالے مجھے، بتاتا ہوں انہیں کہ خواجہ ریاض ہے کیا چیز۔ جو گیم یہ لوگ میرے ساتھ کھیلنے کا سوچ رہے ہیں وہی گیم میں اب ان کے ساتھ کھیلوں گا۔ تم دیکھنا کیسے اس گجی اور سمندر کو میں سائیڈ پر لگاتا ہوں۔"

آنکھوں میں خون بھرے وہ سمندر اور گجی کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ ان سے کوسوں دور سمندر خان اپنی عالیشان گاڑی میں سیاست کے سب سے اہم بندے سے ملاقات کے لیے روانہ تھے۔ چند منٹ کی مسافت کے بعد وہ اس کوٹھی کے پورچ پر چل رہے تھے جو اس سیاسی بندے کا پرسنل گھر تھا۔ سمندر خان تمکنت کے ساتھ اپنی گاڑی سے اترے اور سفید سوٹ پر اوڑھی بھوری چادر کو شانوں پر ٹھیک کر کے چلنے لگے۔ وہ ایک زبردست سے کمرے میں بٹھائے گئے تھے جس کی میز پر انواع و اقسام کا کھانا پڑا تھا۔ اس کھانے پر ایک نگاہِ غلط ڈالے بغیر وہ اپنی گردن اکڑائے جاہ و جلال سے بیٹھے اس آدمی کو دیکھ رہے تھے جو تیز قدموں کے ساتھ اندر آئے اور سمندر خان کا ہاتھ چوم کر اسے آنکھوں اور ماتھے سے لگانے لگے۔

"خدا تمہیں اور کامیابی دے۔" اسے دعا دینے کے بعد وہ اپنے ایک آدمی کو اشارہ کر رہے تھے جو سامنے ہاتھ باندھے جھکے سر کے ساتھ ان کے پاس آیا اور ان کی بات سن کر باہر چلا گیا۔

"اور سنائیں خان صاحب، کیسے ہیں آپ؟" اس آدمی نے خوشدلی سے ان سے دریافت کیا تھا۔ سمندر خان نے دل پر ہاتھ رکھ کر سر کو ہلایا۔

"اللہ سائیں کی عنایت جو اب تم پر بھی ہونے والی ہے۔"

اس آدمی نے مسکراتے ہونٹوں کے ساتھ ماتھے پر تیوری سجائی۔

"میں سمجھا نہیں۔" ان کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی وہی آدمی اندر آیا اور ایک سفید کاغذ سمندر خان کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ وہ اس کاغذ کو میز پر رکھتے کہہ رہے تھے۔

"یہ سولہ ارب روپے ہیں تمہارے لیے نذرانہ۔" وہ اپنے مخصوص لہجے میں کہتے ہوئے نا سمجھی سے انہیں دیکھنے لگے۔

"اس سب کی کیا ضرورت تھی۔" وہ جانتے تھے سمندر کو کوئی خاص کام ہے اس لیے اتنی بڑی رقم ابھی ان کی میز پر رکھی ہے۔

"ضرورت ہے، آج کل اسی چیز کی تو ضرورت ہے۔" ان کے سامنے مہنگے سگار کی ڈبیہ رکھی گئی تھی جس میں سے ایک نکال کر وہ سلگاتے ہوئے بولے۔ اس آدمی کی تو باچھیں کھل گئیں۔ اسی کھلی باچھوں سے انہوں نے کہا تھا۔

"بات تو سچ ہے، آج کل یہ نہ ہو تو انسان نہیں ہوتا، کہیں کیا کام ہے بندہ حاضر ہے۔" اپنے سر کو خم دیتے ہوئے وہ عقیدت سے پوچھ رہے تھے۔ سمندر نے سگار کو ایش ٹرے میں جھاڑا۔

"زیادہ کچھ نہیں بس تمہیں چین کے ساتھ ہمارے معاملات کو درست کرانا ہوگا اینڈ دیٹس آل۔" ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھے سمندر خان کسی ریاست کے بادشاہ کی طرح اسے کہہ رہے تھے۔ ان کی کی بات پر ان کا لبیک کہنا بنتا تھا کیونکہ آج وہ جس سیٹ پر بیٹھے تھے وہ سمندر خان کی بدولت ہی تو تھی۔

"سمجھیں آپ کا کام ہوگیا۔"

پر فضا ماحول میں کھانا کھاتے ہوئے وہ ایک دوسرے کے ساتھ خوش گپیوں میں اس شام کو بتا رہے تھے۔

سکون چہروں پر ایسا تھا کہ دیکھنے کے قابل اور قہقہے سننے کے۔

☆......☆......☆

وہ گھر آتے ہی سوئی تھی۔ رات بھر کے جگارتے اور ایک ہی پوزیشن میں بیٹھنے کی وجہ سے اس کی کمر اکڑ چکی تھی۔ گہری نیند لے کر وہ قریباً ایک بجے کے قریب اٹھی۔ فریش ہو کر نماز پڑھی اور دیگر اذکار پڑھنے کے بعد وہ جیسے ہی نیچے آئی نوفل کو اپنا منتظر پایا۔ اسے دیکھ کر معروش کے لبوں نے خود بخود مسکراہٹ کو چھوا تھا۔ وہ سلام کرتی اس کے سامنے بیٹھی اور بغور اس کا جائزہ لیا جو اچھا خاصا فریش تھا اور سوالیہ نگاہوں سے معروش کو دیکھ رہا تھا۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہیں؟" سوال بیساختہ تھا، جواب برجستہ۔

"بالکل پہلے کی طرح اور تم؟"

نوفل نے آنکھوں کو نیچے کیا اور کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ معروش کو اس کا یہاں سے یوں غائب ہو جانا اچھا نہیں لگا۔ وہ اسے پکار بیٹھی۔

"تم کہاں چلے گئے ہو نوفل؟"

وہ چونکا تھا۔ جھٹ نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں، آپ کو چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہوں۔"

اس کے لفظوں میں عجیب سی عجلت تھی جسے معروش نے بھانپ لیا تھا۔ وہ انہی عجلت بھرے لفظوں سے دوبارہ بولا۔ "کیا آپ آج نکاح کیلئے تیار ہیں؟"

اصل بات اب سامنے آئی تھی۔ معروش نے چند ثانیے خاموشی میں گزارے پھر دبی آواز میں بولی۔

"نانو نے کیا کہا ہے؟"

اس کے انداز میں شرماہٹ کا عنصر غالب تھا۔ نوفل کو ایک انجانی خوشی نے آن گھیرا۔

"وہ تو میٹھا بنا رہی ہیں اور پھولوں کا آرڈر بھی دے چکی ہیں۔"

معروش کے لب اچانک کپکپاہٹ کا شکار ہوئے جنہیں بھینچ کر اس نے انہیں قابو کیا تھا۔ دانیال کی واپسی اور جیری کو خلیفہ تک پہنچانے کا کام شام کا تھا اور اس کی ٹیم کے حوالے تھا اس لیے وہ ریلیکس سی اثبات میں سر ہلا

رہی تھی۔

"تو ٹھیک ہے کر لیتے ہیں آج نکاح۔"

نوفل اچانک فرطِ مسرت سے صوفے پر سے کھڑا ہوا۔ ایسے جیسے اس میں سپرنگ لگ گئے ہوں۔

"ظہر کی نماز کے بعد نانو نے نکاح کا کہا ہے۔" اس کی آواز بھی خوشی سے اچھلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

معروش کی نگاہ نیچے ہی تھی اسی انداز میں بولی۔

"میں نے نماز پڑھ لی ہے اور تم نے؟"

اس نے اپنی نظریں اٹھائیں تو نوفل کا خوشی سے سرخ چہرہ اس کے سامنے تھا۔ وہ اس کے اس طرح دیکھنے اور پوچھنے کے بعد زور زور سے سر ہلا رہا تھا۔ معروش اپنی جگہ سے اٹھی اور نانو کے پاس آ گئی۔ وہاں کچھ مذاکرات کرنے کے بعد وہ نانو کے کمرے کے ساتھ ملحق کمرے میں غائب ہو گئی تھی۔ نوفل یونہی کھڑا رہا جب پیچھے سے نانو کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"تمہاری دلہن تیار ہونے بھی چلی گئی اور تم ہو کہ اب تک ایسے کھڑے ہو۔"

نانو کے کہتے ہی اس نے باہر کی جانب دوڑ لگائی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد ان کے چھوٹے سے گارڈن میں چند لوگ آ کر جمع ہو چکے تھے۔ حفیظ کو معروش نے فون کر کے بلا لیا تھا۔ اس کی ساتھ ہی اس کے باقی کے چند ایک ٹیم ممبرز اور نانو کے سٹاف نے مل کر کیٹرنگ سے لے کر باقی انتظامات دیکھے تھے۔ ان سب کی مدد کو جو آگے آگے تھا وہ نوفل تھا جسے بعد میں دھکا دے کر چینج کر آنے کو کہا گیا تھا۔ دھوپ کھلے دن میں نوفل خان سفید قمیض شلوار کے اوپر سیاہ ویلوٹ کی گرم شال پہنے لان کے وسط میں رکھے صوفے پر بیٹھا تھا جس کا رنگ بھی سفید ہی تھا اور اس کی اوپر سے پھولوں کی لڑیاں کسی چھت کی طرح دائیں بائیں بکھرتی تھیں۔ سفید و گلابی پھولوں نے پورے لان کو ڈھک دیا تھا۔ چند ایک قریبی مہمان چھوٹی چھوٹی ٹیبلو کے پاس کھڑے تھے اور اس ٹھنڈ کے موسم میں گرما گرم کافی کا مزا لوٹ رہے تھے۔ ان سب کی نظروں نے دروازے کا رخ کیا جہاں سے معروش حبیب سیاہ ویلوٹ کے لہنگے اور سفید کرتی میں ملبوس گردن اٹھائے چلتی آ رہی تھی۔ سر پر نفاست سے دوپٹہ جمائے ایک شانے پر بالکل نوفل جیسی کامدار سیاہ چادر ڈالے وہ ہلکے میک اپ کے ساتھ چلتی آ رہی تھی۔ اس کے دائیں بائیں دو لڑکیاں

تھیں اور ہیل والے قدم پھولوں کو پیچھے چھوڑ آگے بڑھ رہے تھے۔معروش کو ان پھولوں کا قدموں میں بچھنا، روندنا اچھا نہیں لگا لیکن فی الحال موقع محل ایسا نہیں تھا کہ وہ احتجاج کرتی سو چپ چاپ لڑکیوں کی معیت میں چلتی رہی۔اس نے ٹیکا نہیں لگایا تھا لیکن چھوٹی نتھ نے اس کی ناک کو سنوار دیا تھا۔باریک سے نیکلس اور جھمکوں کے ساتھ اسے زور کا ہنسنا آیا تھا جسے اس نے بخوبی کنٹرول کیا۔وجہ نوفل کا کھلا ہوا منہ اور حفیظ کی پھٹی آنکھیں تھیں جو اسے ایسے دیکھ رہی تھیں جیسے وہ پتا نہیں کیا بن آئی ہے۔اپنی جگہ سے کھڑا نوفل معروش کے لیے ہاتھ آگے بڑھانے ہی لگا تھا کہ اچانک معروش نے یوٹرن لیا اور نانو کے ساتھ موتیے کے پھولوں سے بنی چادر کے پار غائب ہوگئی۔

"چلیں دلہا میاں، یہیں منہ کھولے کھڑا رہنا ہے یا پھر قبول ہے، قبول ہے، قبول ہے بھی بولنا ہے۔" معروش کی ایک دوست نے نوفل کو چھیڑا تھا۔وہ خفیف سا کان کے پیچھے بالوں کو کھجاتا آگے بڑھا۔آس پاس دبے دبے سے قہقہے سنائی دینے لگے تھے۔نوفل نے ایک قدم معروش کی طرف بڑھایا۔

"بچپن سے سنتا آیا تھا کہ ہر لڑکے کو بڑے ہونے پر اللہ ایک پری سے نوازتا ہے۔آج میں نے اس کی یہ نوازش دیکھ بھی لی۔درست ہے، فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۔" آسمان کی طرف چہرہ کرتے ہوئے وہ اپنی جگہ پر آکر بیٹھا۔وہ جس سٹول پر بیٹھا تھا اس کے گرد اور آس پاس پھولوں کی بھرمار تھی۔جوتے اتار کر اس نے پھولوں کی نرماہٹ کو محسوس کیا اور موتیے کی خوشبو کے ساتھ ساتھ معروش کی خوشبو کو بھی دل میں اتار کر اسے موتی پھولوں کی چادر کے آرپار دیکھنے کی سعی کرنے لگا۔اس کا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔

"معروش حبیب ولد حبیب اللہ آپ کو نوفل خان ولد خان احمد کے ساتھ پچاس لاکھ سکہ رائج الوقت کے تحت یہ نکاح قبول ہے؟"

نوفل کو مولوی صاحب کی آواز اس دنیا کی بہترین آوازوں میں سے ایک لگی۔نوفل کو معروش کی ایک دوست کی آواز سنائی دی جو کہہ رہی تھی۔

'دیکھ لو معروش! ابھی بھی وقت ہے اپنی لہنگا سنبھالو اور یہاں سے بھاگتی بنو۔نہیں تو تم نے بھی صرف ایک ہاؤس وائف ہی بن کر رہ جانا ہے۔"

نوفل نے سہم کر اس کی شرارتی دوست کو دیکھا۔اس لڑکی کی دیکھا دیکھی دوسری بھی بولی تھی۔

"اور نہیں تو کیا۔ان مرد ذات پر بھروسہ کرنا انتہائی حماقت کا کام ہے۔پل میں تولہ تو پل میں ماشہ ہوتے ہیں۔آج محبت کا بھرم بھر رہے ہیں تو کل پوچھیں گے محبت ہوتی کیا ہے۔"

نوفل نے جھٹ زور سے نہ میں سر ہلایا تھا۔نانو نے معروش کے شانے پر ہاتھ رکھا۔دھک دھک کرتے دل کے ساتھ وہ اس کی ہاں کا منتظر ہوا اور آخر اس کا انتظار اپنے اختتام کو پہنچا۔معروش نے ہاں نہیں کی تھی بلکہ نوفل خان پر پھولوں کی برسات کر دی تھی۔

"قبول ہے۔" وہ تین بار یہ الفاظ بولی تھی یعنی اسے نوفل خان پر پورا بھروسہ تھا۔

نوفل نے بھی اس کے بھروسے کو نہیں توڑا اور بھائی دوستوں کے اکسانے کے باوجود دل سے معروش کو قبولا تھا۔ہر طرف مبارک کی صدا گونجنے لگی۔دعائیں ملنے لگیں۔ان دونوں کے درمیان سے موتیے کی چادر کو اوپر اٹھایا گیا۔معروش نے نوفل کی آنکھوں کو دیکھا جو خود میں نمی چھپائے ہوئے تھیں اور نوفل وہ تو معروش میں جیسے گم ہی ہو گیا تھا۔آنسو صاف کرتی معروش حبیب اسے آج اپنے دل کے اتنے قریب محسوس ہوئی جتنا شاید کبھی اس نے خود کو بھی محسوس نہیں کیا ہوگا۔

"مبارک ہو میرے اندلسی بھائی،تمہاری محبت آج کامیاب ہو گئی۔" عمران نے اس کے دونوں شانوں کو تھام کر جھک کر دل سے دعائیں دیں۔نوفل نے کھڑے ہو کر اسے گلے لگایا تھا۔

"بہت شکریہ،اس کی دائمی کی بھی دعا کریں۔"

عمران نے اس کی جیب میں بھاری رقم ڈالی تھی جسے نوفل کے احتجاج کرنے کے باوجود اس نے لینے سے انکار کر دیا۔یہ کہہ کر کہ یہ خوشیوں کا تحفہ ہے اور خوشیوں کے تحفے کو لینے سے انکار کرنا ناشکرا پن ہوتا ہے۔

"انشاءاللہ۔"

وہ ایک ایک سے گلے مل کر سٹیج پر آ کر بیٹھا جہاں اس کی دلہن زور و شور سے اپنی کولیگ سے باتیں کرنے میں مصروف تھی۔وہ اتنی بزی تھی کہ اس نے نوفل کی آمد کا نوٹس بھی نہیں لیا تھا۔وہ دو منٹ یونہی دوسروں کو مسکراتے ہوئے کھانا کھاتے دیکھتا رہا پھر جیسے ہی اس کی دوست وہاں سے اٹھی وہ معروش کی طرف متوجہ ہوا تھا جو اپنی نتھ

ٹھیک کرتی اپنے کسی کولیگ کو دیکھ کر مسکرا کر سر ہلا رہی تھی۔ آئی جی صاحب بھی وہاں موجود تھے اور نانو سے گفتگو میں مگن تھے۔

"شکریہ۔" اسے نوفل کی شادمانی میں لپٹی آواز سنائی دی۔ وہ مسکرا دی۔

"مینشن ناٹ۔" ہوا کا تیز جھونکا چلا تھا۔ معروش کا دوپٹہ تھوڑا سا پھڑ پھڑایا۔

"پیاری لگ رہی ہیں بہت۔" اس نے اپنے دل کی بات کہی تھی۔ معروش نے نوفل کی طرف چہرہ کیا۔ فریش سا نوفل اسے ان کپڑوں میں بھلا لگا۔

"اور تم ہینڈسم۔" نوفل نے دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر سر کو جھکایا تھا۔ نانو، نوفل کے پاس آئیں اور اس کے کان میں کچھ کہنے لگیں۔ معروش انہیں چندھی نگاہوں سے گھور رہی تھی۔

"جیسا آپ کہیں گی ویسا ہی گا۔" اس نے نانو کی بات کا مان رکھا تھا۔ وہ نوفل کے ماتھے پر بوسہ دیتی نیچے اتریں۔

"کیا کہہ کر گئی ہیں؟" معروش کا شکی پن عود کر آیا۔ نوفل نے پر اسرار مسکان لبوں پر پھیلائی۔

"وہ آپ کیلئے سرپرائز ہے۔" شان بے نیازی سے کہتا وہ جا بجا پھیلے مہمانوں کو دیکھنے لگا۔

"تمہیں پتا ہے نا مجھے سرپرائز پسند نہیں، جلدی سے اگلو ابھی جو نانو تمہیں کہہ کر گئی ہیں۔" وہ اپنے سابقہ روپ میں آتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ نوفل نے اسے افسوس زدہ نگاہوں سے دیکھا۔

"پانچ منٹ تو عزت کر لیں میری، شوہر بن چکا ہوں آپ کا۔" اور یہ وہ الفاظ تھے جنہوں نے معروش کو ٹھہرا دیا تھا۔ وہ ساکت سی نوفل کو دیکھے گئی۔ اس کے اندر اچانک کچھ ہوا تھا۔ اس کی آپی کی آواز ہوا کے ساتھ اڑتی ہوئی آئی اور کان میں سرگوشی کر کے چلی گئی۔

"میں نے کہا تھا نا ایک دن تمہاری زندگی میں ایسا مرد آئے گا جو خود کو صرف تمہارا کہے گا۔ لو دیکھو وہ آ گیا۔"

معروش کی آنکھیں بھیگیں اور دو ننھے قطرے ٹپک پڑے۔ نوفل اس کے رونے سے گڑبڑا یا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں بتاتا ہوں لیکن پلیز آپ روئیں مت۔" وہ کتنا سادہ تھا جو سمجھ رہا تھا کہ معروش اس لیے رو رہی ہے کیونکہ وہ اسے نانو کی بات نہیں بتا رہا۔ وہ اس کی سادگی پر اچانک ہنسی تھی۔ رونے اور ہنسنے کا

امتزاج بڑا منفرد تھا۔

"تا نو نے کہا ر خصتی آج ہی ہو گی۔" وہ ڈرتے ڈرتے کہہ رہا تھا۔کہیں معروش پھر سے رونے یا غصہ کرنے نہ لگ جائے لیکن اس نے تو بالکل ہٹ کر ہی کہا تھا۔وہ سب جس نے نوفل کو لاجواب کر دیا۔

"بیوی ہوں تمہاری، آج لے جاؤ یا کل، کیا فرق پڑتا ہے۔"

وہ ٹھہر سا گیا۔اچانک ایک ایسی قوت اس میں پیدا ہوئی تھی جسے آج تک اس نے کبھی محسوس نہیں کیا تھا اور وہ تھی مان کی قوت، اعتماد و بھروسے کی قوت، محبت سے لبریز آنکھوں کی قوت اور نکاح کی قوت۔

"میں ہر دھوپ چھاؤں میں آپ کی حفاظت کرونگا معروش۔" اس نے کہنا شروع کیا اور معروش نے سننا۔

"میں آپ پر ایک آنچ نہیں آنے دونگا۔"

معروش حبیب کا دل بھرنے لگا۔

"میں آپ سے محبت کر رہا ہوں اور کرتا رہونگا۔میں آپ کو کبھی دھوکا نہیں دونگا۔چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔خود سے کبھی علیحدہ نہیں کرونگا۔میں صرف آپ کا رہونگا معروش اور یہ ایک مسلمان کا وعدہ ہے۔"

معروش کو اس کے لفظوں کی سچائی نے ایک عجیب سے بوجھ کے تلے دبا دیا۔اسے یقین ہو چلا کہ یہ وہی مرد ہے جس کے آنے کا آپی اسے کہا کرتی تھیں۔

"آج سے میری زندگی تمہاری ہوئی۔"

اس نے دل میں کہا تھا۔نگاہوں سے تو فقط وہ اسے دل میں اتار رہی تھی۔نوفل خان کو جو اس کا شوہر تھا۔

☆......☆......☆

وہ اپنا بیگ تھامتی تیز قدموں کے ساتھ پارکنگ ایریا میں جا رہی تھی۔تیز چلنے کے سبب اس کے بال پیچھے سے اچھل رہے تھے اور کانوں میں پہنی جھمکیاں لہراتی جا رہی تھیں۔وہ ہیل پہنے ہوئے ناک کی سیدھ میں چل رہی تھی جب ایک کار نے اس کا راستہ روکا۔وہ بدک کر پیچھے ہٹی تھی۔ایک ادھیڑ عمر آدمی اس کار سے نکل رہا تھا۔

یمن نے سوالیہ نگاہوں سے ان انکل کو دیکھا جو اس کی طرف آ رہے تھے۔یمن کو وہ آدمی عجیب لگا۔

"سنو بیٹا، کیا تم مجھے یہ ایڈریس سمجھا سکتی ہو۔دراصل میں یہاں کا باشندہ نہیں ہوں۔ساؤتھ کوریا سے آیا

ہوں اس لیے مجھے اس ایڈریس کی سمجھ نہیں آ رہی۔"

یمن نے ان کے ہاتھ میں پکڑے کارڈ کو دیکھا۔ایڈوانس دور تھا۔وہ آرام سے گوگل کر کے یا پھر گاڑی میں لگے ٹریکر کے ذریعے اس جگہ پہنچ سکتے تھے اور جہاں سے وہ آئے تھے وہاں تو ان چیزوں کا استعمال بھی زیادہ تھا تو پھر یہ انکل۔اس نے اپنے بیگ کی سٹریپ کو اور مضبوطی سے تھاما۔

"ایکچوئلی میں خود یہاں کی نہیں ہوں اس لیے مجھے ان راستوں کا نہیں پتا۔" کہہ کر وہ ان کے سائیڈ سے نکل جانا چاہتی تھی کہ اس آدمی نے اپنی سیاہ چھڑی کو راستے میں لانا مناسب سمجھا۔چھڑی کو سیدھا کیے اب وہ گردن گھما کر اس خوبصورت دوشیزہ کو دیکھ رہا تھا جس کے حسن سے کوئی بھی پگھل جائے۔

"راستہ تو بتانا پڑے گا ورنہ تمہارا یہاں سے جانا ناممکن ہے۔" اس آدمی کی آواز بدلی تھی۔سیاہ سوٹ میں سیاہ چشمہ لگائے وہ اچانک پراسراریت سے بولا تھا۔یمن کا دل الگ انداز میں دھڑکنے لگا۔وہ اس عجیب سے آدمی کو دیکھتی رہی پھر اس نے اچانک اپنے بیگ کو زوردار انداز میں ہلایا۔وہ اس آدمی کے منہ پر لگا تھا جس کے سبب وہ نیچے گرا۔یمن بھاگتی ہوئی اپنی گاڑی میں سوار ہوئی اور اسے سٹارٹ کر کے آگے بڑھانے لگی۔اتنے میں وہ آدمی سنبھل گیا تھا۔اس نے اپنی چھڑی ایک مخصوص انداز میں گھما کر یمن کی گاڑی کی طرف پھینکی تھی۔یمن نے فوراً سر کو اسٹیئرنگ کی طرف جھکایا تھا۔گاڑی کا فرنٹ شیشہ ٹوٹ کر چکنا چور ہوا اور جا بجا یمن حیات کے سر میں پیوست ہو گیا۔

"آج تک مجھے کسی نے انکار نہیں کیا۔" وہ بوڑھا آدمی اپنا کالر درست کرتا اس کی گاڑی کو دور جاتا دیکھ رہا تھا۔یمن کے سر سے خون نکلنے لگا۔اس کے حواس مختل ہونے شروع ہوئے تھے۔بہت دور جا کر اس نے گاڑی سائیڈ پر روکی اور ثوبیہ کو کال ملانے لگی۔کال کے ملتے ہی اس نے ثوبیہ کو ایڈریس بتایا اور اپنے رہے سہے حواس بھی کھو بیٹھی۔

جانے کونسا وقت تھا جب اس کی آنکھ کھلی۔بھینی بھینی خوشبو اور اے سی کی گھر گھر اس کی سماعت پر ہتھوڑے برسانے لگی تھی۔اس کے سر میں ٹیسیں اٹھیں۔دھندلی آنکھوں نے جس کے چہرے کے نقوش بنائے وہ اور کوئی نہیں بلکہ خلیفہ تبریز تھا۔جس کی آنکھوں میں یمن کو لہو تیرتا ہوا نظر آیا۔

"جس نے تمہاری یہ حالت کی ہے وہ اس وقت زمین کے نیچے ہے۔تم بے فکر ہو جاؤ وہ اپنے انجام تک پہنچ چکا ہے۔" خلیفہ کی بے رحم آواز بھی کسی ہتھوڑے سے کم نہ تھی لیکن اس بے رحم آواز میں اس وقت جو نرمی گھلی تھی وہ دیکھنے کے قابل تھی۔یمن اس خبر سے ہڑ بڑا اٹھی۔ بیٹھنے کی سعی کی لیکن ممکن نہ ہو سکا۔ایک تو خلیفہ کے ہاتھ نے اسے اٹھنے نہ دیا دوسرا وہ خود بھی چکرا گئی تھی۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وہ حیران ہوئی تھی۔ٹھیک ہے اس آدمی نے اس کے ساتھ اچھا نہیں کیا لیکن اس کا مطلب یہ تھوڑی تھا کہ وہ قبر میں ہی اتار دیا جائے۔

"آپ کیسے کسی کو مار سکتے ہیں۔" وہ سکتے میں تھی۔خلیفہ اس کے بیڈ پر جگہ بنا کر بیٹھا اور رسانیت سے کہنے لگا۔

"جو بھی تمہیں نقصان پہنچانے کی سعی کرے گا اس کا یہی حال ہوگا۔"

یمن نے ذرا ٹھہر کر خلیفہ کو دیکھا۔

"لیکن کیوں؟" اس کی مدھم آواز کسی بڑے امتحان سے کم نہ تھی۔ان سے کچھ فاصلے پر ثوبیہ بے سدھ پڑی تھی۔

"تمہارے سوال پیچیدہ ہوتے جا رہے ہیں۔"

یمن نے اتنی دیر بعد اب ثوبیہ کی آمد کا نوٹس لیا تھا۔وہ سہم گئی۔جانتی تھی اگر ثوبیہ اٹھ گئی تو کیسا وبال مچ جائے گا۔خلیفہ نے اسے تکتا پا لیا۔

"بے فکر رہو، یہ صبح تک نہیں اٹھے گی۔" اب یہ ایک اور بڑا جھٹکا تھا جو خلیفہ اسے تکلیف میں دے رہا تھا۔ اس کے سر پر بندھی پٹی کے نیچے موجود زخم دکھنے لگے تھے۔

"ایسا کیوں کہہ رہے ہو، کیا پلایا ہے میری بہن کو آپ نے؟" وہ پینک ہونے لگی تھی۔خلیفہ نے اپنی انگلی یمن کے ہونٹوں پر رکھ دی۔

"ششش۔۔۔پرسکون ہو جاؤ تمہاری بہن کی چائے میں صرف ایک نیند کی گولی گئی ہے زیادہ کچھ نہیں۔"

اسے اچانک خلیفہ سے خوف آنے لگا تھا جو اس کے چہرے پر ظاہر بھی ہوا۔

"میری بہن کو نیند کی گولی کھلا کر ایک آدمی کو قتل کر کے آپ کہتے ہیں کہ پرسکون ہو جاؤں۔کیا یہ اتنا آسان ہے۔" وہ رونے لگی تھی۔دکھ اس بات کا تھا کہ اس کا خلیفہ ایک اچھا انسان نہیں تھا۔اگر وہ بھی عام انسانوں کی

طرح ہو جاتا تو کیا ہوتا۔ شکوے اس کے دل کو بھرنے لگے تھے۔

"اس کا وقت قریب تھا صرف اسی کا نہیں بلکہ ہر اس آدمی کا وقت قریب آئے گا جو تم تک میلی آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت بھی کرے گا۔ میں نے نہیں کہا تھا مجھ سے محبت کرو۔ اب کر لی ہے تو اس کی شدت بھی جھیلو۔"

یمن کے آنسو یونہی رواں دواں تھے۔ ان بہتے آنسوؤں میں خلیفہ کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے اس بیکار سے جذبے پر لعنت بھیجی جس نے اسے تباہ و برباد کر دیا تھا۔ ہاں یمن کی محبت کو قبول کر کے اس نے خود کو ایک قسم کا ماری ہی تو دیا تھا۔

"اور سب سے اہم بات، تم نے جس سیٹ کیلئے اپلائی کیا ہے وہ تمہارے لیے نہیں بنی یعنی تم میرے ساتھ کام نہیں کر سکتی۔ اس کی بہت ساری وجوہات ہیں جو میں ابھی نہیں بتا رہا۔ فی الحال تم میرے ساتھ وہ باتیں کرو جو تمہارا دل کہہ رہا ہے کرنے کو۔"

وہ جانتا تھا جو بھی اس کے ساتھ کام کرتا ہے اس بندے یا بندی پر اس کی مخالف پارٹی کی نگاہ ہو جاتی ہے۔ پھر وہ لوگ اس کے ورکرز کو کریدنے، خریدنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اکثر تو ہر اس بھی کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ خلیفہ کے خلاف ہو کر ان کیلئے ثبوت اکٹھے کر کے دیں۔ اول تو کوئی بکتا نہیں اور اگر بھولے سے کوئی ڈر کر سہم کر بک بھی جاتا ہے تو خلیفہ اسے مروا دیتا ہے۔ یہی بات وہ جانتا تھا کہ یمن انتہائی جذباتی اور ڈرپوک لڑکی ہے جو آرام سے کسی کے بھی بہکاوے میں آ کر اس کے خلاف ہو جائے گی جو کہ اسے برداشت نہ تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ یمن اس کے ہاتھوں مرے۔

"آپ جانور ہیں۔" بیساختہ اس کے لب غیر متوقع بات پر ہلے تو خلیفہ کا خفیف سا قہقہہ رات کی تنہائی میں شہنائیاں بجا گیا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے اور کہو جو تم نے مجھے کہنا ہے بندہ حاضر ہے سننے کیلئے۔" وہ محظوظ سا اسے چھیڑنے کے انداز میں کہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آج جو یمن کیلئے تھا وہ شاید ہی کبھی آیا ہو۔ اس نے نہایت استحقاق سے اس کے چہرے کو ٹٹولا تھا۔

"آپ کو تھوڑا سا بھی اللہ سے ڈر نہیں لگ رہا۔"

وہ اس کی بات پر اپنے بالوں میں ہاتھ چلانے لگا۔

"تم صحت یاب ہو جاؤ تو ایک اچھی سی ڈیٹ رکھیں گے۔ میں نے سوچا ہے میں تمہیں اپنی پرسنل جگہ پر لے کر جاؤں گا۔ وہاں جہاں کوئی نہیں ہوتا ماسوائے میرے لیکن اب اس جگہ کو تم بھی دریافت کرنے جارہی ہو کیا تم ایکسا یئٹڈ ہو؟"

یمن کی نگاہ ایک دم ثوبیہ پر پڑی۔ اس کے الفاظ اچانک سے یمن کے کان میں جمع ہونے لگے جو کہ یہ تھے۔ "مجھے یقین نہیں آتا تم ایک غیر مرد کے ساتھ کیسے کافی پی سکتی ہو، اس کی گاڑی میں بیٹھ سکتی ہو۔ کیا تمہیں یہ زیب دیتا ہے؟ کیا مجھے یہ زیب دیتا ہے اور کیا کسی بھی لڑکی کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ کسی بھی مرد کے ساتھ منہ اٹھا کر چلی جائے۔ یہ سوچے بنا کہ اس کے ان قدموں نے کہیں اس کی عزت تو نہیں اچھال دینی۔ کہیں اس کی آبرو کو ریزہ ریزہ تو نہیں کر دینا۔"

خلیفہ نے اس کے آگے چٹکی بجائی تھی۔

"کہاں کھو گئی ہو تم؟"

وہ اچانک چونکی تھی۔ نفی میں سر ہلایا۔

"کہیں نہیں۔" ہولے سے کہتے ہوئے اس نے ایک آخری بار ثوبیہ کی جانب دیکھا پھر اس کی نظریں خلیفہ کی طرف بھٹک گئی تھیں جو نا جانے اس سے کیا کہہ رہا تھا۔

☆......☆......☆

فجر کی نماز ادا کر کے وہ جونہی نیچے آئی اسے کچن میں کھڑ پڑ کی آوازیں سنائی دیں۔ ماتھے پر تیوری ڈالے وہ آرام سے سیڑھیاں اتری اور سج سج کر کچن کے چوکھٹے میں آن کھڑی ہوئی جہاں اس کا شوہر نامدار ایپرن باندھے خوشبو پھیلائے کھڑا تھا۔ آہٹ پر پیچھے مڑ کر دیکھا اور اس کرہ ارض پر موجود تمام مسکراہٹوں کو چرا کر اپنے لبوں پر لے آیا۔

"صبح بخیر معروش نوفل خان۔"

لفظوں میں محبت کی چاشنی بکھیرے وہ فلیم کو سلو کرتے ہوئے بالکل اس کی جانب متوجہ ہوا۔ معروش اندر آئی

اور کچن کا جائزہ لینے لگی۔ صاف ستھرا کچن اور چولہے پر چڑھی ہوئی ہانڈیاں۔

"آپ کیا بنا رہے ہو؟"

اس طرزِ تخاطب پر نوفل کے دل نے اچانک بیٹ پکڑی تھی۔ نیم گیلے بالوں کو وہ کانوں کے پیچھے کرتے ہوئے جھانک کر پوچھ رہی تھی۔ نوفل کو اس کی یہ ادا بہت بھائی یا یوں کہنا چاہیے آج کے بعد اسے معروش کی ہر ادا بھائے گی۔

"حلوہ پوری، نانو سے سنا تھا آپ کو پسند ہے۔"

معروش نے اسے ستائشی نگاہوں سے دیکھا اور پھر کہنے لگی۔

"بالکل مجھے پسند ہے لیکن پوریاں حلوہ نہیں۔ خیر آپ بنا رہے ہو تو میں ضرور کھاؤں گی وہ بھی دل سے۔"

اس کا چہرہ اترتا دیکھ اس نے فوراً کہا تھا لیکن کیا فائدہ تھا وہ تو بدمزا ہو چکا تھا۔

"میں آپ کیلئے کچھ اور بنا دیتا ہوں۔ ابھی فی الحال آپ ملک شیک پی لیں۔" وہ دوسرے کاؤنٹر پر رکھے جگ میں سے ملک شیک گلاس میں نکالتا اس کے پاس لایا۔ معروش نے اس کے ہاتھ سے گلاس تھاما اور متانت سے کہا۔

"نوفل اٹس اوکے، میں نے کہا نا میں کھا لوں گی۔ اب اتنا بھی میں ناپسند نہیں کرتی حلوے کو کہ کھا ہی نہ پاؤں۔" وہ مزیدار سے ملک شیک کا سپ بھرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ نوفل نے گہرا سانس بھرا۔

"آپ کمپرومائز کر رہی ہیں۔"

معروش نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ نانو اور اس دل کا فیصلہ درست تھا۔ اسے خوشی ہوئی کہ وہ نوفل خان کی بیوی ہے۔

"نہیں دل سے کہہ رہی ہوں۔"

پوریاں تیار تھیں بس حلوہ ہلکے سے دم پر رکھا تھا۔

"شیور۔" اس نے آخری بار پوچھ کر تسلی کرنی چاہی۔ معروش چولہے کی طرف بڑھی۔ ڈھکن ہٹا کر دیکھا تو اسے وائٹ حلوہ تیار نظر آیا۔

"ہنڈرڈ پرسنٹ۔" اس نے اپنی چھوٹی انگلی سے چمچ کے اوپر لگے حلوے کو چکھا۔وہ واقعی مزیدار بنا تھا۔

"او کے لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ کچھ اور بھی بنا دوں۔" وہ فریج کی جانب بڑھنے لگا تھا جب معروش اسے کہنی سے پکڑ کر روکتے ہوئے اس کے سامنے آگئی۔

"نوفل خان! کیا تمہیں میری بات ایک بار میں سمجھ نہیں آتی، میں نے کہا ہے یہ سب بہت ہے تو اٹس مین یہ بہت ہے۔" چہرے پر مصنوعی غصہ طاری کیے وہ دبنگ آواز میں کہہ رہی تھی۔نوفل کے دل کو صدمہ پہنچا یعنی کہ وہ آپ جناب بس چند پلوں کی ہی عنایت تھی۔

"ٹھیک ہے میں تو آپ کیلئے ہی کہہ رہا تھا۔" وہ شانے اچکاتا پوریاں لے کر باہر کو بڑھ گیا۔چھپی مسکان نے ایک دم معروش کے لبوں کا احاطہ کیا تھا۔وہ برتن اٹھاتی اس کے پیچھے بھاگی۔وہ دو کمروں کا چھوٹا سا لیکن اٹیلین طرز کا بنا گھر تھا۔دو کمرے، ایک کچن اور چھوٹا سا ٹی وی لاؤنج، لاؤنج کے باہر چھوٹا سا گارڈن اور اس گارڈن کی دائیں سائیڈ پر بنا ایک چھوٹا سا گول دائرے کی شیپ کا سوئمنگ پول۔یہ گھر حال ہی میں نوفل نے رینٹ پر لیا تھا۔یہ تردد بھی اس نے معروش کیلئے ہی کیا تھا کیونکہ اس سے پہلے وہ ایک کمرے کو رینٹ پر لے کر گزارا کر رہا تھا لیکن چونکہ اب وہ فیملی والا ہو گیا تھا تبھی اس نے عمران کی مدد سے یہ گھر کرایہ پر لیا تا کہ ان دونوں کے ساتھ ساتھ نانو بھی ان کے ساتھ رہ سکیں۔

ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی معروش پوریوں کو دانتوں سے کترتے ہوئے نوفل کو دیکھ رہی تھی جو اس وقت بہت خوش خوش لگتا تھا۔اس سے پہلے معروش اسے کچھ کہتی اس کا سیل فون گنگنا اٹھا۔

"یس۔بولو حفیظ۔" سیل فون کو کان سے لگانے کے فوراً بعد ہی اس کے دماغ میں دانیال کا خیال آیا تھا۔کل کے فنکشن کے بعد تو وہ اسے اور جیزی کو بھول ہی گئی تھی۔

"میڈم، آپ کیلئے پندرہ دن کی چھٹیوں کا نوٹس آنے والا ہے۔سوچا پہلے ہی مطلع کر دوں۔"

وہ حفیظ کی بات پر چونکی تھی۔تحیر سے بولی۔

"کیا کہہ رہے ہو، کس نے دی ان چھٹیوں کی درخواست؟" وہ حیران ہوئی تھی۔کہاں ابھی وہ اپنی ڈیوٹی دینے نکلنے والی تھی اور کہاں یہ خبر۔اسے حفیظ کی مسکراتی آواز سنائی دی۔

"کسی نے نہیں، ڈپٹی سر کو آپ کی بڑی پرواہ ہے۔ میں نے تو آپ کو وِش کرنے کیلئے فون کیا تھا۔"

معروش نے ماتھے کو کھجایا تھا۔ کھانے کے ساتھ انصاف کرتے نوفل کو دیکھ کر اس نے کچھ سوچا۔

"اچھا ٹھیک ہے یہ بتاؤ دانیال پہنچ گیا؟ وہ ٹھیک تو ہے نا۔" فیصلہ کر کے وہ عجلت میں حفیظ سے پوچھ رہی تھی۔ جتنی جلدی ہو سکے وہ دانیال کی خیریت کی خبر اپنے کانوں سے سننا چاہتی تھی اور اس نے سن بھی لی۔

"بے فکر رہیں وہ ٹھیک ہے، اپنے گھر ہے آپ چھٹیاں انجوائے کریں۔ پندرہ دن کے بعد ملتے ہیں۔" اس نے اپنی بات مکمل کرتے ہی کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔ معروش نے سیل فون کو میز پر رکھا اور ستائشی انداز میں گویا ہوئی۔

"کمال بات ہے اس بار جھوٹوں کے سردار نے اپنی بات رکھ لی، سیریسلی اگر اس بار وہ کچھ الٹا سیدھا کرتا تو میں نے اس کے گھر گھس کر اس پر فائر کر دینی تھی انجام کی پرواہ کیے بغیر۔" وہ سفاکیت کی انتہا کرتے ہوئے اپنے نادر خیالات سے نوفل کو آگاہ کر رہی تھی جس کا نوالہ ہونٹوں کے پاس ہی رک گیا۔

"معروش، آپ اس انسان پر مٹی کیوں نہیں ڈال دیتیں۔ دفع کریں اسے۔" وہ چڑتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ صاف دکھتا تھا نوفل کو خلیفہ کا ذکر آج کے دن اور اس وقت ہونا اچھا نہیں لگا تھا۔ معروش نے بھی سمجھدار بیویوں کی طرح اس ٹاپک کو کلوز کر دیا۔

"اچھا ٹھیک ہے نہیں کرتی، اب آپ جلدی سے تیار ہو جاؤ نانو کو لینے جانا ہے۔" وہ کرسی سے اٹھ کر کہہ رہی تھی۔ نوفل اثبات میں سر ہلاتا اس کے ساتھ سامان سمیٹنے لگا۔ بیس منٹ بعد تھری پیس سوٹ میں ہاتھوں میں گلدستہ پکڑے وہ سرخ چہرے کے ساتھ نانو کے گلے لگ رہا تھا جو اب اسے خود سے دور کر کے ماتھے پر بوسہ دے رہی تھیں۔

"جیتے رہو، اللہ ڈھیر ساری خوشیاں تمہاری جھولی میں ڈالے۔"

نانو کی دعاؤں پر ایک ساتھ ان دونوں کے منہ سے آمین نکلا تھا۔ وہ اندر آ کر بیٹھے اور اس اہتمام کو دیکھنے لگے جو نانو نے ان کیلئے کیا تھا۔

"آپ نے اتنا سارا کیوں بنا لیا نانو، ہم کھا کر آئے تھے۔" معروش نے چائنیز، اٹالین اور ترکش ڈشز بنی

دیکھیں تو کہہ اٹھی۔ نانو نے اپنی پیاری معروش کے چہرے پر اطمنان دیکھتے ہوئے اچانک امنڈ آنے والے آنسوؤں کو دوپٹے کے پلو سے صاف کیا اور کہنے لگیں۔

"ارے میرے بچو، مجھے تو یہ بھی کم لگ رہا تھا میرے بس میں ہوتا تو پورے لاہور کا کھانا تم دونوں کیلئے ٹیبل پر سجا لیتی۔"

نوفل ان کی بات پر خوش اسلوبی سے ہنسا تھا۔ اس نے رخصتی کے وقت نانو سے طے کر لیا تھا کہ وہ شادی کے بعد ان دونوں کے ساتھ ہی رہیں گی جس پر نانو نے احتجاج کیا تھا لیکن وہ تھا کہ مان کے ہی نہ دے رہا تھا۔

"کھانے کو چھوڑیں یہ بتائیں کہ آپ نے اپنی پیکنگ کر لی۔"

نوفل کے سوال پر نانو کشمکش میں مبتلا ہوئیں۔ آخری بار احتجاجی نگاہوں سے معروش کو دیکھا تھا۔ جس پر وہ بولی۔

"دیکھیں، اب یہ آپ کا اور نوفل کا معاملہ ہے مجھے ان سب میں نہ ہی گھسیٹیں تو بہتر ہوگا۔" وہ صاف اپنا پلو بچاتی نانو کو امتحان میں ڈال گئی تھی۔

"بالکل، یہ آپ کا اور میرا معاملہ ہے اس لیے اگر آپ نہیں چاہتیں کہ میں آپ کو گود میں اٹھا کر لے جاؤں تو پلیز اپنے روم میں جائیں اور اپنا بیگ تیار کر لیں۔" وہ مسکراتے ہوئے انہیں کہہ رہا تھا۔ نانو کے اٹھنے سے پہلے معروش کے نمبر پر کال آنے لگی تھی۔ اس نے آنکھیں سکیڑ کر نمبر دیکھا اور ایکسکیوز کرتی اوپر اپنے کمرے کی جانب چل دی۔ اندر آ کر دروازہ بند کرتے ہی اس نے کال اٹینڈ کی تھی۔

تم ناراض ناراض سے لگتے ہو، کوئی ترکیب بتاؤ منانے کی!
ہم زندگی امانت رکھ دیں گے، تم قیمت بتاؤ مسکرانے کی!

"ہیلو معروش نوفل خان! شادی کی پہلی صبح مبارک ہو تمہیں۔" وہ دروازے سے ہٹ کر کھڑکی کے پاس آ کر کھڑی ہوئی اور دبی آواز میں بولی۔

"اب کس لیے فون کیا ہے مجھے؟" اسے خلیفہ کا کال کرنا ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ وہ فون کے اس پار اس کے ہنسنے کی آواز سن رہی تھی۔

"سنا ہے کچھ بہت خاص تمہارے سے چھپایا گیا ہے۔ اگر جاننے میں دلچسپی ہے تو مجھ سے ملنے آنا پڑے گا۔ شارپ پانچ بجے۔"

اس کی آواز میں کچھ ایسا تھا کہ ایک لمحے کو معروش چونک گئی لیکن پھر یہ خلیفہ کی چال سمجھ کر اس نے اگنور کیا تھا۔

"ہا، جیسے میں تمہاری جھوٹی باتوں میں آجاؤں گی، جان لو خلیفہ تبریز تمہارے زوال کا وقت قریب ہے۔"

وہ پھر اس کی بات پر ہنسا تھا۔ انداز ایسا تھا جیسے وہ اسے بچہ سمجھ رہا ہو۔

"زوال تو تمہارا شروع ہو چکا ہے نوفل سے شادی کر کے، ہر لڑکی شادی کے بعد زوال کی جانب گامزن ہو جاتی ہے تم بھی ہو جاؤ گی۔ ابھی پندرہ دن کی چھٹیاں ہیں پھر ہمیشہ کیلئے اس فیلڈ کو خیر باد کہہ دو گی۔ کیوں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں؟"

اس کی آواز میں تمسخر کا رنگ گھلا تھا۔ معروش نے دانت کچکچائے۔

"مجھے تمہاری بکواس میں قطعی انٹرسٹ نہیں اس لیے بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہاری باتیں۔" وہ فون بند کرنے لگی تھی جب فوراً ہی خلیفہ بول اٹھا۔

"ٹھیک ہے کر دو بند لیکن ایک بات یاد رکھنا اپنوں کے منہ سے دھوکا سنو گی تو تکلیف ہو گی اس لیے بہتر ہے میری بتائی جگہ پر آجاؤ۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا معروش! یہ بات واقعی اہم ہے۔"

معروش سے پہلے ہی خلیفہ نے کال بند کر دی تھی۔ وہ پر سوچ انداز میں سیل فون کو ہاتھ میں پکڑے دروازہ کھول کر سیڑھیوں کی طرف آئی۔ جب وہ نیچے اتر رہی تھی تو سوچ سابقہ انداز میں ہی اس کے چہرے پر رقم تھی۔ اس نے دیکھا لاؤنج میں تنہا بیٹھا نوفل اپنی واٹس ایپ آن کیے بیٹھا ہے۔ اسے پاس آتا دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے سیل کو سامنے میز پر رکھا اور معروش کو عمیق نظروں سے دیکھنے لگا۔

"سب ٹھیک ہے؟" وہ اس کے چہرے پر پھیلی سوچوں کی لکیروں کو بھانپ گیا تھا تبھی استفسار کیا۔ معروش اسے دیکھ کر ہلکا سا مسکرائی اور کہنے لگی۔

"ہاں ایسا کچھ نہیں، نانو نہیں آئیں اب تک؟" وہ ان کے کمرے کی طرف مڑ کر پوچھ رہی تھی۔

"نہیں اور مجھے لگتا ہے آپ کو ان کی ہیلپ کرنی چاہیے۔"

اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ نوفل کے فون کے پاس اپنا فون رکھ کر چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

صبح کی روپہلی کرنوں میں چھتری کے سائے تلے آمنے سامنے بیٹھے خواجہ ریاض اور گجی پہلوان گرما گرم موضوع پر بات کر رہے تھے۔ جس طرح کا موضوع گرم تھا اسی طرح کا انداز بھی تھا۔ گجی پہلوان مہنگی شراب کو حلق میں انڈیلتے ہوئے خواجہ ریاض سے کہہ رہا تھا۔

"سمندر خان یا پھر خلیفہ تبریز مجھے میری ظاہری شکل سے نہیں پہچانتے، میں نے آج سے پندرہ سال پہلے جب ان سے ہیروئن کی تھوڑی سی مقدار لے کر اسے تین گنا پرافٹ پر بیچ کر ایک حصہ سمندر کو بھیجا تھا تو اس نے اپنے آدمیوں سے کہہ کر مجھے مروانے کی گھناؤنی چال چلی تھی۔ اس وقت انہیں لگا تھا کہ گجی پہلوان مر گیا ہے لیکن حقیقت تمہارے سامنے ہے۔ میں زندہ ہوں اور اب تمہارے سامنے ہوں۔"

وہ لفظوں میں حقارت لیے سمندر خان کو مخاطب کر رہا تھا۔ خواجہ سنبھل کر آگے ہوا اور کہنے لگا۔

"لیکن میں اس سب پر کیسے یقین کروں، جبکہ تم تو خود سمندر کی حسینائیں اپنی پارٹی میں منگواتے رہے ہو اور ابھی کچھ عرصے پہلے کی ہی بات ہے جب میں نے سنا تھا کہ تم اس کی ایک لڑکی خریدنے والے تھے لیکن وہ بھاگ نکلی اس لیے تم خالی ہاتھ رہے۔"

خواجہ ریاض تضحیکی انداز میں کہتے ہوئے جیسے لطف اندوز ہوئے تھے۔ گجی پہلوان نے ان کی ساری لطف اندوزی پر بڑے پیار سے پانی ڈالا۔

"ہاں ایسا ہی ہوا تھا کیونکہ میں ان کی ایک لڑکی لے کر اس سے وہ سب اگلوانا چاہتا تھا جو وہ لڑکیاں اپنے اندر دبائے بیٹھی ہیں پھر ان باتوں میں سے کوئی اہم پوائنٹ نکال کر میں ان لوگوں پر وار کرنا چاہتا تھا۔"

خواجہ ریاض کو لگا تھا اپنا مذاق بنانے پر گجی سیخ پا ہوگا لیکن یہاں تو نیا ہی الٹی بہتی تھی۔

"پھر کیا انہوں نے تمہیں لڑکی پہنچائی نہیں؟" وہ اب دلچسپی سے اس کی بات سننے لگے تھے۔ گجی نے بے نیازی سے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔

"بھجوائی تھی لیکن وہ کسی کام کی نہیں نکلی، اسے کچھ نہیں پتا تھا۔" وہ خواجہ کے گھر بیٹھا اسی کی وہسکی کو اس کے

گلاس میں بھر کر پینے کو پیش کر رہا تھا جسے خواجہ نے سہولت سے انکار کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ پی کر وہ کیسے ٹن ہوتے ہیں اس لیے پارٹیز اور اس قسم کی میٹنگ میں وہ شراب کو پینا حقیقتاً گناہ سمجھتے تھے۔

"تو پھر اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" محتاط سے خواجہ ریاض اپنے سیکرٹری کی پڑھائی ہوئی پٹی کو دھیان میں رکھ کر پوچھ رہے تھے۔ گجی نے خود کو تھوڑا آگے کیا اور کہنے لگا۔

"یہی کہ تم میرا دوستی کا ہاتھ تھام لو تا کہ ہم دونوں مل کر اس سمندر خان کو ختم کر سکیں، آخر کب تک وہ بوڑھا ہمارے سروں پر مسلط رہے گا۔ اب مافیا گروپ میں کسی اور کا دورِ حکومت بھی آنا چاہیے۔ آنا چاہیے کہ نہیں؟"

خواجہ ریاض نے اس کی بات پر چند لمحے غور کیا اور پھر پوچھنے لگے۔

"بات میں جان ہے لیکن ہم دونوں کیا کر سکتے ہیں۔"

گجی مسکرایا تھا۔

"بہت کچھ دوست، ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں جس میں سب سے پہلے تو ہمیں ڈرگ کی دنیا میں پنجے گاڑنے ہونگے۔ پاکستان میں اسی فیصد ڈرگز کو برا کی سیل ہوتی ہے۔ باقی بچی بیس فیصد تو سوچو اس بیس فیصد میں تمہارا اور میرا کیا حصہ ہے؟ کیا اس طرح ہم ترقی کر سکتے ہیں۔ بالکل بھی نہیں۔"

گجی لمحے بھر کو چپ ہوا تھا۔ خواجہ کو اس کا چپ ہونا ناگوار گزرا۔

"یہاں ترقی کے مواقع بہت کم تھے اس لیے میں نے باہر جا کر اپنا کام چلایا اور اب میرے پاس اتنی رقم اور پاور موجود ہے کہ میں سمندر اور خلیفہ کو ٹکر دے سکتا ہوں۔ آؤ ایک بڑی کھیپ لگا کر ہم دونوں مزید اپنی جیب گرم کریں اور اس سمندر کے چھکے چھڑا دیں۔"

خواجہ ریاض دن میں موجود دکھتے تاروں کی چکا چوند روشنی سے آگے بڑھا اور جذباتی ہو کر کہنے لگا۔

"لیکن وہ کیسے؟"

گجی نے ایک بار پھر اپنے حلق کو تر کیا۔ (اُفف کتنا پیتا ہے یہ) خواجہ ریاض نے اپنی مہنگی وسکی کو خالی ہوتے دیکھ کر کڑھ کر سوچا۔

"سب سے پہلے تو ہمیں اپنے خاص بندے خلیفہ کی پارٹی میں گھسانے ہونگے بالکل اسی طرح جس طرح

خلیفہ اپنے بندوں کو گھساتا ہے۔اس کے بعد ان کا سب سے مہنگا مال چرانا ہوگا اور اسے کوریئر کے حوالے کر کے کیش کے تھرو ہم اور زیادہ مال منگوا کر مارکیٹ میں بھیج دیں گے یوں ان لوگوں کو کروڑوں کا دھچکا لگانے کے ساتھ ہم ان کی مارکیٹ ویلیو بھی گرا دیں گے۔"

خواجہ ریاض پوری طرح اس گجی کی باتوں میں آگیا تھا۔اب تو چاہے اس کا سیکرٹری کچھ بھی کہے وہ، وہی کرے گا جو گجی کہہ چکا ہے۔پٹی جو اتنی مضبوط پڑی تھی کہاں اترتی۔

"ٹھیک ہے، تو آج سے ہم دوست کے ہونے کے ساتھ ساتھ پارٹنر بھی ہوئے۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر زور زور سے ہلاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔اس بات سے بے خبر کہ آنے والے طوفان میں وہ کس طرح غرق ہونے والے ہیں۔

دوسری جانب یمن حیات سینے پر ہاتھ باندھے اپنا دائیاں بازو سہلاتی بیڈ سے نیچے اتر رہی تھی۔اس کا منہ بنا ہوا تھا۔وجہ وہ موٹا انجکشن تھا جو ابھی ابھی نرس اسے لگا کر گئی تھی۔اپنے بند شوز ایڑھیوں سے اوپر چڑھانے کیلئے وہ جونہی نیچے کو جھکی دو مردانہ ہاتھوں نے اسے روک دیا۔اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔آنکھوں میں بے یقینی ڈالے اس نے اپنے دائیں بائیں گرے بالوں کو سنبھالتے ہوئے دیکھا تو خلیفہ اس کے سامنے تھا۔وہ پنجوں کے بل بیٹھا اس کے شوز کو ایڑھیوں سے اوپر کرنے کے بعد ان کی زپ بند کر رہا تھا۔یمن بری طرح گڑبڑا گئی کیونکہ ثوبیہ ابھی ابھی کمرے سے باہر گئی تھی۔اگر وہ آگئی اور اس نے یہ سب دیکھ لیا تو؟

وہ سیدھی ہوئی۔خلیفہ اس کے شوز بند کرنے کے بعد چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

"سر جھکاؤ گی تو ٹیسیں اٹھیں گی، جیسی تم نازک اندام ہو ویسے اپنا خیال بھی رکھا کرو۔"

اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ سب خلیفہ اس سے کہہ رہا ہے، وہی خلیفہ جس کی ایک جھلک نے گزشتہ سال اس کے دل میں محبت کا بیج بو دیا تھا۔وہی خلیفہ جو اس سے ناک تک عاجز تھا۔جو کہتا تھا اس کے ہونے یا نہ ہونے سے اسے رتی برابر فرق نہیں پڑتا جو چاہے جس مرضی کی ہو اس کی بلا سے۔جس کا آنا اسے قطعی پسند نہیں۔اسے خلیفہ کے گزشتہ جملے یاد آنے لگے جو کہ یہ تھے۔

"تم جیو یا مرو آئی ڈیم کیئر آباؤٹ یو۔"

"تم یہاں بار بار کیوں چلی آتی ہو، مجھے بالکل پسند نہیں یہ سب۔"

"تم چاہے جس مرضی کی ہو، ہو کیئرز۔"

"میری زندگی میں کسی عورت کی گنجائش نہیں، تمہاری تو بالکل بھی نہیں۔"

وہ خلیفہ کے اپنے سے کہے الفاظ سوچ رہی تھی جبکہ ان لفظوں کے بعد کے جملے جو وہ مختلف وقت میں کیا کرتا تھا یہ تھے۔

"یمن زندگی ہے میری، اسے اگر ایک آنچ بھی آئی تو پورا پاکستان جلا ڈالوں گا میں۔"

"مجھے بہت اچھا لگتا ہے جب وہ سب کچھ چھوڑ میرے پاس بھاگی چلی آتی ہے، میری ایک جھلک دیکھنے کیلئے وہ گھنٹوں ویٹنگ روم میں انتظار کا عذاب جھیلتی ہے پتا نہیں میں اسے کبھی اپنا یہ اچھا لگنا بتا پاؤں گا بھی یا نہیں۔"

"وہ صرف میری ہے، صرف اور صرف میری اس کیلئے اب اس دنیا کا ہر مرد حرام ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو میز، میری زندگی میں کسی بھی عورت کی گنجائش نہیں سوائے یمن حیات کے، ایک وہی تو ہے جو میری زندگی کی مختار ہو چلی ہے۔"

اس کی آنکھوں میں نمی در آئی تھی۔ناک آہستہ آہستہ سرخ ہونے لگی۔

"وہ ایک اسمگلر ہے، لڑکیوں کا کاروبار کرتا ہے وہ، وہ انسان ہے جسے فقط حقارت کی نظر سے دیکھنا چاہیے۔ سوسائٹی کیلئے ناسور ہے وہ یمن، اسے محبت بنا کر محفوظ نہ کرو۔"

اس نے گہرا سانس لیا تھا۔دل عجیب طریقے سے اتھل پتھل ہونے لگا۔

"دیکھا ہو رہا ہے نادر داس لیے کہہ رہا تھا اپنا دھیان رکھو۔" وہ اب سیدھا ہو بیٹھا تھا۔جو فکر اس کی پیشانی پر رقم تھی وہ شاید ہی کسی محبت کرنے والے کے ماتھے پر درج ہو۔

"آپ کون ہو؟" اس کی کھوئی ہوئی آواز گہری کھائی کے پیندے میں پڑی ہوئی دکھتی تھی۔خلیفہ کے لب خوبصورت مسکان میں ڈھلے۔

"جانور۔" ایک لفظ میں اس نے بات ختم کی تھی۔ایک لفظ نے دل کو جھنجھوڑ دیا تھا۔وہ یک لخت ٹھٹکنے والے

اپنے آنسو پونچھنے لگی۔ طویل سانس بھرتے ہوئے کھڑی ہوئی تھی۔اس کے ساتھ ہی خلیفہ نے خود کو بھی بلندی پر ڈالا۔ وہ لمبا تھا۔ چوڑا تھا۔اس کی جسامت اتنی تھی کہ وہ اس میں چھپ سی گئی۔

"وہ تو میرے منہ سے ایسے ہی نکل گیا تھا۔" ہولے سے سرگوشی کے انداز میں بولتی ہوئی وہ خلیفہ کے دل کے تاروں کو چھیڑ رہی تھی۔ گناہوں کی دنیا کا بادشاہ خلیفہ تبریز ایک لڑکی کی اداؤں سے زیر ہو رہا تھا۔

"جو بھی تھا، مجھے بہت بھایا، درد زیادہ ہو رہا ہے؟" وہ اسے اپنا بازو سہلاتے دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔ایک بار پھر یمن کی آنکھیں جھلملا اٹھیں۔

"کچھ دردوں کو نہ چاہتے ہوئے بھی سہنا پڑتا ہے۔"

خلیفہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ماتھے پر آئے بالوں کو کان کے پیچھے کیا۔ کسی بھی جیولری سے عاری اس کا کان خلیفہ کو ایسے ہی خالی لگا جیسے کبھی اس کا دل خالی تھی۔

"جب تک میں ہوں ان چاہے درد بھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، چلو آؤ۔" وہ اس کا ہاتھ تھامتا باہر کی اور بڑھنے لگا تھا لیکن اسے رک جانا پڑا کیونکہ یمن اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہیں ہلی تھی۔

"ثوبیہ ہے میرے ساتھ۔" ڈر اور پریشانی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

"تو؟" شانے اچکاتا، ماتھے پر جال بناتا وہ بے نیازی سے پوچھ رہا تھا۔

"وہ ہمیں دیکھ لے گی۔"

خلیفہ نے آنکھیں چندھیائیں۔

"سو واٹ، دیکھ لے گی تو کیا ہوگا؟ دیکھتی رہے، وی آر کپل اور مجھے نہیں لگتا اسے ان سب چیزوں سے کوئی فرق پڑنا چاہیے۔"

وہ اس کا ہاتھ کھینچتا اسے باہر لے گیا تھا۔ یمن نے متلاشی نگاہوں سے ثوبیہ کو دیکھا۔اسے وہ کاؤنٹر پر بل پے کرتی ہوئی نظر آئی۔ خلیفہ اس سب کی پرواہ کیے بغیر اسے اپنے ساتھ باہر لایا اور اپنی پجیرو کی فرنٹ سیٹ پر بٹھا دیا۔ خود وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

خلیفہ نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ کو مکمل گھمایا اور گردن موڑ کر اس کے اڑے اڑے چہرے کو دیکھا۔

"وہاں، جہاں ہمارے سوا کوئی نہ ہو۔"

روڈ پر گاڑی کو ڈالتے ہوئے وہ سپیڈ پکڑ چکا تھا۔ یمن کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"آپ مجھے واپس ہاسپٹل چھوڑ دیں، ثوبیہ پریشان ہو رہی ہوگی۔" ڈر اس کے لفظوں پر غالب تھا۔ اسے ثوبیہ کے کبھی کے کہے الفاظ یاد آئے۔

"عورت کو کبھی بھی کسی مرد کے ساتھ تنہا نہیں ہونا چاہیے پھر وہ اس کا بھائی ہی کیوں نہ ہو، شیطان تنہائی کا بادشاہ ہے کب آپ کے نفس کو زیر کر کے گناہ کروالے پتا بھی نہیں چلتا۔"

"کیا مطلب ہے اس بات کا۔" وہ مجسم سوال بنا اب اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"کچھ نہیں، بس آپ مجھے ہاسپٹل واپس چھوڑ دیں۔"

خلیفہ نے خود پر ضبط کرتے ہوئے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔ وہ اتنی تیز تھی کہ ایک لمحہ میں یمن کی جان حلق میں آگئی۔ سامنے سے آتے یوٹرن پر اس نے بنا دیکھے جارحیت سے اسے موڑا اور ہوا میں گاڑی کو دوڑاتا ہاسپٹل کے باہر بریک لگادی۔ بٹن پش کر کے لاک کھولتا وہ اسے اتر جانے کا کہہ رہا تھا۔

"جاؤ اور جب محبت کرنے کی ہمت پیدا کرلو خود میں تو آجانا۔ ہوپ سو کہ میں بھی تمہیں سولو ملوں، یو ے گو ناؤ۔" وہ بغیر اسے دیکھے اجنبیوں کی طرح کہہ رہا تھا۔ یمن کو لگا اس کا دل کسی نے مٹھی میں لیا ہو۔

"خلیفہ!" اس نے ایک دم ہاتھ اٹھایا اور انگلیوں کو دوبار جھٹکا دیا۔

"آئی سیڈ آؤٹ۔" بے رحمی سے کہتے ہوئے وہ لفظوں کو چبا رہا تھا۔ یمن کی ٹھوڑی کانپنے لگی۔ اس نے خلیفہ کو دیکھتے ہوئے دروازہ کھولا اور اس میں سے اتر گئی۔ ابھی اس نے گاڑی کا دروازہ بھی بند نہیں کیا تھا کہ خلیفہ اسے زن سے بھگا لے گیا۔ وہ حلق میں آنسو لیے ہاسپٹل کے اندر آئی جہاں ثوبیہ وہاں کاؤنٹر کے پاس کھڑی چلا رہی تھی۔

"میری بہن کی ذمہ داری آپ لوگوں کی تھی۔ آپ سب اتنے کیئرلیس کیسے ہو سکتے ہیں۔ میں رپورٹ کرونگی اس ہاسپٹل کے خلاف۔"

ہاتھوں کی پشت سے اپنے آنسو پونچھتی وہ ثوبیہ کی طرف چل کر آئی۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر وہ انتظامیہ سے کہنے لگی تھی۔

"مجھے فریش ائیر چاہیے تھی اس لیے باہر چلی گئی تھی۔ ایم سوری آپ لوگوں کو میری وجہ سے زحمت ہوئی۔"

ان سے معذرت کرتی وہ ثوبیہ کو تھامتی باہر کو چل دی تھی۔ ثوبیہ اس پر پھٹنے والی تھی لیکن اس کی متورم پلکیں دیکھ کر ٹھہر گئی۔

"تم روئی کیوں ہو یمن!" وہ اس کے ساتھ چلتی، اس کی آنکھوں اور ناک کو دیکھتی پوچھ رہی تھی جو سرخ اور گیلی تھیں۔ اس کی پٹی کی دائیں جانب خون بھی جھلک رہا تھا۔

"ایسے ہی مجھے درد ہو رہا تھا اس لیے۔ ماما آئی تھیں؟" وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ثوبیہ کسی اچھے جواب دہ کی طرح اس کے تمام سوالوں کے جواب دیے جا رہی تھی جو دراز ہونے لگے تھے۔ ان تمام دکھوں سے انجان جو اس وقت یمن کو ڈھیلا اور سست کر رہے تھے۔

☆......☆......☆

وہ سہج سہج کر چلتی باتھ روم آئی تھی۔ سفید بڑے باتھ ٹب میں نیلا سرد پانی جمع تھا۔ وہ اس پانی کی سرداہٹ کو آنکھوں میں اتارتی اس کے کنارے کے پاس آ کر رکی۔

"دنیا میں سب سے آسان اور تکلیف دہ کام خودکشی ہے۔ ایک بار کی تکلیف آپ کو ہزار دکھوں سے چھٹکارہ دلا دیتی ہے۔" رخسانہ نے سدرہ کی باتوں کو یاد کرتے ہوئے اپنے پاؤں اس پانی میں اتارے۔ جاتی سردی کی ٹھنڈک نے ہڈیوں کو جما دینے والے انداز میں اپنا قہر برسانا شروع کر دیا تھا۔ یہ قہر اس پانی پر بھی اترا تھا جو اتنا سرد تھا کہ انسان اس میں بیٹھ کر ایک لمحے میں جم جاتا۔ ناران سے تھوڑا پیچھے واقع اس گھر کے ٹب میں وہ اس وقت خود کو اتار چکی تھی۔

"اگر جیتنا ہے، تو لڑنا ہوگا اور اگر مرنا ہے تو ہارنا ہوگا۔" اسے اپنی بچھڑی ہوئی دوست صدیقہ کے الفاظ سنائی دیے۔

"ہم جب تک لڑیں گے نہیں تو جیتیں گے نہیں اور جب تک یہ مریں گے نہیں ہمیں چین نہیں آئے گا۔ آؤ

سب عہد کریں اگر ہم میں سے کوئی ایک بھی بچتا ہے ان کو نہیں چھوڑے گا۔انہیں تباہ کر کے ہی رہیں گے ہم جس طرح انہوں نے ہمیں تباہ کیا۔"

رخسانہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔اس نے ایک نظر اس عالیشان واش روم میں ڈالی۔

"اگر کسی کو مارنا ہے تو اس سے محبت کر لو وہ خود بخود مر جائے گا۔"

اس نے جمتے بے حس وجود کو اس یخ پانی سے باہر نکالا اور کمرے کی جانب چل دی۔خوبصورت سوٹ پہن کر، میک اپ کرنے کے بعد اس نے لبوں پر مسکراہٹ سجائی۔لمبی ہیل پہنتی وہ کمرے سے باہر آئی تھی۔ہال میں اسے ساشا نظر آئی تھی جو اس وقت تنہا تھی۔رخسانہ یہاں وہاں پھر ہیل کی آواز پیدا کرتی اس کے پاس آئی۔سگریٹ سلگاتی ساشا نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"پرفیکٹ۔" وہ اسے اوپر سے لے کر نیچے تک دیکھتی کہہ رہی تھی۔رخسانہ نے ساری جگہ نگاہ دوڑائی کہیں بھی کیمرہ نہیں تھا۔اس نے لبوں کو پھیلایا۔

"آئی نو۔" کہتے ساتھ ہی اس نے اپنی تنگ آستین سے ایک تیز دھار چاقو نکالا اور ساشا کے سنبھلنے، سمجھنے سے پہلے اس کی گردن پر وار کر دیا۔خون کی تیز دھار دیکھ کر اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ساشا نے اپنی انگلیوں کو گردن پر لگایا اور ہاتھ آنکھوں کے آگے کرتی دیکھنے لگی۔رخسانہ نے ایک بار پھر اسی جگہ پر وار کیا تھا لیکن اس بار ساشا نے اس کا ہاتھ روک لیا۔

"یو بچ، تمہیں تو میں ابھی بتاتی ہوں۔" اس کا ہاتھ مروڑ کر وہ اپنی ہیل اس کے گھٹنے پر مارنے والی تھی لیکن پتا نہیں آج کہاں سے طاقت رخسانہ کے بازوؤں میں آئی تھی کہ اس نے اس کا ہاتھ جھٹک کر اپنی پوری طاقت سے اس کے گلے پر ضرب لگائی۔اس کے نرخرے سے چیخ کی آواز آئی تھی۔وہ لہرا کر نیچے گری۔اس کے گرتے ہی رخسانہ وہاں سے بھاگی تھی۔کمرے میں آ کر اس نے دروازہ بند کیا اور آنکھیں بند کر کے اپنی سانسیں بحال کرنے لگی۔

"اس عورت نے بھی بہت ظلم کیا تھا نا ہم پر، دیکھو میں نے اسے مار دیا۔" اس کی آنکھوں کے سامنے سابقہ تمام ساتھیاں تھیں جنہیں وہ دل کی نظر سے دیکھ رہی تھی۔باہر ایک شور برپا ہو چکا تھا یعنی ساشا کی موت کی خبر

سب کو مل چکی تھی۔

"کیا وہ مرگئی ہے؟" سدرہ کے آس بھرے سوال پر اس نے زور سے ہاں میں سر ہلایا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سمندر بن چکا تھا۔

"وہ مرگئی ہے، اسے مرنا ہی ہوگا۔" اپنی مٹھیوں کو سختی سے بھینچتے ہوئے وہ دروازے سے لگی کہہ رہی تھی۔

"اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔" اس کی ایک ساتھی نے دعا دی تھی۔

"اللہ اس ناسور کو اس دنیا سے اٹھائے۔" رخسانہ نے اچھے سے آنسو صاف کیے۔

"اللہ تمہیں ہر مشکل سے بچائے۔" کوئی اس کے کمرے کا دروازہ زور زور سے پیٹنے لگا تھا۔ اس نے خود کو نارمل کر کے دروازے کو کھولا کہ وہ اپنے ہاتھوں کو اس کے خون کو صاف اور چاقو کو ٹھکانے پر لگا چکی تھی۔ ایک حواس باختہ سی لڑکی دروازہ کھلتے ہی اس کے سامنے آئی۔

"کیا تمہیں خبر ملی، ساشا پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔" وہ ہانپتے کانپتے اس سے کہہ رہی تھی۔ رخسانہ چند لمحے خاموش رہی پھر عام سے لہجے میں پوچھا۔

"کیا وہ مرگئی ہے؟" لڑکی نے اس سوال پر کانپتے ہوئے دروازہ بند کیا۔

"شش، آہستہ نہیں تو بے موت ماری جاؤ گی۔" وہ گھبراتے ہوئے کہہ رہی تھی پھر اس کے نزدیک آئی اور کان میں کہنے لگی۔

"سو فیصد چانس ہے اس کے مرنے کا۔ دعا کرو ایسا ہی ہو، باس کا ایک ہاتھ تو ٹوٹے گا۔" وہ یہ کہہ کر باہر چلی گئی تھی۔

"ایسا ہی ہوگا۔" رخسانہ کی آنکھوں میں نفرت کا ایک جہان آباد تھا۔ بالکل ایسی ہی نفرت بہت دور لاہور کے ایک اوپن ائیر کیفے کی سمت بڑھتی معروش حبیب کی آنکھوں میں بھی تھی۔ وہ براؤن کوٹ اور سیاہ سوٹ میں ملبوس تھی۔ سر پر بلیک شیڈ کا پر غلاف ایرانی سٹول ایرانی سا ٹائل میں پہنے وہ اس میز پر آ کر بیٹھی جہاں اس کی آنکھوں کے سامنے خلیفہ اپنا کوٹ جھٹکتا ہوا بیٹھ رہا تھا۔ اس نے گرین اور گرے امتزاج کا کوٹ پہنا تھا۔ جس کی دائیں طرف طرح طرح کے میڈلز اور نشانات تھے تو دوسری جانب جیب بٹن سے بند تھی۔ اس کے بٹن سنہری رنگ کے

تھے۔وہ کوٹ سامنے سے کھلا تھا اور نیچے وی گلے والی سفید ٹی شرٹ کے ساتھ اس نے نیوی بلیو جینز پہنی ہوئی تھی۔دونوں بند شوز جو کہ اس کے ٹخنوں پر آ کر ختم ہوتے تھے کے اینڈ پر اس نے کوٹ کے رنگ کا کپڑا باندھا ہوا تھا۔یہ اس کا سٹائل تھا۔آنکھوں پر سیاہ گلاسز لگائے ایک پاؤں کو گھٹنے پر ٹکا کر اس پر ہاتھ دھرے اور دوسرا کرسی کے کی بیک پر رکھ کر ٹیڑھا بیٹھا خلیفہ تبریز اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔اسی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

غم زندگی،غم بندگی،غم دو جہاں،غم کارواں!

میری ہر نظر تیری منتظر،تیری ہر نظر میرا امتحاں!

وہ چیونگم چباتا اسے بیٹھتے دیکھ کر کہہ رہا تھا۔معروش نے اس کی ٹی شرٹ پر گری چینز کو دیکھتے ہوئے کرسی سنبھالی اور بھنوروں کو آپس میں ملاتے ہوئے بولی۔

"لائن مار رہے ہو؟" اسے خلیفہ سے اسی چیز کی امید تھی تبھی بغیر برا منائے بولی۔

"فل اون!" وہ بھی جیسے اسے چھیڑنے میں حظ اٹھا رہا تھا۔

"سوچو اگر تمہاری یمن کو پتا چل گیا تو تم جان سے جاؤ گے۔"

معروش کی بات پر اس کا قہقہہ برجستہ تھا۔وہ اکثر اس کی باتوں پر ایسے ہی ہنستا ہوا پایا جاتا تھا۔ہنستے ہنستے اس نے بھی ایک چٹکلہ چھوڑا۔

"سوچو اگر تمہارے نوفل کو پتا چل گیا تو وہ جان سے جائے گا۔"

معروش کو یہ بات سن کر آگ لگ گئی تھی۔اس نے اس آگ پر کنٹرول کیا لیکن چنگاری پھر بھی محسوس ہوئی۔

"سنو مسٹر!میں یہاں تمہارے ساتھ ڈیٹ مارنے نہیں آئی۔" اب کہ وہ سنجیدہ ہوئی تھی۔

"واقعی؟پر میں تو فل ڈیٹ کے موڈ میں آیا ہوں۔" وہ اس قدر سنجیدگی سے کہہ رہا تھا کہ معروش کی چھٹی حس جاگ اٹھی۔

"اپنی حد میں رہو خلیفہ تبریز!اور مت بھولو کہ میں کون ہوں۔" میز پر ہاتھ مارتے ہوئے وہ بھڑک اٹھی تھی۔

خلیفہ نے ہینڈز اپ والے انداز میں ہاتھوں کو اٹھایا اور اپنا وزن بیچاری کرسی پر گرا کر کہنے لگا۔

"تم مجھے بھولنے ہی کب دیتی ہو معروش حبیب کہ تم کون ہو،جب سے میری زندگی میں آئی ہو طوفان

مچائے جا رہی ہو۔"

معروش نے تلخ نگاہوں سے اسے گھورا اور اسی آواز میں بولی۔

"طوفان تو اب تمہاری زندگی میں مچنے والا ہے، سنا ہے یمن بہت معصوم ہے۔" اس نے ان ڈائریکٹ دھمکی دی تھی اور وہ دھمکی خلیفہ کے دل کو لگی لیکن اس نے کنٹرول کر لیا۔

"درست سنا تم نے، لیکن یہ بھی تو سنا ہوگا نا کہ جب آپ کی زندگی میں شیرنی آجائے تو چوہیا کو کوئی نہیں پوچھتا۔" "ایسا ہے تو پھر ایسا ہی سہی۔ معروش اس کی بات سے چونکی تھی۔

"کیا مطلب؟"

خلیفہ نے چال چلی، لبوں کو پھیلایا اور کرسی سے تھوڑا آگے کو جھک کر رازدارانہ انداز میں گویا ہوا۔

"مطلب، خلیفہ کا دل آگیا ہے تم پر۔"

معروش کو اس کی بات سے کرنٹ لگا تھا۔ اپنی جگہ سے کھڑی ہوتے ہوئے بولی۔

"مجھے فضولیات نہیں سننی مسٹر تبریز، سیدھے سیدھے بتاؤ کیوں بلایا ہے۔"

خلیفہ نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ ناچار وہ کرسی سنبھال گئی۔

"میں نے تو بات سیدھی ہی شروع کی تھی تم نے ہی اسے ٹریک سے اتار دیا بہر حال۔" کرسی کو آگے کر کے اس نے دونوں ہاتھ میز پر رکھے اور توقف کے بعد بولا۔

"میں نے تمہارے ساتھ ڈیل کی تھی کہ ایک ہاتھ دو اور ایک ہاتھ لو لیکن تمہاری ٹیم نے اس میں دھوکہ کر دیا۔ جیزی کی جگہ ڈمی بھیج دی اب میں تمہیں بہت آرام سے کہہ رہا ہوں مجھے جیزی اور تمام ریکارڈ مواد دے دو نہیں تو کچھ بہت برا ہو جاتا ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑے سخت لہجے میں اسے ہراس کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو دوسروں کو ہراس کرتی آئی تھی۔ خلیفہ کی دھمکی پر اس نے بھنوئیں اچکائیں۔

"مثلاً۔" وہ بھی جیسے اس جائنٹ سے حظ اٹھا رہی تھی۔

"میں اپنے پلان بتایا نہیں کرتا بلکہ ان پر عمل کرتا ہوں۔ لاسٹ ٹائم کہہ رہا ہوں جیزی لوٹا دو نہیں تو ڈیوڈ کی طرح تمہارا وہ چیتا بھی جان سے جائے گا۔ لیس بے بی تمہارے سو کالڈ عزیزوں نے تمہیں دھوکا دیا ہے، تم سے

یہ بات مخفی رکھی ہے کہ تمہارا جاسوس ان کی ایک کوتاہی کی وجہ سے جان سے چلا گیا، اتنے غیر ذمہ دار سٹاف کے ساتھ کام کرو گی تو اسی طرح کے شاک پاتی رہو گی۔ انجوائے کرو اس خبر کو، پھر ملیں گے کبھی۔"

وہ یہ بات کہہ کر کوٹ جھٹکتا کھڑا ہوا تھا۔ معروش اس کی بات کے حصار میں ایک دم جکڑ گئی۔ اس کے دل پر جیسے بھاری سل گری ہو۔

"ڈیوڈ کی طرح، دانیال کی طرح۔" منمناتے ہوئے اس نے ایک دم رخ موڑ کر دور جاتے خلیفہ کو دیکھا۔ ایک دم اس میں نفرت کی تیز لہر دوڑی تھی اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ بھاگتی ہوئی اس تک پہنچنے لگی لیکن اس سے پہلے وہ خلیفہ کے پاس پہنچتی وہ گاڑی میں بیٹھ کر اسے سٹارٹ کر چکا تھا۔

"یو۔" ایک بہت بہت گندی گالی نے اس کے لبوں تک آ کر دم توڑا۔ اس نے نیچے سے پتھر اٹھا کر اس کی گاڑی کی طرف قوت سے پھینکا لیکن موڑ مڑنے کی وجہ سے وہ اسے لگ نہیں سکا۔ اپنا سر پکڑتی معروش چلتی ہوئی کرسیوں تک آئی اور ہونٹوں پر مٹھی کو مضبوطی سے جما کر بیٹھ گئی۔

اس نے سیل فون نکال کر میسج ٹائپ کیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے لب بڑبڑا رہے تھے۔

"آئی ول فنش یو خلیفہ تبریز۔"

☆......☆......☆

خواجہ ریاض کمال مہارت سے گجی پہلوان کے بہکاوے میں آ گئے تھے۔ اس کا بنایا سنہری چمکتا ہوا جال تھا ہی اتنا پیارا کہ وہ اس کے اس جال میں جکڑنے کے باوجود بھی خود کو بہت پرسکون محسوس کر رہے تھے۔ سگار کے دھوئیں اڑاتے ہوئے خواجہ ریاض کے لبوں پر کمینی سے مسکان تھی۔

"اب آئے گا اونٹ پہاڑ کے نیچے، یہ کو برا سمجھتے تھے کہ کوئی ان کی ٹکر کا نہیں ہے۔ انہیں اب پتا چلے گا ان کے باپ میدان میں آ گئے ہیں۔ اوئے ولید!" گہرے حلقوں سے سجے بیٹے کے چہرے نے ان کے کشادہ ماتھے پر جال بنا دیا تھا تبھی وہیں سے پھنکارے۔ وہ باپ کو دیکھ کر سیدھا ہوا۔

"کبھی ایکٹو بھی نظر آیا کر۔ جب دیکھو ٹنوں کی طرح کھویا کھویا رہتا ہے، میں بتا رہا ہوں اگر اب تو نے آئس کو چھوا بھی تو بخدا تیرے ہاتھ کاٹ کر رکھ دوں گا۔ بہت ڈھیل دے لی اب تیاری پکڑ اور نکل لندن یہاں

سے۔" وہ جانتے تھے اب جس شیر کی کچھار میں وہ ہاتھ ڈال رہے ہیں ان میں خطرہ ہی خطرہ ہے اور ولید ان کی سب سے کمزور کڑی ہے اس لیے وہ جتنی جلدی ہو سکتا تھا اس کڑی کو منظر عام سے غائب کرنے کی سعی میں تھے۔
ان کا بھتیجا شاہد اپنی قمیض درست کرتا ان کے پاس بیٹھا اور آنکھیں سکیڑ کر ولید کو دیکھنے لگا۔

"اس کی آج کل ہمارے نوکروں سے خاصی گاڑھی چھن رہی ہے۔ان کے ساتھ یہ بہت پایا جاتا ہے۔"

یہ خبر جیسے خواجہ کے سر پر بم بن کر گری تھی یعنی ان کا لاڈلا سپوت اپنے نوکروں سے مراسم جوڑ بیٹھا ہے۔ یہ ان کی ناک کو کیسے گوارا ہوتا۔

"کیوں ولید، یہ ٹھیک کہہ رہا ہے" وہ تنک کر اس سے دوبدو پوچھ بیٹھے۔ ولید نے گلا کھنکارا اور کہنا شروع کیا

"بلاشبہ ان کا ہر لفظ درست ہے لیکن یہ میری زندگی ہے اور اس پر میری ہی مرضی چلنی چاہیے۔"

اس کی آنکھوں میں بغاوت کی تیز لہر تھی جو خواجہ ریاض کی ریڑھ کی ہڈی کو سنسنا گئی۔

"تیری مرضی کی تو ایسی کی تیسی۔ صغراں، صغراں۔" وہ پھنکارتے ہوئے اپنی میڈ کو آواز دینے لگے جو دوڑتی ہوئی دوسرے کمرے سے برآمد ہوئی۔

"جی سر۔" اس کا سانس پھول گیا تھا۔ لاؤنج میں پھیلے تناؤ کی بو وہ اچھے سے سونگھ سکتی تھی۔

"اس نانہجار کی پیکنگ کرو یہ آج رات ہی یہاں سے نکل رہا ہے۔" وہ آرڈر دینے کے بعد ہاتھ کھڑا کر رہے تھے کیونکہ انہیں ولید کے کھلتے لبوں میں سے نکلتے باغی جملوں میں قطعی دلچسپی نہیں تھی۔ ہاتھ کا اشارہ کرتے وہ اسے یہاں سے دفعان ہونے کا کہہ رہے تھے۔ ولید خون کے گھونٹ پیتا دھپ دھپ کرتا وہاں سے گیا تو خواجہ ریاض شاہد کی جانب متوجہ ہوئے۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا، آپ اپنی سیٹ کو اپنی کامیابی کو ایسے کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں۔ آپ نے کیوں گجی کے ساتھ ہاتھ ملا کر اس کیلئے راستہ کھول دیا۔" شاہد ان سے خفا تھا۔ خواجہ ریاض کو اس کی خفاہٹ پسند آئی۔

"کیونکہ میری جان اسی میں کامیابی ہے، آج میں نے گجی کو سینیٹر کیلئے نامزد کرنے کا فیصلہ اس لیے کیا ہے کیونکہ کل کو وہ میرے بڑے بڑے کام کریگا۔ میں اس کے تھرو وہ سب کرواؤں گا جو اس سیٹ پر بیٹھنے کی وجہ سے میرے لیے منع ہونگے۔ ابھی دیکھو اس نے میرے اور اپنے جاسوس خلیفہ کے کارخانے بھیج دیے ہیں کل ان کا

مال رات کے اندھیرے میں دوسرے ملک جانے والا ہے۔اس مال کو ہم قبضے میں لیں گے اور پھر عیاشی ہی عیاشی۔" وہ سرور میں جھومتے ہوئے کہہ رہے تھے۔شاہد کو کچھ پلے نہیں پڑا۔

" کیا مطلب ہے اس بات کا۔کہنا کیا چاہ رہے ہیں آپ؟"

خواجہ ریاض سیدھے ہوئے اور اسے سمجھانے کی غرض سے کہنے لگے۔

" دیکھو، کل کو برا کا مال بیرون ملک کیلئے روانہ ہو رہا ہے۔ان ٹرکوں کے جو ڈرائیور ہیں وہ ہمارے ہیں۔وہ ان ٹرکوں میں لوڈ شدہ مال منتخب کی ہوئی ویران شدہ جگہ پر اتار کر اس میں بھوسہ چوکر بھر دیں گے اور وہ مال ہمارے آدمی چائنہ پہنچا دیں گے یوں مڈی بھی ہماری اور نام بھی ہمارا اور رہا بیچارہ کو برا تو اس کے پلے آئے گا ٹھینگا۔بہت کھیل لیا ان لوگوں نے ہمارے ساتھ اب کچھ ان کے ساتھ بھی کھیلا جائے۔"

شاہد ان کی ساری بات سن کر سر ہلا رہا تھا۔سننے میں تو سب دلچسپ لگتا تھا لیکن حقیقت میں تھا خطرناک۔

" کیا ایسا کرنا ٹھیک ہے یعنی مجھے نہیں لگتا کہ ہم کو برا پر ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔ان کا نام، مقام ہے اس ملک میں وہ لیگل کرمنل ہیں اور ہم تازے تازے سیاست میں آئے۔اگر ان کے نام پر کوئی دھبہ لگ بھی گیا تو انہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن ہمارے لیے کسی قسم کی کوتاہی بڑے نقصان کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔ہماری سیٹ ہاتھ سے جاسکتی ہے۔"

وہ کسی دوراندیش کی طرح کہہ کر خواجہ کے دل کو دھڑ کا رہا تھا۔شاہد کی بات نے انہیں بدمزہ کیا۔

"اہم ہم۔۔۔اچھا سوچو دل تو برا مت کرو، خود کو اس میدان میں ڈال ہی دیا ہے تو اب کیا سوچنی یہاں وہاں کی۔میری مانو تم بھی بیفکر ہو جاؤ اور الیکشن کی تیاریاں کرو۔اس بار تم نے بھی کامیابی حاصل کرنی ہے۔"

شاہد ان کی بات پر سر دھن رہا تھا۔اس بات سے بے خبر کہ اس بار کا الیکشن وہ تو کیا خواجہ کے خاندان کا کوئی بھی شخص نہیں لڑ سکتا کیونکہ خواجہ کے کالے کارناموں کا ثبوت بہت بڑے ہاتھوں میں لگ گیا تھا۔اب وہی ہاتھ اس کی ویڈیو کو بار بار ریوائن کر کے دیکھ رہے تھے۔تصدیق کر رہے تھے۔سب کچھ واضح تھا۔آواز، تصویر اور سب کی صورتیں بھی۔

"سر، ریاض کی ویڈیو جس کمپیوٹر سے ملی ہے وہ ٹریس ہو چکا ہے یقیناً اسے چلانے والے اس میں ماہر ہیں

کیونکہ اس کمپیوٹر میں موجود ایسے ایسے ریکارڈ ہیں جو ہماری نگاہوں میں بھی نہیں پڑے۔ کیا کہتے ہیں آپ ان لڑکوں کو اپنی تحویل میں لے کر کوبرا پراٹیک کروائیں، ہمارے یہ بندے کام کے نکلے۔"

حفیظ ایک چھوٹا لیپ ٹاپ ڈپٹی ڈائریکٹر کے پاس لا کر رکھ کر کہہ رہا تھا۔ اس کے انداز میں جوش کا عنصر غالب تھا۔ انہوں نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔

"ایسا ممکن نہیں کیونکہ جو سکیورٹی انہوں نے اپنے کمپیوٹرز پر لگوائی ہے وہ قابل غور ہے۔ ہمارے چند ایک جوان اس کام میں جی جان سے لگے ہیں ضرور آئندہ دنوں میں وہ اچھی خبر سنائیں گے۔ اس سے پہلے تم ایک کام کرو۔ اپنے چند بندے خواجہ اور اس کے بھتیجے کے پیچھے لگواؤ مزید ثبوت اکٹھے کرو پھر ہی ہم اس پر اٹیک کریں گے۔"

حفیظ نے ان کی بات پر ایڑھی بجا کر سلیوٹ مارا۔

"راجر سر۔" وہ یہ کہہ کر باہر گیا۔ باہر آتے ہی اس کی نگاہ سرخ چہرے والی معروش پر پڑی جو جارحانہ انداز میں جیری کے سیل کی جانب بڑھ رہی تھی۔ حفیظ نے پیچھے تک اسے دیکھا تھا۔ وہ اس کا سیل کھول کر اندر گئی اور اونچی آواز میں چیخی۔

" کیا تم مجھے بتاؤ گی خلیفہ تبریز کو کون سی چیز مات دے سکتی ہے۔" وہ طیش میں بول رہی تھی۔ ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھی جیری نے سر اٹھایا اور پر سوچ انداز میں کہنے لگی۔

"وہ خود اپنے آپ کو مات دے سکتا ہے لیکن تمہیں ایک اہم بات بتاؤں۔ اس کا سی آئی اے بھی کچھ نہیں بگاڑ سکی۔" معروش جھٹکے سے وہاں سے نکلی اور راستے میں کھمبے کی طرح حفیظ کو کاٹ کھانے والی نظروں سے گھور کر کہنے لگی۔

"تم میرے وفادار تھے پھر بھی تم نے مجھ سے دانیال کی موت کی خبر چھپائی، شرم آ رہی ہے تمہیں ایسا کرتے ہوئے۔"

حفیظ کے گردن کی ہڈ اوپر نیچے ہوئی۔ سر کو نفی میں جنبش دے کر وہ کہہ رہا تھا۔

"نہیں کیونکہ میں ایک دلہن کو اس کی رخصتی کے وقت یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ہمارے ساتھی کی لاش آئی ہے۔ یہ

بات خاصی غیر اخلاقی ثابت ہوتی۔"

معروش نے دانت کچکچائے اور وہاں سے نو دو گیارہ ہو گئی۔ رات بارہ پچپن کا وقت تھا جب وہ گھر واپس آئی تھی۔ بھڑکی ہوئی معروش نے گاڑی کا دروازہ زور سے بند کیا اور لان میں موجود نوفل کو نظر انداز کیا جو اس کے انتظار میں وہیں بیٹھ گیا تھا۔ معروش اسے زبردست طریقے سے اگنور کر کے اندر کی طرف بڑھی۔ نوفل بھی اس کے پیچھے گیا تھا۔

"معروش! کہاں تھی آپ، میں کب سے آپ کا ویٹ کر رہا تھا۔" وہ جلدی سے اس تک پہنچ کر کہہ رہا تھا۔ معروش نے ایسے ری ایکٹ کیا جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ وہ اپنا کوٹ اور سکارف اتار کر اسٹینڈ پر لٹکا رہی تھی جب ایک بار پھر اسے نوفل کی آواز سنائی دی اور وہ بھڑک اٹھی۔

"معروش! میں آپ سے پوچھ رہا ہوں۔ کہاں۔۔۔" اس کی بات درمیان میں رہ گئی۔ وجہ معروش کا بدتمیزوں کی طرح چلانا تھا۔ اپنے کمرے سے نکلتی نانو پر بھی اس کی بدتمیزی سے گھڑوں پانی پڑا تھا۔

"میں جہاں بھی تھی تمہیں اس سے کیا، کہاں تھی کہاں تھی ایک ہی بات کی رٹ لگالی ہے تم نے تو، میں نے شادی کی ہے خود میں بیڑیاں نہیں ڈال لیں جو میں باہر بھی نہ جا سکوں اور سن لو۔" وہ انگلی اٹھاتی سرخ آنکھوں سے غراتے ہوئے بولی۔

"میں تمہیں کسی بھی بات کی جواب دہ نہیں ہوں، مجھ پر زیادہ حکومت۔ اوکے۔"

دبے لہجے میں کہتی ہوئی وہ نوفل کو سن کھڑا وہیں چھوڑ گئی۔ بھینچے لب اور ضبط سے بھرے سرخ چہرے والے نوفل کی نگاہ بھٹک کر نانو پر پڑی تو اسے اور زیادہ شرمندگی ہوئی۔ وہ نظریں چرا گیا۔ نانو شرمساری اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ نوفل نے سیڑھیوں پر نگاہ ڈالی۔ غصہ اس کے پورے بدن میں زہر کی طرح پھیل گیا تھا۔ ایک پل کو تو دل چاہا ابھی جائے اور سر پھری لڑکی کے ہوش ٹھکانے لگا دے مگر اس نے خود پر بند باندھ دیے۔ کوٹ کو زمین پر پھینکا اور سجی ہوئی میز کی کرسی کھینچ کر ٹانگیں سیدھی کر کے اس پر بیٹھ گیا۔ اسے نہیں پتا تھا کب اس کی آنکھ لگی لیکن جیسے ہی پہلی اذان ہوئی اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ کرسی سے اٹھا اور مسجد کی اور چل دیا۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ انہی کپڑوں میں جاگنگ کرنے لگا۔ اپنی ژولیدہ سوچوں میں وہ ٹریک پر بھاگ رہا تھا جب وہی کشمیری گالوں والی

لڑکی اس کے برابر آئی اور مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

"دو دن سے آپ سٹور نہیں آئے، کہاں تھے آپ؟"

نوفل نے ایک سخت نظر اس پر ڈالی اور اپنی رفتار تیز کر لی لیکن شاید وہ لڑکی آج اس کا پیچھا چھوڑنے والی نہیں تھی۔ زور لگا کر اس تک پہنچی اور پھر سے وہی پوچھا۔ نوفل نے زچ ہوتے ہوئے اسے جواب دیا۔

"میں اپنی بیوی کے ساتھ تھا اور پلیز آپ اب میرا پیچھا مت کرو، مجھے یہ سب بالکل پسند نہیں۔" اس نے رفتار بڑھائی اور گھر آ کر ہی رکا۔ پسینے میں شرابور نوفل جونہی گھر کے اندر داخل ہوا اس کی نگاہ نانو کے ساتھ کھڑی معروش پر پڑی تھی۔ وہ ان دونوں کو اگنور کرتا کچن میں گیا۔ پانی پینے کے بعد اس نے اپنے کمرے کا رخ کیا تھا۔ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگ کر وہ کمرے میں آیا اور کبڈ میں سے کپڑے نکالنے لگا۔ جب اسے اپنے پیچھے کسی کے ہونے کا گمان ہوا۔ ٹراؤزر شرٹ نکال کر وہ جونہی مڑا معروش اس کے عین پیچھے کھڑی تھی۔ وہ سائیڈ سے نکلنے لگا لیکن یہ ترکیب بھی اس کی ناکام گئی کیونکہ معروش نوفل خان نے اس کے آگے ہاتھ کر دیا تھا۔

"ناراض ہو؟" وہ جو سمجھی تھی نوفل اس کی بات کا جواب نہیں دے گا، برجستہ بولنے پر اپنے ہونٹوں پر امنڈ آنے والی مسکان کو روک نہ پائی۔

"ہاں ہوں اور کچھ دیر تک رہوں گا بھی اس لیے مجھے پریشان مت کریں۔" وہ پھر سے نکلنے کی سعی میں تھا اور ایک بار پھر اسے گہرا سانس بھر کر خود پر ضبط کرنا پڑا۔

"اور مجھے لگا تھا تم کہو گے کہ نہیں معروش میں آپ سے ناراض نہیں ہوں، ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ مجھے آپ سے محبت جو ہے۔"

اس کی بات ختم کرنے کے بعد نوفل نے اسے جن نگاہوں سے دیکھا تھا وہ کھسیا سی گئی۔ وہ اسے دیکھتا رہا تھا پھر توقف کے بعد بولا۔ "یہ ایک بیکار جوک تھا۔"

معروش نے سینے پر بازو باندھے۔

"ویل تم درست ہو لیکن کبھی کبھی زندگی میں اس طرح کے بیکار جوکس ہونے چاہئیں، مزا آتا ہے۔" نوفل نے اپنی آنکھوں کو گھمایا۔ اس کی سرخ آنکھیں نیند کی چغلی کھا رہی تھیں۔

"جو چیز مجھے پسند نہیں ہوتی اس میں مجھے مزا بھی نہیں آتا اور ہاں سب سے اہم بات۔ محبت میں ناراضگی بہت اہم ہے جس محبت میں ناراضگی نہیں اس کی کوئی وقعت نہیں، اب آپ راستے سے ہٹ جائیں کیونکہ میں ناراض ہوں آپ سے۔"

سپاٹ لہجے میں کہتا وہ چہرے پر بیزاری لانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ معروش کو وہ اچانک بہت پیارا لگا۔

"اچھا انداز ہے اعتراف کا۔ مجھے پسند آیا۔" وہ یونہی سینے پر ہاتھ باندھتی سرکی تھی۔ نوفل بنا کچھ کہے جانے لگا تو معروش نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ اس سے چند قدم دوری پر تھا جب معروش نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ وہ اس کا ہاتھ تھامتی گھوم کر اس کے سامنے آئی اور کہنے لگی۔

"دنیال کی موت کی وجہ سے ڈسٹرب تھی میں، اس لیے تم پر غصہ ہوگئی۔ مجھے بتاؤ میں تم پر بھی غصہ نہ کروں تو کس پر کروں۔ تمہارے علاوہ ہے بھی کون میرا، نانو ایج میں بڑی ہیں ان کا لحاظ فرض ہے، بچے صرف ایک تم۔"

اس بار اس کا لہجہ پشیمانی کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا۔ آنکھوں کی نمی کہیں دور سمندر سے چرا کر لائی گئی اور اسے اس گہرے سیاہ نینوں میں منتقل کر دیا گیا۔ شفق کی سرخی گالوں کی زینت بنی اور چاند کی چاندنی چہرے پر نور کی طرح برس پڑی۔ کھلی کھڑکی کے باہر سے صبح صادق کی خبریں لاتی چڑیاں اس پیارے جوڑے کو دیکھ کر وہیں رک گئیں۔ وہ اندر کی باتیں سن رہی تھیں جو کہ یہ تھیں۔

"غصہ کریں جتنا دل چاہیں کریں حق ہے کرنے کا لیکن بدتمیزی، یہ کہاں کا اصول ہے معروش۔" اس کی خفا آواز پر معروش کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔ وہ مزید نوفل کو سن رہی تھی۔

"میں آپ سے خفا ہوں اور رہوں گا کیونکہ آپ نے مجھے دکھ دیا ہے، آپ نے ہمارے رشتے کو ایک عجیب سے پیراہن میں ڈھال دیا۔ آپ کو لگتا ہے میں آپ پر پابندیاں لگاؤں گا؟ سوچ بھی کیسے لیا آپ نے، مجھے حیرت ہوئی تھی آپ کے الفاظ سن کر اور میں ہرٹ بھی ہوا ہوں۔ وہاں نانو تھیں کوئی اور ہوتا تو؟ آپ ان کے سامنے بھی مجھے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیتیں۔ غریب ہوں بے غیرت نہیں۔"

معروش نے اچانک سر اٹھایا، اسے نوفل کا چہرہ ضبط سے سرخ لگا۔

"میں یہ نہیں کہہ رہا کہ آئندہ آپ سے دریافت نہیں کرونگا کہ آپ کہاں تھیں یا کہاں نہیں، میں پوچھوں گا

ایک ایک بات پوچھا کرونگا کیونکہ یہ میرا حق ہے اور آپ کو بتانا پڑے گا کیونکہ یہ آپ کا فرض ہے لیکن میں محتاط ہو گیا ہوں اور اسی وجہ سے میں آپ پر زیادہ چڑھائی نہیں کرونگا۔"

وہ اپنا ہاتھ چھڑوانے لگا تھا لیکن نہیں چھڑوا پایا وجہ معروش کی مضبوط گرفت تھی۔

"ایم سوری میں تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتی تھی۔" نوفل کا ہاتھ چھوڑ کر وہ کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔اس نے بند دروازے کو دیکھا اور پھر کپڑے بیڈ پر اچھال کر سر پکڑ کر پائنتی میں ٹک گیا۔

☆......☆......☆

وہ تیز تیز قلم چلا رہی تھی اور ساتھ ساتھ وقفے وقفے سے گھڑی کی سمت بھی دیکھ لیتی تھی۔آج اس کے آخری سمسٹر کا پہلا پیپر تھا۔اس کے عین آگے ثوبیہ اور پیچھے بلال بیٹھا تھا۔اسے اپنی کرسی پر کسی کے پن کی دستک سنائی دی۔سر اٹھا کر ہلکا سا گردن کو موڑا تو بلال مسکین سی صورت بنائے اسے تک رہا تھا۔

"سیکنڈ پارٹ کا فورتھ سوال، واللہ بڑا ہی سر پھرا ہے کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔" وہ ہلکا سا پھسپھسایا تھا۔یمن آخری سوال اٹمپٹ کر رہی تھی۔تھوڑی سی پیچھے ہوئی اور پیپر کو دائیں جانب مزید کر کے وہ سوال نکال کر بیٹھ گئی۔

"سنو نکمے سٹوڈنٹ، تمہارے پاس صرف پانچ منٹ ہیں ٹھیک پانچ منٹ بعد میں نے اپنا کرنا شروع کر دینا ہے۔" وہ اسے وارن کرتی اپنا کوئسچن پیپر اٹھا کر پڑھنے لگی۔وہ بڑے مصروف سے انداز میں اپنے پیپر کو پڑھنے میں مگن تھی جب اسے کچھ غیر معمولی سا احساس ہوا۔اس نے نگاہ اٹھائی اور دھک سے رہ گئی۔راؤنڈ لگاتی میم اس کے سر پر کھڑی تھیں۔یمن کا چہرہ انہیں دیکھ کر فق ہوا جو اسے کھڑے ہونے کا کہہ رہی تھیں۔

"مس یمن! آپ دو منٹ میرے ساتھ کمرے سے باہر چلیں گی پلیز۔"

ان کی آواز پر پورے ہال میں موجود سٹوڈنٹس کی گردنیں اٹھی تھیں۔ثوبیہ پیچھے مڑ کر دیکھنے لگی۔ایسا تو دو صورت میں ہوتا تھا ایک تب جب کوئی نقل کرتے ہوئے پکڑا جائے اور ایک تب جب کسی اور کو نقل کروائی جائے۔یمن اور بلال خود میں ہی سمٹ گئے تھے وہ جان گئے تھے کہ یہ دوسری صورت ہے۔ثوبیہ نے احتجاج کیا۔

"لیکن میم، اس میں میری بہن کا کیا قصور ہے آپ نقل کرنے والے کو پکڑیں۔"

بلال اس بات سے گڑبڑا گیا تھا۔اس کی آنکھیں ثوبیہ کو دغا باز کہہ رہی تھیں۔

"کیا میں نے کہا مجھے کسی سے کچھ سننا ہے، مس یمن حیات! آپ میرے ساتھ اس کمرے سے باہر چلیں گی ابھی۔"

وہ ثوبیہ کو جھڑکنے کے بعد حتمی انداز میں یمن سے مخاطب ہوئی تھیں۔ ان کی آواز اتنی سخت تھی کہ کھڑا ہوتا بلال بھی بیٹھ گیا اور ثوبیہ کے وا ہوتے لب بند ہو گئے۔ یمن نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کمرے سے نکلنے تک کھا جانے والی نظروں سے بلال کو گھورا تھا۔ ایک تو پہلے اس کے سر پر پٹی بندھی تھی اوپر سے ایک اور مصیبت اس کے سر میں ڈبل درد ہونے لگا۔ وہ ان میم کے ساتھ کاریڈور میں سے گزرتی ہوئی سٹاف روم کے باہر آ کر رکی۔

"چلیں اندر۔" یہ آرڈر نہیں بلکہ متوقع بے عزتی کا عندیہ تھا۔ وہ سر جھکائے کمرے میں آئی لیکن وہ جیسے ہی کمرے میں آئی پیچھے سے کسی نے دروازہ بند کر دیا۔ یمن نے گھبرا کر سر اٹھایا اور دروازے سے جا لگی۔ سامنے ہی صوفے پر دی خلیفہ تبریز سگار کے کش بھرتا ہوا بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔

"تم اپنے پانچ منٹ بیکار کے کام میں ضائع کر رہی تھی تو میں نے سوچا کیوں نہ یہ پانچ منٹ تم میرے ساتھ وقف کر دو، ہیلو یمن کیسی ہو؟"

وہ اپنے کوٹ کا بٹن بند کرتا اس کے پاس آ کر رکا۔ اس کے بالوں کا جوڑا اور گھری داڑھی ہنوز برقرار تھی۔ اسے دیکھ کر یمن کا دل بھر آیا۔

"میں ٹھیک نہیں ہوں، میرے سر میں درد ہے۔"

وہ اس کے نروٹھے انداز پر مسکرایا۔

"کوئی نہیں اس درد کی عمر بہت کم ہے، جلد ختم ہو جائے گا۔" اس نے انگوٹھی میں قید اپنی چھوٹی انگلی سے اس کی پلک پر آ کر رکا آنسو اٹھایا اور مٹھی بند کر کے اسے اپنے ہاتھ میں جذب کر لیا۔

"لیکن وہ درد بہت طویل ہے جو تمہیں میرے ساتھ سے ملنے والا ہے، بولو کیا سوچ لیا ہے اس بارے میں؟" یمن کی لمبی مسکارے بھری پلکوں نے خلیفہ کے لمس کے سبب کانپنا شروع کر دیا تھا۔ اس کا دودھیا چہرہ سرخ تھا اور آنکھوں میں ناراضی۔

"میں نے آپ کو تب چاہنا شروع کیا تھا جب میں آپ کے نام سے بھی واقف نہیں تھی۔ اب تو آپ کو

پہچانتی ہوں۔"

خلیفہ نے بھنویں اچکائیں جیسے وہ اس کی بات سے محظوظ ہوا ہو۔

"لیکن یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔"

کھلی کھڑکی سے آتی سورج کی شاعیں خلیفہ کی پشت سے ٹکرا رہی تھیں۔ نیوی براؤن ٹکسیڈو میں ملبوس خلیفہ اس سے بالکل ایک بزنس مین کا روپ دھارے ہوئے تھا شاید وہ سیدھا اپنے این جی او سے یہیں آیا تھا۔

"حالانکہ آپ کو جواب مل چکا ہے لیکن پھر بھی کہہ دیتی ہوں مجھے آپ کا ساتھ منظور ہے۔" دروازے سے ٹیک لگائے اپنی ارغوانی رنگ کی فراک کو پکڑے وہ سیدھے کھلے بالوں میں کھڑی آج پھر خلیفہ کے دل میں اتر رہی تھی۔ وہ جس بھی انداز میں ہو خلیفہ کے دل کو چھو جاتی تھی کیونکہ وہ اس سے دل جو لگا بیٹھا تھا۔

"ٹھیک ہے، پھر میرے ساتھ چلو میرے ماؤنٹین ہاؤس میں آج اور ابھی۔" وہ اس کے فیروزے سے سجے آویزوں کو دیکھتا کہہ رہا تھا۔ یمن متحیر ہوئی۔

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے، میرا پیپر ہے میں فیل۔۔۔"

خلیفہ نے اس کی بات درمیان میں کاٹ دی۔ وہ شاید اس کا امتحان لے رہا تھا۔

"اس سب کی تمہیں پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں، یہ میرا کام ہے اور میں اپنے کام بخوبی کرنا جانتا ہوں۔"

یمن نے سوچتے ہوئے اپنے لب کچلے۔

"آپ مجھے وہاں کیوں لے کر جانا چاہتے ہیں؟"

خلیفہ کو اس کے معصوم سے ڈرے ہوئے سوال پر مسکرانا آیا، وہ مسکرا بھی اٹھا۔

"باتیں کرنے کیلئے، تم سے وہ سب کہنا ہے جو کہنے کیلئے میرا دل ترس گیا ہے۔ یقین مانو میں بھی ایک انسان ہوں۔"

وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا کہہ رہا تھا۔ یمن مشکل میں پڑ گئی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ کیا کرے۔ بہت ساری اس کی کالج کی اور یونی فیلوز کی کہانیاں اس کے سامنے تھیں جن کا انجام اسی طرح کے قدم نے نہایت عبرت ناک بنا دیا تھا۔ وہ اپنا انجام عبرت ناک نہیں بنوانا چاہتی تھی تبھی سر اٹھا کر اسے آس سے دیکھ

رہی تھی۔

"اگر میں کہوں میں نہیں جاؤں گی تو مجھ سے محبت نہیں کرو گے آپ۔"

خلیفہ نے شانے اچکا دیے۔

"محبت اعتبار مانگتی ہے میں اسے ہی کمانے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

یمن نے پھر نظریں جھکائیں۔ وہ مٹھیاں کھول بند کر رہی تھی۔ لبوں کو بری طرح کچل رہی تھی۔ خلیفہ کے ماتھے کی تیوری ابھری۔

"ہاں یا ناں؟" اب کے اس کی آواز بھی سخت ہوئی تھی۔ اس کی زندگی میں آئی پہلی عورت اس سے یوں کترا رہی تھی یہ تو سراسر بے عزتی ہی تھی۔

"ٹھیک ہے اٹس اوور۔" آگے بڑھ کر اسے بازو سے پکڑ کر سائیڈ پر کر رہا تھا۔ ابھی وہ دروازہ ہی کھول رہا تھا جب اسے یمن کی آواز سنائی دی۔

"میں چلوں گی بلکہ میں چل رہی ہوں۔"

خلیفہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔ اس کے لب دل فریب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔

"ٹھیک ہے یہیں رہو، میرے نکلنے کے چند منٹ بعد تم میرے ڈرائیور کے ساتھ یہاں سے چلو گی۔ شہر سے نکلنے کے بعد میں تمہیں پک کر لوں گا۔ گھبراؤ نہیں یہ سب احتیاطی تدابیر ہیں۔" وہ یہ کہہ کر وہاں سے گیا تھا۔ یمن وہیں صوفے پر آ کر بیٹھی تو یعنی اس کی میم بھی خلیفہ سے ملی ہوئی تھیں یا پھر یوں کہا جائے وہ ملی ہوئی نہیں تھیں بلکہ اس کی بھاری رقم کی عوض بک گئی تھیں۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ باندھے صوفے پر آ کر بیٹھی۔ اس کا دماغ مختلف سوچوں کی اماجگاہ بنا ہوا تھا۔ فقط دس منٹ ہی گزرے ہوں گے جب سٹاف روم کے دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ الرٹ ہو گئی لیکن پھر اسے ڈھیلے ہو جانا پڑا۔ وجہ وہی میم تھیں جو اسے کمرہ امتحان سے ڈرا کر لائی تھیں اور اب اسے خلیفہ کے ڈرائیور کے آجانے کی اطلاع دے رہی تھیں۔

"تمہیں لینے آ گئے ہیں۔"

وہ اس اطلاع پر سرہلاتی اٹھی اور ان کی معیت میں چلتی ہوئی پارکنگ لاٹ میں آ گئی۔ وہ چاہتی تھی ثوبیہ کو بتا

دے اپنے جانے کا لیکن پھر یہ سوچ کر تھم گئی کہ وہ اسے جانے نہیں دے گی۔ روک دے گی اور فی الحال اس کا جانا ہی بہتر تھا نہیں تو وہ خلیفہ کو کھو دے گی جس کی متحمل وہ نہیں ہو سکتی تھی۔

وہ پارکنگ لاٹ میں کھڑی جی ایل آئی میں آ کر بیٹھی اور ثوبیہ کے تلخ جملوں کو سوچنے لگی جو کہ یہ تھے۔

"عورت کو کم از کم اتنا مضبوط تو ہونا چاہیے کہ اسے غیر مرد نگاہ اٹھا کر نہ دیکھے، اپنے کردار کی گواہ وہ خود ہو دوسروں کے جج اور رائے نہیں، اپنے بھائیوں کو سیل فون دیتے ہوئے اس کے ہاتھ نہ کانپیں، اس کا دل نہ ڈرے، اسے پسینے نہ آئیں اس خوف سے کہ اگر انہوں نے میرے کانٹیکٹس دیکھ لیے تو؟ میسجز پڑھ لیے تو؟ اور اگر فون ہسٹری چیک کر لی تو؟ میں سمجھتی ہوں عورت کو کم از کم اتنا مضبوط تو ہونا ہی چاہیے کہ اس کے دل کے ساتھ ساتھ اس کا سیل بھی پاک رہے۔"

یمن نے مضبوطی سے اپنا سیل فون پکڑ کر گہرا سانس بھرا۔ وہ ان سب چیزوں پر پوری اترتی تھی۔ اس کی طرح اس کا سیل فون بھی پاک تھا، بری چیزوں سے نبرد آزما تھا۔ وہ اتنی ہی دلیر تھی کہ چند ایک دوستوں کے علاوہ کسی میں ہمت نہیں ہوتی تھی اس سے فری ہونے کی۔ وہ انہیں یہ ہمت دیتی ہی نہیں تھی تو ہوتی کیسے۔ جب ہم کسی کو معمولی سا بھی اشارہ دیتے ہیں، اسے جرأت دیتے ہیں تو تبھی وہ اس کا فائدہ اٹھا کر ہم سے زیادہ قریب آتا ہے جبکہ یمن حیات کسی بھی غیر لڑکے کے سامنے اتنی محتاط ہوتی تھی کہ وہ بھی سوچ میں پڑ جاتا تھا کہ اس معصوم لڑکی کے ساتھ بات کی جائے یا پھر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور پھر وہ اس کے پیچ و تاثرات دیکھ کر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتے تھے لیکن یہ پیچ و تاثرات وہ خلیفہ کیلئے نہیں لا پائی تھی بلکہ یہ فیلنگز جو اچانک سے منہ زور گھوڑے کی طرح اس کے وجود میں پروان چڑھی تھیں یہ صرف خلیفہ کیلئے ہی تھیں۔ وہ بدل تھی تو صرف خلیفہ کیلئے، اس نے خود پر جبر کیا تھا تو صرف خلیفہ کیلئے کیونکہ اسے خلیفہ سے محبت تھی سچی والی محبت، وہ محبت جس نے اسے اتنی ہمت دی تھی کہ کسی کو بھی بتائے بغیر وہ انجانے راستوں پر چل پڑی تھی۔ وہ راستے جن کی نہ تو اسے اس سے پہلے خبر تھی اور نہ ہی پہچان۔

تین گھنٹوں سے وہ ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی باہر دیکھ رہی تھی۔ اسے انتظار تھا اس شخص کا جس کی دل کی باتیں سننے کیلئے وہ تن تنہا اس اجنبی راستے کی مسافر ہو گئی تھی۔ جس کی دلجوئی کی خاطر اس نے یہ بھی نہ سوچا تھا کہ

اس کے پیچھے اس کے گھر والوں کا کیا ہوگا، آنے والے وقتوں میں اس کا کیا ہوگا۔ ہمارے معاشرے میں ایسی بہت سی لڑکیاں ہیں جو والدین کی عزت کو دو کوڑی کا کر کے کسی بھی غیر مرد کے ہمراہ کہیں بھی چل دیتی ہیں۔ اس سب کی پرواہ کیے بغیر کہ یہ جو تازہ تازہ محبت کا فتور ہے یہ عارضی ہے۔ فقط ایک بلبلہ جو زمانے کی سختی جھیلنے کیلئے ہی بنا ہی نہیں۔ ذرا سا جھونکا آیا اور اس نے پھٹ جانا ہے۔ پھٹ کر بے نام ونشاں ہونا ہی اس کا مقدر ہے۔ میرے نزدیک دو ہزار بیس کی محبت بلکہ دو ہزار بیس ہی کی کیوں بلکہ اس صدی کی محبت ایک بلبلے کی طرح ہی ہے۔ دکھنے میں بہت خوبصورت، بہت شفاف، دل کو چھو لینے والی جبکہ حقیقت میں بہت کمزور کسی بھی پل ٹوٹ جانے، ہوا میں تحلیل ہو کر اپنا نام ونشان مٹا دینے والی۔ محبت ایک بلبلہ ہی تو ہے جو جب تک ہے حسین ہے اس کے بعد ختم!

یمن کی طرح کی ہزاروں لڑکیاں ہیں جو اسی بلبلہ کی طرح کی محبت کا شکار ہو کر خود کو در بدر و خاکسار کرنے کیلئے چھوڑ دیتی ہیں۔ فقط ایک غیر مرد کی تسکین کیلئے، اسے اپنی محبت کا یقین دلانے کیلئے وہ سب کر دیتی ہیں جس کے بعد محبت کے یقین کو تو چھوڑو اپنی ذات پر یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کالجز و یونیورسٹیز سے نکلنے والی لڑکیاں، غیر مرد کی گاڑیوں میں بلا خوف وخطر بیٹھ کر ان کے ولا، فارم ہاؤس جانے والیاں، ان کے ساتھ ہوٹلنگ کرنے اور چند ہزار کا گفٹس لینے کیلئے اپنی نسوانیت کو ملیا میٹ کرنے والی لڑکیاں کیا شریف لڑکیاں کہلانے کے قابل ہیں؟ کیا ایسی لڑکیاں جو بے جھجک کسی بھی غیر مرد سے فون پر گھنٹوں بات کر لیں، ان سے چیٹنگ کر لیں، ویڈیو کال کر لیں، وہ لڑکیاں شریف کا ٹیگ ڈیزرو کرتی ہیں؟ آپ خود سوچیں اپنا خود تجزیہ کریں کہ ہم کون ہیں؟ ایک شریف لڑکی وہ جس نے والدین کی محبت وعزت کو اولین جان کر، اللہ کی نظروں میں معتبر رہتے ہوئے خود پر ان شیطانی وسوسوں سے چھٹکارہ پانے کیلئے بند باندھ دیا، بچا لیا، رلنے نہیں دیا، ایک جائز رشتہ قائم کر کے خود کی نظروں میں سرخرو ہوئی کوئی چھپا ڈر دل میں نہیں بیٹھا کہ اگر فلاں نے مجھے فلاں جگہ میرے شوہر کے ساتھ دیکھ لیا تو؟ اگر کسی نے کوئی معنی خیز بات کہہ دی تو یا پھر اگر کوئی فون یا میسج آ گیا تو؟ کیا آپ ان ڈری سہمی لڑکیوں میں سے ہیں یا پھر آپ کا کردار آپ کی سوچ کی طرح بے داغ ہے جس میں کسی قسم کا کوئی ڈر کوئی خوف نہیں۔

خدارا خود کو ان زمینی جانوروں سے بچائیں، اس خوف سے بچائیں جو آپ کو یہیں جہنم کی جھلک دکھائے

ہوئے ہے، ابھی وقت ہے سنبھلنے کا سمجھنے کا پھر نہ تو وقت ہوتا ہے اور نہ ہی حوصلہ۔

طویل تھکا دینے والے انتظار کے بعد اس نے دیکھا، سیاہ پجیرو ان کی گاڑی سے فاصلے پر آ کر رکی ہے جسے دیکھ کر ڈرائیور نے بریک لگائی اور اسے اطلاع دی۔

"میم، آپ کو اب اس سامنے والی گاڑی میں بیٹھنا ہے۔"

لیکن اس سے پہلے کہ یمن اس گاڑی میں سے اترتی سبز جینز اور سیاہ شرٹ کے ساتھ بالوں کو کور کیے وہ ٹوپی پہن کر گاڑی سے باہر آیا اور اپنی جینز کی پچھلی پاکٹ میں کچھ رکھ کر اس سفید کار کی طرف چلنے لگا جس میں اس کی حیات بیٹھی تھی محتاط انداز میں چلتے ہوئے وہ اس طرف آیا اور بیک ڈور کھول کر اس پر مسکراہٹ اچھالی۔

"کیسا کٹا سفر؟"

گاڑی سے اترتے ہی اسے خلیفہ کی مسکراتی آواز سنائی دی۔ اب وہ اسے کیا بتاتی اس سفر نے اسے کتنا نڈھال کر دیا تھا۔ اپنی تھکن چھپاتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

"ٹھیک تھا۔"

خلیفہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے آگے چلنے کو کہا۔ گاڑی میں بٹھا کر اس کے بلائنڈ شیشے چڑھانے کے بعد وہ دومنٹ کیلئے سفید کار کے پاس آیا اور پھر اپنی گاڑی میں سوار ہو گیا۔

"تمہارا سفر ٹھیک تھا لیکن میرا بدتر۔ پوچھو کیوں؟" گاڑی کو ریورس کرتا وہ پیچھے مڑ کر دیکھ رہا تھا۔ یمن نے اس سفید کار کو ہنوز وہیں کھڑا دیکھ کر پوچھا۔

"کیوں؟" اس کا کیوں خاصا پژمردہ سا تھا جو خلیفہ کو بھی پسند نہیں آیا۔ وہ سٹیرنگ کو گھماتے ہوئے کہہ بھی گیا۔

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے تم خود پر جبر کر کے یہاں بیٹھی ہوئی ہو، دیکھو اگر ایسی بات ہے تو بول دو میں ابھی تمہیں واپس چھوڑ آتا ہوں کیونکہ مجھے میرے ساتھ وہی لوگ چاہئیں جو میرے ساتھ کو دل سے قبول کریں نہ کہ وہ جن میں سے عجیب سی وائبز آئیں، میں اس وقت خوش ہوں مجھے خوش رہنے دو۔"

اس کی گاڑی کی رفتار تیز تھی اتنی تیز کہ یمن کو لگ رہا تھا اس کا دل اچھل کر حلق میں آ جائے گا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے بس میں تھک گئی ہوں اس لیے۔" وہ اپنے آپ میں سمٹی کہہ رہی تھی۔ خلیفہ

نے کچھ سوچ کر ڈیش بورڈ پر رکھی انرجی ڈرنک اٹھا کر اسے دی۔

"یہ پی لو قدرے بہتر محسوس کرو گی۔"

وہ اس کے ہاتھ سے کین پکڑ کر شکریہ کر رہی تھی۔

"آپ کا جواب تو درمیان میں ہی رہ گیا۔" اس کو یاد دہانی کراتے ہوئے وہ ان حسین وادیوں کو دیکھ رہی تھی جو اس کی نظروں کے سامنے فخر سے سر اٹھائے اپنے حسن کو بیان کرنے میں مصر تھیں۔

"چھوڑ دو، جو چیز درمیان میں رہ جائے سمجھو وہ اس قابل ہی نہیں تھی کہ اسے پورا کیا جائے یا پھر آپ اس قابل نہیں تھے کہ اسے پورا کر سکتے، اس لیے بہتر ہے چھوڑ دو اسے۔"

وہ اس کی منطق پر شانے اچکاتی باہر پھیلی سفیدی کو دیکھنے لگی تھی۔ جوں جوں وہ بلندی کا سفر طے کرتے جا رہے تھے سردی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ دوپہر ڈھل کر شام کا روپ چڑھا بیٹھی تھی اور یہاں کی شام بھی ایسی تھی کہ رات کا گماں ہوتا تھا۔ منہمک سے ڈرائیونگ کرتے خلیفہ پر یمن نے نظر کو ٹکایا۔ چوڑا منہ، ستواں ناک، سنہری سونے سی چمکتی آنکھیں، ڈھیر ساری چاکلیٹ براؤن داڑھی پلس مونچھیں ان کے درمیان قید بھورے و گلابی مائل ہونٹ، بڑی پیشانی اور اچھی رنگت، وہ بیلٹ میں قید دروازے سے ٹیک لگائے سینے پر ہاتھ باندھے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ خلیفہ کے لب آہستہ آہستہ پھیلنے شروع ہوئے۔

"میں جب ہوکاڈو میں تھا تو میری ایک گرل فرینڈ تھی۔ اس نے مجھے ایک بار کہا تھا کہ میں آج کے دور کے مردوں میں ایک شاہکار ہوں جو بہت ہی غیر معمولی ہوا کرتے ہیں۔ اسے میں دنیا کا حسین ترین مرد لگتا تھا اور یہ یقیناً اس کی نظر کا کمال تھا۔"

ہیڈ لائٹس کی روشنی میں وہ گاڑی کو دھیان سے چلاتا پتھریلے راستے پر سوار تھا۔ یمن ایک دم چونکی، خلیفہ کی بات اس کے دل پر گراں گزری تھی۔

"آپ کی کتنی گرل فرینڈز تھیں؟"

دل میں چبھتا سوال اس نے شک کے ریپر میں لپیٹا کر اسے پکڑاتے ہوئے چندھی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔ وہ اس کے انداز پر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"آئی لائک اٹ، مجھے یہ انداز پسند آیا۔" ایک خطرناک موڑ مڑنے کے بعد اس نے واپس جملے کو جوڑا اور کہنے لگا۔ "سچ بتاؤں تو میری تم سے پہلے دو گرل فرینڈز تھیں، ایک ہوکاڈو میں، آریق اور ایک چائنہ میں جیزی، اور یہ تب کی باتیں ہیں جب میں نوعمر تھا اور مجھے عورت کی ضرورت تھی ورنہ یقین کرو مجھے عورت ذات میں کوئی دلچسپی نہیں۔ انیس سال سے اب انتیس سال تک کوئی میری زندگی میں نہیں آیا نہ ہی میں نے کسی کو آنے کی اجازت دی۔"

وہ سنجیدگی سے کہتے برف میں دھنسے ٹائر کو فل ریس دے کر نکال رہا تھا۔ ٹائر کے آزاد ہوتے ہی اس نے پھر سے گاڑی کی سپیڈ ہلکی کی اور ہیڈ لائٹس کی رہنمائی میں اسے خراماں خراماں آگے بڑھاتا گیا۔

"اور میرا کیا، کیا مجھ میں بھی دلچسپی نہیں ہے یا میں بھی ایک ضرورت ہوں؟" یہ سوال کہتے ہوئے وہ اندر تک کانپ گئی تھی۔ خلیفہ نے اسے جن نظروں سے دیکھا تھا وہ ان کی عوض خجل سی ہو کر رہ گئی۔

"جب کوئی ڈھنگ کی بات نہ ہو تو بولا نہ کرو۔" خفگی آواز و انداز میں ظاہر کرتا وہ پر خطر راستوں کو پیچھے چھوڑ کر ایک سیدھی کچی، درختوں کے بیچ گھری سڑک پر آیا جو اوپر کو جاتی تھی۔

"تم اگر ضرورت ہوتی تو اس وقت میرے ساتھ نہ ہوتی، تمہارا مقام دل میں ہے تبھی تم یہاں ہو اور کچھ بھی کہہ لیتی ہو۔ آئندہ بولنے میں احتیاط کرنا مجھے اس طرح کی امیچور باتیں پسند نہیں۔"

وہ منزل آگئی تھی جس کے وہ دونوں مسافر تھے۔ خلیفہ نے اپنا بیلٹ کھولا اور گاڑی سے اتر کر گھوم کر اس کی سائیڈ پر آیا۔ اتنے میں یمن خود کو بیلٹ سے آزاد کروا چکی تھی۔

"خلیفہ کی دنیا میں خوش آمدید۔" وہ ہاتھ پھیلا کر اسے باہر آنے کا کہہ رہا تھا۔ یمن اس خوبصورت جگہ کے سحر میں جکڑ گئی۔ مسمرائز سی باہر آئی اور چہار جانب گردن گھمانے لگی۔ سفید برف سے ڈھکی پہاڑیوں کے درمیان یہ ایک چھوٹا سا کاٹیج تھا جو پورا کا پورا لکڑی سے بنایا گیا تھا۔ فقط ایک دیوار تھی جو شیشے سے نم آلود تھی۔ لکڑی کے دروازے کا ہک ہٹا کر خلیفہ اس کاٹیج کے چھوٹے سے یارڈ میں داخل ہوا، یمن اس کی پیروی کرتی اندر آئی۔ وہ دونوں اب لکڑی کے اسٹیپس چڑھ رہے تھے۔ کراس کے ڈیزائن میں بنی لکڑی کی گرل کو تھامتی وہ خلیفہ کے پیچھے ہی تھی جو اب دروازے میں چابی لگاتا اندر جا رہا تھا۔ وہ بھی اس کی تقلید میں اندر بڑھی۔ بہت بڑے

ہال نما کمرے نے اس کا استقبال کیا تھا۔اس کمرے کی ایک دیوار کے پاس کاؤچ رکھا تھا۔کاؤچ سے ذرا پرے اول شیپ کی انگیٹھی کے ساتھ ہی اسی شیپ کا جھولا بھی لٹک رہا تھا۔وہ ایسا ہی جھولا یارڈ میں موجود درخت پر بھی دیکھ کر آئی تھی۔

کمرے کی ایک دیوار ڈھیر ساری مشکل ترین کتابوں سے بھری ہوئی تھی جن میں سرفہرست گلیکسی سے ریلیٹڈ کتابیں تھیں لیکن یمن کی نظر اس پر پڑی جو جھولے پر کھلی ہوئی رکھی تھی۔ Where the heart beat۔

شاید جب وہ آخری بار یہاں آیا ہوگا تو اسے آدھا ہی چھوڑ کر چلا گیا ہوگا تبھی وہ اوندھے منہ اب تک جھولے پر رکھے کشن پر دھری ہوئی تھی۔اس کمرے کے دائیں طرف واش روم کا دروازہ تھا اور بائیں جانب اوپن ائیر کچن تھا جس پر ڈھیر ساری انواع واقسام کی شرابوں کی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔اندر آتے ہی خلیفہ نے جو پہلا کام کیا تھا وہ ان بوتلوں کو ٹوکری میں رکھ کر کبڈ میں لاک کرنے کا تھا۔

"ایکچولی مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم آنے کیلئے راضی ہو جاؤ گی اس لیے یہ سب ایسے ہی بکھرا پڑا ہے۔" وہ شراب کی بوتلوں سے بھری ہوئی ٹوکری اور مختلف پڑیوں کو کبڈ میں تیز ہاتھ چلاتا ڈال رہا تھا۔

"تو یعنی یہ ڈرنک کے ساتھ نشہ بھی کرتے ہیں۔" یمن کو افسوس ہوا۔دکھ اتنا زیادہ تھا کہ اس کا چہرہ اتر گیا۔

خلیفہ نے اس کے اترے چہرے کو اگنور کیا اور ہاتھ جھاڑتا اس تک آیا۔

"کیسی لگی میری پرائیویٹ جگہ؟" اس کی آواز میں اشتیاق بہت گہرا تھا اتنا کہ یمن نے سر جھٹک کر خود کو نارمل کیا اور طائرانہ نگاہ دوڑا کر بولی۔

"اچھی ہے۔"

خلیفہ نے اس کی جانب سیب بڑھایا جسے اس نے سہولت سے لینے سے انکار کر دیا۔

"یقین کرو میں سنو وائٹ میں موجود وچ بالکل بھی نہیں ہوں ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ فی میل تھی اور میں میل ہوں۔لول۔" اپنی بات پر وہ خود ہی ہنسا تھا۔یمن نے اسے غور سے دیکھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ یوں سر عام اسے خود کو تکتا پا کر پوچھ رہا تھا۔منہ میں کترا ہوا سیب کا ٹکڑا تھا اور

بھنویں اچک رہی تھیں۔

"یہی کہ نا جانے اور کون کون سے روپ آپ کے میرے سامنے آئیں گے، سب آئیں سہہ لوں گی لیکن دھوکا یا بیوفائی پر میں مرجاؤں گی خلیفہ۔"

خلیفہ کا جبڑا رک گیا تھا۔ اس کا منہ تک جاتا ہاتھ بھی فضا میں ٹھہر گیا۔ رک تو یہ پوری دنیا گئی تھی، یہ گھر، ہوائیں، لوگ، جانور، چاند، زمین سب رک گیا تھا چل رہی تھیں تو فقط سانسیں اور دل کی دھڑکنیں جو آپس میں پیغام رسانی کے کام میں مصروف تھیں۔ دھڑکن نے دھڑکن کی آواز سنی اور مشکل ترین محبت کا اعلان کر دیا۔

"ڈائیلاگ نہیں بولوں گا صرف ایک بات کہوں گا کہ یمن خلیفہ ہے اور خلیفہ یمن بس یہیں پر بات ختم ہوتی ہے یہیں پر ہر وضاحت دم توڑتی ہے۔"

وہ اس کی کلائی تھامے اس رکی دنیا میں اسے باہر لے آیا۔ شیشے کی دیوار کو سلائیڈ کر کے وہ بالکونی میں آئے تھے۔ جہاں یخ بستہ ہواؤں نے کھلے دل کے ساتھ ان کا ویلکم کیا تھا۔ خلیفہ نے ہونٹوں کے قریب ہاتھ رکھا اور چلانا شروع کیا۔

"سنو اے ابر، اے ہوائیں اور تمام ظالم سفیدی، خلیفہ تبریز آج محبت کے بندھن میں بندھ گیا، دیکھو اس اکیلے بھیڑیے کی زندگی میں ایک پری بہار کی طرح اتری ہے خوش آمدید کہو اسے۔"

وہ زور سے چلایا تھا۔ اتنی زور سے کہ اس کی آواز شیر کی دھاڑ سے کم نہ تھی۔ ان تنہا گھاٹیوں سے یہ آواز ڈبل ہو کر آ رہی تھی۔ یمن کے اس سارے عرصے میں پہلی بار لب پھیلے۔ وہ سن کرتی ہواؤں میں خلیفہ کی آواز کی گونج سن رہی تھی۔ وہی آواز جو واپس ان تک لوٹتی تھی۔

"میں جب بھی یہاں آتا ہوں اپنے دل کی بات کہتا ہوں، چاہے اس کا تعلق دکھ سے ہو یا خوشی سے آج تم بھی کہہ دو یقین کرو یہ وادیاں بہت رازداں ہیں۔"

یمن کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو گیا۔ اندھیرے میں سفیدی کسی نور کی طرح چمک رہی تھی۔ لمبے لمبے بوڑھے درخت سفید پیراہن اوڑھے دبکے بیٹھے تھے اور دور سے نظر آتے پہاڑ کسی بادشاہ کی طرح سینہ چوڑا کیے ان درختوں کے نگراں بنے کھڑے تھے۔ یمن نے ان درختوں، ان پہاڑوں اور اس سفیدی کو اپنے دل کی بات

کہی۔اس نے بھی خلیفہ کی طرح اپنے دونوں ہاتھ ہونٹوں کے پاس رکھے اور چلائی۔

"مجھے خلیفہ تبریز پسند ہے بالکل ویسے ہی جیسے وہ مجھے پسند کرتا ہے۔"

اس کی آواز بھی ان وادیوں نے واپس لوٹائی تھی۔وہ اس کا راز خود میں رکھ کر اسے لوٹا رہے تھے۔خلیفہ نے سرشاریت سے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر سر کو جھکا دیا۔وہ اسے چمکتی آنکھوں سے دیکھتی گئی۔

"کون کہتا ہے چاند نہیں نکلا،کوئی خلیفہ کے گھر جھانکے اسے چاند اپنی پوری چاندنی کے ساتھ نظر آئے گا۔"

یمن کی نقرئی ہنسی ان وادیوں میں بہار کھلا گئی۔

☆......☆......☆

"سارے کیمراز چیک کرو،ایک ایک چیز کو ٹٹولو اور ایک ایک بندے کو کٹہرے میں کھڑا کرو، مجھے آج کی آج ہی اس کا نام ملے جس نے ساشا کو ہلاک کیا ہے۔"

سپیشل فورس سمندر خان کے ایک فون کال پر وہاں موجود تھی۔ساشا کا خاکہ زمین پر بنا ہوا تھا اور خون جا بجا بکھرا پڑا تھا۔سمندر خان اس کی موت کا سن کر ناک پر رومال رکھتے سب پر دھاڑ رہے تھے۔وہ ان کی خاص الخاص تھی۔ان کی بہت اہم کارندی کوئی کیسے اسے اتنی آسانی سے مار سکتا ہے۔ضرور اس میں کسی اندر والے کا ہاتھ ہے۔اس اندر والے کو ڈھونڈنے کیلئے ہی انہوں نے سپیشل فورس طلب کی تھی۔نہیں تو ان کے اپنے بندے ہی کافی تھے۔

"خون بہت صفائی سے کیا گیا ہے،کوئی ہاتھوں کے نشان نہیں کوئی کلیو نہیں، فٹ پرنٹس ہیں تو وہ بھی کئی لوگوں کے ہیں۔ایک دو کے جوتے کی مٹی کے ذرات بھی ملے ہیں۔ان سب کے شوز اور پاؤں کو ٹیسٹ کروانے کیلئے لیبارٹری میں بھیج دیا گیا لیکن ان سب باتوں سے اوپر ہے یہ ایک بال جو مجھے ساشا کے ناخن سے ملا ہے اس کا ٹیسٹ کرانے کیلئے میں اپنے آدمی کو بھیج رہا ہوں یہ بال جس کی شناخت کرے گا یقیناً وہی قاتل ہے کیونکہ بال پر اور ناخن کے سرے پر خون کی بوند چپکی ہے۔ہو سکتا ہے ساشا نے دفاع کیا ہو اور اسی وجہ سے یہ بال اس کے ہاتھ میں آ گیا ہو۔"

سپیشل فورس کا ہیڈ سمندر خان کو تفصیل سے بریفنگ دے رہا تھا۔وہ سمندر کی پہنچ اور کارنامے سب سے

واقف تھا۔اس شخص کی دوستی بھی قاتلانہ تھی اور دشمنی بھی خونی۔

"مجھے یہ سب نہیں پتا بس اس شخص کو ڈھونڈ نکالو جس نے میری اتنی اہم بندی کو ابدی نیند سلا ڈالا ہے۔"

وہ کہہ رہے تھے اور ساتھ میں خلیفہ کا نمبر بھی ڈائل کر رہے تھے جو کہ سوئچڈ آف جا رہا تھا۔وہ جانتے تھے کسی اہم کام میں ہی خلیفہ اپنا سیل فون بند رکھتا ہے۔جھنجلاتے ہوئے انہوں نے سیل فون کو میز پر پٹخا۔اپنے شیر کی یاد انہیں شدت سے آ رہی تھی۔وہ ہوتا تو چٹکیوں میں سب حل کر دیتا لیکن بات تو یہی تھی کہ وہ ہے نہیں۔

"ہم جتنی جلدی ممکن ہو سکے آپ کا کام کر دیں گے۔" وہ وہاں سے کہہ کر باہر آئے اور اپنے کان میں لگی بلوٹوتھ کو ہلا کر اس میں سے کچھ سننے لگے۔

"کام بالکل ویسا ہونا چاہیے جیسا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔" بھاری مردانہ آواز پر اس سپیشل فورس کے ہیڈ نے پراسرار مسکراہٹ لبوں پر سجائی۔

"راجر باس۔" وہ آدمی وِسل بجاتا اگلا نمبر ڈائل کر رہا تھا۔اس میں وہ ڈاکٹر کو وہی کچھ کرنے کو کہہ رہا تھا جو اسے کرنے کو کہا گیا تھا۔

"رپورٹ ایک دم کلیئر آنی چاہیے، کسی بھی قسم کی کوتاہی تمہاری موت کو دعوت دے گی۔"

وہ اپنا سیل فون ہاتھ میں تھامتا ہال میں واپس آیا جہاں سمندر خان ایک ایک کو خون بھری نظروں سے گھورتے بھسم کرنے کی سعی میں تھے۔ان سب میں رخسانہ نڈر کھڑی۔ساشا کے مرنے پر شکر کا کلمہ پڑھ رہی تھی۔کچھ لوگ ساشا کے خاکہ کی تصاویر اتار رہے تھے تو کچھ یہاں وہاں ٹہلتے کسی کام میں بزی تھے۔سب کو ایک لائن میں کھڑا کر کے ان سے تفتیش بھی کی گئی تھی۔وہی بندہ چلتا ہوا رخسانہ کے پاس آیا اور اسے گہرائی سے دیکھتا مدھم آواز میں بولا۔

"اپنے دائیں کان کی لو مسل لو۔" کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا تھا۔رخسانہ نے تحیر سے اسے اگلے آدمی سے کچھ کہتے دیکھا اور جلدی سے انگوٹھے کی مدد سے کان کی لو کو مسلنے لگی۔اس نے جونہی ہاتھ نیچے کیا دھک سے رہ گئی۔اس کا انگوٹھا نیم گلابی ہو چکا تھا۔حواس درست کرتے ہوئے اس نے بالوں کو کان کے پیچھے اڑسا اور چور نگاہ اس آدمی پر ڈالی جو پوچھ تاچھ میں مصروف تھا۔

"یعنی یہ لوگ اس کے ساتھ ہیں؟ یعنی ڈر کی کوئی ضرورت نہیں۔"

اس کا دل مطمئن ہوگیا۔ بیشک مسیحا آتا ہی ہے۔ ڈیوڈ کے بعد یہ پہلا شخص تھا جس کیلئے اس کے دل میں عزت نے پناہ لی تھی۔ آنکھیں موندیں وہ خود کو یقین دلا رہی تھی کہ ہاں اب بہت جلد سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ظالم کو اس کے کیے کی سزا ملے گی اور انصاف کا ترازو اپنا فیصلہ ضرور سنائے گا۔

"یہ سوچ ہی سازش کی بو سونگھا رہی ہے، ساشا کے قتل کے پیچھے ضرور کوئی خاص مقصد چھپا ہے اور اس مقصد کو ڈھونڈ نکالنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، جان لو سمندر خان کسی کو نہیں بخشتا، کسی کو بھی نہیں۔"

وہ کھڑے ہو کر ان لوگوں پر غرا رہے تھے جو ہاتھ باندھے نگاہیں نیچی کیے غلاموں کی طرح کھڑے تھے۔ رخسانہ کے نیم گھنگھریالے بال اور چہرے پر پھیلا سکون دور سے ہی اسے بیگناہ ثابت کر رہا تھا۔ سمندر خان ٹہلتے ہوئے سب پر پھنکارے۔ شیون بھی ہاتھ باندھے انہی لوگوں میں کھڑا تھا۔ سپیشل فورس کے افسر نے عقاب کی نظر اس پر رکھی۔ وہ اسے باغی لگا تبھی اس افسر کے لب معمولی سی مسکان میں ڈھل چکے تھے۔

"سر، آپ بے فکر ہو جائیں گناہ گار اپنے انجام کو ضرور پہنچے گا، رپورٹ بس آنے ہی والی ہے۔"

یہ الفاظ دور بیٹھے حفیظ نے بھی سنے تھے۔ کانوں پر ہیڈ فونز لگائے وہ بڑا مسرور سا دکھتا تھا۔

"کون جانتا ہے کب کیا ہو جائے، وقت تیز ہوا میں رکھی کتاب کے ورقوں کی طرح پلٹتا ہے۔" وہ اپنے کان سے ہیڈ فونز نکال کر فائل تھامے تیز تیز چلتا معروش کے کمرے کی طرف بڑھا تھا جس نے اپنی چھٹیاں ڈیوڈ کے واقعے کے بعد کینسل کروالی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی نوفل بھی بیٹھا تھا جسے وہ زبردستی ساتھ لے آئی تھی۔ خواجہ ریاض کی ویڈیو دیکھنے کے بعد وہ اس آدمی کے اسکیچ کو دیکھ رہی تھی جس نے نوفل کو اس کا لیپ ٹاپ چرانے کی بات کہی تھی۔ اس کی آنکھیں عمیق سوچ کی آماجگاہ بنی ہوئی تھیں جب حفیظ نے اس سوچ کو آ کر توڑا۔ اس سے پہلے وہ معروش سے کچھ کہتا نوفل کو دیکھ کر الرٹ ہو گیا یعنی وہ کشمکش کے شکار میں تھا کہ آیا خبر پہنچائے یا نہ پہنچائے۔ معروش نے اسے آنکھوں سے اشارہ کر دیا۔ وہ سر ہلاتا باہر گیا تھا۔

"بیشک میں آپ لوگوں کا حصہ نہیں ہوں لیکن میں بے اعتبار بھی نہیں ہوں جو آپ اپنی کوئی بھی چیز میرے سامنے ڈسکس نہ کر سکیں، مت بھولیں میں آپ کا اسسٹنٹ بھی ہوں۔"

پھولے منہ کے ساتھ ایک کاغذ کو اٹھا کر پڑھتا ہوا وہ شکوہ کناں لہجے میں کہہ رہا تھا۔ معروش کے لبوں نے خود پر بند باندھا اور کہا۔

"پرائیویٹ، پرائیویٹ اسسٹنٹ ہو اور ہاں اب تم جا سکتے ہو ضرور تمہارا سٹور تمہیں مس کر رہا ہوگا۔"

اس کی بات پر نوفل چونکا، آنکھوں میں حیرت در آئی۔

"میرا سٹور نہیں ہے، نانو کا ہے۔" وہ تصحیح کر کے اٹھا، جو کام معروش نے اس سے لینا تھا وہ لے چکی تھی اب باہر کا راستہ اس کا منتظر تھا۔

"وہ نانو کا تھا اب تمہارا ہے۔" وہ عام سے لہجے میں کہتے ہوئے چیزیں سمیٹ رہی تھی۔ اس سب سے بے خبر کہ یہ بات سن کر نوفل کو کتنا صدمہ پہنچا ہے۔ وہ بیساختہ اپنی کرسی سے کھڑا ہوا تھا۔

"کیا مطلب ہے؟ میں سمجھا نہیں۔" معروش نے فائلز کو میز پر رکھ کر برابر کیا اور کاندھے اچکا دیے۔

"یعنی وہ سٹور نانو نے تمہارے نام کر دیا ہے۔" بہت پرسکون انداز میں کہتے ہوئے وہ اس کے پاس سے نکلنے لگی تھی۔ نوفل سمندروں کی لہروں کی زد میں آ گیا۔

"آپ مذاق کر رہی ہیں، یقیناً یہ ایک مذاق ہی ہے، ہے ناں؟" وہ اس کا راستہ روکے اڑے ہوئے چہرے کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ معروش کو اچانک اس میں کچھ غیر معمولی سا لگا۔ وہ رک کر، تھم کر اسے دیکھنے لگی۔

"نہیں نوفل یہ مذاق کیوں ہوگا بھلا؟"

نوفل نے اپنی زبان لبوں پر پھیری، اس کے حواس اس خبر سے مختل ہو چکے تھے۔ ماتھے پر ہاتھ رکھتا وہ بے یقین سا اسے تکنے گیا۔

"تم ٹھیک ہو؟" اس کی حالت کے پیش نظر فائلز کو واپس میز پر رکھے وہ تشویش میں مبتلا ہوئی۔ نوفل کی آنکھیں اسے اس رات کی طرح ہی سرخ لگیں جب وہ خلیفہ کے پاس جا رہی تھی۔

"یہ ایک بہت بڑا بوجھ ہے۔ شام کو ہمیں اس بارے میں بات کرنی چاہیے۔" وہ یہ کہتا معروش کو پریشان کر گیا۔ اس نے کمرے کے لرزش میں مبتلا دروازے کو دیکھا پھر گہرا سانس لے کر باہر آ گئی۔ اس کا رخ حفیظ کی طرف تھا جو اسے مل بھی گیا۔ وہ اس کے ساتھ چلتی ایک کمرے میں آئی جہاں ڈھیر ساری سکرینز پر سمندر خان

کے پرائیویٹ اڈے کی ویڈیوز چل رہی تھیں۔

"تم نے مجھے کچھ خاص کہنا تھا۔" وہ اس جگہ، وہاں موجود لڑکیوں کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ ان میں سے کافی لڑکیوں کو وہ ان ویڈیوز میں دیکھ چکی تھی جو اسے بھیجی گئی تھیں۔ ان سب کی تصاویر سامنے میز پر دھری ہوئی تھی۔ جن میں سرفہرست رخسانہ کی تصویر اور اس کا نام تھا۔ اس نے چند بٹن پش کر کے اس پر ویڈیو کو پاؤس کیا اور حفیظ سے مخاطب ہوئی۔

"اس نے ہی ساشا کو مارا ہے، تصدیق ہو چکی ہے۔" وہ اس کے پاس کھڑا مدھم آواز میں کہہ رہا تھا۔

"بہت اچھے، کیا تم نے اپنے ساتھی کو سب سمجھا دیا ہے۔" رخسانہ میں اسے کچھ اور نظر آیا تھا ایسا جو اس نے پہلے کبھی کسی میں نہیں دیکھا تھا۔

"لیں، سب ہمارے پلان کے مطابق ہی ہوگا، جو غدار ہے وہ ہمارا ساتھ دینے کیلئے تیار ہے۔"

حفیظ کا شانہ تھپتھپاتی وہ جیزی کے سیل میں آئی جو اکتائی ہوئی وہاں بیٹھی تھی۔ معروش اس کے سامنے کرسی پر بیٹھی اور خوش دلی سے بولی۔

"انڈرورلڈ میں تمہاری گمشدگی کی دھوم مچ چکی ہوتی اب تک اگر انہیں تمہارا وہ لیٹر نہ ملتا جس میں تم نے لکھا تھا کہ تم چند مہینوں کیلئے اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ اچھا ٹائم گزارنے جا رہی ہو۔"

وہ پانی کی بوتل کو منہ لگاتی ہوئی مسکراتے لفظوں کی بوچھاڑ جیزی پر کر رہی تھی۔ شولڈر کٹ سرخ بالوں، تیکھی ناک، نوک دار آنکھوں اور لمبی ٹانگوں والی جیزی اپنے سپید چہرے پر بیزاریت سجائے بیٹھی تھی۔ معروش کی بات سن کر اس نے شانے اچکا دیے۔

"مجھے اس سب سے کوئی فرق نہیں پڑتا، خلیفہ کی گھناؤنی چالوں کو میں اچھے سے جانتی ہوں۔"

وہ اپنے چڑیلوں کی طرح بڑھے ہوئے ناخنوں کو جو سفید رنگ سے سجے تھے، پر سے نیل پینٹ کو کھرچتے ہوئے بولی۔ معروش نے اس کے کانفیڈینس کی داد دی۔

"پھر تو تم اس چیز سے بھی باخبر ہو گی کہ خلیفہ نے تمہاری موت کے وارنٹ نکال دیے ہیں بلکہ تم خود لائیو دیکھ چکی ہو۔" وہ اس دن ہونے والی واردات کے بارے میں کہہ رہی تھی۔ جیزی کی آنکھوں میں شرارہ ابھرا۔

"وہ میرے باپ کو ہلکا لے رہا ہے، نہیں جانتا کہ اگر انہیں ذرا سی بھی بھنک پڑ گئی تو وہ اس کا تختہ الٹا سکتے ہیں۔"

اس کی حقارت میں کہی بات نے معروش کو نفی میں سر ہلانے پر مجبور کر دیا۔ اب وہ اسے کیا بتاتی کہ اس کے بوڑھے باپ کو جو پاکستان میں اپنی بیٹی کو ڈھونڈنے کی غرض سے آیا تھا، خلیفہ نے بڑی صفائی سے مروا دیا ہے۔

"ایسا ہی ہوگا اس سے پہلے تم مجھے خلیفہ کی کوئی ایسی چیز بتاؤ کچھ ایسا جو اسے بہت چبھتی ہو، اری ٹیٹ کرتی ہو کچھ تو ایسا ہوگا۔"

وہ انہیں وہ سب بتا چکی تھی جو اسے پتا تھا جس کا تعلق منی لانڈرنگ، چائنہ میں خلیفہ کا نام، عورتوں کی سمگلنگ اور ڈرگ سپلائے سے متعلق تھا۔ چائنہ میں موجود خلیفہ کے تمام ڈیلرز کی لسٹ وہ انٹرپول کے حوالے کر چکی تھی اب وہاں کا کام انہوں نے سنبھالنا تھا اور یہاں کا اس نے۔

"وہ ایک پیچیدہ انسان ہے، میں اس کے ساتھ دو سال رہی اور ان دو سالوں میں بس مجھے اتنا ہی معلوم تھا جتنا میں نے خلیفہ کے ڈچ کرنے کے بعد اس کے بارے میں پتا لگوایا تھا۔ اس سب کے علاوہ مجھے اتنا پتا ہے کہ وہ سیاہ رنگ کو بہت پسند کرتا ہے، اس کا فیورٹ جوس کریلے اور کھیرے کا جوس ہے۔ وہ کسی بھی قسم کا میٹ (گوشت) نہیں کھاتا۔ اسے سبزیاں پسند ہیں اور فاسٹ فوڈ سے اسے چڑ ہے۔"

معروش نے ایک بار پھر تکان بھرا سانس خارج کیا۔

"ٹھیک ہے بہت جلد تمہیں تمہارے گھر پہنچا دیا جائے گا۔ تعاون کا شکریہ۔"

وہ یہ کہتی اس کے سیل سے باہر آئی۔

"کریلے کا جوس، یک۔"

جھرجھری بھرتے ہوئے وہ زچ سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

اس نے ایک دم اپنی آنکھیں کھولی تھیں۔ اجنبی جگہ پر خود کو پا کر وہ یہاں وہاں نگاہ دوڑا رہی تھی کہ دور کچن کاؤنٹر کے پیچھے اسے خلیفہ نظر آیا جو پین کو ہلاتا وسل بجاتا کچھ پکانے میں مصروف تھا۔ یمن کمفرٹر کو سینے سے

لگائے اٹھ کر بیٹھی۔اس کے موتیوں کی لڑیوں جیسے بال ہلنے پر دونوں شانوں پر بکھر گئے تھے۔خلیفہ نے اسے جاگتا دیکھ دور سے ہی ہاتھ ہلایا۔

"صبح بخیر محبت۔" وہ ہنسی والی مسکراہٹ سے کہہ رہا تھا۔یمن کو یاد آیا کل رات وہ خلیفہ سے پہلے ہی سو گئی تھی۔اسے نیند نے اس وقت اپنی آغوش میں لیا جب وہ اس سے باتیں کر رہا تھا۔اس نے لبوں کو کھینچا اور بالوں کو گردن کے پیچھے اکٹھا کر کے گرہ لگا دی۔

"واش روم میں گرم پانی کا ٹب تمہارا منتظر ہے اور کپڑے بھی اندر ہی رکھے ہیں۔امید کرتا ہوں وہ لباس تم پر جچے گا۔"

پین میں پانی کا چھینٹا لگاتے ہوئے اس نے کہا تھا۔یمن بستر سے باہر آئی اور جاگی جاگی آنکھوں سے اسے دیکھ کر واش روم میں چلی گئی۔کچھ دیر بعد اس کی آمد ہوئی تو خلیفہ پلیٹ میں رکھے آملیٹ کو سجانے میں مصروف تھا۔اسی مصروف سے انداز میں اس نے نگاہ اٹھا کر دوبارہ پلیٹ پر جھکائی لیکن یہ کیا؟ منٹ کے ہزارویں حصے میں اس کی نظر دوبارہ اٹھی تھی۔گلابی امتزاج کی کھلی لیدر کی پینٹ پر اس نے سفید بند گلے کی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔اس شرٹ کا بین فرل والا بنا ہوا تھا۔ویسی ہی فرل اس شرٹ کے بٹنوں والی جگہ پر دائیں بائیں لگی ہوئی تھی۔لانگ کوٹ اور درمیان کی مانگ نکال کر پیچھے بندھی سیدھی پونی میں وہ خلیفہ کے دل کو تھاہ کر کے لگی۔اس کے جذبات یمن کو اس طرح دیکھ کر ایک دم سر تان کر کھڑے ہوئے تھے۔اپنے من پسند لباس میں وہ اسے بھکاری تھی۔اس کی نظر بدل گئی،سوچ بدل گئی وہ پلک جھپکائے بغیر اسے بیباک انداز میں دیکھے گیا۔یمن اس کے اس طرح سے دیکھنے پر کنفیوز ہونے لگی۔

"خلیفہ پلیز۔" وہ ہولے سے منمنائی تھی۔خلیفہ نے نظر نیچی کر کے پھر اسے دیکھا اور ہولے ہولے چلتا اس کے پاس آیا۔

"یو آر بیوٹی فل۔" وہ اس کے کان میں مدھم آواز میں کہہ رہا تھا۔

"یور بیوٹی از۔" وہ کچھ کہتے کہتے رکا پھر سیدھے ہوتے ہوئے اس کے خالی کانوں کو دیکھا۔

"میں نے دیکھا ہے،تم پتھر بہت پہنتی ہو اس لیے تمہارے لیے میں یاقوت کے آویزے لایا تھا ہوپ سو

تمہیں پسند آئیں۔"
وہ خود کو کنٹرول کر کے پیچھے ہوا اور اپنی کل کی جیکٹ کو ڈھونڈ کر ٹٹولنے لگا۔ تھوڑی سی مشقت کے بعد وہ بندے اس کے ہاتھ میں تھے جواب وہ یمن کو پکڑا رہا تھا۔
"تمہارے خالی کان بالکل بھی اچھے نہیں لگتے۔"
وہ اس سے بندے پکڑ کر کانوں میں ڈال رہی تھی۔ اتنے میں خلیفہ کو دور جھولے پر پڑا اپنا سیل جلتا بجھتا نظر آیا۔ اس سے پہلے یمن اس سیل کو دیکھتی اور اس سے اپنے سیل کے سگنلز کے بارے میں استفسار کرتی اس نے وہ جیکٹ اپنے سیل پر اچھال دی۔
"تھینک یو ویری مچ۔" وہ اس کے اشارے پر کھانے کی میز پر آ کر بیٹھی۔
"یو ویلکم۔" وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کے گلاس میں جوس ڈالتا اس کا ذہن ابھی بھی اپنے سیل کی جانب بھٹکا ہوا تھا۔ ضرور کچھ ایسا تھا جس کے سبب امپورٹنٹ کال کے سگنلز اس کے فون پر آ رہے تھے۔ اس نے سر جھٹک کر آملیٹ کی پلیٹ یمن کی جانب کھسکائی۔ وہ چیز آملیٹ کو دیکھ کر خوشی سے چہکی تھی۔
"آپ کو کیسے پتا کہ مجھے چیز آملیٹ پسند ہے۔" اس کی آواز میں بھی خوشی کی کھنک تھی۔ سینٹرل ہیٹنگ کے باعث پورا کمرہ گرم آگ کی طرح سلگا ہوا تھا تبھی باہر اٹھتے طوفان کی اندر کے مکینوں کو خبر تھی اور نہ پرواہ، مگر وال پر بھی بھاری پردے گرے ہوئے تھے۔
"میں سب جانتا ہوں۔" بے نیازی سے کہتے ہوئے اس کا انداز چونکا دینے والا تھا۔ یمن نے جلدی سے گھونٹ بھرا اور پوچھا۔
"یعنی کہ؟" اس کے انداز میں تجسس کی لہر تھی جو زور سے اٹھ کر اسے پرشوق بناتی باتوں میں دلچسپی ابھار رہی تھی۔ خلیفہ اس کی بڑی بڑی ہیرے جیسی آنکھیں دیکھ کر بولا۔
"جیسے مجھے پتا ہے کہ تمہیں چیز آملیٹ کے علاوہ پزہ بہت پسند ہے اور چاؤمین میں تمہاری جان ہے، اس کے علاوہ سفید رنگ تمہارا من پسند ہے۔ میٹھا تم نہیں کھاتی اور کلوریز گھٹانے کی تمہیں قطعی پرواہ نہیں کیونکہ تم ان خوش نصیب لوگوں سے تعلق رکھتی ہو جو، جو مرضی کھائیں ایکسٹرا ویٹ گین نہیں کرتے۔"

وہ اپنی انگلیوں پر گن گن کر ایک ایک بات جیسے پورے جزئیات سے اسے بتا رہا تھا۔ یمن اس کی آخری بات پر ہنسی، اس کی ہنسی اس پورے کمرے میں کسی لوک گیت کی طرح پھیل گئی تھی۔

"اور؟"

اسی ہنسی کے ساتھ اس نے پوچھا تھا۔ شیریں سا "اور" کسی کو بھی زیر کرنے کیلئے کافی تھا۔

"اور یہ کہ تم شطرنج میں ماہر ہو اور بالکل اسی گیم کی طرح کسی کو بھی آسانی سے چت کر سکتی ہو۔"

سلاد کو کانٹے کی مدد سے اٹھا کر اپنے منہ میں رکھتی ہوئے وہ اس حسن کے پیکر کو دیکھ رہا تھا جس کے آگے وہ مات کھا چکا تھا اور یہ ایسی بات تھی جس پر یقین کرنے کیلئے اسے وقت لگا تھا۔

"آپ یہ سب باتیں اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں۔" وہ اپنے ملائم ہاتھ ٹھوڑی تلے رکھ کر ابرو کو اچکاتی پوچھ رہی تھی۔ آملیٹ کا ٹکڑا چباتے ہوئے وہ اپنی ابرو کو بار بار اچکا رہی تھی یعنی بولو بولو۔

"کیوں کیا یہ سب سچ نہیں؟" وہ سوال پر سوال کر رہا تھا۔ یمن کو شرارت سوجھی، نئے لبادے میں وہ اپنا نیا روپ دکھا رہی تھی۔

"ہو سکتا ہے یہ سب جھوٹ ہو اور اس کے آگے کی کہانی کچھ اور ہو۔ اور۔" کہتے کہتے وہ آگے کو جھکی اور رازدارانہ انداز میں بولی۔

"میں آپ کے دشمنوں میں سے ہوں، کیا خیال ہے خلیفہ تبریز ابھی گولی نکال کر آپ کو اڑا دوں؟" وہ آنکھ دباتی اس کے سنجیدہ چہرے کی اور نچلے لب کو دانتوں میں جکڑ کر انگلیوں سے پسٹل کا اشارہ کر رہی تھی۔ خلیفہ تھوڑا سا کرسی سے اوپر ہوا اور اپنی پسٹل نکال کر اس کی اور لڑھکا دی۔

"چلو، ایسا ہے تو ایسا ہی سہی۔ مار دو مجھے، ٹرسٹ می یہاں کسی کو بھنک بھی نہیں پڑے گی۔"

وہ اسی سنجیدگی سے کرسی پر اپنا بوجھ ڈالے اس کی آنکھوں کو اپنی آنکھوں سے جکڑے کہہ رہا تھا۔ یمن کی ایک دم ہنسی چھوٹی، وہ تالیاں بجاتی ہنس رہی تھی۔

"قسمے، آپ تو سنجیدہ ہی ہو گئے۔" ہنستے ہنستے کہتے وہ یکدم سنجیدگی کے خول میں خود کو لپٹا کر بولی۔

"ایسا دن کبھی نہیں آئے گا جب میں آپ کو مارنے کا سوچوں بھی، میں نے آپ کو آپ کی برائیوں سمیت

قبول کیا ہے خلیفہ! اس بات کی گہرائی کا اندازہ شاید ہی کبھی آپ کو ہو۔"

وہ آگے کو ہوا، سلور پسٹل کو اٹھا کر اس نے نگاہوں کے سامنے کیا تھا۔

"اور یہی بات مجھے اکثر متحیر کرتی ہے کہ تمہیں تو مجھ سے شدید نفرت ہونی چاہیے تھی پھر یہ محبت کیوں؟"

یمن نے آملیٹ کو کانٹے سے اٹھا کر کھانا شروع کیا تھا۔ خلیفہ کی اس بات پر اس نے سر اٹھایا۔

"کچھ چیزوں پر آپ کا اختیار نہیں ہوتا۔" وہ رسان سے بولی تھی۔ یہ یقیناً اس دنیا کی سب سے لذیذ چیز آملیٹ تھی جو وہ آج کھا رہی تھی۔ اس کا دل بے اختیار چاہا کہ وہ خلیفہ کو کہے۔" آپ کے ہاتھ سلامت رہیں۔ لیکن اس سے پہلے ہی وہ بول اٹھا۔

"سو فیصد درست کہا تم نے، بائی داوے اس میں گولیاں نہیں تھیں۔" وہ بھی آنکھ دبا تا اپنی سلاد کھانے لگا تھا۔ یمن نے کچھ ساعتیں اسے نظروں میں اتارا پھر پوچھنے لگی۔

"میں آپ کا بیک گراؤنڈ نہیں جانتی اور مجھے جاننے کا اشتیاق بھی نہیں پھر بھی میں آپ سے پوچھوں گی کہ آپ کی فیملی کہاں ہے۔ انٹرنیٹ پر اس کا کوئی تذکرہ کیوں نہیں اور آپ اس برائی میں کیسے پڑے خلیفہ۔"

خلیفہ نے اپنی ٹانگ سیدھی کی۔ اسے یمن کے چہرے پر سوالوں کا ہجوم نظر آیا۔ کیا وہ اس کے سامنے سب کچھ کھول دے، کہہ دے وہ سب جو اس نے آج تک کسی کو نہیں کہا۔ چلو، کوئی نہیں آزما لیتے ہیں یہ سب بھی، کر لیتے ہیں ایک نیا ایکسپیرئنس، رکھ دیتے ہیں بیوقوفوں کی دنیا میں قدم۔

"میری فیملی تم ہونا اور اگر تم خونی رشتوں کی بات کر رہی ہو تو جان لو میرا اس دنیا میں ایسا کوئی نہیں۔ ایسا اس لیے ہے کیونکہ میں مغربی معاشرے کی پیداوار ہوں۔ میری ماں لبنانی تھی اور باپ خالص ڈچ، دونوں نے شادی کی اور مجھے پیدا کر کے الگ الگ ہو گئے۔ یہ بات مضحکہ خیز لگے گی کہ پاکستان کی اتنی پاورفل پرسنالٹی ایک یتیم ادارے میں پلی بڑھی ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا جیسے اپنی نہیں بلکہ کسی اور کی سٹوری سنا رہا ہو۔ یمن کو یہ بات واقعی ڈائجسٹ نہیں ہوئی۔ وہ حیرت اور بے یقینی کے ملے جلے تاثرات سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تبھی آپ میں اچھی خاصی مغربی جھلک پڑتی ہے لیکن میں یہ بھی جاننا چاہ رہی تھی کہ آپ اس سب میں

کیسے پڑے۔ یعنی لڑکیوں کے کاروبار میں۔" وہ جھجکتے ہوئے پوچھ رہی تھی، مبادا خلیفہ کو برا ہی نہ لگ جائے لیکن شاید آج وہ کسی اور ہی ترنگ میں بیٹھا تھا۔ خوبصورت چہرے والا خلیفہ تبریز اپنے دل کو بھی اس کیلئے خوبصورت بنا چکا تھا۔

"لمبی کہانی ہے تم سنو گی تو جی مکدر ہو گا بس اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ میں اس کے متعلق کچھ غور وخوض کرنے لگا ہوں"

یمن کے چہرے پر یکدم خوشی کی رمق دوڑی۔ اس نے اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں بہار کے پھولوں کو اکٹھا کر کے خلیفہ کو دیکھا اور پوچھا۔

"مطلب کہ آپ ان سب سے دستبردار ہونے کا سوچ رہے ہیں، میں صحیح ہوں نا۔"

اس کی خوشی ایسی تھی کہ خلیفہ یہ کہتے کہتے رک گیا کہ میں نے ایسا تو نہیں کہا لیکن وہ چپ رہا۔ یمن کی خوشی نے اسے چپ رہنے پر مجبور کر دیا۔ خلیفہ تبریز اپنی زندگی میں پہلی بار مجبور ہوا یہ بات اسے کھٹک گئی۔ خطرے کی گھنٹیاں اس کے آس پاس اکٹھی ہو کر بجنے لگی تھیں۔

"ویل کہہ سکتے ہیں ابھی تم اپنا آملیٹ ختم کرو، ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

یمن نے اس کے کہنے پر ایک اور بائٹ لیا۔ خلیفہ کو اس کا اپنی بات ماننا بہت اچھا لگا۔ وہ بیساختہ کہہ بیٹھا۔

"تمہیں کچھ بتاؤں؟" اجازت طلب کرتے ہوئے اس نے یمن کو چمچ منہ سے نکالتے ہوئے دیکھا۔

"میرے خیال سے میں اسی لیے یہاں پر ہوں۔" وہ اسے یاد کروا رہی تھی۔ خلیفہ اس کی ادا پر ہنسا اور پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

"ایک دفعہ مجھے چوٹ آئی تھی تو میں یہاں چلا آیا۔ کافی دن بیمار رہا، تکلیف میں رہا۔ کوئی میرے ساتھ نہیں تھا یمن، میں دیکھ رہا تھا کہ میرے آس پاس دنیا ہے، ہزاروں لوگ میرے انڈر کام کرتے ہیں، پیسہ، پاور سب کچھ ہے میرے پاس لیکن پھر بھی کچھ نہیں تھا کچھ بھی نہیں۔ ہاتھ بھرے ہونے کے باوجود خالی لگے اور دل اتنا اوب گیا کہ بس یوں معلوم ہونے لگا جیسے اگلی سانس آخری ہو۔"

یمن چونکتے ہوئے اس کی باتیں سن رہی تھی جو ایک ٹانگ میز کے نیچے کئے دوسری کو کرسی کے پیچھے کر کے نیم دراز سا اپنی سنہری آنکھوں میں نامعلوم حزن لیے اسے بیتے تلخ دنوں کی روداد سنا رہا تھا۔

"اس دن مجھے لگا خلیفہ تبریز کیا فائدہ اس زندگی کا جس میں تمہارے پاس صرف تمہارا کوئی نہیں، وہ جس کو تم سے محبت تمہارے لیے ہونا کہ تمہاری قابلیت یا ذہانت کی وجہ سے جو تمہیں صرف اس لیے عزیز رکھے کیونکہ تم اس کیلئے عزیز ہو، جو تم سے ڈرے نہ، سہم نہ جائے تمہارے لیے اپنا سب کچھ وار دے۔ یہ سب عجیب سی سوچیں تھیں جو میرے ذہن کو آلودہ کر رہی تھیں۔ اس دن میں دل کی حالت سے بیزار ہو کر یہاں سے چلا گیا۔ جانتی ہو یہاں سے جانے کے بعد میں نے کیا پایا؟"

وہ اس اچانک سوال پر گڑبڑا گئی جھٹ سے نفی میں سر ہلایا۔

"تمہیں، اس رات میں نے تمہیں دیکھا تھا۔ دیکھ کر دل نے فیصلہ کیا اور کہا لو خلیفہ تبریز تمہاری تمام تشنگی دور ہوئی اب سے کیونکہ اب تمہاری زندگی میں محبت کا نزول ہو چکا ہے۔"

یمن کا چہرہ حیا سے لال ہوا، وہ نادیدہ لٹ کو کان کے پیچھے کرتی ہوئی چہرہ جھکا گئی تھی۔

"میرے دل نے صحیح کہا تھا نا مجھے؟" وہ اس سے یقین دہانی چاہ رہا تھا جو یمن نے اثبات میں سر ہلا کر اسے دے بھی دی۔ خلیفہ سرشار سا اپنا منہ نیپکن سے پونچھتا کھڑا ہوا اور جھولے کی جانب بڑھ گیا۔ یمن کو کھانے میں مشغول دیکھ کر اس نے احتیاط سے سیل فون اٹھا کر جیب میں ڈالا اور شیشے کی ونڈو سے پردہ ہٹا کر اسے سرکاتا باہر آ گیا۔ بالکونی میں برف کا ڈھیر لگ چکا تھا کیونکہ برف باری کے ساتھ ہوا بھی پرزور طریقے سے چل رہی تھی۔ اس نے ریکارڈڈ میسج سننے کیلئے ہینڈفری کان میں لگا کر جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔

"خلیفہ! تم جہاں بھی ہو فوراً سے اسلام آباد پہنچو۔ معاملہ گڑبڑا گیا ہے کسی نے ساشا کو قتل کر دیا ہے وہ بھی ہمارے ہی ایک اڈے پر۔"

یہ خبر سن کر واضح طور پر خلیفہ کے ماتھے پر تیوریاں ابھری تھیں۔ اوپر سے سمندر خان کی آواز کی پریشانی اسے کچھ بہت غلط ہونے کا اشارہ دے رہی تھی۔ وہ اگلا میسج سن رہا تھا۔ روئی کے گالوں کے ساتھ چلتی ہوا نے اس کے ہونٹوں کو جما دیا۔ لب بھینچے وہ مزید سننے لگا۔

"یہ بات ناقابل یقین ہے لیکن وہ شیون ہی ہے جس نے ساشا کو قتل کیا، ساشا کے انگوٹھے میں اڑا اس کا بال اس بات کی تصدیق کر گیا ہے۔"

ایک اور جھٹکا اسے لگا تھا۔ وہ پہلے دن سے ہی شیون کے باغی پن کو جانتا تھا لیکن یہ ماننے کی بات تھی کہ وہ بندہ بڑا کام کا تھا۔ ان دونوں نے ان سے ان کے اہم بندے چھین لیے۔ بے اختیار اس کے منہ سے "شٹ" نکلا تھا۔

"اسپیشل فورس والے اسے لے گئے ہیں، بے فکر رہو وہ ایک لفظ نہیں اگلے گا۔ میں نے اسے اچھے سے ڈرا دھمکا کر بھیجا ہے اور اپنے ایک بندے کو اسے آج رات ہی مروا دینے کا آرڈر دے دیا ہے۔"

یمن نے خلیفہ کو بالکونی میں کھڑے دیکھنے کی سعی کی لیکن وہ اس جگہ کھڑا تھا جہاں سے اسے دیکھنے کیلئے وہیں آنا پڑتا۔ وہ برتن سمیٹتی کھلے شیشے سے آتی ہوا میں اپنے ہاتھ رگڑ رہی تھی۔ اچانک اس کے دماغ نے الارم دیا۔ سر پر کیپ رکھے وہ شوز پہنتی دبے پاؤں کے ساتھ باہر آئی۔ دروازے سے باہر قدم رکھتے ہی ریڑھ کی ہڈی کو سنسنا دینے والی ہوا نے اس کا استقبال کیا تھا۔ نرم پھاہے تو آسمان سے ایسے برس رہے تھے جیسے زمین پر میلہ لگا ہو جسے دیکھنے کیلئے وہ سب بے چین ہوں۔ اس نے برف کو پاؤں سے پرے دھکیل کر دروازہ بند کیا اور چہار جانب نگاہ دوڑائی۔

سفید مخمل سا جیسے ہر سو پھیل چکا تھا۔ چاندی سی سفیدی نے ہر چیز کو اپنی اوٹ میں چھپا دیا اور اس انجان خطے کو ونڈر لینڈ کی طرح ڈھال دیا۔ اس کی آنکھوں میں بیساختہ نمی امڈی۔ اللہ کے جمال کی تعریف یکلخت اس کے دل نے کی تھی۔ ایسے ہی نگاہ دوڑاتے ہوئے اس نے گرل کو تھام کر خود کو تھوڑا سا جھکایا اور جھٹکا کھا کر سیدھی ہو گئی۔ اس کا دل تیز رفتاری سے دھڑکنے لگا تھا اور آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ ایک برف پر چلنے والی موٹر سائیکل تھی۔ یمن نے دروازے کی طرف چہرہ کیا پھر جلدی سے سیڑھیاں پھلانگ کر اس کے پاس آ کر رک گئی۔ وہ ایک ہی تھی جو تھوڑی سی شیڈ میں کھڑی تھی۔ یمن نے اس کے اوپر اکٹھی ہوئی برف کو جھاڑ کر نیچے گرایا اور سیٹ سنبھال کر بیٹھ گئی۔

"تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟" ثوبیہ کی آواز اچانک اس ویرانے میں آ کر اس کے سامنے مجسم صورت کھڑی ہو گئی۔ اس نے اچھے سے اس بائیک کو ٹٹولا۔ کہیں کسی چابی کا نشان نہیں تھا نہ ہی چابی لگانے کی جگہ تھی۔

"سلی سی ہے، تم ہنسو گی لیکن پھر بھی بتا دیتی ہوں میرا برف پر بائیک چلانے کا بڑا دل کرتا ہے لیکن چونکہ مجھے چلانی آتی نہیں اس لیے اب تک نہیں چلا سکی، بہت جلد میں اپنی اس خواہش کو پورا کرنے کا سوچ رہی ہوں۔"

چابی نہیں تھی لیکن تین چار بٹن تھے اس کے سامنے۔ اس نے جی کڑا کر کے اشتیاق سے لبریز دل کے ساتھ سرخ بٹن کو دبایا تو وہ بائیک گھر گھر کر کے سٹارٹ ہونے لگی۔ خلیفہ جو اپنا میسج ریکارڈ کر رہا تھا اس آواز پر چونکا۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ کمرے میں آیا تھا جہاں یمن نہیں تھی۔

"نو یمن، ناٹ ایٹ آل۔" موبائل کو پھینک کر وہ سرعت سے باہر کی طرف لپکا تھا۔

☆......☆......☆

صبح صادق سے پہلے تین چار گاڑیاں تیز رفتاری سے ساحل سمندر کی جانب گامزن تھیں۔ ان گاڑیوں کے درمیان ایک بہت بڑی سیاہ وین تھی جس میں ڈھیر ساری ڈرگز اور اسلحہ موجود تھا۔ اس وین کے آگے پیچھے مسلح گارڈز تھے جو کسی بھی ناگہانی صورت حال کے لیے تیار تھے۔ وہ گاڑیاں ایک مقام پر آ کر رکیں اور ان میں سے گارڈز نیچے اترنے لگے۔ یہ وہ جگہ تھی جس کے بارے میں بہت ہاتھ پیر مارنے کے باوجود انہیں علم ہوا تھا۔ دور اوٹ میں چھپے اہلکاران پر ٹوٹ پڑنے کو تیار تھے لیکن تب جب انہیں آرڈر ملنا تھا۔

معروش دوربین سے ان تمام لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ سیاہ پجیروز میں سے گارڈز کے اترنے کے بعد خواجہ ریاض بھی نیچے اترا تھا۔ وہ آنکھوں پر سیاہ شیڈز لگائے کلف لگے سوٹ کے ساتھ اتر کر یہاں وہاں دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک سیف پلیس تھی جہاں سے بقول گجی پہلوان کے وہ اپنا کاروبار کرتا تھا۔ خواجہ ریاض ایسے ہی اس جگہ اٹھ کر نہیں آ گیا تھا۔ اس نے اپنے خاص الخاص بندوں کو اس جگہ کے بارے میں انویسٹی گیشن کرنے کا کہا تھا۔ او کے لفظ سن کر ہی وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی کھیپ کو پہلی بار خود پہنچانے آئے تھے کیونکہ اس میں اس کی ساری جمع پونجی اور جان لگی تھی۔ وہ جلدی جلدی اسٹیمر میں اس وین کو اتروا رہے تھے جب معروش نے اپنے اہلکاروں کو اشارہ کیا تھا۔ وہ سب بلی کی چال چلتے دبے پاؤں سے اس جگہ سے نکلے اور ہوا میں فائر کر دیا۔

خواجہ ریاض پر جیسے آسمانی بلا نازل ہوئی تھی۔ وہ بوکھلا گیا متوحش سا یونیفارم میں ملبوس گنیں تھامے اس عذاب کو دیکھنے لگا تھا جو اس پر نزول ہو چکا تھا۔ مکھیوں کی طرح وہ فوج انہیں گھیر چکی تھی۔ اس سے پہلے خواجہ

ریاض وہاں سے بھاگتا یا اپنا منہ چھپاتا حفیظ ان کے سر پر پہنچ گیا۔اس کے پیچھے سے معروش سامنے آئی۔

"کیوں خواجہ صاحب،آخر پھنس ہی گئے نا آپ،مجھے پھنسانے کے چکروں میں تھے۔ چچ۔۔چچ۔۔چچ۔"

خواجہ ریاض منہ چھپائے دانت پر دانت جمائے کھڑے تھے۔کیا پلان بناتے سب کچھ تو سامنے تھا۔

"دیکھو تم لوگ میری پوزیشن جانتے نہیں،خبردار جو مجھے ہتھکڑی لگائی تو۔" وہ انہیں دھمکانے کے ساتھ ساتھ وارن بھی کر رہے تھے۔حفیظ نے ان کا ہاتھ کھینچ کر اس میں ہتھکڑی ڈال دی۔

"تم جیسے ناسوروں کی وجہ سے ہی یہ ملک تباہی و بدنامی کے دہانے پر آ کھڑا ہوا ہے۔تمہیں لگا تھا لاکھوں بچوں کی جانوں سے کھیلو گے اور بچتے جاؤ گے۔نہیں خواجہ ریاض سورج جتنی تیزی سے نکلتا ہے اتنی ہی تیزی سے غروب بھی ہوتا ہے اور تمہارے کریئر کا سورج بس اب ڈوبنے کو ہے کیونکہ تمہارے اعتراف کی ویڈیو میرے پاس ہے۔"

میڈیا کے لوگوں کو خاص الخاص بلایا گیا تھا تبھی وہ بریکنگ نیوز چلانے کی غرض سے کلک کلک کرتے تصاویر اتارے جا رہے تھے۔اتنا تو وہ جانتی تھی اب اگر کوئی بھی پریشر اس پر آیا تو اس نے خواجہ ریاض کا انکاؤنٹر کر دینا ہے۔بہت مان لیے تھے اس نے حکومت کے احکامات،بہت دبا لیا اس نے خود کو آرڈرز کے نیچے۔بس اب بہت ہوا۔

"دیکھنا وہ تم ہی ہو گی جو میرے ہاتھوں سے ہتھکڑی اتروائے گی مجھے افسوس ہو رہا ہے اس وقت پر جب میں تمہیں نظریں نیچی کیے پشیمان سا کھڑا دیکھوں گا۔"

وین میں بیٹھتے ہوئے وہ اس کا مذاق اڑاتے کہہ رہے تھے۔وہ جانتی تھی کہ اندر سے یہ انسان کتنا ڈرا سہما سا ہے۔رنگے ہاتھوں پکڑے جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ان کا سیاست کا دور تو آج کے بعد ختم ہونے والا تھا تو پھر اتنا سکون کیسے ہے ان کے چہرے پر۔

"لے جاؤ انہیں اور سیل میں جا کر پھینک دو۔" وہ اتنی بڑی کامیابی حاصل کرنے کے بعد بھی اندر سے مطمئن نہیں تھی۔وہ جانتی تھی کہ کچھ ایسا ہے جو اسے بہت ڈسٹرب کرنے والا ہے۔خواجہ ریاض کا اطمینان دھوکہ ہو سکتا

ہے لیکن پھر بھی وہ کتنے آرام سے میڈیا کے سوالات کو اگنور کر کے اپنے آپ کو وین میں بٹھا رہے تھے۔ حفیظ اس کی پریشانی بھانپ گیا۔ تسلی آمیز لہجے میں کہنے لگا۔

" فکر نہ کریں میم، اسے لگتا ہے گجی پہلوان اس کے ساتھ ہے حقیقت میں سارا کھیل ہی اس کا ہے۔ اس نے خواجہ کو مرغا بنا کر اپنا راستہ صاف کر لیا۔"

وہ بڑا محظوظ سا اسے کہہ رہا تھا۔ معروش نے نفی میں سر ہلایا۔

" نہیں حفیظ اس کے سکون کے پیچھے ضرور کوئی اور بات ہے یا پھر یہ بہت بڑا ایکٹر ہے۔"

وہ پرسوچ انداز میں کہتی اسی گاڑی میں آ کر بیٹھی جہاں خواجہ ریاض بیٹھا تھا۔

" ایکٹر ہی سمجھیں آپ، دیکھنا کل تک اس کے بی پی شوٹ ہونے کی خبر آئے گی اور ہمارے پاس نوٹس، اسے ہسپتال پہنچانے کی۔"

وہ حفیظ کی بات پر چونکی۔ سوچ کے تانے بانے ملے اور نتیجہ اس کے سامنے۔

" کچھ ہو جائے اسے ہم نے ہسپتال منتقل نہیں کرنا۔" وہ کچھ گھمبیر سوچ کر کہہ رہی تھی۔ خواجہ ریاض کو سیل میں منتقل کرنے کے بعد اس نے گھر کا رخ کیا تھا جہاں اسے نوفل خان قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہوا نظر آیا۔ معروش اس کے پاس آ کر بیٹھی اور غور سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ سورۃ رحمان کی آخری آیت پڑھنے کے بعد قرآن کو بند کر کے اس کی جانب متوجہ ہوا۔

" میں نے کہا تھا نا کامیابی آپ کا مقدر ہے۔" خوش دلی سے کہتے ہوئے اس نے معروش کے چہرے پر پھیلی پریشانی کو تکا، ماتھے پر بل لاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

" کیا ہوا؟ آپ خوش نہیں لگ رہیں۔"

کمرے کی کھڑکیاں کھلی تھیں تبھی ان میں سے جاتی سردی کی خنک ہوائیں وجود کو چھوتی ایک عجیب سی تقویت دے رہی تھی۔

" نہیں ایسی بات نہیں ہے بس تھوڑی سی الجھن ہے۔" اس کی آواز بھی کھوئی ہوئی سی تھی۔ نوفل کا ماتھا ٹھنکا۔

" کس قسم کی الجھن، کیا میں مدد کے قابل ہوں؟"

معروش نے گہری سانس بھری اور کہنے لگی۔اس کی سانس کی گرمائش نے ان خنک ہواؤں کو بھی گرما دیا تھا جو اس کمرے میں اپنا ڈیرا جمائے ہوئے تھیں۔

"مجھے لگتا ہے خواجہ ریاض آج یا کل میں چھوٹ جائے گا اور میں ایسا نہیں چاہتی۔"

نوفل کو اس کی اداسی اچھی نہیں لگی بلکہ وہ تو معروش کو اس طرح دیکھ کر خود پریشان ہو گیا تھا۔

"تو پھر کیا کریں گی آپ؟"

اس نے شانے اچکا دیے وہ حزن کا شکار دکھتی تھی۔

"نہیں معلوم۔"

نوفل کے دماغ میں ایک کوندا سا لپکا تھا اس نے قرآن پاک کو معروش کو پکڑایا اور کہنے لگا۔

"میں جب بھی پریشان ہوتا ہوں تو اپنی آنکھیں بند کر کے قرآن پاک کے اوراق کو پلٹ کر ایک پر رک جاتا ہوں پھر آنکھیں کھولتا ہوں اور جو آیت میری نظروں کے سامنے ہوتی ہے وہ میری مدد ضرور کرتی ہے، تسلی مل جاتی ہے اس سے آپ بھی ٹرائے کر کے دیکھیں۔"

اس کی آواز میں جوش و عقیدت تھی، ایمان کی لہریں آنکھوں میں نظر آئیں۔معروش نے قرآن پاک اس کے ہاتھ سے تھام کر اپنی آنکھیں بند کیں اور اس کے صفحات کو اپنے انگوٹھے کی مدد سے چھونے لگی، اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی ایک جگہ پر اس نے خود کو روک کر قرآن کھولا اور صفحے پر نگاہیں دوڑانے لگی اور ان جگمگاتے حروف کر پڑھنے لگی جس نے اس کی آنکھیں اچانک ہی نم کر دیں۔

"انسان کیلیے وہی کچھ ہے جس کی وہ خود کوشش کرتا ہے۔"

اس کے لب ہولے سے ہلے پھر اس نے نوفل کی سمت چونک کر دیکھا جو بڑی پیاری مسکان لبوں پر سجائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"اتنی بڑی طاقت کی تسلی مل گئی آپ کو اور کیا چاہیے آپ نے اپنی سی کوشش کی اور اس کے نتیجے میں وہ خواجہ جیل کے پیچھے سڑ رہا ہے۔یقین کریں اللہ نے آپ کو آپ کی محنت کا پھل دے دیا ہے۔"

معروش نے گیلی آنکھوں کے ساتھ قرآن پاک کو چوم کر اس کی جگہ پر رکھا پھر اس سے پوچھنے لگی۔

"ناشتہ بنادوں تمہارے لیے پھر مجھے ڈیوٹی پر نکلنا ہے۔" دل میں جیسے یک گونہ سا سکون مل گیا تھا۔وہ ہلکی پھلکی ہوئی اس سے پوچھ رہی تھی۔

نوفل نے جائے نماز تہہ کی اور سر پر سے رومال اتار کر کبڈ میں رکھتے ہوئے بولا۔

"ابھی تو حاجت نہیں ہے، آپ تھوڑی دیر سولیں۔دو بجے کی اٹھی ہوئی ہیں مجھے جب بھوک لگے گی میں خود بنالوں گا،مت بھولیں میں ایک شیف ہوں وہ شیف جس کے ہاتھ میں آپ کہتی ہیں ذائقہ ہے۔"

کمرے کی کھڑکیوں کو بند کر کے پردے گراتا وہ کہہ رہا تھا۔نیچے کارپٹ پر گرے سٹف ٹوائز اٹھا کر اس نے ایک سائیڈ پر رکھے اور ساکت کھڑی معروش کی طرف مڑا۔

" کیا ہوا؟" لفظوں کے ساتھ ساتھ وہ اپنی آنکھوں کو اچکا کر بھی پوچھ رہا تھا۔معروش نے نہ میں سر ہلا دیا۔

" کچھ نہیں بس ایسے ہی۔"

نوفل مسکراتے ہوئے اسے وہیں چھوڑ گیا۔بیڈ پر لیٹ کر معروش نے گہری سانس بھری اور خود کو نیند کے سپرد کر دیا۔

☆......☆......☆

"ہا۔۔ہا۔۔ہا۔" گجی کی بڑی بھدی سی ہنسی تھی جو اس پورے ولا میں گونج رہی تھی۔خواجہ ریاض کے اریسٹ ہونے کی لائیو کوریج میڈیا دکھا رہی تھی۔ہر طرف ایک ہی نیوز تھی کہ سینیٹر کیلئے نامزد ہوئے خواجہ ریاض کثیر تعداد میں آئس اور چرس کے ساتھ اسلحہ اسمگل کرتے ہوئے پکڑے گئے۔ان کا غصے سے سرخ چہرہ منٹ منٹ بعد پوری سکرین پر ابھرتا اور پھر سے نیوز کاسٹر کی ایک ہی گردان شروع ہو جاتی۔

"وائٹ کالر مافیا کا ایک گروہ ایف آئی اے کی کوششوں کی وجہ سے پولیس کے نرغے میں، جی ہاں یہاں بات ہو رہی ہے ایم این اے خواجہ ریاض کی جو آئس اور چرس جیسے خطرناک نشے کی اسمگلنگ کے دوران پکڑے گئے ہیں۔یہ ہی نہیں ان کی اسمگلنگ میں اسلحہ بھی کافی تعداد میں تھا یعنی بیرون ملک ہونے والے دھماکے، کلنگ کیلئے اسی اسلحے کو استعمال کر کے اینٹی مسلم کمیٹیاں اپنا بھرپور فائدہ اٹھا رہی ہیں اور ان کا پورا پورا ساتھ دینے والے اور کوئی نہیں بلکہ ہمارے ملک کے اپنے سیاستدان ہیں۔"

گجی پہلوان کے روم روم میں ٹھنڈک اتر رہی تھی۔ اس نیوز کاسٹر سے جیسے اسے پیار ہو چلا تھا۔ اس کی راہ کا ایک بڑا کانٹا اب اپنی خود کی بیوقوفیوں کی وجہ سے جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھا۔ واؤ کیا شارٹ کھیلا تھا گجی نے، وہ ہنستے ہوئے اپنی پی اے سے کہنے لگا۔

"دیکھ لو کیسے کیسے الو پائے جاتے ہیں یہاں پر۔ میں نے چند کروڑ کی کیا بات کی اس موٹے کی تو رال ہی ٹپک پڑی۔ ہاتھ پاؤں ایسے پھلائے جیسے زندگی میں کبھی اس نے پچاس کروڑ دیکھے ہی نہ ہوں۔ پچاس کروڑ تو کیا دیکھتا یہ اب سلاخوں کے پیچھے چھپے درد کو دیکھے گا۔"

گجی بے ڈھنگا سا ہنستا کہہ رہا تھا۔ اس کی چمکتی ہوئی گنج بھی خوشی کا تاثر دے رہی تھی۔ ساتھ بیٹھی نازک اندام پی اے ہاتھ لبوں پر رکھ کر ہنس دی۔

"مجھے بھی یقین کرنے میں دشواری ہو رہی ہے کہ وہ اتنی آسانی سے آپ کی باتوں میں کیسے آ گیا؟" اس نے دل میں کھٹکتی بات پوچھ ہی ڈالی تھی۔ گجی نے رخ اس کی جانب کیا اور اپنی چھوٹی آنکھوں میں تفاخر کے رنگ سجا کر کہنے لگا۔

"انسان کو زیر کرنے کی ٹرک آنی چاہیے، جیسا بندہ ویسی زبان۔ یہ فارمولہ آج کی تاریخ میں لکھ لو تم اس پر عمل کرو گی تو زندگی بڑی سہل ہو جائے گی۔"

وہ کسی ناصح کی طرح کہہ رہے تھے۔ "میں نے بھی یہی کیا۔ بھوکے کو روٹی کا خواب دکھایا اور میٹھی زبان سے وہ کڑوا ڈالا جو ہونا شاید مشکل تھا۔ میری چند چکنی چپڑی باتوں اور روشن خوابوں نے لالچی انسان کو اندھا کر دیا اور وہ بذات خود ماتھے کا پسینہ صاف کرتے ہوئے اتنا سارا مال لوڈ کروانے چلا گیا، جاتا کیوں نہ آخر کو اس کا سارا بینک بیلنس اور قیمتی بنگلا جو داؤ پر لگا تھا۔"

اس کی سیکرٹری جس کا نام زیبا تھا کے ماتھے پر بل پڑے۔

"میں سمجھی نہیں۔" اس کے پلے واقعی کچھ نہیں پڑا تھا۔ اس لیے سراپا سوال بنے گجی کو دیکھتی گئی جو اپنی گنج پر ہاتھ پھیرتا کہہ رہا تھا۔

"ارے بھولی لڑکی، بات سادی سی ہے اور وہ یہ کہ اب نہ تو خواجہ ہے اور نہ ہی اس کی گھسی پٹی سیاست۔ رہا

اس کے نیٹ ورک کا سوال تو وہ اتنا مضبوط نہیں ہے میں نے سب کو آسانی سے خود میں سمیٹ لیا ہے، ویسے یہ ماننا پڑے گا کہ خواجہ کما بہت رہا تھا بھلے ہی اس کی رسائی صرف نجی سکولوں اور کالجز تک تھی لیکن انکم اس کی خاصی زیادہ تھی۔ جس علاقے میں اس نے اپنے بندے چھوڑے ہوئے تھے وہ خاصا تگڑا علاقہ ہے جو اَب میری مٹھی میں آچکا ہے۔"

وہ اپنی مٹھی کو بند کرتے سرشاریت کی انتہا پر پہنچے ہوئے تھے لیکن اس کی سیکرٹری ابھی بھی الجھی ہوئی تھی۔ ٹی وی لاؤنج میں نیوز کاسٹر وہی بار بار کے الفاظ ریپیٹ کر رہی تھی۔ اس نے اپنا دھیان وہاں سے ہٹایا اور کہا۔

"جو مال پکڑا گیا ہے وہ تو اب پولیس کے حوالے ہو چکا ہوگا۔"

گجی نے گھمبیر مسکان کے ساتھ اسے دیکھا اور ٹی وی پر نگاہ دوڑا دی۔

"میں نے اپنی راہ کے ایک کانٹے کو تو ہٹا دیا اب باری ہے سمندر خان کی لیکن سمندر خان سے پہلے مجھے خلیفہ تک پہنچنا ہوگا۔ خلیفہ ختم تو سمجھو سمندر ختم۔"

وہ خطرناک سوچ کو پروان چڑھاتے ہوئے دیوار گیر ایل سی ڈی کو دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ پر تعیش لاؤنج میں ہلکی ہلکی گرمائش تھی۔

"ایسا ہو جائے کیونکہ خلیفہ بڑی ٹیڑھی چیز ہے اس کی رسائی صرف یہاں تک نہیں ہے بلکہ بڑے بڑے خطرناک گروہوں سے اس کی اچھی خاصی ہے۔ اس لیے اسے زیر صرف ایک چیز ہی کر سکتی ہے اور وہ ہے موت۔"

زیبا جھرجھری بھرتے ہوئے ان کی بات سن رہی تھی۔ وہ ان بڑے لوگوں اور ان کے مسئلوں سے قطعی ناواقف تھی۔ وہ تو اب یہاں کے اسرار رموز جان رہی تھی جو کہ بہت خوفناک قسم کے تھے۔

"تو آپ اسے ماریں گے؟" اس کی حیرت بھری آواز پر گجی نے ٹی وی کی آواز کم کی۔

"نہیں میں اسے نہیں ماروں گا بلکہ وہ خود اپنے آپ کو مارے گا، اسے خود کو مارنا ہی ہوگا۔"

ان کی بات میں ضد تھی اور آنکھوں میں خلیفہ کا خاکہ۔ وہی خاکہ جو یہاں سے بہت دور بالکونی سے اندر آیا تھا۔ یمن کو وہاں نہ پا کر اس نے دروازہ کھولنے کی تردد نہیں کی بلکہ واپس دوڑتا وہ بالکونی میں آیا اور گرل پر ہاتھ

رکھ کر ماہرانہ طریقے سے نیچے چھلانگ لگا دی۔

"ہیلپ ہیلپ۔" اس موٹر سائیکل کو تیز سپیڈ میں چلتے ہوئے دیکھ کر یمن گھبرا گئی تھی۔اس نے اتنے سارے بٹنوں کو عجلت میں کانپتے ہاتھوں سے ایک ساتھ دبایا مگر کوئی فرق نہیں پڑا۔وہ سواری اس کے قابو میں نہیں آ رہی تھی۔

"خلیفہ، خلیفہ میری مدد کریں۔" وہ اتنی زور سے چیخی کہ اس کے حلق میں خراشیں پڑ گئیں۔ڈر اس کے وجود کو ہیجان کر گیا تھا۔آسمان سے ہنوز برف برس رہی تھی۔ہواؤں کے تیور ٹھیک نہیں تھے اور یہاں سے تھوڑی دور ایک نشیب آتی تھی جس سے گرنے میں اسے ڈر لگ رہا تھا۔وہ سختی سے اس کا ہینڈل تھامتی پیچھے مڑ کر دیکھ رہی تھی۔اسے اپنی مخالف سمت میں سے خلیفہ چیتے کی سپیڈ میں دوڑتا ہوا نظر آ رہا تھا۔وہ اس سے فاصلے پر تھا اور اپنی گردن کی رگیں پھلائے لب بھینچے اس پھسلتی برف پر بھاگ رہا تھا۔

"یمن! کود جاؤ۔" وہ وہیں سے دھاڑا تھا۔اس نے ہینڈل چھوڑ کر پیچھے مڑ کر روتے ہوئے اسے دیکھا۔

"خلیفہ میری مدد کریں۔" وہ پھر سے چیخی تھی۔اس کا دل پسلیوں میں دھڑکنے لگا تھا۔اسے لگ رہا تھا جیسے وہ آج نہیں بچے گی۔

"میں نے کہا کود جاؤ۔" وہ اس کے پاس آنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔اس کی رفتار دیکھنے کے لائق تھی۔

یمن نے اس پوری وادی پر ایک نگاہ دوڑائی اسے ثوبیہ کی بات یاد آئی تھی۔

"دیکھو جس طرح مجھے پھڈے لینے کی عادت سی پڑ گئی ہے اگر میں کسی دن گھر نہ لوٹی تو جان لینا کہ میرا قتل ہو چکا ہے۔" یمن نے اس کی فضول گوئی سن کر کتاب اس کے شانے پر ماری تھی۔

"فضول مت بولا کرو تم۔" وہ اس سے خفا ہوئی برہمی سے کہا۔

"اسی طرح اگر تم کبھی گھر نہ لوٹیں تو میں مام سے کہہ دونگی ہماری یمن پاکستان کی فضاؤں میں کھو گئی ہے۔ بھئی میں تو تمہارے شوق کے پیش نظر کہہ رہی ہوں تمہیں ہی پاکستان کو ایکسپلور کرنے کا شوق ہے۔"

اس نے اپنی آنکھیں ہاتھ کی پشت سے صاف کیں، نگاہوں کے عین سامنے ظالم پہاڑ سر تانے کھڑے تھے۔اسے ان سے خوف آنے لگا،اس برف سے، ان ہواؤں سے، اپنی موت سے اور خلیفہ کو کھونے سے۔

ڈوبتے دل کے ساتھ وہ بس تھوڑے فاصلے پر بھاگتے خلیفہ کو دیکھ رہی تھی جو اس تک پہنچنے ہی والا تھا۔

"میں اگر آج مرگئی تو یاد رکھنا میں آپ کی ہی تھی۔" اس کے لفظوں کے تیر نے خلیفہ پر جنون طاری کر دیا تھا۔ اتنی شدید سردی میں بھی اس کے جسم سے پسینے ایسے بہہ رہے تھے جیسے وہ نہا کر آیا ہو۔ اس نے اپنی رفتار تیز کی اور جمپ لگا کر اس بائیک کی پچھلی سائیڈ کو پکڑ لیا۔ خلیفہ کے پکڑنے کی وجہ سے بائیک کو جھٹکا لگا تھا۔ وہ اپنے پاؤں برف میں بری طرح مارتے ہوئے کھڑا ہوا اور ڈی بنا اسے روکنے کی کوشش کرنے لگا۔

"یمن، مجھے اس وقت تمہاری کوئی فضول گوئی نہیں سننی۔ تم ابھی کے ابھی اس پر سے کود رہی ہو۔ سمجھ آ رہی ہے تمہیں، نہیں تو جب اس نے رکنا ہے تو میں خود تمہیں اس کھائی سے نیچے گرا دوں گا۔"

وہ ہانپتا ہوا گردن کی رگیں پھلائے کہہ رہا تھا۔ وہ کوشش میں تھا کہ یہ بائیک کسی طرح ٹیڑھی ہو کر گر جائے لیکن اس کی کوشش رنگ نہیں لا رہی تھی۔ ان سے کچھ دوری پر کھائی اور اس کے دائیں جانب بڑا سا برف سے لدا ہوا درخت تھا۔

"میں نہیں بچوں گی خلیفہ، آپ چھوڑ دیں اسے اور چلے جائیں یہاں سے۔"

خلیفہ نے قہر آلود نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ اس کی نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے خاموش ہو گئی۔ اس کے مسلز زور لگانے کی وجہ سے اکڑ چکے تھے۔ اس کے پاؤں برف پر ٹک نہیں رہے تھے۔ پھسل پھسل جا رہے تھے۔ اس نے اپنی پوری جان لگا کر چیختے ہوئے بائیک کا رخ موڑا اور اس کے ساتھ خود کو کھینچ دیا۔ وہ بائیک ٹیڑھی ہو کر سپیڈ میں چلتی درخت کے ساتھ ٹکرائی اور زمین بوس ہو گئی۔ اس بائیک کے گرنے کے ساتھ یمن بھی گری تھی اور برف سے لدے درخت کی برف بھی لیکن اس سے پہلے کہ یمن برف میں دھنستی خلیفہ نے جست لگا کر خود کو اس کے اوپر کیا۔ دونوں ہاتھ مضبوطی سے برف میں دھنسائے وہ اس کیلئے چھت بن گیا تھا۔ یمن نے برف کے طوفان کی آواز سنی اور نکلتی جان سے خلیفہ کو دیکھا جو برف کے اس کی پشت پر گرنے سے چھ انچ نیچے ہوا تھا۔ خلیفہ کی گردن کے پیچھے برف کے اتنی زور سے گرنے کی وجہ سے چوٹ لگ گئی تھی۔ اسی چوٹ کی مہربانی تھی کہ اس کا خون گردن پر سے ٹپک کر یمن کے کان کے پاس گرنے لگا، گرم گرم خون کی رفتار تیز تھی۔ وہ سرخ تھا اتنا جتنا اسے ہونا چاہیے تھا۔

یمن کی آنکھیں متحیر تھیں جن کو خلیفہ کی خفا آنکھوں نے خود میں جکڑ لیا۔ آنکھوں کے ساتھ اس کے چہرے پر بھی ناراضی کے رنگ کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔ تیز منتشر ہوتی سانسوں کے ساتھ اس نے دو سیکنڈ یمن پر ناراض نگاہ ڈالی پھر اپنی پوری قوت سے برف کو اچھالتا کھڑا ہوا۔ وہ پورا برف سے بھیگ چکا تھا۔ اس کا کوٹ جانے دوڑتے ہوئے کہاں رہ گیا تھا تبھی ہاف ٹی شرٹ اس کا دائیاں زخمی بازو دکھا رہی جو کہنی سے لے کر کندھے تک کٹ چکا تھا اور اس میں سے بھی خون رس رہا تھا۔ وہ دھونکنی کی مانند چلتی سانسوں کے ساتھ وہیں لیٹی رہی۔ اسے تب اٹھنا پڑا جب خلیفہ تبریز نے اس پر نگاہ ڈالے بغیر چلنا شروع کیا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی۔ اس کے اٹھتے ہی وہ تھوڑی سی برف جو اس کی پشت پر لگی تھی نے اس کے کپڑوں کو گیلا کر دیا تھا۔ اس گلاہٹ کے سبب لگتی سردی کو بری طرح اگنور کر کے اسے خلیفہ کی فکر لاحق ہوئی جو ایسے اس سے خفا ہو گیا تھا جیسے وہ اس کی کچھ لگتی ہی نہ ہو۔

"خلیفہ پلیز ایسے تو بے رخی نہ دکھائیں۔" وہ اس کے قریب آئی اور احتیاط سے اس کی کہنی تھام کر کہنے لگی جسے خلیفہ نے جھٹک دیا۔

"مجھے کوئی اختیار نہیں تم سے ناراض ہونے کا اور باقی داوے تم تو مرنے والی تھی نا۔" اس کی آنکھوں کی سرخی اس پر جمی پریشانی کی تہہ اور روٹھا انداز اس سچویشن میں بھی اسے مسکرانے پر مجبور کر گیا۔

"یہ ممکن نہیں جب تک آپ میرے ساتھ ہیں مجھے کچھ نہیں ہو سکتا اور آپ بھی تو مجھے کھائی میں گرانے والے تھے۔ اس کا کیا؟"

اس کے لہجے کا مان ایسا تھا کہ کوئی بھی ششدر رہ جاتا لیکن خلیفہ ان کوئی بھی لوگوں میں نہیں آتا تھا۔ وہ ایک ہی تھا اپنی طرح الگ اور منفرد، اس کی سوچ، اس کے احساسات، اس کے کلمات سب مختلف ہوتے تھے۔ ابھی اس بات پر جہاں کوئی بھی عام مرد سرشاریت کی انتہا پر پہنچ جاتا وہیں خلیفہ تبریز کے منہ میں کڑوی گولی گھلی تھی۔ اس نے تلخ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہنہ، بھول ہے تمہاری میرا ساتھ ہی تمہاری موت کا موجب بن سکتا ہے۔ مثال تمہارے سامنے ہے اس لیے کہہ رہا ہوں ابھی بھی وقت ہے راستہ موڑ لو۔"

وہ ٹوٹی ہوئی بائیک کی جانب اشارہ کر کے پتھر سے بھی سخت لہجہ اپنائے ہوئے تھا۔ صاف دکھتا تھا غصے نے اس کے دماغ پر برا اثر ڈالا ہے۔

"میں راستہ موڑ تو لوں لیکن کیا آپ مجھے کسی دوسرے کے پہلو میں دیکھ پائیں گے۔" ٹھٹھرتی ہوا کے جھونکے کو نظر انداز کر کے اس نے خلیفہ کو جما دیا تھا۔ یہ وہ الفاظ تھے جہاں اس نے خود کو دوسرے عام مردوں کی طرح اندر سے سہا ہوا پایا۔ وہ رک گیا تھا۔ بالکل ان برف کے گولوں کی طرح جو آسمان سے زمین پر آ کر قیام کر رہے تھے۔ خلیفہ کے دل نے بھی یہاں اپنی جگہ بنائی اور برف کا ڈھیر بن گیا۔

"میں تمہیں کسی بھی بات کا جواب دہ نہیں ہوں۔" کوئی بات نہ بننے پر اس نے پھر سے قدم بڑھائے تھے۔ اس کے بازو اور گردن سے گرتا خون ٹھنڈ کی شدت کی وجہ سے رک گیا تھا۔

"حالانکہ وہ آپ ہی ہیں جو جوابوں کے پابند ہیں۔" برف کے ڈھیر میں پھر سے ہلچل ہوئی تھی۔ وہ اس کے ساتھ سج سج کر قدم اٹھاتی چل رہی تھی۔ ان سے کافی فاصلہ پر وہ کاٹیج تھی جہاں ابھی کچھ دیر پہلے ان دونوں نے ناشتہ کیا تھا۔ خلیفہ یونہی چلتے چلتے بولا۔

"دل کہتا ہے بغاوت کر اور دماغ کہتا ہے ہلاکت، مجھ سے باہر ہوں کیا کروں۔" وہ اسے کچھ جتا رہا تھا۔ اپنا غصہ، اس کی ہٹ دھرمی اور شوریدہ جذبوں نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا تبھی چبائے ہوئے لفظوں میں کہا۔

"میری مانو تو دونوں کو چھوڑ کر محبت کر لو۔" وہ ایک بار پھر اس کی کہنی تھام چکی تھی۔ وہ رشتوں کو ایسے جھٹکنے کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ وہ ایسی تھی بھی نہیں تبھی اسے مضبوطی سے تھام کر مسکراتی آواز میں کہا۔ خلیفہ نے اسے خار بھری نگاہوں سے دیکھا اور بولا۔

"ہنہ، یعنی تم کہہ رہی ہو میں اپنے گلے پر الٹی چھری پھیر لوں، جانتی ہو بغاوت اور ہلاکت سے میری کیا مراد ہے؟" اس کے چہرے پر ابھی تک تھکن کا شائبہ تھا۔ سانس میں غیر متوازن پن ہنوز موجود تھا۔ اسی ڈولتی سانس میں وہ ترچھی نظروں سے اسے دیکھتا پوچھ رہا تھا۔

"آپ بتا دو۔" یمن نے سرنڈر کیا۔ وہ خلیفہ کو جان گئی تھی۔ ناراض ہو کر منہ موڑنے والوں میں نمبر ون پر خلیفہ تبریز آتا تھا۔

"اس سے مراد ہے میں یمن حیات کو ختم کردوں۔" اس نے کچا چبا جانے والے انداز میں کہا۔ ان شارٹ اسے ڈرانا چاہا۔ یمن کو اس کی دھمکی یاد تھی اس لیے مسکرائی۔

"اچھا کیا واقعی اس کا ختم ہونا ابھی باقی ہے؟ میں تو سمجھی تھی آپ سے دل لگا کر وہ پہلے ہی مٹ چکی ہے۔ ویسے آپ نے ابھی دماغ کی بات کہی ہے دل کی بھی کہہ دیں۔"

وہ اسے فل چھیڑنے کے موڈ میں تھی۔ گیلی کمر کی وجہ سے لگتی سردی اور تیز شائیں شائیں کرتی ہوا نے اس کے تمام خوف کو زائل کر دیا تھا۔ وہ خلیفہ کا ہاتھ تھامے ہر احساس سے بے نیاز چل رہی تھی۔

"دل بولا نہیں کرتے۔" خلیفہ نے بھی پرزور مذمت کی۔

"کس نے کہا، صرف دل ہی تو بولتے ہیں کبھی سنی ہیں آپ نے دل کی باتیں۔" وہ اس سے یہ سوال پوچھ رہی تھی جو آج کل اچھا خاصا دل کے ہاتھوں ذلیل ہو رہا تھا۔ یمن کے کھونے کے ڈر نے اچانک اس کے موڈ پر برا اثر ڈالا تھا وہ اسی برے اثر کے ساتھ بولا۔

"میرے پاس ایسے بیکار کاموں کیلئے وقت نہیں ہے۔"

کالج کا گیٹ نزدیک آ گیا۔ کھلے گیٹ کے اندر قدم رکھتے ہوئے اس نے سیڑھیوں کا رخ کیا تھا۔

"حالانکہ آپ اپنا سارا وقت اس بیکار کام کیلئے ہی نکال بیٹھے ہیں بس مانتے نہیں۔" وہ اس کی تقلید میں برف سے ڈھکی سیڑھیوں پر قدم جماتی داخلی دروازے تک آئی۔ اندر جاتے ہی نیم گرم ماحول نے ان کے اعصاب پر طمانیت اتاری تھی۔ خلیفہ نے واش روم کا رخ کیا۔ پندرہ منٹ بعد جب وہ باہر نکلا تو اس کے کپڑے بھی بدلے ہوئے تھے اور زخموں پر پٹی بھی ہو چکی تھی۔ یمن کی باتوں کے ساتھ اس کے وجود کو نظر انداز کر کے وہ چھوٹے سے بیگ میں کپڑے بھرنے لگا تھا۔ خلیفہ کے سپاٹ چہرے اور اس کے آس پاس سے اٹھتی بیگانگی کی لہروں نے اس کے دل کو مٹھی میں جکڑ لیا۔ اسے اچانک سے کچھ ہوا تھا۔ اس کا دل خلیفہ کو دیکھ کر بول رہا تھا۔ وہ اپنے دل کی باتیں سن کر خاموشی سے اس کی سرگرمیاں دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا۔

"مجھے سب کہتے تھے کہ خلیفہ کو نہ چاہو، اس سے دور رہو، یہ وہ انسان ہے جو اپنی تمام تر وجاہت و خوبصورتی کے ساتھ اندر سے کالا ہے۔ وہ اتنا کالا ہے کہ اس کے اندر کی سیاہی تمہیں بھی گمراہ کر دے گی۔ تم بھی بھٹک جاؤ

گی اسی کی طرح اندر سے کالی ہو جاؤ گی لیکن کیا میں ہوئی؟ نہیں!"

وہ نہیں جانتی تھی کب اس نے کپڑے چینج کیے اور کب وہ اپنا بیگ تھام کر جانے کیلئے تیار ہوئی۔ وہ ٹھنڈ میں یونہی کھلے سر کے ساتھ باہر جا رہی تھی جب خلیفہ نے گرم کیپ اس کے سر پر پہنائی۔ وہ اس سے ناراض تھا پھر بھی اس کی پرواہ کر رہا تھا۔ کھوئے دماغ اور بولتے دل کے ساتھ اسے خود کے سر پر کیپ پہناتا دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے بال سائیڈ پر کرتا اس کے کانوں پر اچھے سے کیپ کو سیٹ کر رہا تھا۔ اس کا داڑھی میں سجا چہرہ اور چمکتی سنہری آنکھوں کو دیکھ کر وہ گم صم تھی۔ اس گم صمی کی وجہ دل کے الفاظ تھے جو کہ یہ تھے۔

"اس نے مجھ سے اپنی سیاہی دور ہی رکھی، وہ جب جب مجھ سے ملنے آتا تھا تو اپنی ساری برائیاں سمندر کی تہہ میں ڈال کر آتا تھا۔ وہ برا ہے سب یہ کہتے تھے کیونکہ وہ سب اسے جانتے نہیں تھے۔ جان جاتے تو اس کے بارے میں یہ سب نہ کہتے اس طرح کے برے اندازے نہ لگاتے۔"

وہ کیپ سیٹ کر چکا تھا اور اب اپنا بیگ اٹھاتا اس کے ساتھ باہر آ رہا تھا۔ وہ دونوں آگے پیچھے چلتے گیراج میں رکھی گاڑی میں آ کر بیٹھے تھے۔ انجانے راستوں، پر پیچ راہوں کو پیچھے چھوڑتی ان کی گاڑی منزل کی جانب رواں دواں تھی۔ اس جگہ کی حدود سے نکلتے ہی اس کے موبائل کے سگنل لوٹ چکے تھے تبھی تو وہ مخصوص آواز میں گھوں گھوں کرتا اسے اپنی جانب متوجہ کر رہا تھا جو سب سے بے نیاز شیشے پر منہ ٹکائے باہر دوڑتی دنیا کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل مزید کہہ رہا تھا۔

"کسی کے کام کی بنا پر اس کے کردار کو جج کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ ضروری تھوڑی ہے کہ ہر برا کام کرنے والا انسان بھی برا ہی ہو یا جو اچھا کام کر رہا ہے وہ اچھا ہے، میں نے دیکھا ہے اس معاشرے کا المیہ اچھے کو برا اور برے کو اچھا کہنا گویا ان کا عقیدہ بن چکا ہے۔"

تیز رفتار گاڑی نے اسلام آباد کو پھلانگنے کے بعد لاہور کی سڑک کو پکڑا تھا۔ اب کی بار خلیفہ نے ہی اسے گھر تک چھوڑا۔ وہ کسی دوسرے کی گاڑی میں نہیں بیٹھی تھی۔

"میں نہیں جانتی خلیفہ کا اصل کیا ہے، مجھے صرف اتنا معلوم ہے یہ وہ انسان ہے جو میری دل سے قدر کرتا ہے، میری عزت کرتا ہے اور مجھ سے محبت کرتا ہے اس لیے اس کی وفاداری مجھ پر لازم ہے اور رہے گی۔"

اس کا گھر آ گیا تھا۔ وہ گاڑی سے نیچے اتری۔ اس سے پہلے وہ گاڑی کا دروازہ بند کرتی خلیفہ اسے آگے بڑھا لے گیا۔

"اور جس کے نخرے، جس کا غصہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ میں صرف اسی کی ہوں۔ پاگل۔"

اس نے اپنے گھر کی جانب دیکھا اور گہرا سانس لے کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔ اب اسے ماما اور ثوبیہ کو سنبھالنا تھا۔

☆......☆......☆

یہ رات کے دو بجے کا وقت تھا اور ڈیفنس میں موجود ایک چھوٹے لیکن خوبصورت گھر کے ایک کمرے کی لائیٹس باہر سے جلتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ وہ کمرہ سیکنڈ فلور پر تھا اور اس میں موجود دو نفوس جاگے ہوئے تھے۔ ایک تھی معروش اور ایک تھا نوفل۔ معروش بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر گود میں لیپ ٹاپ رکھے اس کی کیز پر انگلیاں چلا رہی تھی اور ساتھ تھوڑے سے فاصلے پر نیم دراز نوفل موبائل پر گیم کھیل رہا تھا۔ ان کے کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی جس میں سے بادلوں سے ڈھکا سیاہ آسمان صاف دکھائی پڑتی تھا۔ آدھی آستینوں والی نیوی بلیو شرٹ اور ٹراؤزر میں نوفل خان تکیوں کے سہارے جوش و خروش سے گیم کا لیول پار کرنے میں مصروف تھا اور اس کے ساتھ بیٹھی الجھی سی، اکتائی سی معروش نوفل خان۔

"کیا مسئلہ ہے۔" چہرے پر بیزاریت طاری کر کے اس نے زچ آتے ہوئے لیپ ٹاپ کو غصے سے دو انچ پرے کھسکایا اور ایک کاٹ دار نگاہ کانوں میں ہینڈ فری لگائے نوفل خان پر اچھالی جو سیل فون کو دونوں ہاتھوں میں پکڑے چمکتی آنکھوں کے ساتھ اپنے انگوٹھوں کو حرکت دے رہا تھا۔ اس تک معروش کی آواز نہیں پہنچی تھی نہیں تو وہ یقیناً اس کی جانب متوجہ ہوتا۔

وہ دو منٹ تک اسے دیکھتی رہی اور پھر جب ضبط جواب دے گیا تو ہاتھ بڑھا کر اس کی ہینڈ فری کھینچ ڈالی۔

نوفل اس اچانک افتاد سے گڑبڑایا تھا تبھی بیساختہ چلایا۔

"معروش پلیز میرا یہ راؤنڈ آلموسٹ کمپلیٹ ہونے ہی والا ہے، مجھے تنگ مت کریں۔" وہ اس کے ہینڈ فری کے کھینچے جانے پر سیل فون سے نگاہ اٹھائے بغیر بولا تھا۔ ساتھ میں اس نے ہینڈ فری کو اپنے سیل سے الگ کیا

تو پورے کمرے میں گیم کی بھدی تیز آواز گونج اٹھی۔ معروش کو تو کم از کم وہ شور بھدا ہی لگا تھا۔

"نوفل خان! میرا کام کر کے، کر کے سر دکھ چکا ہے اور تم کہہ رہے ہو میں تمہیں تنگ نہ کروں۔ کتنے بے مروت ہو تم۔"

وہ معروش کی رگ رگ سے واقف تھا تبھی ایک ہی جست میں بیڈ سے چھلانگ لگا کر آنکھیں سیل فون میں گھسائے صوفے پر جا کر ٹک گیا۔ معروش اپنے متوقع حملے کے فیل ہو جانے پر ہاتھ مسلتی رہ گئی جو ابھی بس چند سیکنڈ بعد وہ اس پر کرنے والی تھی۔

"بہت اچھے، اور اس آرڈر کا کیا جو آپ نے مجھے دیا تھا کہ جب تک میں نے جاگنا ہے تم نے سونا نہیں۔ کیا یہ بے مروتی کی لسٹ میں نہیں آتا۔"

اس کے چہرے کی سرخی بڑھ چکی تھی۔ لگتا تھا اس کا یہ راؤنڈ بس کچھ سیکنڈوں کی مار ہے۔ معروش نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"ہنہ، بیتی راتوں کو بھی یاد کر لو جب میں پاگلوں کی طرح کام کرتی رہتی تھی اور موصوف دنیا جہاں سے بے خبر نیند کے مزے لوٹتے تھے، دل جلتا تھا میرا اندر سے اور ویسے بھی نا تو کہتی ہیں میاں بیوی کو ایک دوسرے کے ساتھ ہر پل رہنا چاہیے۔"

نوفل بیساختہ اس کی بات پر ہنسا تھا۔ کچھ تھا جو اس کے تخریبی دماغ میں آ چکا تھا۔ معروش نے بھنویں آپس میں ملائیں کیونکہ نوفل خان نے اس تخریب کاری کو زبان دی تھی۔ لفظوں میں ڈھالا اور بڑی تہذیب سے معروش کی سماعتوں میں انڈیل دیا۔

"صد شکر کہ آپ نے خود کو پاگل مان لیا۔ انسان کو وقت پر ہی اپنی صلاحیتوں کا ادراک ہو جائے تو اچھا ہے۔" اس کا وہ راؤنڈ پورا ہو چکا تھا۔ خوشی اس کے چہرے سے جھلک رہی تھی۔ وہ گلنار آواز میں شائستگی سے بولا تو ایک آنکھ مارتا پیلا ایموجی والا کشن جے ایف سکسٹین بنا نوفل پر حملہ آور ہوا۔ اس نے بھی اپنے ہاتھوں کو معراج بنایا اور اس کشن کو کیچ کر کے سائیڈ پر عزت و احترام کے ساتھ گود میں رکھے بیٹھ گیا۔

"اس کی جگہ یہ سیب بھی آ سکتا تھا۔" اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے گولڈن پتھر کے سیب کی طرف اشارہ کیا جو

نوفل بڑے شوق سے سیل میں سے لایا تھا۔

"دیکھیں میں آپ کی تمام باتوں کو اگنور کرنا پسند کروں گا کیونکہ مجھے آج کے آج ہی خود کو عمران سے آگے کرنا ہے۔" وہ نیکسٹ راؤنڈ شروع کر چکا تھا لیکن معروش کو ایسا تاثر دے رہا تھا جیسے وہ ابھی تک اسی جگہ پر اٹکا ہوا ہے۔

"ہنہ، ویلے نکمے لوگوں کے کام۔" اس کی بڑبڑاہٹ خاصی اونچی تھی جو نوفل کے ایک کان میں گھس کر دوسرے سے نکل گئی تھی۔

"اور اس شور کو بھی بند کرو، میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔" نا چاہتے ہوئے بھی اس نے دوبارہ لیپ ٹاپ اٹھا لیا تھا۔ پندرہ منٹ کا کام باقی تھا اور کرنا بھی ضروری تھا تبھی وہ غصے اور چڑ چڑے پن سے کھتی کام کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔ نوفل نے بھی شرافت سے سائیڈ پر لگے بٹن کو پش کیا اور یوں ہوئی آواز کم۔

پندرہ منٹ کے تھکا دینے والے کام کو ختم کرنے کے بعد اس نے سانپ کی طرح لیپ ٹاپ کو بند کر کے خود سے پرے کیا تھا۔ نوفل ابھی بھی اسی پوزیشن میں گود میں کشن رکھے بڑے انہماک سے گیم میں بزی تھا۔ معروش نے کمبل سینے تک لیا اور وقت کی جانب دیکھا۔ ڈھائی بج چکے تھے۔ شام سات بجے کھائے گئے ڈنر نے خود کو ہضم کروا کر اس کے بیچارے پیٹ کو خالی کر دیا تھا جو اب ہلکی سی آواز کے ساتھ خود کو بھرنے کی دہائیاں دے رہا تھا۔ معروش کو یاد آیا کہ اس سنڈے کام کی زیادتی کی وجہ سے اس نے کوئی خاص چیز فریج میں بنا کر نہیں رکھی تھی۔ موسم کے بدلنے کی وجہ سے نانو نے بھی کچھ نہیں بنایا تھا اور جو پہلے وہ بنا کر رکھ چکی تھی وہ تھوڑا تھوڑا کر کے ختم ہو گیا تھا۔ اب تو فریج میں سبز پتوں کی سلاد اور میٹھے ٹوسٹ کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ آدھی رات کو کھانے کی عادت نے معروش کی اشتہا کو بڑھایا اور وہ خود کو روک نہ پائی۔ تبھی دماغ میں جلتی بتی کو سراہا اور نوفل کو پکار بیٹھی۔

"نوفل! تم سب سے اچھا کام کیا کر لیتے ہو؟"

معروش کی بدلی آواز پر اس نے الرٹ دماغ کے ساتھ اسے دیکھا پھر چہرے پر زبردستی کی مسکان سجا کر کہنے لگا۔

"میں مسکرا سب سے اچھا لیتا ہوں۔" وہ معروش کی عادت سے واقف تھا اسی لیے جان چھڑانے والے

انداز میں کہا۔

"ہا، خوش فہمی، اس کے علاوہ کیا اچھا کام کر لیتے ہو؟" اس کی بات کو بڑی سہولت سے رد کرنے کے بعد اس نے چبا کر پوچھا تھا۔ نوفل کی دلفریب مسکراہٹ اس کے چہرے کو جگمگا گئی۔

"میں بیوقوف بھی زبردست طریقے سے بنا لیتا ہوں۔" اس کا اشارہ اس گیم کی طرف تھا۔ اگر جو معروش کو پتا چل جائے کہ وہ نیا راؤنڈ شروع کر چکا ہے تو وہ واقعی سیب اٹھا کر اس کے سر پر دے مارتی۔ نوفل نے جھرجھری بھری تھی۔

"ہاں یہ تو میں جانتی ہوں کچھ اور بتاؤ۔" وہ چندھی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسی طرح کی سرخی اور ایکسائٹمنٹ ابھی آدھے گھنٹے قبل اس کے چہرے پر تھی اور اب دوبارہ، اس نے دانت کچکچائے۔

"اور یہ کہ میں ایک بہترین مصور ہوں، مصوری بہت اچھی کر لیتا ہوں۔" ایک۔۔۔دو۔۔۔تین اور یہ ہوا اس کا راؤنڈ مکمل، وہ جیت گیا تھا۔ فتح کی لالی اس کے چہرے سے عیاں تھی لیکن اس لالی اور خوشی کو جلد ہی ختم ہونا پڑا وجہ معروش کے اگلے الفاظ تھے۔

"ہاں دیکھی تھی میں نے بھینس کی ناک کی جگہ انسانی ناک، اف، تم اس بات کو چھوڑو، اور کچھ بتاؤ۔"

وہ اس کے اس تجزیے سے سخت برا ہوا تھا۔ اپنی مصوری اور اپنی کوکنگ اسے دنیا میں سب سے عزیز تھی۔ (معروش کے بعد)

"اور میں لوگوں کی ریسپیکٹ بھی بہت اچھے طریقے سے کر لیتا ہوں۔"

اس نے معروش کو جتلایا کہ اس کی مصوری کو برا کہنا دراصل اسے کتنا برا لگا ہے لیکن آگے وہ بھی تو سجھے جھنجھلا کر بولی۔

"اوفوہ تم کچھ اور بتاؤ گے۔"

نوفل نے سینے پر بازو باندھے اور اچھے بھلے موڈ کو پانی میں جاتا دیکھ کر جھلا کر بولا۔

"معروش! آپ سیدھے سیدھے کیوں نہیں کہہ دیتیں کہ نوفل بیٹا کچن میں جاؤ اور جا کر میرے لیے کچھ بناؤ کیونکہ رات کے اس پہر آپ کو بھوک لگی ہے۔"

معروش کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے، ساری جھنجلاہٹ پل بھر میں اڑن چھو ہوئی۔

"اب کی نا تم نے مطلب کی بات۔ خاصے سمجھدار ہوتے جا رہے ہو۔" وہ اسے پچکارتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ نوفل نے کشن کو پٹخنے والے انداز میں صوفے پر رکھا اور اسی پر اپنا موبائل اچھال کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے قدم دروازے کی جانب تھے۔ وہ اسے کھولتا بڑبڑاتا ہوا جا رہا تھا۔ اس کی بڑبڑاہٹ اونچی تھی جو کہ یہ تھی۔

"پتا نہیں کونسی منحوس گھڑی تھی جب میں نے شیف کا کورس کیا تھا۔"

وہ پاؤں پٹختا وہاں سے گیا تھا۔ اس کے جانے کے انداز اور بڑبڑاہٹ نے معروش کو فریش کر دیا تھا۔ وہ کھلے دل سے مسکرائی اور بیڈ سے اتر کر کھڑکی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ سیاہ آنکھوں کے سامنے بادلوں سے ڈھکا آسمان تھا جو کسی بھی پل برسنے کو تیار تھا۔ ہواؤں کا رخ ایک الگ ہی داستان سنا رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس بھری۔ ٹھنڈی میٹھی، تھوڑی سی مٹی کی خوشبو لیے ہوا نے اندر جا کر اس کو مہکا دیا تھا۔ دفعتاً نوفل کے موبائل کی میسج ٹیون بجی۔ اس نے آنکھیں کھولیں، گردن کو گھما کر اور بھنوؤں کو سکیڑے کشن پر رکھے اس کے موبائل کو دیکھا۔ کوئی خیال آنے پر اس نے خود کو کھڑکی کے پاس سے ہٹایا اور صوفے کے پاس آ کر کھڑا کیا۔ اب وہ جھک کر نوفل کے سیل فون کو اٹھا رہی تھی۔ اس نے سیل فون کا سائیڈ بٹن دبایا تو کمپنی کا میسج اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ اف کہتے ہوئے وہ واپس سیل رکھ ہی رہی تھی کہ اچانک اس کی نگاہ نوٹیفکیشن کے ساتھ آئے ایک اور میسج پر پڑی۔ وہ عمران کا میسج تھا۔ اس نے پیٹرن لگا کر لاک کھولا اور میسجز میں جا کر اسے پڑھنے لگی۔ جیسے جیسے وہ میسجز پڑھ رہی تھی اس کے ماتھے کی شکنوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے پہلا میسج کھولا جس میں درج تھا۔

"نوفل یار! گھر کا رینٹ نہیں دیا آپ نے اب تک، بیس تاریخ ہو گئی ہے مالک مکان کو تو آپ جانتے ہی ہیں کتنا اکھڑ ہے۔ کل سے فون کر کر کے میرا دماغ کھایا ہوا ہے اس نے، مہربانی کرو اور کل تک رینٹ پے کر دو۔"

معروش نے اب نوفل کا جواب پڑھا تھا۔

"عمران بھائی، آپ اسے کچھ دن کیلئے ٹال دیں یا پھر یہ کہہ دیں اگلے مہینے اکٹھا رینٹ لے لے، یقین کریں میں کوشش کر رہا ہوں جیسے ہی پیسوں کا انتظام ہوتا ہے میں اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروا دوں گا۔ آپ

جانتے تو ہیں میری مجبوری۔"

معروش کا ہاتھ خود بخود ماتھے پر گیا تھا۔

"میں نے ایک دو جگہ جاب کیلئے اپلائی کیا ہے انشاء اللہ جلد ہی کوئی سدباب ہوگا۔ آپ تب تک معاملے کو ہینڈل کر لیں۔"

معروش نے موبائل کو واپس کشن پر رکھا اور دوبارہ کھڑکی کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی۔ اس کا اچھا موڈ اچانک ہوا میں تحلیل ہوا تھا۔ اپنے بینک میں پڑے اتنے سارے پیسوں پر اسے اچانک ہی کڑھنا آیا۔ کیا فائدہ ایسی کمائی کا جو اپنوں کے کام نہ آسکے۔ اسے وہ ڈھیر سارے پیسے منہ چڑاتے ہوئے محسوس ہوئے۔ اپنی لاعلمی پر بھی اسے غصہ آیا تھا۔ وہ کیوں نہ سمجھ سکی کہ ایک سٹور پر محدود رقم پر لگے شخص کے پاس کتنے پیسے جمع ہو سکتے ہیں۔ اس نے خود پر تف کی۔ وہ یونہی اپنے آپ کو لعنت ملامت کر رہی تھی جب دروازہ کھلا اور نوفل چھوٹی سی کانسی کی ٹرے میں ایپل پائی رکھتا اندر آیا۔ وہ ٹرے کو میز پر رکھ کر کہہ رہا تھا۔

"آجائیں آپ کے اس خادم نے آپ کی من پسند ڈش بنا دی ہے۔" اس کا انداز سراسر طنزیہ تھا۔ معروش پلٹی۔ ایک نظر میز پر رکھی ایپل پائی پر ڈالی اور دوسری نوفل پر جو شاید اب سونے کے موڈ میں تھا۔

"ویسے سنڈے نائٹ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ تم راتوں کو اتنی دیر تک گیمز کھیلتے گزار دو، کل سے اپنی ڈیوٹی جوائن کرو بہت چھٹیاں کر لیں تم نے۔"

بیڈ کی طرف بڑھتا نوفل اچانک چونکا تھا۔ چونک کر استفہامیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"میں سمجھا نہیں کس بارے میں بات کر رہی ہیں؟"

معروش نے اسے اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا تو وہ جو پہلے ہی مڑ چکا تھا۔ چند قدم پاٹ کر اس کے ساتھ آ بیٹھا۔

"بہت چھوٹی یادداشت ہے تمہاری، بھول گئے شادی سے پہلے تم میرے اسسٹنٹ ہوتے تھے۔"

وہ لذیذ ایپل پائی کی بائٹ لیتے ہوئے اسے شرم دلانا چاہ رہی تھی۔ نوفل کے لب اوہ میں سکڑے۔

"وہ چند دن کی اسسٹنسی، ہاں مجھے نہیں انٹرسٹ اس میں اور ویسے بھی اب میں آپ کا شوہر ہوں۔ ایک رتبہ ہے میرا۔ اچھا لگوں کا آپ کی غلامی کرتے ہوئے۔"

اس نے بھی کانٹا چھری اٹھا کر اپنا پیٹ بھرنا شروع کیا تھا۔اس سے پہلے وہ اپنے ہاتھ کے ذائقے کو سراہتا معروش کے قہقہے نے اس کا دل جلا کر کوئلہ کر دیا۔وہ ان چھری کانٹوں کو واپس پلیٹ میں رکھ کر خفا و سنجیدہ نگاہوں سے کھلکھلاتی ہوئی معروش کو دیکھے گیا۔جس کا چہرہ ہنسنے کے سبب سرخ ہو چکا تھا۔

"میں نے ایسا بیہودہ قہقہہ اپنی زندگی میں نہیں سنا،آپ کا سینس آف ہیومر واقعی ڈاؤن ہوتا جا رہا ہے۔" وہ اس کے "قہقہے" کا "مطلب" اچھے سے سمجھ گیا تھا۔خفت طاری کرتے ہوئے جیسے اس نے اہم اطلاع اسے دی تھی۔

"دیکھو،جب تم اس طرح کی ہنسا دینے والی باتیں کرو گے تو یہ ردعمل تو متوقع ہے۔غلامی۔"

وہ ایک دفعہ پھر ہنسنے کو تیار تھی۔نوفل نے لمبا،ضبط سے بھرا،طیش میں مبتلا سانس کھینچا۔اس سے پہلے وہ اٹھ کر جاتا معروش نے خود کو روک دیا۔

"اچھا بیٹھ جاؤ اب،زیادہ ایٹی ٹیوڈ مت دکھاؤ مجھے تم سے خاص بات کرنی ہے۔" وہ اتنی سنجیدگی سے بولی کہ آدھا کھڑا آدھا بیٹھا نوفل اچانک ٹھٹک گیا۔اس نے اپنے وجود کو زحمت دی اور واپس بیٹھ گیا۔

"کیسی خاص بات؟"

معروش نے ایک بائٹ لی اور نوفل کا چھری کانٹا اسے پکڑایا جسے پکڑتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔

"میں سوچ رہی ہوں کیوں نا ہم نانو کے گھر واپس شفٹ ہو جائیں۔ویسے بھی وہ خالی پڑا ہے۔"

وہ نوفل کی آنکھوں میں دیکھتی کہہ رہی تھی جو اسے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے اس نے پتا نہیں کیا کہہ دیا ہو۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟" وہ اس کے اس طرح دیکھنے پر عاجز آئی تبھی جھنجلاتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے آپ کو اپنا پیٹرن اس لیے نہیں بتایا تھا کہ آپ میرے میسجز میں گھسیں۔مجھے آپ کی یہ حرکت بہت بری لگی ہے۔" وہ جمع تفریق کر کے معاملے کی تہہ تک پہنچتا کہہ رہا تھا۔معروش کو اس کے یقین نے بوکھلا دیا فوراً وضاحت کرتے ہوئے بولی۔

"نوفل ایسی بات نہیں ہے میں تو بس۔"

اس کی بات وہ درمیان میں کاٹ گیا۔اس کا انداز خفا تھا۔

"میں تو بس کیا معروش؟ آپ مجھے یہ احساس دلانا چاہ رہی ہیں کہ میں اپنی ذمہ داری اٹھانے کے قابل نہیں ہوں، میرے کندھے یہ گھر کا رینٹ، بجلی، گروسری کا بار اٹھانے کے اہل نہیں ہیں۔ جس طرح میں آپ کے سیل فون، آپ کے لیپ ٹاپ سے دور رہتا ہوں پلیز آپ بھی میری چیزوں سے دور رہا کریں۔"

معروش کی آنکھوں میں حیرت در آئی، نوفل کا یہ رویہ اس کیلئے نیا تھا۔ اس کے دل میں پھانس سی چبھی تھی اور وہی چبھن اس کی آواز کو گیلی کر گئی۔

"میری اور تمہاری، نوفل ہماری چیزیں کب سے الگ ہونے لگ گئیں، ہم تقسیم کب سے ہو گئے؟" اس کی آواز کی گیلاہٹ نے نوفل کو اپنی غلطی کا احساس دلایا تھا۔ وہ اچانک حواسوں میں لوٹ کر پشیمان ہوا۔

"معروش۔"

اس سے پہلے وہ اور کچھ کہتا معروش نے بھی اسے درمیان میں ٹوک دیا۔

"نہیں نوفل، اس بات کی وضاحت کرواور کھل کر بتاؤ۔ تمہارے کہنے کا کیا مطلب تھا یہی کہ میں تم سے اپنی چیزیں چھپاتی ہوں وہ چیزیں کس کی ہوتی ہیں نوفل میری ہوتی ہیں یا میرے ڈیپارٹمنٹ کی، نہیں مجھے بولنے دو۔" اس کے کھلتے لبوں کو اس نے درمیان میں ہی ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔ وہ مزید کہہ رہی تھی۔

"اگر میں تم سے کچھ چھپاتی یا میرے دل میں چور ہوتا تو میرا پرسنل سیل فون بغیر پیٹرن یا پاسورڈ کے نہ ہوتا، میں تمہیں اپنی دن کی ایک ایک روداد آ کر بتاتی ہوں اور جو نہیں بتاتی ان کی پابند ہوتی ہوں پھر بھی تم مجھے بلیم کرو تو واؤ ہے تمہاری۔"

اس کی آنکھوں کے کنارے سرخ ہو گئے تھے۔ نوفل کو خواہ مخواہ بات غلط ٹریک پر لے جانے پر غصہ آیا۔ اس نے اندر ہی اندر خود کو جھڑکا۔

"ایسی بات نہیں ہے معروش، مجھے بس اچھا نہیں لگا تھا۔ یہ احساس میرے وجود پر اس بری طرح غالب ہوا کہ مجھے پتا ہی نہ چلا میں کیا بول اٹھا۔ یاد تھا تو بس اتنا کہ آپ کیا سوچ رہی ہوں گی۔ وہ کنورسیشن پڑھ کر اس لیے میں اپنے ہوش میں نہیں رہا اور فضول بولتا گیا آپ پلیز اپنا موڈ درست کر لیں۔"

معروش نے گہرا سانس بھر کر پلکوں کو دو تین بار جھپکا۔ اس نے اپنے آنسو گرنے نہیں دیے تھے۔

"میں کل اس گھر کا پورے سال کا رینٹ دے رہی ہوں اور مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی، کوئی بھی مشرقی مرد ٹائپ بات، نانو نے تمہارے سامنے کہا تھا کہ میاں بیوی ہر دکھ سکھ کے ساتھی ہوتے ہیں۔ان کی خوشی غمی ایک ہے اسی طرح ان کے پیسے بھی ایک ہی ہیں۔"

وہ اپنا فیصلہ سنا کر واپس اپیل پر جھک گئی تھی کہ بھوک کے آگے تو کمپرومائز۔بے بس سا لب چباتا نوفل اسے کھاتا دیکھ کر مٹھیاں بھینچتا اٹھ گیا۔اس کے دل میں ابال تھا اور غصہ بھی، بے بسی تھی اور چڑچڑاہٹ بھی۔کمبل کو کھینچنے والے انداز میں اٹھا کر خود پر ڈالتا وہ آنکھوں کو کہنی سے ڈھک کر لیٹ گیا تھا۔ساتھ میں اس نے اپنی سائیڈ کا لیمپ بھی آف کر دیا۔معروش نے ایک نگاہ اس پر ڈالی پھر بددلی سے پلیٹ کو پرے کھسکا کر سینے پر بازو باندھتی کھڑکی سے نظر آتے ملگجے آسمان کو دیکھنے لگی۔

☆......☆......☆

خواجہ ریاض جلے پیر کی بلی کی طرح اس پر تعیش "سیل" میں چکراتا پھر رہا تھا جو خصوصاً اس کیلئے منتخب کیا گیا تھا۔کمر پر ہاتھ باندھے سیاہ واسکٹ پہنے وہ کروفر سے چلتے جیسے اپنے پیروں تلے گجی پہلوان کو روند رہا تھا۔ابھی ابھی ان کے سیکرٹری نے آ کر انہیں اطلاع دی تھی کہ گجی نے ان کی طرف سے ہاتھ اٹھا لیے ہیں۔وہ اس معاملے میں پڑ کر آنے والے الیکشن میں اپنا امیج خراب نہیں کر سکتا تھا اور تو اور اس نے خواجہ سے دوستی ختم کرنے کا بھی اعلان کر دیا تھا۔اس نے کہا تھا۔

"ایسے اینٹی پاکستان، کرپٹ لوگوں کے ساتھ دوستی ہونے پر وہ شدید شرمندہ ہیں اور اس وقت کو کوس کر شدید رنج میں مبتلا ہوتے ہیں کہ وہ اپنے اللہ کو کیا جواب دیں گے کہ کیسے گھٹیا لوگوں سے انہوں نے مراسم بڑھائے رکھے۔"

دوسری جانب خواجہ ریاض جو اس زعم میں تھے کہ جسمانی ریمانڈ سے پہلے ہی گجی اپنی دوستی کا دھاگہ تھامے ان کی طرف کھنچا چلا آئے گا۔ہاتھ مسلتے رہ گئے۔انہیں اس وقت اپنی ساکھ یا سیاسی کریئر کی قطعی پرواہ نہیں تھی۔وہ بوکھلا رہے تھے تو اس بات پر کہ ان کا کروڑوں کا مال تھا جو ان پولیس والوں کے نرغے میں آ چکا تھا۔انہوں نے اس سیل کے باہر موجود پہرے دار جو آستین کے سانپوں میں سے ہوتا ہے کو اشارہ کر کے بلایا۔وہ سلیوٹ مار کر

ان کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"تمہارے پاس موبائل ہے؟"

ان کی سخت آواز پر اس تلی سے انسان نے جھٹ اثبات میں سر ہلایا۔

"گڈ، تو پھر مجھے ادھر دو۔" وہ اپنا ہاتھ بڑھاتے ایسے اس سے سیل مانگ رہے تھے جیسے وہ یہاں کے بادشاہ ہوں اور وہ پہرہ داران کا غلام۔ اس نے جلدی سے سیل فون خواجہ کے ہاتھ میں دھرا اور خود اشارہ پا کر واپس اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ خواجہ نے ایک نمبر ملا کر سیل فون کان سے لگایا کچھ دیر کے مشقت بھرے انتظار کے بعد کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"ہیلو یہ میں بول رہا ہوں خواجہ ریاض۔"

یمن کو چھوڑ کر اس کا ارادہ سمندر خان کے پاس جانے کا تھا لیکن راستے میں اسے رمیز کی کال آ گئی۔ تبھی اس نے اسٹیئرنگ موڑا اور فیکٹری آ گیا جس کے باہر تین چار ٹرک سامان لادے کھڑے تھے۔ سب جانتے تھے ان سامان کے اندر اور کونسی چیز باہر جانے کیلئے تیار ہے۔ وہ ابھی اپنے ایک دو ورکرسے بات کر ہی رہا تھا کہ انجانے نمبر سے آنے والی کال نے اسے چونکا دیا۔ وہ اس کال کو ایسے ہی عام جان کر اگنور کر سکتا تھا اگر اس کا یہ نمبر پرائیویٹ نہ ہوتا تو، اس لیے اس نے ان آدمیوں کو ہاتھ سے چپ ہونے کا اشارہ کیا اور خود چلتے ہوئے ایک کارنر میں آ کر احتیاط سے کال پک کر لی مگر اگلے ہی لمحے سننے والے جملے نے اسے ڈھیلا کر دیا تھا۔

"ہیلو یہ میں بول رہا ہوں، خواجہ ریاض۔"

ان کے لفظوں میں عجلت اور بوکھلاہٹ تھی۔ خلیفہ کے لبوں پر بڑی محظوظ کن مسکان نے ڈیرہ جمایا تھا۔ وہ خواجہ کی گرفتاری اور اس کی بدنامی کے بارے میں بخوبی واقف تھا۔ یہ خبر بھی اسے ملی تھی کہ گجی پہلوان نے دو لڑکوں کے باپ کو قتل کر کے سارا ملبہ خواجہ کے کندھوں پر ڈال دیا تھا اسی لیے ان دو لڑکوں نے جدید آلات کے ذریعے خواجہ کے کالے کارناموں کی ویڈیو ایجنسی والوں کے حوالے کر دی تھی اور اب وہ دونوں لڑکے ان کی ہی تحویل میں تھے۔ خلیفہ کو کسی بھی صورت وہ دو لڑکے چاہئیں تھے۔ اچھی ذہانت اور با صلاحیت لوگ ہمیشہ خلیفہ کی کمزوری رہے تھے۔ اس وقت بھی ان کے انڈر جو کام کر رہے تھے وہ کوئی نہ کوئی غیر معمولی صلاحیت کے حامل تھے۔

"سن رہا ہوں خواجہ، بولو آج کیسے اس ناچیز کو یاد کر لیا۔" وہ بڑے ترنگ میں کہتا گویا اسے جلانے کے درپے تھا۔ کوئی پوچھے جو پہلے ہی جلا ہوا ہو، اسے اور جلا کر کیا کرنا۔ خواجہ ریاض کا دل بھڑ بھڑ کرنے لگا۔

"مجھے تمہاری ضرورت ہے، امید کرتا ہوں تم مایوس نہیں کرو گے۔" اپنی انا اور خودداری پر پاؤں رکھ کر وہ منمناتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ خلیفہ کا قہقہہ برجستہ تھا۔ دراصل وہ قہقہہ نہیں بلکہ جلتے ہوئے کوئلوں کی بوچھاڑ تھی جو خواجہ ریاض کے سر پر آ کر برس رہے تھے۔ انہیں ہتک کا احساس ہوا۔

"ہائے خواجہ، کتنا مان ہے نا تمہیں مجھ پر۔ ڈیم اٹ یار۔" بڑی ساری فیکٹری کے داخلی دروازے کے باہر وہ سامان سے لدے ٹرکس کو دیکھ رہا تھا۔ اسے خواجہ کی پوزیشن نے بڑا محظوظ کیا۔ تبھی بات کو طول دے گیا ورنہ وہ ایسے ویسوں کو منہ لگانا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

"خلیفہ، تم مجھے یہاں سے نکلوا دو میں تمہیں اعتماد دلاتا ہوں کہ گجی پہلوان کا ایک ایک راز تم پر کھول دوں گا، میں تم سے ہاتھ ملانے کیلئے تیار ہوں۔"

مرتا کیا نہ کرتا کے مترادف وہ پریقین لہجے میں کہہ رہے تھے۔ ان کا انداز تو ایسا تھا جیسے خلیفہ اسی آفر کیلئے تیار بیٹھا ہو۔ خواجہ کی اس آفر بلکہ انتہائی خوش فہم آفر پر خلیفہ کے لب سیٹی کے انداز میں گول ہوئے۔

"ارے واہ، کتنا احسان عظیم کرو گے تم مجھ پر، پہلے اپنے بندے بھیجے اور اب یہ دوستی کا ہاتھ۔ واہ خواجہ تمہیں تو ہیروں کا ہار پہنانا چاہیے۔"

اس نے درحقیقت بات نہیں کی تھی بلکہ خواجہ ریاض کے سر پر بم پھوڑا تھا۔ ان کی پیشانی پر پسینہ چمکا کیونکہ وہ چار آدمی صرف خاص نہیں بلکہ خاص الخاص تھے۔

"دیکھو خلیفہ، دشمنی ایک طرف اور انسانیت ایک طرف۔ میرے بندے کو چھوڑ دو زبان دیتا ہوں آئندہ ایسی غلطی نہیں ہوگی۔"

اس وقت وہ بندھے تھے اور خلیفہ کھلا تھا۔ مشکل ان پر آن پڑی تھی نہ کہ خلیفہ پر تبھی گڑگڑائے۔

"کیا خواجہ ریاض، مانا میں ظالم، جابر، بے حس ہوں لیکن اس سے ہٹ کر میں ایک انسان بھی ہوں۔ اس انسان کی بات پر یقین کرو اور بے فکر ہو جاؤ تمہارے آدمیوں کو کچھ نہیں کہوں گا۔"

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ٹہلنے کے سے انداز میں کہتا ہوا خواجہ ریاض کے بندوں کے پاس آیا جو خلیفہ کو ایسے تاثر دے رہے تھے جیسے اس کے بہت وفادار ہوں۔ خلیفہ نے احتیاط سے پینٹ کی پچھلی جیب سے پسٹل نکال کر اپنی آنکھوں کے سامنے کیا پھر ایک محظوظ کن مسکراہٹ اس کے لبوں کی زینت بنی۔

خواجہ ریاض کو اس کی بات پر یقین نہیں تھا لیکن انہوں نے ایک "انسان" کی بات پر یقین کر کے غلط کیا۔ گولی چلنے کی آواز انہوں نے فون میں سے بخوبی سنی تھی۔

"جھوٹے انسان، تم نے کہا تھا تم اسے کچھ نہیں کہو گے۔" وہ طیش کے عالم میں دھاڑے تھے اور یہ بھی بھول گئے کہ اس سے انہوں نے کس مقصد کی خاطر خلیفہ کو کال کی ہے۔

"ہاں تو میں اب بھی اپنی بات پر قائم ہوں میں نے انہیں کچھ بھی نہیں کہا، کیا تم نے کچھ سنا مجھے انہیں کچھ کہتے ہوئے۔" اس کی بے بسی کا مذاق بنانے کا اس سے بہتر موقع خلیفہ کو نظر نہیں آ رہا تھا اس لئے بعد میں مارنے کی بجائے اس نے ابھی ان چاروں کو گولیوں سے بھون دیا تھا۔ اس کے ساتھی اس افتاد پر جھٹ اپنے کام میں مشغول ہو گئے یعنی خون صاف کرنے اور کچرے (لاشوں) کو کوڑا دان میں ڈالنے میں۔

"خلیفہ تبریز، بہت گھاٹے کا سودہ کر رہے ہو تم۔" وہ جل بھن گئے تھے۔ ان کے تو دل پر ہاتھ پڑا تھا۔ کتنا پیسہ اور وقت لگایا تھا انہوں نے ان چار آدمیوں کو تیار کرنے میں اور کتنی ہی آسانی سے خلیفہ نے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ خلیفہ کیلئے ان کے دل میں نفرت نے پھر سے جوش مارا۔

"خلیفہ ہمیشہ گھاٹے کے سودے ہی کرتا ہے اور پھر ان میں سرخرو بھی ہو جاتا ہے۔ ہیو نائس قید۔" اس نے سیل فون کو بند کر کے اپنے جیب میں ڈالا اور مخصوص چال چلتا ریمز کے پاس آیا جو جیپ میں اس کا منتظر تھا۔

"کیا لگتا ہے شیون نے ہی ساشا کو مارا ہے؟" وہ جیپ کی سپیڈ بڑھاتا ونڈ سکرین پر نگاہیں جمائے پوچھ رہا تھا۔ خلیفہ نے اپنا رخ اس کی جانب کیا اور صاف آواز میں بولا۔

"بالکل نہیں یہ ایک چال ہے جس میں شیون کو پھنسا دیا گیا ہے اصل کہانی تو کچھ اور ہے۔"

خلیفہ نے جیپ میں رکھی مہنگی ترین شراب کی چکور ڈبی نما شیشی اٹھا کر ہونٹوں سے لگائی۔ ایک راحت سی اس کے بدن میں سرائیت کر گئی۔ یمن کی موجودگی کی وجہ سے وہ دو دن پی نہیں پایا تھا اس لیے اب کی بار اس کی بے

اختیاری متوقع تھی۔

"مطلب، میں سمجھا نہیں۔" رمیز کو واقعی سمجھ نہیں آئی تھی۔ الجھن آمیز لہجے میں دریافت کیا۔ خلیفہ نے دو سیکنڈ اس شیشی کو منہ سے لگائے رکھا پھر سانس لینے کو اس نے منہ سے ہٹا کر رمیز کو جواب دیا۔

"کوئی ہے رمیز جو ہماری کمر پر وار کرنا شروع کر چکا ہے، اس کوئی کو ڈھونڈنا ہوگا۔" وہ دوبارہ اپنا حلق تر کرنے لگا۔ اس سے پہلے وہ آخری گھونٹ سرور کے سے انداز میں نیچے اتارتا۔ ایک لمبی پھوار اس کے منہ سے نکل کر شیشے کو آلودہ کر گئی۔ اس اچانک اچھو کی وجہ رمیز کی بے تکی سی بات تھی۔

"یومین معروش، ڈھونڈنا کیا سامنے ہی ہے وہ۔" منہ بناتے ہوئے اس نے تو ایسے ہی کہا تھا۔ اسے کیا پتا تھا اس کی بات سے خلیفہ کا ایسا ردعمل دیکھنے کو ملے گیا۔ حیرت سے نظر گھما کر وہ سراپا سوال تھا۔

"تمہیں لگتا ہے وہ معمولی سی لڑکی اس سب میں ملوث ہے۔ رمیز، تم انتہائی احمق ہو۔" اس کا سارا موڈ غارت ہو گیا تھا۔ اس نے ایک اور شراب کی بوتل اٹھائی۔

"خیر معمولی تو نہیں ہے ناکوں چنے چبوائے ہیں اس نے اور کہیں نہ کہیں مجھے لگ رہا ہے وہی اس سب میں شامل ہے۔ میں تو کہتا ہوں اس کا کام تمام کروا دیتے ہیں بس تم یا باس مجھے اشارہ دو پھر دیکھو کیسے اخبار کی سرخیوں میں اسی کی خبر چھپتی ہے۔"

اس کے عزائم خطرناک تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اگر ابھی خلیفہ اسے اوکے کا اشارہ دے تو وہ بھاگتا دوڑتا معروش کا تیا پانچا کر دے گا۔

"تم اپنے کام پر دھیان رکھو، جو کہا جائے اس پر فوکس کیا کرو۔ ادھر ادھر دماغ کھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یاد رکھو معروش میرا ٹارگٹ ہے تمہارا نہیں۔" وہ ناگواری سے اسے جتاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس نے تو دوستی کا مان بھی نہیں رکھا تھا۔ وہ ایسا ہی تھا پل میں تولہ تو پل میں ماشہ۔

"جیسے تمہاری مرضی لیکن اطلاع دے دوں تمہیں وہ ہائی الرٹ ہو چکی ہے۔ اس نے اوپر سے اجازت لے لی ہے جس طرح خواجہ ریاض کو سرعام پکڑ کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈالا ہے ہمیں بھی ڈال سکتی ہے۔ خلیفہ اس وقت ہمیں بہت محتاط رہنا ہے کیونکہ اس کے ساتھ غیر ملکی ایجنسیاں کنیکٹ ہو چکی ہیں اور یہ بات خاصی خطرناک ہے۔"

خلیفہ نے اس کی بات کو مکھی کی طرح اڑایا تھا۔ وہ جانتا تھا کون کتنا پانی میں ہے اور کس کی کتنی اوقات، اس لیے لاپرواہی سے جیپ سے چھلانگ لگا کر اس نے جونہی پورچ میں قدم رکھا اس کا ترسا ہوا ڈوگ دوڑتا ہوا اس کے پاؤں سے لپٹ گیا۔ خلیفہ نے ایک پیاری مسکان اس پر اچھالی، بالوں کو محبت سے سہلانے کے بعد وہ اس کا پٹا پکڑے اندر کی طرف بڑھ گیا۔ ڈوگ اور رمیز اس کے پیچھے پیچھے ہی تھے۔ اندر آتے ہی اس نے سرخ صوفوں میں سے ایک پر کروفر سے بیٹھے سمندر خان کو دیکھا اور جلدی سے ان کے نزدیک آ کر ان کا دائیاں ہاتھ تھام کر لبوں سے لگانے کے بعد دونوں آنکھوں سے لگایا۔

"تم جانتے ہو جب تم پاس نہیں ہوتے تو مجھے کتنا خالی لگتا ہے۔ مت رہا کرو اتنے دن نظروں سے اوجھل۔" وہ لفظوں میں شیرینی گھول کر محبت پاش لہجے میں کہہ رہے تھے۔ اس دنیا میں اگر کسی کو کسی سے محبت تھی تو وہ سمندر خان کو خلیفہ تبریز سے تھی۔

"کام تھا خان۔" وہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے اپنے قدموں میں بیٹھے ڈوگ کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا۔ ایک چائنیز میڈ ٹرالی گھسیٹ کر لائی اور میز پر سامان سجانے لگی جن میں سرفہرست ریڈ وائن تھی۔

"تمہارے کام سے میں واقف ہوں، حسین ہے اور خطرناک بھی۔" رمیز وہ دوسرا انسان تھا جس پر سمندر خان کے ساتھ ساتھ خلیفہ کو آنکھیں بند کر کے یقین تھا تبھی وہ ان دونوں کے درمیان موجود تھا۔

"وہ کیسے؟" سمندر خان کی آگاہی نے اسے حیران نہیں کیا تھا۔ ہاں وہ ان کی گوہر افشانی پر پزل ضرور ہوا۔

"بزدل لوگ خطرناک ہی ہوا کرتے ہیں، وہ بھی ہے اس سے تمہیں کافی احتیاط برتنی ہوگی۔"

اور زندگی میں پہلی بار خلیفہ کو ادراک ہوا کہ وہ یمن کے بارے میں کوئی بھی بات برداشت نہیں کر سکتا تھا خواہ وہ سمندر خان کے منہ سے ہی کیوں نہ نکلی ہو۔

"مجھے میری ترجیحات کا بخوبی اندازہ ہے خان! میں اچھے سے جانتا ہوں کس کو کیسے رکھنا ہے اس لیے بہتر ہوگا ہم اس ٹاپک کر کلوز کر دیں اور ساشا کے متعلق بات کریں۔"

اس کا انداز سپاٹ تھا کسی بھی تاثر کے بغیر، سمندر خان نے بات بدلنا ہی مناسب جانا۔

"ساشا کا کیا کہوں میں، اسے تو قتل کر دیا گیا ہے اور وہ سپیشل فورس والے کہتے ہیں کہ اس سب کے پیچھے

شیون کا ہاتھ ہے۔"

خلیفہ کے ماتھے کے بلوں میں اضافہ ہوا۔اس نے خائف نگاہوں سے رمیز کی جانب دیکھا تھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آتی اس معاملے میں سپیشل فورس کو گھسیٹنا ضروری تھا ہمارے خود کے بندے اتنے قابل ہیں کہ یہ کام کرسکتے تھے پھرانہیں ہمارے اس مقام تک لانے کی تک؟ اگر کبھی وہ اچانک وارد ہو گئے تو مال (لڑکیوں) کو کہاں ٹھکانے لگاتے پھریں گے، ایک بات تو بتائیں تفتیش تو کی ہوگی انہوں نے۔کیا کہہ کر سب کو متعارف کروایا تھا۔"

وہ حددرجہ نالاں دکھتا تھا اسی انداز میں پوچھا بھی۔سمندر خان نے اس کی بات پر ہنکارہ بھرا اور بولے۔

"کوئی دودھ پیتے بچے نہیں ہیں ہم، ان کو وہاں تک ہی رکھا جہاں تک ہم نے رکھنا تھا۔باقی وہ جان گئے تھے کہ اتنے بارتبے والے انسان کا یہ شاف ہے۔"

سمندر خان کو خلیفہ کا انداز اچھا نہیں لگا تھا۔اس اکھڑ لہجے کے بدلے میں انہوں نے بھی کھردرے انداز میں جواب دیا۔

"دراصل، کچھ چیزیں تھیں جو واضح نہیں ہو رہی تھیں اس لیے ہمیں پولیس کا ساتھ لینا پڑا۔تم بے فکر ہو جاؤ سب انڈر کنٹرول ہے۔" رمیز نے اس کثافت بھرے ماحول میں خود کو بیچ میں لانا ہی بہتر سمجھا۔خلیفہ کی ضبط بھری سانس دونوں نے ہی سنی۔

"اب وہ شک کی بنا پر شیون کو نہیں چھوڑیں گے اور وہ باغی سب اگل دے گا، رمیز یہ رات اس کی آخری بناؤ۔" وہ اس کا ڈیتھ وارنٹ نکال کر عمیق سوچ میں گم تھا۔اس کا ڈوگ چمکتی آنکھوں کے ساتھ اس کے قدموں میں ہی بیٹھا تھا۔سمندر خان خلیفہ کو سیاست کے خاص بندے سے ہونے والی ملاقات کی بریفنگ دینا چاہتے تھے لیکن اس اکھڑ کا ناراض پن انہیں روک گیا۔

☆......☆......☆

وہ دل کو مضبوط کر کے اندر آ تو گئی تھی لیکن اس کے بعد جو ماما نے اس کی کلاس لی۔اف۔

"میں نے آپ لوگوں کو اس لیے اتنی آزادی نہیں دی کہ آپ اپنی من مانیاں کرتے پھریں۔ٹی وی دیکھیں

نیوز چلائیں، ہولناک خبریں آپ کا سینہ جکڑ لیں گی۔ کیسے کیسے کیسز سامنے آ رہے ہیں اور آپ کو اپنے فرینڈز کے ساتھ آؤٹنگ سے فرصت نہیں۔ آئندہ آپ بنا بتائے اتنے دنوں کے لیے غائب ہوئیں تو میں آپ کو آپ کے پاپا کے پاس بھیج دوں گی۔"

وہ غصے میں تلملاتی اس پر برس رہی تھیں۔ بجائے اس کے کہ یمن اس ڈانٹ پر آنسو بہاتی دوستوں کے ساتھ آؤٹنگ والی بات پر شاک سی رہ گئی۔

"ایم سوری ماما آئندہ نہیں ہوگا۔" ثوبیہ کے ٹھوکا دینے پر اس نے جلدی سے کہا تھا۔ وہ ممنون نظروں سے ثوبیہ کا شکریہ ادا کر رہی تھی جو ماں کی ڈانٹ سے بچاتی اسے کمرے میں لے آئی۔

"تمہارے شکریے کا اچار ڈالوں میں یمن! تم میں اتنی ہمت کہاں سے آ گئی کہ تم ایک انجان انسان کے ساتھ چل دو۔"

وہ حیرت و بے یقینی میں غلطاں پوچھ رہی تھی۔ میم نے تو اسے خلیفہ کا پیغام دیا تھا جس میں ثوبیہ کو تلقین کی گئی تھی کہ وہ یمن کے بارے میں پریشان نہ ہو اور اپنے گھر والوں کو سنبھال لے۔ یہ بات سن کر ہی ثوبیہ زمین میں گڑ گئی تھی کہ اس کی بہن کسی غیر مرد کے ساتھ چلی گئی ہے۔

"وہ انجان نہیں ہے بلکہ ایک وہی تو ہے جو اب سب کچھ ہے۔" وہ بہت جذب سے کہتی ثوبیہ کو تپا گئی تھی۔ اس نے اوگی (سٹف ٹوائے) کو اٹھا کر اس پر نشانہ تانا جو عین اس کے بازو پر جا کر لگا۔

"میرے سامنے یہ فلمی باتیں مت کرو تم، خبریں نہیں دیکھ رہیں۔ کیسے چھوٹے چھوٹے بچوں کو جنسی ہوس کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، عورتوں کو کو نیلام کیا جا رہا ہے۔ تم کہاں رہ رہی ہو یمن! مت بھولو کہ تم بھی ایک عورت ہو۔" ثوبیہ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔ یمن نے بیساختہ جھرجھری لی اور کہنے لگی۔

"تم نہیں سمجھو گی ثوبیہ، میں جب تک خلیفہ کے ساتھ ہوں کوئی میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔" اسے اچانک وہ کورین بوڑھا یاد آیا جس کی موت کی خبر خلیفہ نے بذات خود اسے دی تھی۔

"ہاں کیونکہ یہ کام خلیفہ خود ہی کریگا۔"

یمن نے اس کی بات پر اچانک لاحول ولا پڑھی تھی۔

"تم ہر وقت فضول مت بولتی رہا کرو، وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور میری عزت کرتا ہے۔ وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتا۔"

اس کے لہجے کا یقین دیکھنے کے قابل تھا۔ ایک پل کو تو ثوبیہ بھی اس میں ڈوب گئی پھر سنبھل کر بولی۔

"اور اگر بالفرض اس نے ایسا کر دیا تو؟" وہ اسے امتحان میں ڈالنا چاہتی تھی مگر یمن کو یہ امتحان دینا ہی نہیں تھا اس لیے پرچے پر سرسری سی نظر ثانی کر کے اس نے سائیڈ پر رکھ دیا اور متوازن مگر مضبوط آواز میں بولی۔

"وہ ایسا نہیں کر سکتا مجھے یقین ہے۔"

بعض اوقات ہم ایسے ہی کسی نہ کسی بات اتنے پختہ طریقے سے یقین کرتے ہیں کہ پھر وہی بات ہمارے لیے آزمائش بن جاتی ہے۔ کون جانتا تھا آنے والے وقتوں میں یمن کے یہ الفاظ ہی اس کے گلے کا طوق بن جائیں گے۔ کون جانتا تھا کہ یمن حیات کا یقین ملیامیٹ ہو جائے گا لیکن کیا ضروری ہے اس سب کے پیچھے خلیفہ کا ہی ہاتھ ہو۔ کوئی اور بھی تو ہو سکتا ہے۔

"تم وہ انسان ہو جو مجھ سے بالاتر ہے۔ خیر گرافک ڈیزائننگ کا کیا خیال ہے؟" اس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے بات برائے بات کہی۔ یمن کمرے کی دیوار گیر کھڑکی کو کھول چکی تھی۔ مسکراتے ہوئے وہ بہار کی آمد کو دل و جان سے محسوس کر رہی تھی جو نہ صرف لاہور میں اتری تھی بلکہ اس کے دل میں بھی اتر کر اسے پھولوں سے معطر کر گئی تھی۔ اس نے طویل سانس اندر کھینچی اور کہا۔

"خیال تو بہت اچھا ہے لیکن ابھی کچھ وقت انتظار کر لو۔" اس نے ٹھنڈی میٹھی ہوا کو اپنے صبیح چہرے پر محسوس کرتے ہوئے آنکھیں بند کر کے کہا۔ اس کے بال ہوا کے زور سے پیچھے کو ہلکے سے اڑنے لگے تھے۔ ثوبیہ نے نظر بھر کر اس مستقبل لڑکی کو دیکھا اور برجستہ بولی۔

"انتظار کا وقت نہیں ہے۔ لاسٹ ڈیٹ اس مہینے کی تیس تاریخ ہے۔ اگر تو تم کہو گی تو میں تمہارا فارم بھر دوں گی۔ نہیں تو تم جانو اور تمہارا کام۔" اس نے حسب عادت بات ختم کرنے کے انداز میں کہہ کر اپنا لیپ ٹاپ اٹھا لیا تھا۔ یمن کے پلٹنے تک ہیڈ فونز اسے باہر کی دنیا سے بہرہ کر چکے تھے۔ اس نے ایک تیکھی نگاہ اپنی بڑی بہن پر ڈالی اور پھر واپس باہر دیکھنے لگی۔ خلیفہ کے ساتھ بتائے خوبصورت دن اس کی آنکھوں میں جگنو کی طرح چمکنے

لگے۔وہ اس دنیا کی مسافر ہو گئی جہاں کا ہر مرد مجنوں اور ہر عورت لیلیٰ کہلاتی ہے۔
اس کی آنکھیں بند تھیں۔ان بند آنکھوں سی گہرائی مکروہ چہرے والے گنجی پہلوان کی سوچ میں تھی جس کے مقابل اس کی ٹیم بیٹھی تھی۔آج اسے وہ مردہ جاں ملا تھا جس نے اس کے رگ و پے میں سکون گھول دیا تھا۔جن کی جان کا پتا لگ جانا انسان کو یونہی تفاخر میں مبتلا کر دیتا ہے جس طرح اس وقت گنجی پہلوان ہوا پڑا تھا۔اس نے اپنی گہری سوچ کو جھٹکا اور رعب دار آواز میں بولا۔
"پچھلے سات سالوں سے خلیفہ کے پیچھے لگی ایجنسیاں بھی وہ چیز نہیں ڈھونڈ پائیں جو اس معتبر انسان کو ڈھیر کرنے میں سیکنڈ نہ لگائے لیکن یہ کریڈٹ میرے شیروں کو جاتا ہے جس نے سونے کی چابی ڈھونڈ نکالی ہے۔"
وہ اپنے مضبوط مسلز والے جوانوں پر لفاظی تھپکی مارتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ان کی آنکھوں کی طرح ان کی گنج بھی پوری طرح چمک رہی تھی۔تعریف وصولتے ان کے جوان اور سینہ چوڑا کیے کھڑے ہو گئے۔ان کے کان گنجی کی تعریفوں سے بھر گئے تھے۔لبوں پر مبہم سی مسکان تھی۔
"مجھے کہنے دو کہ اس ہفتے کے بعد وہ میں ہی ہونگا جو خلیفہ پر برتری حاصل کرلے گا کیونکہ اب اس کی گردن پر پاؤں رکھنے کا وقت آچکا ہے۔"
مصمم ارادے سے کہتے ہوئے انہوں نے سگار کا کش لیا تھا۔ایک خواجہ ریاض تھا جو آئے روز نئے کرائسز کا شکار ہوتا تھا پھر یوں ہوتے ہوتے وہ آخر جیل کی سلاخوں کے پیچھے چلا ہی گیا اور ایک خلیفہ تبریز تھا جو بچتے بچتے بچا ہی رہا تھا لیکن کب تک۔آخر کار بکرے کی گردن تلے چھری نے ہی آنا ہوتا ہے جو کہ بس آ ہی چکی۔
"بڑی خوبصورت جان بنائی ہے اس جان والے نے لیکن وہ نہیں جانتا اس کی جان کی خوبصورتی کس طرح سے ملیامیٹ ہونے والی ہے۔اگر اس نے ہماری بات نہ مانی تو۔۔۔"
ان کی سیکرٹری نے درمیان میں بولنے کی جسارت کی اور ہچکچاتے ہوئے کہنے لگی۔
"سنا ہے خلیفہ بڑی سخت ہڈی ہے۔اگر اس بات کے پیش نظر اس نے واقعی ہماری بات ماننے سے انکار کر دیا تو؟ اگلی حکمت عملی کیا ہوگی ہماری۔"
گنجی نے اپنے ساتھیوں کو ہاتھ سے جانے کا اشارہ کیا پھر تھوڑا جھک کر رازدارانہ انداز میں زیبا سے مخاطب

ہوا۔ "تو ایک خوبصورت چڑیا ہمارے ہاتھ آجائے گی۔ اف سوچو روز کتنے دام لگا کریں گے اس کے۔"

دوسروں کی عزتوں کو بلا جھجک بے عزت کرنے والا، ان کی نسوانیت کو تار تار کر کے انٹرنیٹ پر ڈلوانے والے نے ایک بار بھی یہ نہ سوچا ہوگا کہ کبھی بالکل اسی طرح اس کی محبت کے ساتھ بھی وہی کچھ ہوگا جو وہ دوسروں کے ساتھ کرتا آیا ہے۔ جس طرح تکلیف دینے والے تکلیف سہا کرتے ہیں عین اسی طرح عزت اتارنے والوں کی بھی عزتیں اترا کرتی ہیں۔

زیبا گجی کے اس پلان سے کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔ وہ جس جگہ سے آئی تھی وہ بھی تو وہی تھی تو کیسے نہ جان پاتی کہ حسن کا دام وہاں کیا لگتا ہے۔ اس نے ایک بار پھر اس تصویر کو دیکھا جس میں یمن حیات عرف عام میں خلیفہ کی محبت مسکراتے ہوئے ہوٹل میں اس کے ساتھ بیٹھی ہے۔

"چلو دیکھتے ہیں قسمت کیا کھیل کھیلتی ہے۔" زیبا نے اپنی محویت کا ارتکاز توڑتے ہوئے کہا تھا جبکہ گجی تو ابھی تک اس سیاہ بالوں والی کے حسن پر فدا تھا۔

☆......☆......☆

وہ جیزی کے سامنے بڑے تحمل سے بیٹھی تھی۔ ٹانگ پر ٹانگ جمائے بالکل اس کے انداز کے مطابق۔ ہاں فرق اتنا تھا کہ جیزی کے لب الوہی مسکان میں ڈھلے ہوئے تھے جبکہ معروش سنجیدگی کے خول میں لپٹی ٹھس سی بیٹھی تھی۔ سامنے میز پر ایک جگ اور گلاس کے علاوہ نوٹ پیڈ اور جل پن رکھا تھا جبکہ شیشے کی بلائنڈ وال کے پیچھے حفیظ کے ساتھ ان کا ایک اور ساتھی کانوں پر ہیڈ فونز لگائے ان کی بات کو ریکارڈ کر رہے تھے جو کہ یہ تھی۔

"کئی سال پہلے میں ٹام (خلیفہ) سے ملی تھی۔ وہ تب ایسا نہیں تھا جیسا اب ہے۔ تب وہ ایک چلبلا سا لڑکا تھا جسے لڑائیاں کرنے اور اپنا رعب سب پر ڈالنے کی عادت تھی۔ وہ بڑے بڑے اسمگلرز کے ساتھ ڈیل کیا کرتا تھا اور ان کا مال بارڈر کے تھرو با آسانی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیتا تھا۔"

اس نے خود کو بولنے سے روکا۔ وجہ وہ سپ تھا جو اس نے گلاس اٹھا کر لیا تھا پھر بات کا آغاز وہیں سے کیا جہاں اس کا دم توڑا تھا۔

"ہسپتالوں میں بڑے بڑے ڈاکٹرز سے اس کی ڈیلز تھیں جو مریض مرجاتا تھا یا جو زیادہ بیمار ہوتا تھا ان کو

مروا کر وہ ان کے آپریشن کے بہانے باڈی پارٹس نکلوا دیتا تھا اور انہیں بلیک ویب والوں کو مہنگے داموں فروخت کر دیا کرتا تھا۔ وہ ساؤتھ کوریا میں زیادہ تر مقیم رہتا تھا بقول اس کے وہ اس کی سیو پلیس تھی۔ اس کے پاس ایک کب (شیر کا بچہ) تھا جسے وہ بالکل ماؤں کی طرح پالتا تھا اور ایک عورت جسے وہ ماں کہتا تھا۔ مجھے اس عورت کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں پتا تھا لیکن ایک رات نشے میں دھت جب وہ اپارٹمنٹ لوٹا تو بہت خستہ حالت میں تھا۔ اس رات وہ بار بار یہ ہی الفاظ دوہرا رہا تھا کہ تمہیں اتنی جلدی نہیں مرنا تھا۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ عورت مرگئی لیکن بعد میں، میں خوف میں مبتلا ہوئی جب مجھے میرے خاص بندوں نے بتایا کہ وہ عورت سی آئی اے کے ہاتھوں لگ گئی تھی۔ اس سے پہلے وہ ان لوگوں کو ٹام کے متعلق کچھ بتاتی ٹام نے اسے مروا دیا۔ وہ ایسا ہی کرتا تھا مجبوری کے تحت گرل فرینڈز بناتا تھا اور جب ان سے دل بھر جاتا تھا تو انہیں مار دیتا تھا کیونکہ بقول اس کے وہ اپنی کمزوری نہیں رکھنا چاہتا تھا حالانکہ وہ عورتوں کو اپنے نجی معاملات سے کوسوں دور رکھتا تھا۔ یہ تو میں تھی ایک پاورفل آدمی کی بیٹی جس نے اس کے پیچھے بندے لگوا کر یہ سب انفارمیشن حاصل کر لی تھیں لیکن جونہی خلیفہ کو میری اس حرکت کا علم ہوا اس نے اس اپارٹمنٹ کو جس میں ہم دونوں رہ رہے تھے بلاسٹ سے اڑوا دیا۔ اسے لگا تھا اس رات میں تنہا ہوں اپارٹمنٹ میں جبکہ ایسا نہیں تھا وہ میری دوست تھی جو میرے اصرار پر ملنے آئی تھی اور میرے حصے کی موت خود کی پیشانی پر لکھوا گئی۔"

جیزی کے لہجے میں اپنی دوست کو کھونے کا دکھ تھا اور ہر دفعہ کی طرح آج بھی یہ دکھ اسی شدت سے اس کی آواز میں موجود تھا جس روز پہلے دن اس نے بتانا شروع کیا تھا۔ اب تو معروش کو اس کی باتیں ازبر ہو چکی تھیں لیکن کیا کریں مجبوری تھی۔ وہ ہر ہفتے اس سے پوچھ تاچھ کرنے آتی کہ کیا پتا اس بار کچھ نیا سننے کو ملے لیکن ہر بار وہی کچھ سننے کو ملتا جو اسے رٹ چکا تھا تبھی۔ اس نے نہیں پوچھا کہ اس رات وہ کہاں گئی تھی اور وہ لڑکی اس کی جگہ کیوں مری؟ کیونکہ جواب سے وہ واقف تھی جو کہ یہ تھا۔

"اس رات اچانک سے مجھے یاد آیا کہ آج تو گروسری کا سامان بھی ختم ہو چکا ہے اور ٹام کی من پسند چیزیں بھی بس تھوڑی ہی پڑی ہیں تبھی میں اپنی دوست کو وہاں انتظار کرنے کا کہہ کر قریبی مارکیٹ سے سامان لینے چلی گئی۔ واپس آتے ہوئے میں نے اپنے اپارٹمنٹ کو جلتا ہوا پایا۔ دھماکے کی آواز نے مجھ پر سب کچھ آشکار کر دیا

تھا۔ میں جان گئی تھی کہ اب ٹام کی زندگی میں میری ضرورت نہیں رہی اس لیئے وہ مجھے ختم کرنا چاہتا ہے تبھی اس سے متنفر میں پولیس کی ڈھیر ساری سائرن بجاتی گاڑیوں کو پیچھے چھوڑ کر سر پر ہڈ ڈالے میں وہاں سے مڑ گئی تھی۔"

معروش نے تھکا تھکا سا سانس خارج کیا۔

"تو اب تمہیں خلیفہ کیوں مارنا چاہتا ہے، اتنے سالوں کے بعد اس نے تمہیں اس طرح کیوں بارڈر کے ذریعے عام لڑکیوں میں ملا کر اسمگل کروایا۔"

اس بار اس نے نیا سوال پوچھا تھا جس کا جواب سن کر وہ ششدر رہ گئی۔ اچانک اس کی دلچسپی بڑھی تھی۔ وہ ٹانگ پر سے ٹانگ اٹھا کر آگے کو ہو بیٹھی۔

"کیونکہ میرے پاس خلیفہ کا ایک راز ہے جو اتفاقاً میرے ہاتھ لگ گیا ہے۔"

معروش تو معروش باہر بیٹھے حفیظ اور اس کے ساتھی کے بھی کان خرگوش کی طرح کھڑے ہو گئے۔ وہ جلد از جلد اس راز کو جان لینا چاہتے تھے۔

"کیسا راز؟" معروش کو لگا اب تو کوئی نہ کوئی سرا اس کے ہاتھ آ ہی جائے گا جس کے پیش نظر وہ خلیفہ کے گریبان پر ہاتھ ڈال سکے۔

"یہی کہ اس نے خفیہ شادی کر رکھی ہے اور اس کے چار بیٹے بھی ہیں۔"

یہ انکشاف تھا کہ قیامت معروش کی آنکھیں سات مرلے میں پھیل گئیں۔

"واٹ لیکن یہ کیسے ممکن ہے۔"

اسے ہزار وولٹ کا جھٹکا لگا تھا۔ خلیفہ کی یمن میں دلچسپی اسے اچھے سے پتا تھا۔ ابھی ابھی تو اسے ان دونوں کی محبت کا علم ہوا تھا تو پھر یہ سب۔ وہ چکرا کر رہ گئی۔

"میں نئے سال کی دعائیں اکٹھی کرنے اکتیس جنوری کو رات بارہ بجے ایفل ٹاور گئی تھی جہاں میں نے روشنیوں کا جہان دیکھنا تھا۔ روشنیوں کا جہان کیا دیکھتی مجھے تو آگ نظر آ گئی تھی، خلیفہ کو دیکھتے ہوئے اچانک مجھے اپنا اپارٹمنٹ جلتا ہوا نظر آیا تھا۔" وہ کہتے کہتے رکی۔ اس کی آنکھوں میں خلیفہ کیلئے نفرت کی چنگاریاں تھیں۔ وہ

دوبارہ تندوتیز لہجے میں کہنے لگی۔

"وہاں وہ اکیلا نہیں تھا اس کے چھوٹے چھوٹے چار بیٹے اور گہرے گلے والی بلونڈز، کرلی ہیر کی مالک اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ ہی تھی۔"

معروش اچانک سے پزل ہوئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے اور کیا نہ۔ کیس دلچسپ ہوتا جا رہا تھا۔

"لیکن تمہیں کیسے پتا وہ اس کی بیوی ہی ہے اور جو چار لڑکے تھے وہ اس کے بیٹے؟" معروش فوراً سے چٹکیوں میں سب کچھ حل کر لینے کے موڈ میں تھی۔ جیزی نے اپنے خراب ہوتے نیلو پر تاسف بھری نگاہ ڈالی اور کہنے لگی۔

"ظاہر سی بات ہے جب کوئی آپ کو اپنا ڈیڈی اور ممی کہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ آپ پیرنٹس ہیں اور یوں بھی اس دن خلیفہ نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ دیکھ لینے کے بعد اس کی آنکھوں میں جو انسکیورٹی تھی وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ سب اچھا نہیں ہوا اس کا راز فاش نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

معروش نے خود کو کرسی پر گرایا اور اس کے تیقن سے کہنے پر شانے اچکا گئی۔

"اور یہاں وہ یمن حیات کے ساتھ محبت محبت کھیل رہا ہے۔ کتنا شاطر ہے نا یہ شخص لیکن بات تو یہ ہے کہ وہ ایسا کر کیوں رہا ہے۔" وہ کچا چبا جانے والے انداز میں بولی تھی۔ ایسے مرد اسے انتہا سے زیادہ زہر لگتے تھے جو بیوی بچوں کے ہوتے ہوئے باہر منہ مارتے ہیں۔ جیزی کو شاید اس بات نے اتنا متاثر نہیں کیا تھا تبھی پرسکون بیٹھی رہی۔

"مرد ہے وہ، مردوں کا دل ایک عورت سے بھرا نہیں کرتا۔"

معروش اس کی بات سے چونکی تھی۔ جھٹ سے نوفل کا چمکتا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آیا تھا۔

"ہاں اگر مرد خلیفہ جیسے بدفطرت ہوں تو، شریف مرد ایک عورت پر قناعت کر ہی جاتے ہیں۔"

وہ اٹھ گئی تھی اس کا کام مکمل ہوا۔ اب اسے پیرس میں خلیفہ کی فیملی کو ڈھونڈوانا تھا لیکن اس سے پہلے وہ خلیفہ کو اچھا سبق سکھانا چاہتی تھی۔ وہاں سے جاتے ہوئے اسے جیزی کی آواز سنائی دی جو کہہ رہی تھی۔

"بھول ہے آپ کی آفیسر کیونکہ مرد ہمیشہ سے بدنام رہا ہے۔"

اپنے سر کو جھٹک کر وہ باہر آئی۔ حفیظ پرجوش سا اس کے پاس آیا تھا۔

"میں چاہتی ہوں ٹیم کو پیرس بھیجو، زمین کھدواؤ یا آسمان لیکن مجھے خلیفہ کی بیوی بچے چاہئیں۔" وہ اسے حکم دیتی آگے بڑھ گئی تھی۔ گاڑی کو دور سے ان لاک کر کے وہ اس کے اندر بیٹھی اور اسے اسٹارٹ کر کے وہاں سے لے گئی۔ راستے میں اسے ٹریفک سگنل پر رکنا پڑا تھا۔ کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو چکا تھا جب کوئی دروازہ کھول کر اس کی گاڑی میں آن بیٹھا۔ معروش نے جھٹ پٹا کر اپنے برابر بیٹھنے والے کو دیکھا تو آن کی آن اس کے ماتھے پر تیوریوں نے ڈیرہ جمالیا۔

"تھنک آف دی ڈیول اینڈ ڈیول از ہیئر۔" وہ کچا چبا جانے والے لہجے میں کہتی گاڑی آگے بڑھا لے گئی کہ اب سبز بتی جل چکی تھی۔ خلیفہ اس کی بات پر دل کھول کر ہنسا پھر محظوظ سا پوچھنے لگا۔

"واقعی کیا یہ سچ ہے کہ میں معروش حبیب کی سوچوں کا محور ہوں۔" وہ ایک ادا سے کہہ رہا تھا۔ سادہ سی وی گلے والی براؤن ٹی شرٹ کے ساتھ کیمل جینز میں وہ بڑا فارمل سا بیٹھا تھا۔ آج اس کے آدھے بال کھلے تھے اور آدھوں کا جوڑا بندھا تھا اور ٹی شرٹ کی شیڈز کے گلاسز اس کی آنکھوں پر جمے تھے جنہیں اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہی اتار کر اپنے گلے پر لٹکا لیا تھا۔ اس کی دائیں کلائی میں رنگین رومال بندھا تھا اسی طرز کا رومال اس نے اپنی پنڈلیوں پر باندھ کر اس پر جوگر پہنے ہوئے تھے ان کے کناروں سے اچھا خاصہ وہ رومال دکھائی دے رہا تھا۔

معروش کو اچانک ڈیوڈ کی موت یاد آئی تھی۔ خلیفہ کا شوخی پن اسے ایک آنکھ نہ بھایا تلملاتے ہوئے بولی۔

"نکلے نا تم وہی جھوٹے مکار، تم نے کہا تھا اگر میں تمہارے ساتھ شام بتاؤں گی تو تم ڈیوڈ کو چھوڑ دو گے لیکن تم نے تو اسے مار دیا۔"

وہ طیش میں کہتی خطرناک ٹرن لیتی ہوئی بولی تھی۔ خلیفہ کو اس کے طرزِ تخاطب پر طرارہ چڑھا۔ اپنی ایک بھنور اچکا کر کہنے لگا۔

"مائنڈ یور لینگویج، میں نے کہا تھا میں اسے چھوڑ دوں گا زندہ یا مردہ یہ میں نے مینشن نہیں کیا تھا اور اپنی تصحیح کریں مادام، ہم دونوں ساتھ تھے لیکن چھ فٹ کا ظالم فاصلہ ہم دونوں کے درمیان میں تھا۔ ریمیمبر اٹ۔"

معروش کا دل چاہا یا تو اپنا سر پیٹ لے یا پھر اس کا۔ خلیفہ کی ذو معنی بات نے اس کے اندر بھانبھڑ جلا دیے تھے۔

"میرا دل کر رہا ہے ہر نفع نقصان چھوڑ کر تمہیں گولی مار دوں۔" اپنے دل کی بات وہ زبان پر لے آئی تھی۔

خلیفہ کا اس کی طفل خواہش پر نکلا قہقہہ برجستہ تھا۔وہ اپنی سنہری آنکھوں سے اس حسین دلربا کو دیکھ کر بولا۔

"بے فکر رہو تمہاری اس خواہش نے نامرادی ٹھہرنا ہے۔ہاں تمہاری خوبصورتی کے پیش نظر اس آفر پر غور کیا جاسکتا ہے۔"

وہ اسے چڑا رہا تھا اور وہ چڑ گئی تھی۔گاڑی کی سپیڈ بڑھائی اور اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"تمہیں شرم آنی چاہیے اپنی محبت کے ہوتے ہوئے ایسی باتیں کرتے ہو،دوسری عورتوں پر نظر رکھتے ہو کیسے مرد ہو تم۔"

اس نے محتاط مگر چڑے ہوئے انداز میں کہا کہ وہ خلیفہ پر بھنک بھی نہیں پڑنے دینا چاہتی تھی کہ اسے اس کی نجی زندگی کے بارے میں معلوم ہو گیا ہے تبھی ترخ کر بولی۔لہجے میں تاسف سمایا اور مقابل کو شرمندہ کرانا چاہا جو کہ بیکار گیا۔

"وہ مرد ہی کیا محترمہ،جو محبت کے ساتھ افیئر نہ رکھے۔یہی تو مردوں کی شان ہے لیکن تم نہیں سمجھو گی ون وومن شوہر جو پایا ہے۔"

وہ اس پر چوٹ کر رہا تھا اور ساتھ ہی نوفل کو درمیان میں گھسیٹ کر اس کا ری ایکشن دیکھنا چاہتا تھا۔معروش نے گاڑی سائیڈ پر روکی اور تیز نظروں سے اسے گھورتی ہوئے بولی۔خلیفہ نے اسے اس طرح گھور کر دیکھنے پر اپنے ہاتھ سینڈر فائر والے انداز میں سر سے اونچے کیے۔

"میری گاڑی میں بیٹھنے کا مقصد؟"وہ سنجیدہ تھی۔خلیفہ کے لب پراسراریت سے پھیلے۔

"تمہیں اطلاع دینی تھی کہ آج رات تمہاری قیدی کی آخری رات ہے،دیکھ لو کتنا اچھا ہوں میں وقت سے پہلے خبر پہنچا رہا ہوں۔"

وہ معصومیت سے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے معروش کو سٹپٹا گیا۔وہ اچانک سے الرٹ ہوئی۔

"کیا کہنا چاہ رہے ہو؟"

خلیفہ نے اپنے بازو سیٹ کی پشت پر پھیلا کر اپنا رخ معروش کی جانب کیا پھر بڑی گہری نگاہوں سے اسے دیکھ کر بولا۔

"یہی کہ جو بھی میری ذاتیات میں گھسے گا وہ کہیں کا نہیں رہے گا، یقیناً تمہیں لمبے عرصے کیلئے اپنے شوہر کا ساتھ چاہیے۔"

وہ اسے دھمکا رہا تھا۔ اس کی دھمکی میں بہت کچھ تھا جو معروش کو ہلا گیا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ۔" اس نے دانستہ بات درمیان میں چھوڑ دی۔ اپنی بیوقوفی کا اسے خود ہی اندازہ ہو گیا تھا تبھی دانت پیسے۔

"خلیفہ کو سب پتا ہوتا ہے۔" وہ آگے جھک کر اسے سرگوشی میں کہنے لگا۔ "تم کیوں نہیں پتا لگا سکی شاید اس لیے کیونکہ تم خلیفہ جو نہیں ہو۔" اس کا مذاق اڑاتے ہوئے وہ پیچھے کو ہوا۔ معروش کو اچانک اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ اس نے پہلے اس بات پر غور کیوں نہیں کیا۔ جیزی کے جسم میں وہ کیمرہ کے ساتھ ساتھ وائس ڈیوائس بھی لگوا سکتا ہے اس پر نظر ثانی کیوں نہیں کی۔ اسے اچانک خود کے نکمے ہونے پر شدید افسوس ہوا۔

"اگر تم نے نوفل کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تو واللہ تمہاری بیوی بچوں میں سے کوئی بھی نہیں رہے گا۔" غصے کی زیادتی کی وجہ سے اس کی آواز پھٹ رہی تھی لیکن اس نے خود پر کنٹرول کیا۔ خلیفہ کے تاثرات بھی تنے تھے لیکن وہ بھی کنٹرولڈ بیٹھا رہا۔

"اُفف، میں تو ڈر گیا۔" سراسر مذاق اڑاتا لہجہ، معروش نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ڈرنا بھی چاہیے۔"

وہ گاڑی کا ڈور کھول کر نیچے اترا۔

"شیور۔" جھک کر کہا اور پھر مڑتے مڑتے واپس آیا اور بات مکمل کرنے لگا۔

"ڈر گیا ہوں تبھی تو صرف ڈیمو دیا ہے۔ اگر بے خوف ہو گیا تو قتل ہو جانا ہے تمہارے معصوم شوہر نے۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ پاس کھڑی گاڑی میں جا بیٹھا تھا جو مسلسل ان لوگوں کو چیز کر رہی تھی۔ معروش کا دل اس کی بات سے کھائی میں گرا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں کانپے اور جان حلق میں اٹک آئی۔ گاڑی چلانے میں اسے دشواری پیش آئی تھی۔ اس نے شدت سے ایک نمبر ڈائل کیا تھا۔

☆......☆......☆

اللہ کس طرح بندے پر مہربان ہوتا ہے یہ تو یا اس کا رب جانتا ہے یا پھر وہ۔ اس نے بارہا کہا ہے کہ اگر وہ قہار ہے تو وہ رحمان بھی ہے۔ اگر اس نے خود کو رحیم کہا ہے تو مت بھولو وہ جبار بھی ہے۔ ٹھیک ہے وہ انسان کو اس کے گناہ کی سزا دیتا ہے جو اس سے سرزد ہوا ہوتا ہے۔ دینی بھی چاہیے غلط کام پر جب جھٹکا نہیں لگے گا تو غلط پھر غلط لگنا بند ہو جائے گا۔ گناہ میں نرم سی جو کشش ہوگی وہ پھر ایک بار کی لگی ٹھوکر سے سخت پتھر میں بدل جائے گی پھر ہم کریں نہ کریں کی صف میں کھڑے ہونگے اور دانشور تو وہی ہے جو ایک بار کے جھٹکے سے سنبھل جائے۔

رخسانہ کا شمار بھی شاید ان ہی لوگوں میں سے ہو گیا تھا۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ جو عورتیں اپنے گھر بار کو چھوڑ کر دنیاوی دلدل میں قدم رکھتی ہیں تو کیچڑ میں دھنسنا ان کا مقدر بن جاتا ہے۔ جو اولاد والدین کا سر نیچے کرنے کا موجب بنتی ہے تو تاحیات اس کا سر جھکا ہی رہتا ہے اٹھتا نہیں۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ کچھ گناہوں کی سزا اس دنیا میں مل جانا ہی بہتر ہے۔ نہیں تو یہ سرکش انسان اور باغی ہو جائے گا۔ بری زندگی کے ڈر سے وہ گھر سے نکلی تھی۔ بدترین زندگی اس کا مقدر بن گئی۔ اب اس بدترین زندگی سے اسے چھٹکارہ پانا تھا تبھی وہ منصوبے پر منصوبہ بنا رہی تھی۔ ساشا کو بڑی صفائی سے قتل کرنے کا منصوبہ تو اس کے کام آ گیا تھا۔ رہی سہی کسر اس کی بچت نے کر دی یقیناً اگر وہ پکڑی جاتی تو ایک اذیت ناک موت اس کا مقدر ہوتی۔ ہنہ، اس سے بھی زیادہ اذیت ہے بھلا اس دنیا میں۔

گھنگریالے بال اب بھی شانوں پر دائیں بائیں گرے ہوئے تھے۔ سلیولیس سنہرے بازوؤں پر بنا عجیب سی شکل والا ٹیٹو اس دودھیا روشنی میں چمک رہا تھا۔ وہ اس انتہائی سرد علاقے میں گھٹنوں تک آتا نارنجی چست ٹاپ پہنے ہوئی تھی جس کا گلا قابل اعتراض تک گہرا تھا اور کمر بیک لیس۔ وہ دونوں بازو اپنے برہنہ گھٹنوں پر جمائے ہمیشہ کی طرح زمین پر بیٹھی تھی کہ اسے اب اس دھرتی سے محبت سی ہو گئی تھی۔ وہ دھرتی جس کے اندر جا کر اسے سمانا ہے اور جس کے پیٹ میں یہ فیصلہ ہونا ہے کہ آیا اس گناہ کی پوٹلی پر جنت کا دروازہ کھولا جائے یا پھر جہنم کا۔

"تم آج خاموش ہو۔" اس کی ساتھی لڑکی جس کے بال اب اخروٹ رنگ میں رنگے تھے اور بوائے کٹنگ کے تھے جس نے اسی کی طرح کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ بس فرق اتنا تھا کہ اس لڑکی کا ڈریس نیٹ کا بنا ہوا تھا اور رخسانہ کا موٹے کپڑے کا۔ وہ اسے یوں گم صم بیٹھا دیکھ کر اس کے پاس آئی اور زمین پر گھٹنے جما کر بیٹھ گئی۔

ڈریس اس قدر چست تھا کہ اسے بیٹھنے میں دقت ہوئی۔

"ایسی بات نہیں ہے بس کچھ سوچ رہی ہوں۔" وہ تھوڑی زخمی تھی۔ وجہ وہ شوٹنگ تھی جس کی وہ ریکارڈنگ کروا کر آئی تھی۔

"یقیناً اس سوچ کا تعلق آزادی سے ہوگا یا پھر اس گندی نظروں والے ڈائریکٹر سے جو بولتا ہے تو منہ سے گند پھینکتا ہے۔" اس لڑکی کے لفظوں میں اس غلیظ آدمی کیلیے حقارت تھی۔ وہ مزید کہہ رہی تھی۔

"خود تو اسے کسی چیز کی تمیز نہیں ہے اور ہمیں سکھاتا ہے۔ لوگ ہمارے سروں پر تبھی چڑھتے ہیں جب ہم انہیں اس جرأت کی اجازت دیتے ہیں۔ کون ہوتا ہے کہنے والا کہ تم بدتمیز ہو، تمہاری لک اچھی نہیں، تم بلنٹ ہو، تم بیٹھتے ٹھیک نہیں، تمہارے چلنے کا انداز برا ہے۔ دیکھو خود میں کلاس پیدا کرو نہیں تو تم نے زمانے میں پیچھے رہ جانا ہے "کلاس" کیا کہنے والے خود کوئی کلاس تھی؟ کیا وہ اس دنیا کا "تمیزدار" انسان تھا؟ یا اس کے چلنے پر دنیا رک جاتی تھی؟ کم آن! کوئی اتنا پرفیکٹ نہیں ہوتا کہ وہ آپ پر تنقید کرنے کا اختیار رکھے اور جو کرتا ہے یا اپنی عادت سے مجبور ہوتا ہے نا تو اسے صرف ایک ہی جملہ کہو کہ میں تم جیسا نہیں ہوں اور نہ ہی مجھے بننے کا شوق ہے۔"

وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے سرخ ہوگئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں دکھ کی ایسی گہری لہر تھی کہ ایک لمحے کو تو رخسانہ بھی سٹپٹا گئی پھر بہت کچھ جان لینے کے بعد بولی۔

"تم جانتی ہو ہمارا کوئی پردہ نہیں۔ نہ جسموں کا اور نہ ہی بیتے دنوں کا۔ کہہ دو میں سن رہی ہوں۔"

اس نے تحمل سے کہا تھا۔ اس چھوٹے بالوں والی لڑکی نے گہری آہ بھری۔ پھر نم ناک نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"مانا کہ میں بری تھی لیکن اتنی بھی نہیں کہ میری اچھائیوں کو ہی نظرانداز کر دیا جائے۔ میں نے کتنا سب کیلیے خود کو بدلا لیکن پھر اس کے بدلے مجھے کیا ملا وہی لعنت ملامت۔"

نفرت سے سر جھٹکتے ہوئے وہ باغی نظر آرہی تھی۔ رخسانہ نے اپنے بازوؤں پر سے ہاتھ ہٹائے اور خود کو ریلیکس کیا۔

"تم نے ایسا کیوں کیا، یہ تو سراسر ظلم ہے اپنے آپ کو عزت نہ دینا انسان کو دو کوڑی کا کر کے رکھ دیتا ہے۔"

وہ اس لڑکی کی کانپتی ہوئی ٹھوڑی دیکھ چکی تھی۔اس کے دل کے ایک کونے میں خواہ مخواہ درد اٹھا۔

"پتا نہیں لیکن میں چاہتی تھی سب مجھ سے خوش رہیں لیکن ایسا کرنے کے چکر میں، میں خود سے نالاں ہو گئی رخسانہ۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر آگے کو ہوئی اور رنج آمیزگی سے بولی۔

"انسان خطا ایک بار کرتا ہے تو لوگ اس کو بھول کیوں نہیں جاتے۔ کیوں ماضی کو کرید کرید کر اسے ہی دماغ میں رکھ کر اس انسان کی عزت نفس کو مجروح کرتے ہیں۔انہیں وہ اچھائیاں وہ تبدیلیاں کیوں دکھائی نہیں دیتیں جو دل کو پیس کر خود پر جبر کر کے لائی جاتی ہیں۔وہ کیوں اس انسان کو اس کے ماضی کے ترازو میں تولتے رہتے ہیں؟ انہیں یہ کیوں نہیں نظر آتا کہ سامنے والا کس قدر شکست پا اور ٹوٹ چکا ہے؟"

اس کی آواز میں کتنی حسرت اور دکھ تھا۔ پرسکون بیٹھی رخسانہ کا سارا سکون غارت ہونے لگا۔وہ مدھم آواز میں بولی۔

"کیونکہ وہ انسان ہوتے ہیں۔"

ایک جملے میں اس نے قصہ ہی ختم کر دیا تھا۔ایک جملہ وہ سب کہہ گیا جو بڑی بڑی تاویلوں سے بھی سمجھ نہ آتا۔"انسان" واقعی یہ لفظ بڑا خطرناک ہے۔

"تو پھر کیا کیا جائے؟" وہ تو ایسے پوچھ رہی تھی جیسے اس کے جواب سے وہ اپنا دل تسلی سے بھر لے گی۔ ندامت کی پرچھائی نے جو گرہن اس کے وجود پر لگا دیا ہے وہ سرک جائے گا اس نے رخسانہ کے الفاظ سنے۔

"چھوڑ دیا جائے، ان سب کو جو آپ کو چھوڑتے ہیں یہ جتلاتے ہیں کہ وہ ہیں تو سب ہے وہ نہیں تو کچھ نہیں۔آپ ان کا حربہ انہی پر آزماؤ اور بتا دو کہ آپ کا وجود ہی ہے جو آپ کیلئے اہم ہے کسی ایرے غیرے کا نہیں۔"

اس لڑکی نے رخسانہ کے تھامے ہاتھ نرمی سے چھوڑے پھر دبے لفظوں میں کہنے لگی۔

"میں بچپن سے اپنے کزن کو پسند کرتی تھی۔اس پسند کی نوعیت اتنی تھی کہ میں اس کا کسی دوسرے کے ساتھ انوالو ہونا برداشت نہیں کر پاتی تھی لیکن میری قسمت تو دیکھو اس نے اسے چنا جسے اس نے چننا تھا۔وہ میری

فرسٹ کزن میں انٹرسٹڈ ہوگیا۔اس نے یہ بھی نہ دیکھا کہ بچپن سے جلتی میری آنکھوں میں محبت کی لو اس کی بے اعتنائی سے کس قدر پھیکی پڑ رہی ہے۔میرا گلاب سا کھلتا چہرہ زرد پھول کی مانند مرجھاتا جارہا ہے اور میری زندگی سے بھرپور ہنسی کیسے موت کے گھاٹ اتر رہی ہے۔جانتی ہو اس نے کیا کیا تھا؟"

کرب آمیز انداز میں بولتے بولتے وہ اس سے ایسے پوچھ رہی تھی جسے یہ سب اس کے سامنے ہوا ہو۔

رخسانہ نے آہستہ سے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"اس نے میرے دل پر پاؤں رکھا اور مجھے دھتکار کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔اس نے ایسا اس لیے کیا کیونکہ میں جھوٹی، بدزبان، معمولی شکل وصورت کی مغرب کی پروردہ تھی اور وہ نیک پارسا بالکل سفید پھول کی طرح پاکیزہ۔" اس کے حلق میں گولا سا اٹکا تھا جسے دقت سے پیچھے دھکیلتے ہوئے۔اس نے طویل سانس لے کر خود میں ہمت جمع کی اور کہنا شروع کیا۔

"چلو مان لیا وہ لڑکی پاکیزہ تھی اور میں بری تو کیا ضروری تھا وہ اس طرح میری تذلیل کرتا۔وہ ایک اچھا انسان تھا آرام سے بھی چھوڑ سکتا تھا لیکن اس نے میری عزت کو تار تار کر کے مجھے اس قابل بنا دیا کہ میں ہیجان میں گھر سے نکل کر یہاں آ پہنچی۔اگر وہ ایسا نہ کرتا تو میں آج اس مقام پر نہ ہوتی۔"

اپنے دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔رخسانہ کا دل مزید دکھا۔اسے اس سفاک دنیا سے کراہت آئی تھی۔نفرت سے پھنکارتے ہوئے بولی۔

"دنیا بہت ظالم ہے۔اتنی کہ دل کرتا ہے بس یہ جلدی سے ختم ہو جائے۔" وہ رکی تھی پھر متاسف لہجے میں گویا ہوئی۔

"ضروری تو نہیں جسے ہم برا سمجھیں وہ برا ہی ہو یا جو اچھا دکھتا ہے وہ اچھا ہی ہو۔میں نے اکثر اچھوں میں بروں اور بروں میں اچھوں کو پایا ہے مطلب جس پر جو ٹیگ لگ جائے وہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔اگر آپ برے ہیں تو چاہے آپ حاتم طائی کو فالو کرلیں آپ نے برا ہی رہنا ہے۔اسی طرح اگر آپ اچھے ہیں تو چاہے جتنا برا بھی کام کرلیں لوگوں نے یہی کہہ کر ٹال دینا ہے کہ نہیں وہ ایسا نہیں کرسکتا اور اگر کر بھی لیا ہے تو اٹس او کے۔ایسا کرنے میں کونسا اس کی غلط انٹینشن تھی۔"

وہ رخسانہ کی بات سے سو فیصد متفق تھی جذباتی انداز میں آگے بڑھ کر کہنے لگی۔

"رخسانہ! کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہم دونوں یہاں سے چلے جائیں، کوئی سبیل، کوئی راہ جو ہمیں اس دلدل سے نکال لے۔"

وہ آس و نراس سے ڈوبے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایسی گلاہٹ تھی کہ وہ اسے دیکھ کر تھرا گئی۔ اس نے غور سے ان آنکھوں میں دیکھا جو سچ اگل رہی تھیں۔ اسے یاد تھا یہاں اکثر ان لوگوں کی لڑکیاں نئی آئیں یا پرانی لڑکیوں سے اسی طرح جذباتی بلیک میلنگ کر کے ان کی سوچ کو حکم کے مطابق پرکھ رہی ہوتی ہیں جیسے ہی انہیں باغی پن کی بو آتی ہے وہ اوپر اس لڑکی کی شناخت کر دیتے ہیں اور پھر ایک اور جہنم ان کی منتظر ہوتی ہے لیکن وہ اس کی آنکھوں کی سچائی کو جان گئی تھی۔ یہ وہ لڑکی نہیں تھی جو قابل اعتبار نہ ہو اس پر اعتماد کیا جا سکتا تھا تبھی کہا۔

"اللہ ضرور بہتر کرے گا ہاں ہم یہاں سے جلد ہی نکل جائیں گے۔"

اس کے دماغ میں وہ افسر آیا تھا جس نے اس کے ہاتھ میں ایک چیز پکڑائی تھی وہ کیا تھی بھلا؟ اس نے سوچا۔

☆.......☆.......☆

وہ اڑ کر بک شاپ میں پہنچی تھی جہاں اب نانو نہیں بلکہ صرف نوفل ہوا کرتا تھا لیکن وہ اسے وہاں نہیں ملا۔ وہ شیشہ کا دروازہ دھکیلتی باہر آئی اور ایک بار پھر نوفل کو کال ملانے لگی لیکن اس کا نمبر انگیج جا رہا تھا۔ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا۔ وہ تڑپتی ہوئی نم ناک آنکھوں سے عمران کے کافی شاپ میں پہنچی تھی لیکن وہاں موجود اس کے مینیجر نے صاف بتا دیا کہ وہ وہاں نہیں ہے۔

"ابھی دس منٹ پہلے ہی ان کال آئی تھی اس لئے انہیں ضروری کام سے جانا پڑا۔"

اس نے لب کچلتے ہوئے عمران کی غیر موجودگی کی خبر سنی اور عجلت میں پوچھنے لگی۔

"کہاں گئے ہیں کچھ اندازہ ہے؟"

وہ اس کے سوال پر نہ میں سر ہلا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ سامنے بندھے ہوئے تھے۔ معروش دل کے آنسو پیتے

ہوئے اس کافی شاپ سے نکلی اور پھر اس نے گھر کا رخ کیا تھا۔ وہ نانو کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی تھی نہ ہی اس کی اٹینشن انہیں پریشان کرنے کی تھی اس لیے اپنی گاڑی کو پورچ میں کھڑا کر کے وہ جلدی سے پورے گھر کو پیچھے چھوڑ کر اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی تھی۔ دروازہ کھولتے ہی اس کی جان حلق میں اٹک گئی۔ اس نے خالی سائیں سائیں کرتے کمرے کو دھڑکتے دل کے ساتھ دیکھا اور دروازہ پکڑ کر گرنے والی ہو گئی۔

"تم کہاں ہو نوفل، تم نے تو کبھی مجھے ایسے پریشان نہیں کیا۔"

"معروش۔" اس کا دل کرلا رہا تھا۔ اس کرلاتے دل کو اسے تھپکنا پڑا وجہ نانو کی وہ پکار تھی جو پیچھے سے اسے آئی تھی۔ آنکھوں کو رگڑتے ہوئے اس نے بڑی ساری مسکان لبوں پر سجائی اور مڑ کر نانو کو خوشگوار انداز میں دیکھنے لگی۔

"جی کہیں۔"

بھلے چہرہ خوشی کی تمازت سے چمچما رہا تھا لیکن آنکھیں وہ واحد شے تھیں جو حزن کے سمندر میں ڈوب چکی تھیں اور یہی حزن اس کے چہرے پر پھیلی تمام مصنوعی خوشی کے اثر کو بڑے فخر کے ساتھ زائل کر رہا تھا۔ نانو نے اپنے گولڈن فریم والے چشمے کے پیچھے سے اسے بغور دیکھا۔ رفتہ رفتہ ان کے پورے وجود پر پریشانی آ کر لپٹ گئی۔ بے ساختہ بول اٹھیں۔

"کیا ہوا تمہیں سب خیریت تو ہے؟"

اور یہی لمحہ تھا جب وہ اپنا آپ سنبھال نہیں پائی تھی۔ اسے نہیں پتا تھا اسے کیا ہوا لیکن عرصے بعد وہ نانو کے شانے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ کتنی کلفت تھی جو اس کے دل پر جمع ہو چکی تھی۔ کیسا سمندر تھا جو بہہ نکلا تھا۔ کتنا درد تھا جو اب واضح تھا۔ نانو نے محبت و پریشانی کے جذبات سے لبریز ہو کر اس کی کمر کو سہلایا تھا۔ معروش کا یوں رونا کسی بڑے نقصان کا عندیہ تھا۔

"بس میری بچی مضبوط بنو۔"

اس نے نانو کے شانوں سے منہ اٹھایا اور ڈوبے ہوئے چہرے کے ساتھ انہیں دیکھ کر کہنے لگی۔

"نانو آج آپی بہت یاد آ رہی ہیں۔ اتنی زیادہ کہ میں انہیں ملنے کیلئے تڑپ رہی ہوں۔" اس نے اپنے آنسو

صاف کرنے کا تردد نہیں کیا تھا۔ وہ یونہی ہچکیاں لیتے ہوئے ان سے گلوگیر لہجے میں بولی۔ نانو بھی آبدیدہ ہو گئیں۔

"تم نے نوفل کو اپنی اور اپنی آپی کی کڈنیپنگ کا بتا دیا تھا۔"

غیر متوقع سوال پر وہ روتے روتے چپ ہوئی لیکن آنکھوں سے بہتے سیال کی مدت شاید ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی تبھی وہ اس کے چپ ہو جانے پر بھی بہے جا رہا تھا۔

"یہ کیسا سوال ہے؟" اس نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ نانو نے اس کے دونوں بازو تھامے۔

"اسے بتا دو معروش اور یہ بھی بتانا کہ تم معصوم رہی تھی۔ تمہاری آپی نے تم پر آنچ بھی نہیں آنے دی مجھے یقین ہے نوفل سمجھ جائے گا۔"

اس کا وجود زلزلوں کی زد میں تھا۔

"نوفل جانتا ہے کہ اس کے علاوہ میری زندگی میں کوئی مرد نہیں تھا۔ رہی بات ماضی کی تو مجھے لگتا ہے ماضی کو ماضی ہی رہنا چاہیے۔"

اس نے دونوں ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھیں رگڑیں اور کمرے میں آ کر دروازہ بند کر کے کھڑی ہو گئی۔

"تو کیا آپی کی طرح تم بھی مجھے چھوڑ گئے ہو، کیا میں نے اپنی ایک اور محبت کو کھو دیا۔" اس کا دل کٹ رہا تھا اور اس نے اسے کٹنے دیا۔ ٹھیک ہے درد سہہ لینے میں کیا حرج ہے۔ زندگی کی تو ڈور ہی درد کے ساتھ بندھی ہے۔ کچھ درد ثانوی ہوتے ہیں تو کچھ دائمی، تو کیا اس کا درد دائمی بننے والا تھا۔ اس نے دروازے سے ٹیک لگاتے ہوئے آنکھیں میچیں اور جب کھولیں تو رات ہو چکی تھی۔ گہری رات نے سیاہ چادر اپنے اوپر اچھے سے پھیلائی ہوئی تھی۔ وہ اتنی سیاہ تھی کہ اس سے خوف محسوس ہوتا تھا۔

معروش کے آنسو تھم چکے تھے۔ چہرہ بھی ساکن تھا لیکن ہاں بارش ہوئی ہے اس کے اثرات اس کے گالوں پر موجود تھے۔ وہ کھڑکی میں آن کھڑی ہوئی۔ یونہی ساکن پلکوں کو جنبش کی تو اسے لگا جیسے وہ ہل نہیں سکے گی۔ نوفل خان اپنے گیٹ کے پاس کھڑا کسی سے بات کر رہا تھا۔ وہ کوئی شاید نہیں یقیناً عمران ہی تھا۔ خلیفہ کو قتل کرنے کا پلان بناتی معروش کی سانس تیز سے تیز تر ہوئی۔ اچانک اس میں کوئی طاقت آئی تھی وہ پردوں کو گھسیٹ کر

جار حیت سے سیڑھیاں اترنے لگی۔ بھاگتے ہوئے اس نے چھوٹے سے لاؤنج کو پار کیا تھا۔ پورچ میں آنے تک اس کے تاثرات بگڑ چکے تھے۔ مین گیٹ کھولتے ہی وہ چند قدم دور نوفل کے پاس پہنچی اور اسے کالر سے دبوچ کر چلانے لگی۔

"مجھے بتاؤ نوفل خان، میں تمہاری ٹانگ پر گولی ماروں یا پھر تمہاری گردن پر۔" وہ اتنی زور سے چیخی کہ اس کے حلق میں خراشیں پڑنے لگیں۔ گردن کی رگیں بری طرح پھولی ہوئی تھیں۔ نوفل اس اچانک افتاد پر لڑکھڑاتے ہوئے پیچھے کو ہوا تھا۔ عمران نے اس گھمبیر صورتحال کو دیکھ کر کک ماری اور بائیک کو اڑا لے گیا۔

"معرو۔" اس کے الفاظ حلق میں ہی دم توڑ گئے۔ معروش کی وارننگ میں اٹھتی انگلی نے اسے چپ کرا دیا تھا

"ایک لفظ نہیں سنوں گی میں، سمجھے تم ایک لفظ بھی نہیں سننا میں نے فون نکالو اپنا۔ میں نے کہا فون نکالو اپنا"

نوفل نے اس کے دھاڑنے پر اطراف میں دیکھا وہاں آس پاس چہل قدمی کرتے کافی لوگ تھے جو گزرتے ہوئے بڑی دلچسپی سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ نوفل نے خجل ہوتے ہوئے اپنی جیکٹ کی پاکٹ سے سیل فون نکال کر اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر رکھا۔ معروش نے جھپٹنے کے سے انداز میں موبائل چھین کر اس کا سائیڈ کا بٹن دبایا تو وہ ڈیڈ ہونے کا اعلان کر رہا تھا۔

"یہ کیوں ہے تمہارے پاس؟ شو پیس کیلئے یا صرف گیمز کھیلنے کیلئے۔" اس نے غصے سے موبائل کو زمین پر پٹخا یقیناً اس کی سکرین ٹوٹ چکی ہو گی۔

"معروش! آپ میری بات تو سنیں۔" خفا انداز میں اس نے جھک کر اپنا موبائل اٹھایا جس کی سکرین واقعی ٹوٹ چکی تھی۔ اس نے تاسف سے اس ٹوٹی سکرین کو دیکھا اور پھر خائف نظریں اپنی سرپھری بیگم پر ڈالیں جو زخمی ناگن بنی ہوئی تھی۔

"مجھے کچھ نہیں سننا۔ تم۔۔۔" وہ اسے بازو سے پکڑ کر اندر لے کر آئی۔ گیٹ کو لاک کر کے وہ فیصلہ کن انداز میں کہہ رہی تھی۔

"تم اپنی جیکٹ اتارو۔ اس کے نیچے پہنی شرٹ بھی اور جوگر بھی۔"

نوفل کی آنکھیں بارہ مرلے میں پھیلیں۔ وہ بوکھلا گیا۔

"یہ کیا۔۔کہہ رہی ہیں آپ؟" وہ جتنا تحیر کی کھائی میں گر سکتا تھا گر کر پوچھ رہا تھا۔معروش نے ایک بار پھر آنکھیں نکال کر انگلی اٹھائی۔

"میں نے جو کہا وہ چپ چاپ کرو نوفل خان ورنہ میں خود ایسا کرنے پر مجبور ہو جاؤں گی۔"

نوفل نے جھٹ سے اپنی جیکٹ کی زپ بند کی اور سینے پر بازو باندھ کر کھڑا ہو گیا۔اس نے اپنے سینے پر گرفت مضبوط کی ہوئی تھی۔

"معذرت لیکن میں ایسا نہیں کرونگا۔"

وہ اندر جا رہا تھا جب معروش نے ایک بار پھر اسے بازو سے گھسیٹ کر فل طاقت لگا کر اپنے سامنے کیا۔نوفل نے درد کی شدت سے آنکھیں میچیں اور لب بھینچے معروش کے متوقع غصہ کا انتظار کرنے لگا لیکن یہ کیا وہ اس کے بازو سے ہاتھ ہٹاتی کیلیے پن کو محسوس کر کے اپنے دائیں ہاتھ کو آنکھوں تک لے آئی تھی۔سرخ چمکتا ہوا خون اس کی انگلیوں پر رات کی تاریکی میں ستاروں کی طرح ٹمٹمار رہا تھا۔اس نے ہونق پنے سے اس خون کو دیکھا اور پھر نوفل کو جس کے گردن کی ہڈی اوپر نیچے ہو رہی تھی۔

"یہ کیا ہے؟"

نوفل کا خون اس کی انگلیوں پر لگا انہیں جلا رہا تھا۔یکا یک معروش کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔

"خون۔۔۔ہے۔" معصومیت کی انتہا کرتے ہوئے وہ چور سا کہہ رہا تھا۔معروش نے آگے بڑھ کر اس کے ڈھیلے پڑتے ہاتھوں کو سینے پر سے ہٹایا اور اس کی جیکٹ کی زپ کھول کر اتارنے لگی۔جونہی جیکٹ شانوں سے ڈھلکی سفید خون میں لتھڑی ہوئی پٹی اس کی آنکھوں کے سامنے تھی۔نوفل کے دائیں بازو پر کندھے سے تھوڑا نیچے بندھی پٹی میں سے خون رس کر کلائی سے ہوتا ہوا انگلیوں تک آرہا تھا اور پھر وہاں سے کسی آبشار کی طرح گرنے لگا۔معروش سنبھل کر بھاگتی ہوئی اندر گئی اور وہاں سے فرسٹ ایڈ باکس لے آئی۔پرانی پٹی کو اتار کر ڈسٹ بن میں ڈالتے ہوئے اس نے نئے سرے سے اس کی ڈریسنگ کی تھی۔خون کو روکنے اور پٹی کو مضبوطی سے باندھنے کے بعد وہ نوفل سے دوبدو تھی۔

"کس نے کیا یہ؟" اسے اچانک خلیفہ کی دھمکی یاد آئی تھی۔اس کی نہ صرف آنکھیں ڈبڈبائیں بلکہ آواز بھی

منتشر ہو چکی تھی۔نوفل کا دل عجیب سی لے میں دھڑکا۔وہ معروش کی سیدھی آنکھ سے آنسو ٹپکتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"اٹس او کے۔یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے۔" اس نے اسے ٹالنا چاہا تھا برا کیا۔

"تمہارے لیے بڑی بات نہیں ہو گی نوفل لیکن میرے لیے یہ بہت بڑی بات ہے۔" اسے اچانک سے رونا آ گیا تھا۔تھی تو لڑکی آخر کب تک برداشت کرتی نوفل اسے اس طرح دیکھ ٹھہر سا گیا۔اس کی آنکھیں اس کا دل یہ دنیا سب کچھ ٹھہر گیا تھا۔

"تم پورا دن گھر سے غائب رہے۔فون بھی بند رکھا اور سٹور میں بھی نہیں تھے۔تم نے یہ تک نہ سوچا تمہارے اس فعل سے میں کس حال میں ہونگی۔میرے دل پر کیا گزر رہی ہو گی؟میں کس کرب میں مبتلا ہوں گی۔تم اتنے تو لاپرواہ نہیں تھے نوفل جتنے آج ہوئے ہو۔"

اس کے شکوے جان نکالنے کیلیے کافی تھے۔ان شکوؤں میں چھپی محبت نوفل کو پانی پانی کر رہی تھی۔

"میں شرمندہ ہوں اپنی اس حرکت پر لیکن یقین کریں میرا آپ کو دکھ دینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔میں تو بلکہ آپ کو پریشانی سے بچانا چاہتا تھا اس لیے۔"

وہ کچھ کہتے کہتے رکا۔

"اس لیے کیا نوفل یہی کہ تم مجھے اتنا کمزور سمجھتے ہو کہ اپنی چوٹ کے بارے میں انفارم کرنا تم نے گوارہ نہیں کیا۔تمہیں لگا میں بچوں کی طرح روؤں گی،چیخوں گی،چلاؤں گی اور تم سے روٹھ جاؤں گی۔ہے نا۔"

اسے خود بھی نہیں پتا تھا وہ کیا بول گئی ہے۔وہ تو نوفل کی بڑی پیاری مسکان تھی جس نے آگاہی کی طشتری میں اس کے الفاظ رکھ کر اس کے سامنے پیش کیے۔وہ اچانک الرٹ ہوئی تھی۔آنسوؤں کو روکا اور گردن اکڑا کر کہنے لگی۔

"کیا تمہیں کسی نے بتایا ہے کہ تمہاری مسکراہٹ کتنی زہریلی ہے۔"

وہ اس پر طنز کرنے لگی تھی۔نوفل کا قہقہہ برجستہ تھا۔ہنستے ہوئے اس نے معروش کے پیارے سے دھلے دھلائے چہرے کو دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے گال پر اٹکا واحد موتی اپنے انگوٹھے پر چن لیا۔

"نہیں لیکن میری بیوی کہتی ہے کہ میں بڑا ظالم مسکراتا ہوں۔اتنا کہ دل کے ہار جانے کا خدشہ ہر وقت

طاری رہتا ہے۔"

معروش نے بڑی تیکھی نظروں سے اسے گھورا پھر اسی انداز میں بولی۔

"نوفل خان! مان جاؤ کہ تم پرجھوٹ سوٹ نہیں کرتا۔"

وہ اس کے دل جلے انداز پر کھل کر مسکرایا اور متبسم لہجے میں برجستہ کہا۔

"اور آپ پر آنسو۔"

معروش پیور لڑکیوں کی طرح پھر سے سینٹی ہوئی۔ نظریں نیچی کر کے پھر سے اٹھائیں تو ان میں دیکھی جانے والی نمی تھی۔

"میں ڈر گئی تھی نوفل، مجھے لگا اپنی آپی کی طرح میں تمہیں بھی کھونے جا رہی ہوں۔ تم نے ایسا کیوں کیا میرے ساتھ؟"

اس کا پیارا سا شکوہ نوفل کے پیارے سے دل کو لگا تھا۔ گہری سانس بھرتے ہوئے وہ صبح ہونے والا واقعہ سنانے لگا۔

"وہ ہر روز کی طرح کا ہی دن تھا جب میں سٹور کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اچانک مجھے یاد آیا کہ میں نے عمران سے گھر کی بابت ضروری بات کرنی ہے اس لیے میں نے اپنا رخ موڑا اور اس کی کافی شاپ کی جانب بڑھنے لگا۔ جب سکیٹنگ کرتے ہڈز میں اپنا چہرہ چھپائے لڑکوں کا گروپ میرے پاس سے گزرا تھا۔ وہ بہت سارے تھے اور میرے دائیں بائیں سے گزر رہے تھے۔ جب میں نے اپنے بازو کے گوشت میں تیز چبھن محسوس کی۔ اس چبھن کے بعد مجھے اتنی تکلیف محسوس ہوئی اور چکر آنے لگے کہ میں دھندلی آنکھوں سے ان ہوا کے طرح اڑتے لڑکوں کو اپنے پاس سے گزرتا دیکھتا رہا پھر میں نیچے گر گیا۔ میں نے دیکھا عمران میری طرف بھاگتا آ رہا تھا۔ میں نے اسے آپ کو بتانے سے منع کر دیا۔ میں کافی وقت تک بیہوش رہا تھا جیسے ہی حواسوں میں آیا تو سب کچھ چھوڑ آپ کے پاس آ گیا۔ میرا یقین کریں اس سب میں، میں نے صرف آپ کی پرواہ کی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا آپ پریشان ہوں۔"

لمبی وضاحت بنا رکے کر کے وہ معروش کے تھکن زدہ وجود کو دیکھ رہا تھا۔ اسے معروش کا اس طرح رونا اچھا

نہیں لگا تبھی اچانک شرارتی لہجہ اپنایا اور بولا۔

"ویسے آپ میری جیکٹ اور شرٹ کیوں اتروا رہی تھیں۔" دبی مسکان کے ساتھ وہ اسے چھیڑنے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔ معروش کو اچانک یاد آیا تو ہنس دی۔

"کیونکہ میں تمہیں سردی میں سزا دینا چاہتی تھی، تم نے آج رات گھر بدر ہونا تھا۔" وہ ہاتھ جھاڑتی کھڑی ہوئی تھی تو نوفل شدید صدمے میں آن گھرا۔

"یعنی آپ کو مجھ پر ذرا سا ترس نہ آتا۔"

وہ منہ کھولے اس کے پیچھے لپکا۔

"بالکل بھی نہیں کیا تمہیں آیا تھا مجھ پر؟"

وہ دونوں سٹیپس چڑھ چکے تھے۔

"معروش! آپ کتنی بے مروت ہیں۔"

رات میں ڈوبے لان نے نوفل کے آخری الفاظ سنے تھے کیونکہ اب وہ دونوں اندر جا چکے تھے۔ باہر رات قطرہ قطرہ بھیگ رہی تھی اور اندر ان دونوں کی نوک جھونک بڑھتی جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

خواجہ ریاض کا جسمانی ریمانڈ ہو گیا تھا۔ اسے کہیں نہ کہیں یہ خوش فہمی تھی کہ ہو سکتا ہے گجی کو شرم آ جائے یا پھر خلیفہ کو لیکن کسی نے بھی اس کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ سیاست اور گناہوں کی دنیا میں بھلا کون کس کا ساتھی ہوتا ہے۔ یہ وہ دنیا ہوتی ہے جہاں اگر ایک مہرہ بھی ناکارہ نکل آئے تو اسے اسی طرح اٹھا کر پھینک دیتے ہیں جس طرح خواجہ ریاض کو نکال دیا گیا تھا۔ وہ لمبے عرصے تک کیلئے جیل میں گیا تھا اور سیاست سے بیدخل کر دیا گیا تھا۔ یوں بھی ان کا ریکارڈ خاصا خراب ہو چکا تھا اس لیے اب اگر کوئی میدان میں تھا تو وہ خلیفہ تھا اور نیا نیا آیا گجی پہلوان جو اپنے نفع کیلئے کچھ بھی کر گزرنے کیلئے تیار تھا تبھی گھناؤنی چال اس کے مکروہ چہرے کی زینت بنی ہوئی تھی۔

یمن نے کھلکھلاتے ہوئے نچلا ہونٹ دانتوں میں رکھا اور گردن جھکا کر چلتے ہوئے اپنے پرس میں سے کچھ نکالنے لگی۔ وہ بلال کے ساتھ تھی جو اب اسے ہاتھ ہلاتا اپنی گاڑی کی طرف بڑھ چکا تھا۔ پارکنگ میں اس کی

ہنسی جہاں بلال نے سنی تھی وہیں کسی اور کے کانوں نے بھی اسے سن کر خود کو سیر کیا تھا۔یمن نے ریموٹ سے اپنی گاڑی ان لاک کی اور ساتھ والی سیٹ پر اپنا چھوٹا گول گوچی کا بیگ ڈال کر گاڑی کو اسٹارٹ کرنے لگی۔اس کے لب پیارے سے تبسم میں ڈھلے ہوئے تھے۔وجہ وہ اچھا سا لنچ تھا جو اس نے اپنی دوستوں کے ساتھ کیا تھا اور پھر راستے میں بلال کا مل جانا بھی اسے خوشگوار کر گیا۔اس نے جونہی کار کو پارکنگ سے نکالا اپنے ریشم سے بالوں کے پیچھے اسے عجیب سی چبھن کا احساس ہوا تھا۔اس کی چھٹی حس جاگ اٹھی فوراً سے نظروں کا رخ ویو مرر میں کیا اور اپنی جان گنوا بیٹھی۔ایک نقاب پوش آدمی بغیر انگلیوں کے گلوز میں سیاہ پستول تھامے غرا رہا تھا۔

"خبردار، اگر جو ایک لفظ بھی منہ سے نکالا ہو، چپ چاپ گاڑی چلاتی رہو ورنہ یہ چھ کی چھ گولیاں تمہارا سر بھون کر رکھ دیں گی۔"

یہ آواز نہیں تھی بلکہ کوئی صور تھا جو اس کی سماعت میں پھونکا گیا تھا۔اس کا ہاتھ اسٹیئرنگ پر ڈھیلا پڑا اور وجود خوف کی زد میں آ گیا۔

"کک۔۔کون ہو تم؟" ڈر کے مارے اس کی آواز غائب ہو گئی تھی۔بامشکل لڑکھڑاتے ہوئے بولی۔

"میں نے کہا نا، کوئی سوال نہیں بس جہاں میں کہوں گاڑی کو لے چلو۔" اس نے پستول کی نال کو مزید اس کے بالوں کے اندر دھکیلا یا تو نا محسوس سی چیخ یمن کے لبوں سے برآمد ہوئی۔سیل رواں جاری تھا۔وہ کانپتے وجود کے ساتھ مطلوبہ جگہ پر گاڑی کو لے آئی۔اس آدمی نے اسی سخت انداز میں اسے گاڑی سے نیچے اتارا اور اس بنگلے میں اندر جانے کو کہا۔وہ اپنے ہاتھوں کو مضبوطی سے بھینچے ڈوبتے، روتے دل کے ساتھ اس گھر کے اندر آئی۔اسے ایک کمرے میں لایا گیا تھا۔ابھی وہ آدمی اسے نہ ہلنے کی ہدایت ہی دے رہا تھا جب چمکتی ہوئی گنج والا بااثر آدمی منہ میں سگار تھامے دروازے کے فریم میں نمودار ہوا اور اسے دیکھتے ہی سیٹی بجائی۔

وہ پرنٹڈ شلوار اور سفید چکن کی قمیض میں ملبوس تھی۔بلوچی کوٹی اور گلے میں ڈالے چنری والے دوپٹے میں وہ حسن کا پیکر لگ رہی تھی۔سیدھے سلکی بال شانوں پر دائیں بائیں گرے ہوئے تھے اور ملائی چہرہ خوف سے لرزاں تھا۔گنجے کو اعتراف کرنا پڑا کہ خلیفہ تبریز کی چوائس واقعی اعلیٰ ہے۔

"سمجھ نہیں آتا تمہارے حسن پر کونسا شعر کہوں لیکن واللہ میں نے یہ پہناوا آج سے پہلے کسی اور پر اتنا جچتے

نہیں دیکھا جتنا تم پر دیکھ رہا ہوں۔"

اس کی بیباک نگاہیں یمن کے وجود کو چیر رہی تھیں۔ اس کا دل خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔

" کون ہو آپ؟ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے۔" ہمت کر کے اس نے خود میں سمٹتے ہوئے پوچھا تھا۔ مرد کی اتنی بری نظر بھی ہو گی یہ اس نے نہ سوچا تھا۔

" لائے تو کسی کو سبق سکھانے کی غرض سے ہیں لیکن دل ہی تمہارے حسن کا کلمہ پڑھ بیٹھا ہے بولو کیا خراج پیش کروں اسے میں۔" وہ اس سے آدھی عمر کی تھی پھر بھی اس کی انتہائی فحش گفتگو عروج پر تھی۔ ٹھیک کہتے ہیں مرد کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔

" مجھے جانے دو۔"

اس کی آنکھوں کے کنارے گلابی ہو چکے تھے۔ یمن کی اس بات پر وہ قہقہہ لگا بیٹھا۔

" لے کر تو تمہیں یہاں سے خلیفہ جائے گا اسی کی گرل فرینڈ ہو نا تم۔"

وہ اس خطاب پر سرخ ہو گئی تھی۔ ہتک سے اس کے کان تک تمتما اٹھے۔ اسے لگا کسی نے بھرے بازار میں اس کے منہ پر طمانچہ مارا ہو۔

" لیکن تب تک تم باحفاظت میری تحویل میں رہو گی گھبراؤ مت تمہارے اس حسین چہرے نے اسی طرح حسین رہنا ہے جیسے اب ہے لیکن اس سے پہلے مجھے وہ سب بتاؤ جو خلیفہ کے بارے میں تم جانتی ہو۔ اس کی فیکٹری کے بارے میں، ڈرگز ڈیلنگ کے بارے میں، لڑکیوں کے ٹھکانے کے بارے میں اور اس کے ایکچوئل گھر کے بارے میں جہاں وہ پناہ گزین ہے۔"

وہ اس کے سامنے صوفے پر آرام دہ انداز میں بیٹھا تھا۔ وہ کمرا انتہائی نفاست سے سجایا گیا تھا۔ سفید کارپٹ، سفید بیڈ، سفید دیواریں اور ان پر آویزاں پینٹنگز۔ یمن اس کے قطعیت بھرے لہجے پر ڈر کے مارے گھبرا گئی۔ زور سے نفی میں سر ہلایا۔

" میں کچھ نہیں جانتی میرا یقین کریں۔" اس کی آواز ٹوٹتی ہوئی سی تھی۔ دل اتنے عجیب سے انداز سے دھڑک رہا تھا کہ اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ گنجی پہلوان استہزا سے ہنسا۔

"تم جانتی ہو یہاں جھوٹ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر میں اس بات کا پتہ لگوا سکتا ہوں کہ تم خلیفہ کی گرل فرینڈ ہو تو سوچو میری رسائی کہاں تک ہوگی، تم میری صلاحیتوں سے منحرف نہیں ہو سکتی۔"

وہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے اس خوف زدہ کھڑی حسینہ کو دیکھ کر کہہ رہا تھا جس کیلئے اس کی نیت بدل گئی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا کر گزرے۔

"میں نہیں جانتی اس سب کے پیچھے تمہارا کیا مقصد ہے لیکن میں سچ کہہ رہی ہوں۔" وہ پورے اعتماد کے ساتھ جھوٹ بول رہی تھی۔ جانتی تھی ذرا سا بھی قدم ڈگمگایا تو کھائی اس کی منتظر ہوگی۔ اسے یہ کہتے ہوئے اچانک اپنی اور خلیفہ کی ملاقاتیں یاد آ گئیں جن میں اچانک طور پر کبھی فیکٹری تو کبھی اس کے گھر تک اس کی رسائی ہوئی تھی۔ گجی کھڑا ہوا اور خراماں خراماں چلتا اس تک آیا۔ عین اس کی ناک کے پاس آ کر رکا تھا پھر اس نے سگار ہونٹوں سے نکال کر دھواں یمن کے منہ پر چھوڑا۔ اسے فوراً سے کھانسی چڑھی تھی۔

"خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ معصوم ہونا بھی ایک بہت بڑی سزا ہے، افسوس یہ سزا تم کو مل چکی تمہاری جو سیاہ گھنگھور آنکھیں ہیں نا، وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی ہیں کہ تم۔۔۔۔جھوٹ بول رہی ہو۔"

یمن نے سختی سے مٹھیاں بھینچیں۔ وہ وار کرنے کیلئے خود کو تیار کر رہی تھی لیکن گجی کی چھوٹی سرخ ہوتی آنکھیں اس کی ہمت توڑنے پر مصر تھیں۔ وہ یہ نہیں کہنا چاہتی تھی کہہ گئی۔

"اگر مجھ پر آنچ بھی آئی تو خلیفہ تمہیں جان سے مار دے گا۔" گجی کی آنکھوں سے چھلکتی ہوس سے ٹھٹھراتے ہوئے اس نے غراتے ہوئے کہا تھا۔ اس کی بات تھی کہ کوئی لطیفہ کہ گجی کا زوردار قہقہہ اس کی سماعت پر بم کی طرح برسا۔

"چلو تمہارے حسن کے بدلے موت ہی سہی لیکن ایک بات کہوں۔" وہ رازدارانہ انداز میں اس کے کان پر جھکا تھا۔ یمن کو اس کی سانسیں کسی دہکتے ہوئے الاؤ کی مانند لگیں۔ چھوٹی آنکھیں، بغیر بالوں والا سر، باہر نکلے پیٹ کا مالک گجی پہلوان گناہوں کی دنیا میں اپنی نوعیت کا ایک مانا جاتا تھا۔ اپنے تمام گناہوں کو ڈھانپنے کیلئے اس نے ہر سیاست دان کی طرح سیاست کا سہارا لیا تھا۔ وہی سیاست کا ایک پتلا اس کے کان میں کہہ رہا تھا۔

"وہ تمہیں جاننے سے بھی انکار کر دیگا یقین کرو میں سچ کہہ رہا ہوں۔" اس کے کان میں کہتے ہوئے وہ اس

کی بالی کو چھیڑ گیا تھا جو اس کے ہٹنے کے بعد بھی کچھ دیر تک ہلتی رہی۔ گجی نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا تھا۔ وہ یمن کے پیچھے کھڑا ایک بریف کیس میں سے انجکشن نکال رہا تھا۔ اس نے شیشے کے سلنڈر سے مائع کو انجکشن میں بھرا اور عین اس وقت جب گجی اس کے کان میں بول رہا تھا اس نے سوئی یمن کی گردن میں چبھوئی تھی۔ اس نے اچانک اس تکلیف سے سس کیا تھا۔

"تم نے کیا لگایا ہے مجھے۔" وہ گجی کے ہٹتے ہی دھاڑی تھی۔ اس نے دیکھا اس کے پیچھے کھڑا آدمی ایک اور انجکشن بھر رہا ہے۔ یمن کو سب کچھ دو دو نظر آنے لگا تھا۔

"تم گھاٹے کا سودا کر رہے ہو۔ موت تمہارا مقدر بن جائے گی۔" وہ چکراتے ہوئے سر کو تھام کر اپنی پوری ہمت جمع کر کے چیخ رہی تھی۔ اس کا دل خراب ہونے لگا تھا۔ آنکھوں کے آگے نامحسوس سا اندھیرا چھایا اور جسم میں چیونٹیاں بھرنے لگیں۔ اس کے چیخنے کے دوران ہی احتجاج کرنے کے باوجود ایک اور سوئی اسے چبھوئی گئی تھی۔ گجی اس کی آنکھوں کے سامنے بیٹھا سگار کے کش پر کش لیتا گیا۔ یمن نے صوفے کے کنارے کا سہارا لیا۔ اسے لگا تھا اگر وہ سہارا نہ ملا تو وہ ضرور گر جائے گی۔

"فی الحال تو کسی اور کو بے موت مارنے کا سامنا ہو رہا ہے۔ چچ۔۔۔ چچ۔۔ کیسا یار ہے تمہارا، تمہاری حفاظت ہی نہیں کر سکا۔"

وہ ہوس کا پجاری ایش ٹرے میں سگار کو مسلتے ہوئے اٹھ کر ایک بار پھر اس کے پاس آیا۔ اب کی بار اس نے جسارت کی تھی۔ یمن کو بانہوں میں اٹھا کر وہ بیڈ کی طرف لے کر جا رہا تھا اور وہ جس کے سارے حواس منتشر ہو چکے تھے معمولی سی بھی جنبش نہ کر پائی۔

"دروازہ باہر سے بند کر جانا، امید کرتا ہوں تمہارا کیمرہ ایک اچھی ویڈیو تیار کرے گا۔"

اس نے اپنے ایک کارندے کو کہا تھا جسے اس کام کیلئے وہ منتخب کر چکا تھا لیکن سامنے والے کا قاتل حسن دیکھ کر اس سے رہا نہ گیا تبھی جو اکھیلا اور یمن پر جھک گیا۔

☆......☆......☆

اسے نہیں پتا تھا اس کے دل کو کیا ہو رہا ہے لیکن جو بھی تھا وہ بہت پریشان تھا۔ بے کل دل کے ساتھ یہاں

وہاں جلے پیر کی بلی کی طرح منڈلاتا پھر رہا تھا۔ اسے کسی پل چین نہیں آ رہا تھا۔ یہ اس کے کمرے کا منظر تھا جہاں صوفے پر رمیز بیٹھا اپنے جگری یار کی اس بے چینی کو بھانپنے میں مگن تھا۔ اس سے رہا نہ گیا تبھی پوچھ ڈالا۔

"ایسی کیا بات ہے جو تم یوں بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپ رہے ہو، پچھلے آدھے گھنٹے سے ہوتی ان بیتاب راؤنڈز کا مطلب؟"

خلیفہ کے بال کھلے تھے۔ وہ ان کھلے بالوں میں سے گردن کی پشت پر ہاتھ رکھ کر اضطراری انداز میں رمیز سے گویا ہوا۔

"نہیں جانتا لیکن کچھ ہے جو ٹھیک نہیں ہے، میرا دل عجیب سے اوہام کا شکار ہو رہا ہے پتا نہیں۔۔" اس نے بات طیش اور بے بسی کے درمیان میں چھوڑی پھر توقف کے بعد وہیں سے جملہ جوڑا۔ "پتا نہیں ایسا کیا ہو رہا ہے جو مجھے، جو میرا سانس بند کر رہا ہے رمیز! خان کی رپورٹ لو وہ ٹھیک تو ہیں۔"

اس نے سفید شرٹ کے بٹن کھول دیے تھے۔ بازو پہلے ہی فولڈ ہو کر کہنیوں تک جا پہنچے تھے۔ رمیز کو آرڈر دینے کے بعد وہ گیلری میں آ کر کھڑا ہوا جہاں سے قطرہ قطرہ پگھلتی رات حواس باختہ سی پورے عالم پر چھائی ہوئی تھی۔ گھور رات تھی۔ کسی بھی چاند اور ستاروں سے مبرا، ساکن ہوا تھی اور ایک وحشت سی چہار سو چھائی ہوئی تھی جیسے کچھ بہت برا ہونے جا رہا ہے۔ رات کے دلدادہ کو آج اس رات سے خوف سا آ رہا تھا۔ سلی سی بات تھی لیکن واقعی خلیفہ تبریز آج زندگی میں دوسری بار ڈر رہا تھا۔

پہلی بار اسے کب ڈر لگا؟ وہ سوچنے لگا پھر یکدم اس کی سوچ کو راہ ملی تھی۔ ہاں وہ پہلی بار تب ڈرا تھا جب یمن اس بریک لیس بائیک پر سوار ہو گئی تھی اور اس سے کہہ رہی تھی کہ وہ نہیں بچے گی، وہ مر جائے گی۔ اس وقت ایسی ہی سچویشن تھی ہاں بالکل ایسی، اس وقت اس کا دل بالکل ایسے ہی گھبرا رہا تھا جیسے اس وقت گھبرا رہا ہے تو پھر؟ اس نے کرنٹ کھا کر گرل سے پاؤں ہٹایا اور لمبے ڈگ بھرتا اپنا سیل فون اٹھاتا واپس گیلری میں آیا تھا۔ اس نے رمیز کو اگنور کیا تھا جو کہہ رہا تھا۔

"خلیفہ، خان سے میری بات ہو چکی ہے وہ بالکل ٹھیک۔"

اس نے اس کی بات بس اتنی ہی سنی تھی۔ گیلری میں کھلتے دروازے کو اس نے بند کیا اور پھر سے گرل میں

پاؤں اٹکا کر یمن کا نمبر ملانے لگا جو کہ بند جا رہا تھا۔اس نے موٹی گالی بکی اور ایک بار پھر اس کا نمبر ملایا تھا۔ جواب وہی ملا جو پہلے ملا تھا۔گرل پر ہاتھ مار کر اس نے ثوبیہ کا نمبر ڈائل کیا تو وہاں سے بھی یہی جواب موصول ہوا۔اس نے اب لینڈ لائن ٹرائے کی تھی اس سوچ کو درگزر کر کے کہ اس کا نمبر لسٹ میں آ جائے گا۔اسے اس وقت کسی کی پرواہ نہیں تھی۔اگر کچھ تھا جو معنی رکھتا تھا وہ اس وقت یمن سے بات کرنا تھا۔کافی دیر تک بیل گئی لیکن فون نہیں اٹھایا گیا۔خلیفہ کی بے چینی بڑھنے لگی تھی۔اس نے تلملاتے ہوئے موبائل کو دیوار پر مارا۔وہ اچھی کمپنی کا تھا اس لیے ٹوٹا نہیں۔اگر ملکی کمپنی کا ہوتا تو ضرور اس وقت ریزہ ریزہ ہو چکا ہوتا۔

" کہاں ہو تم یمن، کیا تم سو رہی ہو ہاں ایسا ہی ہو سکتا ہے۔رات کے دو بجے کوئی بھی ذی نفس سویا ہی پایا جا سکتا ہے تو پھر میرا دل اتنا برا سا کیوں ہو رہا ہے؟ اس کو کیوں کسی بھی پل چین نہیں آ رہا؟ تم کتنی ظالم ہو یمن! خود نیند کے مزے لے کر تم نے میری نیندیں اڑا دی ہیں اس کی سزا ضرور تمہیں ملے گی۔"

اور اس تمام عرصے میں پہلی بار اس کے لب متبسم ہوئے تھے۔یمن کیلئے سوچی جانے والی سزا نے اس کے اندر پھول سے کھلا دیے تھے لیکن ان پھولوں کو ایک بار پھر تیزی سے مرجھانا پڑا۔وجہ اس کے دل کا شدت سے دھڑکنا تھا۔اسے لگا اس کا دل قدموں میں گر رہا ہے۔اس نے اچانک اپنے دل پر ہاتھ رکھا تھا جو اس بری طرح سے غوطے کھاتا ہوا دھڑک رہا تھا جیسے ابھی سینے سے باہر نکل آئے گا۔اسے لگا آج ہارٹ فیل ہونا متوقع ہے۔

صبح ہونے تک وہ اسی پوزیشن میں کھڑا رہا تھا۔اس نے اپنی آنکھوں سے آسمان پر پھیلے اندھیرے کو پہلے سرخی میں اور اس کے بعد دودھیا روشنی میں ڈھلتے دیکھا تھا۔جس طرح رات دن میں بدلتی ہے اسی طرح وقت بدلتا ہے اور عین اسی طرح انسان بھی بدلتا تھا۔کبھی کچھ ہوتا ہے تو کبھی کچھ۔خلیفہ بھی انہی لوگوں میں سے تھا جس کا موڈ پل میں سوئنگ ہوتا تھا لیکن آج شاور لینے کے دوران وہ حیران تھا کہ اس کا موڈ بدل کیوں نہیں رہا، کیوں طبیعت ویسی ہی گراں ہے؟ کیوں دل کی دنیا اسی طرح زیر و بم ہو رہی ہے۔کف لنکس لگاتے، بالوں کو جیل سے جماتے ہوئے پرفیوم چھڑکنے کے بعد بھی اس کا چہرہ سنجیدگی کی حد تک سنجیدہ تھا۔اس نے اپنا سیل فون اٹھا کر کوٹ کی اندر والی پاکٹ میں ڈالا اور جینز کوٹی شرٹ کے اندر ڈالتے ہوئے وہ شیشے پر نگاہ جما کر کھڑا ہو گیا جہاں اچانک سے یمن کا سراپا ابھر آیا تھا۔بیتے دنوں میں سے ایک اچھا سا دن اس کی نظروں کے سامنے آیا اور حال

ماضی کی چادر اوڑھ گیا۔

"واؤ کیا یہ آپ کا کمرا ہے؟ یہ تو بہت عالیشان ہے۔"

وہ اس کے گول سیاہ بیڈ پر بیٹھی ہوئی اس کے کمرے پر طائرانہ نگاہ دوڑا رہی تھی۔ وہ دونوں لنچ پر آئے تھے لیکن راستے میں اچانک سے خلیفہ کو یاد آیا کہ اس نے ایک بہت اہم فائل خان کو دینی ہے اس لیے وہ بلا جھجک اور انسکیورٹی کے یمن کو اپنے گھر لے آیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ اس کے کمرے تک آئی تھی جس کے باہر ڈوگ بیٹھا تھا جسے دیکھ کر ایک دلخراش چیخ کے ساتھ وہ اس کے شانے سے چپکی اس کے پیچھے چھپ گئی تھی۔ خلیفہ نے ڈوگ کو اشارہ کیا اور اس کے جانے کے بعد یمن کو اندر لے آیا۔

"ویسے مجھے یقین نہیں تھا کہ تم اتنی بزدل ہوگی۔" فائل کو اٹھا کر اس نے کبڈ میں سے نئی ٹی شرٹ نکالی اور واش روم میں گھس گیا۔ تھوڑی سی دیر بعد وہ ہلکے گرے رنگ کی تھوڑی سی لانگ ٹی شرٹ کے ساتھ اس کے سامنے موجود تھا اور انتہائی حیرانی سے کہہ رہا تھا۔

یمن اس کی بات کا لب لباب جان کر چڑے ہوئے انداز میں بولی۔

"ہاں موت کو سامنے دیکھ کر انسان ڈرے بھی نہ۔ واؤ کیا لاجک ہے مسٹر خلیفہ تبریز۔" بیڈ پر پاؤں لٹکا کر بیٹھتی وہ تنک کر کہہ رہی تھی۔ خلیفہ کی آنکھیں پھیلیں۔ وہ مڑ کر صدماتی انداز میں گویا ہوا۔

"یعنی تم میرے ڈوگ کو، میرے پیارے ڈوگ کو موت سے مشابہ کر رہی ہو، وہ کتنا معصوم ہے تم جانتی بھی ہو۔"

یمن نے اس کی حیرانی کو کک مار کر سائیڈ پر کیا اور ڈریسنگ پر اس کے پاس آکر کھڑی ہوگئی۔

"اچھا پھر تو اس کے یہ بڑے بڑے خونخوار دانت بھی معصوم ہونگے ہے نا۔"

خلیفہ مہنگے ترین پرفیوم کی بوتل اٹھا کر خود پر اسپرے کر رہا تھا۔ اس کا ہاتھ یمن کی بات پر رک گیا۔

"بہت ہی فضول بات کہی ہے تم نے۔" اس نے چند ثانیے غصہ جتاتی نگاہوں سے اسے دیکھا پھر اپنے پرفیوم کی بوتل کو اس کی ٹھوڑی کے پاس لا کر پیش کیا اور کرتا گیا۔

"کیا مطلب ہے یعنی آپ اس جانور کے پیچھے مجھ سے خفا ہونگے۔" وہ اس پر اپنی پرفیوم کی بوتل خالی

کر رہا تھا۔یمن نے اس کا ہاتھ جھٹکنا چاہا لیکن خلیفہ نے ایسا ہونے نہ دیا بلکہ دوسرے ہاتھ سے اس کی کمر کو مضبوطی سے جکڑتے ہوئے بولا۔

"وہ جانور نہیں ہے خلیفہ کی زندگی ہے بالکل ایسے جیسے تم ہو۔"

اس کی گرفت ایسی تھی کہ یمن کو لگا آہنی سلاخیں اس کے وجود میں کھبتی جا رہی ہیں۔وہ پوری قوت لگا کر اس کا ہاتھ کمرے سے ہٹاتی پیچھے ہوئی تھی۔وہ پیچھے ہٹی تھی تو اس میں بھی خلیفہ کی اجازت تھی ورنہ اس کے نازک ہاتھوں میں کہاں اتنی جان تھی کہ وہ اس کو جھٹک سکتی۔

"آپ جانور ہیں خلیفہ اور خبردار، اگر مجھے کسی جانور کے ساتھ ملایا تو۔"

آنکھوں میں ہلکی سی نمی لیے وہ چیخ کر کہہ رہی تھی۔خلیفہ بیساختہ ہنسا اور ہنستا چلا گیا پھر اس نے خالی شیشی کو ڈریسنگ پر واپس سجایا اور اپنے بالوں کو بنانے لگا۔وہ بالوں کا ہاف جوڑا باندھ رہا تھا جب اس نے دیکھا صوفے پر دونوں ہتھیلیوں پر چہرہ جمائے منہ بسورتی ہوئی وہ کن انکھیوں سے اس کی سرگرمیاں نوٹ کر رہی تھی خلیفہ نے گلا کھنکارا اور کہنا شروع کیا۔

"لوگ کہتے ہیں خلیفہ تبریز جانور ہے اور پھر وہی لوگ اسے نظر چرا کر دیکھتے رہتے ہیں۔"

یمن اپنی چوری پکڑے جانے پر بوکھلائی تھی۔چہرے کو ہتھیلیوں کی قید سے آزاد کیا اور پر تیقن لہجے میں بولی۔

"میں آپ کو نہیں دیکھتی۔" اپنی بات میں وزن پیدا کر کے وہ چبا چبا کر بولی تھی۔خلیفہ نے جوڑے کے نیچے چھوڑے بالوں میں برش کیا اور ایک ابرو اچکا کر بولا۔

"اچھا، کیا میں نے تمہارا نام لیا؟" وہ تمام اداکاروں کو مات دیتے ہوئے حیرت سے پوچھ رہا تھا۔یمن کے اندر شرارے بھرنے لگے۔یہی شرارے اس کے لفظوں میں سے بھی نکل نکل جا رہے تھے۔

"آپ نے ابھی ابھی کہا، طنزیہ انداز میں وہ بھی عورتوں کی طرح اور ویسے بھی میں آپ سے بات ہی کیوں کر رہی ہوں، آپ ہیں بھی کون؟" بے اعتنائی کی حد کرتے ہوئے وہ منہ دوسری طرف موڑ گئی تھی۔خلیفہ کے لبوں سے قہقہہ پھوٹتے پھوٹتے رکا۔

"لائیک سیریسلی تم دی خلیفہ تبریز کو نہیں جانتی، وہی جس کے پیچھے ایک لڑکی چڑیل کی طرح پڑ گئی ہے اور پورا

پاکستان اس کی قسمت پر ترس کھا رہا ہے۔"

اس نے دل پر ہاتھ رکھ کر ڈریسنگ سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا تھا۔ لفظ چڑیل نے یمن کی آنکھوں میں شاک بھر دیا۔ اس کی آنکھیں شاک سے اتنی زیادہ پھیل گئی تھیں کہ خلیفہ کو لگا بس آج تو ڈوبنا فرض ہے۔

"ٹھیک ہے پھر میں آپ کا خون پی کر اس بات پر مہر لگا دیتی ہوں کہ یمن حیات ایک چڑیل ہے۔" وہ اپنے بدن کا سارا خون چہرے پر لاتی کہہ رہی تھی۔ خلیفہ کو بیساختہ اس پر پیار آیا لیکن چھیڑنا تو بنتا تھا۔

"چچ چچ چچ۔ تم کتنی خوش فہم ہو یمن! میں نے اب بھی تمہارا نام نہیں لیا۔ میں تو معروش کے بارے میں کہہ رہا تھا۔ شاید تم خود کو چڑیل سمجھتی ہو اور میرے نزدیک کسی نارمل انسان کا اس طرح سوچنا بالکل بھی اچھا نہیں ہے تمہیں اپنا علاج کرانا پڑے گا نہیں تو خود کو چڑیل سمجھتی لڑکی کے ساتھ کسی عام انسان کا گزارا ہرگز نہیں ہے۔"

گردن کو افسوس کے انداز میں دائیں بائیں ہلاتا وہ اس کے غصے کا گراف بلند کر رہا تھا۔ معروش کے بارے میں وہ اسے بہت پہلے ہی آگاہ کر چکا تھا اس لیے اس کا ذکر کوئی خاص بات نہیں تھی۔ اس نے یمن کی جلی بھنی آواز سنی اور اپنی بیک سے ڈریسنگ پر جمائے ہاتھوں میں اس نے بھری ہوئی پرفیوم کی شیشی اٹھالی۔

"مجھے۔۔آپ سے۔۔نفرت ہے دی جانور۔"

خلیفہ اس شیشی کو اپنے ہاتھ میں قید کیے اس کی طرف بڑھا اور کھڑے کھڑے جھکتے ہوئے اسے دیکھ کر محبت پاش لہجے میں بولا۔

"مجھے بھی تم سے محبت ہے، دی آئس کوئین۔" کہتے ساتھ ہی اس نے اپنا ہاتھ آگے کیا اور پرفیوم کی بوچھاڑ اس پر کردی۔ وہ اسے خوشبو سے نہلا رہا تھا اور وہ احتجاج کرتی یہاں وہاں بھاگنے کی سعی میں تھی۔ خلیفہ مزید آگے کا منظر سوچتا، اگر کوئی پیچھے سے اس کے شانے پر آ کر ہاتھ نہ رکھتا۔ وہ ایک دم چونکا تھا۔ ماضی حال میں مدغم ہوا اور تمام فسوں پرفیوم کی بوتل سے نکلی خوشبو کی طرح ہوا میں تحلیل ہو گیا لیکن اپنی خوشبو وہاں چھوڑ گیا۔

"چلنا نہیں ہے کب سے تمہارا ویٹ کر رہا ہوں۔"

اس نے بڑی دور سے رمیز کی آواز سنی تھی۔ حواسوں کو ٹھکانے لگاتے ہوئے وہ اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔

☆......☆......☆

وہ کیا چیز تھی بھلا؟ اس نے جلدی سے اپنے ٹاپ کی پاکٹ میں ہاتھ ڈال کر اس سلنڈر نما چیز کو باہر نکالا۔ شاید وہ کسی قسم کا کیمرہ تھا یا پھر وائس ریکارڈر لیکن وہ جو بھی تھا رخسانہ کیلیے ہفت اقلیم کی دولت تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ یہ چیز ضرور اسے اور اس کی کھوئی ہوئی ساتھیوں کو ڈھونڈ نکال کر یہاں سے انہیں نجات دلوا دے گی۔ اس نے مضبوطی سے اس چیز کو واپس اپنی پاکٹ میں ڈالا اور خون آلود نگاہوں سے ان درو دیوار کو دیکھنے لگی جنہوں نے ہزاروں نہیں بلکہ شاید لاکھوں لڑکیوں کا خون پیا ہوگا۔ اسے خود بخود اتنے عرصے بعد اس جگہ سے کراہت آنے لگی تھی۔

"تم کیا اتنے برے برے منہ بنا کر سوچ رہی ہو؟" اس کی ایک ساتھی واش روم سے نکلی اور اپنے ہاتھوں پر لوشن لگاتے ہوئے بولی۔ بس ابھی کچھ دیر بعد ہی انہیں "کام" کیلیے نکلنا تھا۔

"جو تم سوچتی رہتی ہو۔" اس نے برجستہ کہا تھا پھر گہری آہ بھر کر بولی۔ "میرا کھلی فضا میں جانے کا بہت دل ہو رہا ہے۔"

اس کی ساتھی دوست نے مڑ کر اسے دیکھا اور منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنستے ہوئے گویا ہوئی۔

"جب شیون اور ساشا جیسے ظالم لوگ ہماری زندگیوں سے نکل جاتے ہیں تو انسان کا اسی طرح کا دل کیا کرتا ہے۔" اس کی بات میں وزن تھا رخسانہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"درست کہا، شیون اور ساشا جیسے لوگوں سے چھٹکارے پر انسان شکر کا کلمہ پڑھتا ہے لیکن مجھے ایک بات تو بتاؤ۔ شیون اور ساشا جیسے لوگوں سے تمہاری کیا مراد ہے۔" وہ پھر باتوں پر اتر آئی تھی۔ اس چیز کی پرواہ کیے بغیر ابھی انہیں دلدل میں اترنے جانا ہے۔

"ظاہر ہے ہر انسان کی زندگی میں کوئی نہ کوئی ایسا شخص ضرور ہوتا ہے جو اس کی خوشیوں، اس کی کامیابیوں اور مسکراہٹوں سے جلتا ہے (ساشا ان لوگوں سے جلتی ہے یہ اسے لگتا تھا) وہ چاہتا ہے کہ جب وہ خود اتنا آسودہ نہیں ہے تو دوسرا کیوں رہے۔ اس لیے وہ خوش انسان کی زندگی میں میس پھیلانے کے ہزار ہا جتن کرتا ہے اور اگر کچھ نہیں کر سکتا تو اپنی نظر اس پر اتار دیتا ہے اور بد نظر کا تو تم جانتی ہو کیا کمال کرتی ہے۔"

اپنے بوائے کٹ بالوں میں برش پھیرتے ہوئے دانائی کی باتیں کرتی لڑکی کہیں سے بھی مایوس نہیں لگتی تھی۔ انسان ایسا ہی ہوتا ہے اپنا اندر اور باہر چھپانے والا۔

"اس لیے ہمیں ایسے لوگوں سے کوسوں دور رہنا چاہیے۔"

رخسانہ اس کی بات سے کسی حد تک متفق تھی لیکن اس نے بھی اپنے دل کی بات کہی جو کسی حد تک درست تھی۔ "ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن ضروری تھوڑی ہے کہ شیون اور ساشا جیسے لوگ ہی ہوں۔ آپ خود بھی تو ہو سکتے ہو وہی یعنی خود ہی کڑھنا اور کڑھ کر ختم ہو جانا۔ اکثر لوگ ہمارے دشمن نہیں ہوتے بلکہ ہم خود اپنے دشمن بن جاتے ہیں۔ دوسروں کی زندگی کو آئیڈیل سمجھ کر اپنی زندگی کو خاک میں ملا دیتے ہیں اور پھر ایسی جگہ پہنچ جاتے ہیں۔"

اس کے لفظوں میں اداسی گھل گئی تھی۔ اس کی ساتھی دوست اپنے کانوں میں آویزے پہن کر گویا ہوئی۔

"غلطیوں کو بھول جاؤ رخسانہ، اس سے سوچنے کی صلاحیت سلب ہو جاتی ہے۔ اگر ہم دونوں یونہی اپنی غلطیوں پر ماتم کناں رہیں گی تو یہاں سے نکلنے کی کوئی بھی سبیل ہمارے ہاتھ نہیں لگے گی۔"

رخسانہ نے اس کی تائید کی اور اس کے ساتھ باہر آ گئی۔ اس کے ساتھ باقی دس لڑکیوں کو اس جگہ پہنچایا گیا جہاں طوفان بدتمیزی مچی ہوئی تھی۔ وہ سلنڈر نما چیز اب بھی رخسانہ کی جیب میں تھی۔ کوٹ کو اتارتے ہوئے اس نے اس بات کی تصدیق کی کہ وہ چیز اس کے ٹاپ میں اب بھی محفوظ ہے اس نے پول کو سنبھالا تھا۔

"سر، ہمیں لوکیشن مل گئی ہے۔ ان لڑکیوں کو وہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ ڈیلور کیا گیا ہے اور وہ جگہ۔"

کہتے کہتے وہ آفیسر تھما تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔

"بولو امجد، چپ کیوں ہو گئے۔" اس کے سینئر نے اس کی خاموشی کو نوٹ کیا اور ماتھے پر تیوریاں لے آئے۔

"سر، یہ جگہ تو ظاہر کا فارم ہاؤس ہے۔" وہ حیرانی سے کہہ رہا تھا۔ اتنا تو وہ سب جانتے تھے کہ ظاہر خطرناک جرائم میں ملوث ہے لیکن وہ اس حد تک ہے اس کا اندازہ انہیں اب ہو رہا تھا۔

"سب ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہیں۔ اب دیکھنا کیسے معطل ہوتا ہے یہ صوبائی وزیر، ریڈ کی تیاری کرو۔"

وہ اسے آرڈر دیتے انٹرکام اٹھا رہے تھے۔ ان سے خاصی دور کام میں مصروف معروش نے گھنٹی کی آواز پر فون کو اٹھا کر کان سے لگایا اور شانے پر رکھ کر بولی۔

"بولو حفیظ۔" اس نے ایک فائل کی ورق گردانی کی اور ان لڑکیوں کی تصویروں کو اٹھا کر دیکھنے لگی جو سمندر خان کی ایک غلطی کی وجہ سے ان کے ہاتھ لگ گئی تھیں۔

"کام ہوگیا ہے، بڑا ہاتھ مارنا ہے۔"

وہ اس کی آواز پر چونکی۔رک کر فون کو پکڑا۔

"مطلب؟" دبے دبے سے جوش میں اس نے استفسار کیا تھا۔حفیظ اس کے لہجے کی کھنک سے ہی اس کی خوشی کا اندازہ لگا سکتا تھا۔

"ریڈ کی تیاری ہورہی ہے میڈم، نہ صرف اس کے اڈے پر ریڈ پڑنے والا ہے بلکہ ان کی فیکٹری کا بھی پتا لگ چکا ہے۔"

"واٹ۔" معروش شدت جذبات سے کھڑی ہوئی تھی۔فون کی تار اس کے کھڑے ہونے سے کھنچتی چلی گئی۔

"یس میم، خبر پکی ہے ہمارے ایک ٹاؤٹ نے بھی اوکے کا اشارہ دیا ہے۔ بظاہر باہر سے دکھتی کپڑے کی فیکٹری میں اندر کیا کیا کام ہوتا ہے اس سب کا پتا آج چل جائے گا۔" اسے خوشی تھی کہ وہ معروش کا اتنا اہم کام کر آیا ہے۔اسپیشل فورس کا ہیڈ بن کر وہ نہ صرف سمندر خان کے اس اڈے میں خفیہ کیمرا لگوا آیا تھا بلکہ وہاں کی ایک باغی لڑکی کے ہاتھ اہم چیز بھی چھوڑ آیا تھا جس نے اپنا کام کر دکھایا۔

"ویل ڈن حفیظ! ویل ڈن۔" معروش نے اس کی تعریف کرتے ہوئے ریسیور کو کریڈل پر رکھا اور موبائل اٹھا کر نوفل کا نمبر ملانے لگی پھر اچانک اسے کچھ یاد آیا تھا۔اپنی خوشی کو دباتے ہوئے وہ آنکھیں بند کر کے اس کے فون کے اٹھانے کا انتظار کرنے لگی جو کہ طویل نہ تھا۔

"آپ نے آج مجھے کیسے ڈیوٹی آورز میں یاد کر لیا۔"

معروش کو اس کی خوشگوار آواز مسکرانے پر مجبور کر گئی۔اسے سیل فون میں سے نوفل کی آواز کے ساتھ ساتھ مشینوں کی آواز بھی آرہی تھی۔

"جیسے اس وقت تم مجھے یاد کر رہے تھے۔" اس نے یونہی فن کے طور پر کہا لیکن نوفل کی اگلی بات سن کر مشکوک ہوئی۔

"ارے آپ کو کیسے علم ہوا، کیا آپ نجومی رہ چکی ہیں؟" مشینوں کی آواز تیز ہوگئی تھی۔معروش کو کچھ سنائی دینا مشکل لگا۔

"ہا، کچھ بھی مت بولتے رہا کرو اور یہ تم کہاں ہو اتنا شور کیوں ہے؟" اس نے بیویوں والے لہجے میں پوچھا تو نوفل کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"آپ کیلئے ایک سہیلی تلاش کرنے آیا ہوں۔" اس نے جان بوجھ کر سوکن لفظ کو گول کیا تھا۔ معروش کو پکا یقین تھا اس وقت اس کی شرارت سے آنکھیں چمک رہی ہوں گی اور ہنسی روکنے میں محال ہوتی اس کی ٹھوڑی کانپ رہی ہو گی۔

"یہ منہ اور مسور کی دال، شکر کرو میں مل گئی تمہیں ورنہ تو کوئی چیونٹی بھی نہ پوچھتی تمہیں۔" اسے مشینوں کی آواز پریشان کر رہی تھی۔ کہتے کہتے اچانک اس کے دماغ میں بجلی کا کوندا سا لپکا۔ اسے یاد آیا نوفل کل ایک اخبار میں آئے نوکری کے ایڈ کو بڑے غور سے پڑھ رہا تھا اور پھر وہ اس اخبار کو اپنی جیکٹ میں رکھ کر باہر نکل گیا تھا۔

"ایسی بھی بات نہیں ہے، بندہ غریب ضرور ہے لیکن ہینڈسم بھی بہت ہے۔ لڑکیاں اب بھی مرتی ہیں مجھ پر۔" وہ آگے اور بولتا جب معروش نے اس کی بات درمیان میں قطع کی۔ اس کے لہجے میں درشتی تھی۔

"تم فیکٹری میں ہو نا، اسی فیکٹری میں جس کا ایڈ کل تم بڑی دلچسپی سے پڑھ رہے تھے۔ نوفل خان، ابھی کے ابھی اس فیکٹری سے باہر نکلو۔ نہیں تو میں نے تمہارا ان کا ونٹر کر دینا ہے۔"

اس فیکٹری کو وہ اچھے سے جانتی تھی۔ یہ وہی فیکٹری تھی جس پر ابھی کچھ دیر میں وہ لوگ ریڈ ڈالنے والے تھے۔ وہ نہیں چاہتی تھی باقی لوگوں کی طرح نوفل بھی شک کی بنا پر پکڑا جائے اور لمبے عرصے جیل اور ٹارچر کی سزا کاٹے۔ کل جب نوفل اس ایڈ کو بار بار پڑھ رہا تھا تب معروش نے آگے جھک کر اس پر نگاہ ڈالی تھی اور اپنا تبصرہ اس فیکٹری کے بارے میں کچھ یوں کیا تھا۔

"بہت ہی بیکار فیکٹری ہے یہ۔ تمہارے نازک ہاتھ اس کی مشینوں کی سختیوں کو جھیل نہیں پائیں گے۔" وہ نوفل کو چھیڑنے کی غرض سے کہہ رہی تھی اور وہ چڑ بھی گیا تھا۔

"کیا کہا، آپ ایک مرد کے ہاتھ کو نازک کہہ رہی ہیں، آج تک میری اتنی توہین کسی نے نہیں کی۔" وہ سرخ چہرے کے ساتھ جذباتی ہوا کہہ رہا تھا۔ معروش نے چائے کا گھونٹ بھرا اور شانے اچکا دیے۔

"آج تک تمہیں معروش حبیب جو نہیں ملی تھی۔"

وہ اپنی سوچ کی بھول بھلیوں میں تھی جب اسے نوفل کے قہقہے کم بلکہ ان مشینوں کی آواز زیادہ آئی تھی۔

"ایسا کر ہی نہ دیں آپ، اچھا سنیں بی سیریس مجھے یہاں بہت اچھی پوسٹ پر جاب مل گئی ہے۔ تنخواہ کے ساتھ دیگر مراعات بھی ہیں جو قابل غور ہیں اس لیے میں سوچ رہا ہوں ڈاکومنٹس سمٹ کروا کر کل سے جوائننگ دے دوں۔"

وہ تقریباً چیختے ہوئے اس سے بات کر رہا تھا کیونکہ یہاں واقعی مشینوں کا شور بہت زیادہ تھا۔ اپنی بات کہنے کے بعد اس نے چند سیکنڈ معروش کے بولنے کا انتظار کیا۔ اسے لگا تھا کال کٹ گئی ہے لیکن سیل کو کان سے ہٹا کر دیکھا تو وہ چل رہی تھی۔ اس نے واپس موبائل کان سے لگایا اور بولا۔

"معروش! میں آپ سے بات کر رہا ہوں۔ کہاں چلی گئی ہیں آپ؟" اسے اس کے اس طرح چپ ہو جانے پر تشویش ہوئی تھی۔ اگلی بات جو اس نے کی تھی اس پر وہ کرنٹ کھا کر رہ گیا۔

"نوفل! اگر تمہیں مجھ سے ایک پرسنٹ بھی محبت ہے تو وہاں سے چلے آؤ اور اپنے تمام ڈاکومنٹس لے کر آنا۔ ایسا میں کیوں کہہ رہی ہوں اس کی وضاحت بعد میں کروں گی لیکن اس وقت تمہیں وہاں سے نکلنا ہوگا۔ نہیں تو بھول جانا تمہاری زندگی میں کوئی معروش بھی تھی۔"

کہتے ساتھ ہی اس نے فون بند کر دیا تھا۔ نوفل سکتے کے عالم میں وہاں کھڑا رہا۔ اسے خبر نہیں تھی کہ خلیفہ اور معروش کی جنگ میں وہ پس رہا ہے۔ اسے مہرہ بنایا جا رہا ہے۔ یہ ایڈ بھی اسی کیلئے دیا گیا تھا اور بیشمار اس سے زیادہ ہائی کوالی فائیڈ تجربہ یافتہ لوگوں کو اس لیے ریجیکٹ کیا گیا تھا تاکہ نوفل خان کو اس بڑی پوسٹ پر فائز کر کے اسے بھی ان گناہوں میں گھسیٹا جائے جن میں نوفل جیسے بیشمار بیگناہ لوگ شامل ہو چکے ہیں۔ وہ یہ سب نہیں سمجھ سکتا تھا کیونکہ اس کے پاس معروش جیسا دماغ جو نہیں تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی اپنی نیلی فائل کو دیکھا جو اس فرم کا منیجر اس سے زبردستی لینے کے درپے تھا۔ جیسے وہ نوفل کی آمد کا ہی منتظر تھا۔ اس کے آتے ہی اسے جوائننگ دینے کیلئے اتاؤلا ہوا جا رہا تھا لیکن چونکہ اسے معروش کی رضامندی چاہیے تھی تبھی اس نے منیجر کے بیحد اصرار پر بھی اپنی فائل اسے نہیں دی تھی۔ وہ باہر آ کر معروش کو کال ملانے ہی والا تھا جب خود ہی اس کی کال آ گئی۔

نوفل کو معروش کا انداز بالکل پسند نہیں آیا تھا۔ مردانی انا عود کر آئی لیکن محبت کی پھوار نے اسے ٹھنڈا کر دیا۔

وہ اتنی بڑی بات کہہ گئی تھی تو ضرور کچھ نہ کچھ ایسا تھا جو ٹھیک نہیں تھا۔اس نے معروش سے غصہ جتانے کی خاطر سیل فون آف کیا اور اس فیکٹری سے باہر آ گیا۔

☆......☆......☆

اس نے شدید بھاری آنکھوں کو بدقت تمام وا کرنے کی کوشش کی تھی۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پپوٹوں کے ساتھ کسی نے لوہے کی پلکیں جڑ دی ہوں۔بہت وقت کے ساتھ اس نے ہلکی سی آنکھیں کھولیں، باریک لکیر میں سے اسے عجیب سی روشنی نظر آئی تھی۔وہ دودھیا تھی کسی ملائی کی طرح جس میں ہر طرح کے رنگ مدغم ہو کر بھدی صورت بنا رہے تھے۔اس نے ان برے سے رنگوں سے عاجز آ کر فٹ آنکھیں بند کیں اور زور سے میچ کر دوبارہ کھول لیں۔اس بار رنگ واضح ہوئے اور اسے اپنی کیفیت کا اندازہ ہونے لگا۔دل و دماغ میں ایک عجیب قسم کا بھونچال مچا ہوا تھا۔پورے بدن میں گویا چیونٹیاں بھاگ رہی ہوں۔حواس بیدار ہوتے ہی اسے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔اسے شدت سے کسی چیز کی طلب ہو رہی تھی لیکن کس کی؟

اس نے سر کو دائیں جانب گرا کر ادھ کھلی آنکھوں سے ایک وجود کو دیکھا۔اس کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ تھی۔وہ بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھی شیشیوں میں سے جھک کر ایک اٹھا رہا تھا پھر اس نے ایک انجکشن اٹھایا اور اس میں وہ سفید مائع بھرنے لگا۔یمن کا سانس تیز تر ہوا تھا۔وہ سر کو جنبش دے کر اس ڈوز سے منع کرنا چاہتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی پچھلے چار دنوں سے اس کے بیدار ہونے کے بعد اسے کیوں بیہوش کیا جا رہا تھا اور پھر اس کے ساتھ کیا ہوتا تھا لیکن یہاں پر اس کی سنتا کون۔اس نے اپنے ہاتھ کو جنبش دینے کی کوشش کی۔وہ تو نہ ہلا لیکن اس کی دونوں آنکھوں کے کناروں سے آنسو ٹپ ٹپ کر گرنے لگے۔بولنے کی سعی میں اس کے منہ سے غوں غاں کی آوازیں نکل رہی تھیں۔وہ آدمی اس سے کچھ کہہ رہا تھا شاید اسے پچکار رہا تھا۔اس سے پہلے وہ انجکشن کی سوئی اس کے بازو میں گھونپتا کوئی دروازہ کھول کر اندر آیا۔

آنے والا اس آدمی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کچھ کہہ رہا تھا۔سننے والے نے سر ہلایا اور اس بھرے ہوئے انجکشن کو ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔اب کی بار اس نے چھوٹے سے بریف کیس کو کھول کر اس میں سے دوسری شیشی نکالی تھی اور اسے نئے انجکشن میں بھر کر اسے لگایا تھا۔یمن کو سوئی بالکل بھی محسوس نہیں ہوئی تھی لیکن ہاں اس

کے تھوڑی دیر بعد اسے سب صاف صاف دکھائی اور سنائی دینے لگا تھا۔ اس کی انرجی بھی بحال ہونی شروع ہوئی تھی۔ اس میں اتنی ہمت تھی کہ وہ اٹھ بیٹھتی۔ اس نے اپنی ہمت کا استعمال کیا اور گھومتے سر کو تھامتی ہوئی بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ وہ آدمی جو اسے نئے سرے سے گمنام وادیوں میں دھکیلنے کی سعی میں تھا اسے اس طرح سے بیٹھے دیکھ کر مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

"ایک جیتی جاگتی صبح تمہیں مبارک ہو سینوریٹا او۔۔۔ او۔۔۔ او ڈرومت آج کوئی بھی تمہیں ہاتھ نہیں لگائے گا آج تم محفوظ ہو۔"

وہ کمینگی سے کہتے ہوئے یمن کو آنسو بہانے پر مجبور کر گیا تھا۔ ٹانگوں کے گرد بازو لپیٹے وہ پتے کی طرح کانپ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر پچھلے چار دنوں کی بدولت ہلدی پھر گئی تھی۔ پنکھڑیوں سے گلابی ہونٹ سفید اور خشک ہو چکے تھے۔ ان پر پپڑی جم چکی تھی۔ سیاہ گھور آنکھوں کے نیچے ایسے حلقے تھے جیسے کسی ڈرگ ایڈیکٹ کے ہوتے ہیں۔ وہ سراسیمہ انداز میں اس شخص کو دیکھ رہی تھی جس کے ہاتھوں بھی اس کی آبروریزی ہوئی تھی۔ وہ مزید اسے کہہ رہا تھا۔

"لیکن اس صورت میں جب تم ہمیں خلیفہ کے بارے میں بتاؤ گی۔ نہیں تو جو کچھ بھی تم پچھلے چار دنوں سے سہہ رہی ہو وہ تو بس ٹریلر تھا فلم تو ابھی باقی ہے۔"

اسی اثنا میں دروازہ کھول کر گجی اندر آیا تھا۔ یمن کو یوں اجڑی حالت میں دیکھ کر اس کے اندر مسحور کن سا احساس بیدار ہوا تھا۔ اسے اپنے سامنے یمن نہیں بلکہ خلیفہ یوں لٹی پٹی حالت میں بیٹھا ہوا نظر آیا۔

"زہے نصیب کہ آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔" وہ خوشبوؤں میں لدا پھدا بھورے سوٹ پر ہم رنگ واسکٹ پہنے خوش دلی سے کہتا ہوا اس کے پاس بیڈ پر جگہ بنا کر بیٹھا تھا۔ یمن فوراً سے پیچھے ہوئی تو گجی سے اپنا قہقہہ روکنا محال ہو گیا۔

"نہ پیاری نہ، اب اس فاصلے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اب تو ہم ایک دوجے کے ثانی ہیں۔" وہ آنکھ مارتے ہوئے اس کی بے بسی سے حظ اٹھا رہا تھا۔

"کیا ملا تمہیں یہ سب کر کے۔" اسے خود کی آواز بیگانی لگی۔ بھاری اور بیٹھی ہوئی کسی انجان کی آواز۔

"سرور، مردانہ سرور لیکن چھوڑو تم نہیں سمجھو گی۔ ابھی ایک کام کرتے ہیں ریپڈ فائر کھیلتے ہیں میں سوال کرونگا اور تم جواب دو گی۔ وہ بھی کوئیکلی۔" وہ ذو معنی انداز میں کہتے ہوئے ہنسا تھا اور پھر اسے اپنا فیصلہ سنایا جسے سننے کے بعد بھی یمن نے کوئی تاثر نہیں دیا تھا۔

"تمہارا سوالوں کا سیشن شروع ہوتا ہے، پہلا سوال خلیفہ کی فیکٹری کا پتہ بتاؤ جہاں وہ اسلحہ بنواتا ہے۔" وہ اسے ٹھس بیٹھے دیکھ کر کے پوچھ رہا تھا۔ یمن نے اس کا سوال سن کر بھی جواب نہ دیا۔ گجی نے انتظار کیا اور پھر سے اپنا سوال دوہرایا۔

"میں نے پوچھا ہے خلیفہ کی اسلحے بنانے کی فیکٹری کہاں واقع ہے۔" اس کی خندہ پیشانی پر یمن کی ہٹ دھرمی سے بل پڑے تھے۔

"دیکھو، میں نہیں چاہتا تم جیسی حسین لڑکی کتوں کا شکار ہو اس لیے جواب دو۔" یمن نے پلکیں اٹھائیں اور لبوں کو کھولا۔

"میں تو پہلے ہی کتوں کا شکار ہو چکی ہوں تم کس کے بارے میں بات کر رہے ہو؟"

ان دونوں کی ویڈیو بناتا گجی کا بندہ اس طرزِ تخاطب پر جل گیا تھا کیونکہ وہ بھی ان "کتوں" میں شامل تھا۔ گجی نے ایک الٹے ہاتھ کا تھپڑ اس کے گال پر جڑا اور پھنکارا۔

"اب سمجھ آئی کہ خلیفہ کیوں تم پر فدا ہوا لیکن اچھی طرح اس بات کو ذہن نشین کرلو۔ جب تک تم اپنا منہ نہیں کھولو گی یہاں سے تمہارا سایہ بھی باہر نہیں جائے گا اور جسے تم بچانے کی تگ ودو میں ہو وہ تمہیں پہچاننے سے بھی انکار کردیگا۔ دیکھنا تم۔"

یمن کی ٹھوڑی پر اس کی انگوٹھی بڑے زور سے لگی تھی۔ اتنی زور سے کہ اس میں سے خون رسنے لگا۔ وہ نشان زدہ چہرے کے ساتھ گجی کو دیکھنے لگی۔

"اسے جب پتا چلے گا تمہارے رویے کے بارے میں تو وہ تم سب کو ختم کردیگا۔" اس کے لہجے کا یقین پل بھر کو گجی کو بھی شک میں مبتلا کر گیا لیکن خلیفہ کی سانپ جیسی فطرت سے وہ واقف تھا تبھی اس نے سیل فون نکالا اور اس چھوٹی سی لڑکی کے یقین کو ملیامیٹ کرنے کی خاطر پلان سے پہلے ہی اسے انفارم کرنے لگا۔

"دیکھتے ہیں تمہارے خلیفہ کی تڑپ۔" وہ اس پر طنز کرتے ہوئے لاؤڈ اسپیکر پر فون کو لگا کر اس کے اٹھانے کا انتظار کرنے لگا۔ پہلی باری میں کال پک نہیں کی گئی تھی اس نے دوبارہ سے نمبر ری ڈائل کیا۔

"ہیلو خلیفہ، گجی بول رہا ہوں۔" اس کے کال اٹھاتے ہی وہ چھوٹتے ہوئے بولا۔ اسے خلیفہ کی پرجوش آواز سنائی دی تھی۔

"مرحبا، مرحبا کہو کیسے یاد کیا اس ناچیز کو؟" وہ شاید چل رہا تھا تبھی اس کی آواز میں معمولی سا پھولا پن تھا۔ یمن خلیفہ کی آواز سنتے ہی اچھل کر بولنے والی تھی جب اس کے آدمی نے زور سے اس کے لبوں پر اپنے ہاتھ جما دیے۔ وہ ہاتھ پیر مارنے لگی مگر بے سود۔

"اس ناچیز کو اس لیے فون کیا گیا ہے تاکہ اسے اطلاع دی جائے کہ جلد ہی اس کی موت متوقع ہے۔" وہ ٹھوڑی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس روتی بلکتی یمن کو فاتح نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کمرے میں موجود ہر ایک کو خلیفہ کی آواز سنائی دی۔

"اوہ، تو تمہیں لگتا ہے تم خلیفہ تبریز کو مار سکتے ہو، بھول ہے بیٹا! اس دنیا میں اب تک ایسا کوئی پیدا نہیں ہوا جو مجھے مار سکے سوائے میرے۔"

اس کے لفظوں میں واضح چیلنج تھا۔ گجی نے زیر لب اسے گالی دی۔

"نہ خلیفے نہ۔ ایسے مت بول کیونکہ جب میری گولی تیرا سینہ چیر کر نکلے گی تو واللہ سب سے زیادہ تکلیف مجھے ہی ہو گی، وہ کیا ہے نا مجھے جان دار لوگ بہت پسند ہیں۔"

وہ آگے بڑھ کر یمن کے بازو پر ہاتھ پھیر رہا تھا جسے اس نے جنگلی بلی کی طرح ہٹایا۔

"اچھی سوچ ہے اور خواہش تو اس سے بھی بڑھ کر اچھی ہے لیکن قسمت تمہاری یار، اس خواہش نے خاک ہی ہونا ہے۔"

اسے خلیفہ کا خود کو یوں لفظوں میں ذلیل کرنا اچھا نہیں لگا تھا آخر کار اس نے بلی تھیلے سے نکال ہی دی اور اپنی تئیں خلیفہ پر بم پھوڑا تھا۔ اسے کہیں نہ کہیں یقین تھا بیشک خلیفہ جتنی بھی بری فطرت کا مالک ہو لیکن یمن سے آنکھیں نہیں پھیرے گا۔ یہ یقین بھی اسے یمن نے ہی دلایا تھا جو پانی ثابت ہوا۔

"یمن بڑا ہی پیارا نام ہے۔"

وہ جانتا تھا اب کیا ہونے والا ہے لیکن بعض اوقات ہماری سوچ کے خلاف ہی چیزیں ہوتی ہیں جو ہمارے ہی مفاد میں جاتی ہیں۔

"بہت، کیا تم اپنی بیٹی کا نام رکھنے والے ہو؟"

یمن کا نام اس شیطان کے منہ سے سن کر وہ پل بھر کو چونکا تھا۔ اس کے قدموں کو زمین نے پکڑا تھا۔ ہزار اندیشے سر چڑھے لیکن اس نے جھٹک دیے۔

"میری بیٹی کا تو پتا نہیں لیکن ہاں تمہاری محبوبہ نے یہ نام ضرور رکھا ہے۔"

اسے خلیفہ کی متوازن آواز میں جیسے سکون ملا تھا۔ اب وہ یمن سے وہ سب اگلوا سکتا تھا جو خلیفہ کو ختم کرنے کیلیے اس کی مدد کر سکتے تھے۔

"ہاہاہا۔۔۔ بہت ناقص معلومات ہیں تمہاری۔ بائی داوے سب جانتے ہیں خلیفہ تبریز کی زندگی میں کسی عورت کی گنجائش نہیں۔"

اس کے یہ الفاظ سن کر خلیفہ سے بات کرنے کو بیتاب یمن ایک دم ساکت ہوئی تھی۔ اس کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔

"بالکل سب ایسا ہی جانتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ اس "کسی" میں یمن حیات نہیں آتی۔"

خلیفہ کی رگوں میں خون ٹھوکریں مارنے لگا تھا۔ اس کا سانس تیز تر ہوا۔ نتھنے پھول پچکنے لگے۔ گجی لطف اٹھا رہا تھا خلیفہ کی نہیں یمن کی حالت سے۔

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟"

اس کا ضبط جواب دے رہا تھا۔ یمن کے معاملے میں وہ اپنا ضبط کھو ہی جاتا تھا تبھی لہجے کو ہزار جتن کر کے متوازن کیا اور وہیں کھڑے کھڑے پوچھا لیکن اگلی جو بات اس نے کی وہ خلیفہ کی جان نکالنے کیلیے کافی تھی۔

"یہی کہ تمہاری یمن میرے پاس ہے۔"

خلیفہ کو لگا جیسے آس پاس سب گھوم گیا ہو۔ زمین کی گردش میں شدت آئی ہو۔ اسے اپنے چار دن پہلے کی

حالت اب سمجھ آئی تھی تو یعنی اس سب کا تعلق یمن سے ہی تھا۔اگر یمن کو کچھ ہوا تو بخدا وہ سب کچھ تباہ کرڈالے گا۔اسے بولنے میں مشکل درپیش آرہی تھی لیکن اسے بولنا تھا بے نیاز ہوکر بولنا اس وقت بیحد ضروری تھا،یمن کیلئے اس کی حفاظت کیلئے خلیفہ کا بے نیاز ہوکر بولنا بیحد ضروری تھا۔

"میں کسی یمن کو نہیں جانتا۔" اس نے لاتعلقی ظاہر کی۔اس کی لاتعلقی یمن کے دل پر گراں گزری تھی۔اس کا سیل رواں جاری ہوا۔محبت میں اس سے بڑی ٹھوکر شاید ہی کسی نے کھائی ہو۔کوئی اس حد تک بھی منکر ہوسکتا تھا ہاں وہ ہوسکتا تھا کیونکہ وہ خلیفہ تھا۔

"کاش ایسا ہی ہوتا لیکن سن لو،اگر کل صبح تک تم میرے پاس نہ آئے تو ایک خوبصورت سے گفٹ باکس میں ایک خوبصورت سا سر تمہارے گھر کی دہلیز پر ہوگا۔"

وہ اپنے تئیں اسے ڈرا کر تھوڑی بہت محبت کی تپش کو محسوس کرنا چاہتا تھا لیکن وہ جانتا نہیں تھا اس کی اس بات سے کوئی پورا جل گیا تھا۔خلیفہ نے دل کے مقام کو تیزی سے الٹے ہاتھ سے رگڑ کر اسے جواب دیا۔

"میں انتظار کرونگا۔" کہتے ہی اس نے فون بند کردیا تھا۔اس سے آگے سننے کی اس میں تاب نہ تھی اس سے آگے تو یمن بھی نہیں سن سکتی تھی۔کتنی بڑی چوٹ کھائی تھی اس نے محبت کی راہ میں۔ثوبیہ ٹھیک ہی کہتی تھی کہ مرد مرد ہوتا ہے۔وہ کبھی بھی کسی ایک عورت پر قناعت کرکے بیٹھ نہیں سکتا۔کاش اس نے ثوبیہ کی بات مانی ہوتی تو آج یہ ذلت ورسوائی اس کے مقدر میں نہ ہوتی۔

گجی نے فون بیڈ پر اچھالا اور چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ کر بولا۔

"اب بھی اس پر پردہ ڈالوگی،دیکھ لو کیا نکلا تمہارا خلیفہ۔"

وہ کسی تماشائی کی طرح اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔اس کا آدمی یمن کے ہونٹوں پر سے اپنے ہاتھ ہٹا چکا تھا۔یمن نے بھیگی آنکھوں اور بھیگی آواز کے ساتھ اسے جواب دیا۔

"وہ بیوفائی کررہا ہے تو اس کا مطلب ہے میں بھی ایسا ہی کروں۔میں کچھ نہیں بولوں گی چاہے پھر تم مجھے مار ہی کیوں نہ دو۔اب فرق بھی کیا پڑتا ہے زندگی سے یا موت سے۔"

اس نے آخری الفاظ کہہ کر گجی کو تپ پا کردیا تھا۔وہ اسے ہیوی نشے کا ڈوز لگانے کا کہتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

یمن کی سماعتوں پر ایک آواز ہتھوڑے کی طرح برسنے لگی۔

"اگر وہ تم سے محبت کرتا تو تمہاری حفاظت کرتا۔ یہ کیسی محبت ہے کہ وہ چار دن سے تم سے بے نیاز ہے مان جاؤ خوبصورت چڑیا۔ خلیفہ ڈال ڈال پر بیٹھنے والا پنچھی ہے جو چھوڑنے میں وقت نہیں لگاتا۔"

"میں کسی یمن کو نہیں جانتا۔"

اس کے حواس پھر سے مختل ہونے لگے تھے۔ گہری وادیوں میں جانے سے پہلے اسے ایک آخری آواز سنائی دی تھی۔

"میں انتظار کرونگا۔"

☆......☆......☆

رات کی تاریکی میں اس فیکٹری کی عمارت پوری آن بان شان سے کھڑی تھی۔ لائیٹس ایسے جگمگا رہی تھیں جیسے وہ کسی بادشاہ کا محل ہو۔ اس محل سے ایک میٹر دور ایک وین آ کر رکی اور اس کا بیک ڈور کھول کر سیاہ کپڑوں والی اسلحہ بردار فورس بلی کی چال چلتی ہوئی باہر آئی۔ وہ اپنی راہ فلز کی نال سیدھی کئے ایک لائن میں تھوڑے جھکے آگے بڑھ رہے تھے۔ مضبوط بوٹوں کو جما کر زمین پر رکھا جا رہا تھا ایسے کہ صرف پتھروں کے گرنے کی آواز اٹھتی ان کے قدموں کی نہیں۔ تیس افراد پر مشتمل وہ فورس وین میں بیٹھی معروش کی ہدایت پر آگے بڑھ رہی تھی۔ اس وین کے اوپر ان کا ایک سنائپر بیٹھا ہوا تھا۔ معروش اس فورس کے لیڈر کے ساتھ ساتھ اس سنائپر کو بھی ہدایت دے رہی تھی۔ وہ کیمرے میں دیکھتی اسے کہہ رہی تھی۔

"عبدل، تمہارے رائٹ میں فیکٹری کی چھت کے اوپر۔" اس کی آواز سنتے ہی ان کی چھت پر گرگٹ کی طرح لیٹا عبدل اس کی آواز پر ذرا سا سرکا اور اور نشانہ تاک کر ٹریگر دبا دیا۔ بغیر آواز کے گولی نکلی اور اس شخص کو ڈھیر کر گئی۔

"ویل ڈن عبدل۔" معروش نے اس کو سراہا اور تیس افراد کی ٹیم کو آگے لے کر بڑھتے حفیظ سے کہنے لگی۔

"راستہ صاف ہے حفیظ، آگے بڑھو۔"

وہ لوگ فیکٹری کے گیٹ سے کچھ دور تھے جس کے باہر موجود گارڈز کو معروش کی ہدایت پر ڈھیر کر دیا گیا تھا۔

اس کا چھوٹا سا ڈرون وین میں لگی اسکرین میں سب دکھا رہا تھا۔ وہ قدِ آدم گیٹ کو خالی پا کر اسے آرڈر دے رہی تھی۔

"راجر باس۔" کہتے ساتھ ہی حفیظ نے اپنے آگے کھڑے سپاہی کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ پستول میں سے نکلی گولی کی طرح آگے بڑھنے لگا۔ اس کے آگے جاتے ہی تمام سپاہی اس کے پیچھے ہو لیے۔ وہ لوگ تھوڑا جھکتے ہوئے بندوقوں کو تھامے گیٹ کے پاس دائیں بائیں آ کر رکے۔ حفیظ کے اشارے پر اس کے ساتھی نے سر کو ہلایا اور گیٹ کو اپنے انگلیاں چھلکاتے سیاہ گلوز والے ہاتھوں سے دھکیل کر یہاں وہاں دیکھے بغیر اندر بڑھ گئے۔ اندر آتے ہی حفیظ نے ہاتھ کو گول گول گھمایا تھا یعنی آدھے دائیں بکھر جائیں اور آدھے بائیں، ایسا ہی ہوا طویل صحن جس میں ڈھیروں ٹرک کھڑے تھے کو عبور کرتے ہوئے ان میں سے ایک ٹیم فرنٹ گیٹ کی طرف آئی اور ایک بیک کی اور چل دی۔

"حفیظ! تمہاری رائٹ سائیڈ پر دو مسلح افراد کھڑے ہیں۔ بی کیئرفل۔"

وہ اپنے کان میں معروش کی آواز سنتے ہوئے تھوڑا آگے کو کھسکا اور دیوار کی آڑ میں ہو کر تھوڑی سی گردن باہر نکالی۔ وہاں واقعی دو افراد آٹو میٹک رائفل لے کر کھڑے تھے۔ وہ سیاہ فام تھے جنہوں نے بغیر بازو کے جیکٹیں پہنی ہوئی تھیں۔ دونوں کے سر بالوں سے عاری تھی اور برہنہ بازو بدرنگے ٹیٹو سے سجے ہوئے تھے۔ حفیظ نے محتاط انداز میں اپنی رائفل کی نال دیوار سے ٹکائی اور ایک آنکھ کو میچ کر نشانہ باندھ دیا۔

"ٹھاہ۔ ٹھاہ"

پہلے ایک اور پھر دوسرا نیچے گرا تھا۔ سائلنسر لگے ہونے کی وجہ سے آواز پیدا نہیں ہوئی تھی بس تھوڑی سے وائبریشن تھی جس نے ماحول میں ارتعاش برپا کر دیا تھا۔ گیٹ کی دائیں بائیں بنی چوکی اس وقت خالی تھی اور وہاں کیمرے پر مامور افراد جہنم واصل ہو چکے تھے۔

"ہمیں گائیڈ کریں آگے کیا کرنا ہے، آپ کو جو بھی بتانا ہے جلدی بتانا ہو گا ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔"

معروش نے حفیظ کی آواز سنتے ہی اسکرین پر چاروں جانب نگاہ دوڑائی پھر وہ خود کو کہتے ہوئے سن رہی تھی۔

"ٹھیک ہے اٹس شو ٹائم۔"

حفیظ نے اشارہ ملتے ہی فرنٹ گیٹ کو کھول کر دھاوا بول دیا۔اندر آتے ہی انہوں نے فائرنگ شروع کر دی تھی۔ہزاروں کی تعداد میں مشینوں میں لگے مزدور اس اچانک افتاد پر اپنے سروں پر ہاتھ رکھے نیچے بیٹھ گئے تھے۔خلیفہ کے خاص بندوں نے جب پولیس کا حملہ دیکھا تو اپنی اپنی بندوقیں سنبھال لیں۔اس چیز کی پرواہ کیے بغیر کہ یہاں اور بھی ڈھیر سارے ایسے انسان ہیں جو قطعی بے قصور ہیں۔دونوں طرف سے فائرنگ کی گئی لیکن چونکہ فیکٹری میں موجود خلیفہ کے بندے اس چیز کیلئے تیار نہیں تھے اس لئے انہیں ہار کا سامنا کرنا پڑا۔

پولیس انہیں چاروں جانب سے گھیر چکی تھی۔بچاؤ کی کوئی راہ نہیں تھی اسی لیے اپنے ہاتھ اوپر کیے وہ بندوقوں کو گرا چکے تھے۔حفیظ کی پکار پر باقی رینجر کا انتظام کیا گیا اور فیکٹری میں موجود تمام جرائم پیشہ افراد کو حراست میں لے لیا گیا۔معروش کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔وہ اس گاڑی سے اتر کر بے قراری سے اندر بڑھی تھی۔اس کا اور نوفل کا رابطہ صبح سے نہیں ہوا تھا۔اس نے قسم کھائی تھی کہ اگر نوفل ان حراست شدہ لوگوں میں پایا گیا تو وہ اس سے آنکھیں پھیر لے گی۔بالکل بھی شناسائی نہیں جتائے گی ذرا اسے بھی تو سزا ملے۔

اس نے اندر آتے ہی ان تقریباً پانچ ہزار مزدوروں کو دیکھا جن میں اس کا نوفل شامل نہیں تھا۔ایک ٹھنڈی اور آسودہ سانس اس نے خارج کی تھی۔

"یہاں پر کپڑا بنانے کے علاوہ اور کیا کام ہوتا ہے؟" اس نے اونچی آواز میں سب سے دریافت کیا تھا۔

اس کی اس باز پرس سے ان مزدوروں میں بیٹھا خلیفہ کا بندہ دانت کچکچا تا رہ گیا۔وہیں سے چلایا۔

"آپ لوگ اس طرح اپنی من مانی نہیں کر سکتے، کیسے آپ لوگ ایک کپڑا بنانے کی فیکٹری پر ریڈ ڈال سکتے ہیں۔یہ ناانصافی ہے اس کے خلاف آواز اٹھائی جائے گی۔"

معروش نے ایک ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔وہ پانچ ہزار لوگ اس کے جوانوں کے بندوقوں کی نال تلے بیٹھے تھے۔معروش لوگوں کو پھلانگتے ہوئے اس تک پہنچی اور جھک کر اسے کالر سے پکڑ کر اٹھایا۔

"کیا واقعی یہ صرف کپڑے کی فیکٹری ہے؟" وہ اس ہٹے کٹے انسان کی موٹی آنکھوں میں آنکھیں گاڑے پوچھ رہی تھی۔اس آدمی نے نظریں نہیں جھکائیں۔

"بالکل۔" وہ پورے وثوق کے ساتھ کہتا انہیں گمراہ کرنا چاہتا تھا۔معروش نے تھرڈ فلور سے اپنے آدمی کی

آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔

"یہاں پر ہمیں کچھ ملا ہے۔" وہ وہیں سے چیخ کر بولا۔

"اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔" اس نے اس کا گندا کالر اپنے گلوز میں چھپے ہاتھوں سے جھٹکا۔ وہ آدمی لڑکھڑاتے لڑکھڑاتے بچا۔

"یہ سب سازش ہے۔ایک گھناؤنی سازش خلیفہ تمہیں نہیں چھوڑے گا۔" آخری جملہ اس نے زیر لب بولا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی شلوار میں اڑسی چھوٹی سے پسٹل نکالی تھی۔اس سے پہلے وہ معروش پر نشانہ تانتا ایک گولی اس کے سر کا کچومر کر گئی۔پانچ ہزار لوگوں کے بیچ اس نے برق رفتاری سے اپنی پسٹل نکال کر اس کے سر کا نشانہ لیا تھا۔اس کا گندا خون جا بجا بکھرا، کچھ چھینٹے معروش کی یونیفارم پر بھی آکر گرے تھے۔اس آدمی کے آس پاس بیٹھے لوگ اس کے گرنے سے پہلے ہی بکھر گئے۔معروش نے ایک قہر بھری نگاہ اس آدمی پر ڈالی اور اس کی لاش کے اوپر سے پھلانگتی ہوئی اپنے پیچھے چلتے چار لوگوں کی معیت میں تیسرے فلور پر پہنچی جہاں قدم رکھتے ہی اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"اوہ۔۔۔ مائی۔۔۔ گاڈ۔" اس نے توڑ توڑ کر یہ الفاظ ادا کیے تھے۔اس کی آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے شیشے کے کنٹینرز میں ہر طرح کے خطرناک نشے کے پودے پروان چڑھ رہے تھے۔ڈاکٹرز کے کپڑوں میں ملبوس چند افراد اپنے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنے سر جھکائے کھڑے تھے۔بڑے سے ہال میں سیدھی سفید لمبی میزوں پر بھاری تعداد میں پیکٹس میں ڈرگز پڑی ہوئی تھی اور کچھ ایسے ہی ڈھیر کی صورت میں رکھی ہوئی تھی۔ معروش کے ماتھے پر پسینہ چمکنے لگا۔اس نے اپنے پاؤں کو حرکت دی اور سیاہ گلوز اتار کر سفید ٹرانسپیرنٹ گلوز پہنے اور اس سفید پاؤڈر کو اٹھا کر دور سے سونگھا۔تیز چبھتی ہوئی بو نے اس کے دماغ کو سنسنا دیا تھا۔

"خلیفہ تبریز کی ریڑھ کی ہڈی پر وار ہوا ہے، بلبلائے گا ضرور۔" اس نے حفیظ سے کہا تھا۔پھر آنکھوں میں فتح کا خمار لیے اس نے منع ہونے کے باوجود لائیو کوریج کا آرڈر دے دیا۔کچھ دیر بعد میڈیا والے شہد کی مکھیوں کی طرح یہاں وہاں منڈلا رہے تھے۔دی تبریز ٹیکسٹائل انڈسٹری کے کالے کرتوتوں کو بڑا مرچ مسالہ لگا کر دنیا کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا۔معروش ان سب کو پیچھے چھوڑ آگے بڑھ رہی تھی۔اس نے اپنے سر سے حفاظتی کیپ اتار

دی۔اس کا سٹول میں قید چہرہ آسودگی کی چمک سے تمتمارہا تھا۔اس نے چلتے ہوئے آنکھیں بند کر کے کھولیں اور مسکرادی۔

☆......☆......☆

یہ ایسا دن تھا جس کا اسے برسوں سے انتظار تھا۔اس دن کیلئے اس نے کڑی محنت کی تھی اور اب جب اسے محنت کا پھل اسے ملا تھا تو تب بھی وہ اندر سے اتنی خوش نہیں تھی جتنا اسے ہونا چاہیے تھا۔طویل تھکا دینے والی رات کو گزار کر وہ اعلی الصبح گھر آئی تو تب بھی نوفل وہاں موجود نہیں تھا۔وہ شاور لینے واش روم میں گھس گئی۔اس سے کافی دور نوفل نماز سے فارغ ہو کر عمران کے ساتھ اس کے گھر کی طرف رواں تھا جو اسے لعنت ملامت کر رہا تھا۔

" تف ہے تجھ پر اور تیری ناراضی پر۔دیکھا بھی ہے تو نے ٹی وی پھر بھی اس سے خفا ہو رہا ہے۔مان جا نوفل وہ تیری جان بچانے کی خاطر کہہ رہی تھی۔"

رات کے آخری پہر ان دونوں نے موی ختم کر کے جیسے ہی نیوز چینل لگایا تو نوفل اچھل کر آگے کو ہوا۔وہ آنکھیں پھاڑے اور منہ کھولے یہ عجیب وغریب خبر سن رہا تھا جس نے اس کے ہاتھوں کے بال کھڑے کر دیے تھے۔عمران نے گردن گھما کر اسے دیکھا اور پوچھا۔

" تمہیں کیوں جھٹکے لگ رہے ہیں اس خبر سے۔" وہ آواز میوٹ کرتے ہوئے اس سے دست سوال تھا۔

نوفل کو اچانک اپنی غلطی نہیں فاش غلطی کا احساس ہوا تھا لبوں کو جنبش دی۔

" میں اسی فیکٹری میں جاب کیلئے گیا تھا۔انفیکٹ تقریباً اپائنٹ ہو گیا تھا۔" وہ آنکھوں و لہجے میں حیرت اور شرمندگی لیے عمران کی جانب دیکھ کر گویا ہوا۔سارا معاملہ وہ سمجھ چکا تھا۔

" اوہ اب سمجھ آئی، میں نہیں کہہ رہا تھا تو ناحق بھابھی سے ناراض ہو رہا ہے۔ضرور کوئی بڑی وجہ ہو گی جو وہ تمہیں منع کر رہی ہیں ورنہ کون سی بیوی ہوتی ہے جو اپنے شوہر کو کام کرنے سے روکے۔"

رات بھر وہ نوفل کو اس کے فعل کیلئے ملامت کرتا رہا تھا اور اب نماز پڑھنے کے بعد پھر سے اس کی پھٹکار کا سیشن شروع ہو چکا تھا۔نوفل اپنی جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سر جھکائے چل رہا تھا۔اسی انداز میں بولا۔

" ہاں میں کب اس بات سے منکر ہوں وہ میری فکر کرتی ہیں۔کرنی بھی چاہیے لیکن تمیز کے دائرے میں رہ

کر۔" آخری الفاظ اس نے بڑبڑاتے ہوئے ادا کیے پھر بولا۔

"میں شوہر ہوں، معروش کی ساری فکریں میرے لیے ہی ہونی چاہئیں لیکن۔۔۔" وہ چپ ہو گیا تھا۔

عمران نے گردن اس کی جانب گھمائی۔

"لیکن کیا؟"

نوفل رک گیا رک کر اس کی طرف گھوما اور کہنے لگا۔

"لیکن اب میں کیا کروں۔ کیسے فیس کروں گا انہیں، پورا دن پوری رات نہیں رہا گھر وہ تو بہت خفا ہوگی مجھ سے۔تم نے دیکھا تو تھا اس دن۔"

اس کی بے بسی پر عمران بھی پریشان ہوا تھا۔معروش کا پچھلا ردعمل وہ کیسے بھول سکتا تھا۔اس نے جھرجھری بھری۔

"یار شکر کر، وہ تجھ پر شک نہیں کرتیں ورنہ بہت مشکل ہو جاتی، معاملہ تو گڑبڑ ہے اب تجھے ہی اسے نبٹانا ہوگا جو بھی ہے بھابھی ہیں ڈائنامائٹ۔"

نوفل نے کھا جانے والی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"یہ تم مجھے حوصلہ دے رہے ہو یا اور ڈرا رہے ہو۔"

عمران نے کڑوی کسیلی نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے دیکھا اور چلتے ہوئے کہنے لگا۔

"تف ہے یار، تم بھی وہی نکلے جورو کے غلام۔ایک میں کیا کم تھا۔" وہ جلے کٹے انداز میں کہتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔وہ انتہائی بیزار کن انداز میں آگے بڑھا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر روک لیا۔

"یار، میری مدد کرنے کی بجائے تم بھاگے جا رہے ہو۔میری تو پہلی اور نئی نئی شادی ہے۔مجھے بتاؤ میں کیسے مناؤں معروش کو۔" وہ الجھن آمیز لہجے میں گویا ہوا تھا۔ان کے سروں کے اوپر سرخ آسمان گلابی پن میں ڈھلنے لگا اور پرندوں کا شور ایک میوزک کی طرح اطراف میں بجنے لگا۔

"واہ بھئی واہ، کہہ تو ایسے رہے ہو جیسے میں چار بھگتا کر بیٹھا ہوں۔اچھا اب ایسی مسکینی صورت مت بناؤ سوچتا ہوں کچھ۔" وہ اپنی ٹھوڑی کھجاتے ہوئے لمحے بھر کو مراقبے میں گیا اور پھر ہتھیار ڈالتے ہوئے بولا۔

"دیکھ، اگر تو مجھے ایسے پاگلوں کی طرح تکتا رہے گا تو میں کیسے سوچ پاؤں گا۔" وہ جھنجلاتے ہوئے بولا تھا۔

نوفل نے کڑوا سانس اندر کھینچا اور دوسری طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔

"آفرین عمران آفرین۔" سینے پر بازو باندھے وہ جلا بھنا پریشان سا تھا جب اس کی نگاہ فٹ پاتھ پر بیٹھے بوڑھے آدمی پر پڑی۔ وہ پھولوں سے سجی چھوٹی ٹوکریاں اور بکے لے کر بیٹھا تھا۔ نوفل کی آنکھیں انہیں دیکھ کر چمکیں۔

"کیوں نہ میں معروش کیلئے پھول لے جاؤں۔" اس کی آواز چہکتی ہوئی تھی۔ عمران کا مراقبہ ٹوٹا اور وہ گھوم کر اس کے سامنے آیا پھر بے یقینی سے پھولوں والے کو اور نوفل کو دیکھا اور اپنی گوہر افشانی کرنے لگا۔

"بھائی جی، یہ طریقہ بوگس ہو چکا ہے لڑکیاں اب ان پھولوں سے نہیں مانتیں۔"

نوفل نے بڑے اعتماد سے اسے دیکھا اور فخر سے بولا۔

"لڑکیاں نہیں مانتی ہوں گی لیکن بیویاں تو مان جاتی ہیں ناں۔"

عمران نے اس کے چہرے کو بڑے غور سے دیکھا اور پھر مسکرانے لگا۔

"چل میرے چیتے کود پڑ میدان جنگ میں۔"

عمران نے کہا تھا کہ بیوی کو اگر اپنے آگے زیر کرنا ہے تو اچھی۔۔۔ اُم۔۔۔ نہیں بلکہ بہت اچھی سی ڈریسنگ کر کے خود کو پرفیوم میں ڈبا کر ان کے سامنے جانا چاہیے۔ ایک بڑی سی مسکان چہرے پر سجانی چاہیے اور آنکھوں میں محبتوں کا جہاں سجا کر خود کو ان کے سامنے پیش کرو لیکن تھوڑے بے نیاز بھی رہو۔ اس سے گریس آتی ہے۔

نوفل بیچارے نے عمران کے دوست کے لکھے گئے بیوی کو زیر کرنے کے ایک سو ایک اصول میں سے وہ اپنایا جو وہ بیچارہ افورڈ کر سکتا تھا۔ اس نے عمران کی بہترین سیاہ پینٹ، نئی نکور ان ٹچ برینڈ کی گرے شرٹ اور جیکٹ زیب تن کی جس میں سے اس کی شرٹ کے بازو اور پیچھے کی گولائی جھلک رہی تھی۔ بالوں کو اور چہرے کو وہ پہلے ہی چمکوا آیا تھا۔ اس کے بالوں کو باربر نے ایڈورڈ (ٹوائے لائٹ کے ہیرو) والے سٹائل میں جما دیا تھا۔ گرے جوگرز پہنے ہاتھوں میں وہ وائٹ ٹیولپس پکڑے عمران کے سامنے تھا جو سیٹی بجاتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

"واہ بھئی تم تو لاشیں گرانے کی تیاریوں میں ہو۔"

عمران کے تبصرے پر اس نے منہ بسورا تھا۔
"خدانخواستہ ایسا کوئی ارادہ نہیں میرا۔ بس تم دعا کرو معروش غصہ نہ کرے۔" وہ پھول اٹھاتا اس کے ساتھ پورچ میں آیا اور اس کے ساتھ الجھتے ہوئے اس کی بائیک پر پیچھے بیٹھنے لگا۔
"او بھائی۔ وہ تو پلک جھپکنا بھول جائیں گی ڈیمو کیلئے تمہیں اس لیے تو اس پر سوار کیا ہے۔" وہ اپنی ہیوی بائیک کو وہاں سے اڑا لے گیا۔ نوفل نے دیکھا سگنل پر رکے رہنے کی وجہ سے بہت سی ستائشی اور بے خود و بیباک نظریں اسے تک رہی ہیں۔ اس میں اعتماد طوفان کی طرح سر چڑھا۔ اس کے دماغ میں عمران کے دوست کی بیوی کو زیر کرنے کے ایک سے ایک اصولوں پر مبنی لکھی کتاب کے چند الفاظ گونجنے لگے۔
"بیوی کو ہمہ وقت یہ احساس دلاؤ کہ تم اب بھی اویلیبل ہو۔ تمہاری ڈیمانڈ بالکل کنوارے لڑکے کی طرح ہے۔ اسے اس کی قدر نہیں تو ٹھیک ہے وہ اسلام کے سنہرے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے دوسری بیاہ لائے گا۔"
دوسری بیوی کے تذکرے پر اس نے لاحول ولا پڑھی تھی۔ بائیک گھر کے باہر آ کر رکی تو نوفل کنفیوز سا عمران سے بولا جو جانے کو پر تول رہا تھا۔
"یار تم بھی آؤ نا میرے ساتھ۔"
عمران نے چابی لگا کر ہلکی سی ریس دی اور بائیک کو اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔
"نا بابا، اپنے گھریلو جھگڑے تم خود ہی سنبھالو۔ میں تو بس یہیں تک تمہارا ساتھی تھا۔ بھابھی مان جائیں تو مجھے انفارم ضرور کر دینا۔"
وہ بائیک ہوا کے دوش پر اڑا لے گیا۔ نوفل نے گہری سانس بھری اور گیٹ کو کھول کر اندر آ گیا۔ وہ دبے قدم چل رہا تھا کہ کہیں نانو اسے پکڑ نہ لیں۔ شکر خدا کا کہ نہ ہی گیٹ لاک تھا اور نہ ہی نانو سے اس کا ٹاکرا ہوا۔ فجر کی نماز میں دل جمعی سے مانگی جانے والی دعا نے اپنے رنگ دکھائے تھے۔ وہ پھولوں کو مضبوطی سے تھامتا اپنے کمرے کے دروازے کے پاس آ کر رکا۔ گہرا سانس بھر کر گرل سے نیچے کو جھانکا اور پھر دروازہ دھکیلتا اندر داخل ہو گیا۔ وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا معروش اسی پل واش روم کا دروازہ کھول کر باہر آئی تھی۔ اس نے لمبی ٹی شرٹ اور کھلا ٹراؤزر پہنا ہوا تھا۔ وہ اپنے بال سفید تولیے سے رگڑ رہی تھی۔ ایک اچٹتی، سرسری، بیحد سرسری نگاہ

نوفل پر ڈال کر وہ ڈریسنگ ٹیبل کی طرف مڑ گئی۔ اعتماد سے پر نوفل کی ساری خوش فہمی کے غبارے سے ہوا نکلی اور وہ سارے اندیشے جو تمام راستے اس کے دل و دماغ پر چھائے رہے تھے پورے وجود کے ساتھ ان دونوں کے درمیان آن کھڑے ہوئے۔ نوفل کو لگا اس کے ہاتھ میں تازہ سفید ٹیولپس مرجھا گئے ہوں۔

اس نے ایک مایوس کن نگاہ اپنے لش پش سراپے پر ڈالی اور چھوٹے چھوٹے قدم چلتا معروش کے عین پیچھے آکر کھڑا ہو گیا۔ اس نے بات کے آغاز کیلئے اپنا گلا کھنکارا تھا۔

"آپ کے شیمپو کی خوشبو اچھی ہے۔ کون سا ہے بھلا؟" کہنا کیا تھا کہہ کیا دیا۔ وہ اپنے بے تکے سوال پر گردن کی پشت کھجانے لگا۔ معروش نے اسے ایسے اگنور کیا جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔

"اوہ مجھے یاد آیا میں یہ آپ کیلئے لایا تھا۔" وہ جلدی سے وہ پھول اس کے سامنے کر کے بولا۔ معروش یونہی بالوں کو تولیے سے خشک کرتی رہی اس کے بعد وہ ڈرائیر مشین اٹھا رہی تھی۔ مشین کا سوئچ لگا کر وہ اپنے بالوں کو سکھانے لگی۔ نوفل کو اس کا اگنور کرنا بری طرح کھلا۔

"خود کو بیوی کے سامنے بے نیاز ثابت کرو اس سے گریس۔۔۔" نوفل نے اس سوچ کو بری طرح ڈپٹا۔

"بھاڑ میں جائے گریس، ایسی کی تیسی اس گریس کی۔" وہ منہ بناتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ یہاں تو وہ اس کو دیکھنے کی روادار نہیں تھی اور بات ہو رہی تھی گریس کی۔ نوفل نے پھولوں کو ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا اور اس کے ہاتھ سے بلو ڈرائیر لینے لگا۔

"لائیں میں سکھا دیتا ہوں۔"

ابھی اس نے بلو ڈرائیر پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ معروش نے بری طرح اس کے ہاتھ کو جھٹک دیا اور درشت لہجے میں بولی۔

"مجھ سے دور رہو تم۔"

اس نے نوفل کے دل کو تار تار کیا۔ اسے تو لگا تھا جس طرح باہر کی لڑکیاں اسے آہیں بھر کر دیکھ رہی ہیں معروش بھی فوراً پگھل جائے گی لیکن وہ بھول گیا تھا۔ وہ معروش تھی اس کی بیوی کوئی باہر کی لڑکی نہیں۔

"یہ کیسے ممکن ہے بھلا اور میں پہلے بھی تو آپ کے بال سکھاتا آیا ہوں۔" معروش نے چلتی مشین کو پرفیوم کی

شیشیوں کے ساتھ پٹخا اور سینے پر بازو باندھ کر چبھتی نظروں سے اسے دیکھ کر بولی۔

"تو یعنی اب تم مجھے جتاؤ گے۔"

وہ اس کے اس انداز پر ٹپٹا گیا۔

"نہیں ہرگز نہیں بالکل بھی نہیں اور میں نے ایسا کہا بھی نہیں ہے۔" وہ غصہ، ناراضگی اور چند دن کی بول چال بالکل بند اس کے چہرے پر پڑھ چکا تھا۔ اس نے گھبرا کر فوراً سے اس کا ہاتھ تھاما۔ معروش نے ایسے کرنٹ کھا کر اس سے ہاتھ چھڑوایا جیسے خدانخواستہ وہ اس کیلئے نامحرم ہو۔

"خبردار، خبردار، اگر تم نے مجھے ٹچ بھی کیا تو۔ تمہیں بالکل شرم نہیں آئی میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے۔"

نوفل کے چہرے کے تاثرات اچانک سے بدلنے لگے۔ پہلے حیرانگی دری، پھر بے یقینی اور اس کے بعد غصے کی سرخی۔

"شوہر ہوں میں آپ کا، لفظوں پر غور کریں اپنے۔" اس نے احتجاج کیا تھا۔ اس کی پیاری سی مسکان غائب ہو چکی تھی۔ ہتک اس کے پورے بدن پر خول کی طرح چڑھ گئی۔

"اوہ بہت جلدی یاد آگیا۔" کہتے ساتھ اس نے ایسے انداز میں اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا کہ وہ لمحے بھر میں اس کی سوچ کو بھانپ گیا۔

"مجھے تو لگا کسی کے پکے والے بوائے فرینڈ بن چکے ہو۔"

پوری چھت ہی نہیں بلکہ پورا آسمان تھا جو نوفل کے سر پر آن گرا تھا۔ وہ بولنے کے قابل نہیں رہا۔

"شکر ہے بھابھی تجھ پر شک نہیں کرتیں، ورنہ میری بیوی تو آئے روز گھر سے باہر رہنے پر مجھ پر بے وفائی کا ٹھپہ لگا دے۔"

عمران کے الفاظ تیز خنجر کی طرح اس کے سینے میں پیوست ہوئے تھے۔ یہ آخری بات تھی جس کی وہ اس سے توقع کر رہا تھا۔ نوفل نے بے یقین نظروں سے معروش کو دیکھا پھر اچانک سے اپنی صفائی دینے لگا۔

"ایسی بات نہیں ہے معروش! میں ایسا مر کر بھی نہیں سوچ سکتا میرا یقین۔۔۔" اس کے الفاظ منہ میں ہی دم توڑ گئے۔ وجہ معروش کا پھر سے اوپر سے نیچے تک تیر والی نظروں سے اسے دیکھنا تھا۔

"نو، نو آپ غلط سوچ رہی ہیں۔ یہ سب تو آپ کیلیئے تھا آپ کو منانے کیلیئے، یہ کپڑے یہ جوتے یہ سٹائل یہ پھول۔ یہ سب آپ کو منانے کیلیئے ہی تھا۔ یقین نہیں آتا تو میں ابھی عمران سے آپ کی بات کروا دیتا ہوں۔ میں کل رات سے اس کے پاس ہی تھا۔"

بولتے بولتے اچانک اسے لگا وہ بالکل ہی جھک گیا ہے بیکار ہو گیا ہے۔ وہ اس کا شوہر ہے نہ کہ اس کی بیوی جو اسے وضاحتوں پر وضاحتیں دے رہا ہے اور پھر بھی سامنے والی کی آنکھوں پر بے اعتباری ہے اگر وہ کریکٹر لیس ہوتا تو بھی بات تھی لیکن یہاں تو وہ شفاف دامن کے ساتھ بھی اس کی نظروں میں اپنے لیے صفائی نہیں دیکھ پایا تھا۔ تبھی اس نے جھٹ سے اپنی ٹون بدلی۔ عمران کے دوست کے تحریر کردہ گھٹیا اصولوں (کم از کم اسے تو گھٹیا ہی لگے تھے) میں سے ایک کو پکڑا اور اسی کی طرح سینے پر بازو باندھ کر چہرہ سخت بنا کر کہنے لگا۔

"لیکن ایک منٹ، میں آپ کو وضاحتیں کیوں دے رہا ہوں یا میں آپ کو منانے کے جتن کیوں کر رہا ہوں جبکہ اصولاً تو مجھے آپ سے خفا ہونا چاہیے۔ چھوڑنے کی بات آپ نے کی، بدتمیزی آپ نے کی اور ابھی بھی کر رہی ہیں۔"

معروش نے آنکھیں چھوٹی کرتے ہوئے تحیر سے نوفل کے بدلے ہوئے انداز کو دیکھا۔ بدتمیزی والی بات اسے ہضم نہیں ہوئی تھی۔

"کیا مطلب یعنی تم کہہ رہے ہو میں تم سے بدتمیزی کرتی ہوں۔" وہ جو اس سے نہ بولنے کا عہد کر رہی تھی اس کی بدتمیزی والی بات پر بدک گئی۔ ایسی حیرانی سے اپنی جانب انگلی کر کے پوچھا جیسے وہ بدتمیزی نہیں بلکہ قتل کی بات کر رہا ہو۔

"بالکل آپ کرتی ہیں اور کر رہی ہیں۔ میں آپ کا شوہر ہوں کوئی چھوٹا بچہ نہیں جو آپ مجھ سے اس ٹون میں بات کرتی ہیں۔ آپ مجھے ہر وقت انسلٹ کرتی ہیں معروش۔" عمران کے دوست کی لکھی گئی کتاب بیوی کو زیر کرنے کا اصول نمبر گیارہ یہ تھا کہ اگر فریق آپ پر بھاری پڑ رہا ہو تو آپ اسی کا وار اسی پر الٹ دو۔ یعنی اسے بھی وہ سب گنواؤ جو وہ آپ کو گنواتا ہے۔ نوفل نے بھی ایسا ہی کیا۔ وہ جم کر ڈٹ کر رفتہ رفتہ نم ہوتی آنکھوں والی معروش کو دیکھ رہا تھا۔ جوں جوں معروش کی آنکھوں کی نمی بڑھ رہی تھی نوفل کا دل پگھلے جا رہا تھا۔

"قائن اگر تم ایسا سمجھتے ہو تو۔۔۔"

نوفل نے اس کی بات درمیان میں کاٹ دی۔

"میں ایسا سمجھتا نہیں ہوں بلکہ ایسا ہی ہے۔"

معروش نے لب کچلتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے اگر ایسا ہے تو میں تم سے بات کرنا چھوڑ دیتی ہوں۔ انفیکٹ ہم روم ہی الگ کر لیتے ہیں۔ میں نانو کے ساتھ نیچے والے روم میں شفٹ ہو جاتی ہوں۔"

نوفل کے ساتھ تو وہی کام ہوا تھا۔ آ بیل مجھے مار والا، بات اتنی بگڑ گئی اور اسے پتا بھی نہ چلا لیکن اس نے بھی ہٹ دھرمی دکھائے رکھی۔ اپنی بات پر اڑا رہا اور شوہر والا لہجہ اپنا کر رعب دارانداز میں بولا۔

"کمرے الگ کرنے سے مسئلے حل نہیں ہوتے بلکہ اپنی غلطی کو ماننے سے اس کو سدھارنے سے معاملات ٹھیک ہوا کرتے ہیں اور میں آپ کو اجازت بھی کب دے رہا ہوں کہ آپ روم شفٹ کریں یا مجھ سے بات کرنا بند کر دیں۔ آپ نے ان دونوں میں سے ایک بھی کام کیا تو میں بھول جاؤں گا کہ میں نوفل خان ہوں۔"

جیکٹ کو اتار کر اس نے صوفے پر پھینکا پھر واش روم کی طرف جاتے جاتے رکا، رک کر مڑا۔

"اور یہ پھول کسی گرل فرینڈ نے نہیں دیے ہیں بلکہ یہ میں خاص آپ کیلئے لایا تھا۔ لینے ہیں تو لیں نہیں تو باہر جا کر ڈسٹ بن میں ڈال دیں۔"

معروش کو زلزلوں کے جھٹکوں میں چھوڑتا وہ پھر سے ایک قدم آگے بڑھا پھر اچانک اس کے دماغ میں بجلی کا کوندا سا لپکا تھا۔ مڑ کر واپس معروش کے سامنے آیا۔ چند لمحے بت بنی معروش کو دیکھتا رہا پھر آگے بڑھ کر اس کی پشت پر بازو باندھ لیے۔ چار سیکنڈ کیلئے اسے ہگ کر کے وہ واپس پیچھے ہوا اور تنبیہہ انداز میں بولتے ہوئے واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

"آئندہ مت کہنا ڈونٹ ٹچ۔"

واش روم کا دروازہ اس نے ٹھاہ کی آواز سے بند کیا تھا۔

☆......☆......☆

"آ۔۔آ۔۔آ۔۔" خلیفہ نے پوری میز زمین بوس کردی تھی۔اس کے آفس کے پردے درمیان میں سے پھٹ چکے تھے۔دیواروں پر آویزاں پینٹنگز کے شیشے چکنا چور ہو گئے تھے اور ٹکڑے ٹکڑے یہاں وہاں بکھرے ہوئے تھے۔اس کے واز، کرسی فائلز نیز ہر چیز اس وقت خستہ حالوں میں تھی۔وہ چیختے دھاڑتے ہوئے اپنی شیشے کی ٹوٹی ہوئی میز کے ٹکڑے اٹھا کر زمین پر مار رہا تھا۔ایسا کرنے سے اس کے ہاتھ لہولہان ہو چکے تھے۔اس کے ٹکسیڈو کا برا حال تھا۔کوٹ کے بٹن ٹوٹ چکے تھے اور سفید شرٹ خون میں بھیگ گئی تھی۔اس کی سنہری آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا اور ہاتھوں کی رگیں ایسے پھولی ہوئی تھیں جیسے وہ ابھی پھٹ جائیں گی۔یہ چیخنا، چلانا۔یہ تباہی اس لیے نہیں تھی کہ ان کی فیکٹری پر چھاپہ پڑا تھا یا ان کا نام بلیک لسٹ میں آ چکا تھا یا پھر ابھی ابھی اسے شوکاز نوٹس جاری ہوا تھا۔یہ سب تو اس ویڈیو کے سبب تھا جو چند منٹ پہلے اس نے دیکھی تھی۔اس کی یمن کی ویڈیو، نہایت ہولناک ویڈیو۔

گجی نے ابھی صبح ہی تو اسے اطلاع دی تھی کہ اس کی یمن اس کے پاس ہے۔وہ تب سے کتنا بے چین تھا جلے پیر کی بلی کی طرح یہاں وہاں چکرا رہا تھا۔بے چینی و بے بسی سے اپنے بال نوچ رہا تھا۔وہ جانتا تھا کہ اگر یمن کسی کی نظروں میں آ گئی تو اس کے ساتھ کیا ہوگا۔وہ جانتا تھا یہ سب پھر بھی اس نے اس کی طرف پیش قدمی کی۔وہ کیوں بھول جاتا تھا کہ پیار و محبت اس کے بس کی بات نہیں ہے۔دل لگانا اس کا نصیب نہیں لیکن پھر بھی اس نے اپنے دل کو اس کے ساتھ جوڑ کر اس بے قصور پر ظلم کیا لیکن وہ اسے بچا سکتا تھا اور وہ اسے بچائے گا۔وہ اس سے منکر ہو جائے گا تبھی وہ شیطانوں کے چنگل سے چھوٹ پائے گی۔نہیں تو آئے روز وہ کسی نہ کسی درندے کا شکار ہوتی رہے گی۔

اس نے اپنے خون آلود ہاتھ چہرے پر پھیرے۔اس کی سنہری داڑھی اس سرخ رنگ میں رنگ گئی تھی جیسے دل کا خون ہوا تھا۔ویسے ہی اس کی داڑھی سے خون ٹپکنے لگا۔وہ ایک بار پھر دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر پوری شدت سے دھاڑا تھا۔

"یمن۔"

اس پکار میں اس ایک نام میں کیا کچھ نہیں تھا، اس کی زندگی اس کی سانسیں، تڑپ سب کچھ اس ایک نام میں

آن سمایا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا۔ اس کی سنہری آنکھوں میں کچھ گیلا گیلا سا ہونے لگا ہے۔ وہ دوزانوں بیٹھا تھا۔ دل کے مقام پر ہاتھ رکھے ہوئے زمین کی طرف جھکتا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں وہ ہولناک مناظر بار بار آ کر ڈیرہ جما رہے تھے جنہوں نے اس کی یمن کو اس سے چھین لیا تھا۔ اس نے آسمان کی جانب نگاہ اٹھائی۔

"میں جانتی ہوں جب تک آپ میرے ساتھ ہیں مجھے کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"خلیفہ آپ مجھ سے کتنے بے نیاز رہتے ہیں آپ کو ذرا پرواہ نہیں ہے میری۔"

"میں نہیں روک سکتی۔ خود نہیں روک سکتی۔ اپنے دل کو کہ وہ آپ کی چاہ نہ کرے۔"

"مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ کون ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ میں بس اتنا جانتی ہوں کہ مجھے خلیفہ تمریز سے محبت ہے وہ جو ایک انسان ہے۔"

بے ہنگم سوچوں نے اس کا دماغ پھاڑ دیا تھا۔ وہ اپنے دل میں اٹھتی ٹیسوں کو روکنے کیلئے آدھا جھکا ہوا خطرناک عزائم سوچ رہا تھا۔ اسی اثنا میں رمیز دروازہ کھول کر اندر آیا اور ٹھٹک گیا۔ خلیفہ کے کیبن میں سمندر خان اور رمیز ہی تھے جو بنا دستک کے آسکتے تھے۔ باقی کسی کی جرأت نہیں تھی اندر قدم رکھنے کی بھی۔

رمیز جونہی اندر آیا وہاں کا ہولناک منظر دیکھ کر ٹھٹکا گیا۔ اسے ان ٹوٹی ہوئی چیزوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ تو ٹوٹے ہوئے خلیفہ کو دیکھ کر اس کی طرف لپکا اور پنجوں کے بل بیٹھ کر اضطراری انداز میں اس کے شانوں کے گرد باز و پھیلا کر بولا۔

"خلیفے! کیا ہوا یارا۔۔ کک۔۔ کول ڈاؤن سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ آس پاس بکھرا نیم اندھیرے میں چمکتا ہوا خون دیکھ کر گھبرا گیا، اب بھی ستاروں کی طرح چمکتے سرخ خون کو نظروں میں رکھ کر کہہ رہا تھا۔ وہ سمجھا تھا خلیفہ اتنے بڑے نقصان کی وجہ سے ان حالوں میں ہے لیکن وہ غلط تھا۔

"اس نے میری یمن کو۔۔ اس کی ہمت بھی کیسے ہوئی۔"

خلیفہ کی دبی، خونی لہجے میں ڈوبی درد بھری پھنکار نے رمیز کا ماتھا ٹھنکایا تھا۔ یک بیک کئی لکیریں اس کے ماتھے پر ابھرنے لگیں۔ وہ معاملہ سمجھنے سے قاصر رہا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟"

خلیفہ نے جھکے چہرے کے ساتھ نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ رمیز کا دل اچانک ڈوب کرا ابھرا تھا۔ ان نظروں میں چیر پھاڑنے کی چاہ تھی، آگ لگا دینے کا عزم۔ وہ گھبرا گیا۔

"میری یمن کے ساتھ۔۔" اس نے سانس لینے کا وقفہ لیا خواہ مخواہ ہی اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ "اس نے اچھا نہیں کیا رمیز! اس نے مجھے تباہ کر دیا۔"

"جس طرح تم دوسروں کی عزتوں کو اچھالتے ہو ایک دن تمہاری عزت بھی اسی طرح اچھلے گی۔" ایک اور ہتھوڑا اس کے دماغ میں لگا تھا۔ اس کی بھنوؤں سے تھوڑا آگے رگ ایسے پھڑ پھڑائی جیسے بس ابھی پھٹنے والی ہو۔

"خلیفہ! باہر تباہی مچ چکی ہے، باس کی عزت۔۔۔"

خلیفہ نے بپھرے ہوئے شیر کی مانند اس کی بات درمیان میں کاٹی اور چیختے ہوئے کھڑا ہوا۔

"بھاڑ میں گئی عزت اور بھاڑ میں گیا تمہارا باس، میری یمن مرنے والی ہے اور تم مجھے یہاں نفع نقصان گنوا رہے ہو۔"

وہ آنکھیں باہر نکالتے ہوئے اسے کالر سے دبوچتا اتنی زور سے دھاڑا تھا کہ رمیز کے کان میں سیٹی بجنے لگی، اسے زندگی میں پہلی بار خلیفہ سے خوف آیا تھا۔ اس نے تھوک نگلا۔

"میں تو تمہیں۔۔۔" رمیز سے بات نہ ہی اس نے ڈرتے ہوئے لفظوں کو درمیان میں چھوڑ دیا۔

خلیفہ کی باہر نکلی آنکھیں اچانک اندر گئیں اور اس کا ہاتھ رمیز کے کالر پر ڈھیلا پڑ گیا۔ وہ کپڑے کے تھان کی طرح نیچے گرا تھا۔

"میں تباہ ہو گیا رمیز، میرا سب کچھ، میرا سب کچھ تباہ ہو گیا اور میں دی خلیفہ تبریز کچھ نہیں کر پایا۔ کچھ بھی نہیں۔" وہ لٹے پٹے انداز میں ڈھیر ہوتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کی داڑھی پر لگا خون خشک ہو چکا تھا۔ ہاں ہاتھ سے پھر بھی تھوڑا تھوڑا بہہ جاتا۔ اس کی آنکھوں میں اچانک ہار کے سائے لہرانے لگے۔ وہ شکست پا سا بولتا رمیز کو جھٹکا لگا گیا۔

"کیا فائدہ ایسی شہرت، ایسی دولت، ایسی پاور کا کوئی فائدہ ہے رمیز۔" وہ آس و نراس سے اس کے چہرے پر نظریں گاڑے پوچھ رہا تھا۔ رمیز کو بہت کچھ سمجھ آنے لگا۔

"ہوا کیا ہے؟" اس نے ایک بار پھر سے دریافت کیا تھا۔ خلیفہ نے پھر سے دل کو مسلا۔

"میری یمن میری وجہ سے برباد ہو گئی۔" اس کے اس ایک جملے میں کیا نہیں تھا۔ پشیمان کے ہر رنگ اس کی سرسراتی آواز میں پنہاں تھے۔ رمیز کو اچانک تاسف ہوا۔ یہ تو اس کا خلیفہ نہیں تھا بلکہ یہ تو کوئی ہارا ہوا جواری معلوم ہوتا تھا جو اپنا سب کچھ گنوا بیٹھا ہو۔

"ٹھیک ہے ہم کچھ کرتے ہیں۔" وہ اسے تسلی دیتے ہوئے کہہ رہا تھا اور تو کچھ تھا بھی نہیں اس کے پاس کہنے کو۔

"نہیں۔" خلیفہ نے درشتی سے اسے ٹوکا۔ "کوئی کچھ نہیں کرے گا۔ اب جو بھی ہو گا وہ مجھے ہی کرنا ہو گا اس نے آج بلایا ہے مجھے ٹھیک ہے آج جاتے ہیں پھر۔"

وہ ایک سیکنڈ میں بہت کچھ سوچ کر کھڑا ہوا تھا۔ رمیز جانتا تھا خلیفہ اکیلا ہی شیر ہے۔ اسے کسی کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ خود کو پرسکون کرتا باہر آیا تھا۔ باہر آ کر اس نے چائے آرڈر کی تھی کہ خلیفہ کی خستہ حالت اور یہ ٹوٹا بوجھا سا انداز اسے اندر تک ہلا گیا تھا۔ ابھی اسے چائے پیش ہی کی گئی تھی کہ اس نے دیکھا خلیفہ اپنے آفس سے باہر نکل رہا ہے۔ یہ وہ خلیفہ نہیں تھا جو اندر تھا یہ تو ہشاش بشاش سا خلیفہ تھا جس کے ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور جسے دیکھ کر کہیں سے نہیں لگتا تھا کہ وہ ابھی کچھ دیر قبل کس کرب سے گزرا ہے۔

سیاہ جینز شرٹ پر لانگ کوٹ پہنے آدھے بالوں کا جوڑا بنائے وہ لبوں پر نرم سے مسکان لیے گھڑی دیکھتا ہوا جا رہا تھا۔ اس کے قدم لفٹ کی جانب تھے۔ اس نے لفٹ میں جاتے جاتے راستے میں ملتے ایک دو کو مسکرا کر سر ہلاتے ہوئے ان کی بات کا جواب بھی دیا تھا۔ رمیز نے چسکی نہیں بھری۔ وہ خلیفہ کو لفٹ میں کھڑے ہوتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ آگے بڑھ کر لفٹ کا بٹن پش کر رہا تھا اور پھر سیدھا آ کر کھڑا ہوا۔ اس نے دو کھڑے رمیز کے تاثرات کو بھانپا تھا پھر اگنور کرنا مناسب جانا۔ وہ لفٹ سے باہر نکل کر اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھا۔ اس کا ڈرائیور گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے خلیفہ کو اپنا سر پیچھے گراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس نے خلیفہ کی مطلوبہ جگہ پر اسے پہنچایا تھا۔

وہ گاڑی سے اتر کر اس بیابان ایریا میں آیا جہاں دور دور تک پہاڑیاں ہی پہاڑیاں تھیں۔ اس نے اپنی

گاڑی کافی فاصلے پر رکوائی کہ سامنے تھوڑے فاصلے پر آٹھ دس گاڑیاں آدھا دائرہ بنائے کھڑی تھیں۔ان گاڑیوں کے درمیان میں گجی پہلوان کی کار کھڑی تھی جس کی بونٹ پر خلیفہ کے انداز میں بیٹھا وہ سگار کے کش بھر رہا تھا۔وہ فوج جو گجی اپنے ساتھ لایا تھا مکمل طور پر اسلحے سے لیس تھی۔خلیفہ نے ایک اچٹتی نگاہ ان پر ڈالی اور اپنی مخصوص چال چلتے ہوئے اس کے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔

"کہو کیا کام ہے تمہیں مجھ سے؟"

گجی تو سمجھا تھا۔اس ویڈیو کو دیکھ کر خلیفہ بھوکے شیر کی طرح اس پر جھپٹے گا لیکن وہ تو ٹھہرے پانیوں کی طرح پرسکون لہجے میں اس سے پوچھ رہا تھا تو کیا واقعی یمن حیات کی بھی اس کے دل میں کوئی جگہ نہیں؟ وہ الجھا۔

"دیکھو ہم دونوں کی دشمنی کوئی ایسی خاص نہیں لیکن چونکہ تم جانتے ہو بلیک مارکیٹ میں تمہارے نام کی بدولت ہمارا مال، ہمارا کیا کسی کا بھی مال ان داموں میں نہیں بکتا جن میں بکنا چاہیے ان فیکٹ ہماری تو ڈیمانڈ بھی اتنی نہیں ہے کوڑیوں کے بھاؤ ہماری ڈیلنگ ہوتی ہے جو کہ سراسر ناانصافی ہے۔"

اس نے تمہید باندھی تھی جو خلیفہ کو بیزار کرنے لگی۔

"کھرے انسان ہو تو کھری بات کرو، گھمانا پھرانا بچوں کا کام ہوتا ہے۔"

چوٹ کرنا اس کی عادت تھی سو کر دی۔گجی کے ماتھے پر ابھری ہوئی رگ ہلی تھی یعنی اسے غصہ چڑھا۔

"بات سیدھی سی ہے نوجوان، انڈر ورلڈ میں صرف ایک تم ہی حکم کے اکے نہیں ہو اور بھی بہت سے ہیں۔"

خلیفہ نے اس کی بات سن کر شانے اچکائے۔

"ہاں تو ہوں گے میں کب اس بات سے منحرف ہوں۔"

گجی اس کے بلا کے سکون سے بے سکون ہو گیا۔بونٹ سے اترا اور اس کے سامنے آ کر تن کر کھڑا ہوا۔

"جانتے ہو نا سینٹ کے الیکشن کیلئے میں نامزد ہوا ہوں۔بہت جلد جیت بھی جاؤں گا پاور ہو گی میرے ہاتھ میں۔پھر میرا بھی نیٹ ورک اتنا مضبوط ہو گا جتنا تمہارا ہے۔اوپس آئی مین تھا کیونکہ تمہاری فیکٹری تو اب ضبط ہو گئی ہے یقیناً کوبرا کی جڑیں ہل چکی ہیں۔"

وہ بھی تو چاہتا تھا یمن سے اس کی اصلی والی ڈرگ بنانے کی فیکٹری کا معلوم کرنا چاہتا تھا کہ خلیفہ کی ان تمیں

فیکٹریوں میں سے وہ کونسی فیکٹری ہے جس نے اسے آسمان پر اٹھا رکھا ہے۔ اسے بھی اور ہمارے بکاؤ سیاستدانوں کو بھی۔

"ایسے چھوٹے موٹے ریڈوں سے ہماری جانوں پر چنداں فرق نہیں پڑتا، رہی ایجنسی والوں کی بات تو انہیں بھی دیکھ لیا جائے گا۔"

اس نے گجی کے طنز کو اسی پر الٹایا۔ وہ جانتا تھا یہ شخص کیوں اور کس نیت سے اس کے پیچھے پڑا ہے۔

"چلو مان لیتے ہیں تمہاری جان پر اس نقصان سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ ٹھیک ہے لیکن کیا اس نقصان سے بھی فرق نہیں پڑا۔"

وہ مڑا تھا۔ وہ خلیفہ کے قد کے برابر نہیں تھا لیکن اتنا موٹا تھا کہ راستہ بلاک کر سکتا تھا۔ ابھی بھی جب وہ سامنے سے سرکا تو پیچھے اسے یمن دو آدمیوں کے درمیان نظر آئی۔ لٹی پٹی سی۔ اس کی یمن کے دونوں بازو ان آدمیوں کی گرفت میں تھے جن کا چہرہ خلیفہ نے اپنی آنکھوں میں اچھے سے حفظ کر لیا۔ تیز ہوا کے سبب اس کے بال اڑ رہے تھے، آنکھوں کے نیچے گہرے سیاہ حلقے اور رنگت مرجھائی ہوئی تھی۔ اس نے دھوپ میں چندھی آنکھوں سے اسے دیکھا اور دیکھ کر پہچان لیا کہ اس پر کیا کیا ظلم ڈھائے گئے ہیں۔ گجی کی موت متوقع ہے اس کا دل کہہ رہا تھا۔ خلیفہ نے اپنے باغی ہوتے دل کو تھپکی دی اور خود کو مضبوط بنا کر کھڑا رہا حالانکہ اندر سے وہ کتنا ٹوٹ چکا ہے یہ اس کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔

"یہ کون ہے؟" اس پر ایک سرسری نگاہ ڈال کر وہ اپنی جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتا ہوا پوچھ رہا تھا۔ وہ آدمی یمن کو گجی کے مقابل لا کر کھڑا کر گئے تھے۔ لبوں پر قفل لگائے وہ جھکی نظروں کے ساتھ خلیفہ کو سن رہی تھی۔

"اوہ پلیز اب یہ مت کہنا کہ تم اسے جانتے نہیں۔ یہ تمہاری گرل فرینڈ ہے۔" گجی نے اکتاہٹ سے کہا تھا۔ خلیفہ اچانک ہنس دیا۔

"یہ اور میری گرل فرینڈ؟ ہو سکتا ہے ماضی میں ایسا ہوا ہے لیکن اب میں اسے نہیں جانتا۔"

گجی نے ضبط و غصے سے اپنی ٹھوڑی کھجائی پھر ہولے سے پھنکارا۔

"تمہاری پھٹ رہی ہے خلیفہ اور اسے چھپانے کیلئے تم نے اچھا حربہ آزمایا ہے۔ میری چند شرائط مان لو اور

اسے اپنے ساتھ لے جاؤ۔"

خلیفہ ایک بار پھر ہنسا۔اس بار ہنسنے کے ساتھ ساتھ اس نے تالیاں بھی بجائی تھیں۔

" کس کی پھٹ رہی ہے یہ تو اچھے سے دکھ رہا ہے۔ چلو تم اپنی شرائط بتاؤ۔ سنتے ہیں جس کیلئے تم نے اتنا فورس کر کے یہاں بلایا ہے۔"

یمن کا وجود ریزہ ریزہ ہونے لگا۔کیا یہ وہ شخص تھا جسے اس نے چاہا تھا۔جس کیلیے وہ سب کچھ بھول گئی تھی۔ اس نے کیوں نہ سب کی باتوں پر یقین کر لیا کہ خلیفہ تبریز واقعی کسی کا نہیں، کاش وہ ایسا نہ کرتی۔

"سمندر خان کو کہو سیاست سے ہٹ جائے اور تم بلیک مارکیٹ میں صرف پچاس پرسنٹ کی ڈیلنگ کرو گے۔رہی باہر کی بات تو وہ سب کا اپنا اپنا۔"

خلیفہ نے کچھ دیر نچلے لب کو بڑے مزے سے کترا پھر دو قدم آگے بڑھ کر جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس سے پوچھا۔"اور میں ایسا کیوں کرونگا، کوئی طفل وجہ مت کہنا۔"

صرف اتنی سی چیز کیلئے اس نے خلیفہ کی محبت کا یہ حال کر دیا تھا۔ہاں وہ ایسا کیوں نہ کرتا آخر کو خلیفہ بھی تو یہی سب کرتا آیا ہے۔اس لیے کہتے ہیں جیسے کو تیسا ہی ہوتا ہے۔وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے خوف زدہ کرنے والے تاثرات اپنی سنہری آنکھوں میں لا رہا تھا۔گجی کے ماتھے پر پسینہ چمکا۔

" کیونکہ تمہیں اپنی محبت کی جان عزیز ہے۔اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو میں یمن کو مار۔۔۔۔"اس کے الفاظ ابھی درمیان میں ہی تھے کہ خلیفہ نے ایک جھٹکے سے اپنی پیچھے کی پاکٹ میں اڑی پسٹل کو نکالا اور بنا دیکھے یمن پر گولی چلا دی۔اس کی فائر کی آواز ان وادیوں میں نوحہ کی طرح گونجی تھی۔خلیفہ کی بیوفائی میں ٹھس کھڑی خشک آنکھوں والی کو ایک شدید جھٹکا لگا تھا۔چند سیکنڈز اس نے ہونے والی واردات پر غور کیا پھر تکلیف کی شدت سے اس کی آنکھیں باہر کو نکلیں۔صدمہ و حیرت اس پر غالب آنے لگا تھا۔وہ دور اڑتے پرندوں، سرسراتی ہوا اور ڈھلتے سورج میں خلیفہ کو دیکھتی نیچے گری تھی۔گولی اس کے پیٹ میں لگی تھی۔تبھی وہ منہ کے بل گری تھی اس کی آنکھوں میں عرصے بعد آنسو اتر آئے تھے۔اس نے دھندلی نظریں کھڑے ہوئے خلیفہ پر ڈالیں لیکن وہ اس کا صرف وہی ہاتھ دیکھ پائی جس میں پستول جھول رہا تھا۔پستول میں سے نکلتا دھواں یمن کو اپنے اندر بھرتا ہوا محسوس ہوا۔اس

کا سانس رفتہ رفتہ اکھڑنے لگا۔

گجی فائر کی آواز سے اپنی جگہ سے اچھل گیا تھا۔اس کی اتنی ساری فوج نے اپنے پستولوں کی نالیں سیدھی کر کے خلیفہ پر تان لیں۔

"یار گجی، آئندہ نا مجھے ان فضول چیزوں سے ٹریپ کرنے کی کوشش مت کرنا، آئی ڈیم کیئر اپنی بڈی او کے یاد رکھو میرا وقت بہت قیمتی ہے۔"

حقارت بھری نگاہ گجی کے چہرے پر ڈال کر وہ پلٹا تھا لیکن پلٹتے ہی اس کا چہرہ مردے کی طرح سفید ہو گیا۔ قدم من من کے بھاری ہوئے اور سنہری آنکھوں میں سمندر آن سمایا۔اسے لگا اس نے یمن پر نہیں بلکہ خود پر گولی چلائی ہو۔وہ مری خلیفہ مرا۔ایک ہی تو بات تھی۔جیسے جیسے وہ قدم بڑھا رہا تھا ویسے ویسے اسے اپنا دل ختم ہوتا ہوا محسوس ہوا۔

☆......☆......☆

"بڑا کھربوں کا نقصان ہو گیا اور خلیفہ جانے کن کاموں میں پھنسا ہوا ہے، سا شاہ نے نہیں شیون کو قتل کروا دیا اور پتا نہیں کیا کیا ہو گا یہاں پر۔اوپر سے خلیفہ کے خلاف اریسٹ وارنٹ نکل آئے ہیں اور وہ ہے محترم اسے کسی چیز کی خبر ہی نہیں۔ چلو بھلے میں نے اس کی اینٹرم (ضمانت قبل از گرفتاری) کروا دی ہے لیکن اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہونا چاہیے اگر ان انٹیلی جنس والوں کے ہاتھ چڑھ گیا تو۔"

وہ شدید تپے ہوئے تھے کچھ کہتے کہتے رکے۔الیکشن نزدیک تھے اس لیے "ہارس ٹریڈنگ" زوروں پر تھی۔ ایسے میں ان کی فیکٹری میں چھاپہ پڑنا اور میڈیا کی کوریج ان کی تو ساکھ ہی دو کوڑی کی ہو کر رہ گئی تھی۔وہ خواجہ ریاض کی طرح تھرڈ طریقے کے اسمگلر تھوڑی تھے جو جیل میں ڈیرہ جما کر مزے سے بیٹھ جاتے۔اس وقت کے منتظر کہ کب وہ باہر آئیں اور کب پھر سے اپنے کالے کاموں کو عروج پر پہنچائیں۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا باس۔" رمیز کی بودی تسلی پر انہوں نے گھوم کر اسے دیکھا تھا۔

"کیا ٹھیک ہو گا، کیا کروڑوں کی مالیت کا ہڑپ کیا ہوا ہمارا مال واپس آ جائے گا یا پھر یہ میڈیا میرے خلیفہ کے خلاف مغلظات بکنا بند ہو جائے گا۔ابھی اس کے خلاف وارنٹ نکلے ہیں کل کو اس کے رفاحی ادارے بند

کرنے کا نوٹس آجائے گا۔ پھر کیا ہوگا ہمارا۔ یہ دھندہ بھی بند ہزاروں کی تعداد میں جو لڑکیاں آتی ہیں۔ وہ کہاں سے لائی جائیں گی اس سارے نظام کو کون سنبھالے گا۔"

وہ حد درجہ پریشانی میں انتہا سے زیادہ آگے سوچ رہے تھے۔ رمیز نے محسوس کیا عرصے بعد وہ پریشان ہوئے تھے۔

"اور اگر ہمارا یہ کام بھی کھل کر آ گیا تو ہم تو گئے کام سے، عزت خاک میں مل جائے گی۔ پہلے ہی ایف بی اے، ڈی اے ای اور سی آئی اے والے کیا کم پیچھے پڑے تھے کہ اب آئی ایس آئی ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئی ہے۔ ہمیں یہ سب کچھ عرصے کیلئے روکنا ہوگا۔"

وہ کسی نتیجے پر پہنچ کر حکم دے رہے تھے۔ رمیز لب بستہ بیٹھا رہا۔ اس کی تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کیا کرے۔

"رمیز! سارا کام سمیٹو اور اسے اپنے خفیہ اڈے پر منتقل کرو۔ ویسے تو وہ بھی خفیہ ہے لیکن کوئی پتا نہیں برے وقت کا جیسے فیکٹری پر حملہ ہوا ہے یہاں بھی ہو سکتا ہے۔ میرے تو ہاتھ بندھ کر رہ گئے ہیں۔"

وہ مسلسل بولے جا رہے تھے۔ رمیز اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتا ہوا کھڑا ہوا۔

"خلیفہ سے کانٹیکٹ ہو تو مجھے بتانا۔" بھلے اسے خطرناک گولڈن ٹرائی اینگل پر دسترس حاصل تھی لیکن قانون بھی کسی چیز کا نام ہوتا ہے، وہ جانتے تھے چاہے جتنا مرضی اسے خرید لیا جائے کوئی نہ کوئی ایسا ضرور ہوتا ہے جو بکتا نہیں اور یہ کوئی نہ کوئی ہی تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔ انہیں یاد آیا تھا کہ کوئی لڑکی تھی جوان پر انٹرپول کے ساتھ مل کر کڑی نگاہ رکھے ہوئی ہے۔ وہ کون تھی انہوں نے دماغ پر زور دیا مگر یاد نہ آیا۔

"بھاڑ میں جائے۔ خلیفہ آئے تو پھر کچھ کرتے ہیں۔" کچھ عمیق انداز میں سوچتے ہوئے انہوں نے فون اٹھایا تھا۔ آخر کو یہ ہی تو وقت تھا جب وہ اپنے مہروں کو استعمال کر سکتے تھے۔ انہوں نے منسٹر کو کال ملائی۔

"ہاں لالا بولو کیسے یاد کیا۔" پٹھان منسٹر خوش اخلاقی سے ان سے دریافت کرنے لگا۔ سمندر خان نے ماتھے کو مسلا اور بولے۔

" کہاں سب ٹھیک ہے نیوز دیکھو کیسے تمہارے دوست کے خلاف زہر اگلا جا رہا ہے۔" وہ تنک کر بولے تھے۔ انہیں منسٹر کی پر اعتماد آواز سنائی دی۔

"تو بس آج یہ سب آخری بار بول رہے ہیں۔ زبان دیتا ہوں کل کی صبح کوئی تمہارے اور خلیفہ کے خلاف ایک لفظ نہیں اگلے گا۔"

سمندر خان نے طمانت بھری سانس لی۔ یہ سمندر خان ہی تھے جن کے احکام پر جرائم پیشہ منسٹر نے وکالت شروع کی اور وہاں سے ترقی کرتے کرتے منسٹر کے عہدے پر آن سمائے تھے۔

"ذرانوازی۔ مجھے یقین ہے آئندہ وقتوں میں بھی ہمارا ساتھ یونہی برقرار رہے گا۔" کہتے ساتھ ہی انہوں نے کال کو کاٹ دیا تھا۔ صوفے پر نیم آرام دہ انداز میں بیٹھے انہوں نے آنکھیں موند لی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں خلیفہ کا چہرہ ابھر رہا تھا جو نا جانے کہاں غائب ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کے خلاف کورٹ سے نوٹس آیا تھا اور بھی اب جانے کیا کیا ہونے والا تھا۔ ان کی شریان رفتار سے پھڑکنے لگی۔ اچانک ان کے دماغ میں معروش حبیب کا چہرہ ابھرا، ماتھے پر ہزاروں سلوٹیں لیے وہ اسے موٹی گالی دے رہے تھے جوان سے کوسوں دور اس گالی سے بے خبر اپنے کمرے میں خطرناک تاثرات چہرے پر سجائے بیٹھی تھی۔ اسے نوفل سے اس رویے کی توقع ہرگز نہیں تھی۔ وہ کیسے اس سے خالص شوہروں والے لہجے میں بات کر سکتا ہے۔ کاٹ کھانے والی نگاہوں سے اس نے پچھلے پندرہ منٹ سے بند واش روم کے دروازے کو گھورا جس کے پیچھے نوفل بیچارہ اپنا سیل فون کان سے لگائے منہ پر ہاتھ کا چھجہ بناتے ہوئے عمران پر برس رہا تھا۔

"تمہارے دوست کی بیوی کو زیر کرنے کے ایک سو ایک گھٹیا اصولوں نے میری واٹ لگوادی ہے یار، میں اپنی معروش پر بھڑک پڑا۔ اب تم دیکھنا وہ کیسے مجھے آڑے ہاتھوں لیتی ہے۔" حالانکہ نل کھلا تھا نل کے ساتھ ساتھ شاور کو بھی کھول لیا گیا لیکن پھر بھی معروش سن نہ لے کے خوف سے وہ ہونٹوں کو ہاتھوں کے چھجے میں چھپائے سرگوشی میں اس پر بھڑک رہا تھا جو اس کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"چچ۔۔۔ چچ۔۔۔ چچ نوفل خان، چلو بھر پانی میں ڈوب مرو۔ ایک عورت سے ڈر رہو ہو۔ شرم آنی چاہیے تمہیں۔"

"عمران! اتنی دیر سے کس سے باتیں کر رہے ہو۔" اسے بھابھی کے ساتھ ساتھ عمران کی بدکی ہوئی آواز سنائی دی اور وہ بے اختیار منہ پر ہاتھ مار گیا۔

"سویٹ! کسی سے بھی نہیں میں بس ابھی حاضر ہوا۔" اپنی بیوی کو جواب دیتے ہوئے وہ کھسیا کر فون کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ نوفل نے موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے ہوئے چوٹ کی تھی۔

"اور کوئی مجھے چلو بھر پانی میں ڈوب مرنے کی راہ دکھا رہا تھا۔"

وہ اس طنز پر بلبلا اٹھا جھٹ سے صفائی پیش کی۔

"میں اپنی بیوی سے ڈرتا نہیں بلکہ اس کی عزت کرتا ہوں۔ وہ تم ہو جو گوڈے گوڈے بھابھی کے خوف میں ڈوبے ہوئے ہو۔ اب بند کرو فون اور اپنے گھر کو خود سنبھالو۔"

وہ عمران بھائی عمران بھائی کرتا رہ گیا لیکن عمران نے اس کی ایک نہ سنتے ہوئے کال کاٹ دی۔ نوفل نے گہرا سانس بھرتے ہوئے خود کو آئینے میں دیکھا۔ اتنی تیاری بھی کسی کام نہیں آئی تھی۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے اس نے احتیاط کے طور پر بالوں کو بھی گیلا کر لیا تھا اور پھر پورے جہان کی ہمت خود میں اکٹھی کرتے ہوئے چہرے پر سرد تاثرات سجائے اس نے دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھ کر اسے کلک کیا۔ ہلکے سے ڈور کو دھکیل کر اس نے جونہی سر باہر نکالا دو بارودی نگاہیں اسے اپنی منتظر ملیں۔ وہ گڑبڑا گیا۔ معروش خطرناک نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔ نوفل نے سنبھلتے ہوئے گلا کھنکارا اور مردانہ انداز میں سینہ پھلاتے ہوئے پورا دروازہ کھول کر باہر آ گیا اور جتنی آرام سے اسے کھولا تھا اتنی ہی جارحیت سے بند کرتا وارڈروب کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں سے تولیہ نکال کر وہ اپنے بالوں کو رگڑ رہا تھا حقیقتاً اپنی نروسنیس کو ختم کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا معروش کی ڈنا مائٹ نگاہیں اب بھی اسے گھور رہی ہیں۔

"اللہ پوچھے گا آپ کو عمران بھائی۔" اس نے دانت کچکچائے۔ فضول میں ہی کچھ زور سے کچکچائے۔ مڑا اور مڑ کر معروش کو الجھتے ہوئے دیکھنے لگا جو بیڈ کے بیچوں بیچ بیٹھی اسے کھا جانے کے موڈ میں تھی۔

"اس طرح گھورنے کا مطلب؟" نوفل نے ہی آغاز کرنا مناسب سمجھا۔ نہیں تو معروش کی گھوریاں اور اس کمرے میں پھیلی خاموشیاں اسے پاگل کر دیتیں۔

"مجھے اپنی بات کی وضاحت کرو نوفل خان جو ابھی کچھ دیر پہلے تم نے مجھ سے کی ہے۔" آنکھوں سے زیادہ اس کے لفظوں میں بارود تھا۔ نوفل نے گیلا تولیہ صوفے پر پھینکا۔ جان بوجھ کر پھینکا وہ جانتا تھا کہ معروش کو اس

طرح کی حرکتیں شدید زہر لگتی ہیں لیکن پھر بھی اس نے ایسا کیا کیونکہ اب وہ اس سے ناراض تھا۔

"میں آپ کو کسی بھی بات کا جواب دہ نہیں ہوں۔ بہتر ہوگا آپ مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔" جگ راتے کی چغلی اس کی آنکھیں کھا رہی تھیں۔ ان میں سرخ لائنیں کچھ زیادہ ہی ابھری ہوئی تھیں۔ سرد آواز میں کہتے ہوئے وہ اپنے بالوں میں برش کرتے ہوئے بیڈ کے پاس آ کر کھڑا ہوا۔

"میں تمہیں ڈسٹرب کر رہی ہوں یا تم مجھے ڈسٹرب کر گئے ہو۔" وہ پھر سے تحیر سے اپنی جانب انگلی کرتے ہوئے اس سے نگاہیں چھپاتی پوچھ رہی تھی۔ صوفے سے ڈریسنگ تک اور ڈریسنگ سے بیڈ تک اس نے نوفل کو تکا تھا نہیں گھورا تھا اور کیا بھرپور گھورا تھا۔ اس بیچارے کا تو چھوٹا سا دل دھک دھک کر کے دہائیاں دیتا رہا لیکن اس نے اسے تھپک دیا۔

"جو مرضی سمجھیں۔" بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس نے معروش پر ساکن نظر ڈالی۔ وہ ان نظروں کا مفہوم سمجھتے ہوئے کھسک کر پیچھے ہوئی۔

"تو یعنی تم وضاحت نہیں کرو گے اور اپنی بات پر اٹل ہو کہ میں تم سے بدتمیزی کرتی ہوں۔" کمبل کھینچتے نوفل کے ہاتھ درمیان میں رکے۔ اس نے اپنی کھڑی ناک کو پھلا کر پچکایا اور وہ سب بول گیا جو وہ کبھی بولنا نہیں چاہتا تھا۔

"بدتمیزی، آپ کو لگتا ہے آپ میرے ساتھ صرف بدتمیزی کرتی ہیں۔" اس کی آواز تلخ تھی۔ بہت زیادہ تلخ معروش کا دل کسی نے مٹھی میں بھینچا تھا۔

"آپ میرے ساتھ صرف بدتمیزی ہی نہیں کرتیں بلکہ مجھ پر حکم بھی چلاتی ہیں، اس گھر کا آدھے سے زیادہ کام میں کرتا ہوں جبکہ آپ کو کرنا چاہیے۔ گروسری سے لے کر لانڈری تک میرے ذمے ہے۔ کھانا میں بناتا ہوں۔ ڈسٹنگ میں کر دیتا ہوں۔ آپ کے شوز، آپ کی فائلز، آپ کا لیپ ٹاپ، آپ کی یونیفارم، سب میں سیٹ کر کے رکھتا ہوں۔ کئی کئی راتیں آپ گھر نہیں آتیں۔ اکثر ہفتوں آپ غائب رہتی ہیں۔ فون پر بھی بات نہیں ہوتی میں نے آپ سے کبھی شکایت کی، کبھی کہا وضاحت کریں اس سب کی؟ مجھے تو لگتا ہے میں شوہر نہیں بلکہ بیوی ہوں آپ کا، بدتمیزی نہیں کرتی آپ مجھ سے معروش بلکہ آپ نے مجھے کتا بنا رکھا ہے۔"

تیز تیز بولتے اندر کا غبار نکالتے ہوئے وہ انجانے میں خود کو کتنا بول گیا تھا۔ سرخ چہرے کے ساتھ اس نے معروش پر اچٹتی نگاہ ڈالی اور کمبل کندھوں تک ڈالتا کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔ اس کی مردانگی پر ضرب پڑی تھی کیوں نہ بلبلاتا آخر۔

"یعنی تمہیں لگتا ہے کہ میں۔۔۔"

نوفل نے جھٹ اس کی بات کاٹی۔

"مجھے اس وقت کوئی بات نہیں کرنی، آپ خاموش رہیں نہیں تو میں اس روم سے چلا جاؤں گا۔" اپنی سائیڈ کا لیمپ بند کرتے ہوئے وہ قطعیت سے کہہ رہا تھا۔

معروش نے کروٹ لیٹے نوفل کو سمندر میں ڈوبی آنکھوں سے دیکھا پھر نہ چاہتے ہوئے بھی لاکھ قدغن لگانے کے بعد بھی اس میں طغیانی آ ہی گئی۔ دھڑ دھڑ آنسو اس کی آنکھوں سے گرے تھے جنہیں اس نے لمحے کے ہزارویں حصے میں ہاتھ کی پشت سے رگڑ ڈالا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ حلق میں اٹکے گولے کو اس نے قوت لگا کر پیچھے دھکیلا اور خود کا احتساب کرنے بیٹھ گئی۔

نوفل صحیح تو کہہ رہا تھا۔ وہ بدتمیز، اکھڑ اور بدمزاج ہے ٹھیک ہے اگر ایسی بات ہے تو وہ آج کے بعد اس سے بات نہیں کرے گی بالکل بھی نہیں کرے گی بلکہ وہ تو اس کے سامنے بھی نہیں آئے گی۔ ہاں یہی ٹھیک ہے۔ اس نے آخری نظر تیز سانس لیتے سوتے ہوئے نوفل پر ڈالی پھر اپنی نیند کو تھپک کر سلاتے ہوئے کمرے سے دبے پاؤں باہر آ گئی۔ دن چڑھنے تک اس نے اس چھوٹے مگر خوبصورت سے گھر کو چمکا دیا تھا۔ وہ کام بھی کیے جا رہی تھی اور روئے بھی جا رہی تھی۔ آج بھی اس کی ڈیوٹی تھی۔ کل کے ہوئے اس اہم ریڈ کے بعد اس نے پریس کانفرنس کرنی تھی لیکن اس نے اپنے سنیئر سے کہہ کر اسے ملتوی کروانے کو کہا اور گھر کے کام میں جت گئی۔ نانو علی الصبح اٹھنے کی عادی تھیں معروش کو یوں ایپرن پہن کر ویکیوم کلینر کے ساتھ رگز کو رگڑتا دیکھ چونک گئیں۔

"ارے میں صبح صبح کیا دیکھ رہی ہوں۔" وہ خوشگوار حیرت سے اس کے پاس آئیں برے موڈ کی وجہ سے اسے نانو کی خوشگواریت بھی طنز کی طرح لگی جو تیز بھالے کی طرح اس کے دل میں کھب گیا تھا۔ وہ چپ رہی کوئی جواب نہیں دیا۔

"معروش! تم سوچ نہیں سکتی مجھے تمہیں اس طرح دیکھ کر کتنی خوشی ہو رہی ہے۔"

اور سچ بات تو یہی تھی کہ نانو واقعی اسے اس طرح کام کرتا دیکھ خوش ہوئی تھیں ورنہ نوفل ویکیوم کلینز کے ساتھ لگا ہوا انہیں ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔

"ہاں، آپ اور آپ کا وہ لاڈلا داماد مجھے اس طرح دیکھ کر خوش ہی ہوں گے۔" تڑخ کر کہتے ہوئے اس نے رک کر اپنے لفظوں پر غور کیا۔ اچانک اسے احساس ہوا کہ وہ واقعی نوفل کے ساتھ زیادتی کر جاتی ہے۔

"بی ہیو یور سیلف معروش، مرچیں کھا کر کیوں بیٹھی ہو صبح صبح۔" نانو نے اسے لتاڑا تھا۔

وہ ہولے سے انہیں سوری بولتی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ دراصل اس کے پھر سے آنسو نکل آئے تھے جنہیں پونچھتے ہوئے اس نے اپنی دوست کا نمبر ملا کر اسے میڈ کے متعلق کہا تھا اور پھر کچھ دیر بعد معروش کے ہاتھوں کے بنے ناشتے کی خوشبو پورے گھر میں پھیل گئی۔ نوفل نے بھی اس خوشبو کے اٹھانے پر اپنی آنکھوں کو کھولا اور شاور لے کر نیچے آ گیا۔ نکھرا نکھرا سا نوفل چمکتے ہوئے گھر کو حیران کن نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ سیڑھیوں سے اترتے ہوئے اس نے گرل پر ہاتھ پھیرا تھا جو بالکل ڈسٹ لیس تھی۔ وہ جونہی ڈائننگ روم میں داخل ہوا جنجل پن کپڑوں کی طرح اس کے پورے وجود پر چڑھ گیا۔ اپنی گردن کی پچھلی سائیڈ کو کھجاتے ہوئے کرسی سنبھال کر وہ معروش کو رف سے حلیے میں ایپرن باندھے پتھر جیسے سخت بے تاثر چہرے کے ساتھ ٹی پوٹ ٹیبل پر رکھتا دیکھ رہا تھا۔ نانو نے نوفل کو دیکھ کر دل سے دعا دی۔

"اٹھ گیا میرا بچہ، اللہ تمہیں یونہی خوبصورت صبحیں دیکھنا نصیب فرمائے۔" کرسی کھینچ کر بیٹھتی معروش کو نانو کی دعا خود کیلئے بددعا لگی تھی اس نے نوفل کے آمین کو بڑے ضبط سے سنا تھا۔

"کل کہاں تھے تم۔ میں کافی دیر تمہارا انتظار کرتی رہی۔" وہ ٹوس پر جام لگاتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔ نوفل نے آملیٹ کی بائٹ لیتے ہوئے انہیں جواب دیا۔

"دوست کے پاس تھا کل میں، خیریت تھی؟"

نانو نے ایک کڑوی نگاہ بیزار سی معروش پر ڈالی (ہنہ ایک دن کام کیا کرنا پڑ گیا منہ ہی سوج گیا مہارانی کا)۔

"ہاں بس تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

نوفل ان کی بات پر چونکا جبکہ دھیان سارا چھری کانٹے سے لڑتی معروش پر ہی تھی۔

"مثلاً؟"

نانو نے کچھ توقف کیا اور پھر فیصلہ کرتی ہوئی کہنے لگیں۔

"عمرے پر جانا چاہتی ہوں۔ ہر سال ارادہ کرتی تھی لیکن معروش کی تنہائی کی وجہ سے رک جاتی تھی۔ اب جبکہ میں اس کی طرف سے بے فکر ہو گئی ہوں تو مجھے لگتا اب مجھے چلے جانا چاہیے۔"

نوفل نے ان کے ارادے کو سراہا اور تائیدی انداز میں سر کو ہلایا۔

"ٹھیک ہے پھر میں ویزے کیلئے اپلائے کر دیتا ہوں۔" وہ کھانا چھوڑ کر مکمل طور پر ان کی باتوں میں دلچسپی لینے لگا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میری ایک دوست نے تم لوگوں کی شادی کے فوراً بعد ہی اپلائے کر دیا تھا۔ میں چاہتی ہوں تم کل کی ٹکٹ بک کروا دو۔"

نوفل نے بہت پیاری مسکراہٹ سجاتے ہوئے آگے جھک کر نانو کے ہاتھ تھام کر چومتے ہوئے انہیں اپنی آنکھوں پر لگایا۔

"بہت بہت مبارک ہو آپ کو۔ بے فکر رہیں انشاء اللہ آپ کی کل کی سیٹ کنفرم ہو جائے گی۔"

نانو نے نم آلود نگاہوں سے اس خوبرو کو دیکھا اور پھر اپنی سڑی ہوئی کو۔ ہک ہا۔ ایک سانس ان کے بدن سے خارج ہوا۔ اس دوران معروش وہاں سے اٹھ کر جا چکی تھی۔

"اسے کیا ہوا ہے؟" معروش کے جاتے ہی نانو نے آگے جھک کر نوفل سے پوچھا۔ نوفل کا چہرہ بجھ گیا۔

"خفا ہیں مجھ سے؟" بہت ہلکی آواز میں اس نے کہا تھا۔ مبادا وہ سن کر پیچھے سے اس کے سر میں کچھ مار ہی نہ دے۔

"کیوں؟" نانو کو غصہ چڑھا نوفل نے جلدی سے وضاحت کی۔

"وہ میں ان سے جھگڑ پڑا تھا اس لیے۔"

نانو تحمل سے واپس اپنی پوزیشن میں گئیں اور چائے کی چسکی لیتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"کوئی نہیں حق ہے تمہارا۔ناراض ہے رہنے دو منانا مت،خود مان جائے گی۔"
معروش پر جان چھڑکنے والی نانو کے منہ سے اس طرح کی بات اسے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔
"لیکن کیوں؟" الجھتے ہوئے پوچھا۔
"کیونکہ میں جانتی ہوں غلطی معروش کی ہی ہوگی۔" وہ اتنے وثوق سے کہہ رہی تھیں کہ نوفل اپنے آپ میں چور سا ہو گیا۔
"نہیں اس بار میں غلط تھا میں نے انہیں بدتمیز کہا۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔نانو نے چشمے کے اوپر سے اسے دیکھا پھر مسکراتے ہوئے گویا ہوئیں۔
"پھر بھی تم اسے منانا مت کیونکہ اس طرح کی ناراضیاں ہی میاں بیوی کے رشتے کو مضبوط بناتی ہیں۔" وہ محظوظ سی کہہ رہی تھیں پھر انہوں نے وہ بات کی جس نے نوفل کے بدن کا پورا خون اس کے چہرے پر انڈیل دیا۔
"اس طرح کی ناراضگیاں بھی اور بچے بھی۔میں چاہتی ہوں تم لوگ اب اپنی فیملی بنانے کا سوچو۔یوں بھی چند روز بعد تم لوگوں کی شادی کو سال ہو جائے گا۔"
نوفل نے جلدی سے چائے کا بڑا گھونٹ بھرا۔
"جی۔" ہلکی آواز میں جی بولتے ہوئے وہ اجازت طلب نظروں سے انہیں دیکھ کر اٹھا۔
"میں اللہ کے گھر میں بھی تم لوگوں کیلئے دعا کروں گی۔"
اسے ڈائننگ روم سے نکلتے ہوئے نانو کی آواز سنائی دی تھی۔

☆......☆......☆

سیاہ رات میں سیاہ کار کے اندر سیاہ ہڈ والی جیکٹ سر پر گرائے سیاہ ماسک لگائے وہ تیز رفتاری میں کار ڈرائیو کرتا ہوا ایک بلڈنگ کے پاس آکر رکا۔یہ اس کی پرائیویٹ پلیس تھی جس کے بارے میں چند خاص لوگوں کو ہی علم تھا اور وہ چند خاص لوگ ایک سمندر خان تھا اور ایک رمیز۔اپنی کار کو گیراج میں کھڑی کرتے ہوئے وہ آٹومیٹک کھلتے دروازوں سے اندر داخل ہوا اور چلتے چلتے اپنے سر سے ہڈ اتار دی۔جیکٹ کی سامنے کی زپ

کھولتے ہوئے وہ لفٹ میں آکر کھڑا ہوا تھا۔لفٹ میں موجود اپنے بندے کو اس نے جیکٹ اتار کر پکڑائی اور کانوں کے پیچھے سے ماسک کی ڈوریوں کو ہٹاتا وہ لفٹ کی مرروال میں خود کی شبیہہ تکنے لگا۔

سیاہ جینز اور ہاف بازوؤں والی ٹی شرٹ پہنے وہ مرجھایا ہوا سا لگ رہا تھا۔لفٹ کا دروازہ کھلتے ہی وہ اس میں سے باہر نکلا اور اپنی جینز کی بیک پاکٹ میں سے چابی نکالتے ہوئے تیزی سے ایک کمرے کی طرف لپکا جس کے باہر دو گارڈز بیٹھے تھے۔اسے دیکھتے ہی کھڑے ہوئے۔خلیفہ نے دروازے میں چابی لگائی تو وہ کلک کی آواز سے کھلتا چلا گیا۔وہ آہستہ سے اندر قدم رکھتا اس نیم اندھیرے کمرے میں داخل ہوا جہاں بیڈ کے بیچوں بیچ اس کی زندگی اس کی یمن لیٹی ہوئی تھی۔اس کے بائیں ہاتھ پر ڈرپ کی سوئی لگی ہوئی تھی اور ہلکا زرد پانی آہستہ آہستہ اس کی رگوں میں داخل ہو رہا تھا جبکہ اس کے منہ پر آکسیجن ماسک چڑھا ہوا تھا۔خلیفہ نے اپنے پیچھے دروازہ بند کیا اور اس کے ساتھ لگے بورڈ پر ہاتھ مار کر لائیٹس آن کر دیں۔

خستہ حالی کا سائن بنی اس کی یمن حیات روشنی کی وجہ سے ہلکی سی کسمسائی تھی۔خلیفہ گولی کی سی تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور جھک کر اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ دیے۔وہ اپنی بھاری ہوتی پلکوں کو آہستہ آہستہ کھول رہی تھی۔اس کی پلکوں کی جنبش اتنی دھیمی تھی کہ خلیفہ کو لگا وہ واپس غنودگی میں چلی جائے گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ہولے ہولے پلکوں کی چادر کو اس نے اٹھایا تھا۔پہلے مدھم دو حصوں میں بٹا ہوا خلیفہ اسے نظر آیا لیکن جوں جوں دماغ نے کام کرنا شروع کیا مسکراتا ہوا متفکر خلیفہ اسے اپنے بالکل پاس دکھنے لگا تھا۔وہ چند ثانیے حیرت و بے یقینی کے پینڈولم میں جھولتی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی۔وہ زندہ کیسے تھی اسے تو مرنا تھا۔خلیفہ نے اسے مارا تھا تو پھر یہ سب کیا ہے۔خلیفہ اس کی آنکھوں میں ابھرتے تاثرات کو بدلتے دیکھ رہا تھا۔پہلے وہ حیرانگی میں ڈھلیں پھر بے یقینی میں اور اس کے بعد ان میں نفرت در آئی تھی۔یمن کے اگلے اقدام نے خلیفہ کو شاک لگایا تھا۔وہ اچانک حقارت سے اس کا ہاتھ پیچھے دھکیلتی ہوئی آکسیجن ماسک اتار کر بیڈ کی دوسری سائیڈ پر جا کر سٹ کر بیٹھ گئی۔خلیفہ کے چہرے پر ہوائیاں ابھریں۔

"یمن، گھبراؤ نہیں یہ میں ہوں تمہارا خلیفہ۔"

خلیفہ کے دل پر اس کی اس حرکت سے اتنی زور کے مکا پڑا تھا کہ اس نے سوچ لیا تھا۔وہ گنجی پہلوان کا

عبرت ناک انجام کرے گا۔

"دور رہو مجھ سے۔" وہ حلق کے بل چلائی تھی۔ خلیفہ نے ہونٹ کاٹے۔

"یمن، کول ڈاؤن میں ہوں خلیفہ۔" وہ ہلکی آواز میں بولا۔

"آئی سیڈ جسٹ شٹ اپ۔" ہاتھ سے سوئی کو کھینچتے ہوئے وہ آنسوؤں بھری نظروں سے اسے دیکھ کر پھنکاری۔

"میں نہیں جانتی کسی خلیفہ تبریز کو۔ خبردار، اگر اپنی گندی زبان سے میرا نام بھی لیا تو۔ نفرت کرتی ہوں میں آپ سے۔" وہ اتنی شدت سے چلائی تھی کہ خلیفہ اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔ اس کا دل ان بے رحم لفظوں کی وجہ سے سکڑ کر پھیلا تھا۔ اس نے محسوس کیا وہ اندر سے پھٹ چکا تھا۔ دھڑکنیں معدوم تھیں اور سانسیں تھمی ہوئیں۔

"آپ کی شکل سے بھی نفرت ہے مجھے چلے جائیں یہاں سے۔"

دل کا بہتا خون آنکھوں میں اترنے لگا۔ اسے اپنے سامنے یمن نہیں بلکہ سرخ سمندر نظر آ رہا تھا۔ اس نے کرب بھری گہری سانس کھینچی۔ اس کا دل پھر جڑا تھا۔ وہ جب جب سانس لیتا تھا اس کا دل پھر سے جڑ جاتا تھا جڑ کر ٹوٹتا تھا، نئے سرے سے جڑ کر ٹوٹنے کا جو درد تھا وہ صرف خلیفہ تبریز ہی جان سکتا تھا۔

"قبول ہے۔"

اس نے دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر سر کو خم دیا تھا۔ نہیں اس نے عقیدت کے طور پر ہاتھ نہیں رکھا تھا بلکہ اپنے ٹوٹتے بکھرتے دل کو تسلی دی تھی جس کی رفتار خطرناک حد تک تیز تھی۔ یہ زندگی کا وہ مقام تھا جب پہلی بار خلیفہ خود کو شکست پا محسوس کر رہا تھا۔

"تمہاری نفرت بھی قبول ہے۔"

یمن کی آواز کی کاٹ نے خلیفہ کے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کیوں اس کے آگے اتنا جھک رہا ہے۔ بس جانتا تھا تو اتنا کہ یمن کی نفرت اسے مار دے گی۔

"خلیفہ تبریز، تم میری زندگی سے نکل کیوں نہیں جاتے تمہاری وجہ سے صرف اور صرف تمہاری وجہ سے میں ان حالوں میں پہنچی ہوں۔ تم واقعی انسان نہیں درندے ہو۔"

وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ بیڈ کے ایک کونے میں سمٹی ہوئی روتی ہوئی اس کی یمن۔ اس نے زخمی نگاہوں سے اس بے رحم کو سنا جو مزید کہہ رہی تھی۔

"ثوبیہ ٹھیک کہتی تھی بلکہ سب تمہارے بارے میں ٹھیک کہتے تھے۔ تم انسان نہیں ہو تمہارے سینے میں دل نہیں ہے۔ تم وہ مرد ہو جو گرگٹ کی کیٹگری سے تعلق رکھتا ہے۔ تم نے میرے وجود سے انکار کر کے اس بات پر مہر لگا دی خلیفہ تبریز کہ تنہا مرنا تمہارا مقدر ہے تم دھوکے باز ہو۔"

پل بھر میں اس کا طرز تخاطب بدلا تھا۔ پل بھر میں وہ اتنی انجانی ہو گئی تھی کہ شناسائی کی ہلکی سی رمق بھی اس میں نظر نہ آتی تھی۔ خلیفہ نے ایک بار پھر دل کے مقام پر ہاتھ رکھا۔

"وہ ٹھیک کہتی تھی کبھی مرد ذات پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے تمہارے فراڈ دل کے ساتھ اپنا دل جوڑ کر اسے رسوا کر دیا۔ خود کو رسوا کر دیا۔ تم مر جاؤ خلیفہ تم مر جاؤ۔"

چہرے سے ہاتھ ہٹاتی وہ سرخ سوجی ہوئی آنکھوں کے ساتھ چیخ رہی تھی۔ اس کے آنسوؤں سے تر چہرے پر جا بجا بال چپکے ہوئے تھے جنہیں ہاتھوں سے پیچھے دھکیل کر کر وہ گردن کی رگیں پھلائے حقارت آمیز لہجے میں اس سے مخاطب تھی۔

"اتنی نفرت نہ کرو یمن!" اس نے چھوٹا سا احتجاج کیا کہ اب تو آواز بھی ساتھ نہ دے رہی تھی۔

"کیوں نہ کروں۔" وہ بیڈ سے اتر کر اس کے سامنے آئی اور اس کی ٹی شرٹ کا گول گلا پکڑتے ہوئے چیخی۔ "میں تم سے نفرت کیوں نہ کروں خلیفہ تبریز جبکہ تم وہی شخص ہو جو میرے وجود سے منکر ہوا تھا۔ جس نے مجھے گولی ماری تھی۔ میں ایسے شخص سے نفرت کیوں نہ کروں جس کے قول و فعل میں تضاد ہے جو ایک دھوکے باز ہے۔" وہ اس کا گریبان ہلاتے ہوئے ہیجانی انداز میں چیخ رہی تھی۔ خلیفہ کو احساس ہوا کہ وہ کیا کر بیٹھا ہے۔

"میں سب کی وضاحت کروں گا۔" دی پاور مین کے بودے سے الفاظ ہونٹوں سے سوکھے پتوں کی طرح جھڑے تھے۔ یمن نے نفرت سے ہنکارہ بھرا۔

"تمہاری وضاحت میرا کھویا ہوا مان، میری عزت واپس لے آئے گی خلیفہ تبریز؟"

اس کے لفظوں سے وہ ششدر رہ گیا۔ متوحش انداز میں سنہری آنکھوں میں سرخ سمندر لیے اسے بے بسی

سے دیکھا اور فوراً مٹھیوں میں جکڑی اپنی شرٹ پر موجود اس کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔

"اس سے فرق نہیں پڑتا، یقین کرو اس سے رائی برابر بھی فرق نہیں پڑتا میں آج بھی تمہیں اتنی ہی شدت سے چاہتا ہوں جتنا کل چاہتا تھا۔تم میرے لیے آج بھی وہی یمن ہو ہم شادی کریں گے اور یہاں سے بہت دور چلے جائیں گے۔ہاں یمن ایسا ہی ہوگا۔"

وہ ہوائیاں اڑے چہرے پر اسے یقین دلاتا عجیب سے تاثرات سجائے کبھی مسکرا کر تو کبھی پریشانی کے سائے میں کھڑا کہہ رہا تھا۔یمن نے اس کے ہاتھوں کے نیچے سے اپنے ہاتھ جھٹکے سے ہٹائے اور دو قدم پیچھے ہوتے ہوئی بولی۔

"تمہارے جھوٹوں میں کیوں آؤں میں خلیفہ۔کل کو بیوی بنا کر کہو گے یہ تو میری بیوی ہے ہی نہیں۔" وہ اپنی دائیں جانب ان دیکھے نفوس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔خلیفہ ایک بار پھر متوحش ہوا۔

"مکر جاؤ گے بالکل ایسے جیسے اپنے چار بیٹوں اور بیوی سے مکرے ہوئے ہو تم۔" وہ آج اس پر دھماکے پر دھماکے کر رہی تھی۔خلیفہ کا دل کسی نے مٹھی میں لیا۔نفی میں سر ہلاتا آگے بڑھنے لگا تھا کہ یمن کے شدت سے پیچھے ہونے پر رک گیا۔وہ ہاتھ کے اشارے سے اسے دور رہنے کا کہہ رہی تھی۔

"ایسا بالکل نہیں ہے۔تم جو سمجھ رہی ہو وہ سراسر غلط ہے وہ میرے بیوی بچے نہیں ہیں بلکہ وہ تو سمندر خان کی فیملی ہے۔یقین کرو یمن تمہیں میرے خلاف بھڑکایا گیا ہے۔"

اسے سمجھ نہیں آرہی تھی وہ کس طرح اپنی سچائی بیان کرے۔سامنے کھڑی لڑکی نے اسے اس کی برائیوں کے ساتھ قبول کیا تھا۔وہ لڑکی جو اس کی بداعمالیوں کو جاننے کے باوجود اسے دل دے بیٹھی تھی وہ کیونکر اس کے ساتھ دھوکہ کرتا یا اسے نقصان پہنچاتا۔اس نے جو کچھ کیا تھا یمن کی بھلائی کیلئے کیا تھا۔نہیں تو وہ جانتا تھا اسے کن کن طریقوں سے کون کون استعمال کرتا۔وہ نہیں چاہتا تھا اس کی یمن کھلونا بنے۔

"مجھے۔تمہاری کسی بات پر یقین نہیں اب۔" وہ دوٹوک بیگانے لہجے میں کہتی پلٹی تھی۔خلیفہ کا وجود اس کی بے اعتنائی سے زلزلوں کی زد میں آگیا۔وہ اسے پکارنا چاہتا تھا۔اپنی صفائی پیش کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے لب نہیں ہلے کیونکہ وہ جان گیا تھا پلٹنے والی اس کی یمن نہیں تھی وہ تو کوئی اور ہی تھی جو بدزنی کی چادر اوڑھے اس سے

بے خبر ہے۔ ہماری دنیا بہت خالی ہو جاتی ہے جب ہم کسی ایسے کو کھو دیتے ہیں جن میں ہماری جان قید ہوتی ہے۔ جن کے بغیر ایک لمحہ گزارنا بھی دل پر گراں گزرتا ہے اور ان کے بغیر زندگی کا تصور بھی ممکن نہیں ہوتا لیکن ہم ان سے بچھڑ جاتے ہیں کیونکہ ایسا ہونا طے ہوتا ہے اور کتنا ہی تکلیف دہ احساس ہے یہ جب آپ اپنی خود کی غلطیوں کے سبب اس اپنے کو گنوا دیتے ہیں، اس سے جدا ہو جاتے ہیں، کچھ کر نہیں پاتے۔ تہی داماں رہ جاتے ہیں، خالی ہاتھ، خالی دل اور خالی آنکھیں لیے بے بسی کے اس سمندر میں کھڑے ہوتے ہیں جہاں ڈوبنا ہی مقدر ہے۔ ڈوب کر غرق ہو جانا نصیب۔ یمن حیات اس کی غلطی کی وجہ سے اس سے دور ہوئی یہ خلیفہ کا برا نصیب تھا وہ اس سے منکر ہو گیا یہ اس کی فاش غلطی تھی۔

وہ چپکے سے اس کمرے سے نکل کر دوسرے میں آیا۔ صوفے پر بیٹھتے ہوئے وہ اس کی پشت پر سر گرائے اسے ہولے ہولے دبا رہا تھا جب کھٹکے کی آواز پر اس نے یونہی گردن کو موڑ کر دیکھا۔ ڈاکٹر ایڈیسن سفید اوور آل پہنے اس کے سامنے موجود تھے۔

"سر، انہیں ہیوی ڈوز میں کرسٹل میتھ (آئس) اور دیگر ڈرگز دی گئی ہیں جس کی سبب اب وہ ان سب کی ایڈکٹ ہیں۔ وہ اب نارمل نہیں ہیں انہیں ہر پندرہ منٹ بعد ڈرگ چاہیے۔ نہیں تو ہیجان ان پر سوار ہو جاتا ہے۔"

خلیفہ نے خاموشی سے ان کی بات سنی پھر چند ثانیے بعد اس کی بھاری گھمبیر آواز اس سناٹے پھیلاتے کمرے میں گونجی۔

"وہ اگر مر بھی رہی ہو تو بھی اسے کچھ نہیں دینا۔ کسی بھی طرح اسے صحت یاب کرو ایڈیسن! تمہیں سونے سے بھر دوں گا۔"

وہ تھکن سے چور آواز میں کہہ رہا تھا جیسے میلوں کی مسافت طے کر کے آیا ہو۔ دیکھا جائے تو ایک طرح سے وہ مسافر ہی بن گیا تھا۔ خود احتسابی کی راہ کا مسافر۔ وہ اپنی سابقہ زندگی پر نظر ثانی کرنے لگا۔ اس نے کیا کیا تھا آج تک سوائے لوگوں کو زہر پلانے کے اور ان کے گھر اجاڑنے کے۔ دوسروں کی عزتوں کو دو کوڑی کا کرتے ہوئے اس کا ذرا برابر بھی دل نہیں کانپتا تھا۔ کون مر رہا تھا کون نہیں۔ خلیفہ کے کان و دل ان باتوں سے بالکل بند

تھے۔ وہ تو اپنا کاروبار چلا رہا تھا اور اسے چلاتے رہنا تھا۔ اس کے دل پر ایسی مہر لگ گئی تھی جس نے اسے انسانیت کے مرتبے سے گرا کر رکھ دیا تھا۔ اس کی بلا سے کچھ بھی ہو وہ کیوں کسی کی فکر کرے لیکن وہ یہ بھول گیا تھا کہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ انسان کے آگے وہی کچھ آتا ہے جو وہ کرتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی ہوا تھا اسے ملتی لاکھوں بددعاؤں نے رنگ دکھانے شروع کر دیے تھے۔ اسے گہری چوٹ ملی تھی۔ اتنی گہری کہ وہ تڑپ کر رہ گیا تھا۔ اس کی یمن کو بے مول کر کے غیب کی طرف سے اسے ایسی سزا ملی تھی کہ وہ ہفتوں لب بستہ رہا۔ کسی بھی جنبش کے بغیر کچھ بھی کھائے پیئے وہ ایک ہی پوزیشن میں بت بنا بیٹھا رہا تھا۔ ساتھ والے کمرے میں موجود یمن کی روتی، بلکتی چیخوں کو سنتا رہا تھا۔

وہ چپ تھا کیونکہ اب اسے چپ ہی رہنا تھا۔ اس نے خود کو تنہا کر لیا تھا کیونکہ تنہائی اب اس کا نصیب تھی۔ گجی کو مار کر اسے تہس نہس اگر وہ کر بھی دے تو کیا اس کی یمن کی آبرو واپس آسکتی تھی؟ کیا اس کے وجود پر لگے زخم مندمل ہو سکتے تھے؟ کیا اس کی نسوانیت جسے تار تار کیا گیا تھا وہ واپس آسکتی تھی؟ نہیں ایسا کچھ نہیں ہو سکتا تھا تبھی وہ خاموش رہا چپ رہا۔ وہ زندگی کی اس سٹیج پر آ کھڑا ہوا تھا جہاں درد درد نہیں لگ رہا تھا چوٹ چوٹ نہیں لگ رہی تھی۔ انتقام خود میں ہی جل کر خاک ہو گیا تھا اور ہر جذبہ مٹی کی چادر لیے جا سویا تھا۔ اس نے تکلیف کو اتنی گہرائی سے پہچانا تھا کہ اب ساری حسیات گنوا بیٹھا تھا۔ وہ خلیفہ تبریز نہیں رہا تھا بس ایک انسان بن کر رہ گیا تھا۔

آج دو ہفتوں بعد وہ نہا دھو کر فریش ہوا تھا اپنے کوٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے اس کے دماغ میں چند الفاظ بازگشت کر رہے تھے وہی الفاظ جنہوں نے ان چودہ دنوں میں ایک لمحہ بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا تھا۔

"دیکھنا ایک دن تمہاری عزت کی عزت بھی اسی طرح پامال کی جائے گی جس طرح تم دوسروں کی کرتے ہو۔ تم بھی بن آب مچھلی کی طرح تڑپو گے یہ اس بوڑھے کا یقین ہے۔"

ساکت چہرے اور جامد پلکوں کے ساتھ سیدھے ہاتھ کی آخری دو انگلیوں میں انگوٹھیاں پہن کر وہ بریف کیس اٹھاتا یمن کے دروازے کے پاس پہنچا۔ آج چودہ دن بعد وہ پھر سے اس کے در پر حاضر تھا۔ ناب کو آہستہ سے گھما کر اس نے جونہی دروازے کو دھکیل کر اپنے قدم اندر رکھے کوئی چیز سرعت سے اس کے سر سے

ٹکرائی تھی۔اس نے شل ہوتے اعصابوں کے ساتھ اپنے کان کی سائیڈ سے بہتے خون کو دیکھا تھا۔

☆......☆......☆

"سر، سمندر خان کی ایک لوکیشن ٹریس ہوئی ہے۔کیا کہتے ہیں آپ۔آگے کیا کرنا چاہیے؟"

حفیظ ہاتھ میں ایک ڈیوائس تھامے تیز تیز چلتا ہوا ڈپٹی ڈائریکٹر کے روم میں آیا تھا۔وہ اس وقت ریوالونگ چیئر پر آہستہ آہستہ جھوم رہے تھے۔اسے دیکھ کر سیدھے ہوئے۔دماغ میں چلتی سوچوں کو جھٹکا اور اس کی جانب متوجہ ہو کر بولے۔

"نہیں حفیظ ہمیں ابھی کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہیے فیکٹری کی طرح وہ یہاں سے بھی پہلو بچا جائیں گے۔"

خلیفہ کو نوٹس دیکر بلوایا گیا تھا۔وہ آیا بھی تھا اس کے کان کے پاس پٹی بندھی تھی اور وہ کرخت چہرے کے ساتھ وہاں پر موجود تھا۔انہیں وہ دن یاد آگیا جب خلیفہ میز کے اس پار ان کے سامنے بیٹھا تھا اور وہ اس کے سامنے۔اس کمرے کی شیشے کی دیوار کے پار معروش کانوں پر ہیڈ فونز لگائے بیٹھی ہوئی تھی اور ان لوگوں کی گفتگو سن رہی تھی۔

"کیسے ہو مسٹر تبریز، امید کرتا ہوں آپ اچھے حالوں میں ہونگے۔"

اس کے کان کے پاس گہری چوٹ لگی تھی تبھی پٹی میں سے خون بھی رس رہا تھا۔خلیفہ نے ان کی شگفتہ آواز پر اپنی سنہری آنکھیں اٹھائیں، چبھتے ویران سورج جیسی روشنی اس کی آنکھوں سے پھوٹ رہی تھی۔اس نے اپنے لب کھولے اور زیر کرتی نگاہوں سے انہیں دیکھ کر سادہ سے لہجے میں گویا ہوا۔

"میں ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟" بھاری آواز اس وقت پستیوں میں ڈوبی ہوئی لگتی تھی۔اس آواز کی شکستگی انہیں ہی محسوس ہو سکتی تھی جو محسوس کرنا جانتے تھے، شیشے کے اس پار بیٹھی لڑکی نے اس آواز کی ویرانیوں کو جان لیا۔وہ چونکی تھی۔آگے کو جھک کر اس نے ہیڈ فونز کو کانوں پر زور لگا کر سیٹ کیا اور بڑی ساری سکرین میں اپنا چہرہ جھکائے خلیفہ کو دیکھنے لگی۔اس سکرین پر اس وقت صرف خلیفہ کا ہی چہرہ تھا جس کی وقتاً فوقتاً تصویریں بن کر سائیڈ سے نکل رہی تھیں۔

"اللہ کا شکر ہے میں بالکل ٹھیک ہوں۔بات کا آغاز کرتے ہیں۔امید کرتا ہوں تم تحمل سے سنو گے۔ایک

بات ذہن نشین رکھنا آپ۔ جب یہاں آئے تھے تو کچھ اور تھے اور اب کچھ اور ہیں۔ آپ وہ نہیں رہے جو پہلے تھے۔ حیثیت بدل چکی ہے آپ کی، وقت ختم ہو چلا اس لیے دماغ کو پرسکون رکھ کر میرے ہر سوال کا جواب دینا پلیز۔"

خلیفہ نے سر کو جنبش دی۔ لبوں کو ہلانا اس نے مناسب نہیں سمجھا تھا۔ وہ کیوں اتنا خاموش تھا یہ صرف وہی جانتا تھا۔

"آپ کو ہفتہ پہلے نوٹس بھیجا گیا تھا لیکن آپ نے قانون کا احترام نہیں کیا اور حاضر نہیں ہوئے۔ وجہ جان سکتا ہوں۔"

خلیفہ نے ان کے سوال پر اپنا چمڑے کا براؤن بریف کیس کھولا اور اس میں سے ایک کاغذ نکال کر ان کے سامنے میز پر سرکا دیا۔

"اس دن مجھے ڈی ہائیڈریشن ہو گئی تھی۔ پانی کا لیول تقریباً زیرو تھا اور میں بیہوش رہا تھا۔"

اس کی آواز اتنی ہی خالی تھی جتنا سورج آسمان پر تنہا تھا۔ اس کے آس پاس کوئی نہیں تھا۔ وہ چاند کی طرح نہیں تھا جس کے ساتھ ستاروں کا جھرمٹ ہوتا ہے۔ وہ تو خود اپنی تختی وگرمی کی طرح آسمان کا تنہا بادشاہ تھا۔ بالکل ایسے جیسے خلیفہ تنہا تھا۔ یہی تنہائی اس وقت اس کے لفظوں میں بھی تھی۔ روبوٹی انداز میں بولتے ہوئے وہ معروش کو الجھا رہا تھا۔ ایسا کیا ہوا تھا جو یہ یوں بی ہیو کر رہا ہے۔ اس کے دل میں کھد بد ہونے لگی۔

"کیوں؟ کیا اس لیے کیونکہ آپ کی فیکٹری پر چھاپہ پڑا تھا۔ وہی فیکٹری جس میں جان لیوا چیزوں کو وجود میں لایا جاتا ہے جس کے سبب ہماری یوتھ بالکل بیکار ہو چکی ہے۔"

ان کے لفظوں پر خلیفہ کے لب مسکرائے۔ شیشے کے پار بیٹھی معروش نے سیکنڈ میں بٹن پش کر کے اس سین کو کیپچر کیا تھا۔

"ہماری یوتھ نشے کی وجہ سے برباد نہیں ہو رہی ہے سر، ہماری یوتھ کو خراب کرنی والی ہماری سو کالڈ سوچ ہے اس ملک کی روایات اور پستیاں ہیں غربت ہے اور بیروزگاری ہے۔"

وہ اس کے جواب سے محظوظ ہوئے۔ اسے درمیان میں قطع کرتے ہوئے بولے۔

"مجھے لگا تھا میں ایک انسان دوست سوسائٹی کے آنر سے بات کرنے والا ہوں۔ ملک کے بلینئر سے ایک بزنس ٹائکون سے نہ کہ ایک معزز سیاستدان سے۔"

خلیفہ نے پھر سے لبوں کو پھیلایا۔ وہ یقیناً ان کے مزاح سے لطف اندوز ہوا تھا۔

"آپ کا خیال بالکل درست ہے اتفاق سے۔" ان کے طنز کے بدلے اس نے طنز کیا تھا۔ وہ اپنی بھنویں کھجاتے ہوئے بولے۔

"تو پھر جواب دو۔"

خلیفہ نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔ "میں تیار ہوں جو پوچھنا ہے پوچھ لیں۔"

وہ آگے کو ہوئے اور دونوں ہاتھ باہم پھیلا کر کہنے لگے۔

"نیچے کپڑے تیار کرنا اور اوپر منشیات بنانا یہ منطق میری سمجھ سے باہر ہے۔"

خلیفہ نے ابرو اچکائی۔

"بالکل یہ ایک فرسودہ طریقہ ہے۔ اگر اس طرح کا کام کرنا ہی تھا تو زیر زمین سیٹ اپ بنا کر کرتے تا کہ اس طرح کے تھرڈ کلاس ریڈ سے بچا جا سکے۔"

بڑے ٹھنڈے انداز میں وہ سامنے والے کو آگ لگانے کا سامان کر رہا تھا مگر دوسری طرف بھی منجھے ہوئے انسان بیٹھے تھے اس کی بات پر ہنس دیے۔

"ویل، ہو سکتا ہے وہ تھرڈ کلاس ریڈ ہو لیکن یاد رہے ہم آپ کی فیکٹری کی بات کر رہے ہیں دی تبریز ٹیکسٹائل کی۔"

خلیفہ نے چونک کر سر اٹھایا پھر مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"آپ کو کوئی بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ فیکٹری میری نہیں ہے ضروری تھوڑی ہے جس چیز کے آگے خلیفہ یا تبریز لگ جائے وہ میری ہی ہو اس ملک میں ہزاروں تبریز موجود ہیں۔"

وہ اس کی بات سے چونک گئے تھے چونکی تو معروش بھی تھی۔

"کہنا کیا چاہ رہے ہو؟" انہوں نے الجھن آمیز لہجے میں دریافت کیا۔

"اسی وجہ سے میں نے اس ریڈ کو تھرڈ کلاس کہا جس جگہ کی مکمل انفارمیشن ہی نہیں ہے آپ کو۔ وہ آپ میری بنا بیٹھے ہیں کمال ہے۔"

خلیفہ نے دوبارہ زحمت کی اور جھک کر بریف کیس میں سے کاغذات نکال کران کی اور بڑھا دیے جن میں صاف صاف لکھا تھا کہ وہ فیکٹری چھ ماہ پہلے کسی مسٹر الیاس بیگ کو بیچ دی گئی تھی۔ ڈپٹی ڈائریکٹر ان کاغذات کو جوں جوں پڑھ رہے تھے الجھن ان کے چہرے پر پھیلتی جا رہی تھی۔

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے جبکہ سب کو علم ہے وہ فیکٹری آپ کی ہے۔"

خلیفہ نے شیشے کی دیوار کی طرف چہرہ گھمایا اور بولا۔

"جس سے یہ انفارمیشن ملی ہے اسے کہو گہرائی تک جایا کرے۔ ضروری تھوڑی ہے آج جو کچھ میرا ہے وہ کل بھی میرا ہی رہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ حیثیت بھی بدلا کرتی ہے۔" اس کا طنز گہرے کاٹ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کی بات کا جواب سامنے بیٹھے آفیسر نے بڑے تحمل سے دیا وہ کہہ رہے تھے۔

"بالکل وقت کے ساتھ ساتھ حیثیت بدلا کرتی ہے اسی طرح جس طرح تمہاری بدلی ہے۔ تم یہاں آنے سے پہلے کچھ اور تھے اور یہاں قدم رکھنے کے بعد تم کچھ اور ہو۔" خود کو سنبھالتے ہوئے انہوں نے اپنی بات دوہرائی تھی۔ وہ ٹھنڈے انداز میں کہتے ہوئے اسے جتا رہے تھے۔ وہ جانتا تھا اس کیس سے آج کے بعد وہ نبرد آزما ہے۔ کون سی فیکٹری کون سے کالے کام؟

"یقیناً اب میں اجازت چاہتا ہوں۔ باقی معاملات میرا وکیل سنبھال لے گا۔" وہ اپنی ٹائی درست کرتا ہوا کھڑا ہوا اور ان سے گرم جوشی سے مصافحہ کرنے کے بعد دروازے کی طرف اس نے اپنا رخ کیا تھا پھر اچانک سے اس کے قدم تھمے، وہ پلٹا۔ پلٹ کر اس نے اپنا رخ بدلا اور مضبوط و مستحکم چال چلتا ہوا اس شیشے کی دیوار کے پاس آن کھڑا ہوا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ اپنی مخصوص آواز میں کہہ رہا تھا۔

"مجھے لگتا ہے آپ کو کوالی فائی لوگوں کی ضرورت ہے۔ نکمے اور نامکمل کام کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔" سنہری آنکھوں میں عجیب سا تاثر سجائے وہ گردن موڑ کر پلٹا۔

"میری اس نصیحت پر نظر ثانی ضرور کیجیے گا۔" ایک ہاتھ میں بریف کیس تھامے دوسرا ٹکسیڈو کی جیب میں

ڈالی بالوں کی پونی باندھے وہ یونہی سنجیدگی سے کہتا ہوا قدموں کی دھمک پیدا کرتا وہاں سے گیا تھا۔معروش نے غصے سے ہیڈ فونز کانوں میں سے اتارے اور کرسی کو پیچھے دھکیل کر سینے پر بازو باندھ کر بیٹھ گئی۔اس کی نگاہ خلیفہ کی پژمردہ مسکان پر تھی۔اس نے غور سے اس پھیکے چہرے کو دیکھا تھا۔ڈپٹی ڈائریکٹر نے میز کے نیچے ہاتھ ڈال کر بٹن پش کیا اور خود کو کرسی پر گرا لیا۔

"سر، آپ کہاں چلے گئے ہیں؟" حفیظ کی آواز انہیں حواسوں میں لائی تھی انہوں نے نفی میں سر ہلایا اور کہنے لگے

"یہیں ہوں بے فکر رہو اور ابھی اس بات کو بھول جاؤ۔یاد رکھو تو صرف یہ کہ سمندر خان کے کالے کاموں کی میعاد بس تھوڑی رہ گئی ہے اور اس کے خاتمے کیلئے ہمیں مضبوط اور ٹھوس قدم اٹھانا ہے سمجھے، کچھ سوچتے ہیں اس بارے میں۔"

وہ سر اثبات میں ہلا کر انہیں سلیوٹ مارتا وہاں سے گیا تھا۔اس کے جاتے ہی وہ اپنی شہادت کی انگلی کو انگوٹھے پر پھیرتے ہوئے سمندر خان کو سوچ رہے تھے جن کے ہاتھ میں فون تھا اور وہ دبے مگر فیصلہ کن انداز میں کسی سے کہہ رہے تھے ان کے الفاظ یہ تھے۔

"حالد! کچھ بھی ہو جائے وہ لڑکی نہیں بچنی چاہیے۔اس کا کام تمام ایسے کرو کہ کسی کو شک بھی نہ ہو اور ہمارا راستہ بھی صاف ہو جائے۔"

یہاں وہ یمن کی بات کر رہے تھے۔ان کی بھوری آنکھوں میں اس کیلئے حقارت تھی جس نے ان کے شیر کو گیدڑ بنا دیا تھا۔

"آپ فکر ہی نہ کریں خان، کل تک آپ کو اچھی خبر سناؤں گا۔" حالد ایک سیاہ فام تھا۔موٹے سفید دانتوں اور رات جیسی سیاہ رنگ کا دبے قدم والا حالد عرف عام جیمز اپنی باہر کو نکلی پیلی آنکھوں میں سرخ دھاگے سجائے پتھر کے سیب کو ایک ہاتھ سے اچھال کر کیچ کرتے ہوئے عظم سے کہہ رہا تھا۔اس کیلئے سمندر خان جتنا اہم تھا اتنا خلیفہ بھی تھا لیکن چونکہ وہ سمندر خان کو اپنا باپ مانتا تھا تو اس کیلئے وہ خلیفہ سے غداری کرنے کیلئے تیار تھا۔

"نہیں حالد، کل نہیں آج میں چاہتا ہوں تم اس چیپٹر کو آج ہی کلوز کر دو، خلیفہ نے جتنی لاپرواہیاں کرنی تھیں کر لیں اب مزید کی گنجائش نہیں میں جانتا ہوں وہ لڑکی رہے گی تو خلیفہ اسی طرح اپنے ہدف سے ہٹا رہے

گا۔اس لڑکی کا خاتمہ ضروری ہے۔"

اپنی بات پر زور دیتے ہوئے ان کے دل میں تھوڑا سا بھی رحم نہیں تھا۔کام سے مطلب رکھنے والوں کو فقط کام سے ہی مطلب ہوتا ہے اس سے جڑے انسان سے نہیں۔سمندر خان نے بھی وہی کیا جو نہیں کرنا تھا۔

"ٹھیک ہے خان، آج رات آپ خوش خبری سنیں گے۔"جیمز نے فون کو رکھا اور سیب کو اوپر نیچے اچھال کر اپنے اسپیشل روم میں چلا آیا۔کچھ دیر بعد وہ جب باہر نکل رہا تھا تو وہ جیمز نہیں تھا جو کمرے میں گیا تھا جس نے پرنٹڈ شارٹس اور بٹنوں والی شرٹ پہنی ہوئی تھی بلکہ یہ تو کوئی اور ہی تھا جو سر پر سیاہ ہڈ پہنے ڈیزرٹ شوز میں اپنے ہتھیار چھپاتے ہوئے شکار کیلئے تیار تھا۔وہ سیب کو اسی طرح اچھالتا ہوا اس بلڈنگ سے باہر نکلا۔اس کے لبوں پر مخصوص سیٹی تھی۔وہی سیٹی جو وہ لڑکیوں کو اپنی ہوس کا شکار بنانے سے پہلے بجایا کرتا تھا۔نیلی جینز سیاہ ٹی شرٹ لانگ ہڈ والے شرگ کے ساتھ دونوں کندھوں پر ڈوریوں والا بیگ پہنے مسکراتے ہوئے اس نے اپنی بائیک سنبھالی تھی۔

کچھ نین کہیں کچھ زباں کہے

مگر

جو دل کہے وہ کوئی کہاں سنے۔

سیٹی پر دھن بجاتے ہوئے اس نے ڈوبتے سورج کو دیکھا تھا۔زردی میں گھلتے آسمان پر سیاہی کی ہلکی سی لکیر نمودار ہونا شروع ہوئی تھی۔وہ سیاہی جو آج کے بعد خلیفہ کا مقدر بننے والی تھی یا پھر کسی اور کا لیکن آنے والے وقت کو کون جانے؟

☆......☆......☆

"تم نے کہا تھا ہم ضرور بچ جائیں گے یہ کیسا بچنا ہے کہ روز روز مرنا پڑ رہا ہے۔"

زخمی سی اس کی ساتھی دوست بیڈ پر تھکن سے گرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔رخسانہ نے اپنی گھنگھریالے بالوں کو ربڑ بینڈ میں جکڑا اور کہنے لگی۔

"بہترین حاصل کرنے کیلئے صبر کی ضرورت ہوتی ہے اور مجھے لگتا ہے ہمارا صبر اوپر والا نوٹ کر چکا ہے۔"

اس کی دوست نے گردن اس کی جانب گرائی اور ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"مطلب؟" اس کے کچھ پلے نہیں پڑا تھا ہمیشہ کی طرح۔

"مطلب یہ کہ اللہ پر توکل کرو اور آرام سے انتظار کرو۔" اس نے فیصلہ کرتے ہوئے اپنے ٹاپ کی پاکٹ میں سے وہ سلنڈر نما چیز نکال کر اس کے سامنے لہرائی تھی۔ وہ لڑکی چکرا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ چہرہ بھی فق تھا۔

"یہ۔۔ یہ کیا ہے تمہارے پاس؟"

اس کے اتنی حیرانی سے پوچھنے پر ایک پل کو رخسانہ کو لگا کہ وہ اسے یہ دکھا کر غلطی کر بیٹھی ہے۔ شک کسی زہریلے ناگ کی طرح اس کے اوپر پھنکارہ تھا لیکن دوسرے ہی لمحے اسے خود پر افسوس کرنا پڑا۔

"واللہ یہ تو نجات دہندہ ہے اللہ کی مدد۔"

وہ اس سے وہ چیز جھپٹ کر الٹ پلٹ کر کے دیکھنے لگی۔ جلد ہی اس کے دماغ کی زرخیزی نے کام دکھایا تھا وہ کہہ رہی تھی۔

"سانے، یہ تو یو ایس بی ہے اور یقیناً اس میں ٹریکنگ چپ بھی ہو گی کیوں نا ہم خود کو کسی طرح مین جگہ پر ٹرانسفر کروا لیں تا کہ ہمارے ساتھ ساتھ باقی کی لڑکیاں بھی آزاد ہو جائیں۔" رخسانہ سے تمام روداد سننے کے بعد وہ چمکتی آنکھوں سے کہہ رہی تھی۔

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے۔" رخسانہ کو اب بھی دل دھک دھک کرتا ہوا محسوس ہو رہا۔ تھا کہیں اس نے غلطی تو نہیں کر دی۔

"بالکل ایسے ہی جیسے ابھی میں یہ سب جا کر ہیڈ کو بتانے والی ہوں۔" اس نے مکمل تصدیق کر کے وہ ایک دم بدلی ہوئی ٹون میں بولی تھی۔ رخسانہ کا دل اچھل کر حلق میں آیا۔ وہ پھٹی اور بے یقین نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے لگا یہ آخری راہ کی چابی بھی اس کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی ہے لیکن یہ کیا ہوا تھا؟ اچانک وہ لڑکی اس بری طرح ہنس کیوں رہی ہے۔ رخسانہ نے دیکھا وہ پیٹ پر ہاتھ رکھ کر ہنستے ہنستے دوہری ہو گئی تھی۔ وہ اتنا ہنسی تھی کہ اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگ چکے تھے۔ ہنستے ہوئے وہ رخسانہ کو کہہ رہی تھی۔

"ذرا اپنی صورت تو دیکھو آئینے میں کیسی نچڑی سی گئی ہے۔" ہنستے ہنستے وہ اچانک رو پڑی تھی۔ اتنا اونچا کہ اس کی گریہ وزاری پر رخسانہ حواسوں میں لوٹی۔ ایک پرسکون سانس اس کے حلق سے خارج ہوا تھا۔

"کہہ دو جان کہ یہ سچ ہے، اللہ نے واقعی ہماری سن لی ہے ہم اس برزخ سے نکلنے والے ہیں۔ کہہ دو کہ ایک عام زندگی ہماری منتظر ہے۔" وہ رو رہی تھی۔ جانے ایسی کون سی بات تھی کہ اس کے آنسو تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ رخسانہ نے آگے بڑھ کر اسے بانہوں میں بھرا اور اس کی پشت سہلاتے ہوئے اسے چپ کرانے لگی۔

"شش۔۔۔ بس تھام لو خود کو یہیں پر شاباش چپ ہو جاؤ۔" وہ مجبور تھی۔ اپنے آنسو کو اس نے ختم کر لیا تھا لیکن جو سامنے لڑکی تھی وہ بامشکل انیس کے قریب کی تھی۔ وہ عمر جس میں شوخیاں کرنے اور خواب دیکھنے سے ہی فرصت نہیں ملتی اس عمر میں ہی وہ گند میں پھنس گئی تھی۔ بالکل ایسے جیسے سانے پھنسی تھی لیکن اب تو اس بات کو مدت گزر چکی تھی۔ اب تو وہ ان سب سے بہت آگے نکل چکی تھی۔ وہ لڑکی ماتم کناں تھی ہر اس لڑکی کی طرح جو ٹھوکر کھا کر سنبھلتی ہے۔

"امی کہتی تھیں زمانے کی سختیوں کو میں نہیں جانتی۔ امی ٹھیک کہتی تھیں سانے میں یہاں نہیں رہنا چاہتی پلیز کسی طرح مجھے یہاں سے نکال دو۔"

رخسانہ نے اس کے بال سہلائے اور قطعیت سے بولی۔

"ایسا ہی ہوگا۔ تحمل سے کام لو اور میری بات غور سے سنو۔"

وہ لڑکی رخسانہ سے الگ ہوئی۔ اس کی تمام بات سن کر اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

"میں ایسا نہیں کر سکتی میں اس جانور کے پاس نہیں جا سکتی۔" وہ زور زور سے نفی میں سر ہلاتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ رخسانہ نے اس کے ہاتھ پکڑے اور سمجھاتے ہوئے بولی۔

"دیکھو وہ ہر وقت تم پر نظر رکھتا ہے۔ یعنی اسے تم چاہیے اگر آج رات کسی بھی طرح تم اس کے پاس چلی جاؤ۔ اسے تھوڑا سا خوش کرنے کے بعد اس کے لیپ ٹاپ تک رسائی حاصل کر لو تو بہت کچھ ہمارے ہاتھ لگ سکتا ہے۔ تم اس کا موبائل بھی چوری کرتی آنا۔ اس کے ذریعے ہم تمام مواد سوشل میڈیا پر پھیلا دیں گے پھر ہمیں یہاں سے نکالنے والوں کی لائن لگ جائے گی۔"

رخسانہ جوش سی کہتی ہوئی اس لڑکی کی ہرن کی طرح ڈری ہوئی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی جو کہہ رہی تھی۔

"یہ ممکن نہیں ہے۔تم جانتی تو ہو ان سب کے موبائل آپس میں کنیکٹ ہیں۔ایسا ویسا کوئی بھی مواد ان کا سیل فون قبول نہیں کرے گا اور پھر ہم دونوں ہونگے جیمز کی دسترس میں کیا تم ایک بار پھر جہنم کا رخ کرنا چاہتی ہو؟"

کہتے کہتے وہ اچانک رکی تھی۔ٹھٹھراتے ہوئے اس نے رخسانے کے مسکراتے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

"تم ٹھیک ہو میں ایسا ہی چاہتی ہوں۔میں واپس اس جگہ جانا چاہتی ہوں جہاں سے شروعات ہوئی تھی۔ میں چاہتی ہوں ہمارے ساتھ وہ باقی لڑکیاں بھی چھوٹ جائیں جو جیمز کی درندگی کی نذر ہوتی ہیں۔تم نے ہی تو کہا تھا۔رہائی کا حق انہیں بھی حاصل ہے،میری بہن ہمیں یہ جوا کھیلنا ہوگا۔"

وہ اس کے نرم ہاتھ تھام کر التجائیہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔اس لڑکی نے خود کو آنکھیں بند کر کے پرسکون کیا پھر جب اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ مسکرا کر بولی۔

"چلو چانس لیتے ہیں۔"

سانے نے اسے بانہوں میں بھرا۔اس کا دل جذبات سے پر تھا۔وہ جانتی تھی لوکیشن تبدیل ہوتے ہی وہ لوگ ضرور ان تک رسائی حاصل کر لیں گے۔

اسے یقین تھا۔

☆......☆......☆

یہ نوفل کے لاؤنج کا منظر ہے جہاں وہ بیزار سا مختلف چینلز تبدیل کرتا اکتایا ہوا دکھتا تھا۔اس سے خاصی دور سن روم میں معروش اپنا لیپ ٹاپ سنبھالے بیٹھی تھی۔یہ ان کی ناراضگی کا آج دوسرا دن تھا۔کل صبح ہی نانو عمرے کیلئے روانہ ہوگئی تھیں۔نانو کے جانے سے پہلے بھی وہ اس سے نہیں بول رہی تھی لیکن ان کے جانے کے بعد تو جیسے اس نے چپ کا اور چھپنے کا روزہ ہی رکھ لیا تھا۔نوفل نے جھنجھلاتے ہوئے ریموٹ صوفے پر پٹخا اور مڑ کر اپنی زوجہ محترمہ کو دیکھا جو دنیا جہاں کی سنجیدگی اپنے پیارے سے چہرے پر سجائے لیپ ٹاپ کی کیز کو پیٹ رہی تھی۔
نوفل نے اس پر سے نگاہ اٹھا کر وال کلاک کی طرف نگاہ ڈالی جس کی سوئیاں سوا بارہ کا اعلان کر رہی تھیں۔

آج سنڈے تھا اس لیے دونوں گھر پائے جاتے تھے لیکن کیا فائدہ ایسے گھر میں ہونے کا جب وہ دونوں ایک دوسرے سے کٹے کٹے سے تھے۔نوفل نے کارٹون چینل لگایا اور غصے میں اس کی آواز سو پر کردی۔پورے گھر میں جیان کا بے سرا گانا گونجنے لگا تھا لیکن مجال ہے جو معروش کی ذات پر رتی برابر فرق پڑا ہو۔وہ یونہی اپنے کام میں مست رہی شاید اس وجہ سے کہ شیشے میں سے آواز کراس نہیں ہو رہی تھی۔نوفل نے ایک بار پھر ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آف کیا اور سینے پر بازو باندھ کر بیٹھ گیا۔

"کس قسم کی عورت سے پالا پڑا ہے میرا۔"

منہ میں لفظوں کو چباتے ہوئے وہ پھر سے مڑ کر اسے دیکھ رہا تھا جس کی پوزیشن میں ایک انچ بھی فرق نہیں آیا تھا۔ہاں اب وہ بائیں ہاتھ سے اپنے ماتھے کو کھجا رہی تھی۔اپنے بالوں کو دو حصوں میں بانٹ کر ان کو چوٹی میں گوندھے گلابی رنگ کے انگلیوں تک آتے لمبے سویٹر اور ہلکے نیلی رنگ کی جینز میں وہ اپنے اردگرد سخت خول چڑھائے بیٹھی تھی اور اچھے سے جانتی تھی کہ اس کا شوہر نامدار مڑ مڑ کر اسے دیکھ رہا ہے لیکن اس نے بھی خود کو مضبوط بنائے رکھا۔اپنے کام میں مصروف رہی۔وہ کن انکھیوں سے دیکھ رہی تھی کہ نوفل اٹھ کر سارے صوفے کے کشنز نیچے گرا رہا ہے۔اس کا پارہ چڑھا۔ابھی کتنی مشکل سے اس نے پورے گھر کی صفائی کی تھی اور اب یہ انسان۔اف۔

سارے کشنز گرانے کے بعد وہ سیڑھیاں چڑھتا اپنے سنیک ٹوائز لے آیا تھا۔ہاتھ میں پاپ کارن کا باؤل تھام کر وہ ہوا میں اچھالتا انہیں منہ میں گول کرنے کی سعی کر رہا تھا جس کے نتیجے میں آدھے سے زیادہ پاپ کارن کارپٹ پر جابجا پھیل چکے تھے۔رہی سہی کسر میز پر رکھے اس کے پاؤں نے کردی۔پانی کا جگ ایل سی ڈی کی جانب گرا تھا اور کارپیٹ کو گندا کر گیا تھا۔معروش نے غصے سے دانت کچکچائے اور ماتھا کھجانے کے بہانے اپنے سر کو دبایا تھا۔غصے سے ٹیسیں جو اٹھ رہی تھیں کیونکہ وہ جانتی تھی اس سے برا حال کچن کا ہوگا اور اس سے بھی زیادہ ان کے بیڈروم کا پچھلے دو دنوں سے ایسا ہی تو ہو رہا تھا۔اس نے وقت پر نظر ڈالی سوا بارہ۔اف آخر یہ سنڈے ختم کیوں نہیں ہو رہا۔

بور اور بکواس سنڈے۔

جان کا وبال سنڈے۔

بیکار سے بیکار ترین سنڈے۔

وہ اپنی سوچوں میں تھی کہ اچانک اس کی آواز سے بدکی۔ اسے پتا ہی نہ چلا کب نوفل اس کے سر پر آ کر کھڑا ہوا ہے۔ وہ داغ لگے پیلے سویٹر میں ملبوس تھا۔ پیٹ کے قریب بڑا سا کیچپ کا داغ لگا ہوا تھا۔ معروش نے اسے کچا چبا جانے والے انداز میں گھورا جو کہہ رہا تھا۔

"آپ نے اذان نہیں سنی، اٹھو دونوں نماز پڑھتے ہیں۔"

یہ بول چال کی طرف نوفل کی پہلی پیش قدمی تھی۔ معروش اسے آسانی سے مان جاتی اگر نوفل کا منہ سڑا ہوا نہ ہوتا اور لفظوں میں خفا کن لہریں موجود نہ ہوتیں تو۔

"میں اپنے وقت پر پڑھ لوں گی۔ آپ جائیں جا کر مسجد میں پڑھیں۔" اس نے لفظوں کو چباتے ہوئے اسے آپ کہا تھا۔ نوفل نے اپنی ناک کھڑی کی اور سابقہ لہجے میں بولا۔

"میں اس داغ لگے سویٹر کے ساتھ باہر نہیں جا سکتا۔ لوگ کہیں گے کیسی پھوڑ بیوی ہے جو شوہر کو صاف ستھرا لباس بھی نہیں دے سکتی۔"

بے اعتنائی سے کہتے ہوئے اس نے معروش کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔ اس نے آواز کے ساتھ لیپ ٹاپ بند کیا اور کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

"آپ کی اطلاع کیلئے عرض ہے کہ کپڑے کل ہی سارے لانڈری سے آئے ہیں جا کر الماری میں دیکھیں۔"

وہ احسان کرتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی۔ نوفل نے گردن کو اونچا کیا اور کہنے لگا۔

"مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ میں چاہتا ہوں آج آپ میرے ساتھ نماز پڑھیں۔" قطعیت سے کہتے ہوئے اس نے تھوڑا حکمیہ انداز اپنایا تھا۔ معروش نے سینے پر بازو باندھے۔

"اور اگر میں انکار کروں تو یوں بھی آپ کو مسجد میں جانا چاہیے۔"

نوفل کے سر پر ٹوپی تھی وہ شاید وضو کر کے آیا تھا۔ اسی نروٹھے لہجے میں بولا۔

"تو میں کہوں گا کیسی مسلمان ہیں آپ جو نماز کیلئے منع کر رہی ہیں۔" اس نے سہولت سے مسجد والی بات اگنور کی تھی۔ معروش تڑپ ہی تو گئی۔

"تم مجھے اس طرح جج نہیں کر سکتے۔"

نوفل نے ایک نگاہ اپنی جلتی بھنتی بیوی پر ڈالی پھر اسی طرح گردن اکڑا کر بولا۔

"میں نہیں کر رہا اور جلدی آئیں روم میں نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے۔"

مڑتے ہوئے وہ اسے حکم دے گیا تھا۔ معروش نے نیچے سے سافٹ کشن اٹھا کر اس کی طرف پھینکا تھا جو اسے نہیں لگا۔

"رول نمبر بائیس، اگر آپ کی بیوی آپ کو نخرہ دکھائے تو آپ اسے زیادہ نخریلے بن جاؤ۔"

جائے نماز پر کھڑے ہوتے ہوئے اسے عمران کے دوست کے بیوی کو زیر کرنے کے ایک سو ایک اصولوں میں سے یہ اصول زیادہ بھایا تھا۔ اس نے ٹیڑھی نگاہوں سے پرپیر شال پہنتی معروش کو سنا جو بیخ پاسی کہہ رہی تھی۔

"ابھی کچھ دیر پہلے میں نے کمرا صاف کیا تھا کس نے پھیلایا ہے اسے؟"

بیڈ شیٹ آدھی زمین پر تھی تو آدھی بیڈ کی زینت بنی ہوئی تھی۔ سارے کشنز جا بجا بکھرے ہوئے تھے اور پردے آدھے ہکوں سے نکل چکے تھے۔ چپس کے ریپر زپورے بیڈ اور صوفے پر پھیلے ہوئے تھے۔ معروش کمرے کی ابتر حالت دیکھ کر جلتے توے پر بیٹھ گئی۔ اس توے کے نیچے آنچ نوفل صاحب کے جملوں نے جلائی تھی جو اسے جواب دیتے ہوئے نیت باندھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"کہہ تو ایسے رہی ہو جیسے پڑوس کے بچوں کو یہاں آتے دیکھا نہ ہو۔"

بے نیازی سے کہہ کر وہ نیت باندھ چکا تھا۔ معروش جو اسے ہارڈ کشن مارنے کا سوچ بیٹھی تھی اس کے اس طرح اچانک نماز شروع کرنے سے پیر پٹخ کر رہ گئی۔ اس کے ساتھ ہی نماز شروع کی اور مکمل کر کے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے۔ اس کی دعا ابھی درمیان میں ہی تھی جب نوفل کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"یا اللہ! مجھے بری بری بد دعاؤں سے بچا کر رکھنا۔ جیسا کہ سیڑھیاں اترتے ہوئے میرا پاؤں پھسل جائے یا شیو کرتے ہوئے ہوئے مجھے کٹ لگ جائے اور سڑک کراس کرتے ہوئے ایک گاڑی مجھے اوپر سے لے کر نیچے

تک کیچڑ میں بھر جائے۔ آمین۔"

دل جمعی سے آمین کہتے ہوئے اس نے جتاتی نگاہوں سے معروش کو دیکھا تھا جو چور سے اس سے نگاہ ہٹا کر آنکھیں بند کرتی اپنی دعا پوری کرنے لگی۔ اس کا دل بری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔ آخر کو نوفل کو ان بد دعاؤں کا کیسے علم ہوا۔ وہ آمین کہتے ہوئے منہ پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ اس نے جیسے ہی ہاتھ چہرے سے ہٹا کر جائے نماز سمیٹنا چاہی تو ایک دم سے چونک گئی۔ نوفل اس کے سامنے اس کے جائے نماز پر آکر دو زانوں بیٹھ گیا تھا۔ وہ سوالیہ نظروں سے اسے تکنے لگی۔

"میں ایک سوال پوچھوں گا۔ کلیئر کٹ جواب چاہیے مجھے۔" وہی سنجیدہ انداز۔ وہی ناراضگی والا روپ۔ معروش نے اس کی بھوری آنکھوں سے آنکھیں ہٹائیں اور بولی۔

"میں جواب دینے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" کہتے ساتھ ہی وہ کھڑی ہوئی تھی۔ نوفل نے بھی اس کے قد کے ساتھ قد ملایا لیکن وہ معروش سے لمبا نکلا۔

"حد ہے معروش، حد ہے آخر کب تک اس ناراضگی نے چلنا ہے۔" وہ اسے شال اتارتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اپنی پونیوں کو سیٹ کرتے ہوئے معروش نے حیران ہونے کی ایکٹنگ کی اور کہنے لگی۔

"میں تم سے ناراض کیوں ہوں گی۔ بھئی کون ہو تم؟" ہنستے ہوئے کہہ کر اس نے نوفل کے دل پر گھونسا مارا تھا۔ جب سے نانو گئی تھیں تب سے وہ انجان لوگوں کی طرح ہی رہ رہے تھے۔ الگ الگ کمروں میں خاموش خاموش۔

"کیا کہا میں کون ہوں؟" ماتھے پر بل ڈال کر اس نے تھوڑی دیر سوچا اور پھر انتہائی تحیر سے پوچھا۔ معروش اس کے اس انداز پر ایک دم الرٹ ہوئی۔

"بہتر ہوگا ہم ابھی بات نہ کریں۔"

وہ اس کے پاس سے گزرنے لگی تھی جب نوفل نے اس کی کہنی تھامی۔ اس گرفت میں محسوس کیا جانے والا اشتعال تھا۔ معروش نے نوفل کے ہاتھ پر سے نگاہ ہٹا کر اس کے چہرے پر ڈالی جو سخت ہو چکا تھا۔

"ہاتھ چھوڑو میرا نوفل، تم مجھے تکلیف دے رہے ہو۔" اس کی انگلیاں معروش کے گوشت میں پیوست ہوتی

جا رہی تھیں۔ وہ نوفل سے اس رویے کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

"ہرٹ؟ میں آپ کو ہرٹ کر رہا ہوں یا آپ مجھے ہرٹ کر رہی ہیں۔ آپ نے ابھی کہا آپ مجھے نہیں جانتی۔" وہ جھٹکے سے جھنجھوڑتے ہوئے اسے چھوڑ کر کہہ رہا تھا۔ اس کی آواز بلند تھی اور غصے بھری بھی۔

"ہاں میں نہیں جانتی تمہیں، میں نہیں جانتی اس نوفل کو جو مجھے تکلیف دیتا ہے۔ میں نہیں جانتی اس نوفل کو جو مجھ پر بدتمیزی کا ٹیگ لگاتا ہے جو مجھے زچ کرتا ہے جسے اب معروش سے محبت نہیں رہی۔ میں نہیں جانتی تمہیں سمجھ آئی۔"

اس کی ٹھوڑی کانپ اٹھی تھی۔ نم ناک آنکھوں سے اسے دیکھ کر وہ جلدی سے پلٹی۔ دروازے کو کھلا چھوڑ کر وہ سیڑھیوں پر آواز پیدا کرتی نیچے گئی چلی گئی تھی۔ نوفل اپنی جگہ ساکت کھڑا رہا۔ اسے معروش کے لفظوں نے تکلیف دی تھی۔

"جو مجھے زچ کرتا ہے جسے اب معروش سے محبت نہیں رہی۔"

اس نے کمرے پر طائرانہ نگاہ دوڑائی۔ لمحہ لگا تھا اسے اپنی غلطی کا احساس ہونے میں۔ وہ واقعی معروش کو تنگ کرنے کیلیے اس کے ساتھ زیادتی کر گیا تھا۔ دس منٹ میں کمرے کو سیٹ کر کے وہ نیچے آیا لیکن معروش وہاں نہیں تھی۔ سن روم بھی خالی تھی۔ اس نے کچن کا رخ کیا تھا لیکن جونہی اس نے کچن میں قدم رکھا چار سو چالیس وولٹ کا جھٹکا لگا تھا۔ اس کی معروش، نوفل خان کی معروش روتے ہوئے سوں سوں کرتی کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی شملہ مرچ کو کاٹ رہی تھی۔ وہ بوکھلاتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔

"معروش! آپ رو کیوں رہی ہیں۔"

لمحہ لگا تھا اسے پرانا نوفل بننے میں۔ لہجے میں ہزاروں فکریں سموئے وہ اس کے پاس آیا تھا۔ فاصلے دلوں میں نہیں ہوتے فاصلے تو انا کی دین ہیں جو دماغ میں ڈیرہ جما کر انسان کو مفلوج کر دیتے ہیں۔ پھر بس ہر جگہ "میں" ہوتی ہے اور یہ "میں" تنہائیوں کے علاوہ کچھ نہیں دیتی۔ نوفل بھی مردانہ انا میں پس کر خود کے ساتھ، معروش کے ساتھ اور اپنے عزیز رشتے کے ساتھ زیادتی کا کر گیا تھا جس کا ادراک اسے اب ہوا، ہو کر شرمندہ کر گیا۔

"پلیز چپ کر جائیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں اب آپ کو تنگ نہیں کروں گا۔ بالکل نہیں لڑوں گا اور تو اور میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں آپ بالکل بھی مجھ سے بدتمیزی نہیں کرتیں بلکہ یہ میں ہوں جو آپ کے ساتھ تلخ ہو جاتا ہوں۔ پلیز آپ چپ کر جائیں۔"

وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کرتا ہوا بولا۔ معروش نے ہلکی سی نگاہ گھما کر باؤل میں کٹے ہوئے پیاز اور ڈسٹ بن میں ان کے چھلکے دیکھے جن کی وجہ سے اس کی آنکھیں گیلی تھیں۔ اس نے نامحسوس انداز میں اس باؤل کو آئل کے کین کے پیچھے کیا اور ہاتھ مار کر گاجر کے چھلکے پیازوں کے چھلکوں کے اوپر ڈسٹ بن میں گرا دیے۔

"تم نے مجھے دو دن سے دکھ دیے ہیں نوفل۔" وہ اسے اب اپنے سویٹر کی آستین سے منہ صاف کرتا دیکھ کر کہہ رہی تھی۔ نوفل نے اپنی پہلی آستین سے اچھے سے اس کے چہرے سے آنسوؤں کے نشانوں کو ختم کیا اور اس کے بال درست کرتے ہوئے بولا۔

"میں شرمندہ ہوں۔" اس نے فوراً سے کہا تھا۔ وہ معروش کے بالوں کو کانوں کے پیچھے کر رہا تھا۔ ماتھے سے انہیں سیٹ کرتے ہوئے اس نے معروش کے الفاظ سنے۔

"تمہارے شرمندہ ہونے پر میرے قیمتی دن کونسا واپس آ جائیں گے۔" نروٹھے لہجے میں کہتے ہوئے اس نے اللہ کا لاکھ شکر کیا تھا جس نے پیاز جیسی چیز بنائی تھی۔

"میں ازالہ کرونگا، یقین کریں لیکن آپ کو بھی وعدہ کرنا ہوگا آج کے بعد آپ نہیں روئیں گی۔" وہ اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر متفکر چہرے کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ دل ہی دل میں اس کے الو بننے کی خوشی مناتی معروش اس کے باقی لفظوں پر ٹھہری سی گئی۔ اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی۔

"کیونکہ جب آپ روتی ہیں تو مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔ ساری دنیا عجیب سی لگنے لگتی ہے دل بیزار ہو جاتا ہے اور طبیعت ڈھیلی۔ ایسا لگتا ہے جیسے میں اندھیروں میں آ کھڑا ہوا ہوں جہاں سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں۔ بس میں نے کہہ دیا آج کے بعد آپ نہیں روئیں گی۔"

وہ اسے ساکت چھوڑ کر سنک کی طرف مڑ گیا تھا۔ ہاتھوں پر گلوز چڑھا کر وہ ان پر لیکوئیڈ ڈالنے لگا تھا جب

معروش آہستہ سے چل کر اس کے پاس آئی اور اس کے ہاتھوں سے گلوز اتار کر کہنے لگی۔

"ازالے کا مطلب یہ تھوڑی کہ تم کام میں لگ جاؤ۔ چھوڑو یہ میں کرلوں گی کیونکہ یہ کام مجھ پر ہی سوٹ کرتا ہے۔ ہاں تم چاہو تو لاؤنج کی صفائی کرسکتے ہو۔"

نوفل کو لگا تھا وہ اس پر طنز کر رہی ہے۔ وہ شرمندہ ہوا۔

"وہ سب تو میں نے اس دن ایسے ہی کہہ دیا تھا آپ کو۔۔۔"

معروش نے لیکوئیڈ سے بھیگے گلوز پہنے اور پلیٹ اٹھا کر اسے صاف کرنے لگی۔

"بھول جاتے ہیں وہ سب دوہرائیں گے تو بہت سی خلشیں سامنے آئیں گی۔"

نوفل اثبات میں سر ہلا کر پیچھے ہوا۔ پھر اس کی بیک سے کان کے پاس آکر بولا۔

"بٹ آئی سٹل لو یو۔ میں جتنا بھی لڑلوں، جو بھی دل میں غبار پال لوں۔ چاہے جتنی بھی کنارہ کشی اختیار کرلوں آپ کو زچ کروں یا آپ پر طنز کروں جو بھی کروں پھر بھی آپ سے محبت کرتا رہوں گا کیونکہ آپ سے محبت مجھ پر فرض ہے۔ میرے اندر جو جان ہے جو چاہ ہے وہ آپ کے سبب ہے۔ میں آپ کیلئے ہوں اور آپ میرے لیے۔ ہم دونوں میں چاہے جتنی دوریاں آئیں محبت کبھی نہیں ختم ہوسکتی۔"

اس کے گرد بازو حمائل کرتا وہ آہستہ آواز میں کہہ رہا تھا۔ معروش نے ہولے سے لبوں کو پھیلایا تھا۔ حقیقی آنسوں ٹوٹ کر جھاگ ملے پانی میں مدغم ہونے لگے۔

☆......☆......☆

رات کے سیاہ پردوں نے جیسے ہی پورے عالم کو ڈھانپا تو ہر طرف ایک عجیب سی ہولنا کی پھیل گئی۔ جھینگروں کی آوازیں اور ہوا کی خاموشی نے ماحول کو ہیبت ناک بنا دیا تھا۔ چاند آسمان سے روٹھا گھیرے بادلوں کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا۔ اس کی ناراضگی کے پیش نظر اس کے ساتھی ستارے بھی اپنے اپنے گھروں کو جا سوئے تھے۔ نتیجہ پوری دھرتی ماں پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس پراسرار سے سناٹے میں اس بڑی ساری بلڈنگ کے عقب میں موجود روڈ سائیڈ پر لگے درختوں کے جھنڈ میں ایک بائیک پارک ہوئی کھڑی تھی۔ اس بائیک پر بیٹھے انسان نے منی ہیسٹ کے چوروں سے انسپائر ہو کر ماسک چہرے پر لگایا ہوا تھا۔ وہ کون تھا پہچاننا مشکل تھا لیکن جاننے والے تو

جاننے والوں کو ایک نظر میں پہچان جاتے ہیں۔ چاہے وہ کسی بھی روپ یا پھر طرز میں ان کے سامنے آئیں۔

جیمز ہالی ووڈ کے ویلنز اور جنونی شخصیات سے بیحد متاثر تھا۔ وہ افریقی نژاد تھا۔ اس کا باپ افریقہ کا ایک غریب کسان تھا اور ماں اغوا شدہ لٹی پٹی عورت جس نے اس افریقی کی محبت کو قبول کر کے خود پر سے فحاشہ کا داغ مٹا دیا تھا لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ آنے والے وقتوں میں قدرت اس کے ساتھ کیسا کھیل کھیلنا چاہ رہی ہے۔ جس گندسے جن القابات سے وہ شادی جیسے بندھن میں بندھی تھی اسی بندھن نے ان کے گود میں ایک پیدائشی جانور ڈالا ہے جو نہ صرف اپنی عزت داؤ پر لگاتے ہیں بلکہ دوسروں کی عزتوں کو بھی دو کوڑی کا کر کے تسکین محسوس کرتے ہیں۔

جیمز بھی انہی لوگوں میں سے تھا۔ ہوش سنبھالتے ہی اس میں حیوانیت کے کیڑے جاگ اٹھے تھے۔ فقط بارہ برس کی عمر میں اس نے پہلا ریپ کیا تھا جس کے وجہ سے اس کے والدین نے اسے گھر بدر کر دیا۔ ہمارے ہاں بھی ایسے ہی کیا جاتا ہے۔ بچہ اگر کوئی غلطی کر لے تو اسے ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر نکال دیتے ہیں بجائے اس کے کہ اسے بیٹھ کر سمجھائیں، اسے بتائیں کہ جو کام وہ کر چکا ہے وہ غلط ہے۔ اس کی کاؤنسلنگ کروائیں۔ دن رات اسے مذہب کے قصے دلچسپ انداز میں سنا کر اس کی برین واشنگ کریں لیکن ہمارے ہاں ایسا نہیں کیا جاتا کیونکہ والدین خود کے اور بچوں کے درمیان ایک عجیب سی انا کی دیوار بنا لیتے ہیں۔ بالکل قانون کی طرح۔ اگر اسے پھلانگو گے تو تمہیں سزا ملے گی۔ اس کی پاسداری کرو گے تو محفوظ رہو گے۔ یہ کتنی بری بات ہے نا کہ وہ بچہ جو غلطی کر چکا ہے اسے گھر سے باہر نکال دیا گیا۔ اسے جھڑ کا ایک دو تھپڑ لگائے اور پھر دروازے کے باہر کھڑا کر کے اسے اس ضد کی طرف دھکیل دیا جو پہلے ہی اس کے ننھے سے وجود کو خود میں جکڑے ہوئی ہے۔ بیشک اسی پرسنٹ بچے رو کر التجائیں کر کے وعدے وعید کر کے اپنے ماں باپ سے معافی مانگ لیتے ہیں مگر وہی پھر بعد میں دوبارہ اس غلطی کو دوہراتے ہیں۔ اس سوچ کے ساتھ کہ سزا تو بس ایک تھپڑ، تھوڑی سی مار اور گھر کا بیرونی دروازہ ہے لیکن وہ جو بیس پرسنٹ ہوتے ہیں نا، جن میں بغاوت و سرکشی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے وہ نہ صرف والدین کیلئے بلکہ خود کی زندگی کیلئے بھی ناسور بن جاتے ہیں جن کیلئے گھر کا بیرونی دروازہ راہِ فرار ہوتا ہے۔ ان تمام قدغنوں سے جو والدین زبردستی ان پر ٹھونس دیتے ہیں۔ جیمز کا تعلق بھی انہی باغی بچوں میں ہوتا تھا۔

اس نے بارہ سال کی عمر میں اپنے دو دوستوں کے ساتھ مل کر اپنے والد کے کھیت میں کام کرنے والی بچی کا وہیں ریپ کیا اور پھر اس کے حلق میں گنے کی چھال بھر کر بھاگ گئے تاکہ وہ چیخ نہ سکے لیکن وہ بچے تھے غلطی تو بنتی تھی۔ جیمز کا وہ لاکٹ جو پچھلے ہفتے اس کے کسان باپ نے پیسے جوڑ کر سالگرہ پر دیا تھا اس بچی کے خون آلود ہاتھ میں رہ گیا جسے ہاتھ میں اٹھاتے ہوئے آنکھوں کے سامنے کرتے جیمز کے باپ کے جسم میں شرارے بھڑک اٹھے تھے۔ وہ چیختا پھنکارتے گھر آئے۔ اسے جوتیوں سے مارا اور باڑے سے ملحق چھوٹے سے لکڑی کے دروازے سے اسے باہر پھینکتے ہوئے اونچی آواز میں دھاڑے۔

"نکل جا مردود۔ ایک زانی کی اس شرافت سے پر گھر میں کوئی جگہ نہیں۔"

وہ اپنی موٹی موٹی آنکھوں کو باہر نکال کر دھاڑے تھے۔ ان کی بیوی دل پر ہاتھ رکھ کر رونے لگیں۔ جیمز نے اپنی زبان پر لعاب جمع کیا اور گھر کے دروازے کے باہر حقارت سے تھوک کر بھاگ گیا۔ اس کے بعد کسی کو جیمز کا پتا نہ تھا کیونکہ وہ اس غریب ملک کی حدود سے باہر نکل چکا تھا۔ چور اچکوں کے ساتھ زندگی گزارتے جنونی جیمز جانے کتنی لڑکیوں کے قتل کر چکا تھا۔ یونہی پھرتے پھراتے وہ سمندر خان کے ہاتھ لگا۔ اس کا طریقہ اس کی جنونیت دیکھ کر انہوں نے اسے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ دس سال اس نے سمندر خان کیلئے کام کیا تھا۔ ان دس سالوں میں اس نے جتنی سمندر خان سے محبت کی تھی اتنی تو شاید وہ خود سے بھی نہیں کر پایا تھا تبھی آج وہ اس کے ایک حکم پر اپنے پسندیدہ خلیفہ کی کمر میں چھرا گھونپنے آیا تھا اور سچ میں اسے زیرو پرسنٹ بھی اس بات پر ریگرٹ نہیں تھا۔

خاموشیوں اور راز میں دفن اس رات کے اندھیرے میں خود کو سیاہ لبادے میں چھپائے جیمز ہاتھ میں پکڑی چین ہلاتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس جگہ کے بارے میں اسے سمندر خان نے بتایا تھا۔ یہ وہ گھر تھا جس میں خلیفہ تنہا رہتا تھا۔ اس نے ایک نظر اس عالیشان گھر پر ڈالی پھر ہاتھ میں پکڑی چین کو گھماتے وہ گھر کی بیک دیوار پھلانگ کر بیک یارڈ میں آیا جہاں موجود کتے کی حسیات جاگ گئی تھیں۔ اس سے پہلے وہ بھونکتا جیمز زمین پر قلابازی کھاتا ہوا اس تک پہنچا اور اپنی پاکٹ سے انجکشن نکال کر اس کے پشت میں گھونپ دیا۔ بل ڈوگ منٹوں میں اس دوا کے زور پر لہرا کر نیچے گرا تھا۔ ماسک کے نیچے موجود جیمز کے بھدے لب پھیلے۔ اس نے وہ انجکشن

اپنی پشت پر پہنے بیگ کی جالی والی پاکٹ میں اڑایا اور محتاط انداز میں چلتا ہوا بیک یارڈ کو عبور کر کے ایک تنگ سی گیلری میں آ گیا۔ اس گیلری میں ایک کمرے کی کھڑکی کھلتی تھی جس پر پردے گرے ہوئے تھے۔ شاید اس کھڑکی کے شیشے سرکائے نہیں گئے تھے تبھی اندر کی آوازیں واضح باہر سنائی دے رہی تھیں۔ وہ خلیفہ کی آواز تھی جو کہ یہ تھی۔

"مجھے فی الحال کسی سے کوئی ڈیلنگ نہیں کرنی اور نہ ہی میں کام کو جوائن کرنے میں موڈ میں ہوں۔ مجھے اس وقت سپیس چاہیے۔"

اس کے ساتھ شاید رمیز تھا یا وہ فون پر بات کر رہا تھا۔ جو بھی تھا جیمز کو اس کی بات سن کر تپ چڑھی تھی۔

"باس صحیح کہتے ہیں یہ اب شیر نہیں رہا۔" دل میں اسے گالی دیتے ہوئے وہیں کھڑے ہو کر اس نے سوچا اور آدھے سے زیادہ جھک کر اس جگہ کو کراس کیا اور ایک دروازے کے پاس آ کر رک گیا۔ اس نے آہستہ سے اس لوہے کی جالیوں والے دروازے کو سرکایا تھا جو بھاری تھا۔ وہ ان جالیوں سے دیکھ چکا تھا کہ لاؤنج بالکل خالی ہے۔ تبھی اس نے سیکنڈ ضائع کیے بنا خود کو اندر کی اور بڑھایا۔ وہی کمرا جہاں سے خلیفہ کی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں کے سامنے سے احتیاط سے گزرتے ہوئے اس نے سیڑھیوں پر قدم جما لیے۔

"میرے ایک خاص بندے نے بتایا ہے خلیفہ کی گرل فرینڈ سیکنڈ فلور کے تیسرے کمرے میں ہے لیکن یاد رکھنا، وہ کمرہ صرف تین چیزوں سے ہی کھل سکتا ہے۔ نمبر ایک خلیفہ کے فنگر پرنٹس سے، کوڈز سے یا پھر چابی سے جو کہ ہر وقت اس کی گردن میں موجود چین میں جھولتی رہتی ہے۔ چابی کو بھول جاؤ باقی مجھے غور سے سنو۔"

وہ بلی کی چال چلتا ہوا اوپر آیا۔ اس نے پہلے کمرے کو کراس کیا وہ دوسرے کے پاس پہنچ رہا تھا۔

"کوڈز وائے کے ڈسکس نائن زیرو ہے۔ انہیں لگاؤ تو روم ان لاک ہو جائے گا اور اگر ایسا نہ ہوا تو۔"

دوسرا کمرا کراس کرتے ہوئے وہ تیسرے کے سامنے آ کر کھڑا ہوا جس کے دروازے کا رنگ سفید تھا اور اس پر چکور ڈیزائن دار کاغذ پر ایک تحریر رقم تھی جو کہ یہ تھی۔

"انسان کو اس کی موت خود بلاتی ہے لیکن خوش نصیب وہی ہوتے ہیں جو اس سے بچ جاتے ہیں اگر بچنا چاہیں تو۔"

اس نے سرسری سا اس کو پڑھا۔ سفید کاغذ پر لکھے خون کے طرز کے بہتے لفظوں نے اسے خود کی جانب زیادہ

متوجہ نہیں کیا تھا کیونکہ وہ متوجہ ہونا نہیں چاہتا تھا۔

"یہ خلیفہ کے فنگر پرنٹس ہیں انہیں تم اپنی انگلیوں کے پوروں پر لگا لو تمہارا کام آسان ہو جائے گا۔"

جیمز نے اپنے موٹے چمڑے کے گلوز ہاتھوں سے اتارے اور مشین کی طرف اپنے ہاتھ کو بڑھا دیا کچھ وقفہ گزرا تھا۔ سبز لائٹ نے پورے ہاتھ کو سکین کیا اور کلک کی آواز سے دروازہ کھل گیا۔ جیمز نے کمرے کے اندر قدم رکھے تھے۔ روشن خوشبودار کمرے کے وسط میں بچھے گول بیڈ پر ایک وجود بے خبری کی نیند سو رہا تھا۔ وہ انسان تھی یا حسن کی پیکر جیمز نے ہونٹوں کو سیٹی کے سے انداز میں فولڈ کیا۔ شہد رنگ کی چادر کو سینے تک اوڑھے سفید تکیے پر بال بکھرائے ہلکی دودھیا روشنی میں سفید رنگت والی لڑکی اسے مون پرنسز لگی تھی۔ وہی مون پرنسز جس کی کہانیاں اس کی بیوقوف ماں اسے سنایا کرتی تھی۔

"ایک چاند کی پری ہوتی ہے جو غلطی سے زمین پر آ کر بھٹک جاتی ہے۔"

وہ ہمیشہ اپنی ماں کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔

"بھلا کوئی چاند پر سے بھی زمین پر آیا کرتا ہے؟" یہ سوال طنز و تضحیک اور جھٹکے ہوئے سر کے ساتھ کیا جاتا تھا لیکن وہ غلط تھا۔ ایسا ہوتا ہے چاند سے پریاں بھٹک کر زمین پر آ جاتی ہیں بالکل ایسے جیسے وہ لڑکی آ گئی تھی۔ تو یعنی آج رات اس کی زندگی کی یادگار رات بننے والی تھی۔ وہ خباثت سے مسکرایا۔ اپنا بیگ کاندھوں سے اتار کر اس نے زمین پر رکھا اور اس میں سے ایک انجکشن نکال لیا۔ ابھی وہ انجکشن بھر ہی رہا تھا کہ کسی نے اچانک اس کی گردن پکڑی تھی۔ گرفت اتنی مضبوط اور صحیح جگہ پر کی گئی تھی کہ اس کی آنکھیں باہر کو ابل پڑیں۔ وہ شدید کھانسنے لگا۔ اس کی کھانسی کی آواز سن کر یمن ڈرتے ہوئے اٹھی اور بنا کچھ دیکھے بیڈ کی دوسری سائیڈ پر زمین پر بیٹھ گئی درحقیقت ان سے چھپی تھی۔

"تمہاری اتنی جرأت جیمز کہ تم میری پراپرٹی پر ہاتھ ڈالو۔ تمہیں تو میں زندہ گاڑ دوں گا۔" خلیفہ نے زہریلے ناگ کی طرح پھنکارتے ہوئے اس کی گردن کو جھٹکا دیا تھا۔ کھانستا ہوا جیمز اس جھٹکے سے بلبلا گیا۔

"وقت دو، وقت دو خلیفہ۔" اس نے اکھڑتی سانسوں اور ڈوبتی زندگی کے بیچ لڑکھڑاتے ہوئے کہا تھا۔

یمن بیڈ سے تھوڑا سا سر نکال کر ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا فوکس زیادہ خلیفہ پر تھا جس کے چہرے پر

جنونیت اور آنکھوں میں وحشت پھیلی ہوئی تھی۔ وہ سرخ چہرے کے ساتھ اس آدمی کو چھوڑ کر اس کی ناف پر اپنا گھٹنا پوری قوت سے مار رہا تھا۔

"آہ۔۔۔" درد بھری آہ کی آواز اس کمرے میں گونجی تھی۔

"بک، کس نے تجھے خلیفہ پر ہاتھ ڈالنے کا کہا یا یہ تیری بدفطرت ہے جو تجھے یہاں گھسیٹ لائی۔"

خلیفہ نے اس کے چہرے سے ماسک ہٹا دیا تھا۔ وہ اس کا چہرہ بالوں سے اونچا کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ وہ اچھے سے جانتا تھا کہ جیمز کس کے حکم کا تابع ہے لیکن پھر بھی اس پاگل دل کو تسلی کروانے کی غرض سے وہ اس پر برستے ہوئے کہہ رہا تھا۔ آج صبح ہی اسے خبر مل گئی تھی کہ سمندر خان نے یمن کی سپاری دی ہے لیکن اسے اس بات پر یقین نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا اس کا خان اس کے ساتھ ایسا نہیں کرے گا تبھی خود کو جھوٹے دلاسے دلاتا ہوا وہ صبح سے شام اور شام سے رات تک اس بندے کا انتظار کرتا رہا جس نے یہ کام سرانجام دینا تھا جو شاید، شاید اس کی یمن کو مارنے آجائے جس کا حکم اس کے خان نے دیا ہے۔ اس نے سکیورٹی سخت کی ہوئی تھی لیکن راہیں بھی صاف کروادی تھیں۔ وہ کیمرے میں اس سیاہ سوٹ والے کو دیکھ چکا تھا جس کی چال بتا رہی تھی وہ جیمز ہے لیکن اس نے اس خیال کو جھٹکا کیونکہ جیمز اس کا وفادار تھا۔ اس نے بیک یارڈ سے ملحق گیلری میں جیمز کی مخصوص خوشبو کھڑکی کے ذریعے اپنے کمرے میں سونگھی تو اس کو یقین آ گیا کہ واقعی گناہوں کی دنیا میں کوئی کسی کا ساتھی نہیں۔ ہر ایک مفاد پرست اور موقع شناس ہوتا ہے۔ کب موقع ملے اور کب وار کیا جائے۔ وہ چاہتا تو جیمز کو یمن کے کمرے تک آنے نہ دیتا لیکن اس نے ایسا کیا کیونکہ وہ سمندر خان کی حد اور جیمز کی جسارت کو دیکھنا چاہتا تھا جو کے سب حدود پار کرتے ہوئے اس کی آنکھوں پر سے پٹی ہٹا گئے۔

"میں نے کہا ہے منہ کھول اپنا۔" اس نے اس کی گردن کی ایک رگ پر وار کیا۔ ضرب لگتے ہی سرخ مائع جیمز کی ناک اور کان سے نکلنے لگا تھا۔ وہ پیٹ کے بل دوہرا ہوتے ہوئے بولا۔

"تم جان بھی لے لو پھر بھی نام لبوں پر نہیں آئے گا۔" اس کی افریقی زبان میں اردو کی بھدی سی ملاوٹ تھی۔ خلیفہ نے اب کی بار اس کی آنکھ کو نشانہ بنایا۔ بلند ہوتے فشار خون کو روکتے ہوئے اس نے صدمے سے چور دل کو دلاسا دیا اور ٹھنڈے انداز میں کہا۔

"بہت شکریہ شناخت کرنے کیلئے پپی ابدی لائف۔" کہتے ساتھ ہی اس نے اپنی بیلٹ میں اڑسی پسٹل نکالی اور اس کے سر کا نشانہ لے لیا۔ٹھاہ کی آواز اس کمرے میں گونجی تھی۔یمن نے خوف سے تھر تھراتے ہوئے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھے تھے۔خلیفہ نے لہواترتی آنکھوں کے ساتھ جا بجا بدبودار خون بکھیرتی لاش کو دیکھا پھر ایک نمبر ملا کر فون کان سے لگایا۔

"میں آپ کو ختم کرنے آرہا ہوں۔اس سے پہلے میری گولی آپ کے سینے کے آرپار ہو میری موت کا انتظام کروا لیجیے کیونکہ وہ صرف آپ ہی ہیں جو ایسا کر سکتے ہیں۔" فون کو کان سے ہٹا کر وہ یمن کی جانب متوجہ ہوا جو آدھا سر بیڈ سے باہر نکالے خوف زدہ نگاہوں سے سب دیکھ رہی تھی۔خلیفہ نے فون کو بیڈ پر پھینکا پھر خراماں خراماں چلتے ہوئے گھوم کر اس تک آیا۔نظریں نیچے کیں اور پھر خود بھی توقف کے بعد اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

"گھبراؤ مت، تمہاری ڈری ہوئی آنکھیں بالکل اچھی نہیں لگتیں۔" وہ اس کے طرف گردن موڑ کر اشتعال کو دباتے ہوئے کہہ رہا تھا۔سمندر خان کو وہ کھلا چیلنج دے چکا تھا اچھے سے جانتا تھا یا تو کل اس کی موت ہے یا پھر سمندر خان کی۔

"مجھے تمہاری آواز نہیں سننی۔" وہ کسی حد تک اسٹیبل ہو چکی تھی۔خلیفہ نے اس کی سوئی ہوئی آنکھوں کے آگے گرے بالوں کو اپنے دائیں ہاتھ سے ہٹایا۔ابھی وہ انہیں کان کے پیچھے کرنے ہی لگا تھا جب یمن نے اس کے ہاتھ کو جھٹک دیا۔اچانک سے خلیفہ کے دماغ میں گزشتہ دنوں کی ایک یاد آن سمائی جو کہ یہ تھی۔

وہ تھکا ہارا گھر لوٹا تھا جب اسے یمن کی چیخنے رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔بریف کیس کو صوفے پر پھینک کر وہ چار چار سیڑھیاں ایک ساتھ پھلانگتا ہوا اڑ کر اس کے پاس آیا جو اسے کمرے میں آتے دیکھ کر فوراً اس کی اور لپکی۔

"خلیفہ! پلیز پلیز مجھے ایک ڈوز دے دو۔تم تم جو کہو گے میں کرونگی۔تمہیں ویسی ہی محبت کرنے لگوں گی جیسی تم چاہتے تھے۔میں کچھ بھی کرنے کو تیار ہوں بس تم مجھے ایک ڈوز دے دو۔"

وہ اس کے سامنے ہاتھ باندھتی فقیروں کی طرح گڑگڑا رہی تھی۔خلیفہ نے ڈاکٹر کو سر سے جانے کا اشارہ کیا۔وہ جاتے ہوئے خلیفہ کے ہاتھ میں نامحسوس طریقے سے انجکشن پکڑا گیا تھا۔

"جیسا کہ، کچھ بھی کرنے سے تمہاری کیا مراد ہے یمن؟" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سکوت سے بھرے ہوئے چہرے سے پوچھ رہا تھا۔ یمن اس کے انداز اس کی بات سے چونک گئی۔ طلب بڑھی ہوئی تھی تبھی اس کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ اس نے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"جج۔۔جو بھی تم چاہو۔"

خلیفہ ایک قدم اس کے قریب آیا۔ اتنے قریب کہ اس کے وجود سے اٹھتی خوشبو سونگھ کر یمن کا حلق خشک ہو چکا تھا۔

"مثلاً وضاحت کرو۔" اس نے ایک ہاتھ بڑھا کر اس کے بالوں کو کانوں کے پیچھے کیا تھا۔ اس ایک مہینے میں کیا سے کیا بن گئی تھی وہ یقیناً یہ خلیفہ کے گناہ ہی تھے جو اس کی یمن کے سامنے آ کر اسے برباد کر گئے تھے۔

"کہا نا کچھ بھی کروں گی۔" آنکھوں میں عزم لیے اس نے خلیفہ کی جھکی آنکھوں کو دیکھا جن کا سنہرا پن دن بہ دن مانند پڑتا جا رہا تھا۔ وہ اب بھی اس کے بالوں کو سیٹ کر رہا تھا۔ نرم روئی سے بال کسی ریشم کو چھونے کے احساس سے کم نہ تھے۔

"کیا تم پر یقین ہو؟" وہ مزید نزدیک آیا۔ اتنا کہ اس کا شانہ یمن کے شانے سے ٹکرانے لگا تھا۔ خلیفہ نے اس کے بالوں کی اوٹ میں سے اس انجکشن والے ہاتھ کو اونچا کیا پھر اس کے دوسرے بازو پر اس کی سوئی رکھ کر دبا دی۔ وہ اس کی پشت پر پھیلے بالوں پر ہاتھ رکھ کر اسے سن رہا تھا۔

"سو فیصد۔" خلیفہ نے کوئی سوئی سے اسے چھپائی تھی وہ اسے خود سے الگ کرنے لگی لیکن ناکام گئی۔

"ٹھیک ہے پھر عہد کرو کہ آج کے بعد تم کبھی ڈرگ کی بات نہیں کرو گی۔ اس کی طلب نہیں کرو گی۔ عہد کرو یمن کیونکہ میں تمہارا وعدہ حاصل کرنے سے پہلے ہی اپنا کام کر چکا ہوں۔" انجکشن کو اس کے ہاتھ سے الگ کر کے وہ کہہ رہا تھا یمن بے یقینی سے بولی۔

"نہیں یہ وہ چیز نہیں ہے جس کی میں نے مانگ کی ہے۔" احتجاجاً پیچھے ہٹتے ہوئے وہ چیخی تھی خلیفہ نے شانے اچکا دیے۔

"تم نئی نئی ایڈکٹ ہو اس لیے تمہیں ان کی پہچان نہیں لیکن یاد رکھو تم نے عہد کیا ہے۔" وہ اسے باور کرواتا

ہوا جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈال رہا تھا۔

ماضی کو جھٹک کر اس نے حال میں موجود یمن کو تکا جو کسی حد تک بہتر محسوس کر رہی تھی۔ وہ وعدہ کر چکی تھی اور وہ جانتا تھا یمن وعدے کی کتنی پابند ہے۔

"ہو سکتا ہے تمہاری یہ خواہش کل پوری ہو جائے۔ میں جانتا ہوں تم کل مجھے مرتے دیکھ کر خوش ہو گی۔"

اس کی بھاری مرجھائی ہوئی آواز پر وہ سہم کر اسے تکنے لگی۔ جو بھی تھا ان دونوں کا دل کا رشتہ رہ چکا تھا۔

"کل تمہیں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔ ذہنی طور پر تیار رہنا۔" وہ کھڑا ہو گیا تھا۔ ایک نگاہ یمن پر ڈال کر وہ مڑا تھا۔ یمن فوراً رخ موڑ کر اسے کمرے سے باہر جاتا دیکھ رہی تھی۔ اس نے خلیفہ کی آواز سنی تھی۔

"بشیر! کچرے کو صاف کرو۔"

☆......☆......☆

آفس میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ اس بھگدڑ کی وجہ وہ معلوماتی فیکس تھا جو ابھی موصول ہوا تھا۔ اس فیکس کی تفصیلات سے یہ واضح ہو گیا تھا کہ کل کا دن ایک اہم سورج کے ساتھ طلوع ہونے والا ہے۔ حفیظ بھاگتا دوڑتا معروش کے کیبن میں آیا جہاں وہ سیل فون میں بزی تھی۔ حفیظ کے بولنے سے پہلے ہی اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے منع کر دیا تھا۔ وہ اس کے فارغ ہونے تک چپ رہا جونہی اس نے کان سے سیل فون کو ہٹایا حفیظ چھوٹتے ہی بولا۔

"ہمیں کل ریڈ مارنا چاہئے میں بتا رہا ہوں کامیاب ٹھہریں گے۔" وہ جذبات سے پر لہجے میں اس کے اور پرنٹ شدہ کاغذات نکال کر بڑھا رہا تھا۔ معروش نے اس کے عجلت بھرے انداز کو تعجب سے دیکھا پھر سفید کاغذ پر موجود کوڈ ورڈز کو پڑھنے لگی۔ گہری مسکان نے اس کے لبوں کو دلفریب بنایا تھا۔

"تمہاری خواہش کا احترام کیا جائے گا حفیظ۔" وہ اس کاغذ کو لے کر باہر نکلی تھی۔ حفیظ نے بھی اس کے قدموں کو ناپا۔ دونوں ایک ساتھ آئی جی کے آفس میں پہنچے تھے۔ اس معلوماتی خزانے کو حاصل کرنے کے بعد تو وہ بھی خوش تھے۔

"یہ تو بہت زبردست خبر ہے لیکن مکمل طور پر تسلی کر لو۔ یہ نہ ہو پچھلی بار کی طرح اب بھی وہ دونوں ہاتھ سے نکل جائیں۔"

معروش نے کرسی سنبھالی اور ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر پوری تصدیق کے ساتھ بولی۔

"پچھلی بار کی طرح اس بار بھی خبر پکی ہے۔ وہ لوگ قانونی کارروائی سے تو نبرد آزما ہو گئے لیکن جو کھربوں کا نقصان انہیں ہوا ہے اس سے وہ بوکھلا گئے ہیں سر، خوشی محسوس کریں کہ ہم نے کوبرا کی کمر توڑ دی ہے۔"

وہ جذب سے کہتی ہوئی آگے جھکی ہوئی تھی۔ حفیظ کا سرخ چہرہ بھی خوشی سے گلال ہو رہا تھا۔ بالآخر یہ مشن اختتامی مراحل میں داخل ہو چکا تھا۔

"ان کے اہم بندے مارے گئے ہیں اور کل وہ ہو گا جو ہونا ناممکن تھا۔"

اس کی سیاہ آنکھوں میں ہیرے کی سی چمک ابھری۔ وہ کچھ پل اسے دیکھتے رہے پھر گہرا سانس بھر کر بولے۔ "ٹھیک ہے میں تمہیں ریڈ کی اجازت دیتا ہوں کل کا دن تمہارا ہوا۔"

وہ دیکھ رہے تھے۔ معروش کے اس جذباتی پن اور آنکھوں کی نمی میں کون سے راز پوشیدہ ہیں۔ وہ سرشار سی اٹھ کر وہاں سے باہر آئی اور آتے ہی اس نے نوفل کا نمبر ملایا تھا۔

"کہاں ہو تم؟" اس کے کال اٹھاتے ہی وہ پوچھ بیٹھی۔ نوفل معروش کی کھنکھناتی آواز سن کر محظوظ ہوا تھا۔

"لگتا ہے بہت خوش ہیں۔" جواب دینے کی بجائے اس نے الگ بات کی تھی۔ معروش ہنسی۔

"سو تو ہوں۔ تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔" وہ واک کرنے لگی تھی۔ چلتے چلتے وہ نوفل کو سن رہی تھی جو کہہ رہا تھا۔

"میں ہر روز کی طرح اسٹور میں ہوں۔ یقین کریں میں بالکل بھی آپ کے پیچھے ڈیٹ پر نہیں جاتا۔" نوفل کو پیچھے سے کسی نے پکارا تھا۔ وہ ورکر کو رکنے کا اشارہ کرتا معروش کو سننے لگا۔

"ہا، اتنے تو تم حسین جو لڑکیاں تمہارے ساتھ ڈیٹ پر جائیں۔" نوفل کا قہقہہ اس کی بات پر بیساختہ تھا۔ وہ ہنس رہا تھا۔ ہنسنے کے درمیان ہی بولا۔

"میں ہینڈسم ہوں تبھی زوجہ محترمہ آپ میری ہیں۔ اینی ویز میری لوکیشن کا کیوں پوچھ رہی ہیں۔" معروش چمکتے سورج کی شعاعوں کے نیچے چھوٹے قدم اٹھاتی چہل قدمی کر رہی تھی۔ اس نے بے ضرر سے خواہش کی جو نوفل کے دل میں پھولوں کے غنچے کھلا گئی۔

"نمبر ایک، میں حسن پرست نہیں ہوں اور دوسری بات، تم مجھے پک کرنے آجاؤ۔ میں چاہتی ہوں ہم دونوں باہر ڈنر کریں۔"

نوفل کے تھکن زدہ چہرے پر بہار آئی تھی۔ ایک عرصہ ہوا تھا انہیں ساتھ کہیں گئے ہوئے۔ اسے خود کے نانو کو کہے کبھی کے جملے یاد آئے۔

"پتا ہے میرا دل کیا کرتا ہے نانو! میرا دل چاہتا ہے۔ ایک لمبی سی سڑک ہو اس کے ساتھ بہتی ٹھنڈی چمکدار جھیل ہو جس میں راج ہنس کا جوڑا تیرتا ہو۔ گداز ہوا ہو اور پھولوں کے بوجھ سے جھکتے درخت ہوں، میں ہوں، معروش ہو اور ہم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے کندھے سے کندھا ملائے اس پوری دنیا سے بے نیاز اس سڑک پر چلتے جائیں، چلتے جائیں۔"

وہ جادوئی دنیا میں گم اپنے چہرے پر ہزاروں رنگ لیے آس پاس سے بے خبر اپنے دل کی بے ضرر سی خواہش نانو کو سنا رہا تھا جو مجسم حیرت بنیں ٹھوڑی تلے ہاتھ پہ ہاتھ رکھے اسے سن رہی تھیں۔ یکدم انہیں کسی کی آمد کا احساس ہوا اور معروش کو اپنے سامنے کھڑے پایا۔

"معروش میرا بچہ۔" نانو بیساختہ بولیں۔ نوفل کا سانس حلق میں اٹک گیا۔

"واتعزمن تشاوتذل من تشا۔" اس کا دل مسلسل یہ ورد پڑھ رہا تھا۔ پیچھے کھڑی لڑکی سے کیا بعید اس کا سر پھاڑ دے۔

"ہیلو، تم کہاں چلے گئے ہو؟" معروش نے ٹھٹکتے ہوئے اس کی خاموشی صحیح تھی۔ وہ یکدم بول اٹھا۔

"آں نہیں کہیں بھی نہیں۔ میں آرہا ہوں آپ مجھے لوکیشن واٹس ایپ کر دیں۔"

معروش لوکیشن بھیج کر اس کا انتظار کرنے لگی۔ ابھی دس منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ نوفل سامنے سے آتا ہوا نظر آیا۔ رف سے حلیے میں بکھرے بال لیے وہ تھکن زدہ چہرے پر مسکان سجائے بائیک کو اس کے سامنے روک رہا تھا۔ معروش نے تفصیلی نظر اس پر ڈالی اور پوچھ بیٹھی۔

"اتنے تھکے ہوئے کیوں ہو۔"

نوفل نے بائیک کو سڑک پر ڈالا اور ہنستے ہوئے کہا۔

"جناب! مزدور بندے ہیں اور ڈھلتا دن ہے تھکن تو لازم ہے۔"

سادی سی جینز، سفید گول گلے کی ٹی شرٹ جس کا گلا اس کے گردن کی ہڈی کو چھو رہا تھا اس کے اوپر پہنی نیلی چیک دار شرٹ جو آگے سے کھلی ہوئی تھی۔ بازو کہنی سے تھوڑی نیچے فولڈ کیے ہوئے تھے۔ عام سے نیلے سنیکرز۔ اسے احساس ہوا نوفل کے پاس اچھے کپڑے نہیں تھے لیکن وہ پھر بھی اچھا لگتا تھا۔ مطلوبہ ریسٹورنٹ میں وہ دونوں ساتھ اندر داخل ہوئے تھے۔ نوفل نے کین کی بنی پیپسی رنگ کی کرسی کو معروش کیلئے آگے کھینچا جس پر وہ شکریہ کرتی بیٹھ گئی۔ گول گھوم کر وہ اس کے سامنے آن بیٹھا تھا۔ دونوں کہنیاں لکڑی کے کناروں والی شیشے کی میز پر ٹکائیں اور اس پر دھرا مینیو کارڈ پڑھنے لگا۔

"آپ کیا لیں گی معروش؟" وہ ایک نظر اس کارڈ پر ڈال کر معروش سے پوچھ رہا تھا جس نے اس چیز کا نام لیا جس سے نوفل کو متلی ہوتی تھی۔

"میں سوشی لوں گی۔" اس کے کہنے کی دیر تھی کہ نوفل کا منہ بنا بہت برا اور خراب منہ۔

"صحیح ہے۔" ہاتھ کے اشارے سے اس نے ویٹر کو بلایا تھا۔ اسے مینیو لکھوا کر وہ معروش کی جانب متوجہ ہوا جو دونوں ہاتھوں کی قینچی بنائے انہیں میز پر ٹکا کر نوفل کو تک رہی تھی۔ وہ اس کے ایسے دیکھنے پر بھنویں اچکا گیا۔

"کیا ہوا، کیا میرے چہرے پر کچھ لگا ہے؟" شرٹ کے کالر کو درست کرتے ہوئے اس نے منہ پر ہاتھ پھیرا تھا جو تھکن کے سبب اترا ہوا تھا۔

"ہاں تمہارے منہ پر ڈھیروں ڈھیر تکان جمع ہے۔ کیا اینٹیں توڑی ہیں۔" وہ شریر لہجے میں بولی تھی۔ نوفل کی بات پر انتہا سے زیادہ خوش ہوئی۔

"ایسی بات نہیں ہے ایکچولی آج آرڈر آیا تھا اسی وجہ سے تھکا ہوا ہوں۔ ماشاءاللہ سے کافی انکم ہوئی ہے۔"

معروش جہاں اس کی بات سے خوش ہوئی تھی وہیں وہ جھٹکے سے آگے ہوئی۔ وہ چونک گئی تھی چونکنا لازم تھا۔

"مجھے یاد آیا کل رات بھی تو تم نے آرڈر دیا تھا جس کی وجہ سے تم صبح تک جاگے تھے۔ کیا تم سوئے نہیں تھے سیدھے بیکری چلے گئے تھے؟"

وہ حیرت واستعجاب سے اس سے پوچھ رہی تھی۔ اس کی پیشانی پر تفکر کی شکنیں تھیں۔ نوفل کو یہ شکنیں بہت

بھائیں اس کے دل میں میٹھا سا پیار جاگا تھا۔وہ خاموش رہا۔اس کی خاموشی نے معروش کو جواب دے دیا۔

"مائی گاڈ تم کتنے لاپرواہ ہو۔ مجھے پہلے بتادیتے میں آنے کا کہتی ہی نہیں لیکن اٹس اوکے۔اب بھی دیر نہیں ہوئی ہے ہم ابھی گھر چل رہے ہیں۔"

وہ اپنا سامان سمیٹنے لگی تھی۔ جب نوفل نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔وہ لحظہ بھر کو تھمی تھی۔اطراف میں نگاہ دوڑائی اور آہستہ سے تنبیہی انداز میں بولی۔

"نوفل۔"

اس کے ہاتھ کے نیچے سے ہاتھ نکالنے کی سعی کرتی ہوئی وہ اسے آنکھیں دکھا رہی تھی۔نوفل نے اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کے ایک ہاتھ کو قید کیا اور کہنے لگا۔

"ہم کہیں نہیں جارہے۔آرڈر ہو چکا ہے بس کچھ ہی دیر میں کھانا سرو ہو جائے گا اور ویسے بھی معروش، آپ کو یاد بھی ہے ہم آخری بار کب آؤٹنگ پر گئے تھے۔"اس کی سرخ بوجھل آنکھیں نیند کی چغلی کھا رہی تھیں۔حکم دے کر وہ اس سے شکوہ کر رہا تھا۔معروش کو اس کا شکوہ اچھا لگا۔وہ آہستہ سے بولی۔

"اگر پرسوں کی صبح مجھے نصیب ہوئی تو ضرور میں لمبے عرصے کی چھٹیاں لوں گی اس دوران تم اپنے دل کی تمام حسرتیں پوری کر لینا۔"

معروش کی بات سے نوفل کو جھٹکا لگا تھا۔بیٹھے دل کے ساتھ اس نے آنکھیں پھیلاتے ہوئے خود کو سنبھالا اور آگے جھک کر سرگوشی میں بولا۔

"یہ کیا بکواس کی ہے آپ نے معروش۔"اس کے ماتھے پر بل تھے اور آنکھوں میں چنگاریاں بھر آئی تھیں۔ معروش کو کھونے کا احساس ہی اس کیلئے سوہان روح تھا۔

"ایک تو میں تم سے بہت عاجز ہوں ذرا سی خلاف مزاج بات ہو جائے تمہاری ٹون ہی بدل جاتی ہے۔"

ویٹر ان کے سامنے کراکری سیٹ کرنے لگا تھا۔نوفل نے سرخ چہرے کو شیشے کی دیوار کی طرف کیا۔وہ اس کی آنکھ سے لے کر کان تک جاتی رگ کو پھڑکتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ویٹر کے جاتے ہی نوفل اس کی طرف متوجہ ہوا اور دبے لہجے میں غرایا۔

"آپ ایسی باتیں نہ کریں تو میں کیوں اس ٹون میں آؤں جبکہ آپ اچھے سے جانتی ہیں کہ میں آپ کے بغیر بالکل ادھورا ہوں۔"

اس کی اچانک پڑتی سرخ آنکھوں میں ڈر غالب آ گیا تھا۔معروش کو کھونے کا ڈر، کوئی تو بات تھی جو وہ اس طرح سے کہہ رہی تھی۔اس کا دل بار بار خوف کے شکنجے میں قید ہو کر ٹیسیں اٹھا رہا تھا۔

"ایم سوری تمہیں برا لگا ہو تو۔" ویٹر کھانا سرو کر کے چلا گیا۔نوفل کی تو بھوک ہی اڑ گئی تھی۔ایک ٹانگ کو مسلسل ہلاتے ہوئے وہ پریشان ہو گیا تھا۔

"بات سوری کی نہیں ہے معروش، بات زندگی کی ہے میں آپ کو نہیں کھو سکتا۔آپ میری دلی کیفیت کو سمجھیں۔"

ہچکچا کر اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑانے والی اب خود اس کا ہاتھ تھام رہی تھی جو اچانک ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔اس نے ششدر انداز میں نوفل کو دیکھا۔کیا کوئی کسی کو ایسے بھی چاہ سکتا تھا اس کا دل حلق میں آیا۔

"نوفل! میرے ساتھ تمہاری دعائیں ہیں۔نانو کی ہیں مجھے کچھ نہیں ہو گا، ٹرسٹ می۔کل کے بعد ہم لمبے عرصے تک کسی بھی ڈسٹربنس کے بغیر ایک پرسکون زندگی گزاریں گے۔تمہیں مجھ پر یقین ہے نا۔تمہیں اللہ پر یقین ہے نا۔کچھ نہیں ہو گا دل کو سنبھال لو اپنے۔"

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے معروش کے ہاتھ کو بھینچ رہا تھا۔اس کی گرفت میں محسوس کیا جانے والا خوف تھا۔معروش مسکرا دی اور اس کا موڈ بدلنے کی خاطر بولی۔

"اب تمہیں اپنی محبت کا امتحان دینا ہے۔تمہیں میرے ساتھ اس سوشی کو کھانا ہے۔" نوفل نے جھٹ سے اس کا ہاتھ چھڑوا کر کڑوا کسیلا منہ بنا کر پیچھے کو ہوا تھا۔

"بالکل بھی نہیں۔خبردار جو آپ نے اس بدمزا سی چیز کو میری طرف بڑھایا بھی۔" وہ کرسی کو تھوڑا پیچھے کر گیا۔معروش کا اصرار اور نوفل کا انکار کھلکھلاتے ہوئے اس رات کی سیاہی پر درج ہو رہا تھا۔کون جانتا تھا کل کی صبح کیسا طوفان لانے والی ہے۔کون بچنے والا ہے اور کون۔۔۔

☆......☆......☆

"دماغ خراب ہو گیا ہے اس خلیفہ کا۔ وہ اس حد تک چلا جائے گا میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔" سمندر خان اس کا فون سننے کے بعد اسی طرح آگ بگولہ سے یہاں وہاں ٹہل رہے تھے۔ ان کے وجود سے شعلے نکل رہے تھے۔ بہترین سوٹ میں ملبوس سرخ وسپید سمندر خان غصے سے مزید سرخ پڑ چکے تھے۔ رمیزان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ خلیفہ کا ارادہ اسے بھی نہیں بھایا تھا۔ وہ اچنبھے کا شکار ہوا۔

"ہوسکتا ہے سرکار، وہ غصے میں ایسا بول گیا ہو۔" تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے وہ انہیں ٹھنڈا کرنے کی سعی کرنے لگا۔ سمندر خان کے قدم اس کے طفل لفظوں پر تھمے۔

"کیا تم بھول رہے ہو، خلیفہ غصہ میں بھی فضول گوئی نہیں کرتا۔ اس نے صاف لفظوں میں کہا ہے یا تو وہ مجھے ختم کرے گا یا میں اسے ختم کردوں۔" یہ جملے کہتے ہوئے ان کے چہرے پر دیکھی جانے والی تکلیف نمودار ہوئی تھی۔ رمیز کو خلیفہ کی حرکت دل برداشتہ کر گئی۔

"لیکن آپ یہ بھی تو دیکھیں وہ کتنا چاہتا ہے آپ کو۔ وہ ایسا ہرگز نہیں کرسکتا یہ فقط انسانی جذبات کے سگنلز ہیں جو اسے بہکا گئے ہیں۔"

رمیز کسی طور یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ خلیفہ سمندر کو ختم کرنے کا سوچ بھی سکتا ہے جبکہ وہ اچھے سے جانتا تھا خلیفہ کی کہی گئی بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔

"جو بھی ہے اسے ان سخت لفظوں کا حساب دینا ہوگا۔ وہ چاہے جتنا مرضی اڑ لے۔ رہے گا میرا شاگرد ہی۔ کل کی ایک اہم ڈیلنگ کے بعد خلیفہ سے تفصیل سے بات ہوگی تب تک تم اسے سنبھال لو۔"

وہ جانتے تھے۔ خلیفہ کو سنبھالنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی لیکن پھر بھی انہوں نے ایسا کہا۔ ہوسکتا ہے کہیں نہ کہیں رمیز ٹھیک ہو اور صبح کے چڑھتے ہی خلیفہ کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ کر سمندر کی محبت کا طوفان کھڑا ہو جائے۔ وہ سگار پیتے ہوئے گہری سوچوں میں گم تھے۔

"میں کوشش کروں گا، کیا خلیفہ کو اس ڈیلنگ کے بارے میں علم ہے؟"

کل ان کے بیرون ملک اسلحہ کی ڈیلنگ تھی۔ اسلحہ کے ساتھ بھاری تعداد میں لڑکیاں بھی ان لوگوں کو درکار تھیں۔ چونکہ چھاپہ پڑنے کی وجہ سے اچھا خاصا نقصان ہوا تھا اس لیے انہوں نے فی الحال کیلئے اس کھاتے کو بند

کردیا۔ان کا دوسرا کاروبار اب بھی اپنی شان سے جاری وساری تھا۔دہشت گردی کی بڑی تنظیم کو ان سے بھاری اور جدید اسلحہ درکار تھا۔وہ چاہتے تھے خلیفہ خود ان سے یہ ڈیل کرے لیکن خلیفہ تو ایک معمولی سی لڑکی کے عشق میں خود کو ختم کیے بیٹھا تھا اس لیے انہوں نے خود ہی اس معاملے کو ہینڈل کرنا چاہا۔

"نہیں اسے تیمارداری سے فرصت ملے تو وہ کچھ کرے۔تبھی میں چاہتا تھا وہ کانٹا ہمارے راستے سے ہٹ جائے لیکن جیمز بھی ناکارہ نکلا۔کچھ نہیں ہو پایا اس سے۔"

وہ حقارت سے کہتے ہوئے صوفے پر دھپ کی آواز پیدا کرتے بیٹھے۔رمیزان کے لفظوں کی تاب نہ لا پایا دل کی بات زبان پر آئی اور اپنا رنگ دکھا گئی۔

"آپ کو نہیں لگتا کہیں نہ کہیں خلیفہ کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔"

وہ دونوں یار تھے۔بھلے کچھ معاملات میں رمیز کی اتنی ویلیو نہیں تھی لیکن خلیفہ کی آدھی زندگی اس کے سامنے گزری تھی۔وہ اس کی ہر عادت سے واقف تھا۔اسے یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ خلیفہ کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہو جائے یا پھر اسے کوئی نصیحت کر سکے۔اسی دوستی کی گرمجوشی نے خان کی بات کو ہضم نہیں کیا تھا۔وہ اس کی بات سن کر دھاڑے۔

"تو تمہیں کیا لگتا ہے میں خلیفہ کے خلاف ہوں۔نہیں رمیز،یہ میں ہی ہوں جو سب سے زیادہ خلیفہ کی پرواہ کرتا ہے میں نہیں چاہتا وہ اس لڑکی کے پیچھے اپنی زندگی تباہ کر دے۔"

دھاڑتے ہوئے وہ اینڈ میں ٹھنڈے اور ڈھیلے پڑے تھے۔انہوں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ان کے اور خلیفہ کے درمیان یوں خلش ہوگی۔

"نہیں خان،میں آپ کی خلیفہ کیلئے محبت پر شک نہیں کر رہا ہے۔میں اس گناہ کا مرتکب بھی نہیں ہو سکتا میں تو کہہ رہا تھا ہمارا شیر گم ہوتا جا رہا ہے۔"

سمندر خان کی حالت دیکھتے ہوئے اس نے بات کو سنبھالا تھا۔وہ تھکن سے چور لہجے میں بولے۔

"جس کو میں نے اپنی جان سے بھی بڑھ کر چاہا وہ آج میری جان لینے کی بات کر گیا۔رمیز،کیا عورت کی محبت اتنی طاقتور ہوتی ہے کہ وہ ہر رشتے کا لحاظ بھلا دے؟"وہ کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح اس سے دست

سوال تھے۔ رمیز سمندر کی دگرگوں حالت دیکھ کر کٹ کر رہ گیا۔

"نہیں خان ایسا نہیں ہے۔ یہ وقتی جذبات ہیں آپ دیکھئے گا خلیفہ پھر سے پہلے جیسا ہو جائے گا۔"

وہ یہ نہیں کہہ سکا کہ واقعی عورت کی محبت میں اتنی طاقت ہے کہ وہ بڑے سے بڑے سورماؤں کو دھول چٹا دے وہ تو پھر خلیفہ تھا۔ سمندر خان جان گئے۔ وہ ان سے زیادہ خود کو تسلی دے رہا تھا۔ صوفے کی پشت پر سر ٹکا کر وہ چھت کو گھورتے ہوئے بولے۔

"دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔"

گہری سوچ میں گم وہ چھت پر لگے فانوس کو تکنے لگے تھے۔ جہاں وہ اس فانوس کو تک رہے تھے ان سے کچھ دور رخسانہ دھڑکتے دل کے ساتھ سینے پر ہاتھ رکھے آنکھیں بند کیے کچھ پڑھنے میں مصروف تھی۔ اس کی ساتھی چلتی ہوئی اس کے پاس آئی اور فاصلے پر آ کر رک گئی۔ کرسی پر بیٹھی رخسانہ اس وقت قیامت ڈھا رہی تھی لیکن کون جانتا تھا ان بنے سنورے چہروں کے پیچھے کا درد ما سوائے اللہ کے اور جھیلنے والوں کے۔

"یہ کیا کر رہی ہو تم؟" اس نے کچھ دیر تک خاموش رہ کر اس کی سرگرمی کو نوٹ کیا پھر اپنے لب ہلائے تھے۔

رخسانہ نے آنکھیں کھولیں اور مدھم آواز میں بولی۔

"دل سے باتیں کر رہی تھی میں۔"

اس کی ساتھی اس طفل بات پر بیساختہ ہنسی تھی پھر بڑوں کی طرح اسے کہنے لگی۔

"میری ٹیچر نے کہا تھا دل کا کام صرف ایچ ٹو او کو آکسیجن میں تبدیل کرنا ہے یا خون کو باڈی میں سپلائے کرنا۔ اس کے علاوہ دل کچھ بھی نہیں کرتا۔ اس کے کوئی محسوسات نہیں ہوتے۔ کوئی خواہشات نہیں ہوتیں۔ وہ صرف ایک خون کا لوتھڑا ہے جو اپنا کام کرتا ہے۔ وہ پورے جسم میں خون سپلائے کرتا ہے اور بس، سارے جذبات و احساسات ساری حسیات تو ہارمونز کے زیر اثر وقوع پذیر ہوتی ہیں وہی غصے و خوشی، رنج و الم اور مسکراہٹ و محبت کا کام کرتے ہیں۔ دل نہیں کرتا تو پھر تم کیسے دل سے باتیں کر رہی ہو۔"

اس نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی بات کو جھٹلایا تھا۔ رخسانہ نے لبوں پر بے چین مسکراہٹ دوڑائی۔

"یقیناً ایسا ہی ہے لیکن کیا تم نے نہیں سنا، دل میں اللہ رہتا ہے جو ہمہ وقت اپنے بندے سے ہم کلام ہوتا ہے میں اپنے رب سے ہی باتیں کر رہی تھی۔" اس کی ساتھی اس بات سے چونک گئی۔ آہستہ سے اس کے سامنے نیچے آلتی پالتی مار کر بیٹھی اور بزرگانہ لہجے میں بولی۔

"ایسی باتیں نہ کرو سانے، ہم گناہ گار لوگوں سے کب اللہ مخاطب ہوا کرتا ہے۔"

رخسانہ کے ماتھے پر ہزار ہا بل آن سمائے۔ اسے اپنی ساتھی کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔

"کس نے کہا کون ایسا کہہ سکتا ہے؟ کیا تمہارے پاس سرٹیفکیٹ ہے کہ تم گناہ گار ہو۔"

اس لڑکی کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔ وہ اپنے اور رخسانہ کے کپڑوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"ہمارے گناہ ہی ہمارا سرٹیفکیٹ ہے پیاری دوست، ہمارا لباس، ہماری راتیں، ہمارے غلط فیصلے چیخ چیخ کر بتاتے ہیں ہم کس صف میں کھڑے ہیں۔ اگر ہم گناہ گار نہیں ہوتیں تو یہاں نہ ہوتیں۔ بعض اوقات کسی بھی چیز کے پروو کیلئے سرٹیفکیٹ کی ضرورت نہیں ہوتی ہم خود ہی اس کی نشاندہی کیلئے کافی ہوتے ہیں۔"

اس کی آواز بھیگ گئی تھی۔ زندگی میں اب بچا ہی کیا تھا سوائے راتوں کو آلودہ کرنے اور دن میں پول سنبھالنے کے۔ کوئی خوشی کوئی احساس ان بے حس لڑکیوں کے آس پاس بھی نہیں بھٹکتا تھا۔ ہاں وقت کا کوئی لمحہ ان پر مہربان ہو جاتا تھا جب وہ اس طرح کی باتیں چھیڑتے تھے پھر درد ہوتا تھا۔ رونا بھی آتا تھا اور بیتی باتوں کو سوچ کر ہنسی بھی۔ وہ لمحے ہوتے تھے جب ان کو لگتا تھا کہ ہاں وہ بھی انسان ہیں اور زندہ ہیں۔

"نہیں آسیہ، تم غلط ہو۔ ہو سکتا ہے ہم گناہ گار ہوں لیکن اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے اللہ ہم سے ہم کلام ہونا چھوڑ دیں۔ نہیں وہ ایسا نہیں کرتا۔ وہ روز ہم سے بولتا ہے، ہمیں سانس دیتا ہے، ہمارا دل دھڑکاتا ہے۔ وہ ان سب چیزوں میں ہی تو ہے۔ اگر وہ خفا ہوتا یا پھر ہمیں ہمارے حالوں پر چھوڑ دیتا تو سانس ہم سے روٹھ جاتی۔ سانس چل رہی ہے یعنی اللہ اور بندے کا رشتہ ابھی قائم ہے۔"

خلا میں گھورتے ہوئے وہ ایک جذب سے کہہ رہی تھی۔ آسیہ نے اس کی باقی آواز سنی جو کہ یہ تھی۔

"تم نے پوچھا نہیں میرا دل میرے سے کیا باتیں کر رہا تھا۔" کہتے ساتھ اس نے نظروں کا زاویہ بدلا۔ باب کٹ بالوں والی آسیہ کے ہونٹوں نے ہولے سے جنبش کی تھی۔

"بتادو۔"

رخسانہ نے ایک طائرانہ نگاہ اس پر تعش کمرے پر ڈالی۔اس کی اگلی بات نے آسیہ کو الرٹ کیا تھا۔

"میرا دل کہہ رہا ہے ہم بہت جلد یہاں سے آزاد ہونے والی ہیں۔"

اس کی مدھم، پر یقین آواز میں ایسا سحر تھا کہ وہ بنا سوچے سمجھے اس پر یقین لے آئی۔

"کیا واقعی ایسا ہونے جا رہا ہے؟" جذبات میں بہہ کر اس نے رخسانہ کے گھٹنے پکڑ لیے۔

"امید کر سکتے ہیں۔" وہ خوش ہوئی تھی۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو تمہارا دل سچ کہہ رہا ہو۔" وہ کھڑی ہو گئی تھی۔اس کے بدن میں ہلکا سا ارتعاش تھا۔ شاید آزادی کی نادیدہ سی خبر نے اس کے اعصابوں پر اثر کیا تھا۔

"جس جگہ اللہ بستا ہو بھلا وہ کبھی جھوٹ کہہ سکتا ہے۔"

آنکھیں بند کیے اس نے اپنے سر کو کرسی کی بیک پر گرا کر خود کو پرسکون کرنا چاہا کہ اب سے کچھ دیر بعد ان دونوں کو غلاظت میں جا کر گرنا تھا۔

☆......☆......☆

بڑا آپریشن تھا تو تیاری بھی بڑی تھی۔ڈاؤن ٹاؤن میں واقع وہ فیکٹری جس پر کئی سالوں سے ہاتھ ڈالنے کیلیے جانے کتنے لوگوں نے کوشش کی تھی۔کرنے کی کتنی تگ و دو کی تھی لیکن وہ پھر بھی ناکام رہے تھے۔یا تو اوپر سے اجازت نہیں ملتی تھی۔اگر مل بھی جائے تو پریشر کی وجہ سے قدم پیچھے ہٹانا پڑتے تھے۔اس ملک کے نام نہاد شرفاء و سیاستدانوں کی سمندر خان کو ایسی پشت پناہی حاصل تھی کہ وہ بغیر کسی داغ کے دندناتے ہوئے اس پورے ملک کو فحاشی کا اڈا بنائے ہوئے تھا۔اس کے کالے کام آہستہ آہستہ آکاس بیل کی طرح اس ملک کو نگل رہے تھے۔ساتھ ہی بیرون ممالک میں بھی پاکستان کا نام خراب سے خراب تر ہوتا جا رہا تھا جس کو بحال کرنے کیلیے سمندر خان کے گریبان پر ہاتھ ڈالنا ضروری تھا۔تبھی تمام پریشر کو ایک سائیڈ پر رکھ کر وہ اللہ کا نام لے کر میدان جنگ میں اتر کھڑے ہوئے۔پوری فورس اس فیکٹری سے دور ڈرون کیمراز ہوا میں دوڑائے صحیح وقت کی منتظر تھی جو بس کچھ ہی پلوں کا محتاج تھا۔ان کیمروں کے ذریعے وہ دیکھ رہے تھے کہ سمندر خان کی گاڑی دس بارہ گاڑیوں

کے درمیان چلتی ہوئی اس فیکٹری کے مین گیٹ سے اندر داخل ہوئی ہے۔ وہ ایک تمکنت سے سفید کلف لگے سوٹ پر ہاف وائٹ واسکٹ پہنے آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگائے اس ڈھلتی دوپہر میں فیکٹری کے احاطے کو عبور کر کے اندر داخل ہوئے ہیں۔

"ٹارگٹ پہنچ چکا ہے سر۔" کان سے لگے منہ پر آتے چھوٹے سے مائیک پر بھاری آواز ابھار کر دور الرٹ کھڑے جوانوں کے پاس پہنچائی گئی۔ وہ دیکھ رہے تھے سمندر خان اس فیکٹری کے اندر گیا ہے۔

"صبر کرو۔" آنکھوں میں چمک لیے وہ فتح کن لہجے میں بولا۔

سمندر خان کے اندر جاتے ہی ایک ہیلی کاپٹر اس فیکٹری کے احاطے میں لینڈ ہوا اور اس میں سے چار آدمی اترنے لگے۔ کلک کلک کے ساتھ ان چاروں کی تصویریں کلوز اپ کر کے لی گئی تھیں۔ وہ چاروں سمندر کے خاص بندے کے ساتھ اندر جا رہے تھے۔ وہ چاروں چائنیز تھے اور اب فیکٹری کے داخلی دروازے کو عبور کر کے دائیں جانب مڑتے ہوئے ایک تنگ سی گیلری کو پیچھے چھوڑ کر ایک کمرے میں آئے تھے۔ وہ کمرہ جدید طرز کا بنا ہوا تھا۔ بھاری پردے، مہنگے صوفے، بڑے واز اور دیواروں پر آویزاں پینٹنگز اور ان پینٹنگز میں چھپے کیمرے۔ سمندر خان ان کی تعظیم کیلئے کھڑے ہوئے تھے۔

"خوش آمدید، سمندر کی ریاست میں خوش آمدید۔" وہ چائنیز زبان میں ہی ان کی طرف ہاتھ بڑھاتے کہہ رہے تھے۔ ایک نے ان سے ہاتھ ملایا تھا۔ باقی سارے احتراماً جھکے تھے۔

"ہمیں خوشی ہوئی آپ سے مل کر، یقیناً یہ ملاقات یادگار ثابت ہوگی۔" سیاہ سوٹ اور چشمے کے ساتھ وہ چائنیز کہیں سے بھی مافیا گروپ کے سرغنہ نہیں لگ رہے تھے۔ سمندر خان نے بڑی ساری مسکان کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"ضرور۔"

کھڑکیوں کے آگے بھاری پردے گرے ہوئے تھے اور روشن دان پینٹنگز سے بند کیے گئے تھے۔ اس لیے کچھ بھی دیکھنا یا سننا فی الحال ممکن نہیں تھا۔ وہ چائنیز سمندر خان کے ساتھ اسلحہ کی ڈیلنگ کرنے لگے تھے جو انہوں نے دہشت گردی کیلئے استعمال کرنا تھا۔ تمام کاغذی کارروائی کرنے اور ہاتھ ملانے کے بعد وہ کھڑے ہو رہے

تھے جب سمندر نے انہیں کھانے کیلئے روک لیا۔ وہ لوگ واپس بیٹھ گئے۔ مہنگی وائن کو ابھی انہوں نے ختم ہی کیا تھا کہ دروازہ دھاڑ کی آواز سے کھلا اور خلیفہ تبریز اس میں نمودار ہوا۔ سمندر اسے یہاں دیکھ کر چونک گئے تھے۔

"واہ خان واہ، لگتا ہے آپ کو میری دھمکی بچگانہ لگی تھی۔"

وہ سیاہ پینٹ پر گہرے نما نیلی شرٹ پہنے ہوئے تھا جس کے دو بٹن سامنے سے کھلے تھے۔ بازوؤں کے صرف کفس فولڈ کیے گئے تھے اور بال حسب عادت جوڑے میں بندھے تھے۔ وہ چائنیز خلیفہ کو دیکھتے ہی کھڑے ہوئے اور "نی ہاؤ" ہیلو بول کر اٹھے تھے کیونکہ خلیفہ کو وہ اچھے سے جانتے تھے۔

"خلیفہ یہ وقت مناسب نہیں ہے۔" وہ دونوں آپس میں اردو میں بات کر رہے تھے تبھی ان چاروں چائنیز کے پلے کچھ نہیں پڑ رہا تھا۔

"ہاہا۔ یہی تو مناسب وقت ہے خان۔ انہیں چلتا کرو ورنہ بکی ہو جائے گی۔" اس نے جملے کو درمیان میں چھوڑا اور پھر بات کو توازن بخشنے کیلئے بولا۔

"دونوں کی۔"

جو بھی تھا سمندر کا احترام لازم تھا۔ انہوں نے گہرا سانس بھر کر دانت کچکچائے تھے۔ اس سے پہلے وہ ان چائنیز کو چلتا کرتے خلیفہ ان کی زبان میں اس ان سے مخاطب ہوا۔

"آپ لوگوں کا شکریہ یہاں آنے کیلئے ڈیل ہو گئی ہے تو آپ لوگ جا سکتے ہیں۔" اس کی بے رخی کی انتہا تھی۔ وہ سرخ آنکھوں سے ان چاروں پر حکمیہ انداز اپنا رہا تھا جو کہ سمندر کو نہیں بھایا۔

"اپنا رویہ درست کرو خلیفہ۔" وہ اب بھی اردو میں بولے۔ جب وہ خلیفہ کو کہہ رہے تھے اس وقت وہ چائنیز خلیفہ سے ہاتھ ملاتے ہوئے دروازے کو پار کر رہے تھے۔

"یہ تو مجھے آپ سے کہنا چاہیے خان جنہوں نے حد کر دی ہے۔" کہتے ساتھ ہی اس نے اپنے لمبے چوڑے وجود کے پیچھے چھپائی ہوئی یمن کو ہاتھ بڑھا کر آگے کیا۔ سمندر خان اس لڑکی کی یہاں آمد پر تلملائے تھے۔

"حد تب ہوتی جب یہ لڑکی قبر میں ہوتی تم اس کے سامنے میری توہین کرو گے گمان میں نہیں تھا۔" وہ اتنی زور سے دھاڑے تھے کہ ان کے حلق میں خراشیں پڑ گئیں۔ ان کے گارڈز پورے کمرے میں فاصلے سے کھڑے

تھے۔سب کی نظریں نیچی تھیں اور بندوقوں کی نالیں بھی۔

"قبر میں تو آپ ہوں گے وہ بھی اس کے سامنے کیونکہ آپ نے میرے گھر میں میری موجودگی کے باوجود اس پر قاتلانہ حملہ کروایا۔یہ کام گیدڑ کرتے ہیں شیر تو سامنے سے وار کیا کرتے ہیں۔"

ان کی دھاڑ کم تھی جتنی خلیفہ کی تھی۔وہ لمحہ بھر کو جامد ہوئے پھر آہستہ آواز میں بولے۔

"تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو خلیفہ۔" ان کی آنکھوں کا غصہ اب دکھ اور بے یقینی میں بدلنے لگا تھا۔خلیفہ کے ہاتھ میں یمن کا ہاتھ تھا۔وہ اسے اپنے برابر کھڑا کیے ان سے کہہ رہا تھا۔

"یہی خان کہ مجھے اب اس سے زیادہ کوئی عزیز نہیں۔آپ اور نہ ہی میں، کوئی بھی نہیں۔" اس نے رک رک کر ٹھہر ٹھہر کر ان لفظوں کو آزاد کیا تھا۔یمن نے ڈبڈبائی نگاہوں سے خلیفہ کی طرف دیکھا۔اسے اچانک یاد آیا تھا کہ خلیفہ کہا کرتا تھا اس کا ایک باپ ہے سمندر خان تو کیا وہ اس کی خاطر اپنے باپ کو مارنے والا ہے۔وہ بری طرح کانپی تھی۔

"یعنی کہ تم غداری پر اتر آئے ہو۔"

خلیفہ نے نفی میں سر ہلایا پھر یمن کا ہاتھ پکڑے دو قدم آگے بڑھا۔

"وہ تو آپ اتر آئے تھے جانتے ہیں غداری کی سزا کیا ہے۔"

اس سے پہلے کہ سمندر خان میز پر رکھی گن اٹھا کر خلیفہ پر نشانہ تانتے اس نے جینز کی بیلٹ میں اڑی شرٹ میں چھپی پسٹل کو نکالا اور چلا دی۔بجلی سے بھی تیز رفتاری میں جھکتے سمندر خان نے ابھی گن کو ہاتھ ہی لگایا تھا کہ آگ ان کے شانے میں گھس کر انہیں اندر سے جلانے لگی۔سارے گارڈز یونہی نظریں نیچی کیے کھڑے تھے کہ ان پر سمندر سے زیادہ خلیفہ کا ہولڈ تھا۔

سمندر خان نے بے یقین نگاہوں سے گردن اٹھا کر خلیفہ کو دیکھا۔ان کی آنکھوں میں تکلیف کے سبب دھند چھا گئی تھی۔تبھی صاف صاف خلیفہ کے تاثرات نہیں دیکھ پائے۔ہاں انہوں نے ایک اور آگ کو اپنی سمت بڑھتے ضرور دیکھا تھا۔اب کے وہ ان کے سینے سے کافی نیچے لگی اور انہیں جامد کرنے کا سامان کرنے لگی۔وہ دل کی جگہ پر ہاتھ رکھ کر صوفے پر گرے تھے۔

"خلیفہ۔" یمن نے اس کا ہاتھ سختی سے پکڑا تھا۔ وہ تحیر سے اسے دیکھ رہی تھی جس کے چہرے کی رگیں کھنچ چکی تھیں۔ اس نے بدقت تمام سمندر خان سے نگاہ ہٹا کر یمن کے چہرے پر ڈالی جو متوحش انداز میں روتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہ ضروری تھا یمن، بہت ضروری وقت آنے پر تم جان جاؤ گی۔"

وہ اس کا ہاتھ پکڑتا آخری نظر صوفے پر نیم مردہ سمندر خان پر ڈالتا تیز قدموں سے باہر آرہا تھا۔ ان سے دور تھوڑے سے فاصلے پر سیاہ یونفارم میں سولجرز فیکٹری کو پوری طرح اپنے گھیرے میں لے چکے تھے۔ اجازت ملتے ہی انہوں نے دھڑ دھڑ اندر بڑھنا شروع کیا۔ داخلی دروازے کو توڑ کر وہ گولیوں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ ڈھیر سارے مزدور اسلحہ بردار تھے۔ فورس کو اندر آتے دیکھ اور خود پر دھاوا بولتے دیکھ کر انہوں نے بھی بندوقیں سیدھی کر لی تھیں۔ اس فیکٹری کی چوکیوں میں بیٹھے سنائپرز بھی چن چن کر نشانہ تاک رہے تھے۔ ہر طرف دھواں تھا اور گولیوں کی بو۔ سمندر خان کو ابدی نیند سلانے کے بعد وہ جونہی یمن کا ہاتھ تھامتا گیلری میں آیا گولیوں، بارودوں کی آواز سن کر وہیں ٹھٹک کر رک گیا۔

"یہ۔۔ یہ کیا ہو رہا ہے خلیفہ۔" یمن نے ڈرتے ہوئے اس کی کہنی کو سختی سے پکڑا تھا۔ اس پکڑ سے زیادہ اس کی آواز میں ڈر تھا۔ خلیفہ نے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ وہ خود بھی پریشان تھا کہ یہ اچانک کیا ہو گیا ہے۔

"ششش۔۔۔ کچھ نہیں۔ پرسکون ہو جاؤ کچھ نہیں ہوا، میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا خلیفہ پر یقین رکھو۔" اپنی اوٹ میں اسے کرتے ہوئے وہ لمبی گیلری کے اختتامی جگہ سے نظر آتے ان سپاہیوں کو دیکھ رہا تھا جو اپنی شیلڈز کی اوٹ میں چھپ کر گولیاں برسا رہے تھے۔ بم چھوڑ رہے تھے۔ دھواں ہر جگہ تھا اور گھٹن بھری ہوا بھی۔ وہ آگے بڑھ رہا تھا یمن نے اسے بڑھنے نہیں دیا۔

"خلیفہ نہیں آپ نہیں جاؤ گے۔" وہ اسے سختی سے تھامے ہوئی سر کو زور زور سے ہلا کر روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وہ رک کر اسے دیکھنے لگا۔

"یمن، میں نے کہا نا میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔"

اس کے آنسو صاف کرتا ہوا وہ اعتماد سے کہہ رہا تھا۔ پھر اس نے یمن کو اپنی اوٹ میں کیا اور دوسرا راستہ

اپنایا۔اس گیلری کے دوسرے سرے پر ایک بڑی سی ہال نما جگہ تھی جہاں ڈھیروں تعداد میں بولٹس اور دیگر اسلحہ پڑا تھا۔وہ جگہ فی الحال تباہی سے بچی ہوئی تھی بڑے بڑے پیلے رنگ کے ٹینکس اور نیلی ڈرمیوں میں جانے کیا کیا بھر کر وہاں رکھا گیا تھا۔شاید یہ فیکٹری کا گودام ہو۔وہ یمن کو اپنی اوٹ میں کیے گولیوں سے بچاتا ایک ہاتھ میں گن پکڑے تیز قدموں سے چلتا ہوا اس جگہ آیا۔خلیفہ سمجھا تھا وہ جگہ محفوظ ہے لیکن وہ غلط تھا۔ان کے وہاں پہنچتے ہی چند سولجرز دور سے اپنی بندوقیں تھامے بھاگتے ہوئے آ رہے تھے۔

" یمن،تم وہاں جا کر چھپ جاؤ ان کو میں دیکھتا ہوں۔" وہ اسے ایک بڑے ڈرم کے پیچھے چھپنے کا کہہ رہا تھا۔اس ہال میں دو دروازے تھے جن میں ایک باہر کھلتا تھا تو دوسرا فیکٹری میں۔وہ بھاگتی ہوئی پیلے رنگ کے ڈرم کے پیچھے چھپ گئی۔اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔گولیوں کی آوازوں نے اس کی سماعت کو بری طرح زخمی کیا ہوا تھا۔وہ دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں سختی سے بند کرتے ہوئی آنسوؤں سے تر چہرے کے ساتھ اپنے لب بھینچے بیٹھی تھی۔اسے اسی طرح بیٹھے ہوئے پانچ منٹ گزرے تھے جب خلیفہ اچانک وہاں آیا۔اس نے ڈر کر ہلکی سی چیخ مارتے ہوئے خلیفہ کی آمد پر دل کو پکڑا تھا۔

" ہمیں یہاں سے فوراً نکلنا ہوگا۔" وہ اس کے پاس آتا حواس باختہ سا کہہ رہا تھا۔اسے بازو سے پکڑ کر وہ اس جگہ سے باہر نکلا لیکن اسے رکنا پڑا وجہ یمن کا وہیں جم جانا تھا۔

" چلو یمن ہمارا یہاں مزید رکنا خطرے سے خالی نہیں۔"

اس کے ہاتھ میں اس کی گن نہیں تھی یعنی اس کی گولیاں ختم ہو چکی تھیں تبھی وہ جتنی جلدی ہو سکے یمن کو ساتھ لے کر جانا چاہتا تھا۔اگر یمن نہ ہوتی تو بھی وہ سروائیو کر لیتا لیکن مسئلہ یہی تھا کہ یمن اس کے ساتھ تھی اور ڈری ہوئی تھی۔

" مجھے ڈر لگ رہا ہے خلیفہ۔"

دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے۔یمن کی خوف زدہ آواز سن کر وہ اسے دلاسا دیتے ہوئے بولا۔

" تھوڑی ہمت کرو اور چلو میرے ساتھ۔کچھ نہیں ہوگا۔" وہ دور سے مزید فورس کے چند بندوں کو اس

طرف آتے دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی نہیں یمن کی جان عزیز تھی تبھی وہ بے صبرا ہو رہا تھا۔

"میں نہیں جاؤں گی اور نہ ہی آپ کو جانے دوں گی۔" اس نے ضدی انداز اپنایا تھا۔ خلیفہ اس کی بچگانہ بات سن کر جھنجلا اٹھا۔

"یمن، یہ وقت ضد کا نہیں ہے چلو۔"

وہ اس کا ہاتھ کھینچتا دوبارہ آگے بڑھنے لگا مگر پھر سے رک جانا پڑا۔ وجہ یمن ہی تھی اس کے الفاظ تھے اور اس کے جمے ہوئے قدم۔

"میں نے کہا نا خلیفہ تبریز میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گی۔"

ٹون بدلی تھی، آواز بدلی تھی، انداز بدلا تھا۔ سب کچھ بدلا تھا خلیفہ زلزلوں کی زد میں آتے ہوئے ٹھٹھرا کر مڑا، مڑ کر انجانی نظروں سے یمن کو دیکھا جس کے چہرے کے تاثرات کے ساتھ ساتھ اس کی آنکھیں بھی بدلی ہوئی تھیں۔ دور سے بھاگ کر آتے فورس کے بندے اب نزدیک آنے لگے تھے۔

"کیا کہہ رہی ہو یمن۔" اس کی آواز کھائی سے آئی تھی۔ یمن نے اس کے ہاتھ کو پکڑے رکھا چھوڑا نہیں۔

"وہی جو تم سن رہے ہو۔ تم کہیں نہیں جاؤ گے اور اگر کہیں جانا بھی ہوگا تو وہ قبر ہوگی۔"

وہ اسے دیکھتا رہا، چند لمحے، چند ثانیے ہر کچھ جیسے سلوموشن ہو گیا تھا۔ بھاگتے آتے سپاہی ہوا میں اٹھتی گرد لی آندھی گولیوں کی آوازیں اور یہ دنیا اور ہاں خلیفہ تبریز بھی۔ اس نے یمن پر اپنی نظریں ٹکائی رکھیں۔ وہ اسے دیکھتا رہا اچانک بہت اچانک ہی خلیفہ کے تحیر سے لبریز چہرے پر سرخی دوڑی۔ اس کے لب اوپر کو ابھرے اور وہ اپنی گردن پیچھے گرا کر قہقہہ لگا گیا۔ یمن اس کا ہاتھ چھوڑ چکی تھی۔ وہ تالیاں بجاتے ہوئے ہنستا گیا اور الجھن میں کھڑی اس لڑکی اور خود کے گرد دائرہ بناتے ان فوجیوں کی سماعت پر بم پھوڑنے لگا۔

"تو یعنی اس سارے ڈرامے کا ڈراپ سین ہو ہی گیا مائی لو یمن حیات، اوپس آئی مین معروش حبیب کیا میں درست ہوں۔" نچلا ہونٹ دانتوں میں رکھتے ہوئے ایک ابرو اچکا کر وہ اپنی سنہری آنکھیں اس کی سیاہ آنکھوں میں ڈالتا کہہ رہا تھا۔ وہ سیاہ آنکھیں جن میں شاید وہ ڈوب گیا تھا۔ اس نے دیکھا سامنے کھڑی لڑکی کے چہرے سے خوف کے سارے اثرات زائل ہو چکے ہیں۔ کبھی ان آنکھوں میں جن میں محبت کے دیے ٹمٹماتے تھے۔

نفرت کی نیلی چنگاریاں زور پکڑنے لگی ہیں۔ تضحیک نے اس کے چہرے کو جکڑا اور اس کے لب کھلے۔

"تم درست ہو خلیفہ تبریز۔ اب یہ کھیل اختتام پذیر ہوا۔" گلے کو کھنکار گردن کو ہلکا سا جھٹکا دینے کے بعد اس کی آواز نکلی تھی۔ وہ آواز جو یمن حیات کی تھی اس یمن حیات کی جس کا وجود ہی اس دنیا میں نہیں تھا۔ خلیفہ کی آنکھوں میں غصہ تھا لیکن لبوں پر مسکان چہرے پر تمتماہٹ تھی اور تاثرات انجان۔

"اس کھیل کے ساتھ تم بھی ختم سمجھو۔" درمیان کی مانگ کے کنارے سے اس نے باریک سی جھلی کو کھینچ کر اپنے چہرے سے آزاد کیا تھا۔ یمن حیات کا چہرہ بھی ختم ہوا اور معروش حبیب کے نقوش واضح ہونے لگے۔ اس نے وگ کو سائیڈ پر پھینکا اور اپنے جوانوں کے حصار میں کھڑی شیرنی کی طرح للکاری۔

تم نور کی وادی تھے میں نجد کا صحرا تھا

تم حسن میں لاثانی میں عشق میں یکتا تھا

"کیا تم مجھے مار دو گی یمن، تمہیں تو مجھ سے محبت تھی نا۔" شعر کو تھوڑی ردوبدل کے ساتھ پڑھتے ہوئے وہ اس کی آنکھوں میں دیکھے جذب سے بولا۔ "وہ تم ہی ہو جس کی خاطر میں نے اپنے باپ جیسے انسان کو مار دیا۔ پھر بھی تم ایسی بات کر رہی ہو کتنی ظالم ہو تم۔"

معروش نے چندھی آنکھوں سے اس کے دکھی چہرے پر نظر ڈالی جہاں بیک وقت نجانے کتنے احساسات جنم لے رہے تھے۔ اس نے رائی برابر بھی اس پر ترس نہ کھاتے ہوئے کہا۔

"سانپ کسی سے محبت نہیں کر سکتا اور میری معلومات کے مطابق تمہارا اسی قبیلے سے تعلق ہے چلو چھوڑ دیتے ہیں اس فضول ٹاپک کو۔ مرنے سے پہلے یہ بتا دو میرے بارے میں کب سے جانتے تھے۔" ایک سوال جو کب سے اس کے دماغ میں کھلبلی مچا رہا تھا کو اس نے وجود میں ڈھالا۔ اس وجود کو سن کر دیکھ کر خلیفہ پھر سے ہنسا تھا۔ دو قدم اس کے نزدیک آیا۔ گول دائرے میں اسے گھیرے اس کے ساتھ الرٹ ہوئے تھے۔

"اس دن سے جس دن تم مجھ سے پہلی بار ٹکرائی تھی۔ تم کتنے ہی پردوں میں چھپ کر کیوں نہ آ جاتی معروش، خلیفہ پھر بھی تمہیں پہچان لیتا کیونکہ اس نے تم سے سچی محبت کی ہے۔ تم کھیلتی رہی اس کے دل کے ساتھ اور وہ چپ چاپ ایک لفظ بھی بولے بغیر تمہاری جھوٹی محبت میں خود کو گماتا گیا لیکن یہ تو بتاؤ، تم نے اتنا بڑا کھیل کھیلا

کیوں؟ یقین کرو اصل والا درد جاگا تھا دل میں تمہاری جھوٹی ریپ کی ویڈیو اور کرسٹل میتھ کی ایڈکشن کی ایکٹنگ دیکھ کر۔ تمہیں تھوڑا تو ترس کھانا چاہیے تھا مجھ پر۔ محبت چاہے سانپ ہی کیوں نہ کرے دل اس کا بھی ہے درد اسے بھی ہوتا ہے۔ بائی دا وے تمہاری اطلاع کیلئے عرض ہے اپنے اس ایجنٹ گجی تک پیغام پہنچوا دینا کہ خلیفہ بزدل نہیں ہے۔ اسے اس لیے بخشا تھا کیونکہ میں تمہاری اداکاری اور اس کی ہمت دیکھنا چاہتا تھا کبھی کسی خوش فہمی میں مبتلا ہو وہ۔"

معروش نے اس کی لمبی چوڑی وضاحت کو لب بھینچتے ہوئے سنا تھا۔ یہ بات کسی شاک سے کم نہ تھی کہ وہ اس کی اور گجی کی حقیقت جانتا ہے۔

"پھر بھی تمہیں نصیحت نہیں ہوئی خلیفہ تبریز، پھر بھی تمہارے دل میں دوسری لڑکیوں کیلیے رحم نہیں جاگا جن کو تم بھیڑیا بن کر دنیا کے سامنے نیلام کرتے ہو۔ تم نے یہ تو دیکھا تمہاری یمن تباہ ہو گئی ہے لیکن تم نے یہ محسوس نہیں کیا کہ اس نیلامی سے کیسی تکلیف ہوتی ہے جو سب تم نے سہا وہ کتنے ہی بھائی، باپ سہتے ہوں گے کتنے ہی شوہر راتوں میں اٹھ اٹھ کر روتے بلکتے ہوں گے۔ تم نے لاکھوں گھر تباہ کیے تمہارا کرما تمہارے سامنے آیا پھر بھی تم نے اس کام کو نہیں روکا۔ ویسے ہی چلنے دیا جیسے وہ چل رہا تھا تم نے اس سارے کھیل سے ایک پرسنٹ بھی سبق نہیں سیکھا یعنی تم واقعی ایک سنگدل انسان ہو۔"

وہ حقارت و بے رحمی سے کہتی سر سے پاؤں تک سراپا نفرت بنی کھڑی تھی۔ خلیفہ کی آنکھیں اس کی بات سن کر تحیر سے پھیلیں۔ وہ اچنبھے سے اسے دیکھ کر صدماتی آواز میں بولا۔

"تم کہہ رہی ہو دل سے کھیلنے کا یہ کھیل محض احساس دلوانا تھا کہ کیسے دوسرے مرد اپنی عورتوں کی رسوائی کو سہتے ہیں۔ کیا تمہارا یہی مطلب ہے یمن۔"

دنیا جہان کی حیرت اس کے لہجے میں در آئی تھی۔ بے اختیاری میں وہ اسے یمن بلا بیٹھا تھا معروش کے ماتھے کے بل واضح تھے۔

"تم درست ہو لیکن افسوس ہوا جان کر کہ تم احساس نامی چیز سے بھی واقف نہیں۔" اس کے الفاظ درمیان میں ہی تھے کہ خلیفہ کا فلک شگاف قہقہہ اس پورے گودام میں پھیل گیا۔ اس نے اپنا قہقہہ مکمل کیا اور پھر سرخ

چہرے کے ساتھ پھوٹتی ہنسی کو کنٹرول کرتے ہوئے وہ جھک کر اسے تکتے ہوئے بولا۔

"آئی مین سیریسلی تم لوگ یہ کام بھی کرتے ہو۔" ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے پیٹ پر تھا۔ معروش تھس سی سنجیدہ چہرہ لیے اس گناہوں کے بادشاہ کی حیرانی کو سہہ رہی تھی۔

"تمہیں دو آپشن دیتی ہوں۔ ایک، خود کو سرنڈر کر لو اور اپنے تمام گناہوں کو قبول کر لو۔ وعدہ کرتی ہوں جتنی کم ہو سکے گی سزا دلواؤں گی۔ دوسرا، گولی کھانے کیلئے تیار ہو جاؤ۔"

خلیفہ کی غیر سنجیدگی کو سائیڈ پر رکھ کر وہ سخت چہرے کے ساتھ اسے بھی رکنے پر مجبور کر گئی۔ خلیفہ نے تسلی سے اپنی جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اور فرصت سے بولا۔

"تو میں دوسرے آپشن کے ساتھ جاؤں گا مائی لو۔ تم مجھے گولی مارو ساری دنیا کے سامنے من گھڑت باتیں کر کے مجھے بدترین انسان ڈکلیئر کرو اور تمغہ حاصل کر لو۔ ٹرسٹ می چوں تک نہیں کرونگا۔ میں نے تو تب تمہیں کچھ نہیں کہا جب تم یمن بن کر میرے گھر کی، میری فیکٹری کی اور پرسنل پلیس کی تلاشی لیا کرتی تھی۔ ہر چیز کو غور سے دیکھ کر اپنے آویزوں میں نصب کیمرے میں ریکارڈ کر لیا کرتی تھی تو اب تمہیں کیا کہوں گا، ہاں یمن، میں جانتا تھا میں سب جانتا تھا پھر بھی انجان رہا۔ جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ مجھے محبت میں چوٹ کھانے کا جنون چڑھ چکا تھا اور میں جانتا ہوں آج اس جنون کا سفر ختم ہوا، آج سب ختم ہوا۔"

جیب کے اندر رکھے چھوٹے پسٹل پر اس نے انگلیاں پھیریں اور ایک عقاب سی نگاہ ان چار لوگوں پر ڈالی جو آٹومیٹک رائفل لیے کھڑے تھے۔ ان کو دیکھنے کے دوران وہ معروش کی آواز سن رہا تھا۔

"میں مذاق نہیں کر رہی خلیفہ، زندگی ہر کسی کو عزیز ہوتی ہے۔ سوچ لو" اس نے جب بالوں کی وگ کو اتار کر پھینکا تھا تو اس میں چھپی پسٹل نکال کر ہاتھ میں تھام لی تھی۔ سلور کلر کی وہ پسٹل خلیفہ کی آنکھوں سے مخفی نہیں تھی۔

"ٹھیک ہے جو تم کہو گی کروں گا لیکن میری بھی ایک شرط ہے۔"

اس کے اچانک مان جانے پر اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"کیسی شرط؟"

خلیفہ نے جیب کی ہڈن پاکٹ میں رکھی پسٹل پر ہاتھ کی گرفت کی۔

"نوفل کو چھوڑ کر مجھ سے شادی کرلو، میں بھول جاؤں گا کہ تم میرے دل کے ساتھ کھیلی ہو۔ میں تمہیں یمن کے حوالے سے ہی یاد رکھوں گا اور ہاں وہ سارے اعتراف کروں گا جو تم مجھ سے کہو گی سب بتاؤں گا زبان دیتا ہوں۔"

اس کا لہجہ اچانک التجائیہ ہو گیا تھا۔ آنکھوں میں محبت لیے وہ پر یقین لہجے میں کہہ رہا تھا۔ معروش نے اس کی بات کی سخت تردید کی۔

"اپنی حد میں رہو خلیفہ تبریز۔ جانتے بھی ہو کیا کہہ رہے ہو۔ تمہاری زبان کا کتنا پاس ہے یہ میں اچھے سے جانتی ہوں۔" وہ پھنکاری تھی خلیفہ اس کے اور نزدیک آیا۔

"یمن، میں سچ کہہ رہا ہوں وہی سب کرونگا جو تم مجھ سے کہو گی۔ پلیز میری بات مان جاؤ تم جانتی ہو نا کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ میری محبت کے اخلاص سے تو تم واقف ہو، تم جانتی ہو اس میں کوئی کھوٹ نہیں، میں تمہیں دنیا بھر کی خوشیاں دوں گا۔"

اس کے قریب آتے ہوئے کہہ کر اس نے اچانک معروش کو اپنی شیلڈ بنایا اور اس کے پیچھے چھپ کر گردن پر ہاتھ ڈالتے ہوئے اس نے سرعت سے پسٹل کو جیب سے نکالا اور بجلی کی سپیڈ سے تین آفیسر کو لقمہ اجل بنا دیا۔ معروش کھلے دماغ سے کھڑی تھی۔ وہ خلیفہ سے کسی بھی وقت کوئی بھی ہوشیاری کی توقع کر رہی تھی لیکن وہ اتنی پھرتی دکھائے گا اس کے وہم وگمان میں نہ تھا۔ اس کے سامنے اس کے تین آفیسر ٹھنڈے پڑ گئے تھے اور وہ کچھ نہ کر سکی۔ ایک نے ابھی بھی خلیفہ پر بندوق تانی ہوئی تھی لیکن وہ شہید ہوئے باقی تینوں کی طرح گولی نہ چلانے پر مجبور تھا کہ معروش خلیفہ کے سامنے تھی اور وہ خلیفہ کی پھرتی سے اندازہ لگا بیٹھا تھا کہ سامنے کھڑا آدمی کوئی معمولی شے نہیں ہے تبھی وہ اس پر نشانہ تانے کشش وپنج میں مبتلا تھا۔ معروش نے جلدی سے اپنے بریسلٹ میں لگے بٹن کو دبا کر مدد بلوائی۔ ان سے دور وین میں موجود سپاہی دھڑ دھڑ بھاگنے لگے۔

"خلیفہ نے آج تک کسی سے ہار نہیں مانی۔ کسی سے بھی نہیں تو پھر تم نے کیونکر سمجھ لیا کہ میں تمہاری اس سو کالڈ فورس سے ہار جاؤں گا۔ ٹھیک ہے تم پر دل ہار گیا ہے تو اس باغی کو سائیڈ پر رکھ دیتے ہیں۔" کہتے ہوئے اس نے ایک اور فائر کیا۔ ٹھاہ کی آواز کے ساتھ ہی وہ آخری آفیسر بھی جو نشانہ تاک رہا تھا نیچے جا گرا۔

"میں اگر مروں گا تو صرف میرے ہاتھوں سے یا پھر تمہارے۔" وہ ایک دم اسے چھوڑ کر اس کے سامنے آیا تھا۔ آتے ہی اس نے پسٹل کو ہاتھ اونچا کر کے زمین پر گرایا۔ بھاگتے ہوئے اس تک آتی فوج پر وہ دھاڑا تھا۔

"اے۔۔۔اگر ایک قدم بھی مزید آگے بڑھایا تو واللہ بم سے اڑا کر رکھ دوں گا سب کو، وہیں رہو۔"

معروش نے مڑ کر اپنی سکواڈ کو دیکھا۔

"تین تک گنوں گا اگر گولی چلاتی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ تمہارا باپ بھی مجھے یہاں سے نکلنے سے نہیں روک سکتا۔ مجھے مار دو یمن نہیں تو میں تمہیں مار دوں گا۔" اس نے اپنی جیب سے سیاہ رنگ کا بم نکالا۔ وہ نا جانے کہاں کہاں چیزیں چھپا کر لایا تھا۔

"ایک۔"

معروش کے کان میں آواز ابھری تھی۔ اس آواز کو سن کر وہ خلیفہ سے مصلحتی انداز میں بولی۔

"دیکھو خلیفہ، میں کہہ رہی ہوں میری بات مان لو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا چلو میں تمہاری قائم شدہ عزت پر حرف نہیں آنے دوں گی۔ سارا کیس سمندر خان پر الٹ کر تمہیں بے قصور ثابت کر دوں گی۔"

خلیفہ نے اس کی بات کو اگنور کیا۔

"دو۔"

معروش کا دل سینے میں دھڑکنے لگا۔ یہ وہ شخص تھا جو بد سے بدترین تھا لیکن پھر بھی اس سے محبت کر بیٹھا تھا۔ اس کی محبت پاک تھی۔ بالکل خالص کسی بھی ریاکاری سے عاری، وہ برا ضرور تھا لیکن اس نے اپنی محبت بری نہیں ہونے دی تھی، اس نے اس جذبے کو پوری شدت اور پوری ایمانداری سے نبھایا تھا۔ انسان جھوٹ بول دیتا ہے لیکن آنکھیں سچ اگلنے میں ماہر ہوتی ہیں۔ اس نے اس کی آنکھوں میں یمن کیلئے پاکیزگی اور احترام کی وہ چادر دیکھی تھی جیسی اس کے شوہر کی آنکھوں میں اس کیلئے تھی۔ اسی محبت کے پیش نظر وہ، وہ چاہتی تھی جو خلیفہ کو منظور نہ تھا۔

"تم میری بات پر غور تو کرو۔"

"تین۔"

اس نے بم سامنے کیا۔ اس سے پہلے وہ اس کی چابی کو نکالتا معروش نے گولی چلا دی۔ اس نے جلدی سے

خلیفہ پرتا نے پسٹل کے ٹریگر کو دبایا اور آتش کو اس کے دل کی نذر کیا۔ وہ آتش جو پہلے ہی اسے جلا چکی تھی۔ خلیفہ گولی کے زور سے ایک جھٹکے سے تھوڑا سائیڈ کو جھکا تھا۔ اس کے دل کو درد پہنچا تھا۔ خون کا فوارہ ابل کر زمین پر گرنے لگا۔ سرخ چمکیلا سنہری ذروں والے خون کو خلیفہ نے دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر نظروں کے سامنے کیا تھا۔ چمکتا خون آنکھوں تک آتے ہی جم کر سیاہی مائل سرخ ہو گیا۔

"یہ ان سب لڑکیوں کی طرف سے جن کو تم جیسے ظالم لوگ گناہوں کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔" بات مکمل کر کے اس نے ایک اور نشانہ اسی جگہ پر لگایا۔ خلیفہ کو ایک اور جھٹکا لگا تھا۔

"یہ ان جوانوں کیلئے جو تمہارے بیچے گئے زہر کے اثر اپنی زندگی کے ساتھ ساتھ اپنے خاندان کی زندگیوں کو بھی تباہ کر چکے ہیں۔"

خلیفہ کی آنکھوں سے آنسو ابلے تھے۔ اس نے اتنی شدید تکلیف زندگی میں دوسری بار محسوس کی تھی۔ پہلی تو تب ہوئی تھی جب وہ یمن کو درد میں تڑپتا دیکھتا تھا۔ اس کا دل گولیوں کی وجہ سے پھٹ گیا تھا تبھی وہ گھٹنوں کے بل نیچے زمین پر بیٹھا۔ اس کا سانس ہچکولے لیتے ہوئے آ رہا تھا۔

"یہ میرے وطن کیلئے جس کا نام تم جیسے سانپوں کی وجہ سے بدنام ہو رہا ہے۔" اس نے اسی جگہ پھر سے نشانہ لگایا۔ آس پاس اتنا خون اکٹھا ہو گیا تھا کہ خلیفہ کی سیاہ پینٹ اس میں ڈوب سی گئی۔ اسے جھٹکے لگنے لگے۔

"مجھے آپ سے محبت ہے خلیفہ۔" اس کی سماعتوں میں یمن کی آواز گونجنے لگی۔ وہ پانی سے تر چہرے کے ساتھ مسکرایا۔ شدتِ تکلیف کے باعث وہ کانپنے لگا تھا۔ اسے لگا کوئی الٹی چھری سے اس کے وجود کو آہستہ آہستہ کاٹ رہا ہے۔ نہیں شاید یہ درد اس سے بھی زیادہ تھا۔ اس نے آخری سانسوں کے درمیان بدقت تمام گردن کو اٹھا کر معروش پر نگاہ ڈالی۔

"اور یہ میری آپی کیلئے جو تم جیسے ہی نیٹ ورک کی نذر ہوئی تھی۔" ایک ساتھ اس نے تین گولیاں چلائی تھیں۔ منہ کھولے سانس لیتے ہوئے وہ دھندلی آنکھوں کے ساتھ ان گولیوں کا بار نہ سہتے ہوئے دائیں جانب گرا تھا۔ اس کے کھلے لبوں سے کراہ نکل رہی تھی۔ معروش پسٹل کو پھینک کر اس تک آئی۔ اس کے پاس آ کر ایک گھٹنا زمین پر ٹکا کر بیٹھی تھی۔ خلیفہ کی نیم مردہ آنکھوں نے اس کے چہرے کو آخری بار دیکھنا چاہا تھا مگر ناکام رہا۔

سمندر میں ڈوبے اس چہرے کو دیکھ کر اس نے پلکوں کو جھپکا۔ ڈھیر سارا پانی ندی کی طرح اس کی ناک کے سائیڈ پر سے پھسل کر زمین پر گر گیا۔ معروش پر نگاہ ڈالتے ہوئے اس کی آنکھیں پھر سے بھر گئی تھیں۔

"میں اگر کہہ بھی دوں تو بھی تمہیں نہیں مار سکتا، یہ میرے بس میں نہیں میں تمہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا کبھی بھی نہیں۔" وہ سوچ رہا تھا کہ بولنے کی اس میں ہمت نہیں تھا زبان مفلوج ہو چکی تھی اور طاقت ختم۔

"درد جیسی چیز سے آشنا ہوئے ہو آج، پتا چلا کہ جب کوئی اپنا مارے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ تم جیسے انسانوں کا یہی انجام ہونا چاہیے پپی ڈیتھ شیطان۔"

خلیفہ کو جھٹکے لگ رہے تھے۔ اس کی آنکھیں رفتہ رفتہ دھندلی ہو رہی تھیں۔ وہ اپنی پوری طاقت لگا کر انہیں جھپکتا ہوا معروش کو دیکھنے کی سعی میں تھا۔ وہ اسے جی بھر کر دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کے نقوش کو اپنی دھندلی ہوتی بصارت میں محفوظ کرنا چاہتا تھا لیکن یہ ظالم موت اسے مہلت نہیں دے رہی تھی۔ معروش کی آخری بات سن کر اس پر نظر جمائے اس نے گہری درد سے بھرپور سانس لی تھی۔ اسے دور سے یمن کی آواز سنائی دی۔

"خلیفہ، کہاں ہیں آپ دیکھیں مجھ سے چھپنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں میں سات پردوں میں سے بھی آپ کو ڈھونڈ نکالوں گی۔" اس کی سانس ٹوٹنے لگی تھی۔ ٹکڑوں میں آتی سانس میں اس نے معروش پر نگاہ جماتے ہوئے ہاتھ اٹھانے کی سعی کی لیکن جان وہاں سے نکل چکی تھی تبھی وہ اسے ہلا نہ پایا۔

"آپ اس ڈوگ کو کہیں دور چھوڑ آئیں مجھے اس سے ڈر لگتا ہے، خلیفہ آپ کو میں عزیز ہوں یا یہ شیر۔" اس کی ایک ہی جگہ پر جمی آنکھوں میں سیلاب امڈ آیا۔ تکلیف ایسی تھی کہ سہنا محال ہوا، ڈوگ سے بھی اسے شدید محبت تھی وہ اسے بھی شدت سے یاد کرنے لگا۔

"آئی لو یو۔" کوئی اس کے کان میں کہہ کر بھاگا تھا۔ اس کا منہ کچھ اور کھلا۔ گلے کی ہڈی اوپر نیچے ہوئی۔ اس کے وجود پر ہلکا سا جھٹکا لگا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ ساکت ہو گیا۔ خون سے لتھڑے ہوئے گناہوں کے شہنشاہ کی آنکھیں معروش پر ہی جم کر ٹھہر گئیں۔ کھلے منہ کے ساتھ سرد سا خلیفہ تبریز آج اپنے گناہوں کی سزا پا گیا تھا۔ معروش کو اس کی آخری، سرخ، بے یقین نظروں نے ٹھٹھرا دیا۔ خلیفہ کی آواز اس کی سماعت میں گونجنے لگی تھی۔

"میں کہتا تھا میں کبھی نہیں بتاؤں گا کہ مجھے تم سے محبت ہے لیکن آج میں کہہ رہا ہوں کیونکہ آج دل ہار گیا

ہے۔مجھے یہ کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہو رہی کہ مجھے واقعی تم سے محبت ہے۔"

فیکٹری میں موجود رکھے ہوئے بارودی مواد میں آگ کی چنگاری گر پڑی تھی جس کے سبب دھماکے ہونے لگے۔اس سے پہلے معروش یا اس کے ساتھی خلیفہ، سمندر خان اور یہاں موجود دوسرے انسانوں کی ڈیڈ باڈیز اٹھواتے انہیں پر زور حکم ملا اس جگہ کو چھوڑنے کا۔

"اس جگہ کو فوراً خالی کر دیا جائے ایک بڑے دھماکے کی خبر ملی ہے۔آئی ریپیٹ اس جگہ کو فوری خالی کیا جائے"

وہ اپنے کان میں موجود آلے میں ابھرتی آواز سن کر کھڑی ہوئی۔ایک افراتفری سی ہر جگہ مچ گئی تھی۔

"اس دن مال میں آپ نے میرے ہاتھ کیوں دھلوائے تھے؟"

"کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا تم کسی مصیبت میں پڑو، ڈرگ ایک زہر ہے اور وہ زہر تمہیں نگل لیتا۔"

اس کی نظریں خلیفہ پر ہی تھیں جس کا ایک ہاتھ منہ کے بالکل پاس تھا اور خون میں لتھڑا ہوا تھا۔

"لیکن میں ہی کیوں؟"

"کیونکہ تم دل ہو اور دل کی حفاظت ہر انسان پر فرض ہے۔"

معروش کا دل اوپر نیچے ہوا۔اس کی سکواڈ چیخ رہی تھی۔اس نے خلیفہ پر آخری نگاہ ڈال کر خود کو موڑ لیا۔

"یمن سمائل، تم جانتی ہو اس دنیا میں سب سے پیاری تمہاری مسکراہٹ ہے۔مونالیزا کو تو خواہ مخواہ ہی مشہور کیا ہوا"

اس نے قدم آگے بڑھانے شروع کیے۔

"پتا ہے تم وہ انسان ہو گی جو ایک دن میری جان لے گی۔تمہاری ادائیں مجھے مار ہی ڈالیں گی۔واللہ تمہاری معصومیت قاتلانہ ہے۔"

حفیظ اس کا ہاتھ تھام کر باہر کی اور بھاگنا شروع ہو گیا تھا۔معروش حبیب بیجان خلیفہ سے دور جا رہی تھی۔

"مجھے اس دنیا میں فقط ایک چیز سے ڈر لگتا ہے اور وہ ہے تمہاری جدائی۔وعدہ کرو مجھے کبھی نہیں چھوڑو گی۔"

وہ لوگ اس گودام ٹائپ ہال سے باہر آئے تھے۔دروازے کو عبور کرتے ہوئے بہت چاہنے کے بعد بھی اس نے خلیفہ کو نہیں دیکھا تھا۔

"تم سن رہی ہو اے وادیو! اس بھیڑیے کو ایک شہزادی سے پیار ہو گیا ہے۔"

بھاگتے ہوئے وہ اس گلی نما گیلری میں پہنچے اور وہاں سے مین ہال میں آ گئے۔

"ششش، تم ٹھیک ہو جاؤ گی یمن میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔ میں تمہیں ٹھیک کر دوں گا مت رو خدارا تمہارے آنسو دل پر تیزاب بن کر گر رہے ہیں۔"

بڑے سارے گیٹ کو عبور کر کے وہ سارے مین گیٹ کی طرف دوڑ لگا رہے تھے۔ جب ایک زوردار دھماکا ہوا۔ بھاگتے بھاگتے معروش نے مڑ کر دیکھا تھا۔ اس فیکٹری کا ایک حصہ دھماکوں سے گونجنے لگا۔ فلک شگاف دھماکوں نے سنہری دوپہر کو رات کی سیاہی میں بدل دیا تھا۔ آگ کی لپٹیں آسمان کو چھونے لگیں اور ہر طرف سیاہ اندھیرا سا پھیل گیا۔

"پتا ہے میں شروع سے بہت تنہا تھا۔ میرے پاس کوئی نہیں ہوتا تھا۔ جو میری سنتا مجھ سے محبت کرتا یقین کرو اگر کوئی ہوتا تو آج خلیفہ ایسا نہ ہوتا۔ میں اب بھی بدل سکتا ہوں یمن اور بدلوں گا صرف تمہارے لیے کیونکہ میں تمہیں کسی مصیبت میں نہیں ڈال سکتا۔ ہم کہیں بہت دور چلے جائیں گے۔ ایسی جگہ جہاں کوئی بھی ہمیں ڈھونڈ نہ پائے۔ تم ایسا ہونے میں میرا ساتھ دو گی نا؟ مجھے چھوڑ دو گی تو نہیں؟ دیکھو میں تم پر سب سے زیادہ اعتبار کر بیٹھا ہوں۔ مجھے مایوس مت کرنا۔"

"چلیں۔" حفیظ نے اس کا ہاتھ کھینچا اور اسے اپنے ساتھ گھسیٹ کر مین گیٹ کو پار کرنے لگا۔ ان کی گاڑیاں تیار کھڑی تھیں۔ معروش ان میں سے ایک پر بیٹھی اور جلتی ہوئی اس فیکٹری کو دیکھنے لگی جس میں وقفے وقفے سے دھماکے ہو رہے تھے۔

"میں موت سے گھبراتا نہیں ہوں صرف ایک چیز مجھے پریشان کر دیتی ہے اور وہ ہے تمہاری جدائی، میں مر جاؤں گا تو تم مجھ سے جدا ہو جاؤ گی۔ آہ یہ محبت بھی۔"

گاڑیاں چل پڑی تھیں اور وہ فیکٹری جس میں خلیفہ تبریز مردہ حالت میں پڑا تھا جل کر خاک ہو رہی تھی۔ ایک بہت بڑا مشن کامیاب ہوا تھا۔ اس کہانی کا اختتام بس چند لمحوں بعد ہی تھا۔

☆......☆......☆

نوفل جلے پیر کی بلی کی طرح یہاں وہاں چکراتا پھر رہا تھا۔اس کے چہرے پر تفکر کے گہرے سائے تھے اور دل حلق میں دھڑک رہا تھا۔بار بار اپنی مٹھیاں بھینچتا،کھولتا وہ نیوز کاسٹر کی آواز بھی سن رہا تھا جو کہ یہ تھی۔

"خلیفہ تبریز اس ملک کا جانا مانا نام تھا لیکن کہتے ہیں نا، ہر شریف چہرے کے پیچھے زیادہ تر ایک مکار انسان ہی چھپا ہوتا ہے۔بالکل اسی طرح کی کہانی خلیفہ تبریز کی بھی ہے۔وہ سمندر خان کی سر پرستی میں، فلاحی کاموں کی آڑ لیے غیر قانونی کاموں کو نا صرف پاکستان میں فروغ دے رہا تھا بلکہ ان کا تعلق گولڈن ٹرائی اینگل جیسے خطرناک نیٹ ورک سے بھی تھا۔پاکستان میں ڈرگ، منی لانڈرنگ، ہیومن ٹریفکنگ اور نجانے کون کون سے گھناؤنے کاموں میں ان کا بڑا ہاتھ تھا۔اس کے علاوہ ان کا نیٹ ورک دہشت گردوں کو غیر قانونی طور پر اسلحہ بھی فراہم کرتا تھا۔جی ہاں یہاں بات ہم خلیفہ تبریز کے بارے میں ہی کر رہے ہیں جو عوامی اور فلاحی بہبود کے کاموں میں ایسے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے جیسے ان جیسا کوئی نیک دل انسان نہیں۔"

نوفل نے بے صبرے پن سے اپنے سیل پر نگاہ ڈالی جس پر وہ ہزار بار معروش کا نمبر ملا چکا تھا لیکن وہ انگیج جا رہا تھا۔

"جی ناظرین!اب تک کی اہم خبر یہ ہے کہ خلیفہ تبریز کی فیکٹری پر پڑے چھاپے کی بدولت بارودی مواد نے پورے ماحول کو ہیبت ناک بنا دیا۔بارودی مواد میں آگ بھڑک اٹھی جس کے سبب کئی بلاسٹ ہوئے اور ان دھماکوں کی وجہ سے کئی ایکڑ میں پھیلی یہ فیکٹری جل کر راکھ ہوگئی۔اسکرین پر دکھائے جانے والے مناظر سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کتنے مالیت کا نقصان ہوا ہے۔"

نوفل اس آواز پر اچھل کر دیوار میں لگی ایل سی ڈی کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔جہنم کا منظر پیش کرتی آگ کی لپٹوں میں گھری اس فیکٹری نے نوفل کے دل کو بھی پکڑ لیا تھا۔وہ ہلکی ہلکی آئی شیو پر شدت پسندی سے ہاتھ پھیرتا معروش کا نمبر ملا رہا تھا۔

"معروش پلیز خدا کے لیے کال اٹھائیں۔"

اس کی بے چینی جنون کا رخ اپنانے لگی تھی۔وہ تیز تیز آواز کے ساتھ سانس لیتا یہاں وہاں پھرنے لگا۔

"ناظرین!اب تک کی بریکنگ نیوز ملاحظہ فرمائیں۔خلیفہ تبریز اور سمندر خان ان کاؤنٹر میں مارے گئے۔

جی ہاں ہم ایک بار پھر سے دوہرا دیتے ہیں کہ خلیفہ تبریز اور سمندر خان ان کا ونٹر کی نذر ہو کر لقمہ اجل بن گئے اور فیکٹری کے ساتھ ہی جل گئے ہیں۔ ایف آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر کا کہنا ہے کہ ان کی ٹیم کی ہیڈ معروش حبیب کی گولیوں سے خلیفہ تبریز لقمہ اجل بنے۔ تاہم زیادہ جانی نقصان نہیں ہوا لیکن کچھ جوانوں نے اس تاریخی ریڈ میں جام شہادت نوش فرمائی ہے جبکہ میجر اخلاص، میجر لطیف اور معروش حبیب جیسے بڑے نام اس وقت ہیڈ کوارٹر کی جانب روانہ ہو چکے ہیں جن کا انٹرویو بس کچھ دیر بعد ہی آپ کو سنایا جائے گا۔"

نوفل نے بے اختیار سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس کے دل میں ٹھنڈک اتری تھی۔ باہر کی اور دوڑ لگا کر وہ بائیک سنبھالتا ہیڈ کوارٹر کی جانب روانہ ہوا تھا۔ چند منٹ بعد وہ وہاں موجود تھا اور معروش کے ریفرنس سے ہی مختلف کمروں کو چھوڑ کر ایک کمرے میں آیا۔ اس نے دھاڑ سے پورا دروازہ کھولا تھا۔ اندر معروش کے ساتھ چند اور لوگ بھی تھے جو نوفل سے واقف تھے تبھی اس کے آتے ہی وہ اس کی سائیڈ سے جگہ بنا کر باہر چلے گئے۔ نوفل نے دروازہ بند کیا اور لمبے لمبے ڈگ بھر کر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا جو اَپ یونیفارم میں ملبوس تھی۔

"آپ ٹھیک ہو معروش۔ آپ کو کچھ ہوا تو نہیں؟ میرا فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھیں۔ جانتی بھی ہیں میں کتنا پریشان ہو گیا تھا۔"

وہ اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر بے اختیاری میں کہہ رہا تھا۔ اس کے اچھے سے چہرے پر پریشانی کے برے سے سائے تھے۔ وہ اسے ٹٹولتے ہوئے اس کی نادیدہ چوٹوں کو تلاشتے ہوئے از حد ڈسٹرب دکھتا تھا۔ معروش کے لبوں پر اس سارے عرصے میں پہلی بار مسکان آئی۔

"میں ٹھیک ہوں نوفل، کچھ نہیں ہوا پرسکون ہو جاؤ۔" نوفل نے آگے بڑھ کر اسے خود سے لگا لیا۔ اس کا دل اتنا تیز دھڑک رہا تھا کہ اس کی آواز معروش بخوبی سن سکتی تھی۔ اسے اچانک خود پر رشک آیا۔

"جانتی ہیں میں کتنا پریشان ہو گیا تھا۔ لگ رہا تھا جیسے ابھی مر جاؤں گا۔ اگر آپ نے بات نہ کی تو نیوز والے دیکھا ہے کیسی عجیب عجیب باتیں کر رہے تھے فیکٹری میں آگ لگ گئی تھی۔ آپ کا نمبر نہیں مل رہا تھا۔ ایسے میں، میں کیسے پرسکون رہتا میری زندگی داؤ پر لگی تھی معروش۔"

اس سے الگ ہوتے ہوئے وہ اب اس کے دونوں ہاتھ تھامتا اپنی بے قراریاں بیان کر رہا تھا۔ کچھ دیر قبل

جو خلیفہ کی موت کا اسے تھوڑا سا بھی دکھ تھا وہ ہوا میں دھوئیں کی طرح تحلیل ہو گیا۔

" کہا نا ٹھیک ہوں۔ اچھا اس پریشانی کو خود سے دور کرو اور مجھے سنو، نوفل میں کہہ رہی ہوں مجھے سنو، تم سن رہے ہو نا۔"

اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔ اپنے دماغ کو حاضر کیا اور تکان زدہ نظریں اس پر ڈال دیں۔

" یہ ہوئی نا بات اب سنو، مشن کمپلیٹ ہوا بس ایک چھوٹی سی پریس کانفرنس کرنی ہے۔ اس کے بعد لمبی چھٹیوں کا لیٹر لکھنا ہے اور پھر ہم اپنی میرڈ لائف انجوائے کریں گے تم ہو گے اور میں بس۔"

وہ آنکھوں میں دیے لیے اس سے مخاطب تھی۔ اس نے نوفل کے چہرے پر واضح طور پر خوشیوں کے رنگ آتے دیکھے تھے۔

" کیا سچ میں، پھر ایسا کرتے ہیں ہم نانو کے پاس چلے جاتے ہیں انہیں سرپرائز دیں گے۔" کہتے کہتے وہ اچانک رکا تھا۔ رک کر اس نے معروش کو کھوجتی نگاہوں سے دیکھا۔

" لمبی چھٹیاں کیوں۔ آپ نے تو کہا تھا آپ اس جاب کو بائے بائے کہہ دیں گی۔ ہاں مجھے یاد ہے آپ نے یہی کہا تھا۔"

معروش نے خجل پن سے اپنے سر کو کھجایا۔

" اس کے بارے میں بعد میں بات نہ کریں۔"

نوفل نے غصیلے پن سے کہا۔

" معروش! اب آپ کی زندگی پر میری حکومت ہے۔ میں جو فیصلہ کروں گا آپ کو وہی کرنا ہوگا اور بس میں مزید کچھ نہیں سننا چاہتا۔"

اسی اثنا میں دروازہ کھلا تھا اور اسے پیغام دیا گیا کہ پریس کانفرنس کیلئے بلایا گیا ہے۔ نوفل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ ہونے کے احساس کے طور پر اسے دبایا۔

" کامیابی مبارک ہو پیاری بیوی۔"

وہ مسکرائی تھی پھراس کی معیت میں چلتی ہوئی اس ہال کمرے میں آگئی جہاں رپورٹرزان لوگوں کے منتظر تھے۔نوفل اسٹیج کے پاس دروازے کی چوکھٹ میں پاؤں کی قینچی بنا کر کھڑا ہوگیا۔اس کے ساتھ ایک آدمی آ کر کھڑا ہوا تھا جسے اس نے فخریہ بتایا۔

"یہ میری بیوی ہیں۔"

معروش کو اپنی بیوی کہتے ہوئے اس کا انداز ہی نرالا تھا۔اس آدمی نے مسکراہٹ اچھالی اور اثبات میں سرہلا دیا۔وہ دونوں سن رہے تھے جو وہ لوگ کہہ رہے تھے۔مائیک معروش کے منہ کے سامنے تھا اور وہ اس میں بول رہی تھی۔

"آج سے سالوں پہلے میں ایک بزدل لڑکی ہوا کرتی تھی۔وہ جسے چھپکلی سے بھی ڈر لگتا تھا جو کاکروچ کو کاکروچ نہیں بلکہ ڈائناسار کی طرح لیا کرتی تھی۔میری یہ بزدلی میری بہادر آپی کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔وہ جوڈو میں بلیک بیلٹ تھیں اور کہتی تھیں کہ معروش خود کو مضبوط بناؤ کہ دنیا ہی مضبوط لوگوں کی ہے لیکن میں ایسی ہی رہی۔ان کی آڑ میں چلتی ہوئی لوگوں کی شکلوں سے خوف کھاتی ہوئی۔انہیں مردذات سے نفرت تھی۔وہ کہتی تھیں کہ مرد پر کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیے اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔وہ کسی کو قابل بھروسہ نہیں سمجھتی تھیں لیکن کھلے دل کے ساتھ ہر ایک کی مدد کر دیا کرتی تھیں۔"☆

اس نے سانس لینے کو منہ کو تھوڑا مائیک سے پیچھے ہٹایا۔ایسا کرتے ہوئے اس کے دماغ میں چند گھنٹوں قبل آزاد ہوتی وہ لڑکیاں آرہی تھیں جنہوں نے باربرزخ کو سہتے ہوئے خود کو مردہ کر لیا تھا۔اس وقت جب وہ فیکٹری پر حملہ کر رہے تھے ٹھیک اسی وقت ایک دوسری بڑی سکواڈ سگنل ملے اس جگہ حملہ آور ہو رہی تھی جوان لوگوں کی ایک اور مین جگہ تھی۔

"اسی طرح ایک دن خدمت خلق سے بھرے دل کے ساتھ اس نے ایک لڑکی کو غنڈوں سے بچانے اور اس کو اس کے گھر تک پہنچانے کا نیک کام کرنا چاہا تھا۔اس نیک کام نے انہیں بھی اسی برزخ میں لا پھینکا جس میں آج آزاد ہوئی ہزار لڑکیاں قید تھیں۔اس دن میں بھی اپنی آپی کے ساتھ تھی لیکن انہوں نے مجھے وہاں سے بھگا دیا اور خود ہمیشہ ہمیشہ کیلئے گمنام ہوگئیں۔میں نہیں جانتی وہ کہاں ہیں لیکن ایک دن ان کا فون آیا جس میں وہ مجھ سے

انہیں بچانے کی التجا کر رہی تھیں۔ ٹھیک ان کی باتوں کے دوران میں نے گولی چلنے کی آواز سنی تھی میں جان گئی میری آپی نہیں رہیں۔"

بات کرتے کرتے اس نے نوفل کی جانب سر کو گھمایا تھا جو لب بستہ سا سابقہ پوزیشن میں ہونٹوں پر انگلی رکھے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی اس کی بھرائی ہوئی آواز نوفل کو دکھ دے رہی ہو گی لیکن وہ اپنے جذبات پر قابو پانے سے مجبور تھی۔

"آپ کو یہ سب بتانے کا مقصد اتنا ہے کہ کوئی لڑکی کمزور نہیں ہوتی۔ ہر میں ایک واریئر چھپا ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی ہماری بہادری بھی ہمیں نقصان پہنچا دیتی ہے۔ میں نے آزاد ہوئی کافی لڑکیوں سے پوچھ تاچھ کی۔ ان کی کہانی سنی سب میں ایک ہی چیز مشترک تھی اور وہ تھا اعتماد۔"

ٹی وی پار بیٹھی عوام سانپ سونگھے اس کی بات سن رہی تھی۔ کچھ تو یہ سب سنتے سنتے اپنی بیٹیوں کو شانے سے لگا بیٹھے تھے۔

"ہم کہتے ہیں ہماری بیٹی باغی ہو گئی۔ ایک مرد کی محبت میں اس نے ہماری ساری زندگی کی محبت کو بھلا دیا۔ اگر ایسا ہو گیا ہے تو اس میں قصور کس کا ہے۔ ان لڑکیوں کا یا پھر آپ لوگوں کا؟ پیدا ہوتے ہی اس لڑکی کے دل میں ڈر ڈال دیا جاتا ہے کہ یہ کام کرو گی تو تمہارا باپ غصہ کرے گا، مارے گا۔ یہ کرو گی تو بھائی خفا ہو گا۔ اس کی ناک نیچے ہو گی۔ بھائی باپ کا ڈر آپ لوگ کیوں اپنی بچیوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں۔ ان کا پیار کیوں نہیں ڈالتے؟ انہیں بتائیں کہ بیٹا اگر آپ کسی غیر محرم سے فری ہونگی تو اس میں آپ کا نقصان ہے۔ اللہ کی نظر میں آپ اچھی نہیں لگیں گی۔ آپ کی نسوانیت آپ کا غرور نیست و نابود ہو گا، آپ کے گریس میں کمی آئے گی۔ لوگ آپ کو ایک شے لینے لگیں گے۔ وہ شے جو کسی بھی ٹھیلے پر با آسانی کم ریٹس میں دستیاب ہوتی ہے۔ کیا آپ واقعی وہ معمولی شے بننا چاہتی ہیں؟ انہیں بتائیں کہ آپ کے بھائی باپ کو برا لگے گا کیونکہ اس سے آپ کی عزت پر حرف آئے گا۔ ایسا مت کرو، تو کیا وہ نہیں سمجھے گی؟ لیکن نہیں آپ لوگوں نے تو ڈر بٹھانا ہوتا ہے۔ وہ ڈر جو گناہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ چھپ چھپ کر بات کرنے کیلئے اکساتا ہے۔ ڈر شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ یہ خوف زدہ انسان سے ہی بیخوف کام کرواتا ہے۔ یہ لڑکیوں کو ان کے گھروں سے بھگوا دیتا ہے کیونکہ وہ جانتی

ہیں اگر ہم اپنے دل کی بات گھر والوں کے سامنے کریں گی تو وہ ان کا ساتھ نہیں دیں گے۔ انہیں گھر میں قید کر دیں گے کیونکہ انہیں ان پر اعتماد نہیں ہے کیونکہ وہ تو ان سے ڈرتی ہیں۔"

اس نے اپنی کانپتی آواز پر قابو پا لیا۔ وہ مزید کہہ رہی تھی۔

"پسند کی شادی کوئی گناہ نہیں۔ اسلام میں اس کی گنجائش ہے بصورت دیگر اگر سامنے والا اس قابل ہو تو، اس سے پازیٹو وائبز آئیں تو مجھے دیکھ لیں پسند کی شادی کی ہے میں نے۔ نوفل خان اندلسی ہے پاکستان غیر قانونی طریقے سے اپنے دوست کے ساتھ پیسہ کمانے آیا تھا کیونکہ اندلس میں وہ قرضے میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے دوست کے کہنے پر اندلس چھوڑا اور پاکستان آ گیا۔ یہاں اس نے ایک ویٹر کے طور پر کام کرنا شروع کیا پھر میری نانو کے بک اسٹور میں ایز آ سیلز مین کام کرنے لگا۔ میں نے اسے دیکھا، پرکھا، چھان بین کی اور اس سے شادی کر لی کیونکہ اس سے وہ پازیٹو وائبز آتی تھیں جنہوں نے مجھے اس کی قید میں کیا۔"

وہ بلا جھجک اس کے بارے میں بتا رہی تھی۔ نوفل کے لبوں پر بڑی پیاری مسکراہٹ آن سمائی۔ اس نے فتح کن نظروں سے اپنے ساتھ کھڑے شخص کو دیکھا تھا جس سے ابھی کچھ دیر قبل وہ اپنے اور معروش کے رشتے کو متعارف کروا رہا تھا۔

"اسی طرح آپ اپنی بچیوں کے ساتھ بھی کریں۔ انہیں موقع ہی نہ دیں کہ وہ گھر سے بھاگ کر ان بھیڑیوں کے ہتھے چڑھیں۔ اگر وہ کسی کو پسند کرتی ہیں تو مشرقی انا کو سائیڈ پر رکھ کر دل کو بڑا کریں اور اس شخص کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ دیں، پرکھیں، جانیں، پازیٹو وائبز آئیں سب کچھ ٹھیک ہو تو خوش دلی سے اپنی بیٹی کو بیاہ دیں تاکہ وہ بہک کر گناہ نہ کر لے اور اگر وہ انسان اس کے حق میں بہتر نہیں ہے تو دماغ لگا کر اس کی اصلیت سامنے لائیں اور دکھائیں کہ وہ کون ہے جو اس کے نازک دل کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ آپ جب تک اپنی بچیوں کو اعتماد نہیں بخشیں گے تب تک یہ معاشرہ سدھر نہیں سکتا۔ زینب، عمارہ جیسی بچیاں اسی لیے ہوس کی بھینٹ چڑھتی ہیں کیونکہ والدین اپنے بچوں کی پرورش سے زیادہ خود کی مین ٹیننس اور گھریلو جھگڑوں میں وقت ضائع کر دیتے ہیں۔ بچوں کے ہاتھ میں موبائل دے کر وہ یہ سمجھتے ہیں جیسے یہ کوئی اعزاز ہو جو ان کی اولاد کو مل گیا ہے۔ خود تباہی ان کے ہاتھ میں تھما کر بعد میں سر پیٹنے کا کیا فائدہ؟"

"میں پاکستانی ماؤں سے اتنی عاجز ہوں کہ بتا نہیں سکتی۔ میں آئے دن کوئی نئے حادثے کو سنتی تھی کہ آج اس بچی کے ساتھ ریپ ہوگیا تو آج یہ بچی گھر سے بھاگ گئی۔ کوئی اغوا ہوگئی تو کوئی گھر میں رسوا۔ کبھی سوچا ہے ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ایسا تب ہوتا ہے جب ہم اپنے مقصد اپنے مقرر کردہ دائرے اپنے دین سے دور چلے جاتے ہیں اور مغربیت کو اپنا لیتے ہیں۔ جو قومیں اپنے اطوار کھو دیتی ہیں وہ اسی طرح ذلیل ہو کر رہ جاتی ہیں۔ جب مائیں ہی غافل ہو جائیں گی تو ہیلدی معاشرہ کیسے پروان چڑھے گا؟ مجھے تو حیرانگی ہوتی ہے یہ سوچ کر کہ کیسے آپ اپنی بچی کو کسی غیر مرد کی گود میں بٹھا کر خود فنکشن انجوائے کر رہی ہوتی ہیں یا پھر انہیں تنہا چھوڑ کر ان سے بے خبر ہو کر یہاں وہاں گھومتی پھرتی ہیں اس بودی سوچ کے ساتھ کہ وہ تو اپنے ماموں کے گھر ہے، اپنے چچا یا تائے کے پاس ہے۔ ان سب لوگوں کے پاس جو مرد ہیں غیر ہیں۔ عورت کیلئے اس کا بھائی بھی تنہائی میں صرف ایک مرد ہی ہوتا ہے تو پھر آپ لوگ کیونکر اپنی بیٹیوں کو دوسروں کے گھروں میں چھوڑ کر بے فکر ہو سکتی ہیں۔ انہیں گڈ ٹچ اور بیڈ ٹچ کے بارے میں کیوں نہیں بتاتیں تاکہ وہ ان حادثوں سے بچ سکیں جو ان کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اپنے گھر کا ماحول پاکیزہ و پرسکون بنائیں۔ ٹھیک ہے دنیاوی تعلیم ضروری ہے لیکن اس کا یہ مطلب تھوڑی آپ دینی تعلیم سے منہ ہی موڑ لیں۔ آج کل کے بچوں کو بیسک تک معلوم نہیں ہوتی ہے انہیں یہ تک نہیں پتا ہوتا ہمارے پہلے نبی کون ہیں۔ اپنے بچوں کو دین کے مزے مزے کے قصے سنائیں۔ ان کا دماغ بری چیزوں سے ایسے واش کریں کہ وہ پلٹ کر برائی کی طرف نہ جائیں۔ بچوں کیلئے بڑے ہی رول ماڈل ہوتے ہیں۔ وہ وہی کرتے ہیں جو آپ کر رہے ہیں۔ وہ وہی کہتے ہیں جو آپ کہہ رہے ہیں۔ وہ آپ کے رویے کو اپنا کر اس پر عمل کرتے ہیں۔ آپ کیا کر رہے ہیں کیا دیکھ رہے ہیں وہ اسے ہی پک کریں گے کیونکہ وہ اپنے والدین اپنے بڑے بہن بھائیوں کو سکین کر رہے ہوتے ہیں لیکن آج کل کے ہمارے بڑے ایسے ہیں کہ اللہ معاف کرے، انہیں خدا کا خوف نہیں ہوتا۔ ذرا سا رشتوں کا لحاظ نہیں ہوتا۔ آپ یقین کریں گے کہ آج کل وہ دور آگیا ہے کہ ماں باپ اپنے بچوں کے ساتھ انڈین فحش ڈرامے اور فلمیں مزے سے بیٹھ کر دیکھتے ہیں۔ ان کی بری رسموں کو اڈاپٹ کرتے ہیں ہالی وڈ سے انسپائر ہو کر مزے سے اپنے بوائے فرینڈز گرل فرینڈز کو ڈسکس کرتے ہیں اور والدین آرام سے مسکرا کر انہیں سنتے رہتے ہیں یعنی کہ یہ تو حد نہیں ہوگئی۔"

بولتے بولتے اسے غصہ چڑھ گیا تھا۔

"چھوٹے چھوٹے بچے چھوٹی چھوٹی بچیوں کے ساتھ پتا نہیں کیا کیا کر رہے ہوتے ہیں اور آپ لوگوں کو علم ہی نہیں ہوتا کیونکہ بھئی بر گر جو بننا ہے۔ بڑے بڑے مرد ننھی لڑکیوں کے ساتھ کھلے عام کھیل رہے ہوتے ہیں اور کوئی کچھ نہیں کہنے والا کیونکہ عمر کا فرق اب میٹر نہیں کرتا بلکہ پیسہ اور خود کو ہائی اسٹیٹس کا دکھانا زیادہ اہم ہے۔ آج جو لڑکیاں اس جہنم سے برآمد ہوئی ہیں ان میں ستر پرسنٹ وہ ہیں جو امیر آدمیوں کی محبت میں گرفتار ہو کر خود کو تباہ کر لیتی ہیں۔ دو پرسنٹ وہ ہیں جو گھریلو جھگڑوں کی وجہ سے گھر کو چھوڑ دیتی ہیں اور دو پرسنٹ وہ جو جھوٹی محبتوں کے دعووں میں پھنس کر وہاں تک پہنچی اور صرف ایک پرسنٹ۔"

اس نے اپنی شہادت کی انگلی اوپر کو اٹھائی۔

"صرف ایک پرسنٹ وہ لڑکیاں ہیں جو اغوا ہوئیں۔ اس سے آپ لوگ اندازہ لگا لیں کہ اتنے بڑے نیٹ ورک میں کتنی تعداد میں لڑکیاں ہوں گی۔ وہ وہاں کیوں ہیں کیونکہ آپ لوگ، آپ لوگ ان کی حفاظت نہیں کر سکے۔ اپنی بچیوں کو آپ لوگوں نے ڈرانا تو سکھا دیا لیکن اعتماد کرنا نہیں سکھایا۔ پلیز ان کے ساتھ ایک حدود میں رہ کر ماں باپ بن کر نہیں بلکہ دوست بن کر کانورسیشن کیا کریں۔ ان سے بات کیا کریں۔ انہیں سنا کریں کہ وہ کیا فیل کر رہی ہیں کیا نہیں۔ ان کی زندگی میں کیا مسائل چل رہے ہیں کیا نہیں۔ ان کی ہر موو پر نظر رکھیں انہیں پک اینڈ ڈراپ دیں اس لیے نہیں کہ آپ ان پر شک کر رہے ہیں بلکہ اس لیے کیونکہ آپ کو ان کی پرواہ ہے۔ ان کے ان باکس کو اپنے سیل فون کے ساتھ اٹیچ کر لیں کبھی کبھی فیس بک جیسی فسادی ایپ کو کھول کر دیکھ لیا کریں کہ کہیں ان کی معصوم کلیوں جیسی بہن کسی سازش کا شکار تو نہیں ہو رہی۔ ان کی واٹس ایپ پر چیک رکھیں تاکہ وہ تصاویر کے لیک ہونے پر گھر والوں سے ڈرتے ہوئے سائبر کرائم میں کمپلین نہ کر رہی ہوں۔ آپ ایسا کریں صرف اس لیے کیونکہ آپ کو ان کی پرواہ ہے اور سب سے آخری بات میں ان تمام لڑکیوں سے کروں گی جن کی وجہ سے گھر نہیں بلکہ پورا خاندان تباہ ہو جاتا ہے۔"

"پلیز آپ لوگ اپنے گھر والوں سے بات کیا کریں۔ کسی بھی قسم کے تھریٹ میسج پر اپنے بھائی کو مطلع کریں۔ اپنے باپ کو بتائیں۔ کبھی بھی دوبارہ دوہراؤں گی کبھی بھی اپنی تصاویر کسی کو بھی مت دیں۔ چاہے وہ کسی بھی

حالت میں ہوں۔ اپنی تصویریں آؤٹ مت کریں کیونکہ جو آپ کو اس حالت میں دیکھنے کی چاہ کر رہا ہے نا وہ آپ سے محبت نہیں کرتا۔ اسے صرف آپ کے جسم سے محبت ہوتی ہے۔ رات کے اندھیروں میں بھگانے والے اور جسم کی چاہ رکھنے والے کبھی آپ سے محبت نہیں کر سکتے۔ ان کیلئے آپ فقط کھلونا ہوتی ہیں۔ اپنے آپ کو کھلونا مت بننے دیں۔ واٹس ایپ پر اپنی پکس کے اسٹیٹس مت لگائیں کیونکہ وہ چوری ہو جاتے ہیں بلکہ وہ گیجٹ جو انٹرنیٹ سے جڑا ہے میں بالکل بھی اپنی پرسنل تصاویر اور کانورسیشنز مت رکھیں۔ سب سے آخر میں ایک تلخ بات کرنے جا رہی ہوں۔ خدارا کپڑوں میں تصویریں بنائیں آئی ریپیٹ اگین کہ کپڑوں میں تصویریں بنائیں اور اپنے تمام پرسنل ڈیٹا کو انٹرنیٹ سے جڑے موبائل میں کبھی مت رکھیں۔ تھینک یو۔"

اس کے علاوہ بھی اس نے ڈھیر ساری باتیں کی تھیں۔ کئی سوالات کے جوابات دیے تھے جن میں خلیفہ اور سمندر خان کا ذکر سرفہرست تھا۔ دو گھنٹے کی پریس کانفرنس کے بعد وہ اپنی ٹیم کے ساتھ چلتی ہوئی اس ہال سے نکل کر اس کے ساتھ ملحق کمرے میں گئی جہاں وہ ساری لڑکیاں تھیں جن کا وقفے وقفے سے انٹرویو لیا جا رہا تھا۔ معروش کرلی بالوں والی لڑکی کے پاس آ کر رکی جس کا نام رخسانہ تھا۔

"کیسا محسوس کر رہی ہو؟" وہ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے مسکراتے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ رخسانہ کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

"یقین نہیں آ رہا۔"

اس نے پیار سے رخسانہ کے بالوں میں ہاتھ پھیرے۔

"یقین کرلو کیونکہ یہی سچ ہے۔" وہ متبسم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ رخسانہ نے اتنی ساری لڑکیوں پر نظر ڈالی اور دکھی دل کے ساتھ بولی۔

"میرے گھر والے مجھے قبول نہیں کریں گے۔"

معروش نے بھی ان ساری لڑکیوں کو دیکھا تھا جن کا ڈھیر سارے ڈاکٹرز ٹریٹمنٹ کر رہے تھے تو کوئی کاؤنسلنگ۔

"وہ کرلیں گے تم کسی کو ڈھونڈ رہی ہو۔"

رخسانہ کو اس کا پر تیقن لہجہ بہت بھایا۔

"ہاں، میری دوستیں ان سب میں نہیں ہیں۔ میں جانتی ہوں وہ یا تو بیرون ملک بھیج دی گئی ہیں یا پھر ان کو مار دیا گیا ہے۔"

معروش نے اس کے ہاتھ تھامے اور بزرگانہ لہجے میں بولی۔

"کوئی بھی ہمیشہ ساتھ نہیں رہتا اچھی لڑکی، زندگی مسلسل چلنے کا نام ہے۔"

اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ ان سب کی ایڑھیوں کو کاٹ کر اس میں سے ٹریکنگ چپ نکال دی گئی تھی۔

"میں نے بہت سہا، اس قید نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے، مجھ میں کسی بھی چیز کو برداشت کرنے کی قوت ہے۔" اس کا چہرہ جھکا تھا اور ہاتھوں پر آنسوں چمکتے تارے کی طرح ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔

"تم نے کیا سیکھا اس قید سے؟" معروش اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ چکی تھی پھر بھی رخسانہ کے آنسو جاری وساری تھے۔

"یہی کہ والدین اولاد کیلئے ہمیشہ درست فیصلہ کرتے ہیں۔ عزت کی روٹی کا ایک نوالہ، ذلت کے قیمتی کھانوں پر بہت بھاری ہے۔ لڑکیوں کو کبھی بھی کسی بھی صورت گھر سے باہر قدم نہیں نکالنے چاہئیں۔ گھر کے باہر واقعی جانور بستے ہیں جن کی رال ہر وقت ٹپکتی رہتی ہے جو تاک میں ہوتے ہیں کب آپ نکلو اور ان کا شکار بن جاؤ۔" وہ کھوئے کھوئے لہجے سے کہہ رہی تھی۔ معروش نے آگے بڑھ کر اس کا سر اپنے شانے سے لگایا۔

"میں جانتی ہوں تم نے بہت سروائیو کیا ہے۔ اللہ تمہارے اس صبر کا بہترین اجر دیگا، سب کی طرح تمہارے گھر والوں سے بھی رابطہ کیا جا رہا ہے جلد ہی تم اپنوں کے پاس ہوگی۔"

وہ روتے ہوئے مسکرا اٹھی تھی۔ کومل عرف ثوبیہ اور بلال وہاں پہنچ گئے تھے۔ معروش ان کو دیکھ کر کھڑی ہوئی۔

"ہمیں اچھا لگا آپ کے ساتھ کام کر کے۔" وہ دونوں ایجنٹ تھے اور اب خوش دلی سے کہہ رہے تھے معروش نے ان پر مسکراہٹ اچھالی۔

"مجھے بھی۔"

"آپ کو نوفل صاحب نے بلایا ہے۔" بلال نے اسے اطلاع دی تھی۔ معروش ان کو چھوڑ کر ایک آخری

مسکراتی نگاہ رخسانہ پر ڈال کر آگے بڑھ گئی تھی۔ کچھ فاصلہ طے کر کے وہ دروازہ کھولتی دوسرے کمرے میں آ گئی جہاں ایک بار پھر نوفل اس کا منتظر تھا۔ اسے دیکھتے ہی فخریہ لہجے میں بولا۔

"ایم پراؤڈ آف یو۔" وہ سلیوٹ مارتا کہہ رہا تھا۔ معروش منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنس دی۔ نمی بھری نظروں سے اسے دیکھا جو کہہ رہا تھا۔

"میں واقعی خوش نصیب ہوں آپ جیسی بیوی جو ملی ہے۔"

معروش نے آنکھوں کے کونے پر آیا آنسو صاف کیا اور اسے کہنے لگی۔

"پتا ہے نوفل اصل خوشی وہی ہوتی ہے جو اپنوں سے ملتی ہے۔ مجھے کتنے اعزاز ملے تمہارے سامنے ابھی، اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی تمہاری باتوں سے ہوئی ہے۔ تھینک یو۔"

نوفل نے اپنے انگوٹھوں سے اس کے آنسو صاف کیے۔ معروش کو اچانک کچھ یاد آیا تھا۔

"خلیفہ مر گیا فیکٹری میں سے اس کے ناخن ملے تھے جن سے اس کی شناخت ہوئی ہے۔ وہ بیشک بہت برا انسان تھا لیکن سچ میں نوفل اس میں کہیں نہ کہیں اچھائی ضرور تھی۔"

نوفل اس وقت خلیفہ کے ذکر پر چونک گیا۔ معروش کی اگلی بات پر تو وہ بوکھلا یا تھا۔

"اس نے مجھ سے اصل والی محبت کر لی تھی، محبت واقعی انسان کو مار دیتی ہے۔"

نوفل کے ماتھے پر تیوری چڑھی تھی وہ سخت کبیدہ خاطر ہوا۔

"یہاں پر خلیفہ کا کیا ذکر اور ہاں وہ برا انسان تھا بہت زیادہ برا۔" اپنی بات پر زور دیتا ہوا وہ معروش کو باور کروا رہا تھا جس کی آنکھوں میں اچانک شرارت چمکی تھی۔ نوفل کے منہ سے ٹپکتی جیلسی پر اس کی رگ شرارت پھڑکی۔

"خیر اب اتنا بھی برا نہیں تھا۔ میری بہت عزت کرتا تھا اور مجھ سے خالص محبت کرتا تھا۔"

نوفل نے دانت کچکچائے جس کی آواز بخوبی معروش نے سنی۔

"میں نے کہا نا وہ برا انسان تھا تو بس بات یہیں ختم، وہ مر گیا ہے تو اسے مرا ہی رہنے دیں اور ہاں ایک بات ذہن نشین کر لیں آپ سے خالص محبت صرف میں نے کی ہے۔"

انگلی دکھاتا اسے وارن کرتا وہ اسے بڑا پیارا لگا تھا۔ وہ اس سے ناراض ہو چکا تھا ایک بار پھر سے۔

"جانا ہے تو دو منٹ میں باہر آ جائیں میں پارکنگ میں انتظار کر رہا ہوں۔" وہ جانے لگا تھا جب معروش نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"اتنا غصہ صحت کیلئے اچھا نہیں ہوتا پیارے شوہر۔ اچھا نا سوری مذاق کر رہی تھی۔"

وہ کان پکڑے کھڑی اسے ہنسنے پر مجبور کر گئی۔ نوفل نے سٹول کے اوپر سے اس کے بالوں کو بکھیرنا چاہا تھا۔

"چلیں مان جاتا ہوں کیسے عظیم انسان سے پالا پڑا ہے آپ کا، چلیں گی ساتھ؟"

معروش نے منہ بناتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"نہیں ابھی بہت کام ہے۔ جلدی آ جاؤں گی بے فکر رہو۔"

نوفل نے سرد آہ بھری پھر شانے اچکا کر ایک محبت بھری نگاہ اس پر ڈالی۔

"چلیں جیسے آپ کی مرضی، یہ بتائیں کیا بنا کر رکھوں آپ کیلئے؟" اس کے اندر کا شیف ایک بار پھر جاگا تھا اس لیے اپنے طور پر ٹریٹ دینے کیلئے پوچھا لیکن معروش کی اگلی بات پر وہ منہ کھولتا کھڑا رہ گیا۔

"ہا، مجھے اپنا معدہ بہت عزیز ہے رہنے دو تم، باہر سے آرڈر کر لیں گے آج کی تھکن کے بعد میں کسی بھی بد ذائقہ مشین سے بنا کھانا نہیں کھانا چاہتی۔"

وہ جان بوجھ کر اسے تنگ کر رہی تھی کہ نوفل کو تنگ کرنے میں اسے بڑا مزا آتا تھا۔ وہ جانتی تھی اس بات سے نوفل چڑ جائے گا اور اس کا یہ اندازہ غلط نہیں گیا وہ واقعی چڑ گیا تھا۔

"بہت وقت پہلے ایک لڑکی نے مجھ سے کہا تھا تمہارے ہاتھوں میں جادو ہے نوفل! اور بہت وقت بعد وہی لڑکی مجھ سے کہہ رہی ہے تم بد ذائقہ کھانے بنانے کی مشین ہو یعنی اس لڑکی کا ٹیسٹ بہت ہی خراب ہے۔"

وہ ناراض ہو گیا تھا۔ اس کا پھولا ہوا منہ معروش کو بہت بھلا لگا۔

"ہاہا۔ تمہیں چھیڑنا بہت آسان ہے نوفل، سچ میں۔" معروش کی آنکھوں میں چمکتے شرارت کے جگنوؤں کو دیکھ کر وہ اچانک خجل ہوا۔

"آپ بہت بری ہو معروش۔" کہتے ہی وہ مڑنے لگا لیکن معروش کی پکڑ پر ایک بار پھر سے رک گیا۔ وہ اس کی گھڑی سے سجی کلائی تھام کر کہہ رہی تھی۔

"جیسی بھی ہوں آپ کی ہوں۔"

ان لفظوں نے اسے جما دیا تھا۔اچانک مڑ کر اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھا جہاں آسودگی کا ایک جہان آباد تھا۔نوفل کے لب بھی مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

"سو تو ہے، اجازت؟" معروش نے اس کا ہاتھ چھوڑا تھا۔

"اللہ نگہبان۔"

وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد تھکن سے کرسی پر بیٹھ گئی۔

☆......☆......☆

اسے لگا تھا وہ رات تک فارغ ہو جائے گی لیکن اس کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔وہ رات ہی نہیں بلکہ اگلی دوپہر تک کام میں مصروف رہی تھی۔تین بجے کے بعد اسے جانے کا آرڈر ملا تھا۔

"اوکے معروش بیٹا، اب آپ جاؤ امید کرتا ہوں جلدی ملاقات ہوگی۔"

وہ مسکرتے ہوئے اپنا سارا سامان سمیٹ کر گاڑی میں رکھ رہی تھی۔ابھی اس نے اسٹیرنگ کو سنبھالا ہی تھا جب حفیظ اس کی کھڑکی میں جھکا۔

"میرے لائیک کوئی کام ہو تو مجھے ایک کال کر دینا۔بندہ حاضر ہو جائے گا۔" وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر احتراماً کہہ رہا تھا۔معروش نے اس کے احترام کی عزت کی اور کہا۔

"ضرور، میں وقت آنے پر تمہیں ہی بلاؤں گی۔ہیو گڈ ویکیشنز۔"

معروش کے ساتھ ساتھ حفیظ کو بھی چھٹیاں ملی تھیں جنہیں گزارنے وہ ٹھٹھہ جانے والا تھا۔

"تھینک یو باس۔" سلیوٹ مار کر وہ پیچھے ہوا تھا۔اس نے گاڑی چلا دی۔اس کی گاڑی جانے پہچانے لیکن سنسان راستوں پر دوڑ رہی تھی۔وہ گاڑی چلاتے ہوئے ریڈیو بھی سنے جا رہی تھی۔اس کا موڈ بہت خوشگوار تھا۔شیشوں کو فولڈ کیے وہ ٹھنڈی میٹھی ہواؤں کو اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔اس نے ایک موڑ کاٹا۔اس موڑ کے ساتھ ہی اسے نوفل کا خیال آیا تھا۔وہ جانتی تھی شام تک آنے کا کہہ کر اگلی شام کو پہنچنا اسے کس قدر تپا رہا ہوگا۔وہ ضرور اس سے ناراض ہوگا، غصہ بھی کریگا اور نخرے بھی دکھائے گا لیکن وہ جانتی تھی وہ بہت جلد مان جائے گا۔نوفل

کوفون کرنے کا ارادہ تھا لیکن اس نے ٹال دیا کہ وہ اسے سرپرائز دینا چاہتی تھی کہ حفیظ سے اس نے نوفل کو کال کروائی تھی جس میں وہ اسے کہہ رہا تھا۔

"جی سر، معروش میڈم دو دن بعد پہنچیں گی۔"

وہ جانتی تھی اس خبر سے نوفل کتنا سیخ پا ہوگا لیکن جب وہ اس کے سامنے اچانک جائے گی وہ بھی اپنی لمبی چھٹیوں کا پیغام لے کر تو وہ ضرور خوش ہو جائے گا۔اس کی خوشی یقیناً دیکھنے کے لائق ہوگی۔

ہوا میں مدغم ہوتی اچانک دھوئیں کی سمیل پر وہ چونکی تھی۔ کچھ آوازیں تھیں جو دور سے آ رہی تھیں۔ان آوازوں کو سننے کیلئے اس نے ریڈیو کو بند ہی کیا تھا جب اچانک اس کی سائرن بجاتی گاڑی کو سامنے سے آتی ڈھیر ساری گاڑیوں کے سبب رکنا پڑا۔اس نے فوراً بریک پر پاؤں رکھا تھا۔

نوفل نے غصے سے ایپرن اتار کر کرسی پر پھینکا اور گھڑی میں وقت دیکھتا ہوا تازہ بٹر پاپ کارن کا باؤل لے کر ٹی وی لاؤنج میں آ گیا۔اسے لگا تھا شاید حفیظ نے اس سے مذاق کیا ہو اور معروش مقررہ وقت پر گھر آ جائیں لیکن نہیں اس وقت کو تو گزرے ہوئے بھی دو گھنٹے ہو گئے تھے اور معروش نہیں لوٹی تھی۔ ٹھیک ہے وہ دو دن بعد ہی گھر آئیں پھر دیکھنا ان کے ساتھ کیسی لڑائی ہوتی ہے۔اس نے ایک ایک پاپ کارن کھاتے ہوئے چینلز کو سرچ کرنا شروع کیا تھا۔یونہی چلتے چلتے وہ نیوز چینل پر آ کر رکا تھا۔وجہ وہ خبر تھی جس نے اس کی روح فنا کر دی تھی۔

"ایف آئی اے کی بہادر ایجنٹ معروش حبیب پراسرار طریقے سے غائب۔ ہیڈ کوارٹر سے نکلتے ہوئے ان کی گاڑی کو غیر متعلقہ جگہ پر روک کر نامعلوم افراد انہیں بیہوش کر کے لے جاتے ہوئے سی سی ٹی وی فوٹیج سے دیکھے جا سکتے ہیں۔مزید تفصیلات جاننے۔۔۔"

نوفل چند لمحے سکتے میں رہا۔کیا جو اس نے سنا تھا دیکھا تھا وہ سچ تھا؟اس کا دل اس بری طرح ہلچل کرنے لگا کہ اسے لگا وہ ابھی پھٹ جائے گا۔اس کی معروش،نہیں اس کی معروش کو کچھ نہیں ہو سکتا وہ اسے کچھ نہیں ہونے دیگا۔ریموٹ کو زمین پر پھینکتے ہوئے پاگلوں کی طرح بھاگتا دوڑتا ہیڈ کوارٹر پہنچا تھا۔حواس باختہ،غصہ و ڈوبتے دل کے ساتھ سرخ نوفل خان وہاں کھڑا اچلا رہا تھا۔

"کہاں ہیں میری معروش۔ہاں،ایسے کیسے وہ غائب ہو سکتی ہیں؟" وہ بے خوف و خطر ان لوگوں پر کھڑا اچلا

رہا تھا۔ معروش کی گمشدگی کا سن کر ہی اس کی جان حلق میں آ گئی تھی۔ وجود کپکپانے لگا تھا اور آنکھوں میں دیکھی جانے والی نمی تھی۔

"نوفل پرسکون ہو جاؤ۔" اس نے شدت سے بات کاٹی۔

"پرسکون ہو جاؤں میری بیوی لاپتا ہے اور آپ لوگ کہتے ہیں میں پرسکون ہو جاؤں۔ وہ آپ لوگوں کی ذمہ داری تھی۔ اتنے لاپرواہ ہیں آپ لوگ، مجھے نہیں پتا مجھے میری معروش چاہیے ہر صورت۔"

غصے کی زیادتی کی وجہ سے اس کی آواز پھٹ چکی تھی۔ کف اڑاتا وہ مارنے کے درپے آگے کو بڑھ بڑھ کر چیخ رہا تھا۔ حفیظ نے اسے سنبھالا۔

"نوفل صاحب! یہ وقت غصہ یا جذباتی پن دکھانے کا نہیں ہے۔ آپ کو ٹھنڈے دل کے ساتھ ہمارے ساتھ تعاون کرنا پڑے گا۔"

نوفل نے اس کے ہاتھ کو جھٹکا اور ایک سائیڈ پر ہو کر دیوانہ وار معروش کا نمبر ملانے لگا جو کہ بند جا رہا تھا۔ اس نے سیل فون کو زمین پر پٹخنا چاہا مگر رک گیا کہ وہ جانتا تھا معروش سب سے پہلی کال اسے ہی کرے گی۔

"آپ لوگ اس کا فون ٹریس کریں، سم کی لوکیشن معلوم کریں معروش کی سم کارڈ والی تھی۔" اس نے سمجھوتہ کرنے کا سوچ لیا تھا کہ واقعی جذباتی پن سے کچھ حاصل نہیں ہونا۔

"ہم کوشش کر رہے ہیں بس ہمیں آپ کے ساتھ کی۔۔۔"

حفیظ کی بات سننے سے پہلے ہی وہ باہر کی طرف بڑھ گیا۔ بائیک پر چابی لگاتے ہوئے اس کے ہاتھ واضح طور پر کانپ رہے تھے۔ اس نے اوہام کے بیچ ڈولتے دل کو تھاما اور ریس دیتے ہوئے لب بھینچے خطرناک حد تک تیز اسپیڈ میں بائیک کو دوڑایا تھا لیکن اس سے پہلے وہ سخت لفظوں میں انہیں دھمکی دے گیا تھا۔

"اگر میری معروش نہ ملی تو واللہ میں سب تباہ کر ڈالوں گا۔" غصے سے آنکھیں نکالتے ہوئے کانپتے وجود کے ساتھ وہ چیخ کر کہتے ہوئے اپنی بائیک کو آگے بڑھا لے گیا۔

"میں جب گھر آؤں گی تو اچھا سا ڈنر کروں گی۔ تم میرے لیے کیا بنا کر رکھو گے؟" اس نے ٹرک کو اوورٹیک کیا۔ اس کی سپیڈ ایسی تھی کہ ذرا سی بھی کوتاہی اس کی جان لے سکتی تھی۔

"میں آپ کیلئے پاپ کارن بناؤں گا پھر ہم ساتھ میں فالٹ ان اور سٹار دیکھیں گے۔" سامنے سے گزرتی گاڑی جو اس کی راہ کی رکاوٹ بن گئی تھی اسے اریٹیٹ کرنے لگی تھی تبھی اس نے ہارن پر ہاتھ رکھ دیا۔

"میں تم سے اچھے سے ڈنر کی فرمائش کر رہی ہوں اور تم ہو کہ مجھے پاپ کارن پر ٹرخا رہے ہو۔ کتنے کنجوس شوہر ہو تم۔" وہ کار تھوڑی سائیڈ پر ہوئی تو نوفل نے بائیک کو اور تیز کیا جس کے پہیے انجانے راستوں کے مسافر تھے۔ وہ مختلف وہیکلز کو خطرناک طریقے سے اوورٹیک کر رہا تھا۔ اس سے اس کی جان بھی جا سکتی تھی لیکن اسے پرواہ نہیں تھی۔ معروش کی گمشدگی نے اس کے تمام حواس سلب کر لیے تھے۔ ان گم گشتہ حواسوں کے ساتھ وہ نمناک آنکھوں سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

"ہاہاہا۔ اسے کنجوسی نہیں کفایت شعاری کہتے ہیں بیگم صاحبہ۔ لیکن چلیں میں بھی فضول خرچوں میں شمار ہو جاتا ہوں۔ بتائیں کیا کیا کھانا پسند کریں گی آپ؟"

اس ہیڈ کوارٹر سے بہت بہت دور ایک عالیشان بلڈنگ کے آگے اس نے اپنی بائیک روکی تھی۔ اسے بائیک چلاتے شام سے رات ہو گئی تھی۔ رات کی سیاہی میں ہی وہ اس بلڈنگ کے اندر آ کر رکا۔ اتر کر اس نے اپنی آنکھوں کو رگڑا تھا پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ داخلی دروازے سے اندر جا رہا تھا۔

"بیوی کو خوش رکھنا کنجوسی کے زمرے میں نہیں آتا۔ خیر میں لسٹ نہیں بتا رہی جو تم دل سے کھلاؤ گے کھا لوں گی"

وہ لفٹ میں جا کر کھڑا ہوا تھا جو تھرڈ فلور پر آ کر رکی۔ لفٹ کے کھلتے ہی اس نے پاؤں کو تیزی دی اور بڑے سارے لابی کو پھلانگتا ہوا سفید دروازہ کھول کر اندر بڑھا۔ یہ واش روم تھا۔ وہ ایک ساتھ لائن میں لگے اتنے سارے بیسنوں میں سے ایک پر آ کر جھکا۔ جھک کر اس نے ہاتھ آگے کیے تھے۔ سنسر کو محسوس کرتے ہی پانی نل میں سے نکلنے لگا جسے اس نے اپنے چہرے پر مارنا شروع کیا۔ یکے بعد دیگرے جانے کتنے ہی چھینٹے اس نے چہرے پر مارے تھے۔

"صحیح ہے پھر میں آپ کیلئے سرپرائز تیار رکھوں گا۔"

اس نے اپنے دونوں ہاتھ بیسن کی صاف ستھری سفید سطح پر جمائے اور گری ہوئی گردن کو اوپر کو اٹھایا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ شدید سرخ اتنی سرخ کہ ان میں لہو ٹپکنے کا گمان ہوتا تھا لیکن یہ کیا اچانک ان سرخ آنکھوں

میں سنہری پن کیوں جھلکنے لگا تھا اور نوفل کے دکھی، ہارے ہوئے چہرے پر مسکان کیوں پھیلنے لگی تھی؟ رک جاؤ، تھام لو دل کو دیکھ لیتے ہیں ایسا کیوں ہو رہا ہے۔

اس کی آنکھوں کی سرخی پن ختم ہوئی تھی۔ چہرے پر سے افسردہ تاثرات ایسے غائب ہوئے جیسے ہوا میں دھواں غائب ہوتا ہے۔ اس کے وجود کی لرزش بھی فوراً سے تھمی تھی۔ اس نے پہلے لبوں کو دائیں جانب پھیلایا پھر اپنی گردن پیچھے کو گرا کر فلک شگاف قہقہہ لگایا تھا۔ وہ ہنس رہا تھا، دل کھول کر ہنستا گیا، ہنستے ہوئے اس کے شانے اور سینہ ہل رہا تھا۔ ہنسی کے دورانیوں کو مختصر کرتے ہوئے اس نے اپنی گردن کو سیدھا کیا اور شیشے میں خود کو دیکھنے لگا۔ تنتے تاثرات، تضحیکی مسکراہٹ اور اچکی ہوئی ابرو اس نے سیٹی بجائی تھی۔

" آئی ہیو ڈائیڈ ایوری ڈے ویٹنگ فار یو ڈارلنگ ڈونٹ بی افیرڈ آئی ہیو لوڈ یو فار آ تھاؤزنڈ ییئر آئی لو یو فار آ تھاؤزنڈ مور۔ "

سیٹی بجاتے بجاتے اس نے اپنی سیدھی انگلی سے آنکھوں کو کھول کر لینز اتارے۔ ایسا کرتے ہوئے اس کی نظریں نیچی تھیں لیکن جیسے ہی اس نے لینز اتار کر بیسن کی صابن والی جگہ پر رکھ کر نظریں اٹھائیں تو سونے سی چمکتی آنکھیں سامنے تھیں۔ دو سورج ان آنکھوں میں آن سمائے تھے جیسے اس میں سنہری افشاں گھل گئی ہو۔ رات سی گہری سیاہ آنکھوں میں دن چڑھ آیا تھا۔ سیٹی بجانے کے دوران ہی اس نے آئبروز کو اتار کر لینز کے ساتھ رکھا اور اپنے اوپری ہونٹ پر موجود جھلی کو اتارنے لگا۔ پھر اس نے کان کی لو کے نیچے سے ناخن مار کر پتلی سی جھلی کو کھینچا تو وہ کھنچتی چلی گئی۔ اپنے پورے منہ سے اسے آزاد کروا کر وہ اپنی داڑھی کو سہلا رہا تھا۔ اسی دوران اس کا فون بجا تھا۔ نمبر دیکھ کر اس نے کال کو مصروف کیا تھا۔ وہ اس کے کسی خاص بندے کا فون تھا۔ اپنے آپ کو اچھے سے آئینے میں دیکھتے ہوئے وہ واش روم سے باہر آیا اور مخصوص چال چلتا ہوا راہداری کو عبور کرنے لگا۔

اس کے واش روم سے باہر آتے ہی دو آدمی اس کے دائیں بائیں چلنے لگے تھے جن سے وہ پوچھ رہا تھا۔

" میری بیگم کو کہاں رکھا ہے تم لوگوں نے؟ " چال کے ساتھ ساتھ اس کی آواز بھی بدلی ہوئی تھی۔ ساتھ چلتے ایک آدمی نے کہا۔

" خان وہ اسپیشل روم میں ہے۔ "

سر کو ہلاتے ہوئے وہ ان کے ساتھ جا رہا تھا جب ایک بار پھر اس کا سیل فون بجا۔ وہ رکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے پیچھے چلتے آدمی بھی رکے تھے۔ موبائل کو آنکھوں کے سامنے کرتے ہوئے اس کے چہرے پر وہی مسکان آن سمائی جو معروش کو بہت پسند تھی۔ اس نے لیس کا بٹن دبا کر فون کان سے لگایا۔

"مرحبا خان کہو کیسے یاد کیا اپنے خلیفہ کو۔" لفظوں میں فتح لیے وہ ان سے دست سوال تھا جو زندگی سے بھرپور آواز میں بولے۔

"صرف یہ بتانے کیلئے فون کیا کہ ہم پاکستان کی سرحد کو چھوڑ چکے ہیں۔ تمہارے منتظر ہیں کہو کب انتظار ختم ہوگا"

وہ سمندر خان کی بات پر ہنسا تھا۔ تعظیمی انداز میں سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"بہت جلد خان۔ ابھی تو کچھ حساب چکانے ہیں اس لیے آپ کو جدائی کی گھڑیوں کو سہنا ہوگا۔" اس نے اپنے آبرو کو کھجاتے ہوئے کہا تھا۔

"چلو ہم انتظار کریں گے تمہارا۔"

اس نے فون بند کر کے جینز کی بیک پاکٹ میں رکھا اور ان آدمیوں کی معیت میں چلتا ہوا اس کمرے کے باہر آ کر رکا جس کا دروازہ چوڑائی میں کم تھا لیکن لمبائی میں وہ چھت سے جا ملتا تھا۔ اس نے اس دروازے کو ہلکا سا دھکیل کر کھولا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ اندر صرف روشن دان کی لوہے کی جالیوں سے چھن کر آتی روشنی تھی۔ باقی یہ سارا کمرا اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے بورڈ پر ہاتھ مار کر کمرے کو دودھیا روشنی میں نہا دیا۔ وہ کمرا بالکل خالی تھا کچھ بھی نہیں تھا وہاں۔ سوائے ایک تپائی اور پلاسٹک کے جگ کے۔ باقی زمین سے لے کر دیواریں بھی سفید ماربل سے ڈھکی ہوئی تھیں جس پر ایک کونے میں معروش گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔ قدموں کی آہٹ اور روشنی کو اس نے محسوس کر لیا تھا تبھی گردن اوپر کو اٹھائی اور دل و جان سے کانپ کر رہ گئی۔ خلیفہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے جاویدہ دیکھ کر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی تھی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ سب سراب لگا۔ فقط نظروں کا دھوکا لیکن اس سراب کو اس نظر کے دھوکے کو خلیفہ کی آواز نے توڑا تھا۔

شطرنج جیسا تیرا پیار

چال پہ چال، چال پہ چال

وہ اس کے کانوں میں صور پھونک رہا تھا۔ تضحیک کے رنگوں سے سجی آنکھیں، تمسخر آلود چہرے اور متبسم لبوں کے ساتھ وہ فتح کن لہجے میں کہتا اس کے فنا ہونے پر افسوس کر رہا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ جس کھیل کی اس نے شروعات کی تھی وہ اس کا پرانا کھلاڑی ہے۔ اس کا بے تاج بادشاہ، تو کوئی تھا جو اسے خلیفہ تبریز کو مات دیتا؟ ناممکن۔ وقفہ دیکر وہ اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا بالکل اس طرح جس طرح وہ آخری بار اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

"ہیلو معروش نوفل خان کیسی ہو؟" وہ اس کے بالوں کی ایک لٹ کو انگلی میں لیتا ہوا جذب سے بولا۔ معروش نے اس کا ہاتھ نہیں جھٹکا تھا۔ سکتے کے عالم میں وہ اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"نہیں، یہ، یہ جھوٹ ہے تم زندہ کیسے؟" اس کی زبان لڑکھڑائی تھی۔ اگر کوئی اور وقت ہوتا یا وہ اپنے ہاتھوں سے اسے نہ مارتی تو، تو بات بھی تھی کہ وہ صدمے سے نکل جائے لیکن اسے اپنے ہاتھوں سے مارنے کے باوجود زندہ سامنے دیکھ کر اس کی سانس رک گئی تھی۔

"شروع سے شروع کرونگا تو کہانی ڈریگ ہو جائے گی بس اتنا کہوں گا بلٹ پروف جیکٹ اور رنگ اسی لیے ایجاد ہوئے ہیں تاکہ دشمن کو بیوقوف بنایا جائے۔" وہ اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ معروش جیسے ہوش میں آئی تھی۔

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے میں نے تمہیں خود مارا تھا اور بلاسٹ ہوتی فیکٹری میں چھوڑ آئی تو پھر تم زندہ کیسے؟"

وہ ہوش میں تو آ گئی تھی لیکن دماغ اب بھی اس بات کو قبول نہیں کر رہا تھا۔ وہ بیوقوف تھی جو اتنی چھوٹی سی بات پر اپنی انرجی ویسٹ کر رہی تھی۔ ابھی کچھ دیر بعد اسے جو جھٹکے لگنے والے تھے انہوں نے تو اس کی حواس ہی سلب کر لینے تھے۔

"میں تمہارے بارے میں سب جانتا تھا۔ یہ بھی کہ کب تم نے میری ڈرگ کی فیکٹری پر حملہ کرنا ہے اور کب تم اسلحہ کی فیکٹری کو نشانہ بنانے والی ہو۔ تمہیں لگتا ہے یہ سب اچیومنٹس تم اتنی آسانی سے حاصل کر لوگی میری اجازت کے بغیر؟ نہ معروش نہ۔ اگر تم ان سب میں کامیاب ہوئی ہو تو اس میں سب سے بڑا ہاتھ تمہارے شوہر کا ہے یعنی میرا۔"

یہ ایک ایسا انکشاف تھا جس نے اسے ہزار واٹ کا جھٹکا لگایا تھا۔ پوری چھت معروش کے سر پر آ کر گری تھی اور اس کے ملبے میں اس کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے رکتے سانس کے ساتھ پوچھا۔

"یہ کیا بکواس ہے؟" وہ غصے سے مغلوب لہجے میں بولی تھی ابھی پہلی بات کو اس نے ہضم بھی نہیں کیا تھا کہ یہ دوسری بات۔

"یہی سچ ہے معروش۔ آپ جانتی تو ہیں میں آپ سے کتنی محبت کرتا ہوں۔" اس نے نوفل کی آواز نکالی تھی۔ معروش کی آنکھیں بڑے صدمے کے زیر اثر اچانک ڈبڈبائیں۔

"جب تم یمن بن کر مجھے دھوکا دے سکتی ہو تو میں نوفل بن کر تمہیں اس دھوکے کی سزا کیوں نہیں دے سکتا ڈیئر وائف۔ ہم۔"

معروش کی آنکھوں سے سیل رواں ہونے لگا۔ اس کے دل میں درد کی ٹیسیں اٹھی تھیں کاش یہ ٹیسیں شدت پکڑ جائیں اور وہ مر جائے۔

"ایسا کیوں کیا تم نے۔" حلق میں اٹکتے گولے کے سبب اسے بولنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ کھائی سے آتی آواز سن کر خلیفہ نے شانے اچکا دیے۔

"ٹٹ فار ٹیٹ اسی کو کہتے ہیں معروش۔"

وہ اسے اوپر سے نیچے تک دیکھنے لگی کہیں سے بھی تو وہ نوفل نہیں لگ رہا تھا سوائے آواز اور اس میڈل کے جو اس نے ہیڈ کوارٹر میں نوفل کے گلے میں پہنایا تھا۔ اس کے دماغ نے کام کیا۔

"میں کیسے مان لوں تم سچ کہہ رہے ہو۔ تم نے نوفل کو مروا دیا ہوگا اور اب خود اس کی جگہ لینا چاہ رہے ہو، ہے نا۔" ایک آخری سہارا، ایک آخری آس بھرا سرا پکڑتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی کہ کیا پتا یہ سب سچ نکل آئے اور خلیفہ ہمیشہ کی طرح جھوٹا۔ وہ اس کی بے تکی بات پر ہلکا سا ہنسا پھر اس نے ایسی بات کہی جس نے معروش کے رونگٹے کھڑے کر دیے تھے۔

"یہ صرف تم جانتی ہو یا پھر نوفل یعنی کہ میں کہ تم راتوں کو ڈراؤنے خواب کے زیر اثر ڈر کر اٹھ جاتی ہو۔ درحقیقت وہ خواب نہیں ہوتے بلکہ وہ بھیانک یادیں ہوتی ہیں جو اپنی آپی کے ساتھ تم نے زندان خانے میں

بتائی تھیں اور یہ کہ تمہیں اپنا بدصورت سا اوگی بہت پسند ہے جسے تم میرے ساتھ شیئر کرنا بھی پسند نہیں کرتی اور بھی بہت کچھ ہے معروش۔ اجازت دو تو سب کھول دوں، مان جاؤ کہ کوئی نوفل تھا ہی نہیں جو بھی تھا صرف خلیفہ تھا۔"

معروش نے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔ اس سے آگے سننے کی اس میں تاب نہ تھی۔ وہ اب باقاعدہ اونچی آواز میں روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"میرا نوفل مسلمان تھا جبکہ تم ملحد ہو۔" وہ چیخی تھی۔ خلیفہ کو اس پر ترس آیا۔

"تم یہاں پر بھی چوک گئی معروش۔ جہاں اتنا میرے بارے میں پتا لگوایا تھا وہاں اس کی بھی کھوج لگوا لیتی کہ مجھے بارہ دینوں کی کتابوں پر عبور حاصل ہے کیونکہ مطالعہ اور سرچ کرنا میرا پسندیدہ مشغلہ ہے اور ہسٹری جاننا میرا جنون۔ پھر چاہے وہ انسان کے متعلق ہو یا ادوار کے، تمہیں اس پر کام کرنا چاہیے تھا تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟"

معروش نے اپنی دونوں آنکھیں رگڑیں۔ دھوکے کی وجہ سے چور ہوتے جسم کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

"تو یعنی طے ہو گیا ہم دونوں کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ مجھے کراہت آرہی ہے یہ سوچ سوچ کر کہ میں ایک ناجائز رشتے کے تحت تمہارے ساتھ رہی۔"

ایک بار پھر اس کے آنسو رواں ہو چکے تھے۔ وہ ساری حسین یادیں جو نوفل کے ساتھ جڑیں تھیں سے اسے گھن آنے لگی۔ خلیفہ نے ہاتھ بڑھا کر انہیں پونچھنا چاہا مگر معروش نے اسے جھٹک دیا۔

"کیا تمہاری فیلڈ کے لوگ اتنے ناکارہ ہیں جو وہ تمہیں یہ تک نہ بتا پائے کہ سالوں پہلے اس خلیفہ نے کلمہ پڑھ لیا تھا۔ مطلب کیلئے ہی سہی مگر وہ مسلمان ہو گیا تھا، افسوس کی بات ہے وہ تمہیں اتنی اہم بات نہیں بتا پائے۔"

وہ حقیقتاً افسوس زدہ لہجے میں کہہ رہا تھا پھر اس نے معروش کے روتے ہوئے چہرے کی اور دیکھا۔ یہ وہ آنسو تھے جو صرف نوفل کے سامنے نکلتے تھے۔

"معروش حبیب۔ پتا چلا محبت میں دھوکا ملنا کتنا تکلیف دہ عمل ہے۔ اگر مجھے تم سے محبت نہ ہوتی، تمہاری دل سے قدر نہ کرتا، عزت نہ کرتا تو نوفل بن کر ہی تمہیں تمہاری طرح گولی مارتا اور احساس دلاتا کہ کیسا لگتا ہے جب کوئی اپنا دھوکا دے جائے۔"

وہ اس کے چہرے کے نزدیک آتا غراتا ہوا کہہ رہا تھا۔

"لیکن کیا کروں اس کمبخت دل کو دونوں بار کی بھی تو ایک سے ہی محبت کی چاہ کر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا تمہیں۔"

معروش نے اپنی بھیگی پلکیں اٹھائیں اور ان پلکوں جیسی ہی گیلی آواز میں بولی۔ "پھر تم نے اپنے اور سمندر خان کے مرنے کا ڈرامہ کیوں کیا خلیفہ تبریز۔ اگر تمہیں یہ سب ہی کرنا تھا تو۔۔۔"

خلیفہ کی ابرو پھر سے اچکی تھی۔

"رسی جل گئی بل نہیں گئے۔ جاننا چاہتی ہو تو سن لو۔ یہ سب اس لیے کیا کیونکہ ایسا کرنا ضروری تھا۔ نام، مقام، رتبہ جب ڈوب جائے تو انسان کو بھی ڈوب مرنا چاہیے۔ ڈوب کر تو نہیں مرے لیکن کھیل ضرور رچالیا تاکہ ہم تمام ایجنسیوں کی نظروں سے بچے رہیں۔ اب دنیا کی نظر میں سمندر خان اور خلیفہ تبریز مر چکے ہیں لیکن انڈر ورلڈ میں ان کا نام اور کام ابھی بھی برقرار ہے۔ اب ہم جیسے بھی کام کریں جسے بھی سیڑھی بنا کر منزلوں کو طے کریں کوئی ہمیں پکڑ نہیں سکتا نہ ہی پاکستانی ایجنسیاں اور نہ ہی غیر ملکی۔ کیونکہ ہم دونوں تو مر چکے ہیں ان شارٹ ہمارا راستہ صاف ہے۔"

معروش کو اچانک سے اپنا آپ بیکار لگنے لگا تھا اسی بیکار فیلنگ کے ساتھ اس نے چیختے ہوئے اس سے پوچھا۔ "تو پھر مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔ ہاں بدلہ لے لیا بس اب چھوڑ دو مجھے۔"

خلیفہ نے سرعت سے اس کی تھوڑی پکڑی تھی پھر اس کی سیاہ آنکھوں میں اپنی سنہری آنکھیں گاڑ کر گویا ہوا۔

"بدلہ کہاں لیا ہے بیگم اور بدلہ لینا بھی کب ہے؟ تم یہاں اس لئے ہو کیونکہ تم خلیفہ کی بیوی ہو۔"

اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا تھا۔ معروش نے اس کا ہاتھ جھٹکنا چاہا تھا لیکن ایک بار پھر ناکام رہی۔

"بیوی میں اس انسان کی تھی جو ہے ہی نہیں۔ تمہارا نام خلیفہ ہے جبکہ میرا نکاح نوفل سے ہوا تھا۔"

اس نے ڈھونڈ ڈھانڈ کر آخری پتا کھیلا تھا کہ کیا پتا اس بار بچت ہو جائے لیکن وہ بھی ناکارہ گیا۔ خلیفہ نے ہنسی دباتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور بولا۔

"ایک اور ناقص معلومات، تمہارا نکاح بے شک نوفل سے پڑھوایا گیا تھا لیکن بیوی تم میری ہی ہو کیونکہ میں ہی نوفل ہوں اور میں ہی خلیفہ، کیا تم بھول گئی میرے کئی نام ہیں۔ کئی شناخت اور ویسے بھی نکاح کی جو تمہیں کاپی

ملی تھی نا وہ جعلی تھی اصلی تو یہ ہے۔"

اس نے جیب سے کاغذ نکال کر اس کے سامنے رکھا۔ ایک نظر اس پر ڈال کر معروش پھر سے رونے لگی۔

"مجھے جانے دو خلیفہ۔ میں وعدہ کرتی ہوں تمہارے راستے میں کبھی نہیں آؤں گی میری نانو میرے بغیر پریشان ہو جائیں گی۔"

چہرے پر ہاتھ رکھ کر وہ زندگی میں پہلی بار پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ وہ بھی اس کے سامنے جس سے وہ نفرت کرتی تھی۔ خلیفہ نے اس کے دونوں ہاتھ چہرے سے ہٹائے اور بولا۔

"نانو آل ریڈی میرے پاس ہیں ڈیئر وائفی اور جانے دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ تم میری دونوں محبتیں ہو۔"

وہ آواز کے ساتھ رونے لگی تھی۔

"پلیز۔" روتے روتے اس نے ہاتھ باندھ لیے۔ وہ خلیفہ کو سن رہی تھی جو کہہ رہا تھا۔

"تم نے بھلے ہی اچھائی کی دیوی بن کر ان لڑکیوں کو چھڑوا دیا لیکن آگے وقتوں میں کیا؟ تمہیں لگا یہ سب کر کے تم ہمارے نیٹ ورک کو ختم کر دو گی تو یہ تمہاری خام خیالی ہے ایسا کبھی نہیں ہوگا۔"

اس نے ششدر بھرے انداز میں اسے دیکھا تھا۔ وہ اندر تک کانپ گئی تھی۔ خلیفہ اس کی نظروں کا مفہوم پڑھ کر بولا۔

"غلط ہوں، برا ہوں، خراب ہوں یا پھر جانور جو بھی ہوں تمہارا شوہر ہوں اور تم میری بیوی یعنی میری عزت۔ تم پر ایک آنچ بھی نہیں آئے گی اور نہ ہی میں آنے دوں گا۔ خلیفہ کے علاوہ کسی نے نظر بھی تم پر ڈالی تو میں اس کی آنکھیں نوچ لوں گا۔ اس کو ختم کر کے رکھ دوں گا اور یہ بات تم آل ریڈی جانتی ہو۔"

وہ مضبوط لہجے میں کہہ رہا تھا۔ معروش کو اپنا سیاہ فیوچر کھلی آنکھوں سے نظر آنے لگا پھر اس کے چہرے پر نفرت کے رنگ پھیلے تھے۔ وہ حقارت سے پر لہجے میں بولی۔

"میں مر جاؤں گی لیکن تم جیسے بدترین انسان کے ساتھ کبھی نہیں رہوں گی۔ اس سے تو بہتر ہے میں جہنم واصل کر دی جاؤں۔"

اس کے لہجے میں زہریلی کڑواہٹ تھی۔ وہ زہر بھرے نیلے چہرے کے ساتھ اس سے کہہ رہی تھی۔ خلیفہ ساکت سا اسے دیکھے گیا۔ اس نے چند سیکنڈ کا وقفہ لیا اور پھر بولا۔

"میرا ساتھ اگر جہنم یا موت سے بھی بدتر ہے تو اسے اپنا لو کیونکہ یہی اب تمہاری حقیقت ہے اور یہی آنے والی زندگی۔"

معروش نے پرزور اس کی مذمت کی۔ "میں مر کر بھی تمہیں قبول نہیں کروں گی، میں جہنم میں جانا پسند کروں گی لیکن تمہارے ساتھ رہنا ہرگز نہیں۔"

معروش کے لفظوں کی کاٹ نے اس کے دل کو پکڑا تھا۔ جو بھی تھا جس بھی انداز میں اس نے دھوکے کھائے تھے اسے پھر بھی اس سے محبت تھی کیونکہ اس نے اس کا شوہر بن کر بھی اس کے ساتھ بہترین وقت گزارا تھا اور آگے بھی گزارنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تو اپنی پہچان کو مخفی رکھتا نوفل بن کر ہی اس کے ساتھ پوری زندگی گزار دیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ چاہتا تھا کہ معروش اگر نوفل سے محبت کر رہی ہے تو وہ خلیفہ سے بھی محبت کرے۔ اسے اپنے شوہر کے روپ میں پا کر چاہے۔ یہ اس کی ضد تھی اور یہی اس کی خواہش لیکن وہ اس قیاس میں غلط نکلا تبھی اپنا سابقہ رویہ اپناتے ہوئے اس نے اس کی ٹھوڑی کو چھوڑ کر اس کے گال کو پکڑا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہنے لگا۔

"ایسا ہے تو پھر ایسا ہی سہی ویلکم ٹو ہیل ڈیئر بیوی!"

اس کی آنکھوں میں دھاڑتے عزم نے معروش کی بولتی بند کر دی تھی۔ وہ ٹھٹھراتے ہوئے ساکن ہوئی اور اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں ہراس لے کر اسے دیکھنے لگی جس کی سنہری سورج سی چمکتی آنکھیں چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں کہ وہ اسے خود سے دور کہیں نہیں جانے دے گا۔ چاہے وہ اس سے نفرت ہی کیوں نہ کرے۔ وہ رہے گی تو اس کے ساتھ ہی۔ ہر حال میں، ہر موسم میں، ہر خوشی میں، ہر غم میں، چاہے وہ چاہے یا نہ چاہے معروش حبیب نے اس کے ساتھ ہی رہنا تھا اور ایسا ہی ہوا تھا۔ پاکستان کو چھوڑنے کی تیاری ہو چکی تھی اسے لمبے عرصے کیلئے گڈ بائے کہنے کا وقت آن پہنچا تھا۔ کون جانتا تھا وہ ڈھیر ساری گاڑیاں جن میں سے ایک میں اس ظلم کو ختم کرنے کی چاہ رکھنے والی خود اس کا شکار ہو چکی ہے۔ پژمردگی کا نشان بنی اپنی قسمت پر ماتم کناں ہے۔ بندھے ہاتھ پیر اور

منہ پر چپکی سیاہ ٹیپ کے ساتھ وہ ایک گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ اس کے شانوں کے گرد مضبوط ہاتھ کی گرفت تھی۔ اس گرفت میں مان تو تھا ہی لیکن ساتھ میں سختی بھی تھی۔ معروش نے نظر پھیر کر اپنی دائیں جانب دیکھا جہاں اس کے برابر میں وہ انسان بیٹھا تھا جس کے ہاتھ میں اب اس کی باقی ماندہ زندگی تھی۔ وہی انسان آگے جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کر رہا تھا۔

"مجھے تمہیں ایسے دیکھ کر تکلیف ہو رہی ہے۔ جلد ہی تم ان بندشوں سے آزاد ہو گی۔ اس کے بعد ایک بہترین زندگی ہماری منتظر ہے معروش، آؤ اسے محبتوں سے بھر دیں۔ بھلا دیں وہ سب جو بیت چکا ہے۔ یاد رکھیں اسے جو آج ہے، تم ایسا کرو گی ناں؟ ہماری زندگی کو مثالی بنانے میں میری مدد کرو گی ناں؟ میں جانتا ہوں تم ایسا کرو گی کیونکہ تمہیں مجھ سے محبت جو ہے۔"

آنکھوں میں دیے لیے وہ نوفل بنا اس سے سراپا سوال تھا۔ معروش کا دل زور کا دکھا۔ اس نے منہ پھیرا اور جھٹکے سے چلتی اس گاڑی کی سپیڈ پر سیل رواں بہانے لگی جو اس سے اس کی خوشیاں، اس کی زندگی اور اس کا سکون دور، بہت دور لے جا رہی تھی۔

رات کے آدھے پہر اس بلڈنگ کے اندر سے ڈھیر ساری سیاہ گاڑیاں اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہوئیں۔ وہ منزل جس کا اختتام پاکستان سے کوسوں دور تھا۔ اس کی حدود سے بہت بہت دور وہاں، جہاں ان ظلم کے بادشاہوں نے اپنی سلطنت قائم کرنی تھی۔

جہاں ان کے کالے کاموں نے وقت کی طرح دوڑنا تھا۔

جدھر ان کیلئے کوئی قیود نہیں تھیں وہ آزاد تھے کیونکہ

وہ تو مر چکے تھا

اور جو مرتا ہے

وہ آزاد ہی تو ہوتا ہے۔

......ختم شد......